5 انسائیکلوپیڈیا

جہانِ قائدؒ

تالیف

علامہ عبدالستار عاصم

بسم الله الرحمن الرحیم
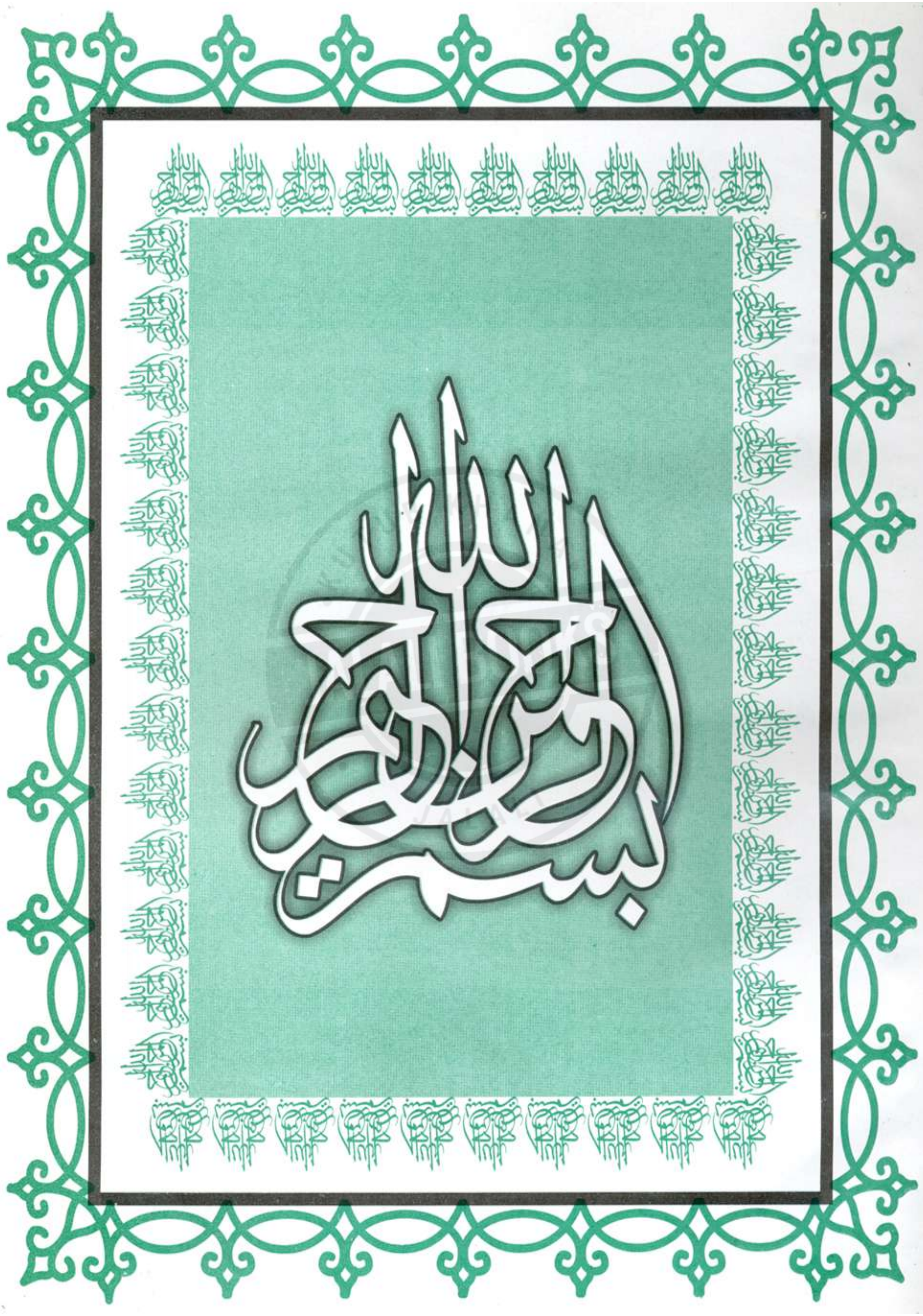
حیاتِ قائداعظم محمد علی جناحؒ پر مکمل، مستند انسائیکلوپیڈیا
جہانِ قائدؒ
جلد پنجم
تحقیق وتالیف
علامہ عبدالستار عاصم
مجلس مشاورت
ڈاکٹر مجید نظامی، ڈاکٹر عبدالقدیر خان، بانو قدسیہ
ڈاکٹر محمد اجمل خان نیازی، رانا عامر رحمٰن
قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل لاہور
بینک سٹاپ والٹن روڈ لاہور کینٹ پاکستان

انتساب

تجھے معلوم بھی ہے کچھ کہ صدیوں کے تفکر سے
کلیجہ پھونک کر کرتی ہے فطرت اک بشر پیدا (حفیظ رومانی)

پاکستان کو تعلیم یافتہ نسل فراہم کرنے کے لئے ہمہ وقت مصروف کار

جناب پروفیسر ڈاکٹر خلیق الرحمٰن

وائس چانسلر جی سی یونیورسٹی لاہور

گزر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں
کہ شاہیں کے لئے ذلت ہے کار آشیاں بندی (علامہ اقبالؒ)

صوبائی کابینہ کے شاہین صفت رکن

جناب رانا مشہود احمد خاں

صوبائی وزیر تعلیم حکومت پنجاب

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود (حفیظ رومانی)

اپنے فن کی خونِ جگر سے آبیاری کرنے والے، صاحبِ خبر و نظر، کتاب دوست

جناب افتخار مجاز

سینئر کالم نویس، ادیب، دانشور، محقق، تجزیہ نگار

کے نام

انتساب

ہے یاد مجھے نکتۂ سلمان خوش آہنگ
دنیا نہیں مردان جفاکش کے لئے تنگ (علامہ اقبالؒ)

مرد جفاکش لیفٹیننٹ جنرل (ر)

جناب خالد مقبول سابق گورنر پنجاب

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ (علامہ اقبالؒ)

دکھی انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرنے والے مرد درویش

جناب محمد اقبال قریشی

چیئرمین قریشی گروپ آف انڈسٹریز
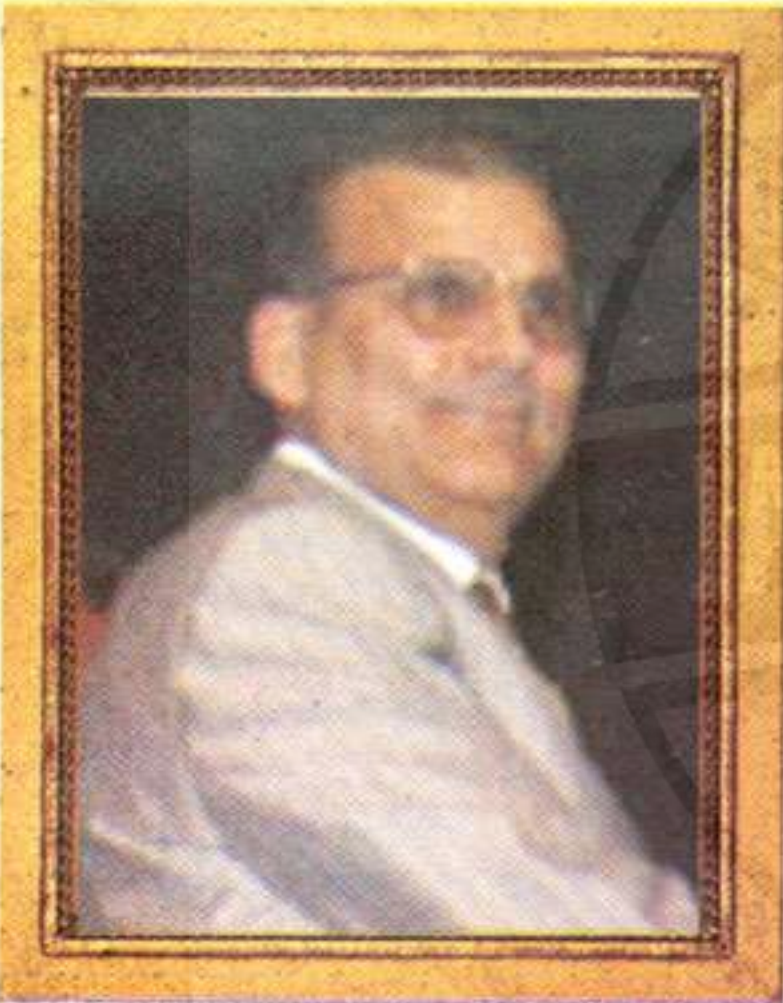
ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات، ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں (علامہ اقبالؒ)

اپنے سفر حیات کو خدمت انسانیت کے ذوق میں
جاری رکھنے والے علم دوست، عوام دوست

جناب عبدالعلیم خان سابق صوبائی وزیر پنجاب

کے نام
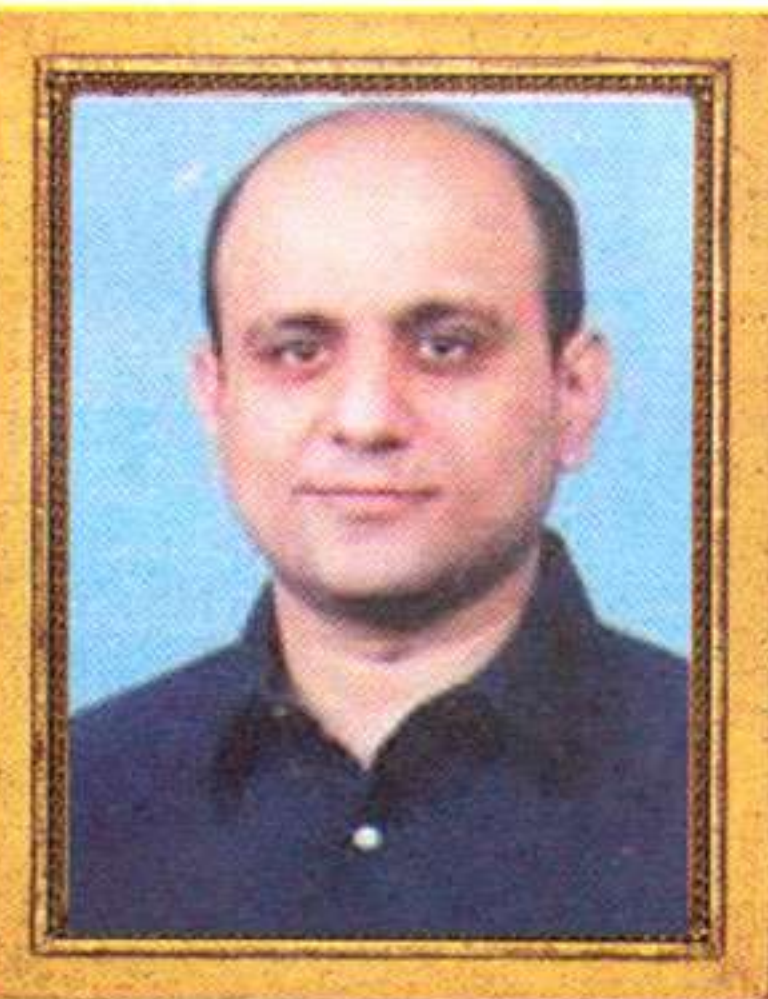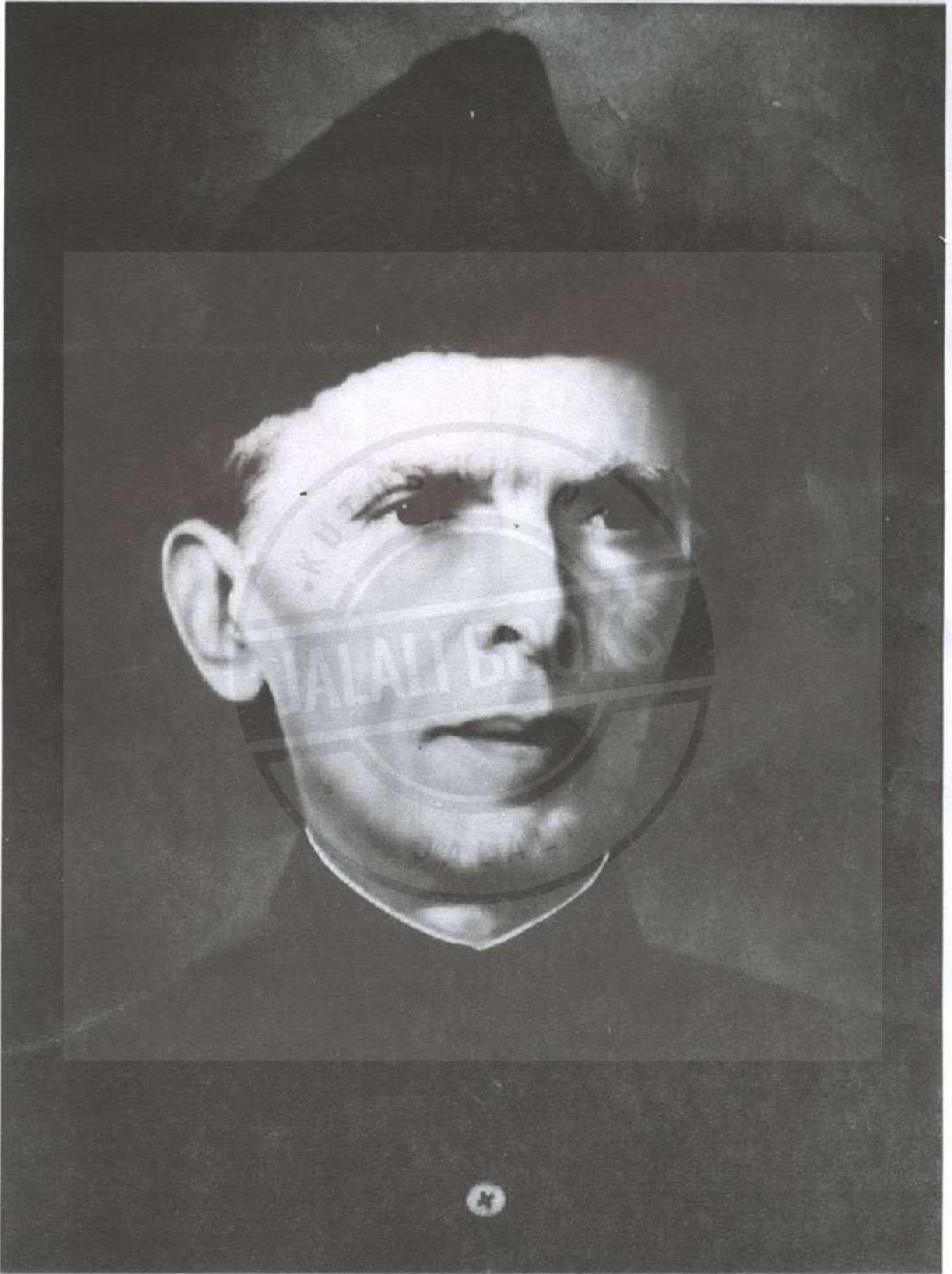
قائداعظم محمد علی جناحؒ
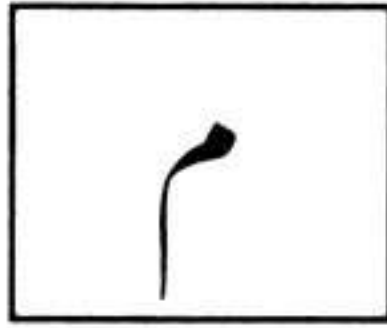
ماتری بھومی (گجراتی اخبار)

یہ ایک گجراتی اخبار تھا۔ جس نے 10 مئی 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح اور لارڈ ایمری کی جعلی خط و کتابت شائع کی جس سے سیاسی حلقوں میں تہلکہ مچ گیا۔ 12 مئی کو قائداعظم محمد علی جناح نے ماتھیران سے ایک اخباری بیان میں کہا کہ یہ خط و کتابت قطعی طور پر جعلی ہے۔

17 مئی کو اس اخبار کے ایڈیٹر چمن لال واڈی لال شاہ نے قائداعظم محمد علی جناح سے جعلی خط و کتابت شائع ہونے پر معافی مانگ لی۔

(تفصیل کے لیے دیکھئے: جعلی خط)

مارِ آستین

(دیکھئے: زرخرید طائفہ)

مارچ آن (بڑھے چلو)

یکم مارچ 1941ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے یہ تاریخی جملہ اس وقت کہا جب وہ اسلامیہ کالج لاہور کی وسیع و عریض گراؤنڈ میں پاکستان کانفرنس سے خطاب کرنے کے سلسلے میں تشریف لائے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر حاضرین سے خطاب کیا اور فرمایا:

> ''یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ مسلم لیگ کی قرارداد لاہور بھی اسی شہر میں 23 مارچ کو منظور ہوئی تھی، اور آج آپ کی کانفرنس بھی مارچ میں منعقد ہو رہی ہے۔ میں آپ سے کہوں گا مارچ آن (بڑھے چلو)''

مارشل چانگ جناح ملاقات

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 20 فروری 1942ء میں لکھتا ہے:

> ''مارشل چانگ کائی شیک اور مسٹر جناح کی ملاقات ہو چکی ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے ایک گھنٹے تک تبادلۂ خیال کیا اور مسٹر جناح کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ملاقات نہایت خوشگوار رہی، اور مارشل چانگ نے خواہش ظاہر کی کہ انہیں مسلم لیگ کے مسلک اور اس کی سرگرمیوں کے متعلق اور لٹریچر بہم پہنچایا جائے تاکہ وہ اس کی پوزیشن کو پوری طرح سمجھ سکیں۔
>
> مارشل چانگ کے ملک میں مسلمانوں کی تعداد 6 کروڑ کے قریب ہے اور وہ سب اپنے ملک کے تحفظ اور بہبود و ترقی میں مارشل سے پورا تعاون کر رہے ہیں۔ مشہور سلطانِ چینی جرنیل عمر فاروق مارشل چانگ کے دستِ راست اور نائب ہیں۔ لاکھوں مسلمان چین کی فوج میں شامل ہیں ادھر چین کے مسلمان چین کے دفاع کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ ادھر ہندی مسلمان ہند کے لیے مختلف محاذوں پر داد سرفروشی دے رہے ہیں۔ اس لیے اتحادی اقوام کی اس جنگ آزادی میں مسلمانوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس اعتبار سے مارشل چانگ اور قائداعظم کی ملاقات نہ صرف اسلامی نقطۂ نظر سے بلکہ موجودہ

جنگ میں جمہوریتوں کے زاویۂ نگاہ سے بھی بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 20 فروری 1942ء)

مارشل شاہ ولی اللہ

(دیکھیے: نجی زندگی)

مارگریٹ بروک، مس

وہ امریکی صحافی تھی۔ اس نے 1946ء میں قائداعظم محمد علی جناح اور ان کی صاحب زادی ڈیناواڈیا میں صلح کرائی تھی، مگر یہ تعلقات بھی زیادہ عرصہ تک برقرار نہ رہ سکے۔

ماری پور

کراچی کا ایئر پورٹ، اسے اس روز عالمی شہرت ملی جب قائداعظم محمد علی جناح اپنی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ دہلی کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر 5:37 پر وائسرائے ہند کے طیارے میں کراچی آئے۔ ایئر پورٹ پر ایک لاکھ سے زائد افراد نے ان کا استقبال کیا۔ اس روز حکومت سندھ نے عام تعطیل کا اعلان کیا تھا قائداعظم محمد علی جناح 7 اگست 1947ء کو سلک کی شیروانی پہنے اور مس فاطمہ جناح سفید ساٹن کے لباس میں جہاز سے باہر آئے تو سندھ کے گورنر سر غلام حسین ہدایت اللہ سندھ کے وزراء اور راجا غضنفر علی خان، سردار عبدالرب نشتر، جوگندر ناتھ منڈل، میئر محمد احسن، میجر جنرل محمد اکبر خان اور کرنل برنی ان سے ملے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے تین میں سے دو اے، ڈی، سی رائل انڈین نیوی کے لیفٹیننٹ ایس ایم احسن اور رائل انڈین ایئر فورس کے فلائٹ لیفٹیننٹ ربانی بھی قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ آئے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح مسٹر یوسف عبداللہ ہارون کے ساتھ مسلم لیگی رضا کاروں کی قطار کے سامنے سے گزرے قائداعظم کی کار کے ساتھ سینکڑوں کاروں اور گاڑیوں کا قافلہ تین میل لمبے جلوس کی شکل میں گورنمنٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہوا۔

29 جون 1948ء کو پاک فضائیہ کے سکواڈرن چھ کے ایک حصے نے کوئٹہ سے ماری پور آمد پر قائداعظم محمد علی جناح کو گارڈ آف آنر پیش کیا۔

اس کا موجودہ نام مسرور ایئر فورس سٹیشن ہے یہ نام 24 مئی 1968ء کو رکھا گیا تھا۔

مازلے، لیونارڈ

وہ ''آزادی ہند کے آخری لمحات'' کے مصنف ہیں۔ مازلے لیونارڈ اپنی کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کے اسلام سے عشق کے بارے میں ایک واقعہ یوں درج کرتے ہیں:

''وائسرائے (لارڈ ماؤنٹ بیٹن) نے دونوں نئی مملکتوں کے جھنڈے بھی تیار کیے ہوئے تھے۔ بھارت کا جھنڈا کانگریس کے جھنڈے کے نمونے پر اور پاکستان کا جھنڈا مسلم لیگ کے نمونے پر تھا۔ پہلے جھنڈے پر گاندھی جی کا چرخہ تھا اور دوسرے پر ہلال وستارہ، دونوں جھنڈوں کے اوپر چھوٹا سا یونین جیک تھا جو حجم میں پورے جھنڈے کا 1/9 تھا۔ وائسرائے نے یہ جھنڈے نہرو اور قائداعظم کو بطور نمونہ بھجوا دیے۔ قائداعظم نے جواب میں لکھا تھا:

''ہم اس جھنڈے کو کسی صورت میں قبول نہیں کر سکتے کیونکہ کوئی مسلمان اپنے پرچم پر ہلال وستارہ کے ساتھ صلیب کا نشان برداشت نہیں کرسکتا۔''

(مضمون میاں عبدالرشید، نوائے وقت لاہور 11 ستمبر 1986ء)

مالا بارہل (رہائش گاہ)

پاکستان کے قیام کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے

قائداعظم محمد علی جناح کی بمبئی کی رہائش گاہ کے بارے میں بھارتی سفیر متعینہ پاکستان سری پرکاش کے توسط سے قائداعظم محمد علی جناح سے پوچھا:

''کیا آپ اسے کرایہ پر دینا پسند کریں گے۔''

لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے کہا ان کا دل نہ توڑیں اور پنڈت نہرو سے کہہ دیں کہ انہوں نے اس مکان کی ایک ایک اینٹ اپنی نگرانی میں لگوائی ہے۔ یہ چھوٹا سا گھر کسی یورپی کو دے دیں یا کوئی ہندوستانی شہزادہ اس میں رہائش رکھے۔

تاہم حکومت ہند نے اسے برطانوی ہائی کمیشن کو لیز پر دے دیا۔ یہ لیز 1981ء کے اواخر میں ختم ہوگئی۔

مالٹا

یہ ایک ملک ہے، 1946ء قائداعظم محمد علی جناح جب لندن تشریف لے گئے تو راستے میں ان کے جہاز کا انجن خراب ہوگیا جس کی وجہ سے انہیں وائسرائے ہند لارڈ ویول اور دیگر ہندوستانی رہنماؤں کے ساتھ مالٹا ایئرپورٹ پر اترنا پڑا۔ مالٹا کے گورنر نے وائسرائے ہند، پنڈت نہرو محمد علی جناح، مسٹر لیاقت علی اور سردار بلدیو سنگھ کو دعوت دی۔ اس کے بعد وہ لندن روانہ ہوگئے۔

15 دسمبر 1946ء کو لندن سے واپسی پر قائداعظم محمد علی جناح اپنی پارٹی کے ہمراہ مالٹا پہنچے اور شب کو گورنر مالٹا کے مہمان رہے۔

بحیرہ روم کے اس جزیرے کا رقبہ 122 مربع میل اور آبادی ساڑھے چار لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ ملک کے دارالحکومت کا نام ویلٹا ہے یہاں پارلیمانی جمہوریت رائج ہے۔ لوگ مالٹی اور انگریزی زبانیں بولتے ہیں۔ یہاں کا سرکاری مذہب رومن کیتھولک ہے۔ جہاز سازی، جہازوں کی مرمت، سیاحت، زراعت، کپڑا، بجلی اور آلات اور خوراک کو ڈبوں میں بند کرنے کی صنعتوں سے اسے خاصی آمدنی ہوتی ہے۔

1090ء میں اس پر نارمنوں نے قبضہ کیا پھر 1530ء میں رومی شہنشاہ چارلز پنجم نے اسے یروشلم کے سینٹ جان کے نوابوں کو عطیہ کے طور پر دے دیا۔ 1798ء میں نپولین نے اس پر قبضہ کرلیا۔ 1814ء میں برطانیہ نے اسے اپنی نوآبادی بنا لیا۔ 21 ستمبر 1964ء کو برطانیہ نے اسے آزادی دے دی۔

یہ غیر جانبدار تحریک، اقوام متحدہ اور دیگر بین الاقوامی تنظیموں کا رکن ہے۔

مالکم ہیلی، سر

وہ ہوم ممبر تھے، انہوں نے یکم فروری 1924ء کو دہلی میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے اجلاس میں کہا:

''ملک کے مختلف طبقوں کے مابین پائی جانے والی بے چینی سے جو سیاسی صورت حال پیدا ہوئی ہے وہ اس بات کی قطعی اجازت نہیں دیتی کہ اس سلسلے میں فوری طور پر کوئی قدم اٹھایا جائے۔''

بہرحال انہوں نے تجویز پیش کی:

''مذکورہ ایکٹ کی کارکردگی کے بارے میں تحقیقات کے لیے ایک سرکاری کمیٹی تشکیل دی جا سکتی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے سر مالکم ہیلی کی تجویز پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

''میں ایوان کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا۔ ہوم ممبر کی تجویز کو ایک امید افزا قدم ضرور قرار دیتا ہوں لیکن انہوں نے اپنی تجویز کے سلسلے میں کسی صراحت اور وضاحت سے کام نہیں لیا جس کی بنا پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ لفظوں سے کھیلنا جانتے ہیں۔ جب کہ اس قسم کی مضحکہ خیزی ان جیسے سمجھ دار شخص سے متوقع نہیں۔

مجھے یقین ہے کہ انہوں نے اس تجویز کو ایوان میں وقت گزاری کے لیے پیش نہیں کیا۔''

مالویہ، مدن موہن پنڈت

الہٰ آباد میں 1911ء میں سیاسی رہنماؤں کی جو اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی اس میں قائداعظم محمد علی جناح کے ہمراہ پنڈت مدن موہن مالویہ نے بھی اجلاس میں شرکت کی۔ 13 ستمبر 1917ء کو مرکزی مجلس قانون ساز کے اجلاس میں سر محمد شفیع کی ایک تجویز پر جس میں انہوں نے کہا تھا:

''صوبہ بہار اور اڑیسہ کی طرح پنجاب میں بھی قانون سازی اور انتظامی امور کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھنے کی بجائے آپس میں ملا دینا چاہیے۔''

پنجاب کے گورنر اڈوائر نے تقریر کرتے ہوئے ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں کو سخت برا بھلا کہا اور تعلیم یافتہ طبقہ پر طعن و تشنیع کی، اس حرکت پر متعدد ارکان اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے جن میں قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ پنڈت مدن موہن مالویہ بھی شامل تھے۔

وائسرائے ہند مسٹر مانٹیگو 10 نومبر 1917ء کو ہندوستان آئے تو انہوں نے مسلم لیگی رہنماؤں اور کانگریسی رہنماؤں سے مذاکرات کیے۔ ان مذاکرات میں پنڈت مدن موہن مالویہ بھی شامل تھے۔ نومبر 1924ء میں بمبئی میں اتحاد کانفرنس کا جو اجلاس منعقد ہوا اس میں قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ جن دیگر رہنماؤں نے شرکت کی ان میں پنڈت مدن موہن مالویہ بھی شامل تھے۔

کانفرنس میں چھ رہنماؤں پر مشتمل کمیٹی قائم کی گئی، اس کمیٹی کا مقصد فرقہ وارانہ فسادات کے اسباب معلوم کرنا اور ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش تھا۔ 24 جون 1925ء کو کمیٹی کا اجلاس گاندھی کی صدارت میں دہلی میں ہوا۔ کمیٹی نے سیاسی اور فرقہ وارانہ یک جہتی کے علاوہ خود مختاری حاصل کرنے کے لیے جو سب کمیٹی بنائی اس کمیٹی کے اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے تقریر کی اور پنڈت مدن مالویہ، موتی لال نہرو اور دیگر رہنماؤں کی سیاسی چالوں کو ناکام بنا دیا۔

3 اپریل 1926ء کو اعتدال پسند رہنماؤں کا جو اجلاس بمبئی میں ہوا اس کانفرنس میں طے پایا:

''اعتدال پسند اور انڈیپنڈنٹ پارٹی کے رہنماؤں پر مشتمل نئی قومی جماعت بنائی جائے۔''

کانفرنس میں سر تیج بہادر سپرو، قائداعظم محمد علی جناح، مسٹر جیکار کے ساتھ پنڈت مدن موہن مالویہ نے بھی شمولیت اختیار کی اور نئی سیاسی جماعت انڈین نیشنل پارٹی کا قیام عمل میں لایا گیا جس کا مقصد یہ تھا کہ برطانیہ کے زیر انتظام ہندوستان کی مکمل خود مختار حکومت قائم کی جائے۔

شملہ میں مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں 17 اگست 1927ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ پنڈت مدن موہن مالویہ نے بھی شرکت کی۔ دسمبر 1927ء میں جناح لیگ کا جو اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا، اس میں پنڈت مدن موہن مالویہ کو بھی خطاب کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اس موقع پر انہوں نے کہا:

''ہمیں پہلے ہندوستانی اور اس کے بعد ہندو سمجھنا چاہیے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس کے جواب میں فرمایا:

''مجھے پنڈت جی کی یہ بات سن کر دلی خوشی ہوئی ہے کہ ہندو مسلم اپنے اپنے اختلافات کو فراموش کر کے باہم متحد ہو جائیں۔''

مدن موہن مالویہ 25 دسمبر 1861ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد سیاست کے میدان میں قدم رکھا 1909ء تا 1918ء انڈین نیشنل کانگریس کے صدر رہے۔ بنارس ہندو یونیورسٹی کا قیام ان کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ وہ 21 برس

1919ء تا 1940ء تک اس کے وائس چانسلر رہے۔

گول میز کانفرنس میں انڈین نیشنل کانگریس کی نمائندگی کی۔ 1910ء تا 1911ء امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے رکن اور 1923ء تا 1924ء اور 1936ء میں ہندو مہاسبھا کے صدر رہے۔ اعلیٰ پائے کے مقرر تھے۔ ملک کی آزادی کی مہم میں بھی بھرپور حصہ لیا، اور اس کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کیا۔

ان کا انتقال 1946ء میں ہوا۔

مانا ودر

یہ کاٹھیاواڑ کا ایک قصبہ ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح جب اپنے کاٹھیاواڑ کے دورے میں مانگرول سے بانٹوا جانے لگے تو راستے میں مانا ودر میں مسلمانوں نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ یہاں پر امیر منزل میں قائداعظم محمد علی جناح کو ٹی پارٹی دی گئی اور مانا ودر کے لوگوں نے دل کھول کر مسلم لیگ پریس فنڈ میں چندہ دیا۔

اس ریاست کا الحاق 1947ء میں پاکستان سے ہوا تھا۔ لیکن بھارت نے اس کے عوام کو حق خودارادیت سے محروم کر دیا۔

مانٹیگو ایڈون سیموئل

وہ وزیر ہند تھے، 11 جولائی 1917ء کو ان کی تقرری مسٹر آسٹن چیمبرلین کی جگہ عمل میں آئی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی تقرری کا مشروط طور پر خیر مقدم کیا اور مطالبہ کیا:

”اس سے قبل کہ مانٹیگو اپنا کام شروع کریں حکومت عام معافی کا اعلان کرے اور تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کرے۔“

وزیر ہند مانٹیگو 10 نومبر 1917ء کو جب ہندوستان آئے تو قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ سر محمد شفیع، سر فضل حسین، سر وزیر حسن، سید حسن امام، مظہر الحق، راجہ صاحب محمود آباد، ڈاکٹر انصاری اور مولوی فضل حق نے بھی قومی امور پر مانٹیگو سے تبادلہ خیالات کیا۔

8 جولائی 1918ء کو مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ شائع ہوئی تو قائداعظم محمد علی جناح نے اس رپورٹ پر کھل کر اظہار خیالات کیا۔

1919ء میں رولٹ ایکٹ منظور ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح نے اس بل کے خلاف احتجاج کے طور پر مرکزی لیجسلیٹو کونسل کے رکن کی حیثیت سے مانٹیگو چیمسفورڈ کو اپنا استعفیٰ بھیج دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس بل کے خلاف آئینی طریق کار استعمال کیا، جبکہ گاندھی نے تحریک سول نافرمانی کی دھمکی دی۔

گورنر جنرل کی صدارت میں 22 جنوری 1925ء کو دہلی میں مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں مسٹر ایس ای مانٹیگو کے انتقال کی خبر سنائی گئی قائداعظم محمد علی جناح بھی اس اجلاس میں موجود تھے۔

مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات

1. 23 جولائی 1918ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ایک اخباری بیان میں مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات کی تجویز پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

”ایسی آئینی اصلاحات ہونی چاہئیں، جن کی بدولت انتظامیہ پر مقننہ کا کنٹرول اور انضباط ہو۔“

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے اخباری بیان میں فرمایا:

”یہ تجاویز نارسیوں اور ویدوں کے قوانین کی طرح نہیں ہیں، تاہم مزید بحث کے ذریعے ان میں ترامیم کی جا سکتی ہیں۔ مسئلہ کو سلجھانے کی بہت زیادہ کوشش کی گئی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ہندوستان میں مسٹر مانٹیگو کی راہ میں بہت زیادہ رکاوٹیں کھڑی کی گئیں،

اور انہیں انتہائی نازک اور پیچیدہ مسائل میں سے ایک مسئلہ حل کرنے کو کہا گیا تھا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دہشت انگیزی پھیلانے والے گروہ نے ان پر ناجائز دباؤ ڈالا ہے۔ جن کے نتیجہ میں عوام کو دی گئی مراعات پر بہت زیادہ پابندیاں لگادی گئی ہیں، کوئی بھی اصلاحی قدم بیکار ہوگا۔ جب تک بڑے صوبوں مثلاً بمبئی میں تمام محکموں کو ماسوائے پولیس اور انصاف کے تبدیل نہ کیا جائے میں اسے صرف عبوری مرحلہ کے طور پر قبول کرنے کو تیار ہوں، تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ فی الحال امن وامان قائم رکھنے کی ذمہ داری حکومت کے لیے مخصوص ہے، کیونکہ تجاویز میں یہ دلیل دی گئی ہے کہ بہر صورت ہم ایک تجرباتی مرحلہ سے گزر رہے ہیں۔''

◆ 1919ء کی مجوزہ مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح انگلستان گئے۔ وہاں سے واپسی پر آپ نے مجوزہ اصلاحات کے بارے میں اخباری نمائندہ سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اس سلسلے میں روزنامہ پیسہ اخبار نے اپنی اشاعت 22 نومبر 1919ء کو درج ذیل اداریہ لکھا:

''آنریبل مسٹر محمد علی جناح جو اصلاحات اور مسئلہ خلافت کے متعلق ولایت گئے تھے، گزشتہ جمعہ کو بمبئی واپس آگئے ہیں۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کے ایک نمائندے سے انہوں نے دورانِ ملاقات کہا کہ انگلستان میں ہندوستانی اصلاحات کے متعلق توقعات امید افزا ہیں۔ میرے خیال میں مشترکہ کمیٹی کا مسودہ اصلاحات بہت ترمیموں کے بعد جو ہندوستان کے حق میں مفید ہوں گی برآمد ہوگا اور یہ کہ کمیٹی کے اکثر ممبر اصلاحات سے ہمدردی رکھتے ہیں لارڈ سینڈہم اور ان کی انڈو برٹش ایسوسی ایشن کا ایجی ٹیشن سرد ہوگیا ہے، اور ہندوستان کے خلاف اس کی کوئی وقعت نہیں رہی۔ اخبارات میں اصلاحات کی نسبت جو کچھ میری نظر سے گزرا ہے بصورت صحت گو وہ میرے لیے طمانیت بخش نہیں، تاہم وہ بالکل ناقابلِ اطمینان بھی نہیں۔ جو اصلاحات آخرش پارلیمنٹ کی نظروں سے بہرہ ور ہوں گی، وہ ترقی کی طرف بطور حقیقی قدم کے تصور کی جائیں گی، اور قابلِ عمل بنیاد ثابت ہوں گی۔ مسٹر جناح نے ہندوستان میں اتحاد اور تعمیر کنندہ باہمی یگانگت کے پروگرام کی ضرورت ظاہر کی۔ ان کے خیال میں مسودہ اصلاحات وسط دسمبر میں پارلیمنٹ سے قانون کی شکل اختیار کرے گا، اور کانگریس کے اجلاس امرتسر کا رویہ اصلاحات کی نوعیت پر منحصر ہوگا۔'' (روزنامہ پیسہ اخبار، اشاعت: 22 نومبر 1919ء)

مانٹیگو کا خراج تحسین

ہندوستان کے جن سیاسی رہنماؤں سے مانٹیگو نے بات چیت کی، ان سب میں قائداعظم محمد علی جناح نے اسے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ مانٹیگو نے اپنی ڈائری میں نوٹ کیا:

''چست اور مستعد، عادات واطوار کے لحاظ سے کامل دیکھنے پر متاثر کرنے والا، دلائل سے پوری طرح لیس اور اپنی پوری اسکیم پر مصر (وائسرائے) چمسفورڈ نے اس کے ساتھ بحث کرنا چاہی، لیکن الجھ کر رہ گیا، جناح بہت چالاک آدمی ہے اور بلاشبہ یہ بات افسوسناک ہے کہ ایسے شخص کو اپنے ملک کے معاملات چلانے کا موقع نہ دیا جائے۔

ہندوستان کا دورہ کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ ہم کچھ کرنا چاہتے ہیں، اور کوئی بڑا قدم اٹھانا چاہتے

ہیں۔ میں واپس وطن نہیں جا سکتا، اور کوئی چھوٹا کام نہیں کر سکتا۔ اس قدم سے لازماً نئے دور کا آغاز ہونا چاہئے یا اسے ناکامی سے دوچار ہونا چاہئے۔ اسے ہندوستان کی آئندہ تاریخ کا بنیادی سوال بننا چاہئے۔ میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ اس قسم کی چیز کو ختم کر سکوں، اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ میں نے یہ خواہش کی ہے کہ میں کرزن کی طرح پسند کیا جاؤں۔ لائیڈ جارج یہاں ہوتا۔ کاش پوری برطانیہ کابینہ یہاں آتی۔ کاش اسکتھ یہاں ہوتا، یہ ہندوستان کی بد نصیبیوں میں سے ایک ہے کہ میں یہاں بالکل تنہا، بالکل تنہا ہوں، وہ شخص جسے یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچانا ہے۔''

مانچسٹر گارجین

لندن سے شائع ہونے والا معروف انگریزی جریدہ۔ قائداعظم محمد علی جناح سے 20 مارچ 1946ء میں اس کے نمائندے نے عبوری حکومت اور عارضی وزارتوں کے قیام کے سلسلے میں ایک انٹرویو لیا۔ اس انٹرویو کا خلاصہ یہ ہے:

1. عبوری مشن کی تجویز عارضی وزارتوں کے بارے میں آپ کا خیال کیا ہے۔
2. کیا آپ کانگریسی لیڈروں کے ساتھ عارضی مخلوط وزارتوں میں مسلم لیگ کے لیڈروں کی شرکت پسند کریں گے۔
3. اگر برطانوی حکومت نے عبوری حکومت کو برصغیر کی آزادی کے ساتھ مستقل کرنا چاہا تو آپ اسے منظور کر کے پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہونا قبول کریں گے۔ اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح نے نامہ نگار کو جو جوابات دیے۔

ان کا خلاصہ مسلم لیگ کونسل کے ایک اجلاس میں 21 مارچ کو پیش کیا گیا۔ جو یہ ہے:

''میں اس موضوع پر ایک سے زیادہ مرتبہ اپنے اور لیگ پارٹی کی پالیسی کے بارے میں اپنے ساتھی ارکان کے خیالات و نظریات کا اظہار کر چکا ہوں، لیکن یہ مسئلہ کچھ اس طرح الجھا ہوا ہے اور ہندو کانگریس کے اخبارات نے کانگریس کی طرفداری میں مزید الجھاؤ پیدا کر دیا ہے، اور ہندو پریس کچھ اس قسم کا غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈہ کر رہا ہے کہ یہ موضوع بار بار وضاحت کا محتاج ہے، ظاہر ہے کہ ہندو پریس کانگریس کی جا و بے جا حمایت اور مسلم لیگ کی مخالفت میں ہندو لیڈروں کے بے جا رویہ کو توڑ مروڑ کر سرمایہ دار کانگریس پارٹی کو درست اور بجا ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے تا کہ حکومت برطانیہ ہندو لیڈروں کے موقف کی تائید پر آمادہ ہو جائے، اور لیگ پر غلط الزامات سے متاثر ہو کر اس کے حقوق تسلیم کرے اور کانگریس کو ہر معاملے میں فوقیت دیتی رہے۔''

مانگرول

یہ کاٹھیاواڑ کا ایک شہر ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح جب کاٹھیاواڑ کے دورے پر گئے تو وہ 24 جنوری 1940ء کو مانگرول تشریف لائے۔

قائداعظم محمد علی جناح مانگرول کے نواب کے محل میں ٹھہرے۔ بعد میں شہر میں داخل ہوئے تو لوگوں نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا اور پھولوں کے ہار پہنائے۔ قائداعظم قائداعظم محمد علی جناح کا چاندی کی بگھی میں ریاست کی ملٹری کی حفاظت میں جلوس نکالا گیا۔ شہر کے ہندو اور مسلمان اسکولوں کی طالبات نے استقبالیہ نغمے گا کر خوشی کا اظہار کیا۔

بعد میں مانگرول کے مسلم عوام کی جانب سے پریس فنڈ میں عطیات پیش کیے گئے۔

ماؤنٹ بیٹن اور قیام پاکستان

(24 مارچ 1947ء - 15 اگست 1947ء)

حکومت برطانیہ کے 6 دسمبر 1946ء کے بیان کے بعد یہ نظر آ رہا تھا کہ کیبنٹ مشن پلان پر نزع کا عالم طاری ہے، چنانچہ 20 فروری 1947ء کو ہندوستان کے لیے ایک نئے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقرری کو ایک نئے دور کے آغاز کا اعلان تصور کیا گیا۔ ہندوستان کے سبھی سیاسی رہنماؤں نے اب نئے خطوط پر سوچنا شروع کر دیا تھا۔ 21 فروری کو نہرو نے ویول سے ملاقات کے دوران کہا:

''اگر اتفاق رائے نہ ہو سکا تو پنجاب اور بنگال کو بھی تقسیم کرنا پڑے گا۔''

8 مارچ 1947ء کو سردار ولبھ بھائی پٹیل کی تجویز پر کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ایک ریزولیشن پاس کیا جس میں پنجاب میں تشدد کے واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا گیا تھا:

''ان حالات میں ضروری ہے کہ اس صوبے کو اس طرح دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے کہ غالب مسلم اکثریت کا حصہ غالب غیر مسلم اکثریت والے حصے سے علیحدہ ہو جائے۔ اس ریزولیشن کے پاس کرنے کے لیے وہ تاریخ چنی گئی جب گاندھی دہلی سے دور صوبہ بہار میں تھے اور مولانا ابوالکلام آزاد بیمار ہونے کی وجہ سے غیر حاضر تھے۔ اس ریزولیشن سے کانگریس نے گویا خود ہی تسلیم کر لیا کہ اسی اصول پر ہندوستان کو بھی تقسیم کر دینا چاہیے۔ اس ریزولیشن کو منظور کرتے وقت گاندھی سے کوئی مشورہ کیا گیا اور نہ ہی انہیں اطلاع دی گئی۔ اخبارات سے اس کا علم ہونے پر انہوں نے 20 مارچ کو نہرو اور پٹیل کو خطوط لکھے۔ گاندھی نے پٹیل کو لکھا:

''اگر آپ کر سکیں تو میرے لیے پنجاب ریزولیشن کی وضاحت کی کوشش کریں۔ یہ میری سمجھ میں تو نہیں آ رہا۔''

سردار پٹیل نے جواب دیا:

''آپ کو پنجاب کے بارے میں ریزولیشن کا سمجھانا بہت مشکل ہے۔ اسے بڑے غور و فکر کے بعد پاس کیا گیا ہے۔ ہم نے کوئی بات نہ جلدی میں کی ہے اور نہ پوری طرح سمجھے بغیر۔ ہمیں اخبارات سے پتہ چلا ہے کہ آپ نے اس ریزولیشن کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ آپ کو حق پہنچتا ہے کہ جس بات کو صحیح سمجھیں وہ کہیں۔''

سردار پٹیل کی تحریر کا لب و لہجہ اس بات کا غماز ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی میں گاندھی کا پہلے جیسا اثر و رسوخ اور احترام باقی نہیں رہا تھا۔ اس سے اگلے دن 9 مارچ 1947ء کو نہرو نے ویول سے ملاقات کے دوران پھر کہا:

''اگر مسلم لیگ کیبنٹ مشن پلان کو مان کر دستور ساز اسمبلی میں نہیں آتی تو اس صورت میں پنجاب اور بنگال کی تقسیم بھی ناگزیر ہوگی۔''

اسی طرح ماؤنٹ بیٹن کی آمد سے بھی پہلے کانگریس ذہنی طور پر پاکستان کا قیام تسلیم کر چکی تھی اگرچہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے بعد۔

ماؤنٹ بیٹن کی ہندوستان روانگی سے پہلے انہیں 18 مارچ 1947ء کو وزیر اعظم برطانیہ کی طرف سے جو احکام ملے ان میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا گیا تھا:

''حکومت کا یہ قطعی مقصد ہے کہ برٹش انڈیا اور ہندوستانی ریاستوں کے لیے اگر ممکن ہو تو برطانوی دولت مشترکہ کے اندر دستور ساز اسمبلی کے ذریعے وحدانی حکومت قائم کی جائے۔ آپ کی پوری کوشش

ہونی چاہیے کہ تمام پارٹیوں کو اس مقصد کے حصول کے لیے کام کرنے کی ترغیب دیں، اگر یکم اکتوبر 1947ء تک آپ یہ سمجھیں کہ وحدانی حکومت کی بنیاد پر تصفیہ ہونے کی کوئی امید نہیں تو مذکورہ تاریخ یعنی جون 1948ء سے پہلے تک حکومت منتقل کرنے کے لیے جو اقدامات ضروری ہیں ان کی حکومت کو رپورٹ کریں۔''

22مارچ 1947ء کو ماؤنٹ بیٹن دہلی پہنچے 24مارچ کو انہوں نے گورنر جنرل اور وائسرائے کے طور پر حلف اٹھایا اور اس کے فوراً بعد ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔

25مارچ کو نہرو انہیں ملنے آئے تو ماؤنٹ بیٹن نے پوچھا:

''جناح کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

اس پر نہرو نے کہا:

''جناح کو کامیابی زندگی میں بہت دیر سے ملی ہے۔ ساٹھ سال کی عمر کے بعد۔ اس سے پہلے وہ ہندوستان کی سیاست میں کبھی بھی اہم شخصیت نہیں رہے، وہ ایک کامیاب وکیل تھے' لیکن کوئی ایسے خاص بھی نہیں، ان کی کامیابی کا راز ان کی مستقل طور پر منفی انداز اختیار کرنے کی صلاحیت میں ہے۔''

آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ نہرو جان بوجھ کر حقائق کو جھٹلا رہے تھے یا ان میں واقعی یہ صلاحیت ہی نہیں تھی کہ قائداعظم کی شخصیت اور بے پناہ صلاحیتوں کو سمجھ سکیں۔ یاد رہے کہ قائداعظم صرف 33 برس کے نوجوان تھے کہ امپیریل قانون ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے اور پہلے ہی اجلاس میں ان کا وائسرائے منٹو سے ٹکراؤ ہو گیا۔ جس انداز سے انہوں نے شاہ برطانیہ کے نمائندے سے بات کی' اس سے دنوں میں سارے ہندوستان میں ان کی دھوم مچ گئی۔ چند برسوں ہی میں وہ پارلیمانی خطابت کے شہسوار تسلیم کیے گئے۔ ان کی سوجھ بوجھ کو اس زمانے کے تمام منصف مزاج رہنماؤں نے خراج تحسین ادا کیا۔ وہ 40 سال کے تھے کہ ان کی منفرد سعی سے میثاق لکھنؤ منظور ہوا۔ اس پر سروجنی نائیڈو نے انہیں ''ہندو مسلم اتحاد کا سفیر'' کہا، اور ان کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے قومی رہنماؤں میں ہونے لگا۔ سائمن کمیشن کا بائیکاٹ گول میز کانفرنس ''1935 کا ایکٹ'' 37-1936ء کے انتخابات، ان سب میں ان کا رول ان کی عظمت کا روشن چراغ ہے۔ اس روشنی میں کسی کی آنکھیں نہ کھل سکیں تو اس میں قائداعظم کا کیا قصور۔ جہاں تک ان کی وکالت کا تعلق ہے اور تو اور کانگریس کے انتہائی قریبی دوست سٹیفورڈ کرپس کو بھی کہنا پڑا کہ جناح انتہائی باکمال وکیل تھے۔ ہندوستان کے وکلاء میں نمایاں اور ایک عمدہ ماہر دستور۔ ان کا پاکستان کا مقابلہ ہند مسلم مسئلے کا ایک مثبت حل تھا۔

ان کی قد آور شخصیت بے عیب اخلاق کے سانچے میں ڈھلی تھی۔ ان کا روشن دماغ' ان کی برجستہ جواب دینے کی صلاحیت اور ان کی بے مثال دیانت داری، ان کی عظمت کے درخشاں ستارے تھے۔

یہاں ہم ایک دلچسپ واقعہ بیان کریں گے۔ گاندھی نے 31مارچ سے 4اپریل 1947ء تک ہر روز ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات کی۔ یکم اپریل کی ملاقات میں گاندھی نے یہ تجویز کیا:

''مسٹر جناح کو متحدہ ہندوستان کا وزیراعظم بنا دیا جائے، اور جب تک وہ ہندوستانی عوام کے مفاد میں کام کرتے رہیں گے' کانگریس ان کے ساتھ پورے خلوص سے تعاون کرے گی، اس بات کا فیصلہ کہ وہ عوام کے مفاد میں کام کر رہے ہیں یا نہیں' صرف اور صرف لارڈ ماؤنٹ بیٹن کریں گے۔ اگر جناح یہ تجویز نہ مانیں تو پھر کانگریس کو یہی پیش کش کی جائے۔''

ماؤنٹ بیٹن تسلیم کرتے ہیں کہ گاندھی کی یہ تجویز سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔ انہوں نے گاندھی سے پوچھا:

''اس تجویز کے بارے میں مسٹر جناح کا کیا تاثر ہوگا۔''

گاندھی نے جواب دیا:

''اگر آپ انہیں یہ کہیں گے کہ یہ تجویز گاندھی کی طرف سے آئی ہے تو جناح کہیں گے: ''مکار گاندھی۔''

ماؤنٹ بیٹن نے مزے لے لے کر پوچھا:

''غالباً یہ بات درست ہوگی؟''

اس پر گاندھی نے بڑے جوش سے کہا:

''نہیں، میں تو یہ تجویز پورے خلوص سے پیش کر رہا ہوں۔''

قائداعظم سے بات کرنے سے پہلے ماؤنٹ بیٹن نے اسی دن یہ بات نہرو کو بتائی۔ یہ سن کر کہ ان کے مہاتما (گاندھی) ان کی جگہ قائداعظم کو وزیراعظم بنانے کی پیشکش کر رہے ہیں، نہرو کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ نہرو نے ماؤنٹ بیٹن سے کہا:

''گزشتہ برس گاندھی جی نے کیبنٹ مشن کے سامنے بھی ایسی ہی تجویز پیش کی تھی، لیکن یہ مسئلے کا ایک غیر حقیقی حل ہے۔ گاندھی جی کو دہلی میں چند دن اور رہنا چاہیے کیونکہ چار مہینے تک مرکز سے دور رہنے کی وجہ سے وہ تیزی سے معاملات سے بے خبر ہوتے جا رہے ہیں۔''

نہرو کی رائے سننے کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم سے بات کرنا مناسب نہ سمجھا۔

اور اگر ماؤنٹ بیٹن قائداعظم سے یہ بات کر بھی لیتے تو کیا ہوتا؟ وہ اپنی ذات کے لیے قوم کو داؤ پر لگا دینے والے ہرگز ہرگز نہیں تھے۔ اس قسم کی پیش کش کو وہ بغیر کسی تامل کے ٹھکرا دیتے۔ 11 اپریل کو گاندھی نے وائسرائے کو رسمی طور پر لکھا:

''کانگریسی لیڈروں نے ان کی تجویز مسترد کر دی ہے۔''

5 اپریل 1947ء سے ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم سے ملاقاتیں شروع کر دیں۔ پہلی ملاقات پر ایک دلچسپ لطیفہ ہوا۔ گفت وشنید سے پہلے فوٹو گرافر آئے تھے۔ اس خیال کے پیش نظر کہ لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور قائداعظم کے درمیان کھڑے ہونا ہے، قائداعظم نے کہا:

''دو کانٹوں کے درمیان ایک پھول''

لیکن جب فوٹو ہوئی تو اتفاق سے قائداعظم بیچ میں کھڑے تھے، اور لیڈی اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن ان کے دائیں بائیں۔

ملاقات کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے کہا:

''میرے خدا، وہ کتنے سرد مہر تھے۔ ملاقات کا تقریباً سارا وقت انہیں پگھلانے میں لگ گیا۔''

7 اپریل کی ملاقات میں لارڈ اسمے بھی آ گئے۔ ماؤنٹ بیٹن نے پورا زور لگایا کہ قائداعظم کیبنٹ مشن پلان مان لیں اور آئین ساز اسمبلی میں شرکت کے لیے آمادہ ہو جائیں لیکن قائداعظم اپنے انکار پر قائم رہے۔

8 اپریل 1947ء کی ملاقات میں ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم کو بتایا:

''اگر ہندوستان تقسیم ہوا تو اسی منطق کے مطابق پنجاب اور بنگال بھی تقسیم ہوں گے۔''

قائداعظم نے اس پر سخت پریشانی کا اظہار کیا اور ماؤنٹ بیٹن سے کہا:

''آپ مجھے ایک کرم خوردہ پاکستان دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا مطالبہ مجھے ڈرا کر پاکستان کے مطالبے سے دست بردار کروانے کے لیے کانگریس کی طرف سے دھونس ہے، لیکن میں اتنی آسانی سے خوف زدہ نہیں ہوں گا، اور اگر آپ کانگریس کی اس دھونس میں آ گئے تو مجھے بہت افسوس ہوگا۔''

10 اپریل کو ماؤنٹ بیٹن اور قائداعظم کی تین گھنٹے کی طویل ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس ملاقات سے ماؤنٹ بیٹن کافی پریشان ہوئے، چنانچہ ملاقات کے بعد انہوں نے لکھا:

قائداعظم محمد علی جناحؒ اپنی لائبریری میں 1918ء

''جناح ایک نفسیاتی کیس ہیں۔ وہ پاکستان کے حق میں کوئی معقول دلیل پیش نہیں کر سکے اور نہ ہی انہوں نے میری کسی دلیل کا جواب دینے کی زحمت گوارا کی، بلکہ تاثر دیا کہ وہ میری بات کو سن ہی نہیں رہے۔ اس طرح تو ان سے بحث کرنا ممکن ہی نہیں۔ جب تک میں جناح سے نہیں ملا تھا' میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ذمہ داری کے شعور سے عاری ایک شخص اتنی طاقت رکھ سکتا ہے۔''

اس بیان سے اندازہ کیجئے کہ قائداعظم سے ایک ہفتے کی ملاقاتوں کے بعد ہی ماؤنٹ بیٹن کی ذہنی حالت کیا ہوگئی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن کی شخصیت کا سحر' ان کے دلائل کی منطق اور ان کی دل موہ لینے والی گفتگو سے بے اثر ثابت ہو رہے تھے۔ قائداعظم ایک سنگین چٹان کی طرح اپنے مطالبے پر قائم تھے۔ انہوں نے یہ سوچ لیا تھا کہ اب وہ مرحلہ آچکا ہے کہ بار بار دلائل دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ سیدھی سادی بات یہ ہے کہ ہندوستان میں دو بڑی قومیں ہیں، ہندو اور مسلمان۔ پاکستان مسلم قوم کا مطالبہ ہے اور انگریزوں کو یہ مطالبہ تسلیم کرنا ہی ہوگا۔

جنرل شاہد حامد جو ان دنوں متحدہ ہندوستان کے آخری کمانڈر ان چیف فیلڈ مارشل آکنلک کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے لکھتے ہیں:

''19 اپریل 1947ء کی شام ماؤنٹ بیٹن آکنلک کو ملنے آئے تو اس خیال کا اظہار کیا کہ (اب) ظہور پاکستان کو روکا نہیں جا سکتا۔ میں نے قائداعظم کو اس کی اطلاع دے دی۔''

صورت حال کا اندازہ کرتے ہوئے' وسط اپریل تک ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کا ایک منصوبہ مرتب کر لیا تھا۔ 26 اپریل 1947ء کو انہوں نے اس منصوبے کی منظوری کے لیے اپنے سٹاف کے چیف لارڈ اسمے (Ismay) اور اپنے پرائیویٹ سیکرٹری جارج ایبل (Abell) کو انگلستان بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ اس منصوبے کا مسودہ کانگریس اور مسلم لیگ کو نہیں دکھایا گیا لیکن انہیں اس کے عام مفہوم سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ یہ منصوبہ منظوری کے لیے حکومت برطانیہ کو بھیج دیا گیا۔ اس دوران ماؤنٹ بیٹن اور ان کی بیوی ایک ہفتے کے لیے سیر و تفریح کی غرض سے شملہ چلے گئے اور نہرو اور ان کی بیٹی اندرا کو جو بعد میں ہندوستان کی وزیراعظم ہوئیں' ہاؤس گیسٹس کے طور پر اپنے ساتھ لے گئے۔ 10 مئی 1947ء کو حکومت برطانیہ نے منصوبے میں ترمیمات کے بعد اسے منظور کر کے واپس بھیج دیا۔ شملہ میں نہرو کو اعتماد میں لے کر' ماؤنٹ بیٹن نے یہ منظور شدہ منصوبہ اسے دکھایا۔ نہرو کا ردعمل سخت مخالفانہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ماؤنٹ بیٹن کے اصل ڈرافٹ اور منظور شدہ منصوبے میں بڑا فرق ہے۔ کیمبل جانسن کے اس بیان سے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ پہلا مسودہ بھی نہرو کو دکھایا گیا تھا لیکن مختلف افراد کے متضاد بیانات کی وجہ سے اس سلسلے میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہوسکتا ہے نہرو نے یہ کہا ہو کہ جو کچھ مجھے بتایا گیا تھا یہ منصوبہ اس سے بہت مختلف ہے۔ بہرصورت نہرو کے اختلافات پر ماؤنٹ بیٹن بہت پریشان ہوئے اور انہوں نے اس سلسلے میں 17 مئی کو بلائی گئی ہندوستانی راہنماؤں کی کانفرنس منسوخ کر دی۔ اس کے بعد نہرو کے اعتراضات دور کر کے ماؤنٹ بیٹن نے نیا پلان بنایا اور اس کی منظوری کے لیے انگلستان روانہ ہونے سے پہلے' وہ پلان لیاقت علی خاں اور قائداعظم کو بھی دکھایا۔

آپ نے دیکھا کہ نہرو اور ماؤنٹ بیٹن کے تعلقات کیا رخ اختیار کر چکے ہیں۔ کاغذات پہلے خفیہ طور پر نہرو کو دکھائے جاتے ہیں اور ان کی مرضی کے مطابق تبدیلیاں کر کے بات آگے بڑھائی جاتی ہے۔ یا مخالف پارٹی کے نوٹس میں لائی جاتی ہے۔ یہ سیاست کا ایک نیا انداز ہے۔

شملہ میں نہرو خاندان کی موجودگی اور 17 مئی کو میٹنگ کے التوا سے مسلم لیگ اور قائداعظم کو یقین ہو گیا کہ ماؤنٹ بیٹن مکمل طور پر کانگریس کے ہم نوا ہو کر مسلمانوں کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔

15 مئی کو دہلی میں لیاقت علی خاں کو نیا پلان دکھانے کے بعد، جب ماؤنٹ بیٹن نے پوچھا:

''کیا مسلم لیگ پنجاب اور بنگال کی تقسیم منظور کر لے گی۔''

تو انہوں نے جواب دیا:

''ہم اس سے کبھی بھی اتفاق نہیں کریں گے، لیکن آپ ہمیں ناگزیر فیصلے کے سامنے جھکنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔''

جب یہ پلان قائداعظم کو دکھایا گیا تو ان کا ردعمل انتہائی شدید تھا۔ انہوں نے ماؤنٹ بیٹن کو لکھا:

''مسلم لیگ پنجاب اور بنگال کی تقسیم پر متفق نہیں ہو سکتی۔ اس کا تاریخی، اقتصادی، جغرافیائی، سیاسی یا اخلاقی طور پر کوئی جواز نہیں، اگر آپ یہ فیصلہ کر ہی لیں جو میرے خیال میں دور رس نتائج والا ہو گا تو کلکتہ کو مشرقی بنگال ہی میں رہنا چاہیے۔ کم از کم وہ ایک فری پورٹ ہو۔''

قائداعظم کو یہ نظر آ رہا تھا کہ وائسرائے کانگریس سے پوری طرح ہم آہنگ ہے اور وہ کسی صورت میں مکمل پاکستان دینے کو تیار نہیں۔ اس کے باوجود، وہ اس پر شدید دباؤ رکھ رہے تھے اور اس کوشش میں تھے کہ زیادہ سے زیادہ رقبہ اور اہم علاقے پاکستان میں شامل ہو جائیں۔

انہی دنوں بنگال کے مسلم لیگی وزیر اعلیٰ حسین شہید سہروردی نے کانگریس کے سابق صدر اور آزاد ہند فوج کے بانی سبھاش چندر بوس کے بھائی سرت چندر بوس کے ساتھ مل کر آزاد متحدہ بنگال کی تحریک چلائی۔ انہیں امید تھی کہ وہ بنگال کے کانگریسی ہندوؤں کو ساتھ ملا کر ایک خودمختار بنگال کا منصوبہ منظور کرا لیں گے۔ بنگال کی سب سے بڑی تجارتی فصل پٹ سن تھی۔ یہ زیادہ تر مشرقی بنگال میں پیدا ہوتی تھی لیکن پٹ سن کی تمام ملیں کلکتہ میں تھیں یا اس کے گردونواح میں۔ آزاد اور خودمختار متحدہ بنگال میں پٹ سن پیدا کرنے والے علاقے اور پٹ سن کی ملیں ایک ہی سیاسی وحدت میں اکٹھے رہتے۔ اس لیے وہ یورپین بھی، جن کا سرمایہ پٹ سن میں لگا ہوا تھا، متحدہ بنگال کی حمایت کر رہے تھے۔ ادھر دو سو سال سے بنگال کی دولت کلکتہ میں اکٹھی ہو رہی تھی جو سلطنت برطانیہ کا دوسرا بڑا شہر بن چکا تھا نیز صوبے کا صدر مقام اور اس کی بڑی بندرگاہ بھی تھا۔ پٹ سن کی پیداوار اور کلکتہ کی انتہائی ترقی یافتہ بین الاقوامی بندرگاہ کے پیش نظر آزاد متحدہ بنگال اپنی اقتصادی ترقی کے لیے برطانوی اور امریکی سرمایہ داروں کو سرمایہ لگانے کی دعوت دے سکتا تھا۔

26 اپریل 1947ء کو ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم کو بتایا:

''حال ہی میں سہروردی نے اس امید کا اظہار کیا ہے کہ شاید وہ ایک ایسا متحدہ بنگال بنالیں جو نہ پاکستان کے ساتھ شامل ہو نہ ہندوستان کے ساتھ۔''

ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم سے صاف صاف پوچھ لیا:

پاکستان سے باہر متحدہ بنگال کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے ہم سے دوستانہ تعلقات ہوں گے۔''

ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم کو بتایا کہ سہروردی نے کہا ہے کہ اگر بنگال متحد اور آزاد رہتا ہے تو اس صورت میں وہ دولت مشترکہ میں رہنا چاہیں گے۔ قائداعظم نے جواب دیا:

''بے شک، جس طرح میں نے آپ کو بتایا ہے کہ پاکستان دولت مشترکہ میں رہنا پسند کرے گا۔''

انہی دنوں لیاقت علی خاں نے وائسرائے کے پرنسپل

ایڈوائزر سر ایرک میول (Aric Mieville) کو بتایا:

''مجھے بنگال کی کوئی پریشانی نہیں کیونکہ میں ذہنی طور پر قائل ہو چکا ہوں کہ صوبے کو تقسیم نہیں ہونا چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ متحدہ بنگال ایک آزاد ریاست ہوگا جو نہ ہندوستان میں شامل ہوگا نہ پاکستان میں۔''

جب گاندھی کلکتہ پہنچے تو متحدہ بنگال کی تحریک جاری تھی۔ گاندھی نے اس سلسلے میں حسین شہید سہروردی، سرت چندر بوس اور دوسرے رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔ گاندھی کا یہ اصرار تھا کہ متحدہ بنگال کے قیام کی صورت میں حکومت کو اپنے ہر کام کی منظوری کے لیے انتظامیہ اور اسمبلی میں کم از کم دو تہائی ہندوؤں کا تعاون حاصل ہونا چاہیے۔ جی ہاں، یہ وہی گاندھی ہیں جو ہندوستان میں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے اس قسم کی کوئی ضمانت دینے پر تیار نہ تھے جس کا مطالبہ وہ بنگال کے ہندوؤں کے لیے کر رہے تھے حالانکہ متحدہ ہندوستان میں مسلمان صرف 25 فیصد تھے جب کہ متحدہ بنگال میں ہندوؤں کا تناسب 45 فیصدی تھا۔ نیز تعلیمی، اقتصادی اور سیاسی طور پر وہ مسلمانوں کے مقابلے میں بہت آگے تھے۔ گاندھی کی تجویز مان لی جاتی تو متحدہ بنگال کی حکومت صرف اور صرف ہندو چلا رہے ہوتے۔

20 مئی 1947ء کو ایک کانفرنس میں سہروردی، سرت چندر بوس اور کئی مسلم اور غیر مسلم رہنماؤں کے درمیان عارضی طور پر متحدہ بنگال کے لیے ایک معاہدہ طے پایا، لیکن حتمی طور پر کچھ بھی نہ ہو سکا کیونکہ 19 مارچ 1947ء کو ہندو مہاسبھا کے لیڈر ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی بنگال کی تقسیم کا مطالبہ کر چکے تھے اور 4 اپریل 1947ء کو صوبائی کانگریس بھی آزاد متحدہ بنگال کی پر زور مخالفت کر چکی تھی۔ ادھر آسام کانگریس کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر متحدہ بنگال ایک آزاد مملکت کے طور پر قائم ہو گیا تو آسام ہندوستان سے مکمل طور پر کٹ جائے گا۔ نہرو اور پٹیل بھی اس تجویز کے خلاف تھے۔ اس لیے آخر میں (اعلیٰ سطح پر) یہی فیصلہ ہوا کہ کسی صوبے کو بھی خود مختاری کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔

آزاد متحدہ بنگال کے لیے اپنی کوششوں کے بارے میں حسین شہید سہروردی نے لیاقت علی خاں اور ان کے توسط سے قائداعظم کو باخبر رکھا۔

ہندوستانی رہنماؤں سے گفت و شنید کے بعد ماؤنٹ بیٹن اپنا تقسیم ہند کا پلان لے کر برطانیہ چلے گئے۔ 19 مئی 1947ء کو ماؤنٹ بیٹن نے وزیراعظم ایٹلی اور ان کی کابینہ پر واضح کر دیا:

''اگر کسی قسم کا پاکستان نہ دیا گیا تو مسلم لیگ ہتھیار اٹھا لے گی۔ اسی خدشے کے پیش نظر کانگریسی لیڈروں نے بھی اپنا پہلے والا رویہ بدل لیا ہے۔ اب وہ محسوس کر رہے ہیں کہ پاکستان کا حصہ بننے والے صوبوں کی ذمہ داری سے فارغ ہو جانا ان کے اپنے مفاد میں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں اعتماد ہے کہ بالآخر یہ صوبے ہندوستان کے ساتھ مل جائیں گے۔''

اس طرح مسلم لیگ کے ''راست اقدام'' کے فیصلے سے وائسرائے اور کانگریس دونوں کی غلط فہمی دور ہو چکی تھی۔

اگلے دن قائداعظم نے رائٹر (ReuTer) کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے مشرقی اور مغربی پاکستان کو ملانے کے لیے 800 میل لمبے کاریڈور کا مطالبہ کر دیا، لیکن یہ بات آگے نہ چل سکی۔ قائداعظم نے برطانوی وزارت کو ایک تار بھی دیا:

''پنجاب اور بنگال کی تقسیم سے پہلے ان صوبوں میں ریفرنڈم کرایا جائے تا کہ ان صوبوں کی مرضی کا پتہ چل سکے، لیکن ماؤنٹ بیٹن کی مخالفت پر ایٹلی نے یہ مطالبہ مسترد کر دیا۔''

کئی سال سے مسلسل سیاسی دباؤ سارے ہندوستانی رہنماؤں کے لیے اعصاب شکن ثابت ہو رہا تھا، اور اب وہ کسی شکل میں

مسئلے کا حل چاہتے تھے۔ چنانچہ نہرو نے ایک نجی محفل میں کہا:
''میں پاکستان کا مطالبہ اس لیے مان رہا ہوں کہ سرکٹ جانے پر دردِ سر سے تو نجات مل جائے گی۔''
انہوں نے 1960ء میں موسلے سے بات چیت کرتے ہوئے یہ بھی کہا:
''ہم تھک چکے تھے اور عمر رسیدہ بھی ہو گئے تھے۔ تقسیم کی تجویز نے ہمیں (مسائل کی بھول بھلیوں سے) باہر نکلنے کا راستہ دکھا دیا اور ہم اسی راستے پر چل پڑے، ہمیں توقع تھی کہ یہ تقسیم عارضی ہو گی اور پاکستان کو ہمارے پاس واپس آنا ہی ہوگا۔''
گاندھی نے کہا:
''اقتدار حاصل کرنے کی توقع نے ہمارے حوصلے پست کر دیے تھے۔''
کانگریسی رہنما عمر بھر کی جدوجہد کے بعد اب اقتدار کا پھل کھانے کے آرزومند تھے۔ ماؤنٹ بیٹن نے ان کے سامنے اقتدار کی گاجر لہرائی تو یہ اتنی دل پسند تھی کہ وہ انکار نہ کر سکے اور اسے چیڑ چیڑ کھا گئے۔
3 اپریل 1947ء کو ماؤنٹ بیٹن کی لیاقت علی خاں سے ملاقات ہوئی تو لیاقت نے دلآویزی سے مسکرا کر کہا:
''عبوری حکومت میں کانگریس کے ارکان سے برتاؤ کے بعد مجھے اس بات کا احساس ہو گیا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنا بالکل ناممکن ہے کیونکہ ان میں مصالحت یا انصاف نام کو نہیں ہے۔ ان کی اکثریت کی سوچ صرف یہ ہے کہ کسی طرح مسلم لیگ کو گرا کر اپنی پوزیشن بہتر کر لیں۔ میرے نزدیک صورت حال اتنی ناقابل برداشت ہو چکی ہے کہ اگر آپ مسلم لیگ کو صرف صحرائے سندھ دینے کے لیے تیار ہوں تو کانگریس کے ساتھ مل کر کام چلانے کی بجائے وہ آپ کی پیش کش قبول کر کے علیحدہ مسلم ریاست کو ترجیح دے گی۔''
انگلستان سے واپسی پر' 2 جون 1947ء ماؤنٹ بیٹن نے کانگریس' مسلم لیگ اور سکھ رہنماؤں کی تاریخی کانفرنس بلائی جس میں مسلم لیگ کی طرف سے قائداعظم، لیاقت اور نشتر کانگریس کی طرف سے نہرو، پٹیل اور کرپلانی اور سکھوں کی طرف سے بلدیو سنگھ شریک ہوئے۔ ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کے پلان پر جو وہ لندن سے منظور کرا کے لائے تھے روشنی ڈالی۔ اس پلان میں پنجاب اور بنگال کی تقسیم بھی شامل تھی۔
اس پلان کے مطابق بنگال، پنجاب اور سندھ نے اسمبلیوں کے ذریعے، بلوچستان نے ایک طریقے سے جس کا فیصلہ گورنر جنرل کریں گے (بعد میں یہ طے ہوا کہ یہ فیصلہ شاہی جرگے اور کوئٹہ میونسپلٹی کے غیر سرکاری ارکان کے ذریعے ہوگا) نیز صوبہ سرحد اور ضلع سلہٹ نے ریفرنڈم کے ذریعے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ پاکستان میں شامل ہوں گے یا ہندوستان میں۔ پنجاب اور بنگال کی اسمبلیوں میں سے ہر ایک دو حصوں میں تقسیم ہو گی۔ ایک حصہ مسلم اکثریت کے اضلاع کے نمائندوں پر مشتمل ہوگا اور دوسرا باقی علاقے کے نمائندوں پر۔ یہ دونوں حصے اپنا علیحدہ علیحدہ فیصلہ دیں گے۔ کسی رکن کے مطالبے پر' اس سے پہلے (یورپین ارکان کو چھوڑ کر) ہر صوبے کے سب ارکان کا مشترکہ اجلاس ہوگا جس میں یہ فیصلہ ہوگا کہ اگر اس صوبے کے دونوں حصے ایک ہی دستور ساز اسمبلی میں شریک ہونے کا فیصلہ کریں تو وہ کون سی اسمبلی ہوگی۔
ماؤنٹ بیٹن نے سب لیڈروں سے کہا:
''وہ آدھی رات تک اس اسکیم کے بارے میں اپنی آراء سے مطلع کر دیں۔''
قائداعظم نے کہا:
''میں اپنی ورکنگ کمیٹی سے مشورے کے بعد رات

گیارہ بجے خود آ جاؤں گا۔‘‘

ماؤنٹ بیٹن لکھتے ہیں:

’’میٹنگ کے بعد میں نے جناح کو روک لیا اور اس بات پر زور دیا کہ مسلم لیگ کی طرف سے ’’نہ‘‘ نہیں ہونی چاہیے۔‘‘

ان سب کے جانے کے آدھ گھنٹے بعد گاندھی آئے اور انہوں نے اپنے مرن برت کی وجہ سے لکھ کر بات چیت کی۔

کانگریس ورکنگ کمیٹی نے 2 جون ہی کو میٹنگ کی اور پلان منظور کرنے کا فیصلہ کیا۔ کرپلانی نے اس کی تحریری اطلاع وائسرائے کو دے دی۔ البتہ یہ لکھ دیا کہ یہ منظوری مسلم لیگ کی منظوری کے ساتھ مشروط ہے۔ مزید برآں مسلم لیگ کی طرف سے مزید مطالبات نہیں آئیں گے۔ سکھوں کی طرف سے بلدیو سنگھ نے پلان میں تجویز کردہ تقسیم کا اصول تسلیم کر لیا۔

ماؤنٹ بیٹن لکھتے ہیں:

’’رات گیارہ بجے جناح آئے۔ وہ آدھ گھنٹے تک اپنی ورکنگ کمیٹی کے احتجاج کی بات کرتے رہے۔ آخر میں نے ان سے صاف صاف پوچھ لیا کہ کیا آپ کی ورکنگ کمیٹی (مراد کونسل) پلان منظور کر لے گی۔ انہوں نے کہا کہ امید تو ہے۔ جناح نے مجھے بتایا کہ وہ ذاتی طور پر اس کی حمایت کریں گے، اور وعدہ کیا کہ وہ پوری کوشش کریں گے کہ مسلم لیگ کونسل اسے منظور کر لے۔ میں نے آخر میں ان سے پوچھا کہ کیا میں وزیر اعظم کو یہ مشورہ دے دوں کہ وہ اس پلان کا باقاعدہ اعلان کر دیں، تو انہوں نے بڑی مضبوطی سے کہا: ’’ہاں‘‘ البتہ جناح نے تحریری یقین دہانی سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اس کا اختیار ہی نہیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے دستور کی رو سے مسلم لیگ کونسل ہی ایسا کر سکتی ہے۔ میں صرف اس کا صدر ہوں۔ مجھے اس پلان کی منظوری کے لیے لیگ کونسل کا اجلاس بلانا پڑے گا اور اس کے لیے مجھے کم از کم سات روز درکار ہوں گے۔‘‘

ماؤنٹ بیٹن کو احساس تھا کہ اس مرحلے پر ایک ہفتے کی تاخیر ساری سکیم کے خاتمہ کا باعث بن سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے قائداعظم سے کہا:

’’کانگریس ان کی اس خاص تکنیک پر بہت زیادہ شک وشبہ کا اظہار کر رہی ہے کہ کسی پلان کے بارے میں وہ پہلے کانگریس کے فیصلے کا انتظار کرتے ہیں اور پھر اس کی روشنی میں جو فیصلہ بھی مسلم لیگ کے لیے مناسب ہو وہ کر لیتے ہیں۔‘‘

ماؤنٹ بیٹن کی کسی بات کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا:

’’اگر آپ کا یہی اندازہ ہے تو پھر کانگریس پارٹی کے رہنما اور سکھ لیڈر صبح میٹنگ میں پلان کی آخری منظوری سے انکار کر دیں گے۔ اس سے ابتری پھیلے گی اور آپ شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پاکستان سے محروم ہو جائیں۔‘‘

قائداعظم نے اپنے شانے اچکائے اور کہا:

’’جو بات ضروری ہے وہ ضروری ہی ہے۔‘‘

ماؤنٹ بیٹن نے کہا:

’’مسٹر جناح! اس تصفیہ کے لیے جتنا کام ہوا ہے، میں آپ کو اسے تباہ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا، چونکہ آپ مسلم لیگ کی طرف سے منظوری نہیں دیں گے، میں مسلم لیگ کی خود ترجمانی کروں گا۔ میری طرف سے صرف ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ جب میں صبح کی میٹنگ میں یہ کہوں: ’’مسٹر جناح نے مجھے یقین دہانیاں کرائی ہیں جنہیں میں نے منظور کر لیا ہے

اور جن سے میری تسلی ہے'' تو آپ کسی صورت میں میری تردید نہ کریں اور جب میں آپ کی طرف دیکھوں تو آپ اپنی رضامندی کے اظہار کے لیے سر ہلا دیں۔ اگر آپ نے اس وقت سر کی جنبش سے ہاں نہ کی تو یہ سمجھ لیجئے کہ پاکستان آپ کے ہاتھ سے گیا۔''

جناح نے اس تجویز کے جواب میں سر ہلا دیا!

3 جون کو وائسرائے کی سیاسی رہنماؤں سے پھر کانفرنس ہوئی۔ وائسرائے نے انہیں بتایا:

''مجھے کانگریس اور سکھوں کی طرف سے تحریری اور مسلم لیگ کی طرف سے زبانی یقین دہانی مل چکی ہے۔''

یہ کہہ کر وائسرائے نے قائداعظم کی طرف دیکھا اور انہوں نے رضا مندی کے اظہار کے لیے اپنا سر ہلا دیا۔ یوں قائداعظم کے سر کی ایک جنبش کے ساتھ پلان کی منظوری کے لیے اتفاق رائے ہو گیا۔ میٹنگ کے فوراً بعد وائسرائے نے وزیر ہند کو یقین دہانیوں کی اطلاع دے دی۔ 3 جون 1947ء کو ایٹلی نے برطانوی دارالعوام میں اس پلان کا باقاعدہ اعلان کیا۔ اس لیے یہ ''3 جون کا پلان'' کے نام سے مشہور ہے۔

3 جون ہی کو ریڈیو پر ماؤنٹ بیٹن پلان کے اعلان کے بعد نہرو قائداعظم اور بلدیو سنگھ نے آزادی کے نئے پلان پر تقریریں کیں۔ نہرو نے اپنی تقریر کے آخر میں ''جے ہند'' اور قائداعظم نے اپنی تقریر کے آخر میں ''پاکستان زندہ باد'' کہا۔

3 جون کے پلان کے بارے میں مسلم لیگ کا موقف طے کرنے کے لیے مسلم لیگ کونسل کا اجلاس 9-10 جون کو دہلی کے شاندار امپیریل ہوٹل میں ہوا۔ یہ ہندوستان کی سرزمین پر متحدہ مسلم لیگ کا آخری اجلاس تھا۔ اس تاریخی اجلاس میں تقریباً 425 مندوبین نے شرکت کی۔ قائداعظم نے اس کی صدارت کی۔ جب قائداعظم اس منصوبے پر روشنی ڈال چکے تو کونسل نے اس امر پر اطمینان کا اظہار کیا کہ کیبنٹ مشن پلان ترک کر دیا گیا۔ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے بارے میں کونسل نے کسی قطعی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ تاہم یہ طے کیا کہ کونسل اقتدار کی منتقلی کے بارے میں 3 جون کے پلان پر بحیثیت مجموعی غور کرے گی۔ بحث کے بعد قائداعظم کو مکمل اختیار دے دیا گیا کہ وہ مصالحت کے طور پر منصوبے کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کر لیں اور تفصیلات کو منصفانہ اور جائز طریقے سے طے کریں۔

اجلاس ختم ہونے والا تھا کہ بیلچہ بردار خاکساروں نے امپیریل ہوٹل پر دھاوا بول دیا۔ خاکساروں نے سیڑھیاں چڑھنے کی کوشش کی لیکن مسلم لیگ نیشنل گارڈ نے ان کی مزاحمت کی۔ اس موقع پر مکوں، لاٹھیوں اور بیلچوں کا آزادانہ استعمال ہوا۔ نعرے لگائے گئے۔ پولیس نے موقع پر پہنچ کر آنسو گیس پھینکی۔ اس پر یہ خاکسار بھاگ نکلے۔ اس تمام مدت میں قائداعظم اطمینان اور سکون کے ساتھ ڈائس پر بیٹھے رہے۔

آغا خان نے 1946-47ء کے اہم برسوں میں قائداعظم کی شاندار اور تاریخ ساز خدمات کا ذکر کرتے ہوئے انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ وہ اپنی یادداشتوں میں رقم طراز ہیں:

''میں اپنی زندگی میں جتنے مدبروں سے ملا ہوں۔ کلیمنسو (Clemenceau)، لائیڈ جارج (Lloyd George)، چرچل (Churchill)، کرزن (Curzon)، مسولینی (Mussolini)، گاندھی (Gandhi)، جناح ان سب میں ممتاز تھے۔ کردار کی بلندی نیز دور اندیشی اور عزم کے پراسرار امتزاج میں، جسے آئین جہاں بانی کہا جاتا ہے، ان آدمیوں میں سے کوئی بھی ان سے بڑھ کر نہ تھا۔''

حقیقت یہ ہے کہ کانگریسی رہنما ہندو راج کے خواب

دیکھتے ہوئے حقائق سے انکار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ آزادی کے واسطے ان کے سامنے تقسیم ہند کے سوا کوئی اور راستہ نہ رہا۔

3 جون پلان کے مطابق مناسب کارروائی کے لیے درج ذیل اقدامات کیے گئے:

20 جون کو بنگال اسمبلی کا اجلاس ہوا جس نے 90 کے مقابلے میں 126 ووٹوں سے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد غیر مسلم اکثریت کے علاقوں کے ارکان اسمبلی نے اپنے علیحدہ اجلاس میں 21 کے مقابلے پر 58 ووٹوں سے یہ طے کیا کہ صوبہ بنگال کی تقسیم کر دی جائے، اور مغربی بنگال کے نمائندے ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی میں شامل ہوں۔ اسی طرح مسلم اکثریت کے علاقوں کے ارکان اسمبلی کے اجلاس میں 35 کے مقابلے پر 106 ووٹوں سے یہ قرار دیا کہ بنگال کو تقسیم نہ کیا جائے اور مشرقی بنگال نئی یعنی پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں اپنے نمائندے بھیجے۔ یہ فیصلہ بھی ہوا کہ ضلع سلہٹ کو مشرقی بنگال کے نئے صوبے میں مدغم کیا جائے۔

23 جون کو پنجاب اسمبلی کا اجلاس ہوا جس نے 77 کے مقابلے پر 91 ووٹوں سے طے کیا کہ پنجاب نئی دستور ساز اسمبلی میں اپنے نمائندے بھیجے۔ اس کے بعد پنجاب اسمبلی میں مسلم اکثریت کے علاقوں کے ارکان کے اجلاس میں 27 کے مقابلے پر 69 ووٹوں سے یہ طے ہوا کہ پنجاب متحد رہے اور تقسیم پنجاب کی تجویز مسترد کر دی جائے۔ اسی طرح غیر مسلم اکثریت کے علاقوں کے ارکان اسمبلی کے اجلاس نے 22 کے مقابلے پر 50 ووٹوں سے پنجاب کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا، اور یہ بھی طے ہوا کہ مشرقی پنجاب موجودہ دستور ساز اسمبلی میں شامل ہو۔

26 جون کو سندھ اسمبلی کا اجلاس ہوا اور اس نے 20 کے مقابلے پر 33 ووٹوں سے نئی دستور ساز اسمبلی میں اپنے نمائندے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

بلوچستان کے بارے میں فیصلے کے لیے انتخابی حلقہ شاہی جرگے اور کوئٹہ میونسپلٹی کے غیر سرکاری ارکان پر مشتمل تھا۔ انہوں نے ایک اجلاس میں اتفاق رائے سے نئی دستور ساز اسمبلی میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ کوئٹہ میونسپلٹی کے غیر مسلم ارکان اجلاس میں شریک نہ ہوئے۔

قائداعظم کو یقین تھا کہ سلہٹ اور سرحد کے عوام ریفرنڈم میں بھاری اکثریت سے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیں گے۔ چنانچہ جب ممتاز ہندوستانی صحافی ڈی، ایف کراکا نے جون 1947ء میں دہلی میں ایک انٹرویو کے وقت قائداعظم کو بتایا:

''مولانا آزاد نے مجھے ایک ملاقات میں کہا ہے کہ انہیں یقین ہے کہ سلہٹ میں رائے شماری کا نتیجہ کانگریس کے حق میں ہوگا، البتہ صوبہ سرحد کے بارے میں وہ وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔''

تو قائداعظم نے برجستہ پوچھا:

''اگر آپ مسلمان ہوتے تو کس کو ووٹ دیتے؟''

کراکا سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

صوبہ سرحد کے عوام کی رائے معلوم کرنے کے لیے ریفرنڈم کا فیصلہ کیا گیا۔ ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''جب 2 جون 1947ء کو گاندھی نے کانگریس ورکنگ کمیٹی میں تقسیم ہند کی کھل کر حمایت کی تو (سرحد کے کانگریسی رہنما) عبدالغفار خاں پر سکتہ طاری ہو گیا، جب وہ بولے تو انہوں نے کہا:

''میرے دشمن مجھ پر ہنسیں گے اور میرے دوست بھی کہیں گے کہ جب تک کانگریس کو سرحد کی ضرورت تھی، اس نے خدائی خدمتگاروں کی حمایت کی، لیکن جب وہ مسلم لیگ سے صلح صفائی کرنا چاہتی تھی تو اس نے سرحد اور اس کے رہنماؤں سے مشورے کیے بغیر

تقسیم کی مخالفت چھوڑ دی۔''

یہ دیکھ کر کہ ریفرنڈم میں ہندوستان سے الحاق کا کوئی امکان نہیں ہے' عبدالغفار خاں نے کہا:

''ووٹرز کو اس بات کے حق میں بھی اپنی رائے کے اظہار کا موقع ملنا چاہیے کہ وہ آزاد پختونستان کا قیام چاہتے ہیں۔''

چنانچہ جب کانگریس نے ماؤنٹ بیٹن کو 3 جون کے پلان کی منظوری کا خط لکھا تو اس نے اپنی طرف سے یہ مطالبہ بھی پیش کر دیا۔ قائداعظم نے آزاد پختونستان کے مطالبے کی مذمت کی۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ اس صورت میں ہندوستان کے ہر صوبے کو آزاد رہنے کا اختیار بھی دینا پڑتا اور کانگریس اس کے لیے راضی نہ تھی۔ اس پر عبدالغفار خاں نے پٹھانوں سے اپیل کی کہ وہ ریفرنڈم کا بائیکاٹ کریں۔ کانگریس کے اصرار پر سر اولف کیرو (Olaf Caroe) کی جگہ لیفٹیننٹ جنرل سر راب لک ہارٹ (Rab Lockhart) کو' جو آزادی کے بعد ہندوستان کی بری افواج کے پہلے کمانڈر انچیف مقرر ہوئے' صوبہ سرحد کا گورنر بنایا گیا۔ بریگیڈیئر جے۔ بی۔ بوتھ (Booth) کی نگرانی میں ریفرنڈم ہوا جس میں مسلم لیگ کو زبردست کامیابی ہوئی۔ 289244 ووٹ پاکستان کے حق میں اور صرف 2874 اس کے خلاف پڑے۔ اس طرح صوبہ سرحد نے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا انتخابی نتائج کے مطابق' کل ووٹرز کے 51 فیصد نے پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالا۔ یاد رہے کہ کسی انتخاب میں بھی سارے ووٹرز کبھی ووٹ نہیں ڈالتے۔ 1946ء کے انتخابات میں صرف 65% ووٹرز نے ووٹ ڈالے تھے۔ اس لحاظ سے پاکستان کے حق میں ووٹوں کا تناسب تقریباً 78% بنتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آزاد پختونستان کا مطالبہ صوبہ سرحد کو آخر کار ہندوستان میں مدغم کرنے کی ایک تدبیر تھی۔ اس کا پتہ ماؤنٹ بیٹن کی رپورٹ سے چلتا ہے۔ جو انہوں نے جون 1947ء میں حکومت برطانیہ کو بھیجی۔ انہوں نے لکھا:

''نہرو نے بہت صاف گوئی سے اعتراف کیا ہے کہ شمال مغربی صوبہ علیحدہ ہو کر اپنے آپ کو قائم نہیں رکھ سکتا، نہرو نے مجھے بتایا ہے کہ ڈاکٹر خاں صاحب کی خواہش ہے کہ بعد میں وہ انڈین یونین میں شامل ہوں۔''

انہی دنوں روزنامہ ''ڈان'' نے اپنے ایک اداریے میں لکھا:

''وائسرائے نے اپنے وعدے کے باوجود فوجی نگرانی کے اعتبار سے سلہٹ میں ریفرنڈم کے لیے صوبہ سرحد کے ریفرنڈم جیسے انتظامات نہیں کیے۔ اگر آئندہ 48 گھنٹوں کے اندر اندر تسلی بخش اعلان نہ کیا گیا تو پھر ہم کھری کھری سنانے پر مجبور ہوں گے۔''

اب مولانا ابو الکلام آزاد کی بھی سن لیجئے۔ 14 جون 1947ء کو دہلی میں کانگریس کمیٹی کی میٹنگ ہوئی۔ آزاد نے ''3 جون پلان'' کی منظوری کے لیے پیش کی گئی قرارداد کی تائید کرتے ہوئے کہا:

''اگرچہ کیبنٹ مشن پلان بہتر تھا، لیکن موجود حالات میں ورکنگ کمیٹی نے گومگو کی حالت کی بجائے معاملات کا تصفیہ ضروری سمجھا ہے۔ یہ تقسیم صرف ملک کے نقشے میں ہوئی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں نہیں، اور مجھے یقین ہے کہ یہ تقسیم زیادہ دن نہیں رہے گی۔''

آپ نے دیکھ ہی لیا ہے کہ کانگریس کے رہنما کن خطوط پر سوچ رہے تھے۔ 19 مئی 1947ء کو برطانوی کابینہ کے سامنے ماؤنٹ بیٹن کا بیان بھی کانگریسی رہنماؤں کی اسی سوچ کی خبر دیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ قائداعظم کی سوجھ بوجھ کا

صحیح اندازہ کر سکے اور نہ ہی انہیں اس بات کا علم تھا کہ مسلمان قوم کی صلاحیتیں بحران ہی میں اجاگر ہوتی ہیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ کانگریسی رہنماؤں نے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے باوجود پاکستان کو کبھی دل سے قبول نہیں کیا۔ وہ اسی خیال میں رہے کہ مہاجرین کا دل ہلا دینے والا مسئلہ پیدا کر کے پاکستان کے حصے کا مال اور سامان دبا کر اور دیگر مسائل کھڑے کر کے وہ پاکستان کو دوبارہ ہندوستان سے ملنے کے لیے مجبور کر سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کی یہ سازش بھی ناکام رہی۔ ریاست جموں و کشمیر کا مسئلہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ پاکستان کی شہ رگ ہے۔ اس پر قبضہ کر لو تو پاکستان ہمیشہ ہندوستان کے دباؤ میں رہے گا لیکن کشمیر کے عوام کی مسلسل جدوجہد نے ان کی قراردادوں کی تکمیل نہ ہونے دی۔

7 اگست 1947ء کو قائداعظم دہلی ایئر پورٹ پہنچے تو ان کے ساتھ ان کی ہمشیرہ فاطمہ جناح اور مختصر سا عملہ تھا۔ وہ ایک سفید شیروانی زیب تن کیے تھے۔ ہوائی جہاز میں قدم رکھتے ہوئے انہوں نے مڑ کر اس شہر پر آخری نظر ڈالی جہاں انہوں نے پاکستان کے قیام کی جنگ لڑی اور جیتی تھی۔ ہوائی جہاز اڑنے لگا تو انہوں نے کہا:

''آج سارا قصہ ختم ہو گیا۔''

ہوائی جہاز دہلی سے کراچی پہنچا تو ہوائی اڈے پر ہزاروں عقیدت مندوں نے قائداعظم کا والہانہ استقبال کیا۔ ہوائی اڈے سے گورنمنٹ ہاؤس تک لوگوں کا ہجوم سمندر کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ راستے میں دونوں طرف کھڑے لاکھوں افراد پاکستان زندہ باد اور قائداعظم زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے۔ لوگ ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ یہ وہ شخص تھا جس کے عزم و ہمت نے کہکشاں کی ہمسری کا دعویٰ کیا تھا اور خود ہمت اور عزم دیا تھا' جس نے تن تنہا انگریز اور ہندوؤں کی سیاست سے ٹکر لی تھی، اور جس کے سامنے غیروں کے ذہنی چراغ لو دینا چھوڑ گئے تھے۔ یہی وہ شخص تھا جس نے دس کروڑ مسلمانوں کے منتشر گروہ کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا تھا اور دو سو سالہ غلامی کی زنجیریں کاٹ کر مسلمانوں کو آزادی سے ہمکنار کیا تھا۔ آج ساری قوم اس کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کیے ہوئے تھی۔

گورنمنٹ ہاؤس کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے قائداعظم نے مڑ کر اپنے سٹاف کے ایک رکن لیفٹیننٹ ایس، ایم، حسن کی طرف دیکھا اور کہنے لگے:

''مجھے یہ امید نہیں تھی کہ میں اپنی زندگی میں پاکستان دیکھ لوں گا۔ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے اس کے لیے ہم اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گزار ہیں۔''

8 اگست 1947ء کو اپنی ذاتی رپورٹ میں ماؤنٹ بیٹن لکھتے ہیں:

''نواکھلی میں گاندھی نے اعلان کیا ہے کہ وہ اپنی بقیہ زندگی اقلیتوں کی حفاظت کے لیے پاکستان میں گزار دیں گے۔ اس بیان سے جناح تو ضرور برہم ہوں گے لیکن کانگریس کو بڑی ریلیف ملے گی کیونکہ گاندھی کا اثر زیادہ تر منفی بلکہ تباہ کن طور پر کام کرتا ہے، اور ایک ایسے شخص کے خلاف جس کی جڑیں عوام میں مضبوط ہیں یعنی ولبھ بھائی پٹیل۔''

10 اگست کو پاکستان دستور ساز اسمبلی کی افتتاحی میٹنگ کراچی میں ہوئی اور 11 اگست کو اس نے تالیوں کی گونج میں قائداعظم کو متفقہ طور پر اپنا پہلا صدر منتخب کر لیا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا:

''آپ خوب جانتے ہیں کہ نہ صرف ہم خود بلکہ میرے خیال میں پوری دنیا اس بے مثال طوفانی انقلاب پر حیرت زدہ ہے جو اس برصغیر میں دو آزاد

اور خود مختار ریاستوں کی تخلیق اور قیام کے منصوبے کا سبب بنا۔ یہ ایک بے نظیر انقلاب ہے۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی، ہندوستان اور پاکستان دونوں طرف ایسے لوگ موجود ہیں جو تقسیم سے متفق نہیں، جنہیں یہ پسند نہیں، لیکن میری رائے میں اس مسئلے کا اور کوئی حل نہیں تھا اور مجھے یقین ہے کہ مستقبل اپنا فیصلہ اس کے حق میں دے گا۔ مزید برآں' وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تجربے سے ثابت ہوگا کہ ہندوستان کے آئینی مسئلے کا واحد حل یہی تھا۔ متحدہ ہندوستان کا تصور کبھی چل ہی نہیں سکتا تھا اور میری دانست میں یہ ہمیں خوفناک تباہی کی طرف لے جاتا، ممکن ہے یہ نقطہ نظر صحیح ہو' ممکن ہے یہ صحیح نہ ہو، ابھی اس کا فیصلہ ہونا باقی ہے، آپ آزاد ہیں۔ آپ اپنے مندروں میں جانے کے لیے آزاد ہیں۔ پاکستان کی اس مملکت میں آپ اپنی مسجدوں یا دوسری عبادت گاہوں میں جانے کے لیے آزاد ہیں، آپ کسی مذہب، ذات یا عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں' اس کا مملکت کے کاروبار سے کوئی واسطہ نہیں، ہم اس بنیادی اصول سے آغاز کر رہے ہیں کہ ہم ایک ہی ملک کے شہری ہیں اور ہم مرتبہ شہری، ہمیں اس اصول کو اپنا مطمح نظر بنا لینا چاہیے۔

یہ تقریر بالکل واضح ہے۔ تاہم ان حضرات نے جو اسلام کی سپرٹ سے نا آشنا ہیں یا جنہوں نے کبھی بھی دل سے دوقومی نظریہ قبول نہیں کیا' اس تقریر سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حصول پاکستان کے بعد قائداعظم نے دوقومی نظریہ ترک کر دیا تھا اور یہ کہ وہ سیکولرازم کے علم بردار بن گئے تھے۔ ایسی کوئی بات نہیں، لیکن اس سے پیشتر کہ ہم اس اعتراض کا جواب دیں' ہمیں لفظ ''قوم'' کے مفہوم سے آگاہ ہونا چاہیے۔

''قوم'' کا مطلب ایک ایسی جماعت یا گروہ ہے جس میں شامل افراد کے اکٹھے ہونے کی کوئی وجہ موجود ہو۔ یہ وجہ وطن بھی ہوسکتی ہے اور مذہب بھی' نسل یا پیشہ بھی' رنگ یا کوئی صفت بھی' وغیرہ وغیرہ، چنانچہ جب ہم ایرانی قوم کہتے ہیں تو اس سے مراد ایسے افراد کا گروہ ہے جو سرزمین ایران میں رہ رہے ہیں یعنی ایرانی شہری ہیں۔ مغرب میں لفظ ''قوم'' انہی معنوں میں بولا جاتا ہے: جرمن قوم یا فرانسیسی قوم سے مراد ان ممالک کے شہری ہیں۔ اسی طرح پاکستانی قوم سے مراد پاکستان کے شہری ہیں خواہ ان کا کوئی بھی مذہب ہو اور وہ کسی بھی نسل سے ہوں، یہ ہے لفظ قوم کا مغربی مفہوم، لیکن جب ہم ''مسلمان قوم'' کہتے ہیں تو اس سے ہماری مراد ایک ایسی جماعت ہے جس کا مذہب اسلام ہے۔ اسی طرح ''ہندو قوم'' سے مراد ان افراد کا گروہ ہے جو مذہباً ہندو ہیں۔ ''دوقومی نظریہ'' میں قوم کا لفظ مذہب کے لحاظ سے استعمال کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے متحدہ ہندوستان میں دو بڑی قومیں تھیں، ہندو اور مسلمان۔ یہ نہ صرف مذہب بلکہ اپنی تہذیب وتمدن کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمان برصغیر کے ایک خاص حصے میں اکثریت میں تھے اور ان کو حق خودارادیت کے تحت اپنے لیے ایک علیحدہ وطن بنانے کا حق پہنچتا تھا۔ سکھ اپنے آپ کو ہندوؤں سے علیحدہ قوم کہتے تھے لیکن ان کی کسی علاقے میں بھی اکثریت نہیں تھی۔ تقسیم ہند کے بعد سکھ قوم ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں اکثریت میں ہے اور اس لحاظ سے اسے علیحدہ وطن کا مطالبہ کرنے کا حق پہنچتا ہے۔

قائداعظم نے اپنی تقریر میں یہ بات کہی ہے کہ قومی ریاست کے مغربی تصور کے مطابق بھی ہندوستان میں آباد مسلمان ایک اقلیت قرار نہیں دیے جا سکتے۔ ان کا مذہب' ثقافت' رسم رواج، تاریخی روایات، سماجی رویے اور اقتصادی

مفادات سب ہندوؤں سے مختلف ہیں۔ مسلمان بڑے بڑے خطوں میں آباد ہیں۔ جن کے پاس اس قدر وسائل ہیں کہ وہ ایک آزاد و خود مختار ریاست کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ حق خوداختیاری کے جمہوری اصول کے تحت مسلمان اکثریتی صوبوں کو ایک علیحدہ مملکت قائم کرنے کا حق ہے۔ مسلمانوں کو ایک آزاد و خودمختار ریاست کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ وہ اسلامی اصولوں کے مطابق اپنا سیاسی' سماجی اور اقتصادی ڈھانچہ تشکیل دے سکیں۔

قیام پاکستان کے وقت جن لوگوں کا اسلام کے بارے میں صحیح تصور تھا ہی نہیں' وہ اسلام اور دوقومی نظریہ کا شاید یہ مطلب سمجھتے تھے کہ پاکستان میں غیر مسلموں کو ان کے حقوق نہیں دیے جائیں گے۔ مثلاً غیر مسلموں کو کوئی سرکاری ملازمت نہیں مل سکے گی' ان کو اپنے مندروں میں جانے کی اجازت نہیں ہو گی یا تمام مندر گرا دیے جائیں گے' یا کسی غیر مسلم کے قتل پر مسلمان قاتل کو کوئی سزا نہ مل سکے گی۔ اسلام ان تمام امور کی نفی کرتا ہے۔ اسی لیے ان دنوں اقلیتوں کے شدید خوف و ہراس کو دور کرنے کے لیے قائداعظم نے زور دے کر یہ بات کہی کہ ان کو پاکستان میں باقی شہریوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ قیام پاکستان کے بعد 25 اکتوبر 1947ء کو رائٹر کے نامہ نگار ڈینکن ہوپر (Duncan Hooper) کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

''جہاں تک دوقومی نظریہ کا تعلق ہے' یہ ایک نظریہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ انڈیا کی تقسیم اسی حقیقت کی بنیاد پر ہوئی نیز گزشتہ دو ماہ کے قابل نفرت اور افسوس ناک واقعات اور پاکستان سے ہندوؤں کو نکال کر اپنی قوم کے لوگوں کے طور پر ہندوستان لے جانے کے عمل نے اس نظریہ کو شک و شبہ ثابت کر دیا ہے۔ اس لیے یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ صرف ایک ہی قوم ہے۔ میں اس پر مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ بہت سے دیگر واقعات بھی اس حقیقت کو ظاہر کر رہے ہیں کہ ہندوستان ایک ہندو مملکت ہے۔

پاکستان یا ہندوستان میں رہنے والی مختلف عقائد کی اقلیتیں اپنے عقائد' مذہب یا نسل کی وجہ سے اپنی اپنی مملکتوں کی شہریت سے محروم نہیں ہوتیں۔ میں نے یہ بات بار بار واضح کی ہے' خاص طور پر دستور ساز اسمبلی میں اپنی افتتاحی تقریر میں کہ پاکستان کے شہری ہونے کے ناطے' اقلیتوں کو وہ تمام حقوق اور مراعات حاصل ہوں گی جو کسی بھی دوسرے فرقے کو ملیں گی۔ پاکستان اسی پالیسی پر کاربند رہے گا اور اپنی غیر مسلم اقلیتوں میں تحفظ اور اعتماد کا احساس پیدا کرنے کے لیے حتی الامکان کوشش کرے گا۔''

یہاں پر فروری 1948ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لوگوں کے نام قائداعظم کی ایک تقریر کا اقتباس دینا بھی نامناسب نہ ہوگا:

''پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ابھی پاکستان کا دستور بنانا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ آخر کار اس دستور کی ہیئت کیا ہوگی لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ جمہوری طرز کا ہوگا، اور اسلام کے بنیادی اصولوں پر مشتمل ہوگا۔ عملی زندگی میں یہ اصول آج بھی اسی طرح قابل اطلاق ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ اسلام اور اس کی تصوریت سے ہم نے جمہوریت کا سبق سیکھا ہے۔ اس نے ہمیں انسانی مساوات' انصاف اور ہر ایک سے منصفانہ برتاؤ کی تعلیم دی ہے۔ ہم ان درخشاں روایات کے وارث اور پاکستان کے آئندہ دستور کے معماروں کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں

اور فرائض سے آگاہ ہیں۔‘‘

یاد رہے کہ قائداعظم نے 11 اگست 1947ء کے بعد اپنی ایک سے زیادہ تقریروں میں دستور پاکستان کی اسلامی اساس کا ذکر کیا ہے۔ اگر ان کا رجحان سیکولرازم کی طرف ہو چکا ہوتا تو وہ ایسا ہرگز نہ کرتے۔ ایک صاف گو اور تضادات سے مبرا شخصیت ہونے کی بنا پر وہ کبھی لگی لپٹی بات نہ کہتے اور اپنا موقف واشگاف الفاظ میں بیان کرتے۔

کیا قائداعظم کے مندرجہ بالا انٹرویو اور فروری 1948ء کی تقریر کے بعد اس موضوع پر مزید بات کرنے کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے؟

12 اگست 1947ء کو لیاقت علی خاں کی تجویز پر پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے یہ طے کیا کہ 15 اگست سے محمد علی جناح کو تمام سرکاری کاغذات میں قائداعظم محمد علی جناح لکھا جائے۔

13 اگست کو ماؤنٹ بیٹن اپنی اہلیہ کے ہمراہ دہلی سے کراچی پہنچے۔ قائداعظم نے کراچی کے ہوائی اڈے کی بجائے اپنی ہمشیرہ کے ہمراہ گورنمنٹ ہاؤس کے انٹرنس ہال میں ان کا استقبال کیا۔ اس رات لیڈی اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت دی گئی۔

14 اگست 1947ء کو قائداعظم گورنمنٹ ہاؤس سے ایک کار میں آئین ساز اسمبلی کی عمارت کی طرف گئے۔ ماؤنٹ بیٹن اور ان کی اہلیہ دوسری گاڑی میں ان کے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ چند دن پہلے کی اس اطلاع کے پیش نظر کہ سکھوں اور ہندوؤں نے مل کر 14 اگست کو قائداعظم کے قتل کا منصوبہ بنایا ہے، راستے میں سخت حفاظتی انتظامات کیے گئے تھے۔ دستور ساز اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن نے کہا:

’’پاکستان کا قیام تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ تاریخ کبھی گلیشیر کی رفتار سے بہت آہستہ آہستہ چلتی ہے اور کبھی تیز رفتار ندی کی طرح آگے بڑھتی ہے۔ اب دنیا کے اس حصے میں ہماری متحدہ کوششوں نے برف کو پگھلا دیا ہے، اب پیچھے مڑکر دیکھنے کا وقت نہیں ہے۔ اب صرف آگے دیکھنے کا وقت ہے۔‘‘

یہ کہہ کر وائسرائے نے جناح کی طرف دیکھا۔ اس سپریم لمحے میں بھی ان کے چہرے سے جذبات کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔

اس کے بعد قائداعظم کی باری تھی۔ انہوں نے سفید شیروانی پہنی ہوئی تھی۔ جس کے بٹن گلے تک بند تھے۔ انہوں نے کہا:

’’اسلام کی رواداری اور خیرسگالی کی روایات، تیرہ سو سال پرانی ہیں۔ جب ہمارے پیغمبر ﷺ نے یہودیوں اور عیسائیوں پر فتح پانے کے بعد نہ صرف الفاظ بلکہ اپنے عمل سے بھی ان کے ایمان اور اعتقاد کے بارے میں انتہائی رواداری اور احترام سے کام لیا، ہمیں انہی روایات کی پیروی کرنی چاہیے، پاکستان کی طرف سے اپنے ہمسائیوں اور دنیا کی دوسری قوموں سے دوستی میں کسی قسم کی کمی نہ ہوگی۔‘‘

تقریب ختم ہونے پر وہ دونوں کھلی گاڑی میں بیٹھ کر گورنمنٹ ہاؤس جاتے ہوئے کراچی کی سڑکوں سے گزرے۔ ماؤنٹ بیٹن کے کہنے کے مطابق وہ جب بھی جناح سے ملے انہیں کشیدہ خاطر پایا، لیکن اس وقت یہ محسوس ہوتا تھا کہ ان سے کشیدگی کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے بعد میں کہا:

’’تین میل لمبے راستے کی یہ آدھ گھنٹے کی مسافت مجھے 24 گھنٹے کا سفر محسوس ہوا۔‘‘

کار آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ راستے میں ہر جگہ لوگ کھڑے تھے۔ جن کو جگہ نہ ملی تھی وہ روشنی اور ٹیلی فون کے

کھمبوں سے چمٹے ہوئے' کھڑکیوں سے لٹکے ہوئے اور چھتوں پر کھڑے تھے۔ سب لوگ پاکستان زندہ باد اور قائداعظم زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ کار میں ماؤنٹ بیٹن اور محمد علی جناح اپنے خدشات کو اپنی پروقار مسکراہٹوں اور ہاتھوں کے اشاروں کے پیچھے چھپائے ہوئے تھے۔ وہ اپنے خیالات میں ایسے گم تھے کہ انہوں نے ایک دوسرے سے بات تک نہیں کی۔ جب کار گورنمنٹ ہاؤس میں آکر کھڑی ہوئی تو ان کے تعلقات میں پہلی اور آخری دفعہ جناح نرم پڑے۔ سرد مہری کے آثار غائب ہو گئے اور ایک پرجوش تبسم سے ان کا چہرہ جگمگا اٹھا۔ انہوں نے اپنا استخوانی ہاتھ وائسرائے کے گھٹنوں پر مارا اور کہا:

''خدا کا شکر ہے' میں آپ کو زندہ واپس لے آیا۔''

کالنز اور لیپرے لکھتے ہیں:

''بہت کوشش کے بعد ہمیں بالواسطہ اتنا پتہ چلا کہ جب کار اس شخص کے پاس سے گزری جس نے جناح پر بم پھینکنا تھا تو وہ ہمت ہار بیٹھا۔''

ہندوستان کے آخری وائسرائے کے طور پر ماؤنٹ بیٹن کی قائداعظم سے ملاقاتیں ہوتی رہیں اور وہ قائداعظم کے بارے میں اپنے تاثرات ریکارڈ کراتے رہے جو کبھی بھی خوشگوار نہیں تھے، لیکن اپنی موت سے چند برس پیشتر' انہوں نے اکتوبر 1975ء میں بی بی سی کے نمائندے کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

''میں عمر کے آخری دور میں ہوں۔ میرے تمام ساتھی اور اہلیہ بھی فوت ہو چکے ہیں۔ پتہ نہیں مجھے بھی کب بلاوا آ جائے۔ اس لیے میں کوئی غلط بات نہیں کہوں گا۔ میں اپنی پوری سیاسی زندگی میں جس شخص سے سب سے زیادہ متاثر ہوا ہوں وہ محمد علی جناح ہے۔ میں نے ان میں منافقت کا شائبہ تک نہیں دیکھا۔ اتنا بلند کردار انسان اور قومی لیڈر مسلمانوں کو شاید ہی دوبارہ مل سکے۔ جناح بڑی نمایاں اور ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ وہ اپنے مقام پر پہاڑ کی طرح مستحکم اور سخت تھے، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ بڑے ٹھنڈے دل و دماغ کے آدمی تھے۔ میرے لیے ممکن ہی نہیں تھا کہ میں ان کے دلی خیالات کو بھانپ سکوں۔ وہ علم نفسیات کے ماہر، نہایت ہی ذہین وفطین اور انگریزی زبان پر مکمل عبور رکھنے والے تھے۔ نہرو اور گاندھی بھی انگریزی میں اچھے تھے مگر جس روانی کے ساتھ جناح انگریزی زبان پر حاوی تھے، وہ دونوں اس کا عشرعشیر بھی نہ تھے۔

جناح میں ضد تو تھی لیکن منافقت نہیں تھی۔ سیدھا چلنے والے، صراط مستقیم کے پابند، سچی بات منہ پر کہنے والے، راست بازی میں دریکتا، ظاہر و باطن میں یکساں، انگریزی میں درجہ اول کے مقرر، جسم و جان کے ساتھ ایک بارعب اور پرہیبت شخصیت۔ مسلمانان ہند کو صرف یہ ایک شخص بام عروج پر لے گیا۔

مجھے صرف اس مقصد کے لیے ہندوستان بھیجا گیا تھا کہ میں اس ملک کو کسی نہ کسی طرح متحد رکھ سکوں اور ایک متحدہ ہندوستان ہی کو اقتدار منتقل کروں۔ اگر ایسا ہو جاتا تو یہ نہ صرف میرا بلکہ اٹیلی حکومت کا بھی ایک تاریخی کارنامہ ہوتا۔ میں نے اس ملک کو متحد رکھنے کی بھرپور کوشش کی لیکن میری راہ میں ایک شخص چٹان کی طرح حائل تھا، اور وہ تھا محمد علی جناح۔ ان کو قائل کرنے کے لیے میری ہر کوشش ناکام ہوگئی، اور بالآخر جناح کی ضد کے سامنے مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے۔''

یہاں یہ ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ انگریز حکمرانوں کی یہ خواہش رہی ہے کہ اگر ہندوستان کو آزادی دینا ہی پڑے تو

ہندوستان تقسیم نہ ہو، چنانچہ قرارداد پاکستان کی منظوری کے چند ہفتے بعد وزیر ہند زیٹ لینڈ (Zetland) کے خط کے جواب میں وائسرائے لنلتھگو (Linlithgow) نے لکھا:

''مسلم لیگ کی تقسیم کی تجویز احمقانہ ہے۔ ہم نہ اسے منظور کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس سے کوئی تعلق رکھ سکتے ہیں۔''

17 دسمبر 1940ء کو ایسوسی ایٹڈ چیمبر آف کامرس کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے لنلتھگو نے کہا:

''جغرافیائی لحاظ سے عملی طور پر ہندوستان ایک ہے۔ یہ بات آج اس سے بھی زیادہ اہم ہے جتنی کہ ماضی میں تھی۔''

20 اکتوبر 1943ء کو ویول ہندوستان کے نئے وائسرائے مقرر ہوئے۔ انہوں نے مرکزی اسمبلی سے اپنے پہلے خطاب میں کہا:

''آپ جغرافیہ نہیں بدل سکتے۔ دفاع، بیرونی دنیا سے روابط اور بہت سے داخلی اور خارجی مسائل کے نقطہ نظر سے ہندوستان ایک وحدت ہے۔''

مارچ 1946ء میں کیبنٹ مشن ہندوستان آیا۔ ہندوستانی رہنماؤں سے بات چیت کے بعد کوئی سمجھوتہ نہ ہونے پر 16 مئی 1946ء کو مشن نے اپنی طرف سے ایک پلان پیش کیا۔ اس پلان میں آزاد پاکستان کے تصور کو مسترد کر دیا گیا کیونکہ اس کے خیال میں اس سے اقلیت کے فرقہ وارانہ مسائل، خاص طور پر سکھوں کے مسائل حل نہیں ہوتے اور آبادی کے لحاظ سے نمایاں اکثریت والے غیر مسلم علاقوں کو پاکستان میں شامل کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ مزید برآں یہ جغرافیائی حقیقت بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ مجوزہ پاکستان کے دو حصوں میں تقریباً 700 میل کا فاصلہ ہے۔ جنگ اور امن میں ان کے درمیان رابطہ ہندوستان پر منحصر ہوگا۔ اس کے علاوہ

گزشتہ صدی میں برطانوی حکومت میں جس محنت سے فوجی، اقتصادی اور انتظامی وحدت قائم ہوئی ہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائے گی۔ 20 فروری 1947ء کو برطانوی وزیراعظم ایٹلی نے پارلیمنٹ میں ہندوستان کے نئے گورنر جنرل کے طور پر ماؤنٹ بیٹن کی تقرری کا اعلان کیا۔ ماؤنٹ بیٹن کی ہندوستان روانگی سے پہلے انہیں 18 مارچ 1947ء کو وزیراعظم برطانیہ کی طرف سے جو احکام ملے ان میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا گیا تھا:

''حکومت کا یہ قطعی مقصد ہے کہ برٹش انڈیا اور ہندوستانی ریاستوں کے لیے، اگر ممکن ہو تو برطانوی دولت مشترکہ کے اندر، دستور ساز اسمبلی کے ذریعے ایک وحدانی حکومت قائم کی جائے۔ آپ کی پوری کوشش ہونی چاہیے کہ تمام پارٹیوں کو اس مقصد کے حصول کے لیے کام کرنے کی ترغیب دیں۔''

یاد رہے کہ جون 1938ء کے اواخر میں جب نہرو انگلستان گئے تو وہاں وہ ہفتے کی ایک شام فلکنز (Flikins) میں سٹیفورڈ کرپس (Stafford Cripps) کے گھر مہمان رہے۔ کلیمنٹ ایٹلی (Clement Attlee)، انیورن بیون (Anevern Bevin) اور ہیرلڈ لاسکی (Harold Laski) بھی وہاں موجود تھے۔ ان سب نے اس موضوع پر بحث کی کہ اگلی لیبر حکومت ہندوستان کو کس طرح آزادی دے گی۔ ایٹلی نے اپنی غیر مطبوعہ یادداشتوں میں لکھا ہے:

''جن خطوط پر کرپس کو اختیارات دے کر بھیجا گیا تھا، اس میں وہ تمام اہم خیالات شامل تھے جن پر فلکنش میں کرپس نہرو اور میں نے ہفتے کی ایک شام غور کیا تھا۔''

ماؤنٹ بیٹن تو قیام پاکستان کے بعد بھی پاکستان کے خلاف مسلسل کام کرتے رہے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ انگریز حکمران شروع ہی سے تقسیم ہند کے خلاف تھے، البتہ 1942ء میں جب دوسری جنگ عظیم نے برطانیہ کو کمزور کر دیا تھا تو دنیا بھر کے مسلمانوں کی ناراضگی سے بچنے اور ہندوستانی افواج کے مسلمان فوجیوں کی تسلی کے لیے کرپس مشن نے تقسیم کے اصول کو منظور کر لیا تھا لیکن صرف اصول کی حد تک۔

یاد رہے کہ آزادی کے بعد ہندوستان کے گورنر جنرل، تینوں افواج کے کمانڈران چیف اور کئی صوبوں کے گورنر انگریز ہی تھے۔ جس شخص نے اپنے سرحدی ایوارڈ میں مسلم اکثریت کی تحصیلیں ہندوستان کو دے کر اسے کشمیر سے رابطے کا راستہ مہیا کیا وہ بھی انگریز تھا۔

ہندوستان کی آزادی کا بل وزیر اعظم ایٹلی نے 4 جولائی 1947ء کو برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ اس بل پر بحث کے دوران ایٹلی نے کہا:

"جہاں تک میرا تعلق ہے، میں پر جوش امید رکھتا ہوں کہ یہ تقسیم زیادہ دیر نہیں چلے گی اور ہم جن دونئے ڈومینیوں کا قیام تجویز کر رہے ہیں، وقت گزرنے کے ساتھ، وہ پھر اکٹھی ہو جائیں گی۔"

برطانیہ بڑے فخر و افتخار سے اس امر کا دعوے دار تھا کہ جب اس نے ہندوستان پر اپنے اقتدار کا سایہ کیا، اس وقت یہ ملک مختلف ٹکڑیوں میں بٹا ہوا تھا۔ دو سو سال سے کم مدت میں اس نے اسے ایک وحدت میں بدل دیا، حالانکہ قائداعظم نے حکمرانوں پر یہ واضح کر دیا تھا کہ سینکڑوں ریاستوں کی موجودگی میں اسے ایک وحدت کہنا صحیح نہیں تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ حکومت نے اپنی طاقت کے زور سے برٹش انڈیا کو بھی جکڑ کر ایک رکھا ہوا تھا۔ حقیقت میں یہ مختلف ٹکڑے تھے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے اپنی شدید مخالفت کا رخ مسلمانوں کی طرف کر لیا۔ مسلمان حکومت کے کوچے سے نکلے تو سیدھے سر دار پہنچے۔ مسلمان امراء اور علماء کو جس طرح چن چن کر تختہ دار پر لٹکایا گیا اور مسلمان رؤسا کی جائیدادیں جس طرح ضبط کی گئیں اور جزائر انڈیمان کو اس دور کے مجاہدوں سے جس طرح بھر دیا گیا۔ یہ سارے واقعات تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔ مسلمان تب سے انیسویں صدی کے آخر تک حکومت کے ظلم و ستم کا شکار رہے۔ جبکہ ہندوؤں پر انگریزوں کی نوازشات ہوتی رہیں۔ بس ایک سر سید کو اپنا خیر خواہ سمجھ کر انہوں نے ان کے تعلیمی ادارے کے لیے امداد دے دی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں انگریزوں نے یہ نوٹ کیا کہ اب مسلمانوں پر شدید ظلم و ستم انگریز حکومت کے مفادات کے خلاف ہے کیونکہ ہندوؤں نے انگریز حکومت کی اطاعت کی بجائے ہندوستان میں ہندو راج کی ٹرم میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔ ادھر اقتصادی اور سیاسی طور پر تباہ شدہ مسلمانوں کو بھی یہ احساس ہونا شروع ہو گیا تھا کہ تعلیمی ترقی اور جداگانہ انتخابات کی بنیاد پر سیاسی تنظیم کے بغیر وہ ہندوستان میں ہندوؤں سے بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد انہوں نے سوچ لیا کہ ہندو راج کے دائمی تسلط سے بچنے کے لیے وہ رام راج قائم کرنے کی کانگریس کی کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیں گے۔ تحریک خلافت کے آغاز ہی سے انگریزوں نے مسلمانوں پر پھر ظلم و تشدد شروع کر دیا۔ ان کی یہ مسلمان دشمنی آج تک قائم ہے۔

ہندوستان کو آزادی دینے سے پہلے انگریزوں کی خواہش تھی کہ وہ متحدہ ہندوستان کو اقتدار سونپ کر جائیں لیکن قائداعظم کی لیڈر شپ میں مسلمان ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن چکے تھے اور ان کے عزم راسخ کے سامنے انگریزوں اور ہندوؤں کی تمناؤں کی تکمیل نہ ہو سکی، پھر بھی انگریزوں نے پنجاب اور بنگال کو تقسیم کر دیا اور گورداسپور کی مسلم اکثریت کی تحصیل ہندوستان کو سونپ کر اسے کشمیر کے لیے راستہ دے دیا۔

یہاں یہ ذکر بھی ہو جائے کہ 1906ء میں مسلم لیگ کی بنیاد خود مسلمانوں نے رکھی تھی، جبکہ انڈین نیشنل کانگریس کا قیام ایک انگریز اے، او، ہیوم (Hume) کا مرہون منت تھا۔1885ء میں اس کے پہلے اجلاس میں سبرمنی آئر (Subermania Ayer) نے کہا:

''برطانیہ نے انڈیا کو صدیوں کے خارجی حملوں اور داخلی جدوجہد سے بچالیا تھا۔''

گویا پہلے ہی دن سے انگریز کی تخلیق کردہ کانگریس انگریز کے زیر سایہ صرف ہندو نقطہ نظر کو اجاگر کر رہی تھی۔ انگریزوں نے ہندوؤں کو مسلمانوں سے بچالیا تھا۔

اس سوال کا جواب دینے کے لیے کہ برطانیہ تقسیم ہند کے کیوں خلاف تھا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اس دور میں مشرق وسطیٰ برطانیہ کے زیر سایہ تھا۔ قیام پاکستان سے مسلمان ممالک میں آزادی کی تحریکوں کا ایک نیا عزم اور حوصلہ ملتا اور سامراجی تسلط کے بادل چھٹ جاتے۔ مسلم بلاک، ترکی اور ایران سے لے کر افغانستان اور پاکستان تک، کسی وقت بھی ایک عظیم قوت بن سکتا تھا۔ ادھر پاکستان کی سرحدیں روسی علاقے کے بہت قریب تھیں۔ اس طرح برطانوی اور امریکی حکومتوں کی نظر میں پاکستان ان کے سیاسی اور اقتصادی منصوبوں کی تکمیل میں ایک مسلسل رکاوٹ بن جاتا، چنانچہ ایٹلی اور امریکی حکومت دونوں متحدہ ہندوستان کے حق میں تھے۔

ان ساری باتوں کے باوجود انگریز قیام پاکستان پر کیوں تیار ہو گئے؟ اس لیے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانوی عوام ذہنی طور پر آگ اور خون کے کھیل سے متنفر ہو چکے تھے۔ وہ اس امر کے حق میں نہیں تھے کہ ان کی حکومت ہندوستان کو اس حال میں چھوڑ آئے کہ وہاں خانہ جنگی کی وجہ سے آگ اور خون کا کھیل مسلسل جاری رہے۔ دو صدیوں کی حکمرانی کے بعد وہ ہندوستان سے اس طرح رخصت ہونا چاہتے تھے کہ ان پر قتل و غارت کی براہ راست ذمہ داری نہ آئے۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ ہندوستان چھوڑنے پر ایسی صورت حال پیدا ہو کہ سارا عالم اسلام ان کے خلاف ہو جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ انگریز حکمران اور کانگریسی رہنما اس رائے پر متفق تھے کہ پاکستان زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا اور بہت جلد دوبارہ ہندوستان کا حصہ بن جائے گا۔

(قائداعظم محمد علی جناح، از محمد سلیم مطبوعہ قومی پبلشرز لاہور)

ماؤنٹ بیٹن پیپرز

سرکاری خط و کتابت

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے ایک دستاویز کا متن۔

تصحیح نامہ منسلک مع شق نمبر 11

پاکستان سے متعلق چند سوالات جو وائسرائے مسٹر جناح سے پوچھنا پسند فرمائیں گے۔

جغرافیائی

اگر یہ فیصلہ کر لیا جاتا ہے کہ انتقال اقتدار دو الگ الگ آزاد و خود مختار حکومتوں کو سونپا جائے تو وہ کون سی بنیاد ہے، جو ہندو اکثریتی علاقے پاکستان کے حوالے کرنے کا جواز بن سکے۔ یہ علاقے پنجاب کے تیرہ اضلاع اور بنگال کے آٹھ اضلاع ہیں، جن میں کلکتہ کا شہر بھی شامل ہے۔ کیا پورے پنجاب اور بنگال کے لیے دعویٰ غیر مسلم علاقہ ہتھیانے کا دعویٰ قرار نہیں پاتا؟ کانگریس کا کہنا ہے کہ وہ مسلم اکثریتی اضلاع چھوڑنے پر تیار ہے۔ آپ ہندو اور سکھ علاقے پر دعویٰ کس احوال کی بنا پر کر رہے ہیں؟

اگر پورا پنجاب پاکستان میں شامل کر دیا جاتا ہے تو آپ کے خیال میں کیا آپ......

(الف): سکھوں سے نپٹ لیں گے۔
(ب): غیر مسلم آبادی پر اپنی مرضی مسلط کر سکیں گے۔
(ج): ہندوستان کے ساتھ ضروری خوشگوار روابط برقرار رکھ سکیں گے، اس عداوت اور نفرت کے باوجود جو آپ کے اقدامات سے پیدا ہوگی۔ یہی استدلال بنگال کے بارے میں بھی لاگو ہوتا ہے۔

آپ اکثر یہ بات دہراتے ہیں کہ مسلمانوں کے جذبات اس قدر شدت اختیار کر چکے ہیں کہ متحدہ ہندوستان، ناممکن بن گیا ہے۔ فرض کیجئے کہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کی جاتی ہے۔ کیونکہ حکومت برطانیہ غیر مسلم علاقے آپ کے حوالے کرنے میں فریق بننا نہیں چاہتی تو آپ یہ تقسیم کیسے پسند فرمائیں گے؟ باؤنڈری کمیشن کے ذریعے یا حکومت برطانیہ کے فیصلے کے ذریعے پسند فرمائیں گے، یہ مت بھولیے کہ وقت بہت کم ہے۔

دفاع

کیا آپ:

1. ایک الگ برقی اور فضائی فوج کا قیام۔
2. ان افواج کے لیے اسلحے اور بارود کے لیے الگ فیکٹریوں کا قیام۔
3. روس اور ہندوستان کا بیک وقت سامنا کرنے کی طاقت کی استطاعت پیدا کرنے کا اہتمام کر سکتے ہیں؟

آپ اپنی راہ اپنانے کے لیے آپ مالی، معدنی وسائل اور ماہر افرادی قوت کہاں سے لائیں گے؟ یقیناً آپ کی بقا ہندوستان کے ساتھ دفاعی اشتراک یعنی مشترکہ دفاعی کونسل میں ہے۔

کیا پاکستان کی مالی حالت ایسی نہ ہوگی جس میں اس کے لیے دفاعی اور انتظامی و سماجی امور کی انجام دہی کے لیے اخراجات کا بوجھ ناقابل برداشت ہوگا۔ اسے حکومت ہند کے ذمے واجبات مثلاً دفاع، قومی قرضہ جات اور ریٹائرڈ ملازمین کی پنشن کے اخراجات کی ادائیگی سے متعلق اپنے حصے کی ادائیگی بھی کرنا ہوگی۔ ان کی تقسیم کس بنا پر ہوگی اور کون کرے گا، نیز ان کی ادائیگی کا اہتمام کیونکر کیا جائے گا۔ اس صورت میں کیا اس کے لیے مشکلات پیدا نہیں ہوں گی؟ کیا پاکستان اپنی الگ کسٹم سروس قائم کرے گا۔

اضلاع کی فہرست

پنجاب	بنگال
حصار	بردواں
رشک	بیرجھوم
گوڑگاؤں	بانکورا
کرنال	موناپوردا
انبالہ	کرتارپور
شملہ	ہووڑ
کانگڑہ	چوبیس پرگنہ
ہوشیارپور	جلپیگوری
جالندھر	دارجلنگ
لدھیانہ	فیروزپور
امرتسر	گورداسپور

(ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا، وی پی مینن)

ماؤنٹ بیٹن، جناح لیاقت

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 345 کا متن۔

انتہائی صیغہ راز
3 اگست 1947ء

کیپٹن سویج پولیس افسر تھا، اور سی آئی ڈی کنٹرول میں ملازم تھا۔ اس نے بتایا کہ اسے گورنر پنجاب نے وائسرائے

کے سامنے ذاتی رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا ہے، اس نے بتایا کہ سی آئی ڈی کنٹرول مشاورت کے متعلق امور کی تفتیش خصوصی پوچھ گچھ اور تمام ذرائع سے موصول ہونے والی انٹیلی جنس رپورٹوں کو مربوط کرتا ہے۔

لیکن سویج نے بتایا کہ فسادات برپا کرنے والے اشخاص میں سب سے پہلے جو شخص گرفتار ہوا ہے۔ وہ ایک پریتم سنگھ نامی سابق آئی این اے کا رکن ہے۔ اسے 4 جون کو گرفتار کیا گیا۔ اس کے پاس سے وائرلیس سیٹ برآمد ہوا۔ پنجاب سی آئی سی اس سے پہلے ہی واقف تھی، کیونکہ چند سال قبل جب یہ چوپرا کے پی نانک سکول سے ہندوستان پہنچا (جو جاسوسی کا تربیتی سکول تھا) تو اسے گرفتار کر لیا گیا تھا، اور اس سے پوچھ گچھ کی تھی۔ یہ ان لوگوں میں سے تھا جنہیں جنوبی ہندوستان میں آبدوز کے ذریعے اتارا گیا تھا۔ پریتم سنگھ نے ایک طویل بیان دیا ہے، جس میں اس نے ماسٹر تارا سنگھ کو بم سازی اور بعض ہیڈ ورکس اڑانے کے منصوبے میں ملوث کیا ہے۔

کیپٹن سیویج نے بتایا کہ دوسرا واقعہ جس میں گرفتاریاں ہوئیں کراؤن ٹاکیز لاہور میں صبح بم دھماکہ تھا۔ گرفتار ہونے والوں میں اہم کلدیپ سنگھ تھا، جس نے فروری 1947ء میں آر ایس ایس ایس میں شمولیت اختیار کی۔ وہ بم سازی اور آتش زنی کا ماہر تھا، اور کافی کامیاب وارداتیں کر چکا تھا۔ وہ بم زنی کے چھ واقعات میں ملوث پایا گیا اور ٹرین کی پٹریاں اڑانے میں خاص مہارت رکھتا تھا۔ اسے 30 جولائی کو گرفتار کیا گیا۔

دوسرا شخص جسے کلدیپ سنگھ تھا اور اس کے ساتھی کراؤن سینما اور لائل پور ٹرین واردات میں ملوث تھے، سے پوچھ گچھ کے نتیجے میں پکڑا گیا، لاہور سیکرٹریٹ کا ایک کلرک گوپال رائے کھوسلا تھا۔ اس نے جو بیان دیا اس کی رو سے ماسٹر تارا سنگھ مکمل طور پر ملوث ہوتا ہے۔ وہ ماسٹر تارا سنگھ سے جولائی کے آخر میں ملا، اور اس سے سات سو روپے کی رقم لی جو رائفلوں اور دستی بموں کی خرید کے لیے دی جانے والی رقم کا بقایا تھا۔ ماسٹر تارا سنگھ نے جس کی ادائیگی کا وعدہ کر رکھا تھا۔ اس نے رام لال نامی شخص کو ماسٹر تارا سنگھ کے پاس چھوڑا، جس کے اس سے بہت گہرے قریبی تعلقات تھے۔ رام لال نے رقعہ دیا کہ تارا سنگھ کو دے دے۔ اس میں خفیہ کوڈ استعمال کیا گیا تھا اور یہ مہاجرین کو لانے والی خصوصی ٹرینوں کے متعلق تھا۔ اس نے تارا سنگھ سے ملاقات پر پوچھا کہ یہ کیا ہے تو اس نے بتایا کہ یہ ان ٹرینوں کے بارے میں ہے جو سرکاری ملازمین کو دہلی سے پاکستان لے جا رہی ہیں۔ تارا سنگھ نے ٹرینوں کی آمد و رفت کے اوقات سے بذریعہ وائرلیس باخبر رکھنے کا اہتمام کر لیا تھا۔

کیپٹن سیویج نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ماسٹر تارا سنگھ نے بتایا تھا کہ چار سکھ نوجوان ریمورٹ کنٹرول کے ذریعے سے سپیشل ٹرین کو اڑا دیں گے۔ جو سرکاری ملازمین پاکستان لا رہی ہے۔ اس کے بعد اسے مکمل طور پر جلا دیں گے اور محفوظ رہنے والے مسافروں کو گولی مار دیں گے۔ تارا سنگھ نے یہ بھی کہا کہ 15 اگست کو حلف برداری کی رسم کے دوران مسٹر جناح کو ہلاک کر دیا جائے گا۔

کیپٹن سیویج نے کہا کہ آزاد اور انتہائی باوثوق ذرائع نے تصدیق کی ہے کہ تارا سنگھ کی سوچ یک سمتی ہے اور مسلمانوں سے انتقام کے علاوہ اسے اور کچھ نہیں سوجھتا۔ تارا سنگھ محض سکھ فوجیوں کے ذریعے اسلحہ جمع کر کے انہیں ریاستوں میں رکھوا رہا ہے۔ مہاراجہ فرید کوٹ نے ٹرانسپورٹ کے علاوہ اخلاقی و مالی امدادیں فراہم کی ہے۔ تارا سنگھ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کو فوری طور

پر منہدم ہونا ہے۔

سر جارج ایبل نے تجویز کیا کہ ماسٹر تارا سنگھ کو فوری طور پر گرفتار کر لیا جائے۔

کیپٹن سیویج نے رائے دی کہ اس سے وسطی پنجاب میں لازماً گڑبڑ ہوگی۔

سردار پٹیل نے کہا کہ انہیں گرفتار ہونے والے خصوصاً آئی این کے سابق ارکان کے بیانات پر کوئی بھروسہ نہیں۔

کیپٹن سیویج نے کہا کہ جہاں تک ان مقدمات کے بارے میں پوچھ گچھ کا تعلق ہے تو مذکورہ ملازمین جو بتا رہے ہیں وہ سچ ہے تاہم تارا سنگھ کے خلاف ٹھوس شہادتیں مہیا کرنا مشکل ہے، تاہم اسے پنجاب سیفٹی ایکٹ کی دفعہ 3 کے تحت حراست میں رکھا جاسکتا ہے۔

مسٹر لیاقت علی خان نے کہا کہ انہوں نے پاکستان جانے والی تمام ٹرینوں کی ہر ممکن حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ رپورٹ ملی ہے کہ ایک خاص جگہ پر جتھہ اکٹھا ہو رہا ہے اور خاص ٹرین پر حملے کا خطرہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ ٹرینوں کو روکنا نہیں چاہئے انہیں ہر قیمت پر جانا چاہئے، مگر ان کے ساتھ حفاظتی فوجی دستے کی نفری میں اضافہ کر دیا جائے اور آئی جی پنجاب کو اطلاع دے دی جائے۔ ان کی رائے میں حد بندی کمیشن کا ایوارڈ کچھ بھی ہو سکھ خلفشار کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔

کیپٹن سیویج نے رائے دی کہ سکھوں پر سکھ قیادت کا کنٹرول نہیں رہا، تاہم گیانی کرتار سنگھ زیادہ پرامید ہے کہ اس گڑبڑ کے بغیر وہ حالات سے گزر جائیں گے۔

وائسرائے نے مزید غور و خوض کے بعد گورنر پنجاب کو ماسٹر تارا سنگھ اور ان کے دوسرے حواریوں کو حد بندی کمیشن کے ایوارڈ کے موقع پر گرفتار کرنے کے لیے سفارش کرنے کا فیصلہ کیا۔

انہوں نے سر ایبل سے کہا کہ وہ اس کے مطابق سر جینکنز کے لیے مکتوب ڈرافٹ کر لیں۔ ذیل میں سر ایبل کے اس خفیہ اور اہم مکتوب کا متن دیا جا رہا ہے۔ جو اس سلسلے میں انہوں نے گورنر پنجاب جینکنز کو لکھا تھا۔

(وی پی مینن، ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا)

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 346 کا متن۔

سر جی ایبل بنام سر ای جینکنز

(گورنر پنجاب)

صیغۂ راز/نمبر 98/592

4 اگست 1947ء

مائی ڈیئر جینکنز!

سیویج کے ہاتھ جو ذاتی خط بھجوایا اس کے لیے شکریہ۔

میں نے ناشتے پر سیویج کی کہانی سنی اور فضیلت مآب وائسرائے تک پہنچا دی۔ آج صبح بٹوارہ کونسل کا اجلاس تھا۔ فیصلہ کیا گیا کہ اجلاس کے اختتام پر جناح، لیاقت اور پٹیل کو روک لیا جائے اور سیویج انہیں پوری روداد سنائے۔

سیویج نے بڑے اچھے انداز میں روداد بیان کی اور اس کا کافی اثر ہوا۔ تھوڑی بحث کے بعد اس پر اتفاق ہو گیا کہ ماسٹر تارا سنگھ اور دوسرے گرم دماغ سکھ لیڈروں کو گرفتار کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ سوال یہ تھا کہ کب؟ وائسرائے نے تجویز کیا کہ غالباً عین اس وقت جب حد بندی کمیشن ایوارڈ کا اعلان کرے۔ انہیں گرفتار کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ انہوں نے واضح کیا کہ اگر قبل از وقت ایسا کیا گیا تو گڑبڑ پھیل جائے گی اور ایسا فیصلہ جسے سکھ خلاف سمجھیں سے حالات 15 اگست کو اور خراب ہو جائیں گے۔ بہ نیت اس کے اگر انہیں 12 اگست کو گرفتار کیا جائے۔ اس پر اتفاق رائے ہوا کہ ایک مشترکہ حکمت عملی اختیار کی جانی چاہئے۔ وائسرائے نے کہا کہ وہ آپ سے کہیں گے کہ آپ سر چندر لال تریویدی سے بھی بات کر لیں، اور

مناسب وقت پر مشرقی پنجاب کے وزیر اعلیٰ سے اور مغربی پنجاب کے وزیر اعلیٰ (جونہی اس کا انتخاب ہو) سے بھی تبادلہ خیال کریں، یہ تسلیم کیا گیا کہ آپ کو مزید عذر کے لیے وقت دیا جانا چاہئے اور ممکن ہے آپ تبادلہ خیال کے بعد اور

الف: گرفتاریاں کی جائیں اور

ب: یہ ہفتے دس دن کے لیے نہیں ہوں گی۔

آپ کا مخلص

جی، ای، بی، ایبل

(وی، پی مینن، ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا)

اب ذیل میں وائسرائے بنام گورنر پنجاب سر جینکنز کے اس اہم مکتوب کا متن دیا جا رہا ہے جو وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے سر جینکنز گورنر پنجاب کو لکھا۔

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 359 کا متن۔

وائسرائے بنام گورنر پنجاب سر جینکنز

6 اگست 1947ء

مائی ڈیئر جینکنز!

30 جولائی کے پندرہ روزہ خط کا شکریہ۔

❷ مجھے ڈر ہے کہ آپ اور آپ کے افسران پر بہت زیادہ دباؤ اس طرح رہے گا اور نئی حکومتوں کو امن و سلامتی کے میدان میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سیویج نے جو معلومات فراہم کیں۔ اس سے تمہارا خط ذرا دب سا گیا ہے۔ میں نے ایبل کے تمہارے نام خط کی منظوری دے دی، جس میں اس نے آپ کو اس اجلاس کے فیصلوں سے مطلع کر دیا، جس میں سیویج نے شرکت کی تھی۔

❸ ایک ٹیلی گرام آپ کو بھیجی گئی ہے، جس میں 15 اگست کے بعد پنجاب اور بنگال کے لیے جو سیٹ اپ تجویز کیا گیا، اس سے آپ کو مطلع کیا گیا ہے مجھے امید ہے کہ مقامی لیڈر بھی اس سے اتفاق کریں گے۔ دونوں فریق متفق ہیں کہ 15 اگست کے بعد سر جارج سپنس بٹوارہ کونسل کے چیئرمین کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ اگرچہ یہ ان کے لیے بہت بڑا خراجِ تحسین تھا، مگر وہ مریض آدمی ہے۔ اس لیے میں رکنے کے لیے انہیں نہیں کہہ سکتا۔

❹ مجھے افسوس ہے کہ تقسیم کے متعلق آپ کا کام تسلی بخش طور پر نہیں جا رہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ دونوں نئی حکومتوں کو اپنی غلطیوں سے سیکھنا ہوگا اور انہیں احساس ہوگا کہ ریاست کو انتظامیہ پر حاوی کرنے سے کیا نقصان ہوتا ہے۔

❺ میں آپ کی یہ درخواست نہیں بھولا ہوں کہ باؤنڈری ایوارڈ کی نوعیت کے بارے میں آپ کو پیشگی اطلاع دے دی جائے، اور میں اس کا اہتمام کرنے کی کوشش کروں گا۔

معلوم ہوا ہے کہ نواب افتخار حسین ممدوٹ کو مغربی پاکستان مسلم لیگ پارٹی کا لیڈر چن لیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ وزیر اعلیٰ ہوگا۔

آپ کا مخلص

ماؤنٹ بیٹن آف برما

(وی پی مینن، ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا)

اب اس سلسلے کی کڑی میں سر جی ایبل کا مکتوب جو انہوں نے وائسرائے کے نام لکھا تھا اس کا متن پیش کیا جا رہا ہے۔

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 361 کا متن۔

سر ایبل جی بنام وائسرائے

6 اگست 1947ء

فضیلت مآب!

آج شام مسٹر جناح سے میری پنجاب کے بارے میں

مسٹر جناح سر سٹیفورڈ کرپس کے ہمراہ

آدھ گھنٹہ گفتگو ہوئی۔

۲ ان کا کہنا ہے کہ ان کی رائے میں ایوارڈ کے اعلان پر سکھوں کے ردِعمل کا انتظار دانش مندی نہیں، وہ ذاتی طور پر انتہا پسند سکھوں کی فوری گرفتاری کے حق میں ہیں۔ وہ ایوارڈ کے اعلان کے ساتھ ہی گرفتاریوں پر صرف سردار پٹیل کے نقطۂ نظر سے مطابقت کے لیے متفق ہوئے۔

۳ وہ اس معاملے میں وائسرائے اور سردار پٹیل سے ایک اور ملاقات کو غیر ضروری سمجھتا ہے اور نہ ہی اس کے پاس اس کے لیے جانے سے پہلے وقت ہے۔

۴ مگر وائسرائے اس کی تجویز سے متفق نہیں تو وہ یہ معاملہ آپ کی صوابدید پر چھوڑتا ہے۔

۵ ان کی رائے میں سردار پٹیل وسطی پنجاب میں خلفشار کے حق میں ہے، مگر میٹنگ میں صرف اس لیے متفق ہوا کہ جو حقائق بیان کیے گئے ان کی موجودگی میں اس کے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا۔

۶ میرے خیال میں معاملہ اتنا اہم ہے کہ گورنر پنجاب کو تبادلہ خیال کے لیے بلایا جائے۔

جی، ای، بی، ایبل

(دی پی مینن، ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا)

اب اس سلسلے کی ایک اور کڑی پیش کی جا رہی ہے۔

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 379 کا متن۔

وائسرائے بنام گورنر پنجاب سر جینکنز

(ٹیلی گرام)

انتہائی ضروری/خفیہ

نئی دہلی، 8 اگست 1947ء

نمبر 3269 ایس

میں نے سکھوں کے مسئلے پر تریویدی سے بات کی اور ایبل کو جناح کے ہاں بھیجا تا کہ وہ پتہ چلائے کہ آیا اسے باؤنڈری کمیشن کے فیصلے تک کارروائی ملتوی کرنے پر اعتراض ہے۔

۲ جیسا کہ مجھے توقع تھی۔ جناح نے کہا کہ وہ صرف سمجھوتے کے پیش نظر متفق ہو گیا تھا، ورنہ وہ فوری کارروائی چاہتا تھا۔ اس نے مزید کہا کہ پٹیل صاف طور پر کارروائی ملتوی کرنے کے حق میں ہو گا، جیسا کہ آپ کی تجویز ہے اور پٹیل سے ملاقات کے بعد تریویدی نے اس کی تصدیق کی۔

۳ جناح نے مزید کہا کہ اگرچہ دونوں جانشین حکومتوں کے سربراہوں کی مشترکہ پالیسی اچھی بات ہے تاہم اب اس مسئلے پر مزید گفتگو بیکار ہے اور یہ کہ وہ معاملے کو میری مرضی کے تابع چھوڑتے ہیں۔

۴ اب مودی بھی تمہارے پاس ہے اور اس سے مسئلے پر بات کر لینا۔

۵ صورتحال سے بہترین آگہی تمہارے پاس ہے اگر تمہاری تجویز ہے کہ ایوارڈ کے بارے میں ردِعمل کا انتظار کیا جائے تو میں اس سے متفق ہوں، لیکن ساتھ ہی میں یہ بھی فرض کرتا ہوں کہ جال مضبوطی سے پھینک رکھا ہو گا کہ سارے خطرناک لوگوں کو ایک ہی جھٹکے میں پھانس لو۔''

(دی پی مینن، ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا)

ماؤنٹ بیٹن سے خطاب

ہندوستان تقسیم ہو گیا۔

پاکستان عالمِ وجود میں آ گیا۔

ایک ناممکن بات ایک ٹھوس حقیقت بن گئی!

14 اگست 1947ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان دستور ساز اسمبلی سے خطاب کیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی جوابی تقریر میں کہا:

''ہم ہمیشہ اس چیز کی کوشش کرتے رہیں گے کہ

دولت برطانیہ اور اپنی ہمسایہ حکومت ہندوستان اور دوسری قوموں سے ہمارے تعلقات دوستانہ رہیں، اور ہم دنیا میں امن وخوشحالی قائم کرنے میں اُن کی مدد کر سکیں۔
عظیم المرتبت ملکہ وکٹوریہ جس نے سو سال پہلے ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں سنبھالی تھی، اور وعدہ کیا تھا کہ ہندوستان کو اختیارات سنبھالنے کے لیے تیار کیا جائے گا اور وقت آنے پر آزادی بخش دی جائے گی۔ آج سو سال پہلے کے وعدے ملکہ کے پوتے جارج کے عہد میں پُورے ہو رہے ہیں، اوراس کے نتیجہ کے طور پر دو آزاد حکومتیں پاکستان اور ہندوستان ظہور میں آ رہی ہیں۔
انگریزوں نے اپنے عہد حکومت میں بہت سی چیزیں ایسی کیں جو نہیں کرنی چاہیے تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ انگریزوں کا اثر ہندوستان کی زندگی کے بعض شعبوں پر بہت گہرا اور خوشگوار پڑا ہے۔ مثال کے طور پر انگریزوں کی قائم کردہ عدالتوں کو لیا جا سکتا ہے۔ جن کی مدد سے لوگوں کے حقوق کو پامال ہونے سے بچایا گیا، اور امن کا دور دورہ شروع ہوا۔
انگریزوں کا رضا کارانہ طور پر چلے جانا، دنیا کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا ایک ہی واقعہ ہے، ہندوستان برطانیہ کے تاج کا سب سے روشن ہیرا سمجھا جاتا تھا، آج یہ ہیرا اپنے ہی ہاتھوں دوسروں کو دیا جا رہا ہے۔
یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہندوستان اور پاکستان کے لوگ برطانیہ کے اس اچھے فعل کی بڑائی کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہم اس کی بجا طور پر تعریف کرتے ہیں، اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج جو کچھ پاکستان اور ہندوستان دونوں برطانوی قوموں کی برادری کا حصہ ہیں۔
لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تین جون کی اسکیم کو عملی جامہ جس قابلیت اور عمدگی سے پہنایا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ آپ ہندوستان کے آخری وائسرائے ہیں، لیکن ہندوستان اور پاکستان آپ کو بہت دنوں تک یاد رہیں گے۔ یہی نہیں آپ کا نام دنیا کی تاریخ میں بہت زمانے تک یاد رہے گا۔''
قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:
''ہم برطانیہ کے وزیراعظم مسٹر ایٹلی برطانیہ کی پارلیمنٹ اور برطانیہ کے لوگوں کے بھی ممنون ہیں کہ اُنھوں نے ہمارے مطالبۂ آزادی کو سمجھا، اور اسی طرح دو آزاد حکومتوں یعنی پاکستان اور ہندوستان کا قیام عمل میں آیا ہے۔''

ماؤنٹ بیٹن، لارڈ

ہندوستان کے آخری وائسرائے اور گورنر جنرل تھے، Mission with Maount Baitan نامی کتاب کے مصنف ایلن کیمبل جانسن اپنی کتاب میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور قائداعظم محمد علی جناح کا حوالہ پنڈت جواہر لال نہرو کی ملاقات میں دیا جو 25 مارچ 1947ء کو دہلی میں ہوئی۔ 15 اپریل 1947ء کو ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم محمد علی جناح سے براہ راست بات چیت کی۔ اس موقع پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا:
''خدا کی پناہ اس آدمی کی برف پگھلانے میں مجھے آدھ گھنٹہ صرف کرنا پڑا۔''
پھر ایک اور موقع پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم محمد علی جناح کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:
''جناح کو دیکھ کر میری ترغیب وتحریص کی تمام قوتیں

سلب ہو جاتی تھیں۔''

15 اپریل 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے پہلی ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کے بارے میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ محسوس کیا:

''قائداعظم ایک طرح کے روحانی نور کے حامل شخص تھے۔''

16 اپریل 1947ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم محمد علی جناح سے کہا:

''مجھے گورنر جنرل بننے دیں تاکہ اثاثوں کی منصفانہ تقسیم ہو سکے۔''

مگر قائداعظم محمد علی جناح کے بقول:

''لارڈ ماؤنٹ بیٹن وزیراعظم بننا نہیں چاہتے تھے۔''

21 جون 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ان کے پرسنل سیکرٹری سر ایرک میول کو کہا:

''مجھے وائسرائے (لارڈ ماؤنٹ بیٹن) پر مکمل اعتماد ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 24 جولائی 1947ء کو چیف آف سٹاف لارڈ ازمے سے کہا:

''میں چاہتا ہوں کہ آپ وائسرائے کو یقین دلائیں کہ میں انہیں اپنا دوست سمجھتا ہوں۔''

ماؤنٹ بیٹن نے یہ محسوس کیا:

''جیسے وہ (قائداعظم) ایک طرح کے روحانی نور کے حامل شخص تھے مسٹر جناح نے کبھی میری ذہانت پر شک نہیں کیا مگر اخبارات نے میرے بارے میں بدزبانی پر مشتمل مضامین شائع کیے اور پاکستانی سیاست دانوں نے اس لیے میری ذات پر حملے کیے کہ انہیں حملے کے لیے کوئی نہ کوئی ہدف چاہیے تھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح سے پہلی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا:

''جب مسٹر جناح آئے تو ان کے چہرے سے سختی، غرور اور نفرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنی گفتگو مطالبات سے شروع کی اور کہا کہ کم از کم چیز ان کے لیے یہ قابل قبول ہوگی۔''

چنانچہ لارڈ بیٹن نے انہیں کہا:

''پہلے ایک دوسرے کو جاننا چاہیے پھر دوبارہ بات چیت شروع ہوگی۔''

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان میں آمد کی تفصیلات بتائیں اور قائداعظم محمد علی جناح سے بھی تفصیلات معلوم کیں۔ بقول ان کے:

''قائداعظم محمد علی جناح نے ان سے تعاون نہ کیا اور ان کے زیادہ تر جوابات صرف نہیں یا ہاں پر مبنی تھے۔ آدھ گھنٹے کے بعد وہ کچھ کھلے، البتہ دوسرے روز کھانے کی دعوت پر قائداعظم نے مجھ سے کھل کر بات چیت کی۔''

قیام پاکستان سے ایک روز قبل برصغیر کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن پاکستان کی افتتاحی تقریب میں شرکت کے لیے کراچی آئے تو اسی رات قائداعظم محمد علی جناح نے ان کے اعزاز میں سرکاری طور پر ضیافت دی۔ انہیں زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''انہوں نے اپنے فرائض بڑے شاندار طریقے سے انجام دیے ہیں اور انتقال اقتدار کی ایک مثال قائم کر دی ہے۔''

لارڈ ماؤنٹ بیٹن پاکستان و ہندوستان کے مشترکہ گورنر جنرل بننا چاہتے تھے۔ انہیں سو فیصد امید تھی کہ قائداعظم محمد علی جناح بھی انہیں پاکستان کا گورنر جنرل بنا لیں گے کیونکہ پنڈت نہرو یہ امر نے منظور کر لیا تھا۔

ایک روز ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم محمد علی جناح سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں

صاف الفاظ میں جواب دیا اور کہا:

’’میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ پاکستان کا گورنر جنرل خود بنوں گا۔‘‘

قائداعظم محمد علی جناح کا یہ جواب سن کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن سیخ پا ہو گئے۔ قائداعظم نے بڑے تحمل سے برداشت کیا اور پرسکون لہجے میں جواب دیا:

’’میں نے یہ فیصلہ ذاتی غرض سے نہیں بلکہ اپنی قوم کے مفاد کو سامنے رکھ کر کیا ہے۔‘‘

قائداعظم نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ سپر گورنر جنرل بن جائیں یعنی دو مملکتوں کے گورنر جنرل لیکن ماؤنٹ بیٹن کو یہ منظور نہ تھا کیونکہ وہ اپنے خصوصی مقاصد کے تحت پاکستان کو اپنی گرفت میں رکھنا چاہتے تھے۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر 14 اگست 1947ء کو کراچی میں دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں وائسرائے کی حیثیت سے انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے گورنر جنرل کے عہدے کا حلف لینا تھا۔ اسی موقع پر یہ افواہ پھیل گئی کہ قائداعظم محمد علی جناح کی گاڑی کو گرنیڈ پھینک کر تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ اس بنا پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم محمد علی جناح کو حلف ملتوی کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر قائداعظم محمد علی جناح نے یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ حلف سے واپسی کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

’’میں آپ کو زندہ لے آیا ہوں۔‘‘

ماؤنٹ بیٹن 1900ء میں پیدا ہوئے ان کی والدہ وکٹوریہ برطانیہ کی ملکہ تھیں۔ ماؤنٹ بیٹن 1913ء میں برٹش نیوی میں بھرتی ہوئے۔ انہوں نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں خدمات انجام دیں۔ 45-1944ء میں برما کو دوبارہ فتح کیا۔ ستمبر 1945ء میں سنگاپور میں جاپانی فوجوں سے ہتھیار ڈلوائے، مارچ 1947ء میں برصغیر کے وائسرائے مقرر ہوئے۔ 15 اگست 1947ء کو تقسیم ہند کے بعد جون 1948ء تک بھارت کے پہلے گورنر جنرل رہے۔ 1956ء میں ایڈمرل آف دی فلیٹ کے عہدے پر ترقی ملی۔ 1965ء میں جزیرہ وٹ کے گورنر مقرر ہوئے۔ 1965ء میں آرڈر آف میرٹ کا اعزاز ملا۔ 1979ء میں انہیں قتل کر دیا گیا۔

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

یہ بمبئی کی وہ سڑک ہے جس پر قائداعظم محمد علی جناح کا بنگلہ تھا۔ یہ بنگلہ مالابارہل پر واقع تھا۔

مائی برادر

یوں تو قائداعظم محمد علی جناح کی حیات جدوجہد اور افکار پر کئی کتب منظر عام پر آ چکی ہیں۔ جن میں ان کے رفقاء اور چند غیر ملکی مصنفین کی تحاریر شامل ہیں۔ تاہم محترمہ فاطمہ جناح ان تمام مصنفین سے کہیں زیادہ قریب تھیں۔ انہوں نے 1963-1964ء میں اپنی یادداشتیں قلم بند کیں مگر وہ منظر عام پر نہ آ سکیں۔ ان یادداشتوں کو مائی برادر سے موسوم کیا گیا اور حیات قائداعظم محمد علی جناح پر ان سے عمدہ اور مستند حقائق کوئی اور موجود نہیں ہوسکیں گے یہ کتاب اوائل 1987ء میں کراچی سے طبع ہوئی۔ اس کتاب کے باب اول کا عنوان ہے:

A Nation is Orfhaned (قوم جو یتیم ہوگئی۔)

(حالات کے لیے دیکھیے فاطمہ جناح مس)

مائی لیڈر

(دیکھیے: میرا قائد)

مائی ماسٹرز

15 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا آخری اجلاس کراچی میں طلب کیا تھا۔

اجلاس میں شرکت کے لیے برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے سے کونسلرز صاحبان تشریف لائے تو قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں ''مائی ماسٹرز'' کہہ کر پکارا۔

مایوسی (گناہ ہے)

قائداعظم محمد علی جناح مایوسی کو گناہ سمجھتے تھے۔ حالات کیسے ہی ہوں اسے آپ نے معیوب نہ سمجھا۔ 1946ء کا ذکر ہے، قائداعظم محمد علی جناح بمبئی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کر کے باہر نکل رہے تھے کہ ایک نامہ نگار نے آپ سے پوچھا:

''ملک کی اس قدر غیر یقینی صورت حال کے پس منظر میں پاکستان کے قیام کے امکانات کیا ہو سکتے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''انسان کے سینے میں امید کا شعلہ برابر سلگتا رہتا ہے۔''

آپ ابھی اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ ایک امریکی خاتون نے یہ کہتے ہوئے جملہ پورا کر دیا:

''اور یہ شعلہ کبھی نہیں بجھتا۔''

متحدہ قوم

14 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خطاب میں فرمایا:

''مسلمانانِ ہند نے دنیا کو دکھا دیا ہے کہ وہ ایک متحدہ قوم ہیں، ان کا نصب العین صحیح اور مبنی بر انصاف ہے۔ آیئے اس نعمت کے لیے ہم عاجزی اور انکساری سے خدا تعالیٰ کا شکر بجا لائیں اور دعا کریں کہ وہ ہمیں اس نعمت کے لائق بنا دے۔ آج کے دن ہماری قومی تاریخ کا زہریلا دور ختم ہو رہا ہے، اور ایک نئے اور قابل احترام دور کا آغاز ہو رہا ہے۔''

متحدہ محاذ

قائداعظم محمد علی جناح مسلمانوں میں اتحاد و یکجہتی کے قیام کے لیے کوشاں رہے اس ضمن میں انہوں نے 11 دسمبر 1915ء کو مسلم لیگی رہنماؤں سے اپیل کرتے ہوئے کہا:

''ہم اپنے آئین کے پابند ہیں۔ اگر ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم آزادی، خودمختاری اور حق رائے دہی کے مستحق ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے آئین کا احترام کریں، اور اس پر عمل کریں اور اپنی صفوں میں مکمل نظم قائم کریں۔ آج صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام برطانوی سلطنت کی آنکھیں ہم پر لگی ہوئی ہیں، اور ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ ہم اسی سلطنت کے دوسرے ارکان کی طرح آزاد اور خودمختار ہونا چاہتے ہیں کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم اپنے اپنے باہمی اختلافات ختم کر دیں اور ایک متحدہ محاذ قائم کریں، اگر ہم متحد ہو جائیں تو ہمارے ہندو دوست ہماری زیادہ قدر کریں گے اور انہیں یہ یقین ہو جائے گا کہ ہم سیاسی میدان میں ان کے شانہ بشانہ چلنے کے اہل ہیں۔''

متحدہ بھارت

غلام برصغیر کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن جو تقسیم ہند کے سخت خلاف تھے، اور وہ بھارت کو متحد دیکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بی بی سی کے پروگرام ''آج کی رات'' میں اپنے دور کی آخری یادوں کے سلسلے میں کہا:

''میں ہر قیمت پر ہندوستان کو متحد ملک دیکھنا چاہتا تھا لیکن آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح کے سامنے میری کچھ پیش نہ چلی کیونکہ وہ پاکستان

حاصل کرنے کا اٹل عزم کر چکے تھے۔''

(دیکھیے: سیاسی فریب)

متحدہ ہند کا آخری سال

''وائسرائے کو عالم گیر جنگ کے دوران میں عوامی حکومت کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ ان کو کانگریس کے اس شدید ایجی ٹیشن کے زمانے میں عوامی گورنمنٹ کی ضرورت محسوس نہ ہوئی جب کانگریس کے لوگ ریلوں کی پٹریاں اکھاڑ رہے تھے، سرکاری عمارتوں میں آگ لگا رہے تھے، سرکاری ملازمین پر حملے کر رہے تھے اور انہوں نے ملک میں انتشار برپا کر رکھا تھا، مگر اب کہ مسلم لیگ نے ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ کیا۔ حکومت برطانیہ کے فیلڈ مارشل وائسرائے کو ضرورت محسوس ہوئی لوگوں میں اعتماد پیدا ہو جائے۔ لوگوں میں اعتماد پیدا کرنے کے لیے عوامی حکومت کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے کہ کانگریس سے اور ہندوؤں سے مسلمانوں کا سر کچلوایا جائے۔

6 اگست کو وائسرائے نے حکومت برطانیہ کی منظوری سے پنڈت جواہر لال نہرو کو خط لکھا کہ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان یقین دہانیوں کی بنا پر جو میں نے اپنے خط مورخہ 30 جون (بنام ابوالکلام آزاد) میں درج کی ہیں آپ کو حکومت قائم کرنے کی دعوت دوں۔ یہ طے کرنا آپ کا کام ہے کہ پہلے ان تجاویز پر قائداعظم محمد علی جناح سے گفتگو کر لیں۔ اگر آپ قائداعظم محمد علی جناح سے فیصلہ کر سکیں تو مجھ کو اس سے مسرت ہوگی، کیونکہ اس سے آپ بھی اتفاق کریں گے کہ اس نازک زمانے میں مخلوط حکومت ہندوستان کی خدمت زیادہ اچھی طرح کر سکے گی۔

وائسرائے نے یہ امید بھی ظاہر کی کہ کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی ستمبر کے پہلے ہفتے میں شروع ہو جائے گی، مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ مسلم لیگ کے ریزولیوشن سے جو صورت حال پیدا ہوگئی ہے اس پر ضرور غور کر لیا جائے۔

دو روز کے بعد وائسرائے نے قائداعظم کے خط مورخہ 31 جولائی کا جواب دیا۔ اس میں انہوں نے لکھا کہ آپ کے خط کے تمام نکات کا جواب دینے سے کوئی فائدہ نہیں، مگر یہ 3:4:6 کا تناسب وہی ہے جو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی آخر جون میں منظور کر چکی ہے۔ میں نے مسلم لیگ کے 29 جولائی کے ریزولیوشن کا لحاظ رکھ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ کانگریس کو عبوری حکومت قائم کرنے کی دعوت دوں اور اگر وہ مخلوط وزارت کے لیے معتدل پیشکش کرے تو مجھے اعتماد ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح اسے منظور کر لیں گے۔

8 اگست کو واردھا میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا۔ وائسرائے نے اپنے اختیارات اور مرتبے میں کوئی کمی نہیں کی۔ وزارتی وفد کے منصوبے کی وہی شرائط رہیں جو پہلے تھیں۔ عبوری حکومت کے سیاسی اور آئینی مرتبے میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، مگر کانگریس نے وائسرائے کی پیش کش بلا چون و چرا منظور کر لی۔ اس پیش کش سے کانگریس کی وہ خاص غرض پوری ہوگئی کہ تنہا اسی کو گورنمنٹ بنانے کا موقع ملے۔ اگر مسلم لیگ اس میں شریک بھی ہو تو اسی کی دعوت پر اور اسی کی شرائط پر۔

سکھوں نے کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کے انتخاب میں اس وجہ سے حصہ نہیں لیا تھا کہ پنجاب میں وہ اپنے کو بڑا

صاحب سمجھتے تھے۔ ان کو یہ پسند نہیں تھا کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کے مجموعے میں پنجاب کو رکھا جائے، اور رکھا گیا تو وہ علاقے الگ کیوں نہیں کیے گئے ہیں جن میں سکھوں کی اکثریت تھی۔ انہوں نے وزیراعظم برطانیہ سے درخواست کی کہ وہ اس معاملے میں مداخلت کریں، مگر وزیراعظم نے غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ دے دیا تھا کہ وہ سکھوں کی خاطر وزارتی مشن کی اسکیم میں ترمیم نہیں کر سکتے۔ اب جو کانگریس کو اختیار ملا تو ورکنگ کمیٹی نے اپنے ریزولیوشن میں سکھوں کو یہ یقین دلایا کہ پنجاب میں ان کے حقوق کی حفاظت کے لیے وہ ان کی پوری تائید کرے گی۔

تیسرے ریزولیوشن میں کانگریس نے مسلم لیگ سے یہ درخواست کی کہ وہ عبوری حکومت اور کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی سے تعاون کرے، مگر اس ریزولیوشن میں وزارتی مشن کی اسکیم اور کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی کے متعلق اس نے اپنے تمام ان ہی خیالات کا اعادہ کیا جو وہ سابقہ ریزولیوشن میں بیان کر چکی تھی اور ان ہی شرائط و قیود کے ساتھ، جس کے صاف معنی یہ تھے کہ کانگریس نے 16 مئی کی اسکیم منظور نہیں کی اور اپنی شرائط اور تعبیرات کے مطابق ہی کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں اس لیے شریک ہو رہی تھی کہ صوبوں کی مجموعہ بندی کو منسوخ اور تمام مسائل کا فیصلہ ہندو اکثریت کے زور سے کرے۔ قائداعظم کو کانگریس کے اس ریزولیوشن سے اطمینان نہیں ہوا، اور کیسے ہوتا انہوں نے 3 اگست کو کانگریس کمیٹی کے ریزولیوشن پر بیان دیا۔ جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

''اس ریزولیوشن میں بھی کانگریس نے 16 مئی کے بیان کی تمام شرائط کی خلاف ورزی کرنے کا علان کیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس زمانے میں جب آسام کی مجلس واضعان قانون کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کے لیے نمائندوں کا انتخاب کر رہی تھی اس نے کانگریس کی ہدایت پر ایک ریزولیوشن پاس کیا تھا جس میں کانگریس پارٹی کے ارکان ہی کو نہیں بلکہ مجلس واضعان قانون کے مسلمان ممبروں کو بھی حکم دیا کہ وہ ابتدا ہی سے (ج) گروپ کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھیں۔ 16 مئی کے بیان کی ایک بنیادی دفعہ کی اس طرح کانگریس کی طرف سے خلاف ورزی ہو چکی ہے۔ واردھا کے اس ریزولیوشن میں بھی جو 10 اگست کو منظور ہوا ہے۔ سب ان ہی باتوں کا اعادہ ہے جو کانگریس ابتدا سے کہہ رہی ہے۔ صرف الفاظ بدلے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے اس نے یہ کہا ہے کہ کمیٹی (وزارتی مشن کے) بیان کی تجاویز منظور نہیں کرتی، مگر اس نے اسکیم کو پورا قبول کیا ہے۔ اس نے اس کی یہ تعبیر کی ہے کہ اسکیم میں جو تضاد اور کوتاہیاں ہیں ان کو وہ اسی اصول کے مطابق رفع کرے گی جو بیان میں ہیں۔ مثلاً صوبائی آزادی ایک لازمی شرط ہے لہٰذا ہر صوبے کو فیصلہ کرنے کا حق ہے کہ وہ معینہ گروپ میں شریک ہو یا نہ ہو۔ تعبیر کا معاملہ اس طریقے پر طے کیا جائے گا جو بیان میں معین کر دیا گیا ہے۔ تعبیرات کا مسئلہ کون طے کرے گا اور وہ کون سا طریقہ ہے جو بیان کی تعبیر معین کرنے کے لیے بیان میں درج کیا گیا ہے؟

کانگریس نے اس ریزولیوشن کو یہ کہہ کر ختم کیا ہے کہ ورکنگ کمیٹی نے 26 جون کو جو ریزولیوشن منظور کیا تھا اور جس کی توثیق کانگریس کمیٹی نے کی وہ اپنی جگہ قائم رہنا چاہئے اور اسی کے مطابق وہ کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی

میں کام کرنا چاہتی ہے۔
اس لیے یہ بالکل واضح ہے کہ کانگریس کی روش میں اس کے سوا اور کوئی تبدیلی نہیں ہوئی کہ اس نے یہ کہہ دیا ہے کہ اس نے پوری اسکیم منظور کی ہے لیکن ریزولیوشن میں جو کچھ اس کے بعد ہے وہ مجموعہ بندی سے اس کی مخالفت کا اور کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کے لیے خود مختاری کے دعوے کا اعادہ ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ 16 مئی کے بیان کی شرائط کی پابندی نہیں کرے گی اور اس کے لیے آزاد ہوگی کہ کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں تمام فیصلے کثرت رائے سے کرے۔ مجھے خوف ہے کہ صورت حال وہی ہے جو تھی اور ہم وہیں ہیں جہاں تھے۔''

صدر کانگریس اور وائسرائے کی دعوت

کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے وائسرائے کو مطلع کیا کہ انہوں نے ورکنگ کمیٹی سے مشورہ کیا اور وہ عارضی قومی گورنمنٹ قائم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ کانگریس اس کا خیر مقدم کرے گی کہ مسلم لیگ مخلوط گورنمنٹ قائم کرنے میں شرکت کرے مگر پہلے وائسرائے اس کا اعلان کر دیں کہ انہوں نے کانگریس کے صدر کو وزارت قائم کرنے کی دعوت دی ہے اور یہ دعوت صدر کانگریس نے منظور کرلی ہے۔ اس کے بعد یہ ممکن ہوگا کہ کانگریس مسلم لیگ کو تعاون کے لیے دعوت دے۔ آخر میں انہوں نے لکھا کہ کانگریس مسلم لیگ کے تعاون کا خیر مقدم کرے گی، لیکن اگر اس نے انکار کیا تو کانگریس اس کے لیے تیار ہے کہ بغیر مسلم لیگ کے آگے بڑھے۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی فرمائش کے مطابق 12 اگست کو وائسرائے نے سرکاری بیان شائع کر دیا اور دوسرے روز پنڈت جواہر لال نہرو نے صدر مسلم لیگ کو خط لکھا۔ یہ مسلم لیگ اور ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی سخت توہین تھی کہ وائسرائے نے اس طریقے پر صرف ہندو قوم کی مجلس کے صدر کو گورنمنٹ قائم کرنے کی دعوت دی۔ جس نے کسی پہلو سے 12 مئی کے وزارتی بیان کی شرائط قبول نہیں کی تھیں۔ صدر مسلم لیگ نے پنڈت جواہر لال نہرو کے خط کا یہ جواب دیا کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ آپ کے اور وائسرائے کے درمیان کیا گفتگو ہوئی اور کیا طے ہوا۔ اگر آپ کو وائسرائے نے یہ اختیار دیا ہے کہ آپ ایگزیکٹو کونسل قائم کریں اور وائسرائے یہ پہلے ہی منظور اور قبول کر چکے ہیں کہ آپ کے مشورے کے مطابق عمل کریں اور اس طرح اپنی ایگزیکٹو کونسل کی تشکیل کریں تو اس بنیاد پر یہ حیثیت قبول کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے، لیکن اگر آپ کانگریس کی طرف سے ہندو مسلم مسئلے کے تصفیے اور اس شدید الجھن کو رفع کرنے کے لیے مجھ سے ملیں تو مجھے آپ سے مل کر مسرت ہوگی۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے قائداعظم کو اس پر یہ جواب لکھا کہ وائسرائے کے دعوت نامے اور کانگریس کی منظوری کے علاوہ ان کے اور وائسرائے کے درمیان کوئی دوسری بات طے نہیں ہوئی اور ان کو اس کا موقع بھی نہیں ملا کہ وائسرائے سے مل کر وہ مفصل گفتگو کرے۔ قائداعظم کے انکار پر اظہار افسوس کرنے کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے لکھا کہ شاید کہ صورت حال پر مزید غور کر کے آپ اپنے

فیصلے پر نظر ثانی کے لیے رضا مند ہو جائیں۔ ہندو مسلم مسئلے کے متعلق انہوں نے یہ کہا کہ ہم اس پر گفتگو کرنے اور اس کو طے کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہے ہیں، مگر اس وقت جاری تمام توجہ عارضی حکومت کی تشکیل کی طرف ہے۔

قائداعظم نے اس خط کا جواب دیا۔ اس کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو اور قائداعظم سے مفصل اور طویل گفتگو ہوئی، لیکن پنڈت جواہر لال نہرو عارضی حکومت میں مسلم لیگ کی شرکت کے لیے کوئی ایسی معقول تجویز پیش نہیں کر سکے۔ جو اس قابل سمجھی جاتی کہ منظور کی جائے حتیٰ کہ کانگریس اپنی اس پر فساد نیت سے بھی دست بردار نہیں ہو سکی کہ عارضی گورنمنٹ میں وہ مسلمان نمائندے، رکن کا نام ضرور پیش کرے گی۔ کانگریس کے اس دعوے کی کوئی حقیقت نہیں تھی کہ وہ بھی مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ ایسے عظیم مقصد کے لیے کہ ہندوستان کے مستقبل کی تعمیر ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد پر ہو، جس سے دائمی امن کی ضمانت ہو جائے، کانگریس کو اتنا ہی چھوٹا دعویٰ ترک کر دینا چاہیے تھا، لیکن پنڈت جواہر لال نہرو جس پر شدت سے اڑے رہے۔ اس لیے قائداعظم نے انٹیرم گورنمنٹ میں شرکت سے انکار کر دیا۔

مسلم لیگ فیصلہ کر چکی تھی کہ 16 اگست 1946ء کو یوم ڈائریکٹ ایکشن منایا جائے گا۔ وہ منایا گیا۔ یہ ڈائریکٹ ایکشن حکومت برطانیہ کی غلط اور غیر منصفانہ پالیسی کے خلاف تھا، مگر کانگریس نے لہٰذا پوری ہندو قوم اور اس کے اپنے خلاف قرار دیا۔ یوم ڈائریکٹ ایکشن کا پروگرام سادہ سا تھا۔ تمام ہندوستان میں کامل ہڑتال کی جائے، جلسے کیے جائیں، ان میں مسلم لیگ نے 29 جولائی کو بمبئی میں منظور کیے تھے۔ وہ جمعہ کا دن تھا۔ جمعہ کو ہر مسجد میں بلا کوشش و اہتمام مسلمانوں کے جلسے منعقد ہو جاتے ہیں۔ وہ ہوئے۔ بعض مقامات میں جلوس بھی نکالے گئے۔ ہندوؤں نے کلکتہ میں مسلمانوں کے جلوسوں اور جلسوں پر حملے کیے۔ وہاں بڑا سخت ہنگامہ ہوا جس میں پانچ ہزار قتل اور 15 ہزار آدمی زخمی ہوئے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے اس تیور سے یہ وزارت اختیار کی کہ وزارتی مشن اور وائسرائے کی مرضی کے مطابق مسلم لیگ کی نشستیں خالی چھوڑنے کے لیے بھی تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے وائسرائے سے کہہ دیا کہ ہم نے وزارت اسی شرط پر قبول کی ہے کہ تمام ذمہ داری ہماری ہوگی۔ ہم نے قائداعظم محمد علی جناح کو پیش کش کی مگر انہوں نے قبول نہیں کی، لہٰذا ہم مسلم لیگ کی نشستیں غیر لیگی مسلمانوں سے بھریں گے۔ وائسرائے کانگریس کی ناز برداری پر کمر بستہ تھے۔ انہوں نے یہ بھی منظور کیا۔

24 اگست کو ایک سرکاری اعلان میں شاہ انگلستان کی منظوری سے انٹیرم گورنمنٹ کے لیے ارکان کے ناموں کا اعلان ہو گیا اور وہ یہ تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو، سردار ولبھ بھائی پٹیل، ڈاکٹر راجندر پرشاد، مسٹر آصف علی، راج گوپال اچاریہ، سرت چندر بوس، ڈاکٹر جان متھائی، سردار بلدیو سنگھ، سر شفاعت احمد، جگ جیون رام، سید علی ظہیر، اور کاؤس جی ہرمز جی بھابا۔ دو مسلمانوں کے نام رہ گئے تھے۔ ان کے متعلق اعلان ہوا کہ وہ بعد کو لیے جائیں گے، اور یہ کہ گورنمنٹ 20 ستمبر 1946ء کو قائم ہوگی۔

وائسرائے کی نشری تقریر

اسی روز وائسرائے نے بالکل کانگریس کا وکیل بن کر ایک تقریر کی۔اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

''آپ نے ان اشخاص کے ناموں کا اعلان سنا ہوگا۔ جو نئی سرکاری گورنمنٹ کے ارکان ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ سب لوگ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہندوستان کی راہ آزادی میں یہ ایک بہت بڑا قدم ہے جو آگے بڑھایا گیا ہے، مگر آپ میں سے بعض جو میری تقریر سن رہے ہیں، پھر یہ محسوس کر رہے ہوں گے کہ یہ قدم اس طریقے پر اور اس وقت نہیں بڑھانا چاہئے تھا۔ وہ یہی لوگ ہیں جن سے میں اس وقت تخاطب کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے یہ مان لیا ہے کہ آپ وہ لوگ جو نئی گورنمنٹ کی تشکیل کے مخالف ہیں، ملک معظم کی گورنمنٹ کی اس اصل بڑی پالیسی کے خلاف نہیں ہیں کہ ہندوستان کو اپنا مستقبل تعمیر کرنے کے لیے آزاد کر کے وہ اپنے وعدے پورے کرے۔ میرا خیال ہے کہ آپ سب لوگ اس سے بھی اتفاق کریں گے کہ ہم کو فوراً ایک ایسی گورنمنٹ کی ضرورت ہے، جو ان سیاسی خیالات کی، جہاں تک ممکن ہو، زیادہ سے زیادہ نمائندہ ہو، جو ملک میں ہیں۔ وہ یہی بات ہے جو میں نے حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اگرچہ 14 میں سے 5 نشستیں مسلم لیگ کو پیش کی گئیں، اس کا یقین دلایا گیا کہ آئین وضع کرنے کی اسکیم اسی ضابطے کے مطابق عمل میں آئے گی جو معین کر دیا گیا ہے، اور عبوری حکومت کو موجودہ دستور ہی کے تحت عمل کرنا ہے، مگر اس وقت یہ ممکن نہیں ہو سکا کہ مخلوط وزارت تھی۔ اسی ناکامی پر جیسا میں غمگین ہوں اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ مجھ سے زیادہ اس کا کسی کو یقین نہیں ہوسکتا کہ ہندوستان کی تمام پارٹیوں اور فرقوں کے نفع کے لیے اس وقت جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایسی مضبوط گورنمنٹ ہے جس میں دونوں بڑی پارٹیوں کی نیابت ہو۔ یہ خیال ہے جس پر میں جانتا ہوں کہ پنڈت جواہر لال نہرو، صدر کانگریس اور ان کے رفقا بھی بڑی مضبوطی سے قائم ہیں۔ میری طرح ان کی کوششیں بھی اس میں لگی رہیں گی کہ سمجھا بجھا کر مسلم لیگ کو گورنمنٹ میں شریک ہونے پر آمادہ کیا جائے۔

اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس پیش کش کو واضح طور پر بیان کر دوں جو لیگ کو کی گئی، اور اب بھی اس کے لیے حاضر ہے۔ 14 ارکان کی گورنمنٹ میں پانچ نشستوں کے لیے پانچ نام تجویز کر کے مجھ کو وہ بھیج سکتی ہے۔ جن میں چھ وہ ہوں گے جن کو کانگریس نامزد کرے گی اور تین اقلیتوں کے نمائندے ہوں گے۔ شرط یہ ہے کہ نام ایسے ہوں جن کو میں قبول کر سکوں اور ملک معظم کی گورنمنٹ منظور کر سکے۔ یہ گورنمنٹ میں شامل کر لیے جائیں گے۔ جن کی فوراً دوبارہ تشکیل کی جائے گی۔ مسلم لیگ کو اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ کسی اہم مسئلے میں اس کو کثرت رائے سے شکست دے دی جائے گی۔ مخلوط گورنمنٹ صرف اس شرط پر باقی رہ سکتی ہے اور کام کر سکتی ہے کہ دونوں بڑی پارٹیاں مطمئن ہوں۔ میں اس کا خیال رکھوں گا کہ جو نہایت اہم شعبے ہیں وہ انصاف کے ساتھ تقسیم ہوں۔ اخلاص کے ساتھ میں یہ اعتماد کرتا ہوں کہ مسلم لیگ اپنی پالیسی پر دوبارہ غور
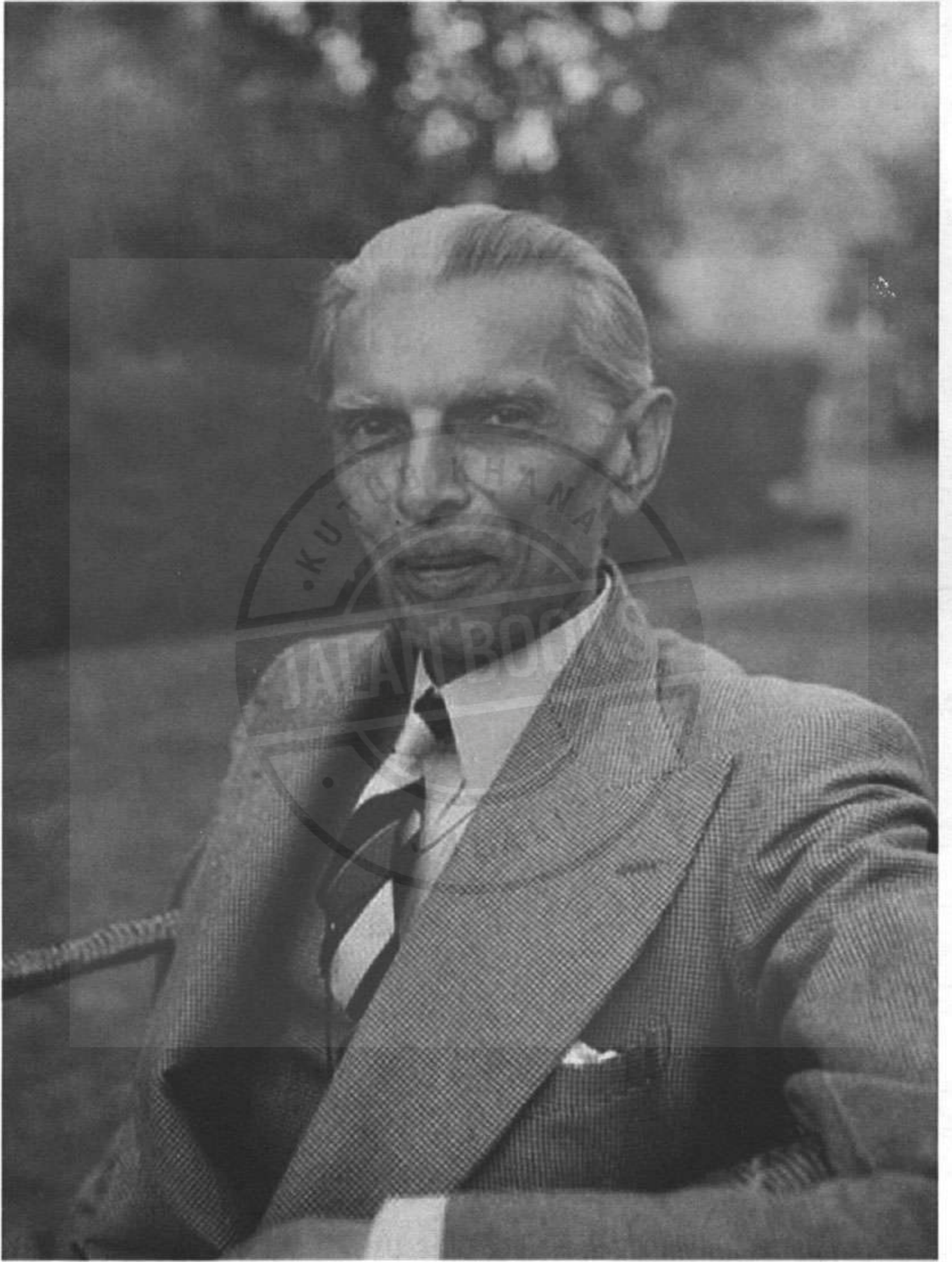
قائداعظم خوشگوار موڈ میں

کرے گی، اور گورنمنٹ میں شرکت کا فیصلہ کرے گی۔
ان تیوروں کے باوجود جو اس وقت ہیں، مجھے یہ یقین ہے کہ بڑی پارٹیوں کے درمیان سمجھوتے کے مواقع موجود ہیں، یاد رکھئے اگر لیگ شامل ہونے کا فیصلہ کرے تو عبوری حکومت کی دوبارہ تشکیل ہوسکتی ہے۔
اس دوران میں یہ گورنمنٹ کسی ایک پارٹی یا مذہب کے مفاد میں نہیں بلکہ پورے ملک کے مفاد میں حکومت کرے گی۔
ایک یہ بھی ایسی بات ہے، جس کی خواہش کرنی چاہئے کہ کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی جس قدر جلد ممکن ہو اپنا کام شروع کر دے۔ مسلم لیگ کو میں یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ صوبوں اور مجموعوں کے دستور وضع کرنے کے لیے 16 مئی کے بیان میں جو سابقہ معین کر دیا گیا ہے، وفاداری کے ساتھ اس کی پابندی کی جائے گی۔
وزارتی وفد کے بیان مورخہ 16 مئی کے پارہ 15 میں کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کے لیے جو بنیادی اصول درج کر دیے گئے ہیں، یا اس میں کہ کوئی بڑا فرقہ وارانہ مسئلہ بغیر دونوں بڑی پارٹیوں کی اکثریت کی رائے کے فیصل نہیں ہو سکے گا۔ کسی تبدیلی کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور یہ کہ کانگریس اس پر راضی ہونے کے لیے تیار ہے کہ اگر تعبیر کے متعلق کوئی نزاع ہو تو وہ وفاقی عدالت میں بھیج دیا جائے گا۔''

قائداعظم کا جواب

25 اگست 1946ء کو قائداعظم نے وائسرائے کی اس تقریر کا جواب دیا:
''افسوس ہے کہ وائسرائے نے کل رات ایسا بیان دیا، جو گمراہ کن اور واقعات کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا: ''اگرچہ 14 میں سے 5 نشستیں مسلم لیگ کو پیش کی گئیں، اگرچہ اس کو یہ یقین دلایا گیا کہ دستور وضع کرنے کی اسکیم پر معینہ ضابطے کے مطابق عمل ہوگا اور نئی عبوری حکومت موجودہ دستور کے مطابق کام کرے گی، تاہم یہ ممکن نہ ہو سکا کہ مخلوط گورنمنٹ حاصل ہو جائے۔
سچ یہ ہے کہ 22 جون کو وائسرائے نے مجھے خط لکھا جس میں بعض تجاویز ایسی تھیں جو بنیادی طور پر اور بڑی حد تک عبوری حکومت کی ان تجاویز سے مختلف تھیں جو 16 جون کے بیان میں درج ہیں، اور ان سے مختلف جن کا مسلم لیگ کو یقین دلایا گیا تھا، اور اس کے ساتھ اس قسم کے ایک خط کی نقل تھی جو انہوں نے پنڈت جواہر لال نہرو کو لکھا تھا۔ یہ مسلم لیگ کے اجلاس سے ایک روز قبل ہوا اور وائسرائے یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ایک نہایت ہی خطرناک صورت حال پیدا ہوگئی ہے، اور یہ کہ ملک معظم کی گورنمنٹ کی پالیسی اور ان کے طرزِ عمل کے متعلق پر خطر اندیشے اور بدگمانیاں موجود ہیں مگر ان سب کے باوجود ان کے خط مورخہ 22 جولائی میں اس کے متعلق کچھ نہیں ہے کہ کانگریس کے فیصلے، کانگریس کے لیڈروں کے بیانات اور اس ہدایت کی روشنی میں جو آسام کے نمائندگان کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کو اس کے لیے دی گئی کہ وہ (ج) گروپ سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔ کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کے متعلق ہماری کیا روش اور حیثیت یا پوزیشن ہوگی۔
31 جولائی کو میں نے وائسرائے کے خط کا جواب دیا اور اس میں صاف صاف یہ بیان کیا کہ اس نئی روش

کے متعلق جو بین طور پر کانگریس کی خواہشات پوری کرنے کے لیے اختیار کی گئی تھی ہماری روش کیا ہو گی۔ اگر کانگریس کی خواہشات کی تعمیل مدنظر نہ تھی تو وائسرائے نے قطعی تجاویز سے کیوں انحراف کیا جو 16 جون کے بیان میں درج تھیں اور کیا وائسرائے اس کی تشریح فرمائیں گے کہ ان تجاویز اور یقین دہانیوں سے کیوں انحراف کیا گیا جو ہم سے کی گئی تھیں اور کس کے نفع کے لیے انہوں نے یہ نئی روش اختیار کی؟

اس کے جواب میں مجھ کو وائسرائے کا خط مورخہ 8 اگست ملا۔ اس میں میرے 31 جولائی کے خط کی رسید تھی۔ یہ تعجب کی بات ہے کہ اس میں انہوں نے یہ بیان کیا کہ 22 جولائی کے خط میں ان کی جو تجویز ہے وہ وہی ہے جو مسلم لیگ نے جون کے آخر میں منظور کی تھی، یعنی 3:5:6 یہ بالکل غلط ہے اور میں نے اپنے 31 جولائی کے خط میں ان کو یہ جتا دیا۔ اس خط میں انہوں نے یہ مزید کہا کہ ''لیگ کے 29 جولائی کے ریزولیشن کو ملحوظ رکھ کر اب میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کانگریس کو اس کے لیے دعوت دوں کہ وہ عبوری حکومت کے لیے تجاویز پیش کرے اور اگر وہ آپ کو کوئی معقول تجویز پیش کرے تو مجھے آپ پر اعتماد ہے کہ آپ وہ ضرور قبول کریں گے۔''

مجھ کو اس کا نہ کوئی علم تھا اور نہ کوئی اطلاع تھی اور نہ کوئی علم و اطلاع ہے کہ کانگریس اور وائسرائے کے درمیان کیا واقع ہوا، لیکن 15 اگست کو پنڈت جواہر لال نہرو مجھ سے ملنے کے لیے آئے اور میرا خیال تھا کہ یہ وائسرائے اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان پہلے سے طے ہو گیا تھا۔ یہ محض ایک رسمی بات تھی اور انہوں نے یہ پیش کش کی جو یہ تھی کہ کانگریس 14 میں سے 5 نشستیں نامزد کرے گی جن میں ایک ان کی پسند کا مسلمان بھی ہوگا۔ یہ کہ موجودہ دستور کے تحت میں ایگزیکٹو کونسل نہیں بلکہ عارضی قومی گورنمنٹ بنا رہے ہیں جو موجودہ مجلسِ واضعان قانون کو جواب دہ ہوگی، اور انہوں نے اپنے خط مورخہ 15 اگست میں جو میرے اسی تاریخ کے خط کے جواب میں تھا، یہ واضح کر دیا کہ وہ بڑے مسئلے پر مجھ سے گفتگو کرنے کے لیے تیار تو ہیں لیکن کوئی تجویز ان کے ذہن میں نہیں ہے جو پیش کریں۔ اس پر مزید انہوں نے یہ بھی لکھا کہ شاید آپ کوئی نئی تجویز پیش کر سکیں، اور جب میں نے ایک تجویز پیش کی تو انہوں نے اس کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ کانگریس کا موقف وہی ہے جو 26 جون کو اس نے اپنے دہلی کے ریزولیشن میں معین کر دیا تھا، اور یہ کہ 10 اگست کو واردھا کے ریزولیشن میں صرف اس کا اعادہ کر دیا گیا ہے، اور پھر اس سے قبل کہ وہ وائسرائے سے ملنے کے لیے دہلی روانہ ہوتے۔ 16 اگست کی پریس کانفرنس میں انہوں نے یہی بات پھر دہرائی۔

میں نے پنڈت جواہر لال نہرو کو مطلع کر دیا کہ ان حالات میں اس کا موقع نہیں ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی یا کونسل ان کی تجویز منظور کر لے۔

اسی وقت سے جس کو تقریباً ایک ہفتہ ہوا وائسرائے، پنڈت جواہر لال نہرو اور کانگریس کے لیڈر میری غیبت میں بحث و گفتگو کر رہے ہیں اور سوائے اس سرکاری بیان کے جس میں عبوری حکومت کی تشکیل کا اعلان ہے اور وائسرائے کی نشری تقریر کے نہ مجھ کو کسی بات کا علم ہوا اور نہ کوئی معلومات مہیا کی گئی۔

چونکہ وائسرائے نے بغیر یہ بیان کیے ہوئے کہ مجھ

سے ان کو کیا جواب ملا مذکورہ بالا پیش کش ظاہر کر دی ہے اس لیے میں اپنے اس بیان کے ساتھ وہ مراسلت بھی شائع کر رہا ہوں (جو میرے اور ان کے درمیان ہوئی)۔''

اسی بیان میں قائداعظم نے یہ بھی کہا:

''وائسرائے کی نشری تقریر کے متعلق میرا تاثر یہ ہے کہ انہوں نے مسلم لیگ اور مسلم ہندوستان کو بڑی سخت ضرب لگائی ہے، مگر مجھ کو یقین ہے کہ مسلم ہندوستان اس کو صبر اور ہمت کے ساتھ برداشت کرے گا، اور عبوری حکومت اور کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں اس کو منصفانہ اور باعزت مقام حاصل کرنے میں جو ناکامی ہوئی ہے اس سے وہ سبق لے گا۔

میں ایک مرتبہ اپنا وہی سوال دہراتا ہوں یعنی یہ کہ وائسرائے نے اس سے کیوں انحراف کیا۔ جس کا وزارتی وفد اور وائسرائے نے 16 جون کے بیان میں اعلان کیا تھا اور ان وعدوں کی خلاف ورزی انہوں نے کیوں کی جو 20 جون کے خط میں انہوں نے مسلم لیگ سے کیے تھے۔ 16 جون اور 22 جولائی کے درمیان وہ کیا درپیش آیا جس کی وجہ سے انہوں نے اس فارمولے کو بڑی حد تک اور بنیادی طور پر تبدیل کر ڈالا، اور پھر 22 جولائی اور 24 اگست کے درمیان کیا پیش آیا جس کی وجہ سے وہ آگے بڑھتے چلے گئے اور انہوں نے ایک پارٹی کی گورنمنٹ کو (مرکز میں) جما دیا؟

وہ اپنی نشری تقریر میں کہتے ہیں کہ میں ان سے تخاطب کر رہا ہوں جنہوں نے ان کو یہ مشورہ دیا تھا کہ یہ اقدام اس طریقے پر اور اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔ وہ میں ہی ایک بدنصیب آدمی تھا جس نے یہ مشورہ دیا اور میری اب بھی یہ ہی رائے ہے کہ انہوں نے جو اقدام کیا ہے وہ نہایت درجہ عقل کے خلاف ہے۔ اس میں بڑے خطرناک نتائج مضمر ہیں، اور انہوں نے تین ایسے مسلمانوں کو نامزد کر کے مسلمانوں کے دلوں میں زخم بھی لگایا اور ان کی توہین بھی کی یا جن کو وہ جانتے ہیں کہ نہ ان کو مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہے اور نہ مسلمانوں میں ان کی عزت ہے، اور ابھی دو نام اور باقی ہیں جن کا اعلان ہوگا۔

وائسرائے اب بھی وہی راگ الاپ رہے ہیں کہ ہم (یعنی مسلمان) ملک معظم کی اس پالیسی کے خلاف ہیں کہ وہ ہندوستان کو آزاد کر کے اپنے وعدے پورے کرے۔ بے شک ہم اس کے خلاف نہیں ہیں کہ ہندوستان کے باشندوں کو آزادی ملے، اور ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ ہندوستان کے مسئلے کا محض یہ ایک حل ہے کہ ملک ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم ہو اور دونوں دولتوں میں اقلیتوں کے لیے ہر ممکن تحفظ ہو۔ دونوں بڑی قوموں کے لیے یہ حقیقی آزادی ہوگی۔

وائسرائے لاپروائی کے ساتھ یہ کہے جا رہے ہیں کہ وزارتی مشن کے بیان کی تعبیرات میں جو اختلافات ہوں وہ وفاقی عدالت سے رجوع کیے جائیں۔ اول تو بیان میں ایسی کوئی دفعہ نہیں ہے جس کی رو سے کہ نزاع فیڈرل کورٹ میں بھیجا جائے، دوسرے یہ کیا کہ کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کی کارروائی کا آغاز ہم وفاقی عدالت میں مقدمہ بازی سے کریں گے، کیا وہ یہی اسپرٹ ہے جس میں وہ دستور وضع ہوگا جو برصغیر کے پچاس کروڑ انسانوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہونے والا ہے۔

اگر وائسرائے کی یہ اپیل مخلصانہ ہے تو ان کو چاہیے کہ

معین تجاویز کی صورت میں مسلم لیگ کو پیش کریں اور اپنے عمل سے اس کا ثبوت دیں۔"

متحدہ ہندوستان (ایک خواب)

23 مارچ 1940ء کے تاریخی اجلاس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح تین دن لاہور ہی میں رہے۔ ان تین دنوں میں لاہور کی مسلم طالبات اور طلباء سے خطاب کیا۔

26 مارچ کو قائداعظم محمد علی جناح اسمبلی کا اجلاس دیکھنے تشریف لائے۔ اسی دن مسٹر گابا نے خاکساروں کے خلاف گولی چلانے کے خلاف تحریک التواء پیش کی۔

اس دن قائداعظم واپس تشریف لے گئے، اور لاہور اسٹیشن پر اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

"متحدہ ہندوستان ایک خواب ہے، جتنی جلدی ہم اس خواب سے بیدار ہو جائیں بہتر ہے۔ آج مسلمانانِ ہند نے اپنی منزل کے بارے میں اعلان کر دیا ہے، اور مسلمانانِ ہند اس منزل کو حاصل کر کے ہی دم لیں گے۔ اس لحاظ سے اس اجلاس کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔" (مزید دیکھئے: سیاسی فریب)

متروکہ فنڈ (بمبئی)

بمبئی کی ایک عدالت نے قائداعظم محمد علی جناح کے ایک فنڈ کے روپے کو 21 فروری 1958ء کو مقامی نادار مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم پر صرف کرنے کا فیصلہ دیا اس فنڈ میں دو لاکھ بیس ہزار روپے پڑے ہوئے تھے اور قائداعظم محمد علی جناح نے یہ رقم ایک اخبار نکالنے کے لیے جمع کر رکھی تھی۔

مجاہد پاکستان

یہ خطاب تحریک پاکستان کے ایک سپاہی ایم اے شیدا کو دیا گیا۔ ایم اے شیدا 1936ء سے 1947ء تک کے دوران قائداعظم محمد علی جناح کے دورہ لاہور میں ان کے محافظ رہے۔ جب قائداعظم محمد علی جناح اسلامیہ کالج لاہور تشریف لاتے تو انہیں فوجی سلامی بھی پیش کرتے۔

ایم اے شیدا نے تحریک پاکستان کے دوران 46-1945ء کے انتخابات میں مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت میں کئی اضلاع کے دور افتادہ علاقوں میں قریہ قریہ بستی بستی طوفانی دورے کر کے مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح کا پیغام پہنچایا۔ فروری 1946ء میں انہیں فیڈریشن (مسلم سٹوڈنٹس) کی جانب سے مجاہد پاکستان کا سرٹیفکیٹ ملا۔ تحریک سول نافرمانی میں گرفتار ہوئے۔ 1947ء میں صوبہ سرحد میں جو ریفرنڈم ہوا اس میں بھی ایم اے شیدا نے نمایاں خدمات انجام دیں۔

مجاہد کاظمی

روزنامہ ڈان کے سب ایڈیٹر تھے۔ ایک بار ٹیلی فون پر قائداعظم محمد علی جناح کے پرائیویٹ سیکرٹری نے مجاہد کاظمی کو کسی خبر کی اشاعت کے لیے نوٹ لکھوایا، مجاہد کاظمی نے دریافت کیا:

"کیا قائداعظم نے اس کی اشاعت کے لیے ہدایت کی ہے۔"

جواب ملا:

"شائع کر دیجئے میں کہہ رہا ہوں۔"

مجاہد کاظمی نے خبر نہ چھاپی۔ پرائیویٹ سیکرٹری نے قائداعظم محمد علی جناح سے شکایت کی اور کہا:

"یہ شخص خودسر اور باغی اور قابل اعتماد نہیں۔"

قائداعظم محمد علی جناح برافروختہ ہوئے چنانچہ مجاہد کاظمی کی قائداعظم محمد علی جناح کے روبرو پیشی ہوگئی۔ مجاہد کاظمی نے خبر کی نوعیت بتائی اور کہا کہ:

''رائے شماری میں اس کی اشاعت کے عواقب لیگ کے مفاد کے خلاف تھے اور مخالفین خصوصاً کانگریس کو فائدہ پہنچتا تھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے یہ سن کر غور فرمایا اور مجاہد کاظمی کے اس فیصلے کو پسند کرتے ہوئے کہا:

''نوجوان ہم بہت خوش ہیں تمہاری دوراندیشی قابل داد ہے۔''

مجاہد کاظمی کا آبائی وطن سہارنپور تھا انہوں نے علی گڑھ سے تعلیم حاصل کی۔ شہزادہ کے لقب سے مشہور تھے۔ یونیورسٹی سے ایم اے کرنے کے بعد ملازمت اختیار کر لی۔ قیام پاکستان کے بعد 1949ء میں ریڈیو پاکستان ڈھاکہ سے تبدیل ہو کر کراچی چلے آئے اور ڈپٹی سیکرٹری نشریات اور فلم سنسر بورڈ کے چیئرمین رہے۔ 1972ء میں کینسر سے انتقال کیا۔

مجدّد

سراولاف کرو جنہوں نے 1939ء سے لے کر 1945ء تک بحیثیت سیکرٹری، حکومت ہند (سلطنت برطانیہ) اور 1946ء تا 1947ء بحیثیت گورنر صوبہ سرحد خدمات انجام دیں۔ جنوری 1959ء میں لندن میں منعقد ہونے والے ''یوم قائداعظم'' کے نام ایک پیغام میں انہوں نے اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

"Jinnah was much more then a politician. Perhaps that is why politicians do all speak well of him. In muslim terms. He was almost a Mujaddid: one of those reformers sent once in a century as the pious believe, to interpret the faith and guide the believer on the true path."

مجرب نسخۂ آزادی

ہفتہ وار پیسہ اخبار نے اپنی 25 جنوری 1934ء کی اشاعت میں اداریہ میں لکھا:

''بمبئی کے بیرسٹر محمد علی جناح بڑے بلند پایہ مدبر اور مسلمہ لیاقت کے سیاسی لیڈر ہیں۔ ہندوستان میں ان کے دل و دماغ کے بہت تھوڑے رہنما موجود ہیں، ان کی رائے وقیع اور مشورات قابل قدر ہوتے ہیں۔ حال ہی میں بمبئی میں مسٹر چھاگلہ کے زیر صدارت مسلم اسٹوڈنٹس یونین کا ایک جلسہ ہوا، جس میں مسٹر جناح نے اپنی مدلل اور دقیع تقریر کے دوران تمام ہندوستانیوں کو متحد ہو جانے کا مشورہ دیا اور ملک کے موجودہ افتراق پر بے حد افسوس ظاہر کیا۔ معزز اور فاضل مقرر نے بلاخوف لامتیے لائم اس حقیقت کو بھی کھلے لفظوں میں بیان کر دیا کہ آج ہندوستان میں کوئی ایسا لیڈر موجود نہیں جس کو تمام ملک کا اعتماد حاصل ہو۔ سارے ملک میں ہیجان بپا ہے اور بے چینی کے جذبات پھیلے ہوئے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے ابنائے وطن حصولِ آزادی کے لیے بے چین ہیں، اور فوری آزادی کے خواہش مند، لیکن انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک ہندوستانی متحد نہیں ہوں گے، انہیں آزادی نہیں ملے گی۔ اس مقصد عالیہ کے حصول کا یہی ایک نسخہ ہے ہمیں اس سلسلے میں واضح حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے اور مفصل پروگرام تیار کرنا چاہئے۔ آخر میں مسٹر چھاگلہ نے اپنی صدارتی تقریر میں مسٹر جناح سے درخواست کی کہ فرقہ وارانہ مسائل کے حل میں وہ ملک کی امداد کریں۔ ساتھ ہی کانگریسی لیڈروں کو

میدانِ عمل میں آنے کی دعوت دی، اور انہیں آل پارٹیز کانفرنس کے مباحثات میں شرکت کرنے کی ترغیب دلائی، کیونکہ خوامخواہ مخالفت اور مذمت پر اتر آنا دانشمندی سے بعید ہے۔ اتحاد کے متعلق مسٹر جناح کا مشورہ بڑا قیمتی ہے، لیکن ہندوستان کی بدبختی بھلا کانگریسیوں کو اتحاد کی طرف قدم اٹھانے کی کب اجازت دے سکتی ہے۔ کانگریس سوراج کے معنی ہندو راج سمجھ بیٹھی ہے لیکن حقیقی سوراج وہی ہے جس میں تمام ہندوستانی اقوام کو ان کا جائز حصہ دیا جائے، اگر کانگریس اقلیتوں کے حقوق تسلیم نہیں کرے گی تو اس کو سوراج نصیب نہیں ہوگا۔"

(ہفتہ وار پیسہ اخبار، اشاعت 25 جنوری 1934ء)

مجلس احرار

قائداعظم محمد علی جناح جب پارلیمانی بورڈ کے قیام کے سلسلے میں 1936ء میں لاہور تشریف لے گئے تو انہوں نے مجلس احرار کے رہنماؤں سے ملاقات کی مگر کوئی مفید نتائج برآمد نہ ہوئے۔

مجلس قائداعظم

پاکستان سے مشرقی پاکستان کی علیٰحدگی کے سانحہ کی بنا پر دردمند پاکستانیوں اور قائداعظم محمد علی جناح کے پرستاروں نے اس بات کو بڑی شدت سے محسوس کیا:

"جب تک نوجوان نسل کو نظریہ پاکستان اور بانی پاکستان کی ذات سے مکمل طور پر متعارف نہیں کرایا جاتا اس وقت تک نئی نسل نظریہ پاکستان کو نہیں سمجھ سکتی۔"

مشرقی پاکستان کی علیٰحدگی اسی سبب سے ہوئی تھی کہ نوجوان نسل نظریاتی اساس سے بالکل بے بہرہ تھی، اور نظریاتی اساس پر حملہ کے وقت ان کی قوت مدافعت نہ ہونے کے برابر تھی۔ نیز قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کو دھندلانے کے لیے بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ یہی وہ وجوہات تھیں جن کی بناء پر 11 نومبر 1972ء کو مجلس قائداعظم پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے اغراض و مقاصد درج ذیل ہیں:

1. مجلس قائداعظم خالصتاً سیاسی تنظیم ہوگی۔
2. مجلس قائداعظم۔ قائداعظم کی حیات کے متعلق اور ان کے کارناموں کی تشہیر اور ان کے نظریات وتعلیمات کا پرچار کرے گی۔ جس کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کی یاد میں اجلاس سمپوزیم اور سیمینار منعقد کرائے گی۔
3. قائداعظم محمد علی جناح اور دو قومی نظریہ کے متعلق لٹریچر شائع کرے گی۔

مجلس مسلم نوجوانان

3 جنوری 1941ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی میں انجمن ترقی پسند مسلمین اور مجلس مسلم نوجوانان کے ایک مشترکہ جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"مسلم لیگ جو کچھ چاہتی ہے، وہ اس قدر ہے کہ اسے ان دو منطقوں میں جسے وہ اپنا وطن سمجھتی ہے اپنی حکومت قائم کرنے اور اپنی تہذیب و تمدن کو ترقی دینے کا موقع ملے۔"

مجلّہ قائداعظم

قائداعظم محمد علی جناح کی چونسٹھویں سالگرہ پر مولانا ظفر علی خان نے قائداعظم نامی مجلّہ میں انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یہ لکھا:

قائداعظم سے خطاب

جینا کی صدا اور ہے گاندھی کی کتھا اور

بطحا کی فضا اور ہے وردھا کی ہوا اور
گاندھی کے جھکانے کی جو ہے تجھ کو تمنا
اللہ کی دہلیز پہ گردن کو جھکا اور

مجوزہ مالیاتی بل اور جناح

لارڈ لنلتھگو جس کی مدت کار میں ایک سال سے زیادہ عرصہ باقی تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے نقطۂ نظر سے وہ گاندھی کا طرف دار لگتا تھا، اور 1935ء کے انڈیا ایکٹ میں شامل فیڈریشن والے حصے کو نافذ کرنے کا زبردست خواہاں تھا، کیونکہ یہ فارمولا اس نے سخت محنت کر کے ذاتی طور پر مرتب کیا تھا۔ جسے صرف متحدہ ہندوستان میں نافذ کیا جا سکتا تھا اس لیے وہ اپنی تقریروں میں متحدہ یونین پر بہت زیادہ زور دیتا تھا۔

سر سکندر حیات کی یونینسٹ پارٹی جس میں پنجاب کے ہندو، مسلم اور سکھ سب شامل تھے، لنلتھگو کی نظر میں وفاقی اتحاد کی بہترین صوبائی مثال تھی، جیسا کہ وہ مرکز میں قائم کرنا چاہتا تھا۔ جنگ میں پنجاب کو اولین اہمیت حاصل تھی، اس لیے وائسرائے سر سکندر حیات کو زیادہ سے زیادہ خوش رکھنا چاہتا تھا، جب اور جہاں موقع ملتا وہ سر سکندر حیات کی تعریف اور تواضع کرتا، جواب میں اس امر کی یقین دہائی حاصل کرتا۔

''پنجاب ہمیشہ برطانیہ کا بازوئے شمشیر بنا رہے گا۔''

برطانیہ پنجاب میں فوجیوں کی تنخواہ، پنشن اور دیگر مراعات پر دس کروڑ روپے سالانہ سے بھی زیادہ خرچ کرتا تھا، قائداعظم نے محسوس کیا، جیسے لارڈ لنلتھگو کے ساتھ ساتھ سکندر حیات نے بھی ان سے آنکھیں پھیر لی ہیں، انہیں یہ خطرہ محسوس ہوا کہ خالصتاً سیاسی وجوہات پر وہ دونوں انہیں بالکل نظرانداز نہ کر دیں، ان دونوں کو یہ جتلانے کے لیے کہ وہ ان کی کس قدر مدد کر رہے تھے مارچ 1939ء میں ایک مجوزہ مالیاتی بل کے سلسلہ میں انہوں نے الٹی زقند لگائی، اور بجٹ پر تقریر کرتے ہوئے کہا:

''جناب والا! میرے لیے اس بجٹ کو منظور کرنا ممکن نہیں، جیسا کہ یہ ہمارے سامنے پیش کیا گیا، کیونکہ اس میں ہمارا کوئی حصہ یا شراکت نہیں۔ اس ایوان میں آل انڈیا مسلم لیگ کی پوزیشن بڑی مخصوص قسم کی ہے۔ اسے خوش قسمتی سمجھیے یا بدقسمتی کہ توازن اقتدار ہمارے ہاتھ میں ہے، مگر ہم حکومت کی حمایت کریں تو وزیر خزانہ اس بل کو بہ آسانی ایوان میں پیش کر سکتے ہیں، اور اپنے اطمینان کے مطابق ایک کوما تبدیل کیے بغیر منظور کرا سکتے ہیں۔ ماضی میں ہم اس اصول پر چلتے رہے ہیں کہ اگر حکومت کوئی ایسا قدم اٹھاتی ہے، جو لوگوں کی بھلائی کے لیے ہو تو ہم اس کی حمایت کریں گے۔

لیکن جناب والا! میں محسوس کرتا ہوں کہ اب وہ پالیسی تبدیل کرنی چاہیے۔ حکومت کو ہم سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ ہم اس کے لیے خود کو تکلیف میں ڈالیں گے۔ آپ ہم سے یہ توقع کیوں کرتے ہیں کہ ہم ان ظاہری وجوہات کی بناء پر جو ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہیں، بہ دستور آپ کی ہاں میں ہاں ملاتے رہیں؟''

قائداعظم محمد علی جناح کی طرف سے اس پالیسی کا سب سے زیادہ واشگاف الفاظ میں اظہار تھا، جو ''باہمی مدد'' کے لیے ان کے اور مرکزی حکومت ہند کے مابین 1938ء میں طے پائی تھی۔ بہرحال انہوں نے کانگریس کو بھی اعلانیہ خبردار کیا کہ وہ حکومت کے نام پیغام کا غلط مطلب اخذ نہ کرے، وہ کانگریس کو بدستور مسلم لیگ کا حریف اور اس کے لیے خطرناک قرار دیتے رہے۔ اس لیے ان کے نزدیک مدتوں کے مابین تعاون کا کوئی امکان نہیں تھا۔ انہوں نے حکومت اور کانگریس

دونوں کو خبردار کیا:

''آپ دونوں مل کر بھی ہمیں ختم نہیں کر سکتے۔ اس تہذیب کو تباہ نہیں کر سکتے جو ہمیں ورثہ میں ملی تھی۔ ہمارا اسلامی جذبہ ہر حال میں زندہ رہے گا۔ آپ ہمیں مغلوب کر سکتے ہیں، ہمیں دبا سکتے ہیں، اور ہمارے ساتھ بدترین سلوک روا رکھ سکتے ہیں، لیکن ہم اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں، اور ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ اگر دبانے کی کوشش کی گئی تو ہم پوری قوت سے اس کی مزاحمت کریں گے۔''

محبوب عالم منشی

وہ ممتاز صحافی اور برصغیر کے مشہور اخبار پیسہ اخبار کے مالک و مدیر تھے۔ 1913ء میں انہوں نے جب انگلستان کا دورہ کیا تو دیگر ہندوستانی رہنماؤں کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناح سے بھی ملاقات کی۔ انہوں نے اپنے تاثرات کو ان الفاظ میں شائع کیا:

''مسٹر محمد علی جناح بیرسٹرایٹ لا، ان ہندوستانیوں میں سے ہیں، جو مسلمانوں کے خیرخواہ ہیں آپ سے دو مرتبہ کی ملاقات میں خوب گفتگو اور بحث ہوئی، اور اس بحث کے خاتمہ پر مجھے ان کے خیالات سے اور ان کی نیت پر پہلے سے زیادہ یقین اور اتفاق ہو گیا۔ مسٹر جناح نہایت ہی قابلیت سے اپنے مقصد کو ایڈووکیٹ کر سکتے ہیں۔ ان کے بارے میں پہلے معلوم ہوا تھا کہ ان کی رائے ہے کہ ترکی کے لیے حکومت سے امداد کی درخواست کرنا اپنے آپ کو زیادہ کمزور بنانے کے مترادف ہے، اور ہندوستان کی بہتری کے لیے ہم جو کچھ کر سکتے ہیں اس کو بوجہ بطریق احسن نہیں کر سکیں گے کیونکہ ہم سٹیٹس مین ہیں نہ کہ فلنتھ ' نسٹ مگر جب جناح صاحب سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ ان کا مطلب یہ نہیں تھا، اور انہیں ترکوں سے ویسی ہی ہمدردی ہے جیسی کہ کسی اور کو ہو سکتی ہے۔''

محبوب عالم 21 فروری 1865ء کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کیا۔ اوائل عمر میں منشی محبوب عالم کی طبیعت فکر زراعت اور دیہاتی صنعت وحرفت کی طرف مائل تھی وہ مقامی انجمن ترقی زراعت کے سیکرٹری تھے۔ گھر کی مالی حالت آسودہ نہ تھی چنانچہ اپنے آبائی مقام فیروز والا (گوجرانوالہ) میں خادم التعلیم کے نام سے ایک چھاپہ خانہ قائم کیا اور اس کے ایک سال کے اندر 1886ء میں 21 سال کی عمر میں زمیندار کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا جس کی کتابت اور سنگ سازی خود کرتے تھے۔ چھاپہ خانہ سے آمدنی ہوئی تو ہفت روزہ ہمت جاری کیا۔ پڑھنے لکھنے کا شوق تھا چنانچہ اپنے زمانے کے مقبول روزنامہ اخبار عام باقاعدگی سے پڑھتے تھے، اس کی قیمت ایک پیسہ تھی۔ اس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے پرچے کا نام جو 1887ء میں جاری ہوا پیسہ اخبار رکھا۔ اس وقت ان کی عمر 22 برس تھی۔

فیروز والا سے لاہور آ کر اسے روزنامہ کر دیا۔ اس میں اہل ذوق وشوق کے لیے ایک پاپولر رسالہ انتخاب لاجواب۔ بچوں کے لیے بچوں کا اخبار، عورتوں کے لیے شریف بی بی۔ فروغ زراعت کے لیے باغبان اور طلباء کے لیے کلید امتحان نام کے جرائد شامل تھے اور پھر خود پیسہ اخبار کا ایک ویکلی ایڈیشن جس کی اشاعت روزنامہ سے زیادہ تھی۔

اس طرح انہوں نے لاہور میں ایک شاندار مطبع قائم کیا جس میں سترہ مشینیں نصب تھیں۔ اس مطبع سے مختلف موضوعات پر قریباً سات سو کتابیں شائع ہوئیں جن کے کئی کئی ایڈیشن نکلے ان میں سے تقریباً پچاس خود منشی محبوب عالم کے قلم

سے تھیں۔

وہ 1913ء میں انگلستان گئے تو واپسی پر سفرنامہ یورپ لکھا۔انہوں نے اپنا رسالہ انتخاب لاجواب نکالا جو لندن کے ٹٹ بلٹس کے طرز پر تھا۔

23 مئی 1933ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔ پیسہ اخبار نصف صدی تک زندہ و تابندہ رہا۔

محرم

قائداعظم محمد علی جناح اسلامی شعائر کا بے حد احترام کرتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

1946ء میں لندن جاتے ہوئے معلوم ہوا کہ شاہ برطانیہ نے ہندوستانی لیڈروں کے اعزاز میں جس روز لنچ کا اہتمام کیا تھا اس روز محرم کی دس تاریخ تھی۔ جب قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں گزارش کی گئی تو انہوں نے اپنے شریک سفر وائسرائے ہند لارڈ ویول سے کہا:

''مجھے افسوس ہے کہ اس روز شاہی دعوت میں شریک نہ ہوسکوں گا۔''

چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح کے اس ارشاد پر تاریخ بدل دی گئی۔

مسلمانوں کا یہ تہوار دس محرم الحرام کو رسول اللہ ﷺ کے نواسے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی یاد میں میدان کربلا میں شہادت کی یاد میں منایا جاتا ہے۔

محسن پاکستان

حشمت اللہ اپنے مضمون ''محسنِ پاکستان جنہوں نے قوم کو اسلامی ریاست کا تحفہ دیا'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں مسلمانوں نے انگریزوں سے آزادی حاصل کی اور انہیں پاکستان کا تحفہ ملا، سرکاری طور پر پاکستان میں آپ کو قائداعظم اور بابائے قوم کہا جاتا ہے۔ شروع میں ہمارے قائداعظم انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے، کیونکہ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے، مگر بعد میں اختلافات کی وجہ سے آپ نے کانگریس پارٹی چھوڑ دی، اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے، آپ نے خود مختار ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے تحفظ کی خاطر چودہ نکات پیش کیے مگر بعد میں مسلم لیڈروں کے اختلافات کی وجہ سے آپ ناراض ہو کر برطانیہ چلے گئے، پھر مسلمان رہنماؤں خصوصاً علامہ اقبال کی کوششوں سے آپ واپس آئے اور مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی۔

قراداد پاکستان (قراردادِ لاہور) کی روشنی میں آپ نے مسلمانوں کے لیے ایک علیٰحدہ ریاست بنانے کی تحریک شروع کی۔

1946ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کی بیشتر نشستوں میں کامیابی حاصل کی اور جناح نے پاکستان کے قیام کے لیے براہِ راست جدوجہد کی مہم کا آغاز کر دیا۔ جس کے ردِعمل کے طور پر کانگریس کے حامیوں نے جنوبی ایشیاء میں نسلی فسادات کروا دیے۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے اتحاد کی کوششوں میں ناکامی کے بعد برطانیہ کو پاکستان اور بھارت کی آزادی کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔ بحیثیت گورنر جنرل پاکستان، جناح نے لاکھوں پناہ گزینوں کی آبادکاری، ملک میں داخلی و خارجی پالیسی کے تحفظ اور معاشی ترقی کے لیے جدوجہد کی۔

قائداعظم 25 دسمبر 1876ء کو وزیر منشن، کراچی میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے والد پونجا جناح کے سات

بچوں میں سب سے بڑے تھے، آپ کے والد گجرات کے ایک مالدار تاجر تھے، جو ان کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے کاٹھیاواڑ سے کراچی منتقل ہوئے تھے۔ ان کے دادا کا نام جناح میگھ جی تھا۔ جناح صاحب کے دیگر بہن بھائیوں میں تین بھائی اور تین بہنیں تھیں، بھائیوں میں احمد علی، بندے علی اور رحمت علی، جبکہ بہنوں میں مریم جناح، فاطمہ جناح اور شیریں جناح شامل ہیں ان کی مادری زبان گجراتی تھی، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ وہ کچھی، سندھی اردو اور انگریزی بھی بولنے لگے۔

نوجوان جناح ایک بے چین طالب علم تھے، جنہوں نے کئی تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کی، کراچی میں سندھ مدرسۃ الاسلام، بمبئی میں گوکل داس تیج پرائمری اسکول اور مشنری اسکول، کراچی میں زیرِ تعلیم رہے، جہاں سے انہوں نے 16 سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس سال 1882ء میں وہ برطانیہ کے گراہم شپنگ اینڈ ٹریڈنگ کمپنی میں تربیتی کورس کے لیے گئے، تاہم برطانیہ جانے سے پہلے ان کی والدہ کے دباؤ پر ان کی شادی ایک دور کی رشتے دار ایمی بائی سے کر دی گئی تھی لیکن آپ کے برطانیہ جانے کے کچھ مہینوں بعد ہی ایمی جناح وفات پا گئیں۔

لندن جانے کے کچھ عرصہ بعد آپ نے ملازمت چھوڑ دی، اور قانون کی تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی۔

1895ء میں وہاں سے قانون کی ڈگری حاصل کی، اور 19 سال کی عمر میں برطانیہ سے قانون کی ڈگری حاصل کرنے والے کمسن ترین ہندوستانی کا اعزاز حاصل کیا۔ اس کے ساتھ سیاست میں بھی آپ کی دلچسپی بڑھنے لگی۔ آپ ہندوستانی سیاستدانوں دادا بھائی نوروجی اور سر فیروز شاہ مہتہ سے متاثر ہونے لگے۔ اس دوران انہوں نے دیگر ہندوستانی طلبہ کے ساتھ مل کر برطانوی پارلیمنٹ کے انتخابات میں سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ وقت کے ساتھ آپ ہندوستان کے آئین ساز خودمختار حکومت کے حامی ہوتے گئے، اور آپ نے ہندوستانیوں کے خلاف برطانوی گوروں کے ہتک آمیز اور امتیازی سلوک کی مذمت کی۔

انگلستان میں قیام کے آخری دنوں میں آپ کے والد کاروبار کی تباہی کی وجہ سے شدید دباؤ میں آگئے۔ آپ ہندوستان واپس آئے اور بمبئی میں وکالت شروع کی، جلد ہی نامی گرامی وکیل بن گئے۔ خصوصاً سر فیروز شاہ مہتہ کے سیاسی معتقد کی حیثیت نے آپ کی شہرت کو چار چاند لگا دیے۔ جناح صاحب نے جنوبی بمبئی میں واقع مالابار میں ایک گھر تعمیر کروایا، جو ''جناح ہاؤس'' کہلایا۔ ایک کامیاب وکیل کے طور پر ان کی بڑھتی شہرت نے ہندوستان کے معروف رہنما بال گنگا دھر تلک کی توجہ اس نوجوان کی جانب مبذول کرائی، اور یوں 1905ء میں انہوں نے جناح صاحب کی خدمات بطور دفاعی مشیر حاصل کیں۔

محمد علی جناح کے چودہ نکات

ہندو مسلم مسئلے کے حل کے لیے قائداعظم محمد علی جناح نے مارچ 1929ء میں دہلی میں نہرو رپورٹ کے جواب میں اپنے چودہ نکات پیش کیے جو کہ تحریک پاکستان میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

1940ء کی دہائی کے بعد قائداعظم تپ دق کا شکار ہوئے۔ صرف ان کی بہن اور ان کے قریب چند لوگ ان کی

پیر صاحب آف مانکی شریف

1960-1923

اصل نام محمد امین الحسنات ہے۔ آپ مانکی شریف تحصیل نوشہرہ میں پیدا ہوئے۔ 1945ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور ہزاروں مریدوں نے آپ کی پیروی کی۔ قائداعظمؒ نے پیر صاحب کی دعوت پر صوبہ سرحد کا دورہ کیا اور پیر صاحب کے ہاں قیام کیا۔ اکتوبر 1945ء میں پشاور میں صوبہ سرحد اور پنجاب کے مشائخ کا اجتماع ہوا اور پیر صاحب نے بھرپور حصہ لیا۔ پیر صاحب 1952ء میں چین میں منعقدہ امن کانفرنس میں شریک ہوئے۔

حالت سے واقف تھے۔ 1948ء میں جناح کی صحت بگڑنا شروع ہوگئی۔ برطانوی حکومت سے پاکستان کی آزادی کے بعد ان پر ذمہ داریوں کا بوجھ مزید بڑھ گیا تھا۔ اس دوران بحالی صحت کے لیے انہوں نے کچھ دن زیارت میں قیام کیا، ان کی بہن کے مطابق یکم ستمبر 1948ء کو ان کی طبیعت مزید بگڑنے لگی تو ڈاکٹروں نے کہا:

''یہ مقام ان کے لیے موافق نہیں، وہ کراچی میں ہی رہیں تو بہتر ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کو کوئٹہ سے کراچی واپس لایا گیا تھا۔ جناح صاحب نے کراچی میں گورنر جنرل کے گھر پر 11 ستمبر 1948ء 10 بج کر 25 منٹ پاکستان کی آزادی کے صرف ایک سال بعد انتقال فرمایا اور انہیں کراچی میں سپردخاک کیا گیا۔''

محمد احسن

وہ تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما تھے۔ انہوں نے مری میں قائداعظم محمد علی جناح کے جلسے کا انتظام کیا۔

محمد احسن 25 دسمبر 1908ء کو گجرات میں پیدا ہوئے انہوں نے زمیندار کالج گجرات اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تعلیم مکمل کی۔ 1934ء میں انہوں نے ملازمت اختیار کی۔ وہ مری میں بطور اعلیٰ انتظامی آفیسر تعینات ہوئے لیکن تحریک پاکستان سے اپنی محبت کی بدولت انہوں نے ملازمت کی پرواہ نہ کی اور قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ جدوجہد آزادی میں شریک ہو گئے، اور مری میں جلسے کا اہتمام کیا جس سے قائداعظم محمد علی جناح نے خطاب کیا اپنے قیام مری میں انہوں نے ڈھنڈ قوم کی اس طرح سے خدمت کی کہ اس قوم نے انہیں اپنا فرد بنالیا۔ سرکار برطانیہ نے جب تحریک پاکستان میں حصہ لینے سے منع کیا تو انہوں نے سرکاری ملازمت ترک کر دی، اور اپنے والد بہاول بخش کے ساتھ تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ 1946ء میں اپنے والد کے ساتھ گرفتاری دی قیام پاکستان کے بعد 1951ء میں اپنے والد کی نشست پر پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے، اور اس کے بعد بھی مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن منتخب ہوتے رہے۔ وہ پارلیمانی سیکرٹری بھی رہے۔ محمد احسن نے اپنی سیاسی زندگی میں کبھی مفاد پرستی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ 1964ء میں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کی صدارتی مہم میں بھرپور حصہ لیا۔

انہوں نے 25 اگست 1947ء کو کراچی کے شہریوں کی جانب سے قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں منعقد کی گئی تقریب میں قائداعظم محمد علی جناح کو سپاسنامہ پیش کیا۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی جوابی تقریر میں فرمایا:

''میں اہالیان سندھ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ جہاں پورے برصغیر میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑک رہی تھی سندھ میں مکمل امن وامان رہا۔''

اس بات کو قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں بڑی اہمیت دی تھی۔

محمد احسن نے 9، اگست 1989ء کو لاہور میں وفات پائی۔

محمد احسن، حکیم

وہ کراچی کے پہلے مسلمان میئر تھے۔ پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو حکیم محمد احسن کراچی کارپوریشن کے میئر تھے۔ جب قائداعظم محمد علی جناح 7 اگست 1947ء کو دہلی سے کراچی تشریف لائے تو ماری پور کے ایئر پورٹ پر سب سے پہلے انہوں نے ہی قائداعظم محمد علی جناح کا استقبال کیا۔

حکیم محمد احسن 1918ء میں پیدا ہوئے انہوں نے کراچی میں تعلیم مکمل کی قیام پاکستان سے قبل کراچی کارپوریشن کے میئر منتخب ہوئے انہیں مولانا محمد علی جوہر کی والدہ بی اماں سے ملنے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔

محمد اسحق، ابوالفتح

17 مارچ 1911ء کو امپیریل لیجسلیٹو کونسل کا اجلاس منعقد ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم اوقاف اور وقف الاولاد کو قانونی حیثیت دینے کے بارے میں بل کا مسودہ کونسل میں پیش کیا اس بل کو پیش کرنے سے پہلے انہوں نے ایک مدلل تقریر کی جس میں انہوں نے بل کو پیش کرنے کے پس منظر کی وضاحت کی اور ابوالفتح محمد اسحق چوہدری کے مقدمے کے سلسلے میں جو 1894ء میں پریوی کونسل میں پیش ہوا تھا کونسل کے فیصلے سے پیدا شدہ صورت حال کا تذکرہ کیا اور کہا:

”اس فیصلے کے بعد مسلمانوں میں وقف کی موجودہ صورت حال کے بارے میں بڑا اشتعال پایا جاتا ہے۔“

انہوں نے کونسل کے سامنے اس مسئلہ پر حکومت اور اپنے درمیان ہونے والی خط و کتابت کا بھی حوالہ دیا اور کہا:

”حکومت کی اس یقین دہانی پر کہ مسلمانوں کی جانب سے احتجاجی تجاویز کے بعد یہ مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے میں نے بڑے پیمانے پر مسلم رہنماؤں سے تبادلہ خیال کیا ہے اس سلسلہ میں مسلم لیگ نے جو مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کی ترجمانی کرتی ہے ایک قرارداد منظور کی ہے جس میں وقف کا قانون بنانے کا مطالبہ کیا گیا ہے مسلمانوں کے مذہبی رہنماؤں پر مشتمل ایک جماعت جس کا نام ندوۃ العلماء ہے اس نے بھی اس سلسلے میں ایک یادداشت حکومت کو ارسال کی ہے۔ مجھے یہ علم نہیں کہ وہ یادداشت حکومت کو ملی ہے یا نہیں لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ اس قرارداد پر انہوں نے پورے ملک سے ہزاروں مسلمانوں سے دستخط حاصل کیے ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ یہ یادداشت حکومت کو بھیجی گئی ہے اس یادداشت کی کاپی مجھے بھی عظیم عالم مولوی شبلی نے ارسال کی ہے جن کا مسلمانوں کے طبقہ پر کافی اثر و رسوخ ہے، اور ان کی رائے کو مسلمانوں میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ اس یادداشت میں اوقاف کے بارے میں مسلمانوں کے جذبات درج کیے گئے ہیں جو میں کونسل کے سامنے پڑھ کر سناتا ہوں۔“

اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے اس موضوع پر مدلل تقریر کی جو 4789 الفاظ پر مشتمل تھی۔

محمد اسحاق قریشی، پروفیسر

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے معتقد اور آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے سیکرٹری تھے۔ اس حیثیت سے ان کی قائداعظم محمد علی جناح سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ انہوں نے 1938ء میں قائداعظم محمد علی جناح کو پہلی بار اس وقت علی گڑھ میں دیکھا جب کہ وہ زیر تعلیم تھے۔ علی گڑھ میں جو سپاسنامہ قائداعظم محمد علی جناح کو پیش کیا گیا اس کی تیاری میں انہوں نے بھی حصہ لیا ان کی قائداعظم محمد علی جناح سے سب سے اہم ملاقات 11 جولائی 1947ء کو 10 اورنگ زیب روڈ دہلی میں ہوئی۔ رات کو آل انڈیا ریڈیو نے یہ مژدہ سنایا:

”قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے ہیں۔“

مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر جناب چوہدری مجید اللہ خاں اور وہ اس دن پہلے ملاقاتی تھے انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو پاکستان کا گورنر جنرل مقرر ہونے پر مبارکباد دی پھر کشمیر کے متعلق بات چیت کی۔ ازاں بعد لاہور کراچی میں بھی قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان ملاقاتوں میں کشمیر اور مہاجرین کشمیر کی عارضی بحالی کے متعلق امور کا ذکر ہوتا تھا بقول پروفیسر محمد اسحاق قریشی:

''قائداعظم محمد علی جناح کشمیر کے معاملہ میں بھارت کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کے خواہاں تھے، اور وہ اس جنگ کے نتیجے سے متعلق سو فیصد پر امید بھی تھے۔''

کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کی سازشیں تیز تر ہو گئیں تو 21 ستمبر 1947ء کو حکومت کشمیر نے انہیں گرفتار کر لیا بعدازاں انہیں رہا کر دیا گیا۔

(قائداعظم کی عظمت اور حسینی کردار، اشاعت روزنامہ نوائے وقت 25 دسمبر 1988ء)

محمد اشرف، شیخ

لاہور کے مشہور ناشر تھے۔ انہیں قائداعظم محمد علی جناح کی اولیں سوانح عمریوں میں سے ایک شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس کتاب پر قائداعظم محمد علی جناح کے دستخط بھی تھے۔

محمد اشرف 1915ء میں پیدا ہوئے۔ 1924ء میں انہوں نے کشمیری بازار لاہور میں ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا جس کے تحت انہوں نے سینکڑوں کتب شائع کیں جن میں انگریزی کتابوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

1945ء میں انہوں نے تحریک آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ قیام پاکستان کے بعد صدر محمد ایوب خان کے عہد میں ان کی ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے انہیں تمغہ امتیاز دیا گیا۔ وہ جامع مسجد چینیاں والی کے سیکرٹری اور متعدد تدریسی اداروں کی انتظامی کمیٹیوں کے سربراہ تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ، سید امیر علی، علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے معتقد تھے۔ انہوں نے مئی 1980ء میں لاہور میں وفات پائی۔

محمد اعظم

وہ لیکچرار شعبہ اردو جامع عثمانیہ حیدر آباد دکن تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں جو خط تحریر کیا اس سے ان کی رسول اللہ ﷺ سے عقیدت و محبت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے اس مکتوب میں لکھا:

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ
مالابار ہل بمبئی
26 اگست 1944ء

جناب من!

آپ کا مکتوب مورخہ 17 اگست وصول ہوا اور آپ کے حسب خواہش حسب ذیل چند الفاظ اپنی جانب سے بطور پیش لفظ ارسال کرتے ہوئے مسرت محسوس کر رہا ہوں۔

میں حقیقت میں نہایت مسرور ہوں کہ آپ کارلائل کی کتاب مشاہیر اور مشاہیر پرستی کے ترجمہ کا دوسرا ایڈیشن شائع کر رہے ہیں، میں جب انگلستان میں طالب علم تھا اس وقت میں نے کارلائل کی اور کتب کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ بھی کیا تھا، اور اسی وقت سے چیلسیا کے اس مرد عاقل کی عظمت میرے دل میں جاگزیں ہے۔ اس نے ہمارے پیغمبر ﷺ کے حالات زندگی اور ان ﷺ کے کارناموں کی سچی تصویر کھینچ کر نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ ساری دنیا کی بڑی خدمت انجام دی ہے، اس کتاب کے اردو ترجمہ کے دوسرے ایڈیشن کے متعلق میں آپ کے ادارے کا خیر مقدم کرتا ہوں اور آپ کی کامیابی کا متمنی ہوں۔ آپ کی روانہ کردہ اردو ترجمہ کی ایک جلد وصول ہوئی۔ جس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ کا مخلص
محمد علی جناح

محمد اکبر خاں، میجر جنرل (ریٹائرڈ)

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے فوجی مشیر تھے، اور ممتاز جرنیل بھی تھے۔ محمد اکبر 1898ء میں ضلع جہلم میں پیدا ہوئے،

پروبین ہارس رجمنٹ میں شمولیت اختیار کر کے اپنی فوجی زندگی کی ابتداء کی، وہ برصغیر کے پہلے مسلمان جرنیل تھے جنہوں نے پہلی جنگ عظیم میں عراق کے محاذ پر خدمات انجام دے کر 1918ء میں کنگ کمیشن حاصل کیا۔ محمد اکبر خاں نے دوسری جنگ عظیم میں برما کے محاذ پر فروری 1945ء میں خدمات انجام دیں اور اسی محاذ پر ایک مہم کے سلسلے میں حکومت برطانیہ نے ڈسٹنگوشیڈ سروس آرڈر (ای ایس او) دیا تھا میجر محمد اکبر خان راولپنڈی سازش کیس کے مرکزی کردار تھے۔ یہ سازش مستقبل کے فوجی انقلاب اور مارشل لاء کا پیش خیمہ تھی۔

محمد اکبر خاں نومبر 1947ء میں کشمیر کی لڑائی میں شریک ہوئے اور نومبر 1947ء سے اپریل 1948ء تک وہ تمام علاقہ اپنے کنٹرول میں لے لیا جسے آزاد کشمیر کہا جاتا ہے۔

قیام پاکستان کے موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں اپنا فوجی مشیر مقرر کیا تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اسلام کے عظیم سپہ سالاروں اور حربی طریقوں پر کم وبیش چار درجن کتب تحریر کیں۔

16 جنوری 1984ء کو ان کا انتقال کراچی میں ہوا۔

محمد اکرام عالم، بدایونی، مولانا

وہ قانون دان اور استاد تھے۔ 1942ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے لیے ان کا نام تجویز ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح کی خواہش پر وہ نواب زادہ لیاقت علی خاں کے حق میں دستبردار ہوگئے جب قائداعظم محمد علی جناح نے بریلی کا دورہ کیا تو قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی ملاقات ہوئی۔

محمد اکرام مولانا محمد کریم عالم کے ہاں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ بدایوں سے ایف اے اور 1901ء میں محمڈن کالج علی گڑھ سے بی اے کیا، پھر مولانا محمد علی جوہر نے انہیں رام پور بلا کر محکمہ تعلیم سے وابستہ کر دیا۔ اس ملازمت کے دوران انہوں نے قانون کی تعلیم حاصل کی، اور اگست 1908ء میں الہٰ آباد کورٹ میں وکالت کرنے لگے 1931ء میں بریلی آگئے۔ قانونی مہارت کی بنا پر انہیں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ قانون کا ممتحن منتخب کیا گیا۔ وہ ریاست رام پور کے قانونی مشیر بھی رہے، 1914ء میں ان کی مساعی جمیلہ سے بدایوں میں پہلی اردو کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ممتاز ادباء کے علاوہ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے بھی شرکت کی۔ وہ انجمن تعلیم مسلمانان بدایوں کے اعزازی سیکرٹری بھی رہے۔

انہوں نے بریلی میں انتقال کیا لیکن بدایوں کے اکرام باغ میں دفن کیے گئے۔

محمد اکرم خاں، مولانا

وہ برصغیر کے ممتاز صحافی اور قائداعظم محمد علی جناح کے رفیق کار تھے۔ 1918ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا جو سالانہ اجلاس دہلی میں منعقد ہوا اس میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ شرکت کی۔ ان کی قائداعظم محمد علی جناح سے خط و کتابت بھی رہی۔

وہ 1870ء میں حکیم پور (مغربی بنگال) میں پیدا ہوئے۔ 1896ء میں کلکتہ کے مدرسہ عالیہ میں داخلہ لیا، اور 1900ء میں اسی مدرسے سے فاضل کی سند لی۔ انہوں نے تحریک آزادی، تحریک خلافت اور تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ 1936ء میں کلکتہ سے روزنامہ آزاد نکالا۔ یہ اخبار بنگال میں مسلم لیگ کے ترجمان کی حیثیت سے خدمات انجام دیتا رہا۔ انہوں نے متعدد کتب لکھیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت، تفسیر قرآن پانچ جلدوں میں لکھی۔ وہ بابائے صحافت کہلاتے تھے۔

انہوں نے قیام پاکستان کے بعد ڈھاکہ کو اپنا مسکن بنایا۔ وفات تک مسلم لیگ کے ساتھ وابستگی اختیار رکھی۔ رسالہ محمدی کے نگران بھی تھے۔ 18 اگست 1968ء میں ڈھاکہ میں انتقال

کیا۔ وہیں مسجد بنگش میں سپرد خاک کیے گئے۔

محمد اکرم خاں بنام قائداعظم

86 اے لوئر سرکلر روڈ کلکتہ

14 دسمبر 1942ء

محترم بندہ تسلیم!

چونکہ نوازش نامہ کے لفافہ پر میرا نام غلط اور پتہ ناکافی لکھا گیا تھا، اس لیے خط ملنے میں تاخیر ہوگئی ان دنوں کلکتہ سے باہر سدھوپور میں مقیم ہوں، اس لیے بھی 24 گھنٹہ کی مزید تاخیر ہوگئی، لہٰذا نوازش نامہ مورخہ 8 دسمبر آج 14 کو دستیاب ہوا امید ہے کہ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب کی تاخیر معاف فرمائیں گے۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ امسال کلکتہ میں سالانہ اجلاس کا انعقاد ناممکن ہوگا۔ بہرحال میں آج ہی مسٹر شہید سہروردی کو خط لکھ رہا ہوں میری رائے میں اگر ممکن ہو سکے تو اولاً سندھ اور اس کے بعد سرحد میں اجلاس کی کوشش زیادہ مناسب ہوگی۔

خادم

محمد اکرم خاں

محمد ایوب کھوڑو بنام قائداعظم

سکھر (سندھ)

16 دسمبر 1942ء

مائی ڈیئر قائداعظم صاحب!

آپ دو خطوط کا بہت بہت شکریہ قبول کیجیے جنہیں میں نے گزشتہ رات اپنے دورے کے دوران وصول کیا۔ میں 9 کو کراچی سے دس دن کے دورے کے لیے آیا تھا۔ دو اور مسلمانوں نے ہماری جماعت میں شمولیت اختیار کر لی ہے اور ہماری جماعت نے 28 ارکان کی طاقت حاصل کر لی ہے۔ مجھے امید ہے ہم بڑے مختصر سے عرصے میں 130 ارکان بنانے کے قابل ہو جائیں گے، کمیٹی تو اپنا فیصلہ بہت دیر سے دے گی اس لیے میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ نواب محمد اسماعیل سے کہیں کہ وہ بہت جلد اپنے فیصلے کا اعلان کریں۔

جہاں تک مسلم لیگ کے اجلاس بلانے کا تعلق ہے کل ہی کراچی جا رہا ہوں، اور دوستوں سے مشورے کے بعد دو تین دنوں کے اندر اندر آپ کو مطلع کر دوں گا۔ احترام کے ساتھ

آپ کا مخلص

محمد ایوب کھوڑو

محمد بشیر احمد، جسٹس

وہ ممتاز قانون دان تھے، قیام پاکستان پر قائداعظم محمد علی جناح کے کہنے پر پاکستان تشریف لائے۔

وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں مکمل کی آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں سے قانون کی تعلیم پائی قیام پاکستان پر نہرو نے انہیں ہندوستان میں رہنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے نہرو کی دعوت کو مسترد کرتے ہوئے پاکستان میں قیام کرنے کو ترجیح دی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں اپنا قانونی مشیر بھی مقرر کیا تھا۔ محمد بشیر احمد 1948ء میں پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اس کے بعد وفاقی سیکرٹری اطلاعات، تعلیم اور آبادکاری کے عہدوں پر خدمات انجام دیں۔ 1959ء میں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ 1961ء میں حکومت نائیجریا نے ان کی خدمات مستعار لیں۔ وہ چھ سال تک نائیجریا کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس رہے اور اسی عرصہ میں انہوں نے نائیجریا کا دستور بنایا۔ یہی دستور آج تک نافذ العمل ہے۔

جسٹس محمد بشیر احمد نے 7 جولائی 1978ء کو انتقال کیا۔

محمد بن قاسم سے محمد علی جناح تک

یہ کتاب شفیق بریلوی نے مرتب کی جسے 1976ء میں نفیس اکیڈمی کراچی نے زیور طبع سے آراستہ کیا۔ اس کی دوسری اشاعت جنوری 1980ء میں عمل میں آئی۔

زیر نظر کتاب مصنف کی تعمیری کوششوں اور تخلیقی فکر کا شاہکار ہے ،اس کتاب میں انہوں نے مسلمانوں کی تیرہ سو سالہ تاریخ بڑے اختصار کے ساتھ بیان کی ہے بقول تحریک پاکستان کے ممتاز کارکن جناب حسین امام:

"شفیق بریلوی کی یہ کتاب تحریک پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناح پر لکھی جانے والی کتب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔"

محمد پٹوئی، میاں

اکتوبر 1936ء میں قائداعظم محمد علی جناح جب پہلی بار صوبہ سرحد کے دورے پر تشریف لے گئے تو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح پر اٹھنے والے اخراجات اپنے ذمے لے لیے اوراس ضمن میں ایک ہزار روپیہ دیا۔

محمد حسن خاں، خان بہادر

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھی تھے ۔ 1945ء میں قائداعظم محمد علی جناح جب صوبہ سرحد کے دورے پر تشریف لے گئے تو محمد حسن خاں نے پشاور میں خان بہادر کے مکان واقع نشتر آباد میں رہائش اختیار کی۔ جب قیام پاکستان کے بعد 1947ء میں انہیں دہلی میں پاکستان کا ڈپٹی ہائی کمشنر بنا کر بھیجا گیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی مالابار ہل بمبئی والی کوٹھی کو فروخت کرنے کا کام بھی کو سونپا جسے انہوں نے احسن طریقے سے انجام دیا۔

محمد حسن خاں 1889ء میں پشاور میں پیدا ہوئے تکمیل تعلیم کے بعد 1908ء میں محکمہ صحت میں ملازمت اختیار کر لی۔ 1942ء میں حکومت ہند نے انہیں شاندار خدمات کے اعتراف کے طور پر خان بہادر کا خطاب دیا۔ 1945ء میں ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد مسلم لیگ کے لیے خدمات انجام دیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اکتوبر 1947ء میں انہیں پاکستان کے ہائی کمشنر متعینہ ہندوستان کا پرائیوٹ سیکرٹری مقرر کیا انہوں نے وہاں اڑھائی سال تک خدمات انجام دیں۔ پشاور میں اسٹیٹ بنک آف پاکستان کی شاخ قائم ہوئی تو وہ اس کے ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے۔ قیام پاکستان پر دہلی سے جو مسلمان ہجرت کر کے پاکستان آئے انہیں بحفاظت پاکستان پہنچانے کا فریضہ بھی انہوں نے ادا کیا۔

محمد حسین شاہ علی پوری

ممتاز عالم دین اور صوفی بزرگ تھے ،صوبہ سرحد میں جب پیر صاحب مانکی شریف کی دعوت پر قائداعظم محمد علی جناح نے ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب فرمایا تو انہوں نے اس تاریخی جلسے کی صدارت کی۔ تحریک پاکستان میں بھی بھرپور حصہ لیا۔

وہ حضرت پیر حافظ سید جماعت علی شاہ علی پوری کے ہاں 1878ء میں علی پور (سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے قلعہ سوبھا سنگھ سے مڈل کا امتحان پاس کیا اور پھر مولانا نور احمد امرتسری سے استفادہ کیا، پھر دہلی جا کر مدرسہ امینیہ میں درس نظامی کی تکمیل کی، قیام دہلی کے دوران حکیم محمد اجمل کے طبیہ کالج میں داخلہ لے کر طب کی تعلیم پائی گاؤں واپس آ کر مدرسہ نقشبندیہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ مئی 1914ء میں خلافت سے نوازے گئے۔

محمد حسین شاہ علی پوری شریعت کے بڑے پابند تھے۔ مسجد شہید گنج، سارda ایکٹ، تحریک خلافت اور تحریک پاکستان میں

بھرپور حصہ لیا۔ متعدد کتب تصنیف کیں۔ ماہنامہ انوار صوفیہ میں بے شمار مضامین لکھے۔ انہوں نے 16 اکتوبر 1961ء کو وصال فرمایا۔

محمد خان نقشبندی

وہ تحریک پاکستان کے رہنما تھے ان کی خدمات کے صلے میں انہیں 1989ء کا تحریک پاکستان گولڈ میڈل دیا گیا۔ 1944ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے جالندھر میں منعقدہ آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کنونشن میں شرکت کی اور قائداعظم محمد علی جناح سے شیلڈ حاصل کی۔ وہ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سرگرم رکن تھے۔ 1941ء میں جب اسلامیہ کالج لاہور میں پہلی آل پاکستان کانفرنس منعقد ہوئی تو اس میں انہوں نے مندوب کی حیثیت سے شرکت کی۔ 1946ء میں محمد خاں نقشبندی نے سیالکوٹ میں انتخابات کے دوران مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے دستے کی قیادت کی، اور مسلم لیگی امیدواروں کے حق میں انتخابی مہم میں بھی حصہ لیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے اس بات کا حلف اٹھایا کہ جب تک پاکستان کا قیام عمل میں نہیں آتا میں سرکاری ملازمتوں پر کسی قیمت پر بھی فائز نہیں رہوں گے۔

محمد دین فوق، منشی

1936ء میں قائداعظم محمد علی جناح جب آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے جلسہ منعقدہ لاہور میں صبح ساڑھے سات بجے تشریف لائے تو منشی محمد دین نے یہ شعر لکھا:

آتی نہیں نظر میں کوئی صورت فلاح
شاید بتائیں راہ محمد علی جناح

ازاں بعد انہوں نے یہ شعر مدیر سیاست مولانا حبیب کو دیا جنہوں نے اسے باآواز بلند جلسہ میں پڑھا۔ سامعین اس شعر سے بڑے محظوظ ہوئے اور انہوں نے شاعر کو دل کھول کر داد دی۔

محمد دین فوق 1877ء میں منشی لدھا خاں کشمیری کے ہاں سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ جا کے میں مڈل تک تعلیم مکمل کی پھر لاہور آ کر پیسہ اخبار سے منسلک ہو گئے۔ 1901ء میں اپنا پریس قائم کیا اور اخبار پنجۂ فولاد نکالا۔ یہ رسالہ بہت جلد عوام میں مقبول ہو گیا چنانچہ اسے ہفتہ وار بنا دیا گیا۔ 1906ء میں ماہنامہ کشمیری جاری کیا۔ متعدد کتب لکھیں۔ اردو زبان پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ منشی محمد دین کا انتقال 1945ء میں ہوا۔

محمد ذوقی شاہ، مولانا

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے قریبی روحانی ساتھی تھے، انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو متعدد خطوط ارسال کیے ایک خط کا اقتباس اور قائداعظم محمد علی جناح کا جواب درج ذیل ہے:

20 مئی 1938ء

میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ موجودہ حالات کے تحت طرفین کے لیے کوئی باعزت سمجھوتہ ناممکن ہے، اسلام اور کفر کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا ایک مسلمان کسی حالت میں خواہ وہ کتنا کمزور ہو کسی قیمت پر اپنے اسلامی اصولوں کی قربانی نہیں دے سکتا۔ اب ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے صرف ایک ہی راستہ کھلا ہے وہ یہ کہ اچھے مسلمان بن کر اپنے آپ کو منظم کریں، اور ذرا سی اور طاقت حاصل کر کے اسے استعمال کریں۔ مسلمان کا کام یہ نہیں کہ امن کو دنیا میں مسلط کرے زندہ رہو اور زندہ رہنے دو کا اصول مسلمانوں کے لیے کمزوری کی علامت ہے۔ ہم مسلمان اپنے اصولوں کی خاطر زندہ رہنے اور کٹ مرنے کو تیار ہیں، اور ہم دوسروں کو بھی مجبور کریں گے

کہ امن کے ساتھ رہیں۔ ہندوؤں کی مخالفت کیا ہے ان کی مخالفت اقوام مغرب کی اسلام کے خلاف مخالفت کا کروڑواں حصہ بھی نہیں ہے جس کا ہم مقابلہ کرتے ہیں۔ ہندوؤں کی واحد قوت یہ اور صرف یہ ہے کہ وہ اہل مغرب کے نقال ہیں بلکہ اس میں بھی وہ اناڑی ہیں، اوران کی قوت صرف وہ امداد ہے جوان کو مغربی دنیا سے ملتی ہے اور بس۔

مخلص

محمد شاہ ذوقی

قائداعظم کا جواب

31 مئی 1938ء

جناب من!

مجھے آپ کا خط مورخہ 20 مئی کو ملا جس کا میں تہ دل سے شکر گزار ہوں آپ یقین جانئے کہ میں آپ کے قیمتی افادات کو ہمیشہ دل میں جگہ دوں گا میری دلی تمنا ہے کہ آپ سے ملاقات کر کے تمام معاملات کو زیر بحث لاؤں کس قدر افسوس کی بات ہے کہ میں حیدر آباد میں آپ سے ملاقات نہ کر سکا، امید ہے کہ بہت جلد ملاقات ہو گی۔ اگر آپ کو اتفاقاً بمبئی آنے کا موقع ملا تو مجھے ضرور اطلاع کیجئے۔

آپ کا مخلص

محمد علی جناح

محمد ذوقی شاہ 1878ء میں بھارت میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ وہ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، سر عبدالقادر، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، جسٹس شاہ دین، اکبرالہٰ آبادی کے ساتھی تھے۔

اردو اور انگریزی میں متعدد کتب لکھیں جن میں سردلبراں کو مقبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ یہ کتاب تصوف کا گراں مایہ خزینہ ہے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے نام خطوط بھی لکھے۔

1951ء میں حج کے لیے گئے تو وہیں انتقال ہو گیا۔ میدان عرفات میں دفن کیے گئے۔

محمد رفیع بٹ

پنجاب کے مشہور صنعت کار تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے لاہور میں فیروز پور روڈ پر موجودہ گارڈن ٹاؤن کے علاقے میں واقع غلام نبی اینڈ سنز میں ان سے ملاقات کی۔ انہیں قائد اعظم محمد علی جناح کی میزبانی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ محمد رفیع بٹ نے قائداعظم محمد علی جناح کو روپوں کی تھیلی بھی پیش کی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر مسلم لیگ کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے انگریزی اخبار پاکستان ٹائمز کے اجراء کے سلسلے میں وہ دس رکنی بورڈ آف گورنرز کے رکن بنے۔

محمد رفیع بٹ 1910ء میں لاہور میں غلام نبی بٹ کے ہاں پیدا ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر میں والد کے کاروبار میں ہاتھ بٹانے لگے، ابتداء میں گڑھی شاہو میں سرجری کا سامان بنانے کے لیے ایک چھوٹی سی فیکٹری لگائی جب کاروبار میں وسعت ہوئی تو انہوں نے فیروز پور روڈ پر فیکٹری قائم کر لی۔ 1937ء میں سٹیل انڈسٹری اور سرجیکل آلات کی اعلیٰ تعلیم کے لیے برمنگھم میں سرکیٹنگ کے زیر ہدایت تربیت پائی اور واپسی پر فیروز پور روڈ کی فیکٹری تعمیر کی جسے ہندوستان میں سب سے بڑے کارخانے کی حیثیت حاصل تھی۔ محمد رفیع بٹ نے تحریک پاکستان میں دامے، درمے اور سخنے حصہ لیا۔

قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی خط وکتابت بھی رہی وہ مغربی پنجاب کے مسلم چیمبرز آف کامرس کے نائب صدر تھے۔ پاکستان کے کارخانہ داروں کے نمائندہ کی حیثیت سے شکاگو کی بین الاقوامی لیبر کانفرنس میں شرکت کی۔ تقسیم ہند سے قبل آل انڈیا مسلم لیگ نے صنعتی منصوبہ بندی کے لیے جو کمیٹی تشکیل دی قائداعظم محمد علی جناح انہیں اس میں شامل کرتے

سید حسین شہید سہروردی

1963 - 1893

تحریک پاکستان کے رہنما اور انقلابی سیاستدان کی مدنا پور، بنگال میں ولادت ہوئی۔ آپ ایک خوشحال علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے تحریکِ خلافت میں سرگرم حصہ لیا۔ آپ نے بنگال پراونشل مسلم لیگ کے سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ 1946ء کے انتخابات میں آپ نے مسلم لیگ کی انتخابی مہم کو بڑی عمدگی سے منظم کیا اور آزاد ارکان کے ساتھ مل کر بنگال میں وزارت قائم کرنے کے بعد وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے۔ 1949ء میں آپ نے عوامی لیگ کی بنیاد ڈالی۔ 1954ء میں وزیر قانون بنے۔ دسمبر 1956ء میں ری پبلکن پارٹی کے تعاون سے مرکز میں وزارت بنائی اور خود وزیر اعظم پاکستان بنے۔

رہے۔

قیام پاکستان کے بعد بھی پاکستان کی صنعتی ترقی کے لیے تجاویز پیش کرنے میں ان کے مشوروں کو ضروری سمجھا جاتا رہا۔

16 نومبر 1948ء کو پاک ایئرویز کا طیارہ جو کراچی سے لاہور کے لیے محو پرواز تھا وہاڑی کے مقام پر تباہ ہو گیا دیگر مسافروں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہو گئے۔

محمد رفیق جوہر لطیفی

تحریک پاکستان کے ممتاز کارکن اور سالار نیشنل گارڈ تھے، وہ 1923ء میں پیدا ہوئے محمد رفیق جوہر اپنے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:

''میں دہلی میں تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح ایڈورڈ پارک کے ایک جلسے میں آئے۔ سٹیج کے قریب ہی میں بیٹھا تھا، سٹیج پر لگا ہوا شامیانہ اس قدر نیچے آ گیا کہ قائداعظم محمد علی جناح کے سر کو چھونے لگا یہ دیکھ کر میں شامیانے کو اوپر اٹھانے لگا قائداعظم محمد علی جناح نے مجھے منع کیا اور بیٹھنے کو کہا تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی طویل تقریر اسی انداز میں کی پھر ایک دفعہ دہلی کے ایک زرگر نے قائداعظم محمد علی جناح کو چاندی کی ایک گولی جو کافی وزنی تھی پیش کی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے یہ گولی لیتے ہوئے اس سے کہا:

''اس وقت ہم کو چاندی کی نہیں بلکہ اصلی گولی کی ضرورت ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی آخری ملاقات 13 اگست 1947ء کو کراچی میں ہوئی۔ 14 اگست کو سب سے پہلے جس نیشنل گارڈ نے قائداعظم محمد علی جناح کو سلامی پیش کی اس گارڈ کے سالار وہ خود تھے۔

محمد سرفراز گورایہ، چوہدری

تحریک پاکستان کے رہنما تھے۔ وہ بڈھا گورایہ تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم حاصل کی۔

1940ء میں قرارداد پاکستان کی منظوری کے سلسلے میں لاہور میں جو اجلاس منعقد ہوا اس میں مسلم لیگ کے وفد کے سربراہ کی حیثیت سے شرکت کی 1943ء میں ان کا انتخاب ضلع مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے ہوا۔

1944ء میں انہوں نے سیالکوٹ میں قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں منعقدہ اجلاس میں شرکت کی اور قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر ہی یونینسٹ پارٹی سے علیحدگی اختیار کر کے پنجاب مسلم لیگ اسمبلی پارٹی میں شمولیت کا سب سے پہلے اعلان کیا اس پاداش میں انہیں بے شمار قربانیاں دینی پڑیں اور تکالیف کا بھی سامنا کرنا پڑا لیکن انہوں نے ذیلداری جیسے منصب کی بھی پرواہ نہ کی علاوہ ازیں سب رجسٹرار ڈسٹرکٹ بورڈ کے وائس چیئرمین کے عہدوں سے بھی علیحدہ کر دیے گئے لیکن ان کی ان قربانیوں نے عوام کو بڑا متاثر کیا۔ انہوں نے 1944ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انتخاب میں حصہ لیا اور اپنے مدمقابل مضبوط ترین حریف مجلس احرار کے امیدوار صاحب زادہ فیض الحسن کو شکست دی۔ 1946ء کی سول نافرمانی کی تحریک میں بھی حصہ لیا اور اس پاداش میں جیل بھی کاٹی لیکن اس کے باوجود ان کے پائے استقلال میں لغزش تک نہ آئی۔

محمد شریف طوسی

انہیں قائداعظم محمد علی جناح کے دو سال تک سیکرٹری رہنے کا اعزاز حاصل ہوا، وہ 1902ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بھی وہیں حاصل کی پھر 1922ء میں لاہور آ کر ایم اے تاریخ اور بی ٹی کے امتحانات پاس کیے اور 1928ء میں

میونسپل بورڈ ہائی سکول حافظ آباد میں استاد اعلیٰ مقرر ہوئے ،ایک سال بعد ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول وزیر آباد میں تبادلہ ہوا اور 1958ء میں یہاں سے ریٹائر ہوئے۔ تحریک پاکستان کے دوران قیام پاکستان کی حمایت میں اخبارات میں مضامین لکھتے رہے اس بنا پر قائداعظم محمد علی جناح نے 1942ء میں انہیں بمبئی بلا کر اپنا پرائیویٹ سیکرٹری مقرر کیا قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ قیام کے دوران انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی لائبریری کو ترتیب دیا اور قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر اپنے مضامین کے دو مجموعے کتابی صورت میں شائع کیے۔ انہیں بمبئی ہوم سٹڈی سرکل کے زیر اہتمام شائع کیا گیا ان کا تعارف خود قائداعظم محمد علی جناح نے لکھا۔

وہ دو سال تک قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں رہے اور پھر واپس وزیر آباد چلے گئے ''قائداعظم کے ساتھ چھ ماہ'' نامی کتاب لکھی۔

ان کا انتقال 15 مئی 1983ء کو ہوا۔

محمد شفیع، مولانا مفتی

دیوبند کے ممتاز عالم دین اور مفتی تھے۔ مولانا محمد شفیع نے 1946ء میں حیدر آباد میں اپنے صدارتی خطبہ میں قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں فرمایا:

''مسلمانوں نے مسٹر محمد علی جناح کو موجودہ جنگ آزادی کا ایک ماہر فن جرنیل ہونے کی حیثیت سے قائداعظم قرار دیا ہے اس حیثیت سے نہیں کہ وہ شیخ و مرشد ہیں کہ ان سے اصلاح کا کام لیا جائے گا میرے خیال میں شاید ایک مسلمان بھی ان کو اس خیال سے قائداعظم نہیں کہتا۔ ان کی قیادت ہند کی مسلم جمہور نے صرف اس لیے تسلیم کی ہے کہ انگریز اور ہندو دونوں اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، اور انگریز اس وقت خواہ بین الاقوامی تقاضوں یا اندرونی چیخ و پکار سے متاثر ہو کر جس طرح کی بھی آزادی برصغیر کو دینا چاہتا ہے ہندو اپنی عددی اکثریت، مستحکم تنظیم اور سرمایہ کے بل بوتے پر اس کا تنہا مالک بننا چاہتا ہے اس لیے اس وقت جنگ جاری ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جنگ توپ و تفنگ کی جنگ نہیں ہے، بلکہ محض قانون اور آئین کی جنگ ہے اور باتفاق موافق و مخالف یہ امر مسلمہ ہے کہ اس جنگ کے لیے مسٹر جناح سے بہتر جرنیل نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ دوسری قوموں میں بھی نہیں ہے۔''

11 جون 1947ء کو کراچی میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی شفیع نے قائداعظم محمد علی جناح کی قیام گاہ پر ملاقات کی اور سرحد میں ریفرنڈم میں کامیابی پر مبارکباد دی اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''مولانا! مبارکباد کے مستحق تو آپ ہیں۔ آپ کی کوششوں سے ہی یہ کامیابی حاصل ہوئی۔''

مولانا محمد شفیع 1896ء میں دیوبند سہارنپور میں مولانا محمد یٰسین کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا محمد یٰسین، مولانا منظور احمد، اور حافظ محمد عظیم سے حاصل کی۔ پھر دیوبند جا کر علامہ انور شاہ کاشمیری، مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اور سید اصغر حسین دیوبندی سے دیگر علوم کی تکمیل کی۔ 1919ء میں دارالعلوم میں منصب درس پر فائز ہوئے۔ قیام پاکستان سے قبل کراچی آئے، اور 1951ء میں کراچی میں علوم اسلامیہ کے نام سے دینی مدرسہ قائم کیا متعدد دینی کتب تحریر کیں۔ عربی، فارسی اور اردو میں قصائد لکھے۔ تحریک پاکستان کے سلسلے میں خدمات انجام دیں۔ 1953ء اور 1974ء کی تحاریک ختم نبوت میں اہم کردار ادا کیا۔

6 اکتوبر 1976ء کو انتقال ہوا۔ کراچی میں دفن ہوئے۔

محمد شفیع، میاں

(م ش) تحریک پاکستان کے رہنما اور قائداعظم محمد علی جناح کے معتقد تھے۔ محمد شفیع 27 نومبر 1913ء کو میاں جمال الدین کے ہاں جالندھر (روہاں) میں پیدا ہوئے۔ 1929ء میں وہیں سے میٹرک کیا، پھر لاہور آ کر اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا 1934ء میں بی اے کیا۔ 1935ء میں ایف سی کالج لاہور سے ایم اے انگریزی کیا۔

قیام پاکستان سے قبل ''پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن'' کے اجلاس کی صدارت کی انٹر کالجیٹ مسلم برادر سے منسلک رہے۔ ایم اے انگریزی کرنے کے بعد نیو ٹائمز سے وابستہ رہے، پھر سول اینڈ ملٹری گزٹ اور نوائے وقت میں ملازمت کی۔ نوائے وقت میں اپنا کالم م۔ش کے نام سے لکھتے تھے اس لئے اس قلمی نام سے بھی معروف تھے۔ 1970ء میں رینالہ خورد اور چوچک کے حلقہ سے آزاد امیدوار کے طور پر قومی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لیا مگر ناکام رہے۔ 12 جنوری 1982ء تا فروری 1985ء مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ آپ کے پاس قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں معلومات بہت وسیع تھیں۔

قائداعظم محمد علی جناح سے میاں محمد شفیع کو بڑی عقیدت و محبت تھی اور دونوں کے مابین خط و کتابت بھی رہی۔ یہاں ان کا یہ خط پیش خدمت ہے۔ جس میں انہوں نے انٹر کالجیٹ برادر ہڈ تنظیم کی خدمات کا ذکر کیا ہے۔ وہ اپنے اس مکتوب میں رقم طراز ہیں:

5 اگست 1936ء

لین 18

قاضی محلہ لاہور چھاؤنی

ڈیئر مسٹر محمد علی جناح!

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت والی عمر عطا فرمائے آمین تا کہ آپ ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک مرکزی تنظیم کی لڑی میں پرونے کے عظیم الشان لیکن مشکل کام کی تکمیل کر سکیں آمین۔ مجھے یقین ہے کہ آپ انٹر کالجیٹ مسلم برادر ہڈ کو بھولے نہیں ہوں گے۔ یہ تنظیم مسلمان نوجوانوں میں دینی اقدار کے احیاء کے لیے سرگرم عمل ہے، اگرچہ ہماری یہ تنظیم قطعی غیر سیاسی ہے اور ہم نے آج تک سیاست میں عملی حصہ لینے سے اجتناب برتا ہے، لیکن ہم نے آپ کی ان مخلصانہ مساعی سے متاثر ہو کر جو آپ نے مسلمانوں کو سیاسی طور پر متحد کرنے کے لیے روا رکھی ہیں آپ کی حمایت کے لیے ایک اخباری بیان جاری کیا تھا، اس کی پاداش میں انٹی مسلم لیگ اخبارات نے اپنے آقاؤں کا اشارہ پا کر ہم پر تنقید و جرح کے باب کھول دیے ہیں لیکن ہمیں ان کی قطعاً پرواہ نہیں ہے۔

آپ کے لیے ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں میں احترام کے جذبات موجزن ہیں، اور آپ وہ واحد مسلمان قائد ہیں جنہیں مسلم عوام پیار کرتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے آپ سے بڑھ کر ایسا کوئی لیڈر پیدا نہیں کیا جو فراست اور دور بینی میں آپ سے گھاؤ کھا سکے۔

ہمیں معلوم ہے کہ رجعت پسند عناصر آپ کے راستے میں مشکلات پیدا کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے، لیکن ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ آپ اپنی دیانت داری سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان تمام مشکلات پر قابو پا کر فتح یاب ہوں گے۔

کیا آپ پنجاب کے نوجوانوں کے لیے انٹر کالجیٹ مسلم برادر ہڈ کے ذریعے کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟ آپ نے اپنے لاہور کے قیام کے دوران ایسا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

ہمارے اراکین آپ کا پروگرام عوام تک پہنچانے میں سرگرم عمل ہیں۔

آپ کا مخلص

محمد شفیع ایم اے

سیکرٹری انٹر کالجیٹ مسلم برادر ہڈ

محمد شفیع کو قائد کا خط

میاں محمد شفیع نے 1936ء میں قائداعظم محمد علی جناح کو اس وقت خطوط لکھنا شروع کیے تھے، جب وہ انٹر کالجیٹ مسلم برادر ہڈ کے سیکرٹری تھے یہاں 24 مارچ 1943ء کو میاں شفیع کے نام لکھے جانے والے خط کا متن پیش کیا جارہا ہے۔

10 اورنگ زیب روڈ

نئی دہلی

24 مارچ 1943ء

ڈیئر مسٹر شفیع!

آپ کا 22 مارچ کا خط مجھے مل گیا ہے شکر گزار ہوں میں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ میں اقبال کے ان خطوط کو جو میرے پاس ہیں جتنی جلدی ممکن ہو شائع کرانا چاہتا ہوں، لیکن یہ بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ میرے خطوط اقبال کے نام دستیاب نہیں ہیں حالانکہ میں نے ان کی موجودگی کے متعلق ہر ممکن حلقے میں پوچھ گچھ کی ہے بہر حال میرے پاس جو بھی اقبال کے خطوط ہیں میں انہیں چھپوا دینا چاہتا ہوں۔ان سے ان مسائل پر جو ہمارے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں خاص واضح روشنی پڑتی ہے۔

جہاں تک اس کتاب کے اجمالی خاکہ کا تعلق ہے جو اقبال اسلامی فقہ کی تدوین نو پر لکھنا چاہتے تھے اور جو تمہارے پاس محفوظ ہے تو جب تک میں اسے دیکھ نہ لوں میں کسی ایسے مستند شخص کا نام تجویز نہیں کر سکتا ہوں جو اس خاکے کی روشنی میں مزید ریسرچ کرنے کو تیار ہو چونکہ اس اجمالی خاکہ کا تعلق جیواس پروڈنس سے ہے اس لیے کوئی وکیل ہی اس سے انصاف کر سکے گا۔

آپ نے مسلم لیگ کے لیے جس ہمدردی اور امداد کا اظہار کیا ہے، میں اس کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں۔ نیک تمناؤں کے ساتھ۔

تمہارا مخلص

ایم اے جناح

بخدمت مسٹر محمد شفیع

معرفت سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور

محمد صادق، مہر

وہ تحریک پاکستان کے رہنما اور قائداعظم محمد علی جناح کے معتقد تھے، وہ 1895ء میں دسوہہ میں ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے، محمد صادق مہر کے والد کو انگریزوں نے خان کا خطاب دیا اور جاگیر بھی عطا کی۔محمد صادق مہر نے وکالت کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد تحریک خاکسار میں شمولیت اختیار کر کے سیاسی زندگی کا آغاز ضلعی سالار کی حیثیت سے کیا۔ وہ فیصل آباد میں مسلم لیگ کے بانیوں میں سے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے صلاح مشورے کے لیے انہیں متعدد بار دہلی بلایا۔انہوں نے 1947ء میں خضر وزارت کے خلاف تحریک میں حصہ لیا، اور پہلے ہی روز سرکاری خطاب اور جاگیر واپس کر دی۔ حکومت کے خلاف تحریک چلانے پر ہوشیار پور جیل میں قیدی ہوئے۔ خضر وزارت کے خاتمہ کے بعد جیل سے رہا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آباد کاری کے لیے دن رات کام کیا 1951ء میں پنجاب اسمبلی اور پھر مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے صدر محمد ایوب خان کے دور حکومت میں وزیر بھی رہے۔

ان کا انتقال 11 جنوری 1968ء کو فیصل آباد میں ہوا۔

محمد طفیل، خواجہ

تحریک پاکستان کے رہنما اور مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن مرے کالج سیالکوٹ کے بانی تھے۔ 1943ء تا 1944ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح سیالکوٹ تشریف لے گئے تو مسلم طلباء کی جانب سے ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر حکومت پنجاب نے 1989ء میں انہیں گولڈ میڈل دیا۔

وہ 1924ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مرے کالج سیالکوٹ میں تعلیم حاصل کی۔ 1944ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح سیالکوٹ تشریف لے گئے اور ان کا اجلاس نہایت کامیاب رہا تو خضر حکومت نے مسلم لیگ کے مقابل وہاں جلسے کا اہتمام کیا چنانچہ ان کی رہنمائی میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے طلباء نے ان کے جلسے کو نہ صرف ناکام بنانے میں اہم کردار ادا کیا بلکہ سر چھوٹو رام کی تقریر پر مسلم طلباء نے سیاہ جھنڈیاں لہرا کر ان سے اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ 1945-46ء کے انتخابات میں خواجہ محمد طفیل نے مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لیے انتھک محنت کی۔ ان کی دعوت پر پرنس آف ویلز کالج جموں کے مسلمان طلباء کا ایک وفد سیالکوٹ آیا۔ انہوں نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں جیل بھی کاٹی۔ ''تحریک پاکستان میں سیالکوٹ کا کردار'' کے عنوان سے ایک کتاب بھی لکھی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ضلع سیالکوٹ کے عوام کی تحریک پاکستان کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔

محمد عبداللہ، شیخ

مقبوضہ کشمیر کے سابق وزیر اعلیٰ شیخ عبداللہ کی قائداعظم محمد علی جناح سے پہلی ملاقات 1935ء میں ہوئی وہ اپنی سوانح حیات آتش چنار صفحہ 304 پر لکھتے ہیں۔

''1935ء میں جناب محمد علی جناح سری نگر سیر و تفریح کے لیے آئے اس وقت ان کی ہمشیرہ فاطمہ جناح بھی ہمراہ تھیں وہ شیو پورہ میں ایک ہاؤس بوٹ میں مقیم تھے انہی دنوں چیف جسٹس سر برجود لال کی عدالت میں ایک مقدمہ حنیفہ بیگم اور مہر علی تھانیدار کے متنازعہ نکاح سے متعلق زیر سماعت تھا۔ مہر علی کشمیر پولیس میں تھانیدار تھا` اور مقدمہ حنیفہ بیگم سے ان کے نکاح ثانی سے متعلق تھا حنیفہ بیگم کا ایک اور دعویدار استاد عبدالکریم پیر تھا۔ اس ضمن میں مرزا محمد افضل بیگ جناح صاحب سے ان کے ہاؤس بوٹ میں ملے تا کہ انہیں مقدمے کی وکالت پر مائل کر سکیں۔ بیگ صاحب سے مقدمے کی نوعیت سن کر انہوں نے ایک ہزار روپے فیس طلب کی ہم نے جناح صاحب کو فیس کم کرنے کے لیے کہا تو وہ آمادہ نہ ہوئے اور کہنے لگے:

'' آپ کو ایک ہزار روپے فی پیشی دینے ہوں گے میں خیراتی کاموں میں چندہ تو دے سکتا ہوں لیکن پیشہ وارانہ اصولوں کو قربان نہیں کر سکتا چنانچہ مجبوراً معاملہ طے ہو گیا قائداعظم محمد علی جناح نے پیشی کے دن سر برجور کی عدالت میں وکالت کے وہ جوہر دکھائے کہ ایک ہی باریک اور لطیف سے نقطے کی تشریح پر مقدمہ جیت گئے کمال یہ ہے کہ یہ موشگافی اسلامی کیلنڈر سے متعلق ایک نکتے سے متعلق تھی۔''

قائداعظم محمد علی جناح شیخ محمد عبداللہ کی مسلم لیگ میں شمولیت کے خواہاں تھے۔ اس ضمن میں 1944ء میں ان کی ملاقات بھی ہوئی دونوں اہم شخصیات کا باہمی مباحثہ ہوا اس کے بعد یہ دونوں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے نہ ہوئے۔

1905ء میں شیخ محمد عبداللہ سری نگر میں پیدا ہوئے۔

انہوں نے ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ لاہور سے بی اے کیا پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم ایس سی کی ڈگری لی۔ قیام پاکستان سے قبل کشمیری مسلمانوں کی قیادت کی اور مسلم کانفرنس قائم کی۔ ہندو مہاراجہ کی حکومت کے خلاف بھی جدوجہد کی جس کے نتیجے میں وہ متعدد بار جیل گئے۔ 1946ء میں کشمیر چھوڑ دو تحریک میں حصہ لیا۔ 1947ء تا 1953ء مقبوضہ کشمیر کے وزیراعظم رہے، پھر بھارتی حکومت نے انہیں گرفتار کرلیا۔ جنوری 1958ء میں چار ماہ آزاد رہنے کے بعد پھر گرفتار ہو گئے۔ 1965ء سے 1969ء پھر جیل کاٹی۔ 25 فروری 1975ء تا وفات ستمبر 1982ء مقبوضہ کشمیر کے وزیراعلیٰ رہے۔ ان کی ضد اور انانیت کی وجہ سے کشمیر کا الحاق پاکستان سے نہ ہو سکا اور یہ تنازع اب تک لاینحل ہے اور اس کی وجہ سے بھارت اور پاکستان کی تین جنگیں ہو چکی ہیں۔

محمد علی جناح

❶ اس کتاب کو منصور احمد بٹ نے تحریر کیا، اور اسے ملک کے مصروف اشاعتی ادارے مقبول اکیڈمی نے 1999ء میں شائع کیا۔

زیرِنظر کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی سیرت و کردار کے آئینہ میں پیش کی گئی ہے۔ اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے مختلف واقعات کو یکجا کیا گیا ہے۔ یہ ایک کتاب ہی نہیں بلکہ جدوجہد آزادی کی ایک داستان بھی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کے بہت سے پہلو نمایاں ہوتے ہیں، اور تحریک پاکستان کے بہت سے گوشے بھی سامنے آتے ہیں۔ یہ کتاب 336 صفحات پر مشتمل ہے۔

❷ ابصار عبدالعلی نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا:

کہنے کو اب نہیں ہے محمد علی جناحؒ
لیکن یہیں کہیں ہے محمد علی جناح

دل کے قریب کتنے ہی آئے چلے گئے
تو اب تلک وہیں ہے محمد علی جناح

تو قائدیں میں قائد اعظم ہے قوم کا
افضل ہے اولیں ہے محمد علی جناح

تو گلشنوں میں باغ ارم کی مثال ہے
پھولوں میں یاسمیں ہے محمد علی جناحؒ

تیرا سا ایک شجر نہ اگا پائی تیرے بعد
اب بھی وہی زمیں ہے محمد علی جناح

ممکن کہاں تھا تو نے جو ممکن بنا دیا
تو رشک قائدیں ہے محمد علی جناح

بے اختیار قوم کو مختار کر دیا
صد تجھ پر آفریں ہے محمد علی جناحؒ

جو اتحاد و نظم و یقین تیرے ساتھ تھا
کیوں ہم میں اب نہیں ہے محمد علی جناح

یہ قوم تیری ایک دن دنیا پہ چھائے گی
دل کو مرے یقیں ہے محمد علی جناح

محمد علی جناح (سے متعلق دستاویزات کا جائزہ)

پروفیسر رضی حیدر اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی تاریخ ساز شخصیت اور قیام پاکستان کی تاریخ گزشتہ نصف صدی سے قومی اور بین الاقوامی سطح پر عوام وخواص کے لیے جاذب نظر، پرکشش اور پرتاثیر رہی ہے۔ خصوصاً قائداعظم کی شخصیت جو تحریکِ پاکستان سے لازم وملزوم ہوگئی تھی مصنفین ومحققین کی توجہ کا اب بھی مرکز ہے۔ قائداعظم اور تحریک پاکستان سے متعلق

بیش تر دستاویزات اور کاغذات قیام پاکستان کے بعد بہت تاخیر سے منظر عام پر آئے، لہٰذا اس طرح نہ صرف مستند تاریخ نویسی کا عمل متاثر ہوا بلکہ واقعاتی افراط وتفریط کی شکایت عام ہوئی۔ غیر مستند ماخذ و ذرائع پر مبنی کتابیں اور تفصیلات سامنے آئیں، جو آج بھی استناد سے محروم ہیں۔

ادھر تیس سال کے دوران ہندوستان کی جدوجہد آزادی، تحریک پاکستان اور قائداعظم سے متعلق تاریخی دستاویزات اور کاغذات کے جو بڑے ذخائر منظر عام پر آئے، ان میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن پیپرز، ٹرانسفر آف پاور والیومز، ویول جرنل، قائداعظم پیپرز، شمس الحسن کلیکشن، آل انڈیا مسلم لیگ ریکارڈ، نشتر کلیکشن، سلیکٹیڈ ورکس آف گاندھی، نہرو پیپرز، پٹیل پیپرز، راجندر پرشاد کارسپانڈنس، سپرو پیپرز، سلیکٹیڈ ورکس آف ایم این رائے، جناح اصفہانی کارسپانڈنس، سر یامین خان کلیکشن، میاں عبدالعزیز کلیکشن اور سر عبداللہ ہارون کلیکشن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان ذخائر کے منظرعام پر آنے کے بعد تحریک پاکستان اور قائداعظم کی حیات و خدمات کے نہ صرف متعدد گوشے اجاگر ہوئے ہیں بلکہ ان کی تشریح کی مزید گنجائش پیدا ہوگئی ہے۔

قائداعظم اور تحریک پاکستان کے بارے میں بہ اعتبار مقدار سب سے زیادہ دستاویزات آل انڈیا مسلم لیگ ریکارڈ، قائداعظم پیپرز اور شمس الحسن کلیکشن میں موجود ہیں۔ ٹرانسفر آف پاور پیپرز اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن پیپرز میں بھی اس ضمن میں اہم دستاویزات شامل ہیں، لیکن ان دستاویزات میں سرکاری نقطہ نظر موجود ہے، جب کہ مذکورہ بالا ذخائر متعلقہ فریق کے نقطہ نظر کے آئینہ دار ہیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے ریکارڈ سے جماعتی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے جبکہ شمس الحسن کلیکشن اور قائداعظم پیپرز میں موجود خطوط، دستاویزات اور بعض اہم کاغذات سے قائداعظم کی نجی، عوامی اور سیاسی زندگی سے متعلق معلومات سامنے آتی ہیں۔

جو قومیں اپنی تاریخی دستاویزات اور کاغذات کی مناسب اور صحیح انداز میں نگہداشت اور حفاظت کرتی ہیں۔ ان کا تاریخی پس منظر کبھی ماند نہیں پڑتا۔ آل انڈیا مسلم لیگ ریکارڈ قائداعظم پیپرز اور شمس الحسن کلیکشن ہمارا تاریخی ورثہ ہیں۔ ہماری قومی جدوجہد کا آئینہ ہیں۔ ہماری قومی شناخت ہیں اور ان کی مناسب دیکھ بھال اور حفاظت ہماری قومی ذمے داری ہے۔

قائداعظم پیپرز کے نام سے قائداعظم کی ذاتی دستاویزات وکاغذات پر مشتمل جو ذخیرہ معروف ہے، وہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے انتقال کے بعد ان کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کی تحویل میں تھا اور جولائی 1967ء میں محترمہ فاطمہ جناح کے انتقال کے بعد ان کی ذاتی رہائش گاہ مہتہ پیلس سے برآمد ہوا۔ اس ذخیرے میں تقریباً ایک لاکھ سے زائد کاغذات شامل ہیں۔ جو قائداعظم کے زمانہ طالب علمی سے لے کر ان کے انتقال تک کے عرصے سے متعلق معلومات پر مشتمل ہیں۔ محترمہ فاطمہ جناح کے انتقال کے تقریباً تین سال بعد وزارت تعلیم نے قائداعظم پیپرز سیل قائم کیا جس کے تحت ایک مشاورتی کمیٹی کی نگرانی میں ان کاغذات و دستاویزات کی ترتیب اور موضوعاتی درجہ بندی کا کام

شروع کیا گیا۔
مشاورتی کمیٹی میں وفاقی سیکرٹریز اور مختلف یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز کے علاوہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر شیخ محمد اکرام اور سید شریف الدین پیرزادہ بھی شامل تھے۔
قائداعظم پیپرز سیل پہلے وزارت تعلیم کی نگرانی میں کام کرتا رہا، بعد میں وزارت ثقافت کی نگرانی میں آ گیا اور دستاویزات کا یہ ذخیرہ اب ڈیپارٹمنٹ آف نیشنل آرکائیوز اسلام آباد میں موجود ہے۔
قائداعظم سے متعلق ان خطوط، دستاویزات اور کاغذات کی ترتیب، موضوعاتی درجہ بندی، شناخت اور تدوین ایک دشوار ترین کام تھا، جسے قائداعظم پیپرز سیل نے بحسن وخوبی انجام دیا اور اب تک تقریباً 138 عنوانات کے تحت ان کاغذات و دستاویزات کی موضوعاتی ترتیب مکمل ہو چکی ہے۔ مزید برآں، ان تمام کاغذات و دستاویزات کی نہ صرف مائیکروفلم بن چکی ہے بلکہ ان کی توضیحی فہرستیں بھی کتابی صورت میں شائع کی جا چکی ہیں۔ ان فہرستوں کی تعداد پانچ ہے اور یہ مجموعی طور پر تقریباً 265 صفحات پر مشتمل ہیں۔
ان پیپرز میں قائداعظم کی زندگی کے تقریباً ہر پہلو سے متعلق کاغذات و دستاویزات موجود ہیں، مگر اس کے باوجود مسلم لیگی رہنماؤں، کارکنوں اور غیر مسلم راہنماؤں کے ساتھ ہونے والی خط و کتابت کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے جس سے اسکالرز نے ابھی تک قابل ذکر استفادہ نہیں کیا ہے۔
قائداعظم کی سیاسی خط و کتابت کے علاوہ ان پیپرز میں قائداعظم کی جائیدادوں، شیئرز کی خرید و فروخت، اخبارات و رسائل کے تراشے، بینک اکاؤنٹس، انشورنس پالیسیوں کے کاغذات، وکالت سے متعلق نوٹس اور کاغذات، دعوت نامے، تہنیت نامے، سیر و سیاحت اور بیرون ملک سفر سے متعلق کاغذات، ڈائریاں، نوٹ بکس، اور فوٹو گراف وغیرہ کی کثیر تعداد موجود ہے۔ ان کاغذات کے مطالعے سے جہاں قائداعظم کے روز و شب کی مصروفیتوں پر روشنی پڑتی ہے، وہاں ان کے مزاج، عادات و اطوار اور مختلف ادوار میں ان کی خرید و فروخت میں پسند و ناپسند کا بھی پتا چلتا ہے۔
قائداعظم پیپرز کی موضوعاتی ترتیب وتعین کے بعد ان کی مرحلہ وار اشاعت ایک اہم ترین کام تھا۔ اس مقصد کے لیے حکومت نے نیشنل آرکائیوز آف پاکستان کی عمارت میں قائداعظم پیپرز پروجیکٹ کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا جس کا نگران بین الاقوامی طور پر معروف محقق اور تاریخ دان ڈاکٹر زوار حسین زیدی کو مقرر کیا گیا۔ ڈاکٹر زیدی نہ صرف جنوبی ایشیاء کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں، بلکہ اس خطہ میں موجود بیش تر دستاویزی ریکارڈ سے بھی کماحقہ واقف ہیں۔ انہوں نے ایک طویل عرصہ تک انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ریکارڈ پر بھی تحقیق کی ہے۔ مزید یہ کہ تحریک پاکستان کے رہنما مرزا ابوالحسن اصفہانی اور قائداعظم محمد علی جناح کے درمیان ہونے والی طویل ترین خط و کتابت کو بھی انہوں نے Ispahani-Jinnah. Correspondence کے نام سے مرتب کیا ہے۔
ڈاکٹر زوار حسین زیدی نے قائداعظم پیپرز میں شامل 20 فروری 1947ء سے 2 جون 1947ء تک کی دستاویزات پر کام شروع کیا اور 1993ء میں انہوں
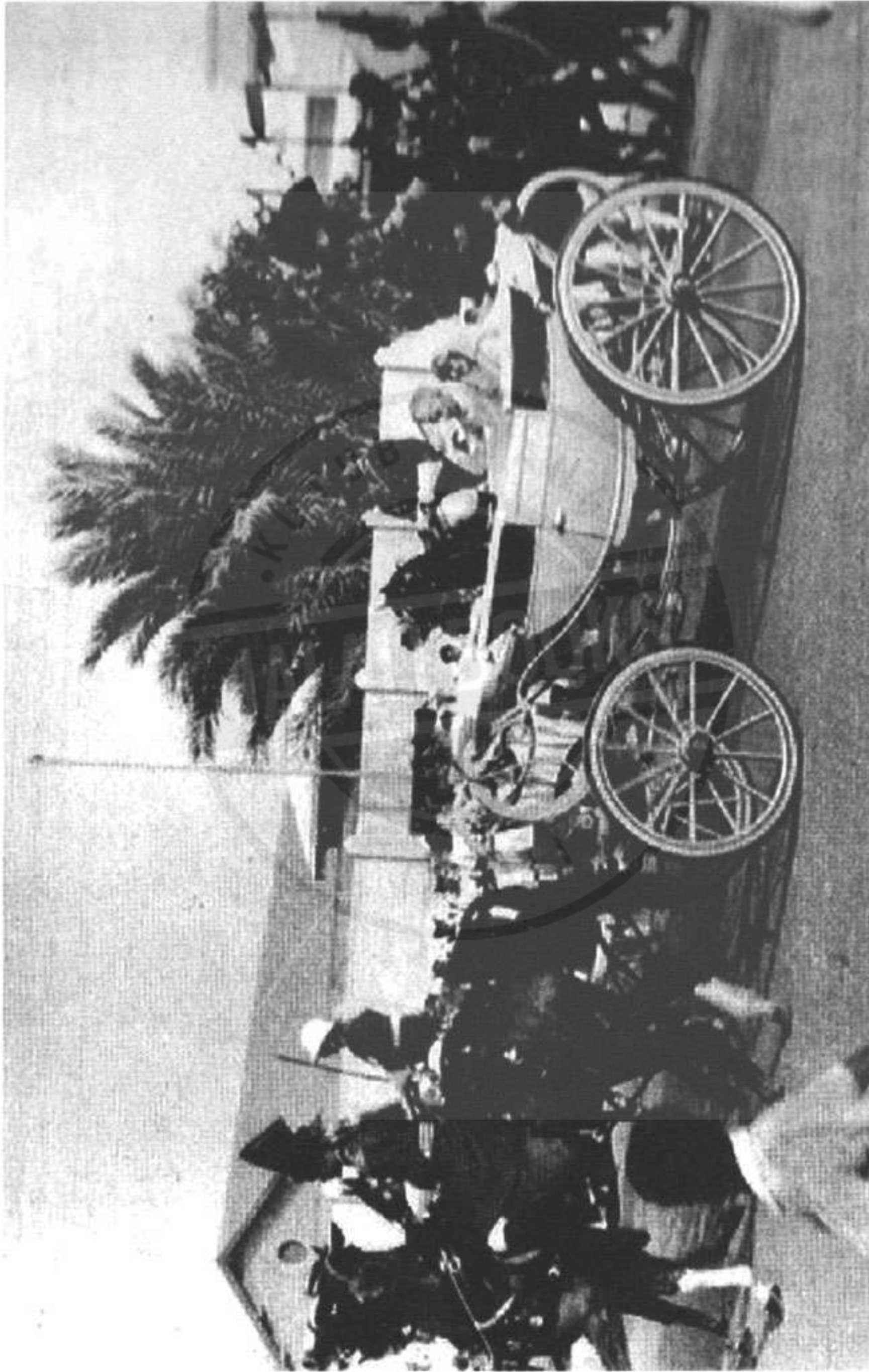
قائداعظم اپنی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ خوشگوار موڈ میں

نے ایک نہایت دقیع اور جامع کتاب Jinnah Papers-Prelude to Pakistan شائع کی۔ یہ کتاب تقریباً دو جلدوں میں پونے دو ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ ریکارڈ سے مراد وہ کاغذات و دستاویزات ہیں، جو آل انڈیا مسلم لیگ کے دہلی میں مرکزی دفتر اور دفتر سے ہونے والی کارروائیوں سے متعلق ہیں۔ یہ ریکارڈ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس سے بیسویں صدی کے نصف اول میں اسلامیان ہند کی سیاسی، سماجی اور تعلیمی سرگرمیوں کی جدوجہد اور ماحصل سے متعلق تفصیلات و معلومات سامنے آتی ہیں۔ یہ ریکارڈ اس عتبار سے بھی تاریخی حیثیت رکھتا ہے کہ اس سے ان شخصیات کی خدمات پر بھی روشنی پڑتی ہے جو آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام، اس کی تنظیم اور مختلف تحریکات میں اہم اور موثر کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ قیام پاکستان تک یہ ریکارڈ آل انڈیا مسلم لیگ کے مرکزی دفتر واقع دہلی میں موجود تھا لیکن قیام پاکستان کے ساتھ ہی ریکارڈ کو بحفاظت کراچی منتقل کیا گیا۔ پاکستان میں 1958ء میں مارشل لاء کے نفاذ کی بناء پر جب ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دیا گیا تو اس ریکارڈ کو پاکستان مسلم لیگ کے آفس سے ایک سرکاری دفتر میں منتقل کر دیا گیا۔ اگرچہ اس ریکارڈ کی ابتداء ہی سے مناسب دیکھ بھال اور حفاظت کی جانی چاہیے تھی لیکن ایسا نہیں ہو سکا اور اس ریکارڈ کے کچھ حصے دست برد زمانہ کے ہاتھوں تلف ہو گئے۔ خصوصاً پاکستان مسلم لیگ کے دفتر سے ایک سرکاری دفتر کی چھت پر اس ریکارڈ کی منتقلی بہت نقصان دہ ثابت ہوئی۔ دھوپ، برسات اور موسم کے گرم و سرد نے اس ریکارڈ کو شدید متاثر کیا۔ یہ ایک قومی زیاں تھا جس کا چند ہمدردان قوم اور تاریخ دانوں کو شدت سے احساس تھا، لہٰذا انہوں نے اس وقت کے وزیر خارجہ بیرسٹر منظور قادر سے رابطہ قائم کر کے اس ریکارڈ کو پاکستان سیکرٹریٹ کے ایک محفوظ بلاک میں منتقل کر دیا۔ اس ریکارڈ کی حفاظت میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، شیخ محمد اکرم اور ڈاکٹر زوار حسین زیدی نے نہ صرف موثر کردار ادا کیا بلکہ بعد میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی کوششوں سے، جو اس زمانے میں جامعہ کراچی کے وائس چانسلر تھے، یہ ریکارڈ کراچی یونیورسٹی کی لائبریری میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ ریکارڈ جب جامعہ کراچی پہنچا تو نہایت بوسیدہ حالت میں تھا اس لیے جامعہ کراچی کی لائبریری کی عمارت میں اس ریکارڈ کی حفاظت، مرمت، ترتیب اور شناخت کے لیے ایک علیحدہ شعبہ ”آرکائیوز آف فریڈم مومنٹ“ کے نام سے قائم کیا گیا جو گزشتہ پچیس سال سے زائد عرصے تک اس ریکارڈ کی ترتیب وتحفظ کا فریضہ انجام دیتا رہا اور اب یہ ریکارڈ ڈیپارٹمنٹ آف نیشنل آرکائیوز کو اسلام آباد منتقل کر دیا گیا ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے مذکورہ ریکارڈ کی حفاظت کے لیے ایک کمیٹی قائم کی گئی جس کے چیئرمین ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور سیکرٹری پروفیسر شریف المجاہد تھے۔ کمیٹی کے ارکان میں ڈاکٹر محمود حسین، پروفیسر اے بی اے حلیم، ڈاکٹر زوار حسین زیدی، ڈاکٹر ریاض الاسلام اور ڈاکٹر ایم ایچ صدیقی شامل تھے۔ 123 بوریوں اور 46 صندوقوں میں بھرے ہوئے ریکارڈ کی ترتیب، مرمت، حفاظت اور نگہداشت کا

کام اس کمیٹی نے شروع کیا۔ خصوصاً گزشتہ دو عشروں کے دوران میں ڈاکٹر ریاض الاسلام اور ڈاکٹر ایم ایچ صدیقی اور عقیل الظفر خان نے اس ریکارڈ کی ترتیب وتحفظ کے سلسلے میں جو خدمات انجام دی ہیں، وہ ناقابل فراموش اور علم دوستی کی نادر مثال ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس ریکارڈ میں دستاویزات، خطوط، رپورٹس، تصاویر، اشتہارات، اخبارات کے تراشے، کتابچے، پمفلٹ، تقاریر کے مجموعے اور مختلف موضوعات پر کتابوں کی تعداد 5 لاکھ صفحات سے زائد ہے۔ فریڈم موومنٹ آرکائیوز نے 1996ء تک ایک لاکھ سے زائد خطوط، دستاویزات اور کاغذات کو چھ سو سے زائد فائلوں میں مرتب کر دیا ہے، جب کہ باقی ماندہ ریکارڈ پر ڈاکٹر ایم ایچ صدیقی کی نگرانی میں عقیل الظفر خان اور مہتاب جہاں اس وقت تک کام کرتے رہے جب تک کہ یہ شعبہ ڈیپارٹمنٹ آف نیشنل آرکائیوز اسلام آباد کو منتقل نہیں ہو گیا۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اس ریکارڈ پر بہت تاخیر سے کام شروع ہوا اور اس کا بیش تر حصہ عدم توجہی کی بناء پر تلف ہو گیا لیکن اس کے باوجود اپنی تعداد اور تسلسل کے اعتبار سے اس وقت برصغیر، جنوبی ایشیا میں جو تاریخی ریکارڈ موجود ہیں، ان میں یہ سب سے بڑا اور سب سے زیادہ اہم ریکارڈ ہے۔
پروفیسر شریف المجاہد نے جو 1976ء میں قائداعظم اکادمی کے بانی ڈائریکٹر مقرر ہوئے تھے، 1982ء میں آل انڈیا مسلم لیگ ریکارڈ کی طباعت کا بیڑا اٹھایا۔ ریکارڈ کی طباعت کا خیال دراصل اس لیے آیا کہ 1980ء تک آل انڈیا مسلم لیگ سے متعلق شائع ہونے والی کتابوں اور پی ایچ ڈی کے مقالوں میں اس ریکارڈ سے بہت کم استفادہ کیا گیا تھا۔ پروفیسر شریف المجاہد نے لکھا ہے کہ سید شریف الدین پیرزادہ نے آل انڈیا مسلم لیگ ریکارڈ سے اپنی کتاب Foundations of pakistan مطبوعہ 1969ء میں استفادہ کیا ہے لیکن ان کی بھی رسائی انہی دستاویزات تک ہو سکی جو اس ریکارڈ میں مطبوعہ صورت میں تھیں۔ 1979ء میں اے۔ایم زیدی کی مرتبہ کتاب Evolution of Political Thought in India چھ جلدوں میں دہلی سے شائع ہوئی لیکن اس میں بھی ریکارڈ میں شامل مطبوعہ دستاویزات ہی کو شامل کیا گیا جو قبل ازیں سید شریف الدین پیرزادہ کی مذکورہ بالا کتاب میں شائع ہو چکی تھیں۔ 1979ء ہی میں بی این پانڈ کی مرتبہ کتاب The Indian Nationalist Movement لندن سے شائع ہوئی، اور وہ بھی کوئی غیر مطبوعہ خط یا دستاویز اپنی کتاب میں شامل کرنے میں ناکام رہے۔ 1980ء میں میرٹھ سے سات جلدوں پر مشتمل کتاب The Indian Muslim-A-Documentation Record of Muslim Struggle for Independence شائع ہوئی۔ اس میں بھی آل انڈیا مسلم لیگ سے متعلق کوئی غیر مطبوعہ دستاویز شامل نہیں تھی اور یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا ریکارڈ بہ آسانی دستیاب نہیں تھا۔ اس سے ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت کا موقف واضح اور مدلل طور پر مطبوعہ کتب میں نہ آ سکا اور یک طرفہ شہادتوں کے انبار لگ گئے۔
آل انڈیا مسلم لیگ ریکارڈ کے طباعتی منصوبے کے

آغاز پر قائداعظم اکادمی کے عملے پر مشتمل ایک ریسرچ ٹیم نے جس میں خواجہ رضی حیدر، مفتی رفیع الدین اور مہر السلام صدیقی شامل تھے۔ پروفیسر شریف المجاہد کی نگرانی میں اس ریکارڈ میں شامل خطی دستاویزات کی شناخت، تعین اور مطالعے پر کام شروع کیا۔ ان دستاویزات میں زیادہ تر خطوط، اجلاسوں کی کارروائیاں اور قراردادیں شامل تھیں۔

ریسرچ ٹیم نے اس ریکارڈ کی فوٹو کاپی کر کے دستاویزات کو اس مرحلہ تک پہنچایا، جہاں ان کی باقاعدہ تدوین کا کام شروع ہو سکے۔ اس ریکارڈ کی طباعت چوں کہ کئی جلدوں پر مشتمل ہو گی، اس لیے پہلی جلد کو 1900 سے 1908ء تک کی دستاویزات تک محدود کر دیا گیا، جو 1990ء میں کتابی صورت میں شائع ہو گئی۔ پروفیسر شریف المجاہد نے اس جلد میں ریکارڈ میں شامل تمام بنیادی، ذیلی اور الحاقی دستاویزات شامل کر دی ہیں، جب کہ بعض دستاویزات کو وقیع اور خود وضاحتی بنانے کے لیے ضمیمہ جات میں ایسی دستاویزات بھی شامل کر دی گئی ہیں جو آل انڈیا مسلم لیگ کے ریکارڈ میں موجود نہیں تھیں۔ شریف المجاہد کی تصنیف کردہ اس کتاب کا نام Muslim League Documents ہے۔ اگرچہ اس کتاب کی اب تک پہلی جلد ہی شائع ہوئی ہے، لیکن باور کیا جاتا ہے کہ اپنی تکمیل پر مسلم ہندوستان کی سیاسی جدوجہد کے بارے میں یہ ایک اہم بنیادی کتاب ثابت ہو گی۔

شمس الحسن کلیکشن میں جو آل انڈیا مسلم لیگ کے آفس سیکرٹری سید شمس الحسن کے نام سے منسوب ہے، قائداعظم محمد علی جناح کے تقریباً دس ہزار ذاتی کاغذات اور دستاویزات موجود ہیں۔ اس ذخیرے کو بھی بہ اعتبار موضوع تقریباً نوے جلدوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اس ذخیرے سے بھی اہل علم کی ایک بڑی تعداد نے استفادہ کیا ہے، جب کہ خود سید شمس الحسن نے اس ذخیرے سے قائداعظم کی نجی زندگی اور تنظیمی جدوجہد کے بارے میں کچھ دستاویزات منتخب کر کے 1976ء میں ایک کتاب Plain Mr. Jinnah مرتب کی تھی۔ سید شمس الحسن چوں کہ تحریک پاکستان کے عینی شاہد تھے، اس لیے انہوں نے کتاب میں شامل دستاویزات کی وضاحت اور صراحت میں نوٹس بھی تحریر کیے ہیں، جو بہرحال تحریک پاکستان اور قائداعظم کے بارے میں کچھ جاننے کے خواہش مند افراد کے لیے معلومات افزا ہیں۔

شمس الحسن کلیکشن، قائداعظم پیپرز اور آل انڈیا مسلم لیگ ریکارڈ کے علاوہ قائداعظم اور تحریک پاکستان سے متعلق غیر مطبوعہ خطوط کی ایک بڑی تعداد پاکستان، بھارت، برطانیہ اور سری لنکا وغیرہ میں بھی انفرادی طور پر مختلف لوگوں کے پاس موجود ہے۔ ان خطوط و کاغذات کی بازیافت کے لیے ڈیپارٹمنٹ آف آرکائیوز برابر کوشش کر رہا ہے اور اسے بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے۔

دراصل یہ کاغذات اور دستاویزات ہمارا قومی سرمایہ ہیں، ہماری جدوجہد کا تاریخی ریکارڈ ہیں۔ ان سے نہ صرف قائداعظم محمد علی جناح کی حیات و خدمات کے پنہاں گوشوں پر روشنی پڑتی ہے بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کے ایک علیحدہ وطن کے قیام کے لیے جدوجہد کے بھی بیش تر تشنہ و مخفی پہلو واضح اور اجاگر ہوتے ہیں۔ ان کاغذات اور دستاویزات کی حفاظت

کرنا اور ان کے مندرجات سے واقفیت حاصل کرنا ہمارے قومی فرائض میں شامل ہے۔''

(ماہنامہ نظریہ پاکستان، اشاعت دسمبر 2013ء)

محمد علی جناح (قائداعظم)

یہ کتاب آغا حسین ہمدانی کی تصنیف ہے اسے 1977ء میں نوید پبلشرز راولپنڈی نے شائع کیا۔ 96 صفحات پر مشتمل اس مختصر سی کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی۔ کتاب کے آخر میں خطبہ صدارت اجلاس میثاق لکھنؤ، خطبات صدارت اجلاس قرارداد پاکستان اور خطاب اول ملت پاکستان کے عناوین سے تین خطبے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ کتاب کے دوسرے باب میں مسئلہ کشمیر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کتاب کا پیش لفظ شریف الدین پیرزادہ نے لکھا ہے انہوں نے آغا حسین ہمدانی کی کوششوں کو قابل تعریف قرار دیا اور کہا:

''انہوں نے ان پہلوؤں پر بھی قلم اٹھایا ہے جو گوشہ گمنامی میں تھے۔''

محمد علی جوہر، مولانا

آپ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے ممتاز رہنما تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح مولانا محمد علی جوہر کا انتہائی احترام کرتے تھے مولانا محمد علی جوہر اپنے اخبار کامریڈ میں ایک مضمون لکھنے پر گرفتار کر لیے گئے تو قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے کونسل میں متعدد بار یہ سوال اٹھایا کہ انہیں کس جرم کی پاداش میں نظر بند کیا گیا، لیکن حکومت کی جانب سے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا گیا۔

محمد علی جوہر 1878ء میں رامپور (یوپی) میں پیدا ہوئے انہوں نے علی گڑھ اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ وہ ایک مذہبی انسان تھے اور ہر بات کو تہذیب کی عینک سے دیکھتے تھے کانگریس کی قراردادوں تک میں جب وہ اس جماعت کے صدر تھے بقول پنڈت نہرو جو اس وقت سیکرٹری تھے وہ کسی نہ کسی طرح خدا کا ذکر ضرور کر دیتے۔ انگریز کے خلاف بھی انہوں نے عوام میں مذہب کی بنیاد پر آزادی کے جذبات کو ابھارا۔ 1911ء میں اپنے ذوق کی تکمیل کے لیے انگریزی اخبار کامریڈ نکالا اردو میں ان کا اخبار ہمدرد بھی خاصا مقبول تھا۔ مولانا محمد علی جوہر تحریک خلافت اور ترک موالات دونوں کے روح رواں تھے، مسٹر گاندھی علی برادران کی وجہ سے ہی کل ہند لیڈر بنے تھے۔

مذہب کے ایسے دلدادہ تھے کہ جامعہ ملیہ تک میں جس کے وہ بانیوں میں سے تھے اور اس کے پرنسپل تھے اس بات کا خیال رکھا کہ کوئی ملحد ٹیچر اس میں شامل نہ ہونے پائے۔

ہندوستان کے مسائل کو حل کرنے کے لیے لندن میں جو گول میز کانفرنس ہوئی اس میں شرکت کی وجہ بتاتے ہوئے کہا:

''میں سمجھتا ہوں میرا فریضہ ہے کہ اس کانفرنس میں شریک ہوں اور وہاں کے سلطان جابر اور رعایا دونوں کے سامنے کلمۂ حق کہہ کر سب سے افضل جہاد کروں تا آنکہ اس کام میں مر جاؤں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خواہش پوری کر دی 4 جنوری 1931ء کو دماغ کی رگیں پھٹیں اور فکر و تدبر کا یہ سرچشمہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خشک ہو گیا۔

انہیں بیت المقدس میں دفن کیا گیا۔

محمد علی حبیب

(دیکھیے: ملازمین کی تنخواہیں)

محمد عنایت اللہ ملک، پروفیسر

تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما تھے۔ مسجد شہید گنج کے تنازع کے سلسلے میں مجلس اتحاد ملت کے صدر کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح کو لاہور آنے کی دعوت دی انہوں نے تحریک پاکستان کے دوران مسلمانان ہند کے سیاسی شعور کو بیدار کرنے کے لیے ملک کے دور دراز علاقوں کا دورہ کیا، اور مسلمانوں کے تحفظ و بقا کے لیے انتھک محنت کی۔

1934ء میں انہوں نے اپنی مذہبی و سیاسی زندگی کا آغاز کیا، اور مجلس اتحاد ملت کے صدر منتخب ہو گئے۔ مسجد شہید گنج کے سلسلے میں 1935ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح لاہور تشریف لائے تو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے استقبال کے لیے ایک جلوس کا انتظام کیا جس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ 1940ء میں قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد خود کو قیام پاکستان اور تحریک پاکستان کے لیے وقف کر دیا۔

محمد عیسیٰ، قاضی

آپ تحریک پاکستان کے کارکن اور قائداعظم محمد علی جناح کے جانثار ساتھی تھے۔ 26 اپریل 1942ء کے مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ، دہلی میں قاضی محمد عیسیٰ نے اپنے دیگر رفقاء کے ہمراہ قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی اور انہیں بلوچستان کی صورت حال سے آگاہ کیا۔ بلوچستان کے مسلمانوں میں انگریزی انتظامیہ کی طرف سے پکڑ دھکڑ کی وجہ سے جو خوف و ہراس پایا جاتا تھا اسے دور کرنے کے لیے قاضی محمد عیسیٰ نے قائداعظم محمد علی جناح کو بلوچستان آنے کی دعوت دی جسے قائداعظم نے قبول کرتے ہوئے کہا:

''لوگ بھی عجیب غلامانہ ذہنیت رکھتے ہیں ملک کے ہر حصے میں یہ سب مجھ سے بات ضرور کرتے ہیں لیکن کرتے وہی ہیں جو ان سے علاقہ کا انگریز ڈپٹی کمشنر کہتا ہے۔''

(مزید حالات کے لیے دیکھئے: عیسیٰ قاضی محمد)

محمد مظہر اللہ، مفتی

جامع مسجد فتح پوری دہلی کے شاہی امام اور خطیب تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مولانا سیف الاسلام سے ایک ملاقات کے موقع پر کہا:

''میں آپ کے بزرگ حضرت مولانا مظہر اللہ کی خدمت میں حاضر تھا تو محترم فرمانے لگے آپ قرآن وسنت کے نام سے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی طرف بلا رہے ہیں مگر افسوس کہ آپ خود قرآن وسنت سے واقف نہیں۔''

اس پر مولانا سیف الاسلام نے قائداعظم محمد علی جناح سے معلوم کیا کہ آپ نے حضرت مفتی صاحب کے جواب میں کیا فرمایا کیونکہ آپ مسلمانوں کے لیڈر ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے بتایا:

''میں نے حضرت مفتی صاحب سے درخواست کی:

''آپ میرے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے مجھ کو قرآن وسنت کے علوم سے آگاہ کر دے۔''

اس پر مفتی صاحب نے دعا کی۔

مفتی محمد مظہر اللہ 21 اپریل 1886ء کو دہلی میں پیدا ہوئے والد بزرگوار کا نام مولانا محمد سعید تھا وہ بھی عالم دین تھے، حفظ قرآن کے بعد ممتاز علماء سے مروجہ دینی تعلیم مکمل کی۔ سید صادق علی شاہ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ تمام عمر دینی علوم کی تبلیغ میں گزاری۔ تحریک پاکستان اور تحریک خلافت میں

بھی حصہ لیا۔

ان کی وفات 28 نومبر 1966ء کو ہوئی۔

محمد مہدی، راجا پیر پور

1931ء میں قائداعظم محمد علی جناح کے دست راست سر محمد علی خاں راجا صاحب محمود آباد انتقال کر گئے راجا صاحب نے انتقال سے قبل ریاست کے انتظام اور اپنے بڑے بیٹے راجا امیر احمد خاں کی مشاورت کے لیے ایک ٹرسٹ قائم کیا تھا جس کے ٹرسٹیوں میں قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ راجا محمد مہدی، شیخ حبیب اللہ، سید وزیر حسن اور چوہدری خلیق الزماں شامل تھے۔

20 مارچ 1938ء کو مسلم لیگ کونسل کا جو اجلاس دہلی میں منعقد ہوا اس میں یہ طے پایا تھا کہ مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی بنائی جائے اور لیگ کا پرچم اس جھنڈے کو قرار دیا جائے جو 1937ء کے اجلاس لکھنؤ میں لگایا گیا تھا۔ اس اجلاس میں راجا مہدی علی خان کی سرگردگی میں ایک کمیشن قائم کیا گیا جس کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ کانگریسی وزارتوں کے صوبوں میں جا کر تمام بڑے شہروں اور قصبات میں حالات کا جائزہ لے اور لوگوں کے بیانات قلمبند کر کے کانگریسی وزارتوں کے مظالم پر مشتمل ایک رپورٹ پیش کرے۔ یہ رپورٹ پیر پور رپورٹ کہلاتی ہے۔

محمد نعمان

علی گڑھ میں زیر تعلیم طالب علم تھے انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ تجویز پیش کی:

''طلباء کی کل ہند تنظیم کے مقابلہ میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن قائم کی جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی تجویز کو قبول کرتے ہوئے۔ راجا صاحب محمود آباد کو کانفرنس کی صدارت کی ذمہ داری سونپی۔ محمد نعمان اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے 1973ء میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا پہلا اجلاس کلکتہ میں قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت منعقد ہوا اجلاس میں پورے برصغیر سے تین سو مندوبین نے شمولیت کی قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر فرمایا:

''نئی پود کے نوجوان نہایت قابل تعریف ہیں تم میں سے کئی نوجوان آگے چل کر جناح بنیں گے اور مجھے یقین ہے کہ قوم کا مستقبل تمہارے ہاتھوں میں محفوظ رہے گا۔''

محمد نعیم الدین، مولانا اور قائداعظم

''قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کا روحانی پہلو'' کے مصنف ملک حبیب اللہ صفحہ نمبر 59,58 میں رقمطراز ہیں:

''حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کو قائداعظم اور مسلم لیگ کی تائید و حمایت کے سلسلے میں جس قدر مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑا، وہ ایک الگ باب ہے۔ اس وقت ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ قائداعظم اور امیر ملت کے تعلقات کیا تھے۔ اگرچہ تمام مسلمانوں کا سیاسی شعور بیدار ہو چکا تھا، اور وہ اپنے دوست دشمن میں تمیز کرنے لگے تھے۔ تاہم کثیر تعداد میں مسلمان ہنوز مسلم لیگ سے برگشتہ تھے اور قائداعظم کو اجنبی سمجھتے تھے لیکن آپ (امیر ملت) کی روحانی بصیرت پر قائداعظم کی قلبی کیفیات منکشف ہو چکی تھیں اور آپ ان کو ملت کا بہی خواہ، سچا ہمدرد اور خادم خیال کرتے تھے، اس لیے آپ نے یوم نجات پر اپنے خیالات عالیہ کا اظہار فرما کر قائداعظم کی تائید فرمائی، جس کے نتیجے کے طور پر ملک کے شمال سے جنوب

تک اور مشرق سے مغرب تک آپ کے لاکھوں مریدوں اور ارادت مندوں نے مسلم لیگ میں خود شمولیت کی، اور دیگر مسلمانوں کو بھی مسلم لیگ کے پرچم تلے لاکھڑا کیا۔

27 اپریل 1946ء کو آل انڈیا سنی کانفرنس کا بنارس میں فقید المثال اجلاس شروع ہوا تو کانگریسی علما نے اپنے ایجنٹ بھیج کر اجلاس کو درہم برہم کرنے کی سازش کی جب آپ اپنے معتمد خاص صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کے ساتھ اسٹیج پر شریف لا رہے تھے تو کسی نے راستے میں اس سازش کی خبر دے دی۔

آپ جلسہ گاہ میں پہنچے تو نعروں کی گونج میں انتہائی احترام کے ساتھ آپ کو کرسی پر بٹھا کر اسٹیج پر لایا گیا۔ آپ کی صدارت کے اعلان کے بعد جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا، تلاوت قرآن مجید کے بعد آپ نے پورے جوش وخروش کے ساتھ خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''محترم جناح صاحب کو کوئی کافر کہتا ہے، کوئی مرتد بناتا ہے، کوئی شیعہ ٹھہراتا ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ ''ولی اللہ'' ہیں! وہ لوگ اپنی رائے سے کہتے ہیں لیکن میں قرآن و حدیث کی رو سے کہتا ہوں۔ سنو اور غور سے سنو! اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔'' (سورہ مریم:92)

تم بتلاؤ کوئی مائی کا لال مسلمان جس کے ساتھ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان قائداعظم ایسی والہانہ محبت رکھتے ہوں، یہ تو قرآن کا فیصلہ ہے۔ اب رہی میری عقیدت، مخالفو! تم اس کو کافر کہو، میں اس کو ''ولی اللہ'' کہتا ہوں۔''

محمد نواز خاں سردار

سیاسی رہنما تھے۔ 1927ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے دہلی کے ویسٹرن ہوٹل میں جن تیس سرکردہ رہنماؤں کو میثاق لکھنؤ میں ترمیم و تنسیخ پر غور وخوض کرنے کے لیے جو اجلاس بلایا اس میں محمد نواز خاں سردار بھی شامل تھے۔

محمد یامین خان

قائداعظم محمد علی جناح کی محمد یامین خان سے بھی خط وکتابت رہی اس ضمن میں یہاں صرف یہ خط پیش کیا جارہا ہے۔

لٹل گبز روڈ مالابار ہل
بمبئی
25 جون 1938ء

جناب عالی!

مجھے آپ کے 19 تاریخ والے خط کے ملنے سے بڑی خوشی ہوئی، اور مجھے مسرت ہے کہ آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے فروغ میں دلچسپی لے رہے ہیں، اور اس کا ایک ممبر بننے کے خواہش مند ہیں۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ اس سلسلے میں مسٹر ایم ایم ایس اصفہانی، سیکرٹری صوبائی مسلم لیگ ماہر وکیل محمد علی روڈ بمبئی سے رابطہ قائم کریں۔

مخلص
ایم اے جناح

محمد یامین خان صاحب
ریذیڈنسی ایریا
جے پور ایچ او (راج)

(نیز دیکھیے، یامین خاں نواب)

محمدی سٹیم شپ کمپنی

یہ کمپنی قائداعظم محمد علی جناح کی کوششوں سے قائم کی گئی۔ یہ کمپنی حبیب برادران نے قائم کی تھی۔

محمد یوسف

یہ قائداعظم محمد علی جناح کے حجام تھے، ان کا انتقال 8 جنوری 1964ء کو ہوا۔

محمد یوسف شاہ، میر واعظ

قائداعظم محمد علی جناح مئی 1944ء میں جب کشمیر تشریف لے گئے تو میر واعظ کشمیر نے درگجن کے مقام پر کشمیر مسلم کانفرنس کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا، انہوں نے اپنی قیام گاہ میر واعظ منزل میں قائداعظم محمد علی جناح کو دعوت دی۔

محمد یوسف شاہ سری نگر میں 1891ء میں پیدا ہوئے انہوں نے دیوبند میں تعلیم مکمل کی، اور 1931ء میں کشمیر کی تحریک آزادی کا آغاز کیا وہ متعدد بار آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے۔ 1940ء میں انہوں نے مسلم کانفرنس کو تحریک پاکستان کے ساتھ شامل کر دیا۔ انہیں 1952ء اور پھر 1956ء میں آزاد کشمیر کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ 1946ء میں انہوں نے کشمیر کی جدوجہد آزادی کے لیے انقلابی کونسل میں ترجمان کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ انہوں نے کشمیر پر سے بھارتی تسلط کے خلاف رائے عامہ کو روشناس کرنے کے لیے مسلم ممالک کے علاوہ برطانیہ اور فرانس کا بھی دورہ کیا۔ انہوں نے 7 دسمبر 1968ء کو روزہ کی حالت میں شام سات بجے انتقال فرمایا۔

محمود آباد، راجا صاحب

1923ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی ان سے پہلی ملاقات ہوئی۔ 1925ء میں ناناپارہ اسٹیٹ کے مقدمہ میں پیش ہونے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح جب لکھنؤ آئے تو انہوں نے راجہ صاحب کے ہاں بٹلر پیلس میں قیام کیا پھر راجا صاحب کی شادی پر ان سے ملے۔ 23 مئی 1931ء کو مہاراجہ محمود آباد کا انتقال ہو گیا چنانچہ ریاست کی دیکھ بھال کے لیے متولی مقرر کیے گئے ان میں سے ایک قائداعظم محمد علی جناح بھی تھے 1933ء میں مہاراجہ محمود آباد کے فرزند، راجہ امیر احمد خان، راجا صاحب نے لندن میں قائداعظم محمد علی جناح کی رہائش گاہ ہیمپ اسٹیڈ کے علاقے میں ملاقات کی۔ 1934ء میں راجا صاحب ان سے دہلی میں ملے۔ 1948ء میں بغداد سے بھارت جاتے ہوئے پھر قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔

محمود آباد ہاؤس

یہ لکھنؤ میں راجا صاحب محمود آباد کی رہائش گاہ تھی۔ جہاں قائداعظم محمد علی جناح نے سر سکندر حیات خاں، ملک برکت علی اور میر مقبول کے ساتھ بات چیت کی یہ بات چیت اکتوبر 1937ء میں ہوئی۔ اس بات چیت کے نتیجے میں سر سکندر حیات نے اعلان کیا کہ وہ اور ان کی جماعت کے تمام ارکان مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ہیں۔ پھر انہوں نے وہ تقریر پڑھ کر سنائی جو تھوڑی دیر قبل لکھی گئی تھی، اور جسے سکندر جناح معاہدے کا نام دیا گیا تھا۔

محمود عالم سہروردی، میاں

قائداعظم محمد علی جناح نے تشکیل پاکستان کے وقت جب

پاکستان کے نقشے طلب کیے تو نقشے تیار نہیں تھے۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں اور سردار عبدالرب نشتر بڑے پریشان ہوئے۔ میاں محمود عالم نے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ ایک بزرگ کے توسط سے لیاقت علی خاں تک رسائی حاصل کی چنانچہ وزیر اعظم لیاقت علی خان نے انہیں یہ ذمہ داری سونپی انہوں نے دہلی عریبک کالج میں بیٹھ کر اور دروازے کھڑکیاں بند کر کے کام شروع کر دیا، اور تہجد کے وقت جب نواب زادہ لیاقت علی خاں اور سردار عبدالرب نشتر تشریف لائے تو کام مکمل ہو چکا تھا۔

محمود علی خاں، نواب زادہ

تحریک پاکستان کے رہنما تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جب آل انڈیا مسلم لیگ کی انتخابی مہم کے سلسلے میں نقرئی گولیوں کی اپیل کی تو جس وفد نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں ایک ہزار روپے کا چیک پیش کیا اس میں وہ بھی شامل تھے۔

محمود علی خاں کرنال میں نواب لیاقت حسین خاں کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں مکمل کی، پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ چلے گئے اور وہاں سے 1945ء میں بی اے کیا۔ قیام پاکستان کے سلسلے میں چلنے والی تمام تحاریک میں شامل رہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ عقیدت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ قائداعظم محمد علی جناح یونین میں تقریر کے لیے اٹھ کر گئے تو انہوں نے ان کا بجھا ہوا سگار اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

جون 1948ء میں قیام پاکستان کے بعد میں پاکستان آ گئے، اور سیاست سے کنارہ کشی کر کے تعمیر پاکستان میں مصروف ہو گئے۔ وہ مختلف سماجی اور فلاحی تنظیموں کے صدر سیکرٹری اور رکن تھے۔ موتمر عالم اسلامی کے وفد میں رکن کی حیثیت سے ستمبر 1978ء میں سنٹرل ایشیا، تاشقند، سمرقند، بخارا، ماسکو اور لینن گراڈ کا دورہ کیا اسلامی کانفرنس کے لیے ترکیہ میں جو وفد بھیجا گیا وہ اس کے رکن تھے۔

انہوں نے مئی 1980ء میں موتمر عالم اسلامی کے رکن کی حیثیت سے اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ کے اجلاس منعقدہ اسلام آباد میں شرکت کی۔ 1974ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔

"عظیم قائد کے نام سے ایک کتاب لکھی 20 جولائی 1982ء کو وفات پائی۔"

محمود، فضل (فضل محمود)

پاکستان کے سابق ٹیسٹ کرکٹر تھے اور ڈی آئی جی ٹریفک بھی تھے، مارچ 1946ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح اسلامیہ کالج لاہور میں تشریف لائے تو انہوں نے فضل محمود سے ملاقات کی اور فرمایا:

"جوان اسے (کرکٹ) جاری رکھو۔"

اسی موقع پر انہوں نے فرمایا تھا:

"لڑکو! یہ مارچ کا مہینہ ہے آؤ آگے بڑھیں۔ آگے بڑھیں آگے بڑھیں۔"

1946ء میں آل انڈیا کرکٹ ٹیم نواب ٹپودی کی قیادت میں انگلستان گئی تو انہیں کم عمر ہونے کی وجہ سے ٹیم سے خارج کر دیا گیا۔ واپسی پر آل انڈیا ان انگلینڈ الیون اور ویسٹ آف انڈیا کے درمیان ایک میچ میں انہیں کھیلنے کا موقع ملا۔ انہوں نے چھ وکٹیں لیں۔ 1952ء میں بھارت اور پاکستان کے مابین جو میچ کھیلے گئے، ان میں انہوں نے باؤلنگ میں اپنی برتری کا لوہا منوایا پھر پاکستانی ٹیم انگلستان گئی تو اوول کے میدان میں انہوں نے کھل کر اپنے جوہر دکھلائے۔ انگلینڈ میں صحافیوں نے ان کی کامیابی سے متاثر ہو کر بولڈ کی بجائے فضلڈ کی ترکیب ایجاد کی تھی۔ فضل محمود کی وجہ سے پاکستان سے کرکٹ میں کامیابی حاصل کر کے انگلستان کو شکست دی۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ

پاکستانی اخبارات میں یہ سرخی چھپی: ''پاکستان نے برطانیہ کی گردن جھکادی۔'' اپنے دور کے اس وجیہہ اور بلند قامت کھلاڑی کی کارکردگی اس قدر بہترین تھی کہ انہیں پہلے صدارتی تمغۂ حسن کارکردگی سے نوازا گیا۔

فضل محمود 18 فروری 1927ء کو لاہور میں پیدا ہوئے والد پروفیسر غلام حسین اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں اقتصادیات کے استاد تھے۔ والد کی ترغیب سے کرکٹ کھیلنے لگے۔اس وقت ان کی عمر 13 برس تھی۔

قیام پاکستان سے قبل فضل محمود کافی شہرت حاصل کر چکے تھے۔اپنی اعلیٰ پائے کی فارم کی بدولت انہیں آسٹریلیا کا دورہ کرنے والی متحدہ ہندوستان کی 48-1947ء کی ٹیم میں شامل کیا گیا تھالیکن اس وقت پاکستان بن چکا تھا انہوں نے پاکستان کی سب سے پہلے نمائندگی نومبر 1948ء میں ویسٹ انڈیز کے خلاف غیر سرکاری ٹسٹ میچ میں حصہ لیتے ہوئے کی۔ ویسٹ انڈیز کی ٹیم کے کپتان جے ڈی گاڈرڈ تھے اور پاکستان کے میاں محمد سعید مرحوم، لیکن فضل محمود اس میچ میں کوئی نمایاں کارکردگی نہ دکھا سکے۔ان کی باؤلنگ کا تجزیہ یہ تھا۔

21 اوور 7 میڈن 40 رنز لیکن کوئی وکٹ نہیں۔ اس ٹیم میں ویکسن ، والگاٹ، گومز اور سٹال میئر جیسے نامور کھلاڑی شامل تھے۔

اپریل 1949ء میں پاکستان کی کرکٹ ٹیم نے سیلون (موجودہ سری لنکا) کا دورہ کیا پہلا غیر سرکاری ٹیسٹ اوول کولمبو میں کھیلا گیا۔اس میں پاکستان کی جیت ہوئی اور میچ میں فضل محمود نے 27 اوور کیے 17 میڈن تھے انہوں نے 28 رنز دے کر 6 وکٹیں لیں، ان کے کیریئر کا آخری ٹسٹ 1962ء میں اوول میں کھیلا گیا۔ انہوں نے پاکستان کے لیے 34 ٹیسٹ میچوں میں حصہ لیا اور 139 وکٹ حاصل کیے پاکستان کے لیے ٹیسٹ کرکٹ میں 100 وکٹیں لینے والے پہلے بولر تھے۔

محمود ہارون

حاجی سر عبداللہ ہارون کے صاحب زادے تھے۔ وہ 9 ستمبر 1920ء کو کراچی میں پیدا ہوئے سندھ کالج میں تعلیم پائی۔ قانون کے گریجوایٹ زیر تعلیم ہی تھے کہ نامور باپ کے ساتھ قومی آزادی کے سپاہی بن گئے۔ 1947ء میں انہیں قائداعظم محمد علی جناح کے اے ڈی سی بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ 1948ء میں مسلم لیگ نیشنل گارڈز کے سالار بنے، پھر سالار صوبہ اور آخر کار نیشنل گارڈز کے نائب سالار اعلیٰ بنائے گئے۔ 1943ء میں گودی کے مزدوروں کی انجمن کی فلاح و بہبود میں گہری دلچسپی لی اور مزدور یونین کے صدر منتخب ہوئے، 1945ء میں سندھ اسمبلی کے رکن بنے۔ 1955ء میں پھر صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1964ء میں قومی اسمبلی کے رکن بنے۔ کراچی کارپوریشن کے میئر بھی رہے، ہارون انڈسٹریز اور بہت سے چیمبرز کے عہدیدار رہے۔ 1965ء میں مغربی پاکستان کے وزیر محنت وتعاون مقرر ہوئے۔ 1968ء میں انگلستان میں پاکستان کے ہائی کمشنر اور 1969ء تا 1971ء وفاقی وزیر رہے بعدازاں 1978ء تا نومبر 1984ء سیاسی امور کے وزیر رہے۔

محنت (کامیابی کی ضمانت ہے)

محمد علی منیار کے روابط قائداعظم محمد علی جناح سے بہت قریبی تھے۔ ان کے نوجوان فرزند حنیف منیار اس زمانے میں بمبئی مسلم لیگ کے سرگرم رکن تھے، ایک دن انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے کہا:

''سر ہم مسلم لیگ کو منظم کرنے کی کوشش تو بہت کر رہے ہیں، لیکن راستے میں بہت دشواریاں حائل ہیں۔''

یہ زمانہ 1937ء کا تھا، قائداعظم محمد علی جناح نے یہ سنا تو

فرمایا:

''عزیزم تم نوجوان ہو، محنت کرنا سیکھو اور مسلسل محنت کرو، محنت کرنے والے کبھی ہمت نہیں ہارتے، وہ ہمیشہ پرامید رہتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں، کبھی میں بھی تمہاری طرح نوجوان تھا، لندن سے بیرسٹری کی تعلیم حاصل کر کے یہاں پہنچا تو ہر طرف پارسی اور ہندو چھائے ہوئے تھے، اور میں مسلمان تھا مجھے کوئی مقدمہ کہاں سے ملتا، میں تین سال تک یونہی بیٹھا رہا مگر ہاتھ پاؤں توڑ کر نہیں، میں کوئی امیر آدمی بھی نہیں تھا، مجھے بہت سی پریشانیاں لاحق تھیں، میں ہر روز عدالت میں جاتا تھا، مقدمات کی کارروائیاں دیکھتا تھا، چیمبر میں جاتا تھا اور قوانین کا مطالعہ کرتا تھا، اکثر پیدل ہی جاتا تھا، مگر میں نے اپنی دوڑ دھوپ نہیں چھوڑی، محنت برابر جاری رکھی، آخر کامیاب ہوا، مقدمات کی آمد شروع ہوگئی، اور پھر تو میں ابھرتا ہی چلا گیا، یہ سب کچھ صرف محنت ومشقت اور مسلسل عمل کی بدولت ہوا، مسلسل محنت کرو اور اپنی ہمت کو ہمیشہ بلند رکھو، ضرور کامیاب ہو گے۔''

مخالفت

❶ قائداعظم محمد علی جناح نے 12 اپریل 1948ء کو پشاور کے طلبہ سے خطاب کے دوران کہا:

''بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں، جنہوں نے اس جدوجہد میں ہماری ذرہ برابر مدد نہیں کی بلکہ ہماری مخالفت کی۔ ہمارے راستے میں روڑے اٹکائے اور ان لوگوں کی تعداد بھی خاصی ہے، جنہوں نے دشمنوں کے ساتھ مل کر کھلم کھلا ہماری مخالفت کی۔ ہوسکتا ہے یہی لوگ اب آگے نکل کر سامنے آئیں، اور اپنے مقاصد اور پروگرام پیش کریں، اور دھوکہ میں ڈالنے والے نعرے اور پٹے ہوئے فقرے دہرائیں، میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ تمہارا کوئی قدم غلط سلط باتوں، نعروں اور پٹے پٹائے فقروں کے فریب میں نہ اٹھے۔ ان باتوں کا کوئی اثر قبول کرنا اور ان کو طوطے کی طرح دہرانا فضول ہے۔''

❷ سید حسن ریاض اپنی کتاب ''پاکستان ناگزیر تھا'' میں رقمطراز ہیں:

''سالانہ اجلاس منعقدہ کراچی کے برجستہ خطبۂ صدارت میں قائداعظم نے کہا:

''میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ مسلم ہندوستان نے، اور اس مقصد کی خدمت کے لیے، جو ہم لے کر کھڑے ہوئے ہیں، اگر مجھے کبھی آواز دی تو میں پیچھے نہ ہٹوں گا، اور نہ پس و پیش کروں گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ سات برس سے زیادہ ہوئے، جب ہم نے مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم اور اس کو قوت دینے کے لیے کام شروع کیا تھا۔ میرا خیال یہ ہے کہ بلا مبالغہ یہ ناقابل تردید واقعہ ہے کہ محنت و مشقت کے ان سخت سات برس میں ہم نے ایسی نمایاں ترقی کی ہے کہ صرف ہمارے دوست ہی نہیں بلکہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

صرف ہندوستان کو نہیں بلکہ دنیا کو آپ نے دکھا دیا کہ ہم ایک قوم ہیں اور ہم اس وقت تک اطمینان سے نہیں بیٹھیں گے جب تک اس ملک پر قبضہ نہ کرلیں، جو ہمارا ہے اور اس پر حکومت نہ کرنے لگیں۔''

قائداعظم نے یہاں ان مخالفتوں کا ذکر کیا جن کا مسلم لیگ نے کامیابی سے مقابلہ کیا تھا:

''سب سے پہلی مخالفت گورنمنٹ اور عمال حکومت کی

طرف سے ہوئی۔ ہم اس مخالفت کے باوجود زندہ رہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ پھر وہ کیوں ڈھیلی پڑ گئی۔ اس کے بعد کانگریس کا ماس کانٹیکٹ آیا اور اس کو چیلنج آیا۔ جب کانگریس کی وزارتیں قائم ہوئیں تو ان کے لیے مسلم لیگ بڑی نفرت کی چیز تھی۔ حکم ہوا کہ مسلم لیگ کو ختم کر دو۔ مسلم لیگ کے ارکان سے کہا گیا کہ وہ مسلم لیگ کی اطاعت سے دست کشی اختیار کریں۔ اس اطاعت کے ساتھ کانگریس کو بڑی نفرت تھی۔ الیکشن ہوئے، ضمنی الیکشن ہوئے اور پھر مسلمانوں میں اختلاف اور افتراق پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، کانگریسی مسلمان، جمعیت العلماء، احرار، آزاد کانفرنس، مومن، شیعہ، سنی، اس طرح مسلم لیگ کو تباہ کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ اس کے برے نتائج الٹ کر، انہی کے لیے ضرر کا باعث ہوئے، جو مسلم لیگ کے بدخواہ تھے۔ ان حملوں سے ہم کو اب بھی نجات نہیں ہے، مگر فرق یہ ہے کہ اب یہ کوششیں، باریکی اور چالاکی کے ساتھ ہوتی ہیں۔ میں ادب کے ساتھ اپنے مخالفوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں، وہ کانگریسی ہوں یا ہندو لیڈر، کہ اب تم ہم کو نہیں توڑ سکو گے۔ جتنی جلد تم یہ سمجھ جاؤ بہتر ہے۔ ہمارے معاملات میں دخل دینا بند کرو۔ اگر تم ہم سے صلح کرنا چاہتے ہو اور معاملہ کرنا چاہتے ہو تو ہم باعزت شرائط پر گورنمنٹ سے بھی سمجھوتہ کرنے کو تیار ہیں اور ہندوؤں سے بھی۔

حضرات وخواتین! جیسا کہ میں نے بیان کیا ہم اس سات برس کی جدوجہد سے گزر چکے ہیں، اور اب وقت آیا ہے کہ ہم اپنی کوششوں کا جائزہ لیں آج اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ تمام دنیا میں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ اور مختار انجمن ہے۔ ہماری تائید پر کروڑوں مسلمان ہیں، ہمارا ایک جھنڈا ہے، ہمارا ایک پلیٹ فارم ہے، اور سب سے زیادہ یہ کہ ہمارا معین نصب العین پاکستان ہے۔ ہم نے خیال اور مطمع نظر کا پورا اتحاد قائم کر دیا ہے۔ اب اس میں کوئی شبہ باقی نہیں ہے۔ ہم اپنے مطمع نظر پر اور اپنے خیالات میں بالکل متحد ہیں۔

اب وہ منزل آ گئی ہے جس میں یہ بالکل ضروری ہو گیا ہے کہ ہم مزید اقدام کریں، ایک ایسا تنظیمی نظام پیدا کریں جو رہنمائی کرے اور عمل کے لیے نہایت موثر اور صحیح ہو، اور ہم کو اس کے لیے تیاری کرنی چاہیے۔ جس طرح ہم نے سات برس کے بعد فکر و خیال میں اتحاد پیدا کیا ہے۔ اسی طرح ہم کو عمل میں اتحاد پیدا کرنا چاہیے۔''

اس سلسلے میں قائداعظم نے سب سے پہلے اجلاس کے اسی تعمیری پروگرام کی طرف توجہ دلائی، جس کے لیے انہوں نے مدراس کے سالانہ اجلاس مسلم لیگ سے کہنا شروع کیا تھا۔ یعنی یہ کہ مسلمانوں کی تعلیمی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی ترقی کے لیے پروگرام کے ساتھ کوشش کی جائے۔ افسوس ہے کہ اس سلسلے میں اب تک کوئی قابل ذکر کام نہیں ہو سکا تھا۔

دوسری تجویز انہوں نے یہ پیش کی کہ ایک مجلس عمل (کمیٹی آف ایکشن) قائم کی جائے اس کے لیے قائداعظم نے فرمایا:

''لیکن اب وہ منزل آ گئی ہے، جس میں یہ بالکل ضروری ہے کہ آپ کی ایک کمیٹی آف ایکشن ہو۔ جو کم از کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ سات ارکان پر مشتمل ہو۔ اس کمیٹی کا کام صرف یہی نہ ہو کہ یہ تنظیم کرے،

اور زیادہ سے زیادہ تنظیم کرے، اور ایسا رابطہ پیدا کرے جس سے تمام ہندوستان کے لیے مسلمانوں کی ایک پالیسی قائم ہو جائے، اور اتحاد پیدا کرے۔ بلکہ وقتاً فوقتاً جو تجاویز، جو آراء اور مطالبات آئیں ان کا معائنہ کرے اور ان پر غور کرے۔ دوسرے الفاظ میں ہم ایک کمیٹی چاہتے ہیں، جس کے ساتھ عملہ ہو (سیکریٹریٹ)۔''

اس کے ساتھ قائداعظم نے یہ اعلان کیا:

''ہمارے پاس بہت روپیہ تو نہیں ہے۔ میں نے کم از کم دس لاکھ روپے کے لیے اپیل کی تھی اس میں سے ساڑھے پانچ لاکھ روپیہ مجھے وصول ہوا ہے۔ وہ اسی کام کے لیے ہے۔''

تیسری تجویز کے متعلق قائداعظم نے جو کہا وہ یہ تھا:

''آپ کو معلوم ہے کہ مسلم لیگ کی پارلیمنٹری سرگرمیاں بڑھ رہی ہیں، اور ہم ضمنی الیکشن لڑ رہے ہیں۔ صوبہ سرحد میں ضمنی الیکشن تھے۔ حال میں شکار پور کا ضمنی الیکشن ہوا۔ اب آپ کی پارلیمنٹری سرگرمیوں کے لیے یہ بالکل ضروری ہے کہ کوئی ایسا ادارہ ہو جس کو سب پر فوقیت حاصل ہو۔ اس مقصد کے لیے میں ادب کے ساتھ یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ آپ کا ایک آل انڈیا پارلیمنٹری بورڈ ہونا چاہیے جو تین ارکان پر مشتمل ہو۔''

ان تینوں تجاویز کے متعلق سبجکٹس کمیٹی میں ریزولیشن پیش ہوئے جو بالآخر اجلاس عام میں منظور کیے گئے۔ پھر ان ہی ریزولیشن کے مطابق آل انڈیا مسلم لیگ میں کمیٹی آف ایکشن قائم کی گئی جس کے صدر نواب محمد اسماعیل خان تھے اور کنوینر لیاقت علی خان۔ پارلیمنٹری بورڈ قائم ہوا۔ اس کے تین ارکان مسٹر لیاقت علی خان، چودھری خلیق الزمان اور سید حسین امام تھے۔''

مخلوط حکومت

(دیکھیے: عبوری حکومت)

مداحین

ایک مرتبہ قائداعظم محمد علی جناح ایک مقدمہ کی پیروی کے لیے کراچی میں چیف کورٹ سندھ کے سامنے پیش ہوئے۔ بڑا اہم مقدمہ تھا۔ آپ کے مقابل کراچی کے تین چوٹی کے وکلاء تھے۔ اس وقت تک قائداعظم محمد علی جناح ایک بلند پایہ وکیل اور اعلیٰ درجہ کے سیاستدان کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمرۂ عدالت میں قائداعظم محمد علی جناح کو دیکھنے اور آپ کی بحث سننے کے لیے وکلاء اور سیاستدان اور طلباء کا ایک ہجوم جمع ہو گیا۔ اس خیال سے کہ شور نہ ہو اور عدالت کی کارروائی میں رکاوٹ نہ پڑے، عدالت کا دروازہ بند کر دیا گیا، تاہم ہر ایک گھنٹہ کے بعد اندر آنے اور باہر جانے کے لیے دروازہ کھول دیا جاتا۔

پہلی مرتبہ جب بارہ بجے دروازہ کھولا گیا تو آنے جانے کے باعث اس قدر شور ہوا کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے جج حضرات اپنے غصے کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ اس بات کو محسوس کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے بڑے دلکش انداز میں فرمایا:

''ناراضگی معاف مائی لارڈ! یہ سب لوگ میرے مداحین ہیں، مجھے امید ہے کہ آپ اس پر کوئی حسد محسوس نہیں کریں گے۔''

اس بے ساختہ اور پراعتماد جملے پر جج صاحبان قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کے سحر میں کھو گئے اور مسکرا دیے۔

مدد اللہ خاں مردانی

وہ صوبہ سرحد کے ممتاز عالم دین اور جمعیت العلماء صوبہ سرحد کے جنرل سیکرٹری تھے، انہوں نے 30 مئی 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو ایک خط لکھا جس کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے تحریر فرمایا:

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابارہل بمبئی

2 جون 1942ء

جناب عالی!

مجھے آپ کا 30 مئی کا لکھا ہوا خط موصول ہوا اس میں آپ نے صوبہ سرحد کی جمعیت علماء کی طرف سے مجھ کو جو مشفقانہ اور ہمدردانہ پیغام بھیجا ہے۔ اس کے لیے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں نے وہ قرارداد نہیں دیکھی جو جمعیت نے 26 اپریل کو اپنے سالانہ اجلاس میں منظور کی، یہ بات نہایت ہمت افزا ہے کہ آپ تہ دل سے آل انڈیا مسلم لیگ کے نصب العین یعنی پاکستان کے حامی ہیں جس کے حصول کے لیے ہم نے اپنی زندگی اور موت کی بازی لگا رکھی ہے۔ انشاء اللہ ہم ہندوستان بھر کے مسلمانوں کی مدد سے اور اپنے اتحاد کے ذریعے اپنی منزل مقصود پر اس سے کہیں جلدی پہنچ جائیں گے جتنا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ ہمیں صرف ایک جھنڈے تلے اور ایک پلیٹ فارم پر یعنی آل انڈیا مسلم لیگ کے ماتحت متحد ہو جانا چاہئے، جو مسلمانوں کی واحد نمائندہ اور ذمہ دار جماعت ہے اور ہمیں پاکستان کے حصول کے لیے متحدہ طور پر زور لگانا چاہئے، جو مسلمانانِ ہند کا عقیدہ بن چکا ہے۔

آپ کی امداد کا شکریہ

آپ کا مخلص

ایم، اے، جناح

مدنی، مولانا حسین احمد

وہ برصغیر کے ممتاز عالم دین اور سیاسی رہنما و صدر جمعیۃ العلماء ہند، صدر مدارس دیوبند تھے۔ 18 اگست 1938ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مولانا حسین احمد مدنی کی ایک تقریر کے سلسلے میں جو انہوں نے 15 اگست 1936ء کو غازی پور میں کی تھی ایک بیان میں کہا:

''میں نے مولانا حسین احمد کے متعلق سنا ہے کہ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ عام انتخابات کے موقع پر ہم نے مسلم لیگ کی مخالفت اس لیے نہیں کی تھی کہ مسٹر جناح نے یقین دلایا تھا کہ مسلم لیگ کی پالیسی اب بدل گئی ہے، اور مسلم لیگ اب آزادئ کامل کی حامی ہے لیکن انتخابات کے ختم ہو جانے کے بعد جب مسٹر جناح ہی نے یہ کہا کہ وہ گفتگو تو محض ایک سیاسی چال تھی ہماری آنکھیں کھل گئیں۔

یہ سارا بیان سرتا پا غلط ہے۔ 1936ء میں جمعیۃ العلماء ہند کے بعض ارکان کیوں مسلم لیگ کے ساتھ مل گئے تھے اور لیگ کے امیدواروں کی انہوں نے کیوں تائید و حمایت کی تھی اور پھر فوراً ہی وہ کیوں لیگ سے الگ ہو گئے ہیں میرے لیے خود یہ ایک پراسرار معمہ ہے جسے میں حل نہیں کر سکتا۔''

مذہب

7 اپریل 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے صوبائی اور مرکزی اسمبلی کے مسلم ارکان سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''ہمارا مقصد تنگ نظری یا تعصب نہیں، ہم کسی ایسی مملکت کا قیام نہیں چاہئے، جو تنگ نظری اور تعصب پر قائم ہو۔ مذہب ہمیں انتہائی محبوب ہے۔ مذہب کے

مقابلے میں دنیا کی تمام دوسری چیزیں ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، لیکن بعض دوسرے امور بھی ہیں، جوملی زندگی کے لیے اہم اور ناگزیر ہیں۔ مجلس اور اقتصادی زندگی بھی کسی قوم کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ سیاسی قوت کے بغیر آپ اپنے مذہب کی حفاظت نہیں کر سکتے، اور نہ ہی اس کے بغیر اقتصادی زندگی کا تحفظ ہی ممکن ہے۔''

مذہب اور مذہبی حکومت

قائداعظم محمد علی جناح اگست 1941ء میں حیدر آباد تشریف لے گئے تو وہاں عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء نے بھی ان سے ملاقات کی اس ملاقات کی رپورٹ اورینٹ پریس نے ان الفاظ میں مرتب کی۔

سوال: مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

جواب: جب میں انگریزی میں مذہب کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورہ کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کے باہمی پرائیویٹ تعلق کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں، میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ مُلا نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے، البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلام کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی سیاسی ہو یا معاشی۔ غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو، قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور طریقہ کار نہ صرف مسلمانوں کے لیے بہترین ہے، بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لیے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جوحصہ ہے اس سے بہتر کا تصور ناممکن ہے۔''

مذہبی مسلک

قائداعظم محمد علی جناح کا مذہبی مسلک کیا تھا؟ وہ کس فقہ اسلامی کے پیرو تھے؟ اور عملی اعتبار سے ان کا ''اسلام'' کس حد تک مستحکم تھا؟ اس ضمن میں رئیس احمد جعفری رقمطراز ہیں:

''جناح کا تعلق شیعہ فرقہ سے ہے، لیکن وہ ان تنگ نظر فرقہ پرستوں میں سے نہیں ہے جو اپنے سوا ہر فرقہ کو کافر سمجھتے ہیں۔ وہ ایسے اہل حدیث نہیں جو دوسروں کے اقتداء میں نماز نہیں پڑھتے۔ وہ ایسے حنفی نہیں جو اہل حدیثوں کو ''وہابی'' اور ''گمراہ'' سمجھتے ہیں۔ وہ ایسا شافعی نہیں جو مالکی کے مذہب کو مشتبہ سمجھتا ہو۔ وہ ایسا حنبلی نہیں جسے شافعیت سے کد ہو۔ وہ ایسا سنی نہیں جو شیعوں کو کافر سمجھتا ہو۔ وہ ایسا شیعہ نہیں جو سنیوں سے نفرت کرتا ہو، وہ مسلمان ہے وسیع المشرب مسلمان، وہ ہر اس شخص کو مسلمان سمجھتا ہے جو محمد مصطفیٰ ﷺ کا کلمہ پڑھتا ہے اور خدا کو ایک مانتا ہو، وہ شیعہ ہے مگر شیعوں کے ساتھ سنی امام کے پیچھے سنی مسجد میں نماز پڑھتا ہے، اور بے دھڑک پڑھتا ہے۔''

''اس کی اس وسیع المشربی کی گواہ شاہ جہان اعظم کی بنائی ہوئی شاندار مسجد ہے، اورنگ زیب عالمگیر کی یادگار لاہور کی شاہی مسجد ہے۔ دلی کے فقیر دلق نشین اور تاجدار روحانی نظام الدین اولیاء کی خانقاہ ہے۔ کون انکار کرسکتا ہے ان حقائق سے؟ پھر بھی کچھ اخبار، حیہ ومتار اشرار فتنہ پندار اس کے مذہب پر طعن کرتے ہیں، اس کی مذہبیت کا مذاق اڑاتے ہیں۔''

عملی اعتبار سے قائداعظم محمد علی جناح کا ''اسلام''، ممکن ہے۔ ضعیف ہو، لیکن ہندوستان و پاکستان کے پچیس کروڑ

مسلمانوں میں کتنے ہیں، جو عملی اعتبار سے اسلام کی ہر تعلیم کا مکمل نمونہ ہوں؟ یقیناً یہ کوتاہی بھی افسوس ناک ہے، اور اس کا استیصال بھی ضروری ہے، لیکن یہ کوتاہی نگاہِ تعمق سے دیکھی جائے تو خانقاہوں میں بھی ہے اور حجروں میں بھی۔ مسجد کے زیر سایہ خرابات کی تاریخ تو بڑی پرانی ہے عمل کا درجہ اعتقاد کے بعد آتا ہے۔ کافر وہی ہے جو عمل اور اعتقاد کے اعتبار سے منکر ہو، لیکن اگر کسی شخص کا عمل کمزور ہے، اور اعتقاد میں کوئی خاص خامی نہیں ہے تو اس پر کفر کا فتویٰ کوئی نہیں دے سکتا۔

قائداعظم کی ذات اعتقادی نقطۂ نظر سے ''پختہ مسلمان'' ہی ہے۔ ان کا دل اسلام کی عظمت سے مالا مال تھا۔ ان کا دماغ ایک مسلم ہونے کے فخر سے معمور تھا۔ علمی و عملی تاریخ بھی ان کے سامنے تھی، انہوں نے دیگر مذاہب پر بھی ایک نظر ڈالی۔ ایک قانون دان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر مذہب سے واقف ہو۔ ہر مذہب کے احکامات، اور بات، تعلیمات و اوامر اس کے پیش نظر ہوں، لیکن کوئی بھی مذہب ان کے دل میں گھر نہ کر سکا۔ ایک بیرسٹر، ایک وکیل، ایک قانون دان کی حیثیت سے انہوں نے فقہ اسلامی کا بھی ہندو لاء کے ساتھ ساتھ اور مغربی قوانین، ذاتی و اجتماعی کا پہلو بہ پہلو مطالعہ کیا۔ اس طرح نادانستہ یا دانستہ طور پر وہ ''اسلام'' سے واقف تھے۔ اپنے ذاتی عقائد کو انہوں نے مختلف مقامات اور بیانات پر کئی بار واضح کیا تھا۔

بعض علماء جن میں جمعیت علماء، مجلس احرار اور نیشنلسٹ مسلمان شامل تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح پر کڑی نکتہ چینی کی، اور ''قرارداد لاہور'' کو اسلام دشمنی قرار دیا۔ 2 مارچ 1941ء کو وفاقی مسلم طلباء پنجاب سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''میں کوئی مولوی ہوں نہ دینیات کا فاضل اور نہ مجھے یہ ادعا ہے کہ میں اخلاقیات کا فاضل اجل ہوں، لیکن مجھے اپنے عقائد کا تھوڑا بہت علم ضرور ہے، اور میں اپنے عقیدے میں راسخ الاعتقاد ضرور ہوں۔ خدا کے لیے یہ بتا دو کہ قرارداد لاہور کو ''اسلام دشمنی'' سے کیا تعلق ہے؟ کیوں آخر یہ ''اسلام'' کے منافی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس امر کا اعتراف فرمایا ہے:

''میں نے مولانا شوکت علی سے خاصا اثر قبول کیا۔''

دسمبر 1938ء میں ایک تبلیغی وفد نے مولانا شبیر احمد تھانوی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا عبد الجبار، مولانا عبد الغنی پھولپوری اور مولانا معظم حسین پر مشتمل تھا، قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔ مولانا مرتضیٰ حسین چاند پوری اس وفد کے سربراہ تھے۔ اس ملاقات میں بہت سے مذہبی امور زیر بحث آئے۔ جنہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے حالات و خیالات میں انقلاب برپا کرایا۔ مولانا شبیر احمد تھانوی اور اس ملاقات کی تفصیل کو مستقبل بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''بدر دان گفتگو میں نے جناح صاحب سے یہ سوال کیا کہ آپ ہزاروں روپے خرچ کرا کے پنڈال وغیرہ بنواتے ہیں، اور لوگ گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرہ تکبیر بلند کرتے ہیں، اس میں کیا نفع ہے؟ جناح صاحب نے فرمایا:

اس سے غیر اقوام پر رعب پڑتا ہے۔''

میں نے کہا:

''میں ایک اور تدبیر بتا دوں، جس سے رعب زیادہ ہوگا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''وہ کیا؟''

میں نے کہا:

''جب دوران جلسہ میں نماز کا وقت آ جائے تو اس سوا ڈیڑھ لاکھ کے مجمع کو لے کر باجماعت نماز ادا کریں، پھر آپ دیکھیں گے کہ کتنا رعب پڑتا ہے۔''

اس پر جناح صاحب نے فوراً فرمایا:

''آپ فرماتے تو صحیح ہیں مگر میں اس وقت اس پر عمل کرنے سے معذور ہوں۔''

میں نے کہا:

''آپ کو کیا عذر ہے؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''آپ باجماعت نماز پڑھنے کو کہتے ہیں تو امام کس کو بناؤں؟ ممکن ہے کہ میرا خیال صحیح ہو کہ اگر میں امامت کروں، سب لوگ نہیں تو بہت بڑی اکثریت میرے پیچھے نماز پڑھ لے، مگر میں امامت کے قابل نہیں، مجھ میں اس کی اہلیت نہیں۔ اس لیے کسی دوسرے کو امام بنانا پڑے گا۔ اگر امام دیوبندی ہو گا تو بریلوی اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے، اگر بریلوی ہو گا تو دیوبندی نماز نہ پڑھیں گے، اور الگ جماعتوں سے بجائے رعب پڑنے کے اقوام غیر کو مسلمانوں کا اختلاف نمایاں ہوگا، اب تو اپنی اپنی مسجدوں میں نماز پڑھتے ہیں، اور یہاں آ کر کئی جماعتیں ہوئیں تو یہ زیادہ نمایاں ہوگا۔''

میں نے فوراً کہا:

''اب دوسری بات عرض کرتا ہوں کہ خود آپ پر تو نماز فرض ہے۔ آپ کیوں نہیں پڑھتے؟ آپ جلسوں میں اپنا معمول رکھیں کہ جب نماز کا وقت آ جائے۔ مصلیٰ بچھا کر اپنی نیت باندھ لیں اور کوئی پڑھے نہ پڑھے۔''

میری بات سن کر وہ آگے جھک گئے اور نہایت ندامت کے لہجے میں یہ الفاظ فرمائے:

''میں گنہگار ہوں، خطاوار ہوں، آپ کا حق ہے کہ مجھے کہیں، میرا فرض ہے کہ اسے سنوں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ نماز پڑھا کروں گا۔''

ان الفاظ کا اظہار قائداعظم محمد علی جناح نے ارکان کے وفد کے علاوہ بارہ تیرہ حضرات کی موجودگی میں کیا۔ مولانا شبیر احمد تھانوی کا بیان ہے:

''ان سب کے سامنے ان الفاظ سے بغیر کسی تامل کے اظہار ندامت اور اقرار اصلاح نے مجھے بہت متاثر کیا۔''

اس قسم کا اظہار کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ عظمت اور بزرگی کی زندہ مثال ہے۔ جو قائداعظم محمد علی جناح کے عظیم کردار پر دال ہے اور قائداعظم محمد علی جناح کے خطبات، بیانات اور تقاریر اس بات کا زندہ جاوید ثبوت ہیں۔

منشی عبدالرحمٰن رقمطراز ہیں:

''اس کے بعد حضرت تھانوی نے قائداعظم کے قول و کردار کا گہری نظر سے مطالعہ شروع کر دیا۔ آپ ان میں جب بھی کوئی بات خلاف شریعت دیکھتے، اس کی اصلاح کے لیے قائداعظم کے پاس فوراً ایک وفد یا خط بھیجتے۔''

دسمبر 1938ء کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے جو تقاریر کیں، ان سے مذہب اور سیاست کے متعلق ان کا نظریہ واضح ہو گیا کہ وہ اہل مغرب کی طرح مذہب اور سیاست کو ایک دوسرے سے الگ سمجھتے ہیں اور الگ رکھنا چاہتے ہیں۔

اس پر حضرت تھانوی نے مولانا شبیر علی کو بلایا اور فرمایا:

''جناح صاحب کی تقریروں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ مذہب اور سیاست کو الگ الگ سمجھتے ہیں اس کی بات ان کو سمجھانا ہے۔''

12 فروری 1939ء کو مولانا شبیر علی تھانوی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع دہلی پہنچے اور مذہب و سیاست پر قائداعظم محمد علی جناح سے گفت و شنید کی۔ اس سلسلے میں مولانا ظفر احمد عثمانی کا بیان ہے:

''وفد نے قائداعظم سے کہا کہ مسلمان تحریک میں اس

وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے، جب تک اس تحریک کو شریعت کے مطابق نہ چلائیں۔ اس تحریک کو چلانے والے کو خود مقام اسلام کا نمونہ نہ بنائیں، اور ان کے پیرو شعائر اسلام کی پابندی نہ کریں۔ کیونکہ جب یہ سب خود کو احکام دین کا پابند بنالیں گے تو اس کی برکت سے نصرت و کامیابی خود بخود ان کے قدم چومے گی، اور ان شاء اللہ بہت جلد کامیابی نصیب ہو گی۔''

مسلمانوں کی سیاست کبھی مذہب سے الگ نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے قائد مساجد کے امام ہی تھے اور میدان کے جرنیل بھی۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سب ہی مذہب و سیاست کے جامع تھے۔

''میرا تو خیال یہ ہے کہ مذہب کو سیاست سے الگ رکھنا چاہئے۔''

وفد نے کہا:

''پھر اس طرح کامیابی کی توقع نہیں۔''

اس موضوع پر پورے اڑھائی گھنٹے تک گفتگو ہوتی رہی، اور بالآخر یہ خانقاہ نشین علماء دنیا کے اس بڑے کامیاب سیاست دان کی سیاست کو مذہب کی حدود کے اندر لانے میں کامیاب ہو گئے، اور قائداعظم محمد علی جناح نے وفد کی معروضات کو تسلیم کرتے ہوئے اسے اپنے اس تاریخی فیصلہ سے آگاہ فرمایا:

''دنیا کے کسی مذہب میں سیاست، مذہب سے الگ ہو یا نہ ہو میری سمجھ میں اب خوب آ گیا ہے کہ اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں، بلکہ مذہب کے تابع ہے۔''

اتباع سنت'' کے سلسلے میں منشی عبدالرحمٰن رقمطراز ہیں:

''مجدد ملت، حکیم الامت حضرت تھانوی نے اپنے تبلیغی وفد کے ذریعے قائداعظم کی توجہ سب سے پہلے نماز کی طرف مبذول کرائی اور انہوں نے بہ کمالِ ندامت نماز نہ پڑھنے کے گناہ کا ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے اقرار کرتے ہوئے نماز پڑھنے کا وعدہ فرمایا اور بعد ازاں تادم آخر پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔''

ایک دفعہ کوئٹہ میں انہیں شیعہ وفد ملا اور اس نے ایثار استحقاق ظاہر کرتے ہوئے یہ کہا:

''آپ ہمارے فرقہ میں سے ہیں۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے پوری جرأت سے فرمایا:

"No I am a Muslim."

قائداعظم فرقہ وارانہ امتیاز کو قطعاً ناپسند کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اینگلو عریبک دہلی کالج میں مسلم خواتین و طالبات کو خطاب کرتے ہوئے کھلے الفاظ میں فرمایا تھا:

''اب مسلمانوں کی نجات اس میں ہے کہ وہ متحد ہو جائیں، وہ شیعہ، سنی اور وہابی کے امتیازات کو بالائے طاق رکھ دیں۔''

اس سلسلے میں ممتاز حسن احسن جنہیں قائداعظم محمد علی جناح کی رفاقت کا شرف حاصل رہا ہے، لکھتے ہیں:

''قائداعظم کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ وہ جمعہ کی نماز لندن کی کسی مسجد میں ادا کریں۔''

انہوں نے گرم جوشی سے یہ تجویز منظور فرمائی اور یہ بھی کہا:

''میں اس مسجد میں جانا پسند کروں گا، جہاں عام مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔''

ہم نے ایسٹ انڈیا کی ایک مسجد جو غریب مسلمانوں کی آباد کی ہوئی ہے، منتخب کی، وہاں قائداعظم پہنچے تو خطبہ ہو رہا تھا، کچھ لوگ کھڑے ہو گئے اور اگلی صفوں

میں ان کے لیے جگہ خالی کر دی، مگر انہوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

''میں دیر سے آیا ہوں، اس لیے جہاں مجھے جگہ ملی وہی میرے لیے مناسب ہے۔''

(اسلام اور قائداعظم، صفحہ 41)

ایک سچے مسلمان کی طرح قائداعظم محمد علی جناح کو شخصیت سے بھی نفرت تھی، چنانچہ ذیل کا واقعہ اس سلسلے میں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

''24 دسمبر 1945ء کو ای وارڈ ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کے چند کارکن قائداعظم محمد علی جناح کے دولت خانہ پر ایک جلسہ میں شرکت کی دعوت دینے گئے۔ ان میں ایک شخص نے مصافحہ کرتے ہوئے جوشِ عقیدت سے مجبور ہو کر آپ کے ہاتھ کو چوم لیا۔ یہ حرکت دیکھ کر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''لوگوں کو چاہئے کہ مجھے معمولی آدمی تصور کریں، پیر و مرشد نہ سمجھ لیں، اس طرح لوگوں میں غلامی اور تباہ کن طریقوں پر سر جھکانے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ جسے عرف عام میں شخصیت پرستی کہتے ہیں، اور یہ مرض نقصان دہ اور ضرر رساں ہے، اور اسلام میں ناروا اور ناجائز ہے۔'' (اسلام اور قائداعظم، صفحہ 42)

اس ضمن میں جناب شباب مفتی نے ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ مفتی صاحب پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے روح رواں تھے، اور انہوں نے تحریک پاکستان میں سرگرم حصہ لیا۔ اس سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح سے بھی ان کی متعدد ملاقاتیں ہوئیں، مفتی صاحب رقمطراز ہیں:

''اس روز پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ایک وفد نے قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے درخواست کی، بانی پاکستان نے طلبہ کو اگلے روز شرفِ ملاقات بخشا، یہ وفد ڈاکٹر ضیاء الاسلام، میاں بدیع الزمان، شیخ خورشید احمد اور محمد حنیف شاہد پر مشتمل تھا۔ سلام عرض کرنے کے بعد قائداعظم کے اشارہ پر جب وفد کے ارکان بیٹھ گئے تو گفتگو کا آغاز اس طرح ہوا کہ آپ کی قیادت میں اور آپ کی شبانہ روز مساعی سے اسلامی مملکت معرض وجود میں آگئی ہے اور بعض مسلمان آپ سے اس قدر عقیدت رکھتے ہیں کہ آپ ہی کو مسیح موعود سمجھتے ہیں۔ یہ سن کر قائداعظم چونک اٹھے، اور اپنے مخصوص و منفرد بارعب انداز میں فرمانے لگے:

نہیں، ایسا نہ کہیئے! براہِ کرام ایسے خیالات کی پُرزور تردید کیجئے۔ میں تو ایک معمولی گنہگار مسلمان ہوں، یہ صرف اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے کہ اس نے مجھے مسلمانوں کی خدمت کی توفیق بخشی ہے، اور ہماری مساعی کو کامیابی سے سرفراز فرمایا ہے میں کوئی پیر یا عالم نہیں ہوں۔ یہ صرف اللہ کا احسان ہے کہ اس نے لوگوں کے دلوں میں میرے لیے اس قدر عقیدت اور ارادت پیدا کر دی ہے کہ کوئی بڑا پیر یا عالم میرے خلاف کوئی بات کہے تو اس کے مرید اور عقیدت مند اسے خانقاہ یا مسجد سے نکال دیں۔ بہر حال یہ سب اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے مسلمانوں کی خدمت اور نجات کے لیے منتخب فرمایا۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگ اپنے اندر ایسی صفات پیدا کر لیں، جو خدا کو پسند ہوں اور خدا کے بندوں کے لیے مفید ہوں، اور اس طرح خدا آپ لوگوں کو بھی ملک و قوم کی خدمت کے لیے منتخب فرمائے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ آپ اپنے اندر خلوص پیدا کریں، بے لوثی اور صداقت سے کام لیں، راست کرداری

۱۹۴۲ء میں قائدِاعظمؒ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے الٰہ آباد تشریف لائے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔

اور راست گفتاری سے آپ کے اندر اخلاقی اور روحانی قوت پیدا ہوگی۔ اس طرح آپ ملک وقوم کی خدمت کی سعادت بھی حاصل کریں گے اور اللہ بھی آپ کو اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے گا۔''

(اسلام اور قائداعظم، صفحہ 43)

بعض کوتاہ بین اور تنگ نظر متعصب لوگ قائداعظم محمد علی جناح کے مسلمان ہونے پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اگر ایسے لوگ دوسروں کی ذات میں کیڑے نکالنے کے بجائے اپنی ذات کا بغور مشاہدہ کریں اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں ''وہ خود کیا ہیں؟'' کیا قائداعظم سے بہتر مسلمان ہیں؟ قائداعظم نے تو اپنی پوری زندگی ملت اسلامیہ کے مفاد کی خاطر قربان کر دی۔ ان کی شبانہ روز محنتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان عالم وجود میں آگیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنا ذاتی مفاد قومی مفاد پر قربان کر دیا۔ یہ حضرات اتنا تو بتائیں کہ انہوں نے ملت اسلامیہ کو کیا دیا؟ یقیناً ان کا جواب نفی میں ہوگا۔ ایسے لوگوں کو جتانے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح نے ''نیویارک ٹائمز'' کے نامہ نگار مقیم ہندوستان کو 12 فروری 1946ء کو جو بیان دیا اس میں فرمایا:

''اگر برطانیہ نے پاکستان کے قیام کے سلسلے میں انحراف سے کام لیا تو مسلمان جنگ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ سارے ہندوستان میں مسلمان بغاوت کر دیں گے۔ برطانیہ کا فرض ہے کہ صحیح قدم اٹھانے میں اول بھی مسلمان ہوں اور آخر بھی مسلمان ہوں، اور مسلم کی حیثیت سے میں کسی دوسری چیز پر غور نہیں کرسکتا۔'' (اسلام اور قائداعظم، صفحہ 44)

مرتضٰی، مولوی سید

لاہور کے گلوب تھیٹر میں آل انڈیا مسلم لیگ کا ملتوی شدہ سالانہ اجلاس 24 مئی 1924ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے دوران ایک کمیٹی تشکیل دی گئی اس کمیٹی کے ذمہ مرکزی حکومت کے لیے ایک دستور کے بارے میں دوسرے ہندوستانی اداروں سے مشورہ کرنا تھا۔ یہ کمیٹی جن ارکان پر مشتمل تھی ان میں مولوی سید مرتضٰی کے علاوہ درج ذیل ارکان شامل تھے قائداعظم محمد علی جناح، میاں سر فضل حسین، سر مقبول محمود، آغا محمد صفدر، مشیر حسین قدوائی، سید ظہور احمد، سید رضا علی، چوہدری خلیق الزمان، فضل الحق، آصف علی، نواب سرفراز حسین خاں، عبدالعزیز، شعیب قریشی اور چوہدری شہاب الدین۔

مردمِ آزاد

(دیکھیے: رشوت)

مردان

دسمبر 1945ء میں قائداعظم محمد علی جناح جب پشاور گئے تو انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کی تنظیم اور تحریک پاکستان کے لیے چندہ کی اپیل کی اس پر ہزاروں لوگوں نے اپنی نقدی۔ دستی گھڑیاں یہاں تک کہ قراقلی ٹوپیاں بھی تحریک پاکستان کے لیے چندہ میں پیش کیں۔ جلسہ گاہ میں نواب زادہ محمد اکبر نواب آف ہوتی نے اعلان کیا:

''اگر قائداعظم مردان تشریف لائیں تو میں مسلم لیگ کے فنڈ میں ایک مخصوص رقم جمع کراؤں گا۔''

قائداعظم ایک لمبے دورے اور شب و روز مسلسل کام کی وجہ سے کافی تھک چکے تھے۔''

انہوں نے کہا:

''تحریک پاکستان کے لیے کوئی چند روپے بھی دے گا تو میں اس کے پاس بھی جاؤں گا۔''

چنانچہ جب قائداعظم محمد علی جناح مردان پہنچے تو نواب آف ہوتی نے ان کی خدمت میں پچاس ہزار روپے اپنی طرف سے اور تیس ہزار روپے لوگوں کی طرف سے پیش کیے جنہیں قائداعظم محمد علی جناح نے بخوشی قبول کرلیا۔

صوبہ سرحد کا یہ مشہور شہر درہ مالاکنڈ کے سرے پر واقع مشہور فوجی چھاؤنی ہے، درگئی سے 27 میل اور پشاور سے 41 میل کی مسافت پر ہے۔ یہاں ایک چھوٹا سا عجائب گھر بھی ہے جو گندھارا تہذیب کی یاد دلاتا ہے۔ یہ شہر چٹنی، سگریٹ اور اسلحہ سازی کے لیے مشہور ہے۔ اس شہر کی آبادی ڈیڑھ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔

مردِ مومن

قائداعظم محمد علی جناح کے کردار کا نمایاں ترین نقش یہ تھا کہ آپ نہایت دیانتدار تھے، اور آپ نے کبھی ایسی بات نہ کہی جس پر آپ کو اعتبار نہیں تھا۔ آپ نے بڑے بڑے لالچ ٹھکرا دیے، لیکن اپنے مشن سے نہ ہٹے۔ آپ اپنی قوم سے بھی دیانتداری برتتے تھے اور دشمن سے بھی۔ ہندوؤں کے رہنما گاندھی نے روحانیت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا، لیکن عمل میں ریاکاری کی تصویر تھے، اور عوام کا دل موہنے کے لیے کئی قسم کے کرتب کھیلتے تھے، پہنتے لنگوٹی تھے اور رہتے آشرم میں تھے۔

لیکن غذا ایسی کھاتے جس کا تصور لنگوٹی پہننے والے غریب عوام خواب میں بھی نہیں کر سکتے تھے، پھر وہ مرن بھرت رکھتے تھے۔ اندر کی آواز کا انتظار کرتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح ایسی کسی تقویت کے قائل نہیں تھے۔ وہاں جو آواز آتی، اندر سے آتی تھی۔ آوازیں کبھی مختلف نہیں ہوتی تھیں کیونکہ قائداعظم محمد علی جناح کا اندر اور باہر یکساں تھا۔

مرغوب غذا

قائداعظم محمد علی جناح کو کھانے میں کوئی خاص ڈش مرغوب نہ تھی، آپ پاپڑ کھانے کے بہت شوقین تھے۔ وہ بھی ایسے جن میں مرچیں بہت کم ہوں۔

مرقع قائداعظم

اس کتاب کو آغا اشرف نے مرتب کیا اور مقبول اکیڈمی لاہور نے شائع کیا اس کی ابتداء ممتاز شاعر ناصر زیدی کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

ہم وہ ہیں جن کی روایات سلف کے آگے
چڑھتے سورج تھے نگوں
قیصر و کسریٰ تھے زبوں
گردش وقت سے اک ایسا زمانہ آیا
ہم نگوں سار و زبوں حال و پراگندہ ہوئے
سال ہا سال کی اس صورت حال کے بعد
ایک انسان اٹھا ایسا کہ جس نے بڑھ کر
عزم و ہمت کا، شجاعت کا چلن عام کیا
اور برسوں کی غلامی کے شکنجے میں کسے
راہ گم کردہ بھٹکتے ہوئے انسانوں کو
لفظ آزادئ جمہور سے آگاہ کیا
اک نئے دور درخشندہ کا پیغام دیا

مردم شماری 1941ء

1941ء کی مردم شماری میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں سے کہا تھا:

''آپ نسل اور فرقہ کے خانہ میں خود کو مسلمان لکھیں۔''

مرکزی پارلیمانی بورڈ

آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر منتخب ہونے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ مسلم لیگ کی تنظیم نو بڑی ضروری ہے چنانچہ آپ نے شبانہ روز محنت کر کے صوبوں کے مختلف رہنماؤں سے تبادلہ خیال کیا۔ مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوششوں کی شدید مخالفت کے باوجود قائداعظم محمد علی جناح، علامہ اقبال، ملک برکت علی، مولانا شوکت علی، سردار عبدالرب نشتر، ایم اے ایچ اصفہانی اور راجا صاحب محمود آباد کے مشورے سے 54 افراد پر مشتمل مرکزی پارلیمانی بورڈ کے قیام میں کامیاب ہو گئے۔

8 جون 1936ء کو لاہور میں مرکزی پارلیمانی بورڈ کا جو اجلاس منعقد ہوا اس میں قائداعظم محمد علی جناح کے مجوزہ قاعدے قوانین اور منی فیسٹو کی منظوری دی گئی۔ جن میں آل انڈیا مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام کی وضاحت کی گئی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کو بورڈ کا صدر، راجا امیر احمد خاں صاحب محمود آباد خزانچی اور عبدالمتین چوہدری سیکرٹری منتخب کیے گئے۔

مختلف صوبوں سے مرکزی پارلیمانی بورڈ کے ارکان کے نام یہ ہیں:

بنگال:

1. نواب آف ڈھاکہ
2. مسٹر فضل الحق
3. خان بہادر عبدالمومن
4. مولانا اکرم خاں
5. مسٹر حسین شہید سہروردی
6. مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی
7. مسٹر ایچ ایم اصفہانی
8. مسٹر مجیب الرحمان

مدراس:

1. سید مرتضیٰ صاحب بہادر
2. مسٹر عبدالحمید خاں میئر مدراس
3. مسٹر جمال محمد
4. مسٹر پوکر

متحدہ صوبجات:

1. نواب اسماعیل خاں
2. نواب زادہ لیاقت علی خاں
3. راجا صاحب محمود آباد
4. راجا سلیم پور
5. مولانا شوکت علی
6. مسٹر خلیق الزمان
7. مولانا حسن احمد

بہار:

1. مسٹر قاضی احمد حسین
2. مولانا سجاد پھلواری شریف
3. شاہ مسعود احمد ایکس ایم ایل اے
4. مسٹر اے حفیظ ایڈووکیٹ
5. مفتی کفایت اللہ

وسطی صوبجات:

1. مسٹر رؤف شاہ بی اے ایل ایل بی
2. مسٹر سیرف بارایٹ لاء

آسام:

1. مسٹر عبدالمتین چوہدری
2. مسٹر ایم اے رزاق

سندھ:

1. شیخ عبدالمجید سندھی
2. حکیم فتح محمد شروانی

۴ مولوی محمد صدیق کھڈہ
۵ محمد ہاشم گزدر

شمال مغربی سرحدی صوبہ (خیبر پختونخواہ):

۱ ملک پیر بخش ایم ایل سی
۲ مولانا اللہ بخش یوسفی
۳ مولانا عبدالرحیم غزنوی
۴ ملک خدا بخش بی اے ایل ایل بی ایم ایل سی

پنجاب:

۱ سر محمد اقبال
۲ مولانا محمد اسحاق خاں مانسہروی
۳ غازی عبدالرحمٰن بی اے
۴ سید زین العابدین
۵ میاں عبدالعزیز
۶ مولانا عبدالقادر قصوری
۷ راجا غضنفر علی خاں
۸ شیخ حسام الدین
۹ چوہدری افضل حق ایم ایل سی
۱۰ چوہدری عبدالعزیز آف بیگوال
۱۱ خواجہ غلام حسین پلیڈر

دہلی:

۱ مولانا احمد سعید

بمبئی:

۱ سر سلیمان قاسم مٹھا
۲ مسٹر آر ایم چنوئے
۳ مسٹر ابوبکر بیگ محمد
۴ مسٹر آئی آئی چندریگر
۵ ٹھاکر صاحب آف کیرواڈا
۶ خان بہادر صلاح الدین

مری

قائداعظم محمد علی جناح 1944ء میں کشمیر کے دورے سے لوٹے تو مری تشریف لائے تو لوئر ویول کے بزرگ رہنما بابا امیر احمد خاں نے انہیں پھولوں کا ایک گلدستہ پیش کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے یہ گلدستہ اپنی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کو دیتے ہوئے بابا امیر احمد سے سوالیہ انداز میں پوچھا:

''بابا جی آپ یہ بتائیں کہ میں کون ہوں، اور میرا مشن کیا ہے۔''

انہوں نے جواب دیا:

''آپ مسلمانوں کے رہنما قائداعظم محمد علی جناح ہیں اور آپ مسلمانوں کی آزادی کے لیے کوشاں ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب آپ کی محنت رنگ لائے گی۔''

قائداعظم محمد علی جناح جب اسٹیج پر پہنچے تو حافظ عبدالرشید قریشی نے سورہ الرحمٰن کی تلاوت کی ازاں بعد مری میں مسلم لیگ کے روح رواں خواجہ محمود احمد منٹو اور حاجی اعتبار خاں نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں 500 روپے کی تھیلی پیش کی۔ مری مسلم لیگ کی جانب سے محترمہ فاطمہ جناح کو بھی اتنے ہی روپوں کی تھیلی دی گئی اس جلسے سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں جانتا ہوں کہ مری کا پتہ پتہ مسلم لیگی ہے، لیکن ہمیں سامنا ہے ہندو کانگریس اور انگریز سامراج کا۔ چکی کے یہ دو پاٹ ہمیں پیس دینے پر تلے ہوئے ہیں آپ دونوں پاٹوں کے درمیان لوہے کے چنے بن جائیں، تاکہ پسے نہ جائیں۔''

مری راولپنڈی سے 32 میل کی دوری پر واقع پاکستان کا صحت افزا مقام ہے۔ یہاں ٹی بی سینی ٹوریم، متعدد بڑے ہوٹل اور کالج بھی ہیں سیاحوں کی جنت کے طور پر مشہور ہے۔

یہاں ہر سال ہزاروں لوگ سیاحت کے لیے جاتے ہیں۔

مریض قوم کے ڈاکٹر

علامہ سید سلیمان ندوی عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے۔ انہوں نے دسمبر 1916ء میں لکھنؤ میں منعقدہ آل انڈیا مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں شرکت کی اور قائداعظم محمد علی جناح کی سیاسی بصیرت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی شان میں ایک نظم لکھ دی اس نظم میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو ''مریض قوم کے ڈاکٹر'' کا خطاب عطا کیا۔ نظم کے اشعار یہ ہیں:

اک زمانہ تھا کہ اسرار دروں مستور تھے
کوہِ شملہ جن دنوں ہم پایۂ زینا رہا
جب کہ داروئے وفا ہر درد کا درماں رہی
جب کہ ہر ناداں عطائی بوعلی سینا رہا
جب ہمارے چارہ فرما زہر کہتے تھے اسے
جس پہ اب موقوف ساری قوم کا جینا رہا
بادۂ حب وطن کچھ کیف پیدا کر سکے
دور میں یونہی اگر یہ ساغر و مینا رہا
ملت دیریں سے گو اصلی قویٰ بیکار ہیں
گوش شنوا ہے نہ ہم میں دیدۂ بینا رہا
پر مریض قوم کے جینے کی ہے کچھ کچھ امید
ڈاکٹر اس کا اگر مسٹر علی جینا رہا

مرے کالج

یہ سیالکوٹ کا قدیم ترین تدریسی ادارہ ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح 28 اپریل 1944ء کو پنجاب مسلم لیگ کانفرنس میں شرکت کے لیے سیالکوٹ تشریف لے گئے تو مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی دعوت پر مرے کالج تشریف لے گئے، انہوں نے کالج کے اساتذہ اور طلبا سے خطاب کیا۔

مرے کالج کا قیام 1889ء میں عمل میں آیا کالج کے 16 بڑے کمرے اور ایک بڑا ہال ہے۔ کالج کی مرکزی عمارت کی تعمیر 1909ء میں عمل میں آئی۔ کالج سے ملحقہ شفاخانہ حیوانات بھی ہے، اپریل 1989ء میں اس ادارے کا صد سالہ جشن منایا گیا۔ اس ضمن میں ایک تقریب بھی منعقد ہوئی جس سے وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد نواز شریف نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ کالج کے پرنسپل پروفیسر احمد رضا صدیقی نے تقریب کی صدارت کی۔ تقریب میں طلبا اور طالبات اور ان کے والدین کے علاوہ صوبائی وزیر تعلیم سردار ذوالفقار علی خاں کھوسہ صوبائی وزیر مواصلات چوہدری اختر علی، صوبائی وزیر اطلاعات ملک سلیم اقبال، قانون ساز اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر فرمان علی چوہدری اور دیگر معززین شریک ہوئے۔ وزیر اعلیٰ میاں نواز شریف نے اسے خود مختار ادارہ قرار دینے کا اعلان کیا۔

مریم

1916ء میں جب بیرسٹر جناح (قائداعظم) اپنے کیریئر کی بنیادیں استوار کرنے میں مصروف تھے، تو ان کی ملاقات مشہور ریاستی تاجر اور قانون ساز اسمبلی کے رکن سر ڈنشا پٹیٹ کی 16 سالہ بیٹی رتن بائی سے ہوئی۔ اس وقت قائداعظم محمد علی جناح کی پہلی بیوی ایمی بائی کی وفات کو 20 برس گزر چکے تھے۔

ان کے والد سر ڈنشا پٹیٹ کا شمار قائداعظم محمد علی جناح کے دوستوں میں ہوتا تھا۔ رتن بائی کے والد ڈنشا پٹیٹ کا تعلق بمبئی کے متمول ترین پارسی خاندان سے تھا۔ جو سوتی کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ اس خاندان کی امارت کی بنیاد ڈنشا پٹیٹ کے دادا نے 1785ء میں رکھی، جب وہ سورت سے بمبئی

آئے، اور ایسٹ انڈیا کمپنی میں بطور شپنگ کلرک ملازم ہو گئے، ان کے بیٹے مانک جی پٹیٹ نے بمبئی کی پہلی کاٹن مل قائم کی، جو پھیل کر مانک جی مل کمپلیکس اینڈ ٹارڈ پو کی شکل اختیار کر گئی۔ انیسویں صدی کے اختتام پر پٹیٹ خاندان نہ صرف بمبئی کے امیر ترین خاندانوں میں سے ایک تھا، بلکہ رفاعی کاموں میں اسے خاص مقام حاصل تھا۔

رتن بائی جنہیں رتی بائی بھی کہا جاتا تھا، 20 جون 1900ء کو بمبئی میں پیدا ہوا، اور امیر خاندان سے تعلق کی وجہ سے ان کی پرورش ناز ونعم سے ہوئی۔ رتی ایک خوبصورت، خوش لباس اور علم وادب کی دلدادہ شخصیت کی حامل تھیں۔

محمد علی جناح گرمیوں کی چھٹیاں پر فضا مقامات مثلاً نینی تال، دارجلنگ، شملہ اور میسوری میں گزارتے، وہیں ان کے مراسم رتی کے والد سے زیادہ بڑھے۔ دونوں دوست شام کے وقت گھڑ سواری پر نکلتے تو نوعمر رتی بھی ساتھ ہوتی۔ گھر میں دونوں دوستوں کی ملاقات کے دوران بھی رتی نہ صرف موجود ہوتیں، بلکہ گفتگو میں شرکت بھی کرتیں، ناز ونعم کے شاعرانہ ماحول میں پرورش پانے کے باعث ان کی زندگی اور سوچ کا انداز بالکل منفرد سا تھا۔ گیارہ سال کی عمر میں ہی ان کے والد ڈنشا نے الفرد لاریٹنی کا دیوان تحفتاً پیش کیا تھا، کتاب پر تحریر درج تھی:

''چاہنے والے پاپا کی طرف سے پیاری رتی کے لیے۔''

پھر تیرہ سے سولہ سال کی عمر تک رتی بائی سیتلے، کیٹی، براؤننگ اور بہت سے دیگر شعراء اور ادبا کے کلام، ڈرامے، افسانے اور ناولوں کا گہرا مطالعہ کر چکی تھیں۔ محمد علی جناح اس وقت تک سیاست اور قانون کے میدان میں صف اول میں جگہ پا چکے تھے۔

1917ء کے موسم گرما میں ڈنشا پٹیٹ نے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنے ساتھ دارجلنگ چلنے پر آمادہ کر لیا، اس سے پہلے ڈنشا فیملی، ماہتران کی پہاڑیوں میں چھٹیاں گزارنے جایا کرتی تھی۔ 1917ء کا موسم گرما دارجلنگ کی حسین فضاؤں میں بسر ہوا، اس دوران رتی بائی مکمل طور پر بمبئی پریذیڈنسی کے چوٹی کے قانون دان بیرسٹر جناح کی ذہانت، عظمت اور شہرت کی قائل ہو چکی تھیں۔ دونوں گھڑ سواری کے شوقین تھے، اور اب تو اکثر دونوں اپنے اپنے گھوڑوں پر سیر کو نکل جایا کرتے۔

رتی بائی نے جب محمد علی جناح کے بارے میں مختلف انداز میں سوچنا شروع کیا تو بیرسٹر جناح کے لیے یہ بڑی آزمائش کا مرحلہ تھا۔ پہلے تو محمد علی جناح نے رتی کو سمجھایا، اور اپنے اور ان کے درمیان موجود Age Difference سے قائل کرنے کی کوشش کی، لیکن رتی نے قائداعظم محمد علی جناح کی بات سے قائل ہونے کی بجائے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنے Point of View سے قائل کر لیا۔ رتی کے قائداعظم محمد علی جناح کو منانے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح ایک شام سر ڈنشا پٹیٹ کے پاس پہنچے اور باتوں ہی باتوں میں پوچھنے لگے:

''مختلف فرقوں کے افراد کے مابین شادیوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟''

سر ڈنشا پٹیٹ نے جو صورت حال سے بالکل بے خبر تھے، انہوں نے بہت زور دے کر کہا:

''ایسی شادیوں سے قومی یگانگت اور یکجہتی میں اضافہ ہو گا، ہو سکتا ہے بالآخر قریبی شادیاں فرقہ وارانہ منافرت کے خاتمہ کا آخری حل ثابت ہوں۔''

تب قائداعظم محمد علی جناح نے کوئی بھی وقت ضائع کیے بغیر اپنے بوڑھے دوست سے براہِ راست کہہ دیا:

''میں آپ کی بیٹی سے شادی کا آرزومند ہوں۔''

سر ڈنشا حیران رہ گئے، ادھر رتی بائی نے بھی اپنے والدین کو بیرسٹر جناح سے شادی کے فیصلے سے مطلع کر دیا، جو ابھی تک اسے صرف مسٹر جناح کا یک طرفہ معاملہ ہی سمجھ رہے

تھے، انہوں نے اپنی بیٹی رتی کو عمر کا فرق، مذہب اور رسم و رواج کا فرق بتا کر سمجھانے کی کوشش کی، نوبت کورٹ کچہری تک پہنچ گئی۔ عدالت میں فیصلہ ہوا۔ 20 فروری 1918ء یعنی جب تک رتی بائی 18 سال کی نہ ہو جائیں، اپنی مرضی سے شادی نہیں کرسکتیں۔

18 اپریل 1918ء کو رتی بائی نے باقاعدہ اسلام قبول کر لیا۔ ان کا اسلامی نام ''مریم'' رکھا گیا۔ اگلے روز 19 اپریل 1918ء کو ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر واقع ''ساؤتھ کورٹ'' نامی بنگلے میں ان کا نکاح ہوا۔

مزاح

قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں یہ بات بڑی مشہور ہے:

''وہ انتہائی سنجیدہ شخصیت تھے۔''

اگرچہ یہ بات بہت حد تک درست ہے لیکن وہ ظرافت کو بھی پسند فرماتے بقول فاطمہ جناح قائداعظم کو سینکڑوں لطیفے از بر تھے وہ جب ہنسانے پر آتے تو پہروں ہنساتے رہتے۔ قائداعظم محمد علی جناح سے متعلق چند مزاحیہ اور دلچسپ واقعات یہاں دیے جارہے ہیں۔

❶ ایک مرتبہ بیگم غلام حسین ہدایت اللہ نے قائداعظم محمد علی جناح کے بازو پر امام ضامن باندھا اتفاق سے روزنامہ ڈان کے مدیر مسٹر الطاف حسین بھی قائداعظم محمد علی جناح کے قریب کھڑے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنا وہ بازو مسٹر الطاف حسین کو دکھاتے ہوئے کہا:

''اب میں ڈان حملوں سے بھی محفوظ ہوں۔''

❷ قائداعظم محمد علی جناح جب لندن تشریف لے گئے تو ایک اخباری نمائندے نے ان سے یہ سوال کیا:

''آپ بھی کانگریس کے رکن رہ چکے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر فرمایا:

''ہاں جب میں بچہ تھا تو ابتدائی مدرسہ میں پڑھا کرتا تھا۔''

مزار قائداعظم

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد ان کی قبر پر شایانِ شان مزار تعمیر نہ کیا گیا، جس کا محترمہ فاطمہ جناح کو بڑا قلق تھا چنانچہ انہوں نے کراچی کے وسط میں مزار قائداعظم تعمیر کرنے کی خواہش کا اظہار کراچی کے ایڈمنسٹریٹر سید ہاشم رضا سے کیا۔ سید ہاشم رضا نے محترمہ فاطمہ جناح کی ہدایت پر قائداعظم محمد علی جناح کے مزار کے لیے موجودہ جگہ کا انتخاب کیا۔ محترمہ فاطمہ جناح نے بھی اس جگہ کو موزوں قرار دیتے ہوئے مزار کی تعمیر کی ہدایت کی۔

اس جگہ پر جھگیاں بنی ہوئی تھیں انہیں مسمار کر کے 65000 مربع گز جگہ مزار کے لیے مختص کی گئی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں 31 مئی 1976ء کو قومی اسمبلی اور سینٹ نے اس میں 171 ایکڑ رقبہ کے اضافے کا قانون پاس کیا۔

15 اگست 1957ء کو فرانس کے معماروں کی قومی انجمن نے حکومت پاکستان کے ایما پر قائداعظم محمد علی جناح کے مقبرہ کے لیے نقشوں کا عالمی مقابلہ کرایا۔ اس میں حصہ لینے والے پاکستانیوں سے کہا گیا:

''وہ داخلہ فیس تیس ہزار فرانسیسی فرانک میں ادا کریں۔''

یہ تیس ہزار پاکستانی روپے میں قائداعظم میموریل فنڈ کے ایگزیکٹو انجینئر کے پاس جمع کرانے کا اعلان کیا گیا لیکن کوئی بھی ڈیزائنز مطلوبہ ڈیزائن تیار کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ بالآخر بمبئی کے مشہور ماہر تعمیرات یحییٰ مرچنٹ کی خدمات حاصل کی گئیں انہوں نے کراچی آ کر قائداعظم محمد علی جناح کے لیے وقف کی گئی جگہ کا سروے کیا اور پھر اپنے کام کی ابتداء
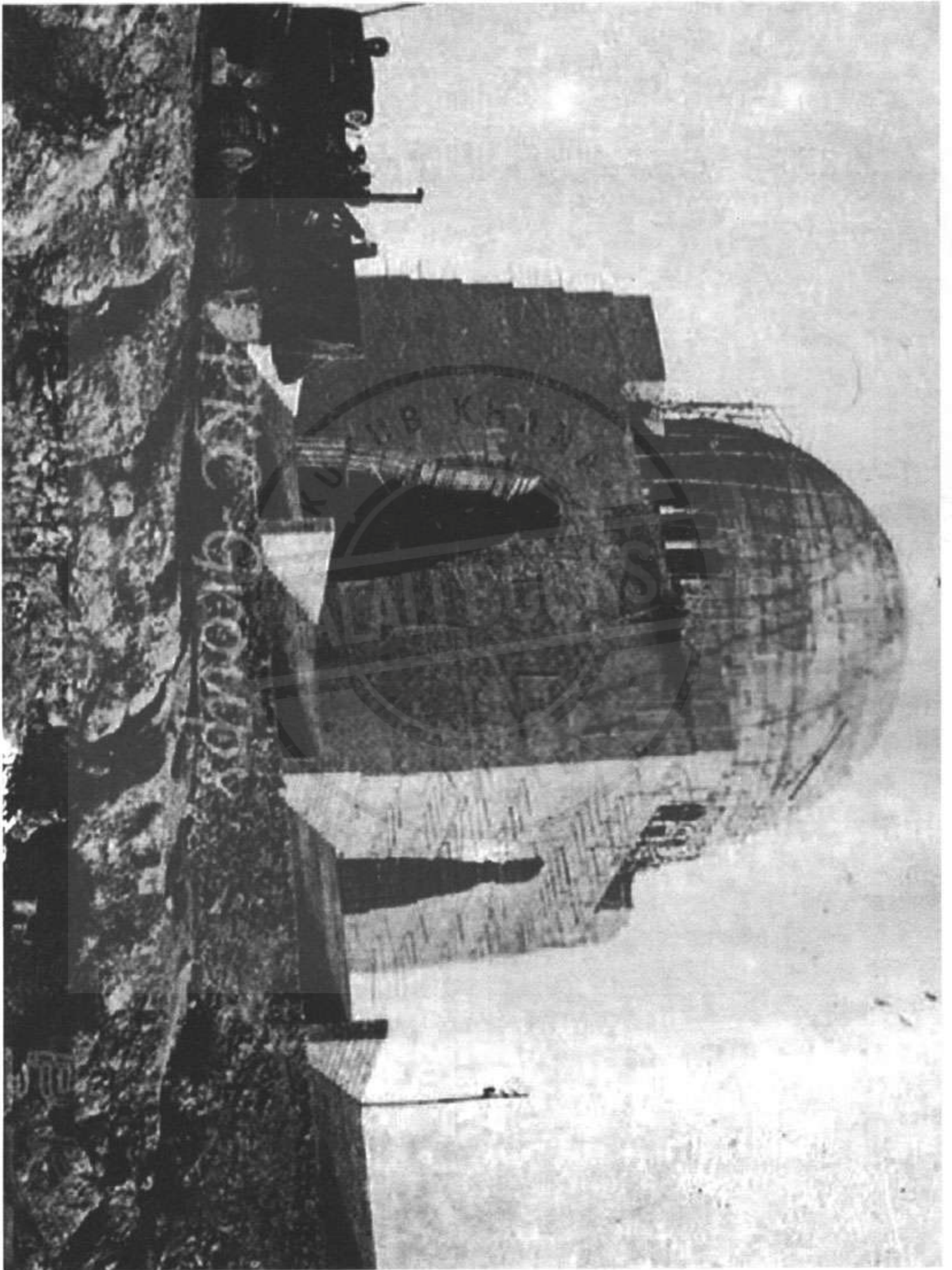
مزارِ قائد (زیرِ تعمیر) کراچی

کی۔ اس ضمن میں وہ محترمہ فاطمہ جناح اور دیگر پاکستانی حکام سے بھی ملتے رہے۔ 12 دسمبر 1959ء کو قائداعظم میموریل فنڈ کمیٹی نے ان کا بنا ہوا نقشہ منظور کر لیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کا مقبرہ کراچی کی پہلی عمارت ہے جس کی تعمیر کا کام شروع ہونے سے قبل ہی اس عمارت کو زلزلہ پروف بنانے کے لیے باقاعدہ طور پر منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ اس کی تعمیر میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا تھا کہ اس پر زلزلہ کے جھٹکے اثر انداز نہ ہوں مقبرے کے ڈیزائن کی تیاری کے وقت بھی اور تعمیر کے ہر مرحلے پر اس امر کو مدنظر رکھا گیا تھا کہ زلزلہ سے عمارت محفوظ رہے 31 جولائی 1960ء کو صدر محمد ایوب خان نے اس کا سنگ بنیاد رکھا اس کی تعمیر پر سوا کروڑ روپے کی لاگت کا تخمینہ لگایا گیا تھا۔ اس کا ڈیزائن برصغیر کے ممتاز ماہر تعمیرات مسٹر یحییٰ مرچنٹ نے تیار کیا مقبرے کی بنیادیں 60 تا 70 فٹ گہری کھودی گئی تھیں جن میں تہ بہ تہ لوہے کے جال بچھائے گئے تھے، مقبرہ کی چار دیواری کی چوڑائی تقریباً 11 فٹ ہے۔ جس کی چنائی سیمنٹ و کنکریٹ کی بڑی اینٹوں کے ذریعے کی گئی ہے یہ اینٹیں اس قدر مضبوط تھیں کہ 20 فٹ کی بلندی سے پختہ زمین پر گرنے کے باوجود نہیں ٹوٹتی تھیں۔ ان اینٹوں کے ذریعے دیوار کی چُنائی بھی عام اصول سے ہٹ کر کی گئی تھی، اور ہر چوتھے ردے کے بعد کھڑی اینٹیں لگائی گئی تھیں۔ اس طرح یہ اینٹیں اس طرح پھنسی ہوئی تھیں جیسے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائی جاتی ہیں۔ ماہر تعمیرات کے مطابق 11 فٹ چوڑی چار دیواری کی چنائی جب اس طرح کی جائے تو زلزلے کے شدید جھٹکے بھی ان میں معمولی دراڑ پیدا نہیں کر سکتے علاوہ ازیں اس کا سنگ مرمر بھی بڑا مضبوط ہے۔ یہ سنگ مرمر مردان سے 35 میل دور کھنڈ تر کھاٹ کی پہاڑی سے لایا گیا تھا، اور مغربی جرمنی کی لیبارٹری میں چیک کرایا گیا تھا۔

مقبرہ کی تعمیر کے سلسلے میں سوئٹزرلینڈ کی فرم میسرز سوس بورنگ پاکستان لمیٹڈ نے بنیادوں کو استوار کرنے کا کام کیا۔ اس ضمن میں تعمیراتی مشیر انجینئر خان بہادر محمد سلمان تھے بنیادوں کا کام چھ ماہ میں مکمل کیا گیا۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی قائداعظم محمد علی جناح کے مقبرے کی تعمیر کے سلسلے میں جمالیاتی پہلوؤں کے بارے میں مشیر مقرر کیے گئے۔ انہوں نے گنبد کے اوپر کلس کی سفارش کی، چاروں گوشوں پر چار بُرجیاں بھی تعمیر کرنے کو کہا۔

صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے 31 جنوری 1960ء کو شام چھ بج کر 20 منٹ پر قائداعظم محمد علی جناح کے مقبرے کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے کہا:

"یہ پاکستانی قوم کے لیے انتہائی مسرت اور فخر کی بات ہے کہ آج ہم خدا کے فضل سے اس عظیم ذمہ داری کی تکمیل کے قابل ہو گئے ہیں جسے گزشتہ 12 سال میں نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔"

سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔

مولانا احتشام الحق تھانوی نے تلاوت کی۔ اس کے بعد قائداعظم میموریل فنڈ کمیٹی کی طرف سے صدر کو سپاسنامہ مولانا احتشام الحق تھانوی نے پیش کیا۔ اس موقع پر ایک لاکھ افراد وہاں موجود تھے۔ سنگ بنیاد چار فٹ لمبا اور دو فٹ چوڑا ہے سنگ بنیاد کی عبارت یہ ہے:

مزار قائداعظم محمد علی جناح

25 دسمبر 1876ء...... 11 ستمبر 1948ء

بروز اتوار 31 جولائی 1960ء بمطابق 6 صفر المظفر 1350ھ صدر پاکستان محمد ایوب خان نے نصب کیا۔

اس روز ساون کی 17 تاریخ اور بکرمی سال 2017 تھا اسی

روز یعنی 31 جولائی 1960ء کو حکومت پاکستان نے ایک سب کمیٹی وزیر داخلہ مسٹر شعیب کی نگرانی میں قائم کی۔ اس کے تین ارکان مقرر کیے گئے۔

5 اگست 1960ء کو آزاد کشمیر کی حکومت نے مرکزی حکومت کو قائداعظم محمد علی جناح کے مقبرے کے لیے عمارتی لکڑی مفت مہیا کرنے کی پیش کش کی، عمدہ قسم کی عمارتی لکڑی آزاد کشمیر کے جنگلات میں بکثرت ملتی ہے یہ پیش کش قائداعظم محمد علی جناح سے اظہار عقیدت کے طور پر کی گئی تھی۔

مزار کی بنیادوں میں قائداعظم محمد علی جناح کی سوانح حیات، پاکستان کے پرانے سکے اور قرارداد پاکستان کی دستاویز محفوظ کی گئی ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح کے مزار کے بالمقابل 24 دسمبر 1967ء میں حوض اور پارک کی تعمیر کا کام دو لاکھ روپے سے مکمل ہو گیا گنبد پر جو برصغیر کے بڑے گنبدوں میں شمار ہوتا ہے چھ لاکھ روپے لاگت آئی۔ گنبد کا قطر 70 فٹ ہے اس کی تعمیر 1964ء میں شروع ہوئی۔

سطح زمین سے مزار کی بلندی 411 فٹ ہے۔ مزار کا چبوترا 90x90 فٹ اور پلیٹ فارم 114x114 فٹ ہے۔ پلیٹ فارم کے گرد 40 فٹ کا پورا پلیٹ فارم پتھر کی سلوں سے بنا ہوا ہے تاکہ مزار گرد و غبار سے محفوظ رہے۔ مزار کی تعمیر میں 6 ہزار ٹن سیمنٹ 5 ہزار ٹن فولاد اور 21200 مکعب فٹ سنگ مرمر استعمال کیا گیا ہے۔ 29 جنوری 1970ء کو حکومت چین کی جانب سے دیا گیا فانوس مزار کے اندرونی گنبد میں نصب کیا گیا ہے جس کی لمبائی 80 فٹ اور وزن 26 ٹن ہے۔

مزار کے چار دروازے ہیں مرکزی دروازے پر ایک تختی نصب ہے، جس پر مزار کی تعمیر میں لینے والے افراد کے نام درج ہیں۔

جو درج ذیل ہیں:

1. ماہر تعمیرات...... یحییٰ مرچنٹ
2. ایگزیکٹو انجینئر...... زاہد حسین
3. ڈائریکٹر کراچی ڈیویلپمنٹ اتھارٹی.. اے کے خان
4. اسسٹنٹ انجینئر...... حافظ اسلام الدین

سنگ مرمر کی تزئین کا کام کرنے والے حضرات میں محمد اسحاق، احمد خان اور چاندی کا کام کرنے والوں میں لیاقت حسین، حافظ محمد صدیق کے نام قابل ذکر ہیں۔

مزار کے اندرونی حصے میں تعویذ پر سورۃ النصر پوری اور سورۃ فتح کی ایک آیت درج ہے۔ یہ کراچی کے مشہور خطاط عبدالحمید دہلوی نے لکھی۔

مزارِ قائداعظم محمد علی جناح سے دو فٹ کے فاصلے پر پیتل کی خوبصورت جالیوں کا اکیس فٹ آٹھ انچ لمبا اور سترہ فٹ 14 انچ چوڑا کٹہرا بنایا گیا ہے تاکہ چاندی کے کٹہرے کو محفوظ کیا جا سکے۔ چاندی کے کٹہرے کا وزن 18 ہزار تولے اور مالیت دو لاکھ 25 ہزار روپے ہے۔ ستمبر 1970ء میں جالیاں لگانے کے کام کا حکم صدر محمد یحییٰ خاں نے دیا تھا اور یہ کام تین ماہ میں مکمل ہوا۔

مرکزی دروازے سے اندر جائیں تو لحد تک جانے کے لیے 21 سیڑھیاں بنائی گئی ہیں۔ مرکزی دروازے سے مزار کی بیرونی سیڑھیوں تک 15 تالاب بنے ہوئے ہیں۔ ہر تالاب میں دو دو فوارے نصب ہیں۔ یہ نیلے رنگ کی ٹائلوں سے مزین ہیں۔ مزار کا اندرونی جنگلا سٹیل کا اور اس سے اندرونی چاندی کا ہے۔ مزار پر قائداعظم محمد علی جناح کی دونوں کاریں کیڈلک اور اولڈ پیکارڈ بھی رکھی گئی ہیں۔

30 اگست 1968ء کو صدر محمد ایوب خان نے قائداعظم محمد علی جناح کے مقبرے کی تعمیر کے کام کی نگرانی اور اس میں استعمال ہونے والے زیب و زینت کے سامان کا انتخاب کرنے کے لیے ایک بورڈ قائم کیا۔ یہ بورڈ پانچ ارکان پر

مشتمل تھا۔ صدر کے مشیر سید فدا حسین اس کے سربراہ اور اراکین میں مسٹر ایس ایم رضا (آڈیٹر جنرل پاکستان) محمد شفیع پی ڈبلیوڈی کے چیف انجینئر، رحمان کنسلٹنگ انجینئر، تاج الدین بھامانی آرکیٹکٹ اور مسٹر اے احمد شامل تھے۔

18 دسمبر 1969ء کو صدر پاکستان جنرل آغا محمد یحییٰ خاں نے مقبرہ کے بقیہ ماحول کی جلد انجام دہی کے لیے تین ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی۔

15 جنوری 1971ء کو یہ مزار عوام کے لیے کھول دیا گیا۔

14 اکتوبر 1971ء کو صدر پاکستان جنرل آغا محمد یحییٰ خان نے ایک آرڈیننس کے ذریعے مزار قائداعظم کے احاطہ کے اندر اور احاطہ سے باہر دس فٹ کے فاصلہ تک مظاہرہ کرنے جلسہ کرنے یا کسی دیگر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر پابندی عائد کر دی۔

اس اقدام کا مقصد مزار کا تقدس اور وقار برقرار رکھنا تھا۔ آرڈیننس کے تحت مزار کے احاطہ کے اندر کسی قسم کا ہتھیار لے جانے یا کوئی ایسی حرکت کرنے کی بھی ممانعت کی گئی جو مزار کے تقدس کے منافی ہو۔

خلاف ورزی کرنے والے کے لیے تین سال قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں مقرر کی گئیں۔

نیز قائداعظم میموریل فنڈ میں جمع شدہ رقم کو قائداعظم مزار فنڈ میں منتقل کر دیا گیا۔

یکم جنوری 1973ء سے مزار قائداعظم پر احترام کے طور پر فوج کے ایک یونٹ کا پہرہ لگا دیا گیا۔

15 جنوری 1971ء کو صدر محمد یحییٰ خاں نے قائداعظم محمد علی جناح کے مزار کی تعمیر میں حصہ لینے والے چار آرٹسٹوں کو پانچ پانچ سو روپے کے انعامات دیے۔

22 جنوری 1977ء کو وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے قائداعظم محمد علی جناح کے مزار کی آرائش کے لیے ایرانی ماہرین کا ڈیزائن منظور کیا۔

مزار قائداعظم کا سنگِ مرمر

15 اکتوبر 1984ء کی اشاعت میں روزنامہ جنگ میں میر نبی بخش زہری نے انکشاف کیا:

''مقبرہ میں خراب پتھر استعمال ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے دراڑیں پڑ گئی ہیں اور پتھر کا رنگ کالا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ مقبرہ پر جو سنگ مرمر لگا ہے وہ صوابی کا نہیں بلکہ ملاگوری کا ہے۔''

میر نبی بخش زہری نے اسے صوابی کا بتایا ہے۔ جناب محمد ولی اللہ خان نے روزنامہ جنگ 17 اکتوبر 1984ء میں نقطۂ نظر میں لکھا ہے:

''مقبرہ شروع ہونے سے قبل جب یہ معاملہ کہ کون سا سنگ مرمر عمارت میں استعمال ہو پیش آیا تو حکومت پاکستان نے جناب خان بہادر سلیمان کو اور مجھے یہ دیکھنے کے لیے دہلی بھیجا کہ رائے سینا نئی دہلی کی عمارت میں جو سنگ مرمر اور سنگ سرخ استعمال ہوا ہے اس کی اب کیفیت کیا ہے وہاں پہنچنے پر ماہر تعمیرات یحییٰ مرچنٹ جنہوں نے اس کا نقشہ تیار کیا تھا ہم دونوں کے ساتھ شامل ہو گئے تینوں نے عمارت کا بغور معائنہ کیا اور یہ تاثر لیا کہ سنگ مرمر اور سنگ سرخ دونوں ابھی تک بہت اچھی حالت میں ہیں۔ رائے سینا کی تعمیر میں جو سنگ مرمر استعمال ہوا ہے وہ مکرانہ کا ہے اور سنگ سرخ آگرہ کے پاس تائت پور کی اور اس کے آس پاس کی کانوں کا ہے۔ جناب مرچنٹ کا یہ خیال بلکہ اصرار تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح کے مقبرہ میں مکرانہ کا سنگ مرمر استعمال ہونا چاہیے واپسی پر خان بہادر نے حکومت کو رپورٹ پیش کر دی، مگر

جب محترمہ فاطمہ جناح کو پتہ چلا تو انہوں نے یہ فرمایا:
''قائداعظم محمد علی جناح کے مقبرہ میں پاکستان کا پتھر لگنا چاہیے۔''

اس وقت پاکستان میں سنگ مرمر کی دو کانیں تھیں ایک ملاگوری میں اور دوسری صوابی میں۔ صوابی کا تو پورا پہاڑ ہے اور جو پتھر وہاں سے نکالا جاتا ہے وہ سطحی ہے اور اس کی ساخت کے ذرات موٹے ہیں یہ پتھر زیادہ پائیدار نہیں ملاگوری کا پتھر سخت اور بے لوچ ہے، مگر اس کی ساخت کے ذرات باریک ہیں اس لیے یہ پتھر پائیدار ہے اور اچھا پالش لیتا ہے اس پر دھبہ اور رگیں بھی ہیں ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد یہ طے پایا کہ پتھر ملاگوری کا استعمال کیا جائے۔

مزار قائداعظم کے احاطہ میں

مزارِ قائد اعظم محمد علی جناح کے احاطہ میں محترمہ فاطمہ جناح، سردار عبدالرب نشتر، جناب نور الامین اور نواب زادہ لیاقت علی خان کی قبور ہیں۔

مساجد

قائداعظم محمد علی جناح کو اسلامی شعائر سے گہرا لگاؤ تھا۔ آپ کو اسلامی دنیا سے بڑا شغف رہا۔ اگرچہ آپ کو زندگی میں اتنے مسائل کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ کو زندگی میں عزت و تکریم کے ساتھ اتنی عظمت میسر آئی کہ کسی شخص کو نصیب نہیں ہوئی۔

25 فروری 1943ء کو تحریک پاکستان عروج پر تھی۔ آپ دہلی تشریف لائے۔ اجمیری گیٹ دہلی بعد از نماز عشاء آل انڈیا مسلم لیگ نے دہلی کی سرزمین پر تاریخی جلوس نکالا، آپ نے اس جلوس کی قیادت فرمائی۔ جلوس دہلی کے بازاروں سے گزرتا رہا، عوام بہت زیادہ تھے، دوسرا سرا دریا گنج میں تھا۔ ہندوستان بھر سے لیڈر آئے ہوئے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح سیاہ شیروانی اور جناح کیپ میں تھے۔ قافلہ رواں تھا۔ جب جلوس کسی مسجد کے سامنے سے گزرتا، جیسے جامع مسجد دہلی، سنہری مسجد، فوارہ چوک، فتح پور کی مسجد، ان تمام جگہوں سے گزرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح مسجد کے احترام میں کھڑے ہو جاتے، اور جب تک مسجد کا احاطہ ختم نہ ہوتا، ڈائس پر نہیں بیٹھتے تھے، اتنا بڑا جلوس تھا، عطر پاشی اور گل پاشی بھی تھی، انسان بے حساب تھے۔

اگلے روز اخبارات نے پانچ لاکھ انسانوں کا ذکر کیا۔ اتنے بڑے فقید المثال موقع پر مسجد کا احترام ان کے دل میں تھا۔ عالیشان باوردی نیشنل گارڈز ساتھ تھے، مگر ان کے ذہن میں اسلامی روایات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔

اب آئیے! ہم خود اپنی زندگی پر نگاہ ڈالیں۔ کتنے لوگ مسجد کا احترام کرتے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کس قدر شفاف تھی، اور انہیں اسلامی اقدار کا کس قدر پاس تھا، اور وہ کس قدر ایک اصول پرست انسان تھے۔

مستقبل کی تعمیر

قائداعظم محمد علی جناح بیرسٹری کی سند لے کر بحری جہاز سے وطن روانہ ہوئے، جو تین ہفتوں میں انگلستان سے ہندوستان آتا تھا۔ انہیں ان پریشانیوں اور مصائب کا خیال ستا رہا تھا، جو ان کے والد کو درپیش تھیں۔ ان کے والد کو امید تھی کہ بڑے بیٹے کی حیثیت سے محمد علی جناح ان کا بوجھ ہلکا کرسکیں گے۔ جہاز کراچی کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہوا، اور انہوں نے لوگوں کے ہجوم میں اپنے والد، بھائیوں، بہنوں اور چند رشتے داروں کو دیکھا تو ان کی نگاہیں والدہ کو تلاش کرنے لگیں۔ وقت نے ان کے ساتھ کتنا بڑا مذاق کیا تھا! کاش وہ اس وقت زندہ ہوتیں تو اس بات سے انہیں کتنی مسرت ہوتی کہ بیٹا بیرسٹر بن کر

انگلستان سے واپس آیا ہے اوراس کا مستقبل روشن تر ہو گیا ہے۔

گھر پہنچ کر والد نے محمد علی جناح کو بتایا کہ انہیں تجارت میں کسی قدر خسارہ ہوا ہے، اور یہ کہ انہیں کچھ تاجروں کو بھاری رقوم ادا کرنا ہیں، جن میں سے چند نے عدالت میں مقدمات دائر کر رکھے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح کے والد جناح پونجا کا خیال تھا:

''محمد علی کراچی کے کسی ممتاز وکیل کے پاس کام کرنے لگیں۔''

اس سلسلے میں انہوں نے دو فرموں ''ہر چند رائے کرشن داس اینڈ کمپنی'' اور ''لال چند اینڈ کمپنی'' سے بات چیت کی، جو ان کی قانونی مشیر تھیں۔ دونوں فرموں کے سربراہ اس نوجوان مسلمان بیرسٹر کو ملازمت دینے پر آمادہ تھے۔ اس زمانے میں صوبہ سندھ میں گنے چنے مسلمان بیرسٹر تھے، اور ان لوگوں کو یقین تھا کہ نوجوان محمد علی کو ملازم رکھنے سے انہیں کافی فائدہ ہو گا، لیکن محمد علی جناح تو کچھ اور ہی سوچ رہے تھے۔ کراچی میں پریکٹس کرنے کے بجائے انہوں نے بمبئی میں قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ بمبئی جیسے بڑے شہر میں محنتی اور جفاکش لوگوں کے لیے کہیں زیادہ مواقع موجود ہیں۔

والد کی دلی خواہش تھی کہ بیٹا کراچی میں وکالت کرے، جہاں ان کے کئی خاندانوں کے ساتھ انتہائی دوستانہ مراسم تھے۔ کراچی چھوڑ کر بمبئی میں وکالت کرنے کا خیال انہیں پسند نہ آیا۔ انہوں نے اپنے دوست اور پڑوسی رام جی بھائی پیٹھا بھائی سے کہا:

''آپ محمد علی کو اس ارادے سے باز رکھیں۔''

رام جی کی ہر ممکن کوشش کے باوجود محمد علی جناح اپنا ارادہ بدلنے پر آمادہ نہ ہو سکے۔ وہ ایک فیصلہ کر چکے تھے، انہوں نے طے کر لیا تھا کہ میں خود اپنی راہ بناؤں گا۔ وہ زندگی کے آلام کو اپنے تجربے کی اساس بنانے کے خواہاں تھے۔

مسز سروجنی نائیڈو، قائداعظم محمد علی جناح کی ابتدائی زندگی کے ان ایام کا تذکرہ کرتی ہوئی رقمطراز ہیں:

''یہ قسمت کا دھنی جو اچانک غیر متوقع غربت کا شکار ہو گیا تھا، محض اپنی پر کشش جوانی، جرأت اور اولوالعزمی کے بل بوتے پر دنیا کو مسخر کرنے نکل کھڑا ہوا۔''

انہیں اس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ بمبئی منتقل ہو جانے کا فیصلہ ان کی زندگی کا ایک اہم سنگ میل ثابت ہو گا، اور اس فیصلے کا ان کی آئندہ زندگی پر دور رس اثر پڑے گا۔ وہ اپنے والد، بھائیوں اور بہنوں سے رخصت ہو کر بمبئی روانہ ہو گئے۔

بمبئی کے ایک ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لے کر انہوں نے بمبئی ہائی کورٹ میں اپنا نام درج کرا لیا۔ یہ محض آغاز تھا، اور اس سلسلے میں انہیں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ حقیقی معنوں میں مشکل تو دفتر لے کر بیٹھنا اور با اعتماد بیرسٹر کی حیثیت سے شہرت حاصل کرنا تھی۔ اس سلسلہ میں انہیں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ مشکلات کسی ڈھلوان اور دشوار گزار پہاڑی کو سر کرنے سے کم نہ تھیں۔ یہ نوجوان جس کی آنکھوں میں ذہانت اور عزم کی چمک تھی۔ عدالتوں میں گھومتا پھرتا نظر آتا تو لوگ سمجھتے کہ یہ بھی کوئی بہت بڑا وکیل ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ انہیں کام شروع کرنے کے لیے کسی مقدمہ کی ضرورت تھی۔ وہ اپنی تخلیق کردہ دنیا میں شاندار انداز میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس سے کم صلاحیت کے افراد کے دفتروں میں ہجوم در ہجوم لوگ آتے اور منہ مانگی فیس ادا کرتے، اور وہ فورٹ ایریا میں اپنے چھوٹے سے دفتر میں قانونی کتب کے انبار پر جھکا کسی مؤکل کا انتظار کر رہا ہوتا۔

بمبئی ہائی کورٹ میں کسی بیرسٹر کی حیثیت سے نام درج کرانا، روزانہ عدالتوں کے چکر لگانا اور شام کو خالی ہاتھ تھکے ہارے ہوٹل واپس آ جانا بڑا صبر آزما کام تھا۔ کبھی کبھار کوئی معمولی مقدمہ مل جاتا، اور پھر انتظار کا یہی دور شروع ہو جاتا۔

اس طرح تین سال گزر گئے۔

انہیں اب خاصی کوفت ہونے لگی تھی۔ علاوہ ازیں کراچی میں ان کے خاندان کو طرح طرح کی دشواریاں درپیش تھیں، اور کسی نہ کسی مقدمہ کے سبب اس کے حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے جا رہے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح یہ سوچ کر بمبئی تشریف لائے تھے کہ یہاں رہ کر اپنے لیے مستقبل تعمیر کر سکیں گے مگر ان کی توقعات پوری نہ ہو سکی تھیں، اور وہ اپنے خاندان کی کوئی خاص مدد نہ کر سکے تھے، نا امیدی اور پریشانی کے باوجود وہ ہر شخص سے انتہائی خندہ پیشانی سے ملتے اور کسی کو اپنے احساسات کی ہوا تک لگنے نہ دیتے۔

جواشم ایلوا نے ان کی اس خوبی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

''وہ ہر تکلیف برداشت کرتے، لیکن منہ سے اف تک نہ کرتے، اور نہ کسی سے اپنا دکھ بیان کرتے۔''

ان دشوار حالات کے باوجود انہوں نے اپنے سماجی تعلقات قائم رکھے۔ وہ اکثر و بیشتر بمبئی کے کلبوں میں جاتے اور بمبئی کے ممتاز افراد کے ہاں دعوتوں میں بھی شریک ہوتے، جوانی میں وہ انتہائی پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ موہ لینے والی شخصیت کے مالک، دراز قد، دل میں کھب جانے والی آنکھیں جن سے ذہانت ٹپکتی تھی، لمبا چہرہ اور عوام کے دلوں پر حکمرانی کرنے والے افراد کی طرح غیر معمولی طور پر لمبے لمبے ہاتھ، نفیس ملبوسات میں وہ ہمیشہ دوسروں سے ممتاز نظر آتے۔ انہیں نفاست اور جامہ زیبی سے ہمیشہ لگاؤ رہا، اور زندگی کے آخری سانسوں تک ان کی یہ عادت اسی طرح قائم رہی۔

لارڈ ہارڈنگ، لارڈ چمسفورڈ اور لارڈ ریڈنگ کئی وائسراؤں کا کہنا ہے:

''ہمیں ہندوستان میں ان جیسا جامہ زیب اور نفاست پسند شخص دکھائی نہ دیا۔''

قدرت نے انہیں شخصیت کا جادو بخشا تھا، مگر معاشرہ انہیں وہ سہولیات فراہم کرنے سے گریزاں تھا۔ جن کے سبب وہ شایانِ شان زندگی گزار سکیں۔ ان کے ملاقاتی تو یہی سمجھتے کہ اس نوجوان کا مستقبل انتہائی تابناک ہے، مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کتنے صبر آزما حالات سے دوچار ہیں۔

آخر کار ان کا میل ملاپ کام آیا۔ ان کے ایک دوست نے جوان کی صلاحیت و ذہانت کا معترف تھا۔ بمبئی کے قائم مقام ایڈووکیٹ جنرل میکفرسن سے ان کا تعارف کرایا۔ میکفرسن اس نوجوان بیرسٹر سے بڑا متاثر ہوا، اور اس نے محمد علی جناح کو اپنے ساتھ کام کرنے اور اپنی لائبریری میں مطالعہ کرنے کی دعوت دی۔ قائداعظم محمد علی جناح میکفرسن کی اس فراخدلی کو کبھی فراموش نہ کر سکے۔ خاص طور پر اس لیے کہ اس زمانے میں کسی ہندوستانی بیرسٹر کے لیے ایک انگریز کی جانب سے ان جذبات کا اظہار غیر معمولی بات تھی۔

میکفرسن نے محسوس کیا کہ یہ نوجوان انتہائی پرکشش شخصیت، ذہانت اور قابلیت کا مالک ہے اور انتہائی فرض شناس بھی ہے۔ اس نے اپنے چند مقدمات محمد علی جناح کو سونپ دیے۔ اس زمانے میں قائداعظم محمد علی جناح سرکاری ملازمت کے بارے میں سوچ رہے تھے تاکہ وکالت کے میدان میں کامیابی کے غیر یقینی احساس کے پیش نظر آمدنی کی کوئی مستقل صورت نکل سکے۔ جب انہوں نے میکفرسن سے اس ارادے کا اظہار کیا تو اس نے محکمہ قانون کے ممبر سر چارلس الیونٹ سے ان کی پُرزور سفارش کی اور چند ہفتوں میں محمد علی جناح کو ''عارضی پریذیڈنسی مجسٹریٹ'' مقرر کر دیا گیا۔

انہوں نے محسوس کیا کہ کامیابی جو اب تک ان سے گریزاں رہی تھی، جیسے ان کی دسترس میں ہے۔ انہوں نے پریذیڈنسی مجسٹریٹ کی حیثیت سے جو مثالی خدمات انجام دیں۔ افسرانِ اعلیٰ نے ان کو سراہا اور جب اس عارضی اسامی کی مدت ختم ہوئی تو سر چارلس الیونٹ نے انہیں پندرہ سو ماہوار

مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ
1992-1919

سندھ کے ممتاز روحانی وسیاسی رہنما ہالہ ضلع حیدر آباد (سندھ) کے ممتاز مخدوم خاندان کے فرد اور گدی نشین تھے۔ 1919ء میں پیدا ہوئے۔ کئی زبانوں پر دسترس حاصل تھی اور انتہائی اعلیٰ ادبی ذوق کے مالک تھے۔ 1940ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور اپنے حلقہ اثر کے لوگوں کو مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کا مکمل ساتھ دینے کی تلقین کی۔ 1946ء کے انتخابات میں مکمل طور پر مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور اس کی کامیابی کیلئے انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ آزادی کے بعد 1953ء میں سندھ لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1962ء اور 1965ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر حیدر آباد کے حلقے سے دو بار قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1992ء میں آپ کا انتقال ہالہ حیدر آباد میں ہوا۔ پاکستان بھر میں ان کے مرید پھیلے ہوئے ہیں۔ کئی سماجی، ادبی اور تعلیمی اداروں کے ساتھ گہری وابستگی تھی۔ سندھی ادبی بورڈ کے چیئرمین رہے۔ جمعیت الشعراء سندھ اور بزم طالب المولیٰ کے صدر تھے۔ سندھی زبان کے بہت بڑے دانشور تھے۔

مشاہرہ کی جو اس زمانے میں بڑی بات تھی، ملازمت کی پیشکش کی، قائداعظم محمد علی جناح نے اس پر سر چارلس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ پیشکش مسترد کر دی اور فرمایا:

''میں اتنی رقم تو ایک دن میں کمانا چاہتا ہوں۔''

اس واقعہ کے بعد سر چارلس اولیونٹ طویل رخصت پر انگلستان چلے گئے، اور چند سال بعد ہندوستان واپس آئے، قائداعظم نے اپنے سیکرٹری ایم ایچسبد سے سر چارلس اولیونٹ کے ساتھ ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''انگلستان میں چھٹیاں گزارنے کے بعد سر چارلس اولیونٹ ہندوستان آئے تو انہیں بمبئی کے اوریئنٹ کلب میں مدعو کیا گیا۔ میں بھی اس کلب کا ممبر تھا اور اس موقع پر موجود تھا۔ سر چارلس میرے پاس آئے اور میری وکالت کا حال پوچھنے لگے۔ میں نے بتایا کہ میں دو ہزار روپے ماہانہ سے زیادہ کما رہا ہوں تو مجھے مبارکباد دی اور میرے عزم و ہمت کی تعریف کی۔ کہنے لگے:

''تم نے میری پیشکش مسترد کر کے اچھا کیا۔''

(از جی الانا۔ قائداعظم جناح، مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور)

مستقبل کی کتاب

(دیکھئے، سروجنی نائیڈو کی پیشین گوئی)

مستقبل کے معمار

طلباء کو قائداعظم محمد علی جناح مستقبل کا معمار کہتے تھے، ان کے نزدیک طلباء کسی زندہ اور باحمیت قوم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ باتیں جناب محمد اسلم سابق لائبریرین پنجاب پبلک لائبریری لاہور نے اپنے ایک مضمون میں لکھی ہے جس کا عنوان انہوں نے مستقبل کا معمار رکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''طلبا کا عزم و استقلال، جوش و ولولہ، جذبہ و لگن اور ان کی قربانیاں ملک کی آزادی کے حصول اور ملت کی ترقی و استحکام کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی آزادی اور پاکستان کے قیام کے لیے ہندوستان کے مسلم طلبا نے بھی قائداعظم کے فرمان کے تحت ناقابل فراموش خدمات سرانجام دی ہیں۔ انہوں نے قائداعظم کا پیغام ہندوستان کے ہر صوبے، ہر شہر، ہر گاؤں، ہر محلے، ہر گلی اور کوچے میں انتہائی جوش اور خلوص کے ساتھ پہنچایا، علی گڑھ کے طلبا کیا پنجاب کے طلبا کیا ہندوستان کے دیگر صوبوں کے طلباء سب نے مسلمانوں کی آزادی اور علیٰحدہ ملک کے قیام کا پیغام گھر گھر پہنچایا، ان کے نعرے ہر جگہ پہنچے، لے کے رہیں گے پاکستان اور پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ۔

ان طلباء کی شبانہ روز کوششوں سے کانگریس کے گڑھ صوبہ سرحد میں کانگریس کو شکست فاش ہوئی، اور مسلم لیگ کو شاندار کامیابی نصب ہوئی جس سے پاکستان کے قیام میں حائل زبردست رکاوٹ دور ہوئی۔ قائداعظم کو ان نوجوان طلباء پر زبردست اعتماد تھا اور ان کی بڑی قدر کرتے تھے، اور انہیں اپنی قومی فوج کا ہراول دستہ سمجھتے تھے۔ پاکستان کے قیام میں ہندوستان کے مسلم طلبا کا زبردست کردار ہے۔''

17 جنوری 1946ء کو اسلامیہ کالج لاہور میں ایک دل افروز اور دل آراء تقریر قائداعظم نے ارشاد فرمائی جس میں صوبہ کے اہم اور تشویش انگیز حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بھی فرمایا:

''پنجاب میں طلباء نے مسلم لیگ کے فروغ و استحکام میں بڑا نمایاں حصہ لیا ہے انہوں نے بڑے جوش و

خروش سے مسلم لیگ کا پیغام مسلمانوں تک پہنچایا ہے۔ پنجاب میں مسلم لیگ کی کامیابی اور کامرانی کے سب سے بڑے ستون یہی ہونہار نوجوان ہیں۔''

محمد اسلم کہتے ہیں:

''مجھے اس بات پر بڑا فخر ہے اور انتہائی خوشی ہے کہ قائداعظم کو نزدیک سے دیکھنے اور ان کے ارشادات دل پذیر سے مستفیض ہونے کے لیے میں ایک طالب علم کی حیثیت سے اس جلسہ میں بڑے ذوق و شوق سے شامل ہوا، اور ان کے انتہائی قریب بیٹھا۔ ان دنوں میری سیاسی سوجھ بوجھ تو اتنی زیادہ نہ تھی اور لاہور میں ہندو طلبا بھی کانگریس کے جلسے کیا کرتے تھے۔ جنہیں میں نے ویسے بھی سنا لیکن مجھے قائداعظم کو دیکھنے ان کے قریب بیٹھنے اور ان کے ارشادات سننے کا بہت شوق تھا جو بفضل خدا پورا ہوا۔ میں مسلم لیگ کے جلسوں میں نہایت شوق سے اکثر شامل ہوتا تھا، اور مجھے مسلم لیگ سے زبردست لگاؤ تھا۔''

جسٹس ذکی الدین (پنجاب ہائیکورٹ) نے تحریک پاکستان اور قائداعظم کے بارے میں اپنی یادیں مرتب کی ہیں جو ہفت روزہ زندگی لاہور 9-18 اگست 1971ء میں شائع ہوئی ہیں۔ اس میں آپ لکھتے ہیں:

''42ء سے 47ء تک کا زمانہ بہت نازک تھا۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کی حکومت تھی۔ مسلم طلباء نے قائداعظم محمد علی جناح کے پیغام کو قریہ قریہ پہنچا دیا جو کام مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے کیا وہ کوئی بڑی سے بڑی جماعت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اگر فیڈریشن لوگوں کو منظم نہ کرتی تو پنجاب میں جہاں یونینسٹ پارٹی کی حکومت تھی 46ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو 95 فیصد نشستیں نہ ملتیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کے عام طلباء پر بالخصوص اعتماد کا یہ عالم تھا کہ پنجاب کی سیاست میں جب کوئی اہم موڑ آتا تو فوراً فیڈریشن کے سرکردہ ارکان کو دہلی طلب کرتے اور ان سے مشورہ کرتے اور سیاستدانوں کی رائے پر ہمیشہ ان طلبا کی رائے کو ترجیح دیتے۔''

''ڈاکٹر ضیا الاسلام اور حمید نظامی اس سلسلے میں قابل ذکر ہیں۔''

آگے چل کر جناب جسٹس ذکی الدین لکھتے ہیں:

''آج کے نوجوان کو شاید خبر نہ ہو کہ پاکستان کن حالات میں بنا تھا، نئی نسل کو پاکستان کی قدر و قیمت کا احساس دلانے کے لیے ان تلخ حقائق اور اس سارے پس منظر کو بتانے کی ضرورت ہے نئی نسل کو جگاؤ کہ یہی وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ 14 اگست کا پیغام اور پاکستان کا مطالبہ ہے۔''

پاکستان کے قیام کے بعد بھی قائداعظم محمد علی جناح طلبا کا بہت خیال رکھتے تھے انہیں ان نوجوانوں سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں اور انہیں یقین تھا کہ پاکستان کے استحکام اور اس کی ترقی میں یہ طلبا اعلیٰ کردار ادا کریں گے۔ آپ نے مختلف مواقع پر طلباء سے یہ فرمایا:

''پاکستان کو اپنے جوانوں اور بالخصوص طلباء پر فخر ہے جو آزمائش اور ضرورت کے وقت ہمیشہ صف اول میں رہے ہیں۔

آپ مستقبل کے معمار قوم ہیں۔ اس لیے جو مشکل کام آپ کے سر پر کھڑا ہے۔ اس سے نپٹنے کے لیے اپنی شخصیت میں نظم و ضبط پیدا کیجئے مناسب تعلیم و تربیت حاصل کیجئے۔ آپ کو پورا پورا احساس ہونا چاہئے کہ آپ کی ذمہ داریاں کتنی زیادہ اور کتنی شدید

ہیں، اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہر وقت تیار اور مستعد ہونا چاہئے۔

اگر آپ اپنے ساتھ، اپنے والدین کے ساتھ اور اپنی مملکت کے ساتھ انصاف کرنا چاہتے ہیں تو آپ کا خاص کام یہ ہے کہ اپنی تعلیم پر پوری پوری توجہ دیں۔ عملی زندگی کی جدوجہد جو آپ کو درپیش ہونے والی ہے۔ اس کے لیے یہ واحد طریقہ ہے صرف اسی طریقے سے آپ اپنی مملکت کے لیے قابل قدر اثاثہ، قوت کا سرچشمہ اور باعث فخر بن سکتے ہیں۔ ملک کو جن بڑے اور اقتصادی مسائل کا سامنا ہے ان کے حل کرنے میں آپ صرف یہی طریقہ اختیار کر کے مدد دے سکتے ہیں کہ وہ دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور سب سے زیادہ طاقت ور قوموں میں اپنا مقام حاصل کر سکے۔'' (خطاب جلسہ تقسیم اسناد ڈھاکہ)

''آپ اپنی تعلیم سے بے اعتنائی نہ برتیں۔ یہ زمانہ آپ کے تعلیم حاصل کرنے کا ہے، اور اس کام میں آپ کو سخت محنت کرنی چاہئے۔ آپ کی تعلیمی زندگی کے یہ چند سال اگر ضائع ہو گئے تو پھر کبھی واپس نہیں آئیں گے۔''

(ضلع جالندھر پنجاب کے ایک طالب علم کے نام خط)

''آپ کی بھلائی آپ کے والدین کی بھلائی بلکہ ساری مملکت کی بھلائی اس میں ہے کہ آپ کی توجہ تحصیل علم کے لیے وقف رہے صرف اس طرح آپ خود کو زندگی کی جنگ کے لیے مسلح کر سکتے ہیں۔ اس زندگی کی جنگ کے لیے جو آپ کو عنقریب پیش آنے والی ہے، صرف اس طریقے سے آپ اپنی مملکت کے لیے طاقت اور فخر کا سرچشمہ بن سکتے ہیں، اور مسائل حل کرنے میں مدد دے سکتے ہیں، جو اس مملکت کو معاشرتی اور معاشی میدان میں درپیش ہیں۔''

(ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر طلبا سے خطاب۔ 24 مارچ 1948ء)

قائداعظم محمد علی جناح کے زریں اصول تھے حق گوئی، سچائی دیانت اور اسلام سے محبت، قائداعظم سچے مسلمان تھے۔ ان میں وہ تمام صفات موجود تھیں جو ایک مسلمان کے لیے لازمی ہیں۔ انہیں جمہوریت سے محبت تھی لیکن جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہو انہوں نے ایک بار فرمایا:

''یہ میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات صرف اسی میں ہے کہ ہم اپنے عظیم ترین قانون بخشنے والے پیغمبر اسلام ﷺ کے بنائے ہوئے زریں اصولوں پر کاربند ہوں۔ رسالت مآب ﷺ پوری دنیا کی عظیم ترین ہستی ہیں اور 1300 سال قبل ہی آپ ﷺ نے جمہوریت کی بنیادیں رکھ دی تھیں۔''

قائداعظم کا یہ فرمان ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ اتحاد، ایمان اور تنظیم اور یہ نعرہ بھی بھولنا نہیں چاہئے پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ۔

''قائداعظم زندہ باد پاکستان پائندہ باد۔''

مسٹر جناح

یہ کتاب مسٹر نعمان نے تصنیف کی۔ وہ آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس کے بانی اور جنرل سیکرٹری رہے۔ تقسیم سے قبل وہ مسلم لیگ کے سرگرم رکن تھے اور تحریک پاکستان کے دنوں میں انہیں قائداعظم محمد علی جناح کے قریب ہونے کا موقع ملا۔

ان کا دعویٰ ہے:

''قائداعظم محمد علی جناح نے مجھے تفصیلی نوٹس لکھوائے تھے جس کی بنا پر میری کتاب انتہائی معتبر مواد پر مشتمل ہے۔''

مسٹر جناح کی باطل شکن تقریر

(دیکھیے: مقدمہ غازی علم الدین شہید)

مسجد شہید گنج

(دیکھیے: شہید گنج کا قضیہ)

مسعود، ڈاکٹر محمد الیاس

وہ تحریک پاکستان کے رہنما اور قائداعظم محمد علی جناح کے جانثار سپاہی تھے۔ ان کے والد محمد الیاس قریشی نے لاہور میں منعقدہ پہلی پاکستان کانفرنس کے موقع پر قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کیا ازاں بعد انہوں نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے پلیٹ فارم سے تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کے لیے انتھک کوششیں کیں۔ 1946ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری بھی بنے۔ اس دوران قائداعظم محمد علی جناح نے 1942ء میں انہیں بہترین کارکن کا تمغہ دیا۔ انہوں نے قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آبادی کاری کے لیے کام کیا 1987ء میں حکومت پنجاب نے ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں تحریک پاکستان گولڈ میڈل سے نوازا۔

مسعود کھدر پوش

قائداعظم محمد علی جناح کے شیدائی تھے۔ مسعود کھدر پوش 26 جون 1916ء کو گمٹی بازار لاہور میں معالج شہنشاہ ایران ڈاکٹر غلام جیلانی کے ہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم مولانا غلام مرشد سے حاصل کی۔ 1935ء میں سنٹرل ماڈل ہائی سکول لاہور سے میٹرک کیا اور 1938ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ 1940ء میں پنجاب یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری لی اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔

1941ء میں انڈین سول سروس کا امتحان پاس کر کے آکسفورڈ یونیورسٹی سے سند لی اور سرکاری ملازمت میں آ گئے۔ ملازمت کا آغاز بمبئی سے کیا، اور 1972ء تک خدمات انجام دیں، ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر پہنچنے کے باوجود انتہائی سادہ زندگی بسر کی۔ کھدر کی شلوار اور کھدر کا کرتہ ان کا پہناوا تھا۔
ان کا پہلا تقرر بطور اسسٹنٹ کمشنر بمبئی میں ہوا، پھر وہ ضلع خاندیش میں بھیل قوم کی بغاوت فرو کرنے کے لیے گئے، اور وہاں بھائی چارے کی فضا قائم کی۔ سندھ میں جاگیرداروں اور کسانوں میں گڑبڑ رہتی تھی چنانچہ ہاری رپورٹ تیار کی۔ انہوں نے پنجابی زبان کے فروغ کے لیے بھی کام کیا اور اپنا ذاتی ماہنامہ حق اللہ جاری کیا۔ پنجابی ادبی بورڈ بھی قائم کیا اور اس کے صدر رہے، ان کے نام پر مسعود کھدر پوش ایوارڈ بھی جاری کیا گیا۔ ان کا انتقال 25 دسمبر 1985ء کو لاہور میں ہوا۔

مسعودی، آقائے محمد ملکی

وہ ایرانی صحافی اور ایڈیٹر تھے۔ روزنامہ اطلاعات کا تین رکنی وفد 2 اپریل 1948ء کو ایران سے پاکستان آیا تو اس وفد میں دیگر دو افراد آقائے عبدالرحمٰن فرامرزی ایڈیٹر کیہان اور آقائے احمد ملکی ایڈیٹر ہفت روزہ ستارہ شامل تھے۔
9 اپریل 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اس وفد سے کراچی میں گیارہ بجے صبح ملاقات کی۔ وفد اور قائداعظم محمد علی جناح کے مابین مختلف امور پر تبادلہ خیالات ہوا جن میں سندھ کابینہ کی برطرفی بھی شامل تھی۔
ایرانی وفد میں آقائے محمد ملکی بڑے سرگرم صحافی تھے۔ انہوں نے کہا:

"چونکہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اس لیے شاید مغربی پارلیمانی نظام یہاں کامیاب نہ ہو سکے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے آقائے ملکی کو بحث کی مکمل

آزادی دے دی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے بالآخر ریاست کے اسلامی تصور کو بالتفصیل بتایا اور کہا:

''پاکستان کے دستور میں تھیوکریسی، مُلا ازم اور صوفی ازم کے لیے کوئی جگہ نہیں ہونی چاہئے۔''

رخصت کا وقت آیا تو آقائے ملکی نے فارسی کی ایک رباعی پڑھی۔ یہ رباعی سنا کر آقائے ملکی نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکالی، اس میں ہرن کی کھال کے ایک ٹکڑے پر حضرت امام باقر کے دست مبارک کی تحریر کردہ آیات قرآنی کو قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں پیش کیا۔ جس کو دیکھ کر قائداعظم بے حد متاثر ہوئے۔ انہوں نے ڈبیہ ہاتھ میں پکڑی اور عینک پہن کر آیات قرآنی کا مطالعہ کیا، پھر بڑے ادب سے ڈبیہ کو مینٹل پیس پر سجا دیا پھر آقائے ملکی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''یہ نہ تو کیڑے مکوڑے کی ٹوٹی پھوٹی ٹانگ ہے اور نہ کسی معمولی چیونٹی نے اسے پیش کیا ہے۔ مزید براں میں کوئی بادشاہ بھی نہیں۔ یہ بیش بہا تحفہ ایرانی بھائیوں کی اخوت کا سچا مظہر ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے آقائے ملکی کا شکریہ ادا کیا اور کندھوں پر تھپکی دیتے ہوئے کہا:

''میں اسے ایران کا تیسرا تحفہ سمجھوں گا۔''

یہ سن کر تینوں ایرانی صحافی چونک اٹھے، اور معلوم کرنے لگے کہ آخر اس کے علاوہ دو تحفے کون سے ہیں قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''جو دوسرے تحفے ایرانی قوم کی طرف سے ملے ہیں۔ ایک تو یہ کہ انہوں نے پاکستان کو ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے فوری طور پر تسلیم کرلیا، اور دوسرا تحفہ قائداعظم امدادی فنڈ برائے مہاجرین میں ایرانی عوام کے فیاضانہ عطیات کی شکل میں تھا۔''

اپنے اس دورے کے دوران ایرانی وفد نے قائداعظم محمد علی جناح سے چار بار ملاقات کی۔ ایران واپسی پر آقائے ملکی نے ''یک ماہ در پاکستان'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس کا ایک چوتھائی یعنی تقریباً تیس صفحات پر وفد کی قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات اور مستقبل میں پاکستان کے خدوخال کے بارے میں قائداعظم کے خیالات پر مشتمل ہیں۔

مسلح افواج اور قائداعظم

برصغیر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے قائداعظم محمد علی جناح نے ایک علیٰحدہ وطن قائم کر کے دنیا کی تاریخ میں منفرد مقام حاصل کیا، قائداعظم محمد علی جناح اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ پاکستان جیسی نوزائیدہ مملکت کی بقاء صرف اسی صورت ممکن ہے جبکہ اس کا دفاع مضبوط ترین ہو۔ قائداعظم محمد علی جناح کا یہ پختہ یقین تھا کہ ان کی حکومت کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ پاکستان کو اس قدر مضبوط بنا دیا جائے کہ وہ کسی بھی جارح کی مہم جوئی کا موثر جواب دے سکے۔ 21 جولائی 1948ء کو پاک فوج کے افسروں سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے ارشاد فرمایا:

''یہ قدرت کا اٹل قانون ہے کہ جو بہترین ہے وہی بچ رہتا ہے، باقی مر جاتے ہیں، ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ہم اپنی اس حاصل کردہ آزادی کو قائم و دائم رکھنے کے قابل ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح بنیادی طور پر ایک امن پسند انسان تھے۔ وہ کسی مقصد کے حصول کے لیے تشدد یا جارحیت پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ 1948ء کے اوائل میں آرمی آفیسرز سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے ارشاد فرمایا:

''ہماری اس سے بڑھ کر اور کوئی خواہش نہیں کہ ہم خود

بھی امن کے ساتھ رہیں، اور دوسروں کو بھی امن کے ساتھ رہنے دیں، اور اپنے ملک کو کسی بیرونی مداخلت کے بغیر اپنے حقوق کے مطابق ترقی سے ہمکنار کریں اور عام آدمی کا معیار زندگی بہتر بنائیں۔''

لیکن تنازعات کو روکنے اور بلا امتیاز امن کو یقینی بنانے کے اہل ایک بین الاقوامی ادارے کی حیثیت میں اقوام متحدہ کی اہلیت پر یقین اور امن کے بارے میں اپنے عہد کے ساتھ انہیں اس ضرورت کا بھی شدت سے احساس تھا کہ پاکستان کو فوجی اور دفاعی لحاظ سے ناقابل تسخیر بنا دیا جائے۔ 23 جنوری 1948ء کو بحری جہاز ''دلاور'' کے جوانوں سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''اقوام متحدہ کا ادارہ خواہ کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو اپنے ملک کے دفاع کی بنیادی ذمہ داری ہم پر ہی عائد ہوگی، اور پاکستان کو ہر قسم کی صورت حال اور خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

امن کے ساتھ رہنے کے قابل، ناقابل تسخیر دفاعی نظام کی بنیادی اور اہم ضرورت پر زور دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے ''دلاور'' کے جوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اس بے ثبات دنیا میں کمزور اور دفاع سے محروم اقوام ہمیشہ دوسروں کی جارح نظروں کا لالچ بنی رہتی ہیں ہم امن کی اسی صورت میں بہتر طور پر خدمت کر سکتے ہیں کہ ہم دوسروں کی اس غلط فہمی کا تدارک کریں کہ ہم کمزور ہیں اور ہم کو جارحیت کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ ہم دوسروں کے ان مکروہ عزائم کا اسی وقت تدارک کر سکتے ہیں، اگر ہم خود کو اس قدر مضبوط بنا سکیں کہ کوئی ہمارے خلاف جارحیت کا ارتکاب کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔''

یہ وہ فلسفہ تھا جس پر قائداعظم محمد علی جناح نے جب بھی مسلح افواج کے ارکان سے بات چیت کی ہمیشہ زور دیا۔

آزادی کا تحفظ صرف اسی صورت ممکن ہے کہ وہ لوگ جنہیں اس کی ذمہ داری سونپی گئی ہے نظم وضبط، مکمل وفاداری، اپنے فرض سے بے لوث لگن اور جسمانی اہلیت سے پوری طرح مرصع ہوں، اور یہ ہی وہ لازمی خوبیاں ہیں جو ایک اچھا سپاہی بننے میں مدد دیتی ہیں۔ 15 اکتوبر 1948ء کو فوجی افسروں سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''کوئی شخص ہمیشہ عظیم خوبیوں کے بارے میں نہیں سوچ سکتا، اور بلاشبہ وہ بدقسمت انسان ہو گا اگر وہ خوبیوں اور صلاحیتوں کے تجزیے میں کھو جائے۔ یہ خوبیاں ہمارے اس ایک واحد جملے میں پنہاں ہیں۔ ''اپنی رجمنٹ سے وفاداری'' اور آپ کے پرچم ایک علامت ہیں، اور اس بات کی یاد دلاتے ہیں کہ آپ کی رجمنٹ کا کیا مقصد ہے۔ بعینہٖ جس طرح آپ کا وجود اپنی قوم کے لیے ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح اپنے خیالات کے اظہار کے لیے زبانی جمع خرچ پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار چند نپے تلے الفاظ میں لیکن پُرزور طریقے سے کیا، لہٰذا انہوں نے مسلح افواج پر واضح کیا کہ وہ ان میں سے ہر ایک سے جس بات کی توقع کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ اپنی متعلقہ رجمنٹ اور بلاشبہ اپنی قوم سے وفادار رہیں۔ ہر موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے مسلح افواج کے تینوں بازوؤں کی نہ صرف تعریف کی بلکہ ان کے لیے کچھ رہنما اصول بھی فراہم کیے۔ جب انہوں نے بکتر بند کور کو فوج کا ہراول دستہ قرار دیا، اور ماضی کے گھڑ سوار دستوں سے اس کا موازنہ کیا تو انہوں نے ان کی فوجی اہمیت کا اعتراف کیا۔ انہوں نے کہا:

''صبر وتحمل، بردباری اور ٹکرانے کی قوت جو کہ ماضی میں گھڑ سواروں کے خاص اوصاف تھے بکتر بند کور کو ان

اوصاف کو ہمیشہ رہنما اصول کے طور پر اپنایا چاہیے۔''

رسالپور میں 3 آرمڈ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کے دورے کے دوران قائداعظم محمد علی جناح نے افسروں اور جوانوں سے فرمایا:

''کیولری کو کسی بھی قوم کی اعلیٰ ترین کور تصور کیا جاتا تھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے دوسری جنگ عظیم میں اس بریگیڈ کی کامیابیوں اور کامرانیوں کو سراہا اور یاد دلایا کہ کس طرح اس بریگیڈ نے 14 آرمی کی مانی پور روڈ سے رنگون کی طرف پیش قدمی میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا:

''آپ کے بریگیڈ پر مشہور 14 آرمی کا جو بیج لگا ہے آپ کے کارنامے واقعی اس کے اہل ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے بریگیڈ کی اس لحاظ سے بھی تعریف کی کہ حصول آزادی کے بعد آٹھ ماہ کی مختصر مدت میں کس طرح اس نے اپنے آپ کو منظّم کیا، حالانکہ اس دوران اسے کئی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور نہ صرف مشرقی پنجاب اور دوسری ریاستوں میں رکے ہوئے لوگوں کو نکالا بلکہ اپنی سرحدوں کے اندر امن وامان کو بھی قائم رکھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''یہ ایک ایسی کامیابی ہے جس کا انحصار بلند حوصلہ، وفاداری اور اپنے فرائض سے بے لوث لگن پر ہے۔''

انہوں نے اس امید کا اظہار کیا:

''یہ بریگیڈ ہمیشہ مشکل سے مشکل فرائض کو انجام دینے کے لیے خود کو ہمیشہ ہر وقت تیار رکھے گا۔''

اسی روز نوشہرہ میں پاکستان آرمڈ کور سنٹر کے افسروں اور جوانوں سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''پاکستان کو عملی طور پر بکتر بند کور کے میدان میں بالکل نئے سرے سے تربیت شروع کرنی پڑی۔''

انہوں نے مزید فرمایا:

''لازمی امر ہے کہ پاکستان میں ایک تربیتی ادارہ جلد از جلد قائم کرنے کے اقدامات کیے جائیں تاکہ ریکروٹوں کی بھرتی ہو، اور ان کی تربیت بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہے اور مختلف رجمنٹوں کے کورسز بھی جاری رکھے جائیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح کو اس کا بخوبی احساس تھا کہ کسی بھی ملک کی مسلح افواج میں کیولری کی کیا اہمیت ہے، اس لیے انہوں نے فرمایا:

''اس کور میں بہترین افسر اور جوان شامل کیے جائیں لیکن ان کے ترقی کرنے کا دارومدار ان کی تربیت اور اس سکھلائی پر منحصر ہے، جو فوج کے اس شعبے کے افسروں اور جوانوں کو دی جاتی ہے اور اسی تربیت پر آرمڈ کور کی مجموعی کارکردگی کا بھی انحصار ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 13 اپریل 1948ء رسالپور اور نوشہرہ میں مسلح افواج کے مختلف یونٹوں سے خطاب کرتے ہوئے ایک مصروف ترین دن گزارا۔

رائل پاکستان ایئرفورس سٹیشن میں اپنی تقریر کے دوران قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی قیمتی رائے کا اظہار کیا:

''کوئی بھی ملک ایک مضبوط فضائیہ کے بغیر ہمیشہ جارح کی مہم جوئی کا شکار رہے گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح کو اس حقیقت کا بھی احساس تھا کہ پاکستان کی نوزائیدہ فضائیہ کو سفری جہازوں اور اسلحہ کی کمی کا سامنا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

''اگرچہ ان خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ طیارے اور نفری چاہے ان کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو اس وقت بیکار محض ہیں۔''

قائداعظمؒ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو گورنر جنرل ہاؤس کراچی میں ایک عشائیہ سے خطاب کر رہے ہیں۔

اگر فضائیہ میں جذبہ اور نظم وضبط کا فقدان ہو، قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں آپ یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ ضبط ونظم اور خود انحصاری کی بدولت ہی رائل پاکستان فضائیہ پاکستان کے شایان شان ہوسکتی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کو بحریہ کی اہمیت کا بھی از حد احساس تھا، اور وہ چاہتے تھے کہ پاک بحریہ یہ جان لے کہ اسے دفاع وطن میں ایک بڑا اہم کردار ادا کرنا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے بحریہ کو یاد دلایا:

''ان کا مرکز کراچی میں واقع ہے جو کہ نہ صرف مغربی پاکستان میں داخل ہونے کا راستہ ہے بلکہ دوسری اقوام کے جہاز بھی یہاں لنگر انداز ہوتے ہیں علاوہ ازیں یہ شہر مشرق سے مغرب تک فضائی راستہ بھی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''پورے کرہ ارض کے لوگ کراچی سے ہو کر گزرتے ہیں اور ساری دنیا کی آنکھیں آپ پر لگی ہوئی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے طرز عمل سے پاکستان کو کبھی نادم نہیں ہونے دیں گے، بلکہ آپ اپنی سروس کی اعلیٰ روایات کو قائم رکھتے ہوئے پاکستان کا دنیا کی عظیم قوموں میں شمار ہونے کا اعزاز برقرار رکھیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح اپنے نوزائیدہ ملک کی مسلح افواج پر کس قدر اعتماد رکھتے تھے اس کا اندازہ ان کے ان الفاظ سے لگایا جاتا ہے جو انہوں نے لڑاکا فوج سے خطاب کرتے ہوئے کہے۔ انہوں نے فرمایا:

''جب بھی آپ کو مادر وطن کے دفاع اور قوم کی سلامتی اور حفاظت کے لیے پکارا جائے گا تو آپ اپنے اسلاف کی دیرینہ روایات کو قائم رکھیں گے۔ مجھے یقین واثق ہے کہ آپ پاکستان کا جھنڈا بلند رکھیں گے، اور ایک عظیم قوم کی حیثیت سے اپنی عزت و وقار کو قائم و دائم رکھیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح مسلح افواج سے صرف دفاع وطن کے فریضہ کے متقاضی نہ تھے بلکہ وہ محسوس کرتے تھے کہ ان کی ایک مقدس اور اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے اس خطہ زمین پر اسلامی جمہوریت کے فروغ اسلامی، سماجی انصاف اور مساوات انسانی جیسی قدروں کے بھی پاسبان ثابت ہوں۔

آزادی سے پہلے بھی قائداعظم محمد علی جناح مسلح افواج کے بارے میں ایسے ہی خیالات رکھتے تھے۔ یہاں یہ ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ انہوں نے اپنی جوانی کے ایام میں نہ صرف دفاع افواج کو منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا بلکہ اس ضمن میں برٹش انڈین گورنمنٹ کی طرف سے قائم کی جانے والی ذیلی کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح دفاع وطن اور مسلح افواج سے متعلق صرف ایک فلسفے کے حامی نہ تھے بلکہ انہوں نے اس فلسفے کو حقیقت کا روپ بھی دیا۔ انہیں اللہ رب العزت نے ایسی بصیرت سے سرفراز فرمایا تھا کہ انہوں نے ٹھیک وقت پر ٹھیک فیصلے ہی کیے۔ قائداعظم محمد علی جناح جانتے تھے کہ پاکستان متعصب ہندوؤں اور غیر ہمدرد انگریزوں سے چھینا گیا تھا اس لیے انہوں نے ملک کے دفاع کو مضبوط بنانے کو ہر بات پر ترجیح دی۔ بدقسمتی سے موت کے ظالم ہاتھوں نے پاکستان قائم ہونے کے صرف ایک سال بعد ہی قائداعظم محمد علی جناح کو ہم سے چھین لیا اور وہ اپنے اس مشن یعنی دفاع کو پورا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے، جو ہمارے ملک کی بقاء کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح کے یہ افکار مسلح افواج کے لیے ایک مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں، ہماری مسلح افواج ان افکار کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں، اور قوم کو جوان

سے توقعات وابستہ ہیں وہ ان پر ہمیشہ پورا اتریں گی۔

مسلم اقوام میں ہم آہنگی

9 اپریل 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ایرانی وفد سے خطاب میں کہا:

''میں اقوام ایشیا اور بالخصوص مسلم اقوام میں ہم آہنگی، مقصد کی وحدت اور مکمل افہام و تفہیم کی ضرورت پر زور دیتا ہوں کیونکہ ایشیائی اتحاد، عالمی امن اور خوشحالی کے اصول سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔''

مسلم اکثریتی علاقے

3 جنوری 1941ء میں نوجوانانِ بمبئی کے ایک اجتماع میں قائداعظم محمد علی جناح نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''حضرات! ہمارے مطالبہ پاکستان کے ضمن میں اہم ترین سوال یہ ہے کیا یہ ممکن ہے کہ سارے ہندوستان کے لیے ایک وحدانی مرکزی حکومت قائم کی جا سکے، جو چالیس کروڑ انسانوں پر حکومت کرے، اس قسم کے نظامِ حکومت کے ماتحت آبادی تین ہندوؤں اور ایک مسلمان کی نسبت سے ہوگی، اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہندوؤں کے حکم اور فرمان کی تعمیل پر سب مجبور ہوں گے، اس ملک کے اندر جمہوریت اور جُملہ بالغان کے لیے حق رائے دہندگی سے ہندو راج مُراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی ضرورت لاحق ہوئی، مگر اس سے مسلمانوں کا یہ مقصد نہیں کہ فریب کاریوں اور حیلوں کے ذریعے سے سارے ملک پر فوقیت حاصل کریں، مسلم لیگ فقط یہ چاہتی ہے کہ مسلمانوں کو ان دو طبقات ملک میں حکمرانی اور اپنی تہذیب و تمدن کے نشوونما کا موقع مل جائے جنہیں وہ اپنا وطن سمجھتے ہیں، چنانچہ ہم ہندوؤں کو کہتے ہیں کہ دوسرے حصوں میں آپ اپنی حکومتیں قائم کیجئے، اور اپنی فطرت و جبلت کے مطابق ترقی کیجئے۔ خدا آپ کی کوششوں کو بار آور کرے۔

ان مسلمان بھائیوں کے متعلق ہمیں کوئی تشویش نہ ہونی چاہیے، جو اقلیت کے صوبوں میں رہتے ہیں۔ غور طلب مسئلہ ہے کہ اگر ساڑھے چھ کروڑ مسلمانوں کو جو اکثریت کے منطقوں میں ہیں ایک کل ہند متحدہ حکومت کے تابع کر دیا جائے تو باقی ماندہ اڑھائی کروڑ مسلمانوں کو جو دیگر صوبہ جات میں ہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

میں جس صوبہ میں اقلیت میں ہوں وہاں اپنی قسمت پر شاکر ہو کر اپنا فرض ادا کروں گا، لیکن میں ان مسلمانوں کو جو اکثریتی صوبوں میں ہیں دوامی اقلیت اور ہندوؤں کے اقتدار سے آزاد کراؤں گا۔

مسٹر گاندھی کانگریس اور ہندو مہاسبھا سارا ہندوستان حاصل کر لینا چاہتے ہیں، لیکن نہیں یہ کبھی نہ ملے گا! البتہ انہوں نے زیادہ حرص و ہوس سے کام نہ لیا اور ہمیں ایک تہائی دے دیا تو پھر شاید انہیں دو تہائی ملے گا اور قضیہ ختم ہو جائے گا۔''

مسلم انڈیا

(دیکھئے: آزاد پاکستان)

مسلم انڈیا کا اسلحہ خانہ

علی گڑھ کو قائداعظم محمد علی جناح مسلم انڈیا کا اسلحہ خانہ اور اس کے طلبا کو بہترین سپاہی کہتے تھے۔

مسلمانانِ بہار

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانانِ بہار کے قتل عام پر 6 نومبر 1946ء کو اپنی تقریر میں فرمایا:

''ہم انتہائی المناک ماحول میں عید منا رہے ہیں۔ میں اپنے دلی احساسات الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بہار کی المناک صورتِ حال کی وجہ سے میں نے اپنا پروگرام تبدیل کر دیا ہے اب میں ایک ہفتہ کے لیے باغپت نہ جاؤں گا اور دہلی میں مقیم رہوں گا جب اور جس وقت میں محسوس کروں گا کہ میرا بہار جانا ضروری ہے تو فوراً روانہ ہو جاؤں گا، مجھے معلوم ہے کہ مسلمان دلیر اور بہادر ہیں، مگر یہ وقت ایسا ہے کہ انہیں اپنے گھر کی خبر لینی چاہیے۔ کیا تم نے اپنے گھر کی حالت درست کر لی ہے؟ اس سوال پر غور کیجئے اور خود اپنے دل سے پوچھئے کہ اس کا جواب کیا ہے۔ میں جہاں کہیں جاتا ہوں یہی نعرے سنتا ہوں۔ ''قائداعظم ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔'' میں کہتا ہوں قائداعظم ہرگز ہرگز حکم دینے کے لیے تیار نہیں، جب تک اس کو یہ یقین نہ ہو جائے مسلمانوں کا جو خون بہے گا وہ رائیگاں نہ جائے گا۔ اگر میں یقین کیے بغیر مسلمانوں کو حکم دے دوں تو میں جنرل نہیں ہوں گا بلکہ مجرم ہوں گا۔ اسی لیے میں تم سے کہتا ہوں پہلے اپنے گھر کی حالت درست کرو۔ کافی تاخیر ہو چکی ہے، مگر ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا۔ بلند بانگ دعوؤں اور باتوں کی ضرورت نہیں ہے۔

مسلمانوں نے ایک ایسا آدمی ڈھونڈ ھ لیا ہے، جو ان کی کمزوریوں اور خوبیوں دونوں سے واقف ہے، لہٰذا اس کا ہاتھ بٹاؤ اور اس کی مدد کرو۔

ہم نے گزشتہ پانچ سال کے دوران میں بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ ہم نے ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک قوم بنا دیا۔ مگر ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ اپنی کمزوریاں معلوم کرو۔ اپنی کوتاہیاں معلوم کرو۔ اپنے دلوں کا جائزہ لو۔ دیکھو کہ تم نے کیا نظر انداز کیا ہے اور کیونکر کیا ہے۔ متحد ہو جاؤ۔ منظم ہو جاؤ۔ سوسائٹی کے گوشہ گوشہ میں تحقیق اور جستجو کرو اور طے کرو کہ کیا کرنا ہے۔

اس تیاری اور حصولِ طاقت کی مہم میں سماج کے ہر طبقہ کو حصہ لینا چاہیے۔

بہار میں دہشت ناک واقعات ہو رہے ہیں۔ میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ اس لیے کہ صورت حال بہت نازک ہے، دستور اور تربیت کے اعتبار سے میں ایک ٹھنڈے دل کا آدمی ہوں، اور ہر چیز منطق اور دلیل کے نقطہ نگاہ سے دیکھتا ہوں، جب میں اس نتیجہ پر پہنچوں گا کہ میرا بہار جانا مفید ہے، فوراً روانہ ہو جاؤں گا۔

اگر کل میں یہ سمجھوں کہ مجھے یہاں پہنچنا چاہیے تو کل ہی بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو جاؤں گا، میں باغپت جانے والا تھا۔ مگر بہار کے واقعات کی وجہ سے میں نے وہاں جانا ملتوی کر دیا میں دہلی ہی میں ٹھہروں گا اور حالات و واقعات کا قریب ہی سے مشاہدہ کرتا رہوں گا۔''

مسٹر جوگندر ناتھ منڈل کو مخاطب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں خلوص دل سے آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ میں نے محسوس کیا ہے اور محسوس کرتا ہوں کہ آپ کی قوم ہر امکانی امداد کی مستحق ہے، یہ نہایت ہی شرمناک ہے

کہ چھ کروڑ انسانوں کو اچھوت قرار دیا جائے گول میز کانفرنس میں ہندوؤں سے زیادہ اچھوتوں کے حقوق کے لیے لڑا۔ وائسرائے سے اپنی حالیہ مراسلت میں بھی اچھوتوں کے لیے لڑا۔
میں نے محسوس کیا کہ آپ کی قوم کو محض اس لیے نظر انداز کیا کہ وہ کمزور تھی۔ آپ لوگوں کو کانگریس اور مسٹر گاندھی کی قربان گاہ پر چڑھایا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کی عظیم الشان قوم ان تمام باتوں کو دُور سے کھڑی ہو کر نہ دیکھ سکتی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ وقت ایسا ہے کہ اب باتوں سے نہیں بلکہ عمل سے آپ کی مدد اور آپ کی اعانت کا وقت آ گیا ہے۔
میں بھی انسان ہوں، مجھ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے، لہٰذا ہر شخص کو اختیار ہے کہ میرے کام کے بارے میں مشورے دے اور اس پر تنقید کرے۔ یقین کیجئے کہ ہر خط اور ہر تار جو مجھے بھیجا جاتا ہے میں بذاتِ خود پڑھتا ہوں۔ ایک ایک سطر پڑھتا ہوں اور میرا زیادہ تر وقت اسی میں گزرتا ہے، لہٰذا ہر مسلمان زبانی باتوں کی بجائے جو کچھ سوچے، محسوس کرے مجھے لکھے میں غور کروں گا اور مناسب ہوا تو اُس کا مشورہ قبول کروں گا۔
میں مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر خدا نے میری مدد کی تو ان شاء اللہ میں ان کو ان کی منزل سے قریب لے جاؤں گا۔''

مسلمانانِ ہند کی نمائندہ جماعت

کلکتہ میں وائسرائے ہند لارڈ ویول نے ایک تقریر کی۔ جس مینِ پہلی بار ''متحدہ ہندوستان'' کے نعرے کے بجائے ہندوستانیوں کو اپنی حکومت یا حکومتیں بنانے کی دعوت دی، یہ بڑی تبدیلی تھی۔ 11 دسمبر 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اس تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''وائسرائے کی تقریر میں دوسری چیز جو خاص ہے مجھے یہ نظر آئی کہ اب انہوں نے ہندوستان کے سیاسی حالات کو سمجھنا شروع کیا ہے، چنانچہ وہ اپنی تقریر میں کہتے ہیں:
''میں آپ کو خلوص کے ساتھ یقین دلاتا ہوں کہ حکومت برطانیہ اور باشندگان برطانیہ کی پُر خلوص اور دیانت دارانہ خواہش ہے کہ ہندوستان کے باشندے اپنی آزادی اور اپنی مرضی کی ایک حکومت یا حکومتیں حاصل کریں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میری خواہش ہے کہ آئندہ وہ اس حقیقت کی مزید وضاحت کریں کہ ہندوستان کی تقسیم مضر نہیں ہے اور صرف یہی ہندوستان کے مسئلہ کا واحد حل ہے۔ وہ آئندہ یہ بھی کہیں تو زیادہ موزوں ہوگا کہ ہندوستان میں سب سے بڑی سیاسی پارٹی اکیلی کانگریس ہی نہیں ہے، کیونکہ ان کا یہ جملہ کہ ''اقلیتیں'' جن میں مسلمان سب سے زیادہ سب سے اہم ہیں'' مسلمان کے متعلق نہایت بے زیب اور حقائق کے برعکس ہے۔ مسلمان ایک اقلیت نہیں ہیں، اور یہ حقیقت شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ مسلم لیگ ہند میں مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔''

مسلمان رکن اسمبلی

25 جنوری 1910ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے 60 ممبران پر مشتمل دستور ساز اسمبلی میں بمبئی کے مسلمان رکن کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ جس کا اجلاس برطانوی ہند کے

دارالحکومت کلکتہ میں منعقد ہو رہا تھا۔ لارڈ ویلزلی کے ایک صدی سے زائد عرصہ قبل تعمیر کردہ محل میں واقع مجلس کے پرانے چیمبر کو اس تاریخی اجلاس کے لیے تازہ تازہ چمکایا گیا تھا۔

لارڈ منٹو وائسرائے ہند نے اپنی حکومت کے نو منتخب مشیران کو جن میں کرشن گوپال گوکھلے، موتی لال نہرو، سریندر ناتھ بینرجی اور محمد علی جناح شامل تھے، خطاب کیا تو ہال بیش قیمت پوشاکوں میں ملبوس اور جواہرات پہنے ہوئے مہمانوں سے پوری طرح بھرا ہوا تھا۔

لارڈ منٹو نے اپنے افتتاحی خطاب میں توقع ظاہر کی:

"مجھے یہ باور کر کے بڑی مسرت ہو رہی ہے کہ توسیع مشن کونسل، ہندوستانی عوام کو ان کے اقدامات کے ٹھوس ہونے کی بابت یقین دلانے میں پیش قدمی کرے گی جنہیں شروع کرنا ہم سب مناسب سمجھیں گے۔"

مسلمانوں کا گوکھلے

(دیکھیے: گوکھلے، کرشن گوپال)

مسلمانوں کا سیاسی مستقبل

ہندو جداگانہ انتخاب کو دونوں قوموں کے درمیان جھگڑے کی جڑ سمجھتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ہندو مسلم اختلافات کو دور کرنے کی غرض سے 20 مارچ 1927ء کو دہلی میں جداگانہ انتخاب کے عوض چند شرائط ہندوؤں کو پیش کیں کہ اگر وہ ان شرائط کو منظور کر لیں تو مسلمان جداگانہ انتخاب چھوڑنے پر تیار ہیں، لیکن ہندوؤں بالخصوص مدن موہن مالویہ، ڈاکٹر مونجے اور دیگر متعصب ہندو رہنماؤں نے ان تجاویز کو مسترد کر دیا۔ وہ اس بات پر تو مسلمانوں کے ساتھ متفق تھے کہ مسلمان جداگانہ انتخاب چھوڑیں، مگر سندھ کو بمبئی سے جدا کرنے، مسلمانوں کو مرکزی اسمبلی میں ایک تہائی نمائندگی دینے، پنجاب اور بنگال میں آبادی کی بنیاد پر نمائندگی اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں اصلاحات رائج کرنے کے مطالبات میں انہیں ایک مسلم ریاست کا خوفناک بھوت دکھائی دیتا تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے زمیندار کے تین شماروں میں قائداعظم محمد علی جناح کی دہلی مسلم تجاویز، بالخصوص ہندو مہاسبھا پر کڑی نکتہ چینی کی۔ مولانا ظفر علی خان جداگانہ انتخاب کو کسی بھی صورت ترک کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتے تھے۔ ان اداریوں میں انہوں نے مخصوص انداز میں حقائق کو شاعری کی زبان میں ادا کیا ہے۔ یہ طویل اداریہ تین اقساط میں لکھا گیا، اور ہر اداریہ کے اختتام پر مولانا کے دستخط موجود ہیں۔

گستہ لنگر کشتی و ناخدا خفتہ است
ہوا مخالف و شب تار و موج طوفان خیز

روزنامہ زمیندار نے اپنی اشاعت 22 اپریل 1927ء کے اداریہ میں لکھا:

"20 مارچ 1927ء کو اسلامیانِ ہند کی طوفان زدہ کشتی کے چند ناخدا جن کا خیال ہے کہ ہمارے بازوؤں کی توانائی ہی اس لنگر گستہ زورق کو بھنور سے نکال کر ساحلِ نجات پر پہنچا سکتی ہے۔ دہلی میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے، اور بعض ہنود سے جن کی سربرآوردگی کا بھانڈا مدت کا پھوٹ چکا ہے، تبادلہ خیالات کرنے کے بعد سات کروڑ مسلمانوں کو اپنا یہ ناگہانی فیصلہ سنا دیا کہ

1. سندھ کو بمبئی سے علیٰحدہ کر کے ایک مستقل صوبہ بنا دیا جائے۔
2. صوبہ سرحد شمال و مغربی اور صوبہ بلوچستان میں وہی اصلاحات رائج ہوں جن سے ہندوستان کے دوسرے صوبے متمتع ہیں۔
3. پنجاب اور بنگال میں اساس نیابت آبادی کا

تناسب ہو۔

❹ مجلس وضع آئین وقوانین کی مرکزی مجلس میں اسلامی نمائندگی کا عنصر ایک ثلث سے کم نہ ہو۔

❺ اگر ہنود کو یہ چاروں شرطیں منظور ہوں اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر حکومت کا سران مطالبات چہارگانہ کے آگے جھکانے پر آمادہ ہوں تو مسلمانانِ ہند تیار ہیں کہ جداگانہ انتخاب کی جگہ جو آج تک سیاسیات میں ان کا اصل الاصول چلا آیا ہے۔ ہندوستان بھر کے لیے مخلوط انتخاب کا طریقہ اختیار کرنے پر رضامند ہو جائیں، اور ان صوبوں میں جہاں ان کی اکثریت ہوگی، ہندو اقلیت کو وہی مراعات دیں گے، جو ان کی اقلیتوں کو دوسرے صوبوں میں ملیں جہاں ہندو آبادی کا عنصر غالب ہے۔

مسٹر محمد علی جناح نے جن کی سرکردگی اس غیر متوقع فیصلہ کی ذمہ داری ہے، مسلمانانِ ہند کی رائے عامہ سے استصواب کرنا اگر ضروری نہیں سمجھا اور اپنے چند رفیقوں کے ساتھ بند کمرے میں بیٹھ کر ان کے مسائل کا ایک مناجاتی حل خود ہی تجویز فرما لیا جن کے ساتھ سات کروڑ بندگانِ خدا کی موت و حیات وابستہ ہے تو اس کی صرف ایک وجہ ہوسکتی ہے۔ ہندو سالہا سال سے شور مچا رہے تھے کہ قومیت متحدہ کے راستے میں صرف جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب حائل ہیں، جب تک مسلمان اس بات پر رضامند نہ ہوں گے کہ قانون ساز مجلسوں میں ان کے نمائندے اپنے اپنے حلقہ کے ہندوؤں کا پروانۂ خوشنودی مزاج لے کر داخل ہوں قوم ایک نہ ہوگی، اور ملک میں امن و امان قائم نہ ہوگا۔ طول وعرض ہند میں آج جتنے خون ریز ہنگامے بپا ہیں، ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو جاں گسل کشمکش جاری ہے۔ ان ساری خرابیوں کا سرچشمہ جداگانہ طریق انتخاب ہے۔ اگر مسلمان اپنی ضد چھوڑ دیں اور مخلوط انتخاب کی تجویز قبول کر لیں تو سارے فتنے یک قلم مٹ سکتے ہیں اور سوراج چٹکی بجانے میں مل جاتا ہے۔ یہ چلتا ہوا منتر اتنی مرتبہ پھونکا گیا، اور زور وشور سے پھونکا گیا کہ مسٹر جینا اور ان کے ساتھی سینہ میں چھٹی صدی کا دل اور سر میں بیسویں صدی کا دماغ رکھنے کے باوجود مسحور ہو گئے اور یہ نہ سوچے کہ غول بیاباں کی فریب بندگی اور ان کی پیاس کو جس لہراتی ہوئی موج سے بجھانا چاہتی ہے وہ موجِ آب نہیں بلکہ موج سراب ہے۔ تعلیم میں پھسڈی، تجارت میں درماندہ، سیاسیات میں انگریزوں کے دبیل اور اقتصادیات میں ہندوؤں کے کنونڈے مسلمانوں نے جب اپنی مٹتی ہوئی ہستی کو برقرار رکھنے کے خیال سے اپنے لیے جداگانہ انتخاب کا مسلک تجویز کیا تھا تو کچھ سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ 1906ء میں اگر اس بات کی ضرورت تھی کہ اورنگ زیب اعظم کے نام لیواؤں کا رہا سہا وقار سیوا جی کے جانشینوں کی نوزائیدہ ہوس و اقتدار میں جذب ہو کر ہندوستان کے صفحہ سے ہمیشہ کے لیے محو نہ ہو جائے تو آج وہ ضرورت سو گنا زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ گاندھی کی راکھ بارودی کی ہوا اڑا لے گئی۔ داس کے پھول ہگلی کی موجیں بہا لے گئیں، نہرو کا اثر تربینی میں غرق ہوگیا۔ اب تو مالوی جی ہیں یا مونجے ہیں یا لالہ لاجپت رائے ہیں، جن کے اشارے پر جاتی ناچتی ہے، اور پکار پکار کر یہ کہتی ہوئی سنی جاتی ہے کہ مسلمان یا تو شدھ ہوکر ہم سے آملیں یا ہمارے غلام ہوکر رہیں۔ اس کے سوا ملک میں ان کا کوئی اور مستقبل نہیں۔

غلامی سے یہی مراد نہیں کہ آقا کے لیے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کرلائی جائیں۔ محلہ کے کنواں سے پانی بھرا جائے۔ جھاڑو ہاتھ میں لے کر حویلی کا آنگن صاف کیا جائے۔ اگرچہ ڈاکٹر مونجے اس لفظ کو غالباً انہی معنوں میں محدود کر دینا چاہتے ہوں، اور ان کا بس چلے تو مسلمان یہ دن بھی دیکھ لیں گے۔ جس غلامی کا حلقہ ہندو مہا سبھا، کہ اس کی آواز آج تیس کروڑ ہندوؤں کی آواز ہے۔ مسلمانوں کے کان میں ڈالنا چاہتی ہے وہ ڈلیا ڈھونے، جھاڑو دینے، پانی بھرنے اور لکڑیاں کاٹنے کی رذیلانہ نسبتوں سے بھی زیادہ مہلک تر ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان اپنے ضمیر کی آزادی کھو بیٹھیں، اور اقتصادی اور سیاسی حربوں کی بے پناہ ضرب سے بے دست و پا ہو کر، جن کی ہنود کے جدید اسلحہ خانے میں کوئی کمی نہیں، اپنے آقاؤں کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں سے اپنے حقوق کی حفاظت کی توفیق چھین لی جائے، اور اپنی قوم کی نمائندگی کی جگہ وہ ہنود کے مفاد کی نمائندگی کرتے ہوئے دیکھے جائیں۔ وہی کلمہ زبان سے نکالیں جس سے ہنود خوش ہوں۔ وہی رویہ اختیار کریں جس کی انہیں پہلے سے ہدایت کر دی گئی ہو۔ اس ہولناک سیاسی غلامی سے انہیں آج تک جداگانہ انتخاب نے بچائے رکھا۔ ان کے حلقہ ہائے انتخاب علیحدہ ہیں، وہ اپنی جماعت کے اس شخص کو کونسلوں میں نمائندہ بنا کر بھیجتے ہیں جن پر انہیں اعتماد ہو، اور وہ بھی اصولاً ان کے مفاد کی نگہداشت پر مجبور ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا انتخاب صرف ان ہی کے ہاتھ میں ہے۔ مخلوط انتخاب کا طریقہ رائج ہوتے ہی اس کی اس مسئولیت پر معاً ہندو رائے دہندوں کا حق قائم ہو جائے گا، جس کے تفوق کا برقرار رکھنا روپیہ والی ہندو جاتی، اثر والی ہندو جاتی، سیاسی ہتھکنڈوں والی ہندو جاتی کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوگا۔ یہ تلخ حقیقتیں جن کا مسلمانوں کو آئے دن تجربہ ہوتا رہتا ہے اس درجہ پا افتادہ ہیں کہ ان کی توضیح پر قلم اٹھانا وقت کا خون کرنا ہے لیکن مسٹر جینا اور ان کے رفیقوں کی عقلوں پر کچھ ایسے پتھر پڑ گئے ہیں کہ حریفانِ شاطر کی ایک معمولی سی چال کو بھی نہ سمجھ سکے۔''

ظفر علی خان

مسلمانوں کا سیاسی مستقبل (2)

اداریہ کی پہلی قسط آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اب دوسری قسط کا مطالعہ کیجئے۔ یہ ہفت روزہ زمیندار میں 23 اپریل 1927ء کو شائع ہوئی۔ اس میں مولانا ظفر علی خان رقمطراز ہیں:

''مسٹر جینا اور ان کے ساتھیوں کی عاقبت ناشناسی نے ان مشکلات کا صحیح صحیح اندازہ نہ کیا تھا، جو قدم قدم پر ان کا سنگِ راہ ہونے والی تھیں۔ انہوں نے کانگریس کے چند رہنماؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی طرف سے مخلوط انتخاب کا اصول تسلیم کر لیا تھا اور اس زہر کے لیے جو ملک کی موجودہ مسموم فضا نے اس میں بھر رکھا ہے۔ اس امید موہوم پر چند شرائط کا تریاق بھی تجویز کر لیا تھا کہ کانگریس کی حمایت سارے ہندوؤں کو ان کے فیصلے کے آگے جھکا دے اور مسلمان بھی یہ دیکھ کر کہ چند نئے صوبے ان کے ہاتھ آئے جاتے ہیں، جہاں ان کی اکثریت کو فیصلہ کن اختیارات حاصل ہوں گے، بخوشی اس فیصلہ پر رضامند ہو جائیں گے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ ان کے

دل خوش کن خیال کی عمر چند گھنٹے سے زیادہ نہ نکلے گی۔
20 مارچ کو مسٹر جینا نے رائے سینا میں اس فیصلے کا اعلان کیا۔ 21 مارچ تک کانگریس کے ذمہ دار عہدیداران کی حمایت اس کی پشت بان رہی اور مسٹر سری نواس آئینگر، مسز سروجنی نائیڈو، پنڈت موتی لال نہرو اور محمد علی صاحب مدیر ہمدرد کو یہ خدمت بھی سونپ دی گئی کہ مسلمان اور ہندو اکابر کے ساتھ مل کر تفاصل پر بحث کر لیں، یہ دن بمشکل گزرنے پایا تھا کہ ہندو دنیا میں خطرہ کی گھنٹی زور زور سے بجنا شروع ہوگئی، اور سب سے اول 22 مارچ کو پنجاب ہندو سبھا نے کانگریس کے اس دخل در معمولات کے خلاف ایک زبردست قرارداد میں آواز بلند کی، جس کا مواد حسبِ ذیل تھا۔ نیشنل کانگریس ہندو قوم کی نمائندہ نہیں ہے، وہ کسی اسلامی جماعت کے ساتھ کسی ایسے مسئلے پر جس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مفاد یکساں وابستہ ہوں گفت و شنید کا حق نہیں رکھتی۔ کانگریس کے رہنماؤں میں مسلمان بھی شامل ہیں، جن کے فیصلوں کی پابندی ہندوؤں پر عائد نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان میں صرف ایک ایسی جماعت ہے جو دونوں قوموں کے مابہ النزاع مسائل پر مسلمانوں سے گفت و شنید کرنے اور کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کا حق رکھتی ہے اور وہ ہندو مہا سبھا ہے۔''
یہ آواز جو اصل معنوں میں جاتی کی آواز تھی، اپنا کام کر گئی اور دوسرے ہی دن ہندو مہا سبھا کے کرتا دھرتا پنڈت مالوجی کی زیرِ صدارت لیجسلیٹو اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے ہندو اراکین کی ایک مجلس ہوئی، جس میں مسٹر جینا کی پیش کردہ تجاویز پر غور کیا گیا، اور ذیل کے عام اصول تسلیم کر لیے گئے، جن پر مسلمانوں کے ساتھ بحث و تمحیص ہو سکتی تھی۔

1. ملک کی تمام مجالس وضع آئین و قوانین کے لیے مخلوط انتخاب کا طریقہ ایک اصول موضوعہ کے طور پر جس میں بحث کی کوئی گنجائش نہیں قبول کر لیا جاتا ہے۔
2. تمام مجالس وضع آئین و قوانین میں آبادی کے تناسب سے نشستیں محفوظ کی جائیں۔
3. مذہبی اور نیم مذہبی حقوق کی حفاظت کا آئینی طور پر انتظام کیا جائے۔
4. زبان کے لحاظ اور دوسرے ضروری مراتب کو مدِنظر رکھتے ہوئے صوبوں کی نئی تقسیم کا سوال ہندوؤں سے مشورہ کر لینے کے بعد مزید غور کے لیے چھوڑ دیا جائے۔

مسٹر جینا اور ان کے رفیقوں کو ہوا کا رخ اب معلوم ہو چکا۔ مالوی جی ان کی اس تجویز کا خیر مقدم کرنے کو تو صدق دل سے تیار تھے کہ مسلمان مخلوط انتخاب کی چکی کا پاٹ اپنی گردن میں لٹکا لیں، لیکن دوسری شرطیں جن سے مسلمانوں کو تھوڑا بہت فائدہ پہنچتا نظر آتا تھا، ان کے نزدیک قابلِ پذیرائی نہ تھیں۔ ان کے دست راست لالہ لاجپت رائے نے 26 مارچ کو ہندو جاتی کے احساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے صاف فرمایا تھا کہ ''میں خوش ہوں کہ مسلمانوں نے تمام ہندوؤں کے لیے مخلوط انتخاب کا اصول تسلیم کر لیا، مگر مسٹر جینا نے جن شرائط سے مشروط کیا ہے، وہ مزید غور و بحث کی محتاج ہیں۔ صرف صوبوں کے از سرِ نو تقسیم کیے جانے کا سوال اس قدر سیدھا سادا نہیں جتنا کہ بعض اصحاب کو بظاہر نظر آتا ہے۔ نہ یہ سوال آسان ہے کہ صوبہ سرحد کے لیے کس قسم کی حکومت ہونی چاہیے۔
راجہ نریندر ناتھ نے جو سنگٹھن کے آسمان کے ایک

اور چمکتے ہوئے ستارے ہیں، تین دن کے بعد بمبئی سے صوبہ سندھ کی علیٰحدگی کے مسئلہ پر اظہار خیالات کرتے ہوئے فرمایا:

''اس سوال کا فیصلہ کرتے وقت نہ صرف مسلم آبادی کے خیالات بلکہ ہندو آبادی کے خیالات کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔'' اسے اتفاق کہیے یا راجہ نریندر ناتھ صاحب کا دلی فیضان کہ ادھر یہ لفظ ان کے منہ سے نکلے ادھر سندھ کی ہندو آبادی نے اپنے خیالات کی ''ملحوظیت'' کے لیے مسلمانوں کی بہو بیٹیوں کو شدھ کرنا شروع کر دیا، جس پر لاڑکانہ میں لاٹھیاں چل گئیں۔ سینکڑوں مسلمان قید ہو گئے، اور راجہ صاحب کو تراشہ ہوا یہ عذر ہاتھ آ گیا کہ وہ علاقہ جس میں اسلامی اکثریت ہندوؤں پر ایسے ایسے ظلم کر رہی ہو، کس طرح بمبئی کے آغوش عاطفت سے جدا کر کے مسلمانوں کے حاکمانہ رحم و کرم پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ رہی سہی کمی کراچی کے مہاجنوں نے یہ قرارداد منظور کر کے پوری کر دی کہ ہم قیامت تک بمبئی سے علیٰحدہ نہیں ہو سکتے۔

یہ تو سندھ کا حشر ہوا۔ صوبہ سرحد شمال مغربی میں ترویج اصلاحات کی پہنچ کہ یہ بلی بھی مسٹر جینا نے اپنے مخلوط انتخاب والے اونٹ کے گلے میں لٹکا دی تھی، سولالہ لاجپت رائے جن کے سینے پر دن کے وقت بھی امان اللہی ترک تاز کا خیال کابوس سوار رہتا ہے۔ پہلے ہی فرما چکے ہیں کہ اس صوبہ میں قیامت تک موجودہ وضع کی نیم فوجی حکومت ہی قائم رہنی چاہئے۔ پنڈت موتی لال نہرو اور ان کے کانگریسی رفیقوں سے تھوڑی بہت توقع ہو سکتی تھی کہ وہ مسٹر جینا کے ساتھ مل کر انگریزوں پر زور ڈالیں گے کہ صوبہ سرحد کو بھی وہی سیاسی مراعات دی جائیں، جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کو حاصل ہیں، لیکن جب کہ وہ ایک دفعہ اسمبلی میں اپنا رسوائے عالم مسلک ظاہر کر چکے ہیں تو اب کس منہ سے اپنے طے کیے ہوئے اصول کو جھٹلائیں گے۔

کانگریس کا وقار مسٹر جینا اور شرکاء کے فیصلہ کی پیٹھ پر جوتھی کیا دے سکتا تھا، اس کا حشر تو عالم آشکار ہے۔ اب صرف یہ دیکھنا باقی تھا کہ ہندو مہاسبھا جس کے ''مزید غور'' کے لیے مالوی جی نے مخلوط انتخاب کی ٹیڑھی شرائط کو اکٹھا کر رکھا تھا کیا فرماتی ہیں۔ جانی کی نیتوں کی اس سب سے بڑی ترجمان نے 18 اپریل کو اپنا حکم سنا دیا۔ کان کھول کر سنیئے:

① بعض مسلمان لیڈروں نے گزشتہ مارچ میں بعض تجاویز منظور کی تھیں۔ ہندوؤں نے متعدد مقامات پر ان کے خلاف اظہار ناراضگی کیا۔ مسٹر محمد علی جناح نے کہا ہے کہ ہندو یا تو ان کی تجاویز کو منظور یا مسترد کر دیں مگر ہندو مہاسبھا اس وقت اس بارہ میں کوئی قطعی رائے نہیں دے سکتی۔

② ہندو مہاسبھا ان تمام کوششوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے جو کسی حصہ ملک کو اس بناء پر جداگانہ صوبہ بنانے کے لیے عمل میں لائی جائیں کہ کسی خاص جماعت کو زیادہ حقوقِ نیابت حاصل ہو سکیں۔

③ مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر ہندو مہاسبھا کی رائے میں حالات نے ہنوز وہ صورت اختیار نہیں کی کہ مہاسبھا ان مسائل پر بحث کر سکے۔ یا آل انڈیا کانگریس کمیٹی ان پر غور کرے، اس لیے کہ موجودہ حالات کے اندر ان مباحث میں حصہ لینا قبل از وقت اور نقصان رساں ہوگا۔

④ البتہ مندرجہ ذیل اصول کے ماتحت ہندو مہاسبھا بحث میں حصہ لینے کو تیار ہے

(الف) تمام مجالس وضع وقوانین میں مخلوط انتخاب کا طریقہ رائج ہو۔

(ب) تمام ایسی مجالس میں کسی خاص مدت کے لیے نشستیں محفوظ رکھی جائیں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ آبادی کا تناسب آراء کی تعداد اور رائے دہندوں کی قابلیت ادائے ٹیکس ایسی نشستوں کے تعین کا اساس تسلیم کرلیا جائے۔

(ج) تمام صوبوں میں رائے دہندگی کے حقوق کا معیار ایک ہی قرار دیا جائے۔

ہندو مہاسبھا کا یہ فیصلہ اپنا شارح آپ ہے۔''

ظفر علی خان

اب روزنامہ زمیندار کا 24 اپریل 1927ء کا اداریہ ملاحظہ فرمائیں۔ جو اس اداریہ کی تیسری اور آخری قسط ہے۔ مولانا ظفر علی خان رقمطراز ہیں:

مسلمانوں کا سیاسی مستقبل (3)

''ہندو مہاسبھا نے مسٹر محمد علی جینا کی تجاویز کے ان حصوں کو جن سے مسلمانوں کے مفاد کی تھوڑی بہت نگہداشت ہوئی تھی سر پائے استحقار سے ٹھکراتے وقت جس غبار آلود جذبہ کا مظاہرہ کیا۔ اس کی تصویر ڈاکٹر مونجے نے اپنے طول وطویل خطبۂ صدارت میں کھینچی ہے۔ خرافات وہفوات کی اس زہریلی پوٹ پر تفصیلی تبصرہ کے لیے تو ہمیں عمر نوح اور قارئین کو صبر ایوب کی ضرورت ہوگی لیکن چند الفاظ میں اس کا ملخص یوں پیش کیا جاسکتا ہے۔

مظلوم ہندوؤں میں ایکا نہیں، یک جہتی نہیں، غیروں کے مقابلہ میں پوری قوت کے ساتھ ڈٹ جانے کا ولولہ نہیں۔ پان اسلام ازم کے جوش سے بھرے ہوئے مسلمان غنڈے ان کے مذہبی جلوسوں میں خلل ڈالتے ہیں۔ ان کے مندروں کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ ان کی جائیدادیں لوٹتے ہیں۔ ان کی عورتوں کی عصمتیں جبراً بگاڑتے ہیں۔ ان غنڈوں نے حکومت کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے، جو ہندوؤں کی دردناک فریادوں کی طرف کان میں بے اعتنایانہ نفرت کی روئی ٹھونس لیتی ہے، اور اس طرح اس کے ستانے والوں کے حوصلے روز بروز بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ہندوؤں کی ان ساری مصیبتوں کا علاج صرف سوراج ہے، اور سوراج کا راز شدھی اور سنگھٹن میں چھپا ہوا ہے۔ مسلمان دل سے کبھی کانگریس کے ساتھ نہ ہوئے، اور نہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر انہوں نے کبھی بھارت کو بدیسیوں کی غلامی سے آزاد کرنا چاہا۔ وہ تو صرف حکومت کے خوانِ کرم کے چند ریزوں پر قناعت کیے بیٹھے ہیں یا مکے مدینے کے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ ہندوستان ہمیشہ کے لیے انگریزوں کا غلام نہیں رہ سکتا۔ ان کی گرفت سے اسے چھڑانا اب ہمارا کام ہے اور یہ کو دوں شدھی اور سنگھٹن کے بل پر ہندوؤں ہی کو دلنی ہوگی۔ جس قدر وہ شدھی اور سنگھٹن پر اپنی قوت کو صرف کریں گے، اسی قدر وہ سوراج کی صبح کے طلوع کو قریب تر لے آئیں گے، جس پر ان کی آئندہ نسلیں فخر کریں گی۔ اس وقت ہندوؤں کو دو بلاؤں نے گھیر رکھا ہے، ایک انگریزوں کی مشین گن دوسری مسلمان غنڈوں کی لاٹھی۔ ان دونوں بلاؤں سے انہیں نجات دلانے کے لیے ہندو مہاسبھا نے شدھی اور سنگھٹن دو ہرا حربہ ایجاد کیا ہے۔ جسے بے پناہ

طبقوں میں بٹنے سے مشن کمزور پڑ جائے گا۔ منزل قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ دنیا میں کامیاب اور کامران ہونے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہم سب ایک پرچم تلے جمع ہو جائیں۔
تم ایک ہی پرچم تلے جمع ہو جاؤ مسلمانوں کا خدا ایک ہے، رسول (ﷺ) ایک ہے، کتاب ایک ہے، اس لیے ان کا پلیٹ فارم بھی ایک ہی ہونا چاہئے۔
اس وقت مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والی صرف واحد جماعت مسلم لیگ ہے، آپ لوگوں کی پشت پر ہندوستان کے نوکروڑ مسلمان ہیں۔''
قائداعظم کی تقریر کے بعد کھتری حاجی اسمٰعیل حاجی محمد تیرانی نے یقین دلایا:
''پوری مسلم کچھی برادری مسلم لیگ کے ساتھ ہے اور ہمیشہ ہر قسم کی مالی اور جانی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی آپ نے سکول کا افتتاح کر کے ہمیں عزت بخشی ہے آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

مسلم کچھی کھتری فری نائٹ سکول (پلیٹ)

قائداعظم محمد علی جناح نے دی مسلم کچھی کھتری فری نائٹ سکول کے افتتاح کے موقع پر جس تختی کی نقاب کشائی کر کے اسکول کا افتتاح کیا اس کی عبارت یہ ہے:
''دی مسلم کچھی کھتری فری نائٹ اسکول بمبئی کا افتتاح جناب قائداعظم محمد علی جناح کے دست مبارک سے 28 ذی الحجہ 1359 ہجری یوم دوشنبہ مطابق 27 جنوری 1941ء بروز پیر کی شب کو کیا گیا۔''

مسلم گرلز فیڈریشن بلوچستان

قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر یہ تنظیم کوئٹہ میں 1946ء میں قائم کی گئی اس تنظیم کے ارکان نے قیام پاکستان کے سلسلے میں ان تھک محنت کی اور بلوچستان مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے دوش بدوش کام کیا۔

مسلم لیگ (میں شمولیت)

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کے اجلاس کلکتہ میں بطورِ مہمان 1912ء میں شرکت کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے 1913ء میں مسلم لیگ کی رکنیت بھی اختیار کر لی۔ اب وہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کے رکن تھے۔ اس زمانے میں یہ اجازت تھی، کوئی شخص ایک سے زیادہ سیاسی جماعتوں کا رکن بن سکتا تھا۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں کی اپنی جداگانہ سیاسی حیثیت کو تقویت دینے کی عملی صورت پیدا کر لی۔
قائداعظم محمد علی جناح نے 1915ء میں ہندوستان کے مسلمانوں اور مسلم زعماء سے اپیل کی:
''ایک متحدہ محاذ قائم کرنے اور ہندو دوستوں کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں، نیز مسلم لیگ اور کانگریس کے باہم ادغام کا خیال ترک کر دیں۔''
بالکل واضح ہے کہ ہندوستانیوں کے اجتماعی مفاد کا اہتمام کر رہے تھے، اور مسلمانوں کی ایک الگ حیثیت بھی بروئے کار لا رہے تھے۔ وہ ہندوؤں کے ساتھ ملکی معاملات میں تعاون کے خواہاں تھے۔ قدم ملا کر چلنا چاہتے تھے مگر وہ یہ قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے کہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ کانگریس میں مدغم ہو کر مسلمانوں کے الگ تشخص کو ختم کر دے، اور ان کی اپنی مسلم متحدہ قوت کو کمزور کر کے انہیں سیاسی بلکہ ہر اعتبار سے غیر محفوظ بنا کر رکھ دے۔
مسلم لیگ کی یہ سنجیدہ قوت ہی تھی، جس کا سہارا لے کر قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کو ایک ہونے کا درس دیا

نواب سلیم اللہ خان

1915 - 1884

آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے بانی تھے آپ ہی نے لیگ کے تاسیسی اجلاس کا انتظام وانصرام کیا۔ آپ مذہبی رجحانات رکھتے تھے' آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سے وابستہ رہے۔ 1905ء میں بنگال کی تقسیم کو خوش آمدید کہا۔ 1906ء میں اکابرین کیساتھ شملہ میں وائسرائے لارڈ منٹو سے ملاقات کی۔ آل انڈیا مسلم کنفیڈریسی کی تشکیل کی۔ 1906ء میں مسلم لیگ کے قیام کے بعد پورے مشرقی بنگال کا دورہ کیا۔ 1908ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس امرتسر کی صدارت فرمائی' 1911ء میں تنسیخ تقسیم بنگال کی شدید مخالفت کی' مارچ 1912ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کلکتہ کی صدارت کی۔

تھا۔

مسلم لیگ، آل انڈیا

یہ ہندوستانی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی، اور اب بھی پاکستان مسلم لیگ کی شکل میں موجود ہے۔ 1885ء میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا تو مسلمانوں کے لیے کوئی ایسا پلیٹ فارم نہ تھا جہاں سے وہ اپنی آواز متحد ہو کر بلند کر سکتے چنانچہ دسمبر 1906ء میں ڈھاکہ میں محمڈن ایجوکیشن کانفرنس میں ہندوستانی مسلمانوں کی یک جہتی کے لیے اس سکیم پر غور کیا گیا اور 30 دسمبر 1906ء کو مسلمان رہنماؤں کا ایک اجلاس منعقد ہوا، اس اجلاس میں آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے ایک علیٰحدہ سیاسی جماعت قائم کی گئی اس کا نام سر محمد شفیع نے مسلم لیگ تجویز کیا جو سب کو پسند آیا اور پھر یہی نام اختیار کر لیا گیا۔ جن زعماء نے اس جماعت کے قیام میں بھرپور حصہ لیا ان میں

1. نواب سلیم اللہ خاں
2. نواب محسن الملک
3. نواب وقار الملک
4. سر آغا خاں
5. سر علی امام
6. مولانا محمد علی جوہر
7. مولانا شوکت علی
8. نواب سر علی محمد خاں
9. راجا صاحب محمود آباد
10. نواب محمد اسحاق خاں
11. حکیم اجمل خان
12. مولانا ظفر علی خان
13. مولانا حسرت موہانی
14. عزیز مرزا
15. میاں محمد شفیع
16. حسین شہید سہروردی
17. صاحب زادہ آفتاب احمد خاں
18. بیگم جہاں آرا شاہنواز

کے نام قابل ذکر ہیں۔

نواب وقار الملک نے اجلاس کی صدارت کی انہوں نے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا:

''ہم جس مقصد کے لیے آج یہاں جمع ہوئے ہیں وہ نیا نہیں ہے یہ اسی روز پیدا ہو گیا تھا جب انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی گئی۔ سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ان کی فلاح اور سلامتی اسی میں ہے کہ وہ کانگریس میں شرکت سے اجتناب کریں مسلمان ہندوستان میں اپنی دوسری ہمسایہ قوموں سے ایک خمس کے قریب ہیں، اور اسی لیے یہ ایک صاف مضمون ہے کہ اگر کسی وقت برطانوی حکومت نہ رہی تو اس وقت وہی قوم ملک پر حکمران ہو گی، جو تعداد میں ہم سے چار گنا زیادہ ہے اور اب ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے دل میں اس بات پر غور کرے کہ اس وقت ہماری حالت یہ ہو گی کہ ہمارا مال، ہماری آبرو اور ہمارا مذہب سب خطرے میں ہو گا۔''

خطبہ صدارت کے بعد نواب سلیم اللہ خاں نے مسلم لیگ کے قیام کی قرارداد پیش کی، اس قرارداد کی تائید میں **حکیم اجمل خاں**، محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خاں نے تقاریر کیں۔

مسلم لیگ کے قیام کے اغراض یہ تھے:

(1) مسلمانوں میں برطانوی راج سے وفاداری کے جذبات کو فروغ دینا۔

۲ مسلمانوں کے سیاسی حقوق و مفادات کا تحفظ
۳ ملک میں مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان منافرت کی روک تھام کرنا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا مرکزی دفتر علی گڑھ میں قائم کیا گیا۔ اس کا منشور تیار کرنے کے لیے مولانا محمد علی جوہر کی سربراہی میں ایک 60 رکنی کمیٹی بنائی گئی، سر آغا خاں اس کے پہلے صدر، نواب وقار الملک سیکرٹری اور نواب محسن الملک جائنٹ سیکرٹری نامزد ہوئے۔

پہلا اجلاس

30,29 دسمبر 1907ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا پہلا باقاعدہ اجلاس کراچی میں سر آدم جی پیر بھائی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ سر علی محمد خاں نے مندوبین کو خوش آمدید کہا سر آدم جی پیر بھائی کا نام صدارت کے لیے نواب وقار الملک نے تجویز کیا تھا۔ نواب علی چوہدری اور میاں محمد شاہ دین نے اس تجویز کی تائید کی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں جن اقدامات کی منظوری دی گئی۔ ان میں مسلم لیگ کے آئین کی منظوری اور اس کے اغراض و مقاصد کا از سر نو تعین تھا۔ اجلاس مجوزہ آئین کی منظوری دینے کے بعد ملتوی ہو گیا۔ اجلاس کے لیے پچاس ہزار روپے فراہم کیے گئے تھے۔
مسلم لیگ کے منظور کردہ آئین کے تحت مسلم لیگ کی رکنیت کے لیے 25 سال عمر مقرر کی گئی۔

خصوصی اجلاس

آل انڈیا مسلم لیگ کے پہلے باقاعدہ اجلاس کے صرف اڑھائی ماہ بعد 18 مارچ 1908ء کو خان بہادر محمد مزمل اللہ خاں کی کوٹھی واقع علی گڑھ پر ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا اس اجلاس کی صدارت لاہور کے جسٹس شاہ دین نے کی، اجلاس میں سر آغا خاں مسلم لیگ کے مستقل صدر اور حسین بلگرامی اعزازی سیکرٹری منتخب ہوئے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس میں جداگانہ طریق انتخاب کی حمایت کی گئی اور ایک قرارداد کی صورت میں نواب وقار الملک کی خدمات کو سراہا گیا۔
نیز پنجاب مسلم لیگ کی تشکیل کی توثیق بھی کی گئی۔

دوسرا سالانہ اجلاس

سر علی امام کی صدارت میں 30 دسمبر 1908ء کو امرتسر میں آل انڈیا مسلم لیگ کا دوسرا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس سے متعدد ارکان نے خطاب کیا اور مخلوط طریق انتخاب کو خطرناک قرار دیا۔ اس اجلاس میں منٹو مارلے سکیم کی مخالفت کی گئی اس لیے کہ اس میں مسلمانوں کے لیے نشستوں کی تعداد مختص کر دی گئی تھی۔
میاں محمد شفیع نے کھل کر اس بات کا اظہار کیا:
’’مسلمانوں کے ایسے مخصوص مفادات کا حصول ضروری ہے جو ہندوستان میں ان کے وجود کے لیے ضروری ہیں۔‘‘
سید علی امام نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا:
’’منٹو مارلے اصلاحات کے تحت مسلمانوں کی نشستوں کی تعداد مختص کرنے سے مسلم اقلیت کا ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر رہ جانے کا خطرہ قائم و پیدا ہو جائے گا، اور اس طرح ہندوؤں کی بالادستی قائم ہو جائے گی، اور مسلمان اپنے حقوق و مفادات کا تحفظ نہ کر سکیں گے۔‘‘

تیسرا سالانہ اجلاس

آل انڈیا مسلم لیگ کا تیسرا سالانہ اجلاس 1909ء میں آنریبل سر غلام محمد علی خاں بہادر پرنس آف ارکاٹ کی زیر صدارت دہلی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں 300 مندوبین

اور 5000 مبصرین شریک ہوئے۔ اجلاس میں مندرجہ ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

❶ لوکل باڈیز میں فرقہ وارانہ نمائندگی
❷ دفتری ملازمتوں میں مسلمانوں کی شرکت
❸ ٹرانسوال کے ہندوستانیوں کی مدد
❹ مسلم لیگ کے دفتر کی علی گڑھ سے لکھنؤ منتقلی
❺ حکومت سے براہ راست مسلم لیگ کی خط وکتابت

مولوی محمد عزیز مرزا مسلم لیگ کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔

اس اجلاس میں سید امیر علی کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے مولوی عبدالعزیز مرزا نے درج ذیل باقاعدہ تجویز پیش کی جس کی تائید میاں محمد شفیع نے کی۔ یہ تجویز بڑے جوش وخروش سے منظور ہوئی اس میں کہا گیا تھا:

''مسلمانان ہند کی نمائندہ آل انڈیا مسلم لیگ رائٹ آنریبل سید امیر علی سی آئی ای کی ان خدمات کے لیے جو ریفارم اسکیم (منٹو مارلے ریفارم) جس میں جداگانہ نیابت کا حق تسلیم کیا گیا، انہوں نے مسلمانوں کے حقوق کے لیے انجام دیں مسلم لیگ ہدیہ تبریک پیش کرتی ہے۔''

اجلاس میں آغا خاں کو دو سال کے لیے صدر منتخب کیا گیا اور پنجاب سے نواب فتح علی خاں قزلباش اور بنگال سے پرنس جہانداد مرزا آف مرشد آباد کو نائب صدر نیز سید وزیر حسن کو جوائنٹ سیکرٹری منتخب کیا گیا۔

چوتھا سالانہ اجلاس

28 تا 30 دسمبر 1910ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا چوتھا سالانہ اجلاس ناگپور میں سید نبی اللہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ خان بہادر ایچ ایم ملک نے آغا خاں کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کیا اور کہا:

''آپ کی ذات ہمارے لیے باعث صد افتخار ہے۔''

اجلاس میں سید وزیر حسن نے ایک اہم تجویز پیش کی:

''آل انڈیا مسلم لیگ سنجیدگی سے خواہش مند ہے کہ اب جبکہ حکومت کے اعلیٰ ترین عہدوں کے دروازے ہندوستانیوں کے لیے کھول دیے گئے ہیں تو حکومت کو چاہئے کہ وہ انہیں ملک کے دفاع میں زیادہ سے زیادہ حصہ دے حکمرانوں، سرداروں اور شریف خانوادوں کے نوجوانوں کو باقاعدہ تربیت کے بعد افواج ہند میں ان عہدوں پر فائز کرے، جس کے لیے آج تک صرف برطانوی نژاد ہی اہل سمجھے جاتے ہیں۔''

آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس میں اردو ہندی زبان اور وقف الاولاد کے مسئلے پر مفصل بحث کی گئی۔

مسلم لیگ کونسل اجلاس

پانچویں اجلاس سے قبل بانکی پور پٹنہ دسمبر 1912ء میں سر آغا خاں کی صدارت میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا تھا:

❶ تاج برطانیہ کے ساتھ وفادارانہ جذبات کا اظہار کیا جائے۔
❷ ہندی مسلمانوں کے سیاسی حقوق ومفادات کا تحفظ کیا جائے۔
❸ مسلمانوں اور ہندوستان کی دیگر اقوام کے درمیان دوستی اور بھائی چارے کا فروغ ضروری ہے۔
❹ مندرجہ بالا مقاصد کو نقصان پہنچائے بغیر ملک میں آزادی اور خودمختاری کا حصول لازمی ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس اجلاس میں کانگریس کے نقطہ نظر (حکومت خود اختیاری) کی وضاحت کی نواب وقار الملک نے کہا:

''ابھی خودمختاری کا وقت نہیں آیا۔''

پانچواں سالانہ اجلاس

3-4 مارچ 1912ء کو سر سلیم اللہ خاں کی زیر صدارت آل انڈیا مسلم لیگ کا پانچواں اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں نواب سلیم اللہ نے کہا:

''تقسیم بنگال نے صوبے کے مسلمانوں کو نئی زندگی دی تھی اچانک حکومت نے اسے منسوخ کر دیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان مواقع سے محروم کر دیا گیا ہے جو تقسیم سے پیدا ہوئے تھے۔''

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں تقسیم بنگال کے فیصلے کی تنسیخ کے خلاف شدید احتجاج کیا گیا۔ صدر جلسہ نواب سلیم اللہ خان نے حکومت کے اس فیصلے کو کھلی ہوئی مسلم دشمنی قرار دیا۔

سر آغا خاں مسلم لیگ کی صدارت سے مستعفی ہو گئے اور راجا صاحب محمود آباد صدر بنے۔

خان بہادر مولوی بدر الدین حیدر نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں مسٹر سید حسن امام کو کلکتہ ہائی کورٹ کا جج اور مسٹر سید علی امام کو وائسرائے کونسل میں نامزدگی پر حکومت برطانیہ کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے رائٹ آنریبل سید امیر علی کی لیاقت، صلاحیت و ادبی کاوشوں اور مسلمانوں کے لیے ان کی گرانقدر خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کو پریوی کونسل مقرر کیے جانے پر حکومت برطانیہ کا شکریہ ادا کیا، اور توقع ظاہر کی:

''ان کے حیرت انگیز طور پر غیر متزلزل ٹھوس خیالات اور مضبوط ارادے بالآخر ہمارے فرقے کی نجات کا سبب ہوں گے۔''

خطبہ میں ماہر لسانیات سید علی بلگرامی جیسی عظیم شخصیت کے انتقال پر اظہار افسوس کیا گیا نیز سر آغا خاں کی خدمات کو بھی سراہا گیا۔

اس اجلاس میں سر سید سلطان احمد نے ایک اہم تجویز پیش کی:

''حکومت مسلمانوں کو اعلیٰ ملازمتوں میں جائز حصہ دے۔''

اس تجویز کو پیش کرتے ہوئے انہوں نے اعداد و شمار کی روشنی میں ثابت کیا:

''مسلمانوں کو ان کا جائز حق نہیں مل رہا۔''

مسٹر غلام حسین نے اپنی تجویز میں ایرانیوں سے جو ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ قریب ترین مذہبی، قومی اور ثقافتی رشتوں میں منسلک ہیں اظہار ہمدردی کرتے ہوئے ان کی خدمات کو سراہا۔

چھٹا سالانہ اجلاس

دسمبر 1912ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا چھٹا سالانہ اجلاس منعقد ہونا تھا لیکن سید امیر علی جنہوں نے اجلاس کی صدارت کرنا تھی وقت نہ نکال سکے لہٰذا یہ اجلاس میاں محمد شفیع کی صدارت میں 22-23 مارچ 1913ء کو لکھنؤ میں میاں محمد شفیع کی صدارت میں منعقد ہوا قائداعظم محمد علی جناح جو اس وقت مسلم لیگ کے رکن نہ تھے انہیں بطور مہمان اس اجلاس میں مدعو کیا گیا۔

اجلاس میں مسلم لیگ کا ترمیم شدہ آئین منظور کیا گیا اور تاج برطانیہ کے زیر سایہ ہند کے لیے موزوں حکومت خود اختیاری کے نظام کو اپنا نصب العین قرار دیا دوسری قرارداد میں دیگر سیاسی جماعتوں سے ان مقاصد کے حصول کے لیے تعاون کرنے کے ارادے کا اظہار کیا گیا جو مسلم لیگ کے آئین میں شامل تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح کو زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا نیز کہا گیا:

''لیگ رائٹ آنریبل سید امیر علی اور ایس یو شبلی نعمانی کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اس ماہرانہ استعداد کے لیے مسٹر ایم اے جناح کو خصوصی مبارکباد پیش

کرتی ہے جس سے انہوں نے لیجسلیٹو کونسل میں اس بل کو پیش کیا اور آگے چل کر اسے قانون کی صدارت دلوائی۔''

آخر میں جسٹس سید وزیر حسن کو تہنیتی نعروں کی گونج میں مسلم لیگ کا سیکرٹری منتخب کیا گیا۔

ساتواں سالانہ اجلاس

آل انڈیا مسلم لیگ کا ساتواں سالانہ اجلاس 30-31 دسمبر 1913ء کو آگرہ میں سر ابراہیم رحمت اللہ کی صدارت میں منعقد ہوا اس کے صدر استقبالیہ خان بہادر سید آل نبی تھے۔ انہوں نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں فرمایا:

''ہم افسوسناک اور تکلیف دہ حالات سے گزر رہے ہیں یہ اپنی صفوں کو درست کرنے اور غیر معمولی حالات میں مضبوط متحدہ محاذ بنانے کا وقت ہے یہ انتہائی مشکل اور خطرناک دور ہے، اگر ہم شدید احساس ذمہ داری کے ساتھ منظم نہ ہوئے تو مہلک اور سنگین انجام سے دوچار ہوں گے۔''

انہوں نے اس موقع پر پریس ایکٹ 1910ء کی منسوخی کا مطالبہ کیا، اور 1883ء کے وقف ایکٹ میں ترمیم پر اظہار خیال کرتے ہوئے راجا سید ابو جعفر آف پیرپور کی ترمیم کی طرف توجہ مبذول کرائی، جو وہ امپیریل کونسل کے اجلاس میں پیش کرنے والے تھے، اس موقع پر انہوں نے آگرہ میں ہندو مسلم فسادات پر بھی اظہار افسوس کیا۔ اجلاس میں سر ابراہیم رحمت اللہ نے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا:

''مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش کریں اور بحث، ذاتیات اور گروہ بندی کے خیال سے نہ کی جائے۔''

مچھلی بازار کانپور کی مسجد کے دردناک سانحہ کے متعلق مختلف پہلوؤں پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے حکام کے رویے پر عدم اعتماد اور مسلمانوں پر گولی چلانے پر سخت احتجاج کیا گیا، اور سرکاری ملازمین کے رویہ کا شکوہ کیا گیا۔

جنگ بلقان کے سلسلے میں ترکی کے مسلمانوں سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے کہا:

''ترکی کے مسئلہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان خواہ آپس میں کتنے ہی بٹ جائیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کے مذہبی برادرانہ جذبات کو تمام دنیا میں ایک زندہ قوم کی حیثیت حاصل ہے، دنیا کے مختلف حصوں کے مسلمانوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ مشکل وقت میں اپنے ہم مذہبوں کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار ہیں یہ ایک زندہ معجزہ ہے کہ رسول مقبول ﷺ کے ماننے والوں میں اسلامی مواخات جاں گزیں ہے، اور صدیاں گزرنے کے باوجود رسالت مآب ﷺ کے احکامات کے اثرات زائل نہ ہو سکے۔''

انہوں نے ترکی اور جنوبی افریقہ کے سلسلے میں برطانیہ کی جانبداری کا تذکرہ کیا اور ہندوستان میں عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کرنے پر زور دیا۔

سید امیر علی کی خدمات کو بھی سراہا گیا اجلاس میں میجر سید حسن بلگرامی نے تجویز پیش کی:

'' زنجبار کی صورت حال برقرار رکھی جائے اور برطانوی مشرقی افریقہ اور یوگنڈا میں ہندوستانیوں کے حقوق تبدیل نہ کیے جائیں۔''

سر آغا خاں نے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کے لیے سرمایہ کی ضرورت پر ضرور دیا اور کم از کم پانچ لاکھ روپے جمع کرنے کو کہا۔ اجلاس میں پریس ایکٹ کی منسوخی کے لیے بھی تجویز پیش ہوئی قائداعظم محمد علی جناح نے سیکرٹری آف سٹیٹ کی کونسل میں نمایاں تبدیلیوں کے لیے حسب ذیل تجاویز

پیش کیں۔

❶ سیکرٹری کی تنخواہ انگریزی تخمینہ کے برابر ہو۔

❷ کونسل کی کارکردگی اور آزادی کے پیش نظر ضروری ہے کہ اس کا ایک حصہ نامزد کردہ ہو، ایک منتخب شدہ۔

❸ ممبران کونسل کی تعداد نو ہو۔

❹ کونسل کے منتخب شدہ حصہ کی تعداد ایک تہائی سے کم نہ ہو، جو غیر سرکاری ہوں اور امپیریل اور صوبائی مجالس قانون ساز کے ممبران پر مشتمل حلقہ انتخاب سے ہوں۔

❺ نامزد ممبران کی کم از کم آدھی تعداد ایسے عام افراد پر مشتمل ہو، جن کی صلاحیتوں اور لیاقت کا ہندوستان کی انتظامیہ سے کوئی ربط نہ ہو۔

❻ کونسل کا باقی نامزد حصہ ان سرکاری ملازمین پر مشتمل ہو جنہوں نے کم از کم دس سال ہندوستان میں ملازمت کی ہو اور جن کو دو سال سے زائد ہندوستان سے باہر رہتے ہوئے نہ ہوئے ہوں۔

❼ بہ لحاظ اختیارات کونسل مشاورتی ہو نہ انتظامی۔

❽ ہر ممبر کی مدت کارکردگی 5 سال ہو۔

جلسہ میں نواب وقار الملک کی طرف سے جسٹس سید وزیر حسن اور مولانا محمد علی جوہر پر کامل اعتماد کا اظہار کیا گیا۔

آٹھواں سالانہ اجلاس

30 دسمبر 1915ء تا یکم جنوری 1916ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس بمبئی میں بیرسٹر مظہر الحق کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں جن مسلم لیگی رہنماؤں نے حصہ لیا ان میں قائداعظم محمد علی جناح کے علاوہ راجا صاحب محمود آباد، سر رضا علی، آفتاب احمد خاں، سر وزیر حسن، مولانا حسرت موہانی، مولوی فضل الحق، ابراہیم رحمت اللہ، یعقوب حسن، سر شفیع، ملک برکت علی، سر فضل حسین، مولانا ظفر علی خاں، سر علی امام، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں اور مولانا محمد علی جوہر شامل تھے۔

اس اجلاس میں جناب عبدالحسن آدم جی پیر بھائی نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں سید حسن بلگرامی کے گزشتہ سال انتقال پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ میجر حسن بلگرامی کے انتقال سے ہم ایک ایسی انتہائی ہر دلعزیز شخصیت جواب صرف چشم تصور میں آسکتی ہے سے محروم ہو گئے ہیں۔ موصوف ہمارے مقصد کے حصول کے لیے ایک مخلص اور نڈر پیروکار تھے، جنہوں نے اپنی زندگی کے آخری برسوں میں اپنی تمام تر توجہات کو اسلامی تعلیم کی مشکل گتھیوں کو عملاً سلجھانے کے لیے وقف کر دیا، اور علی گڑھ کو اپنا وطن اور ہمہ جہت کارگزاریوں کا مرکز بنا دیا۔''

اس کے بعد علمی وادبی شخصیت خواجہ غلام الثقلین کے انتقال پر اظہار افسوس کیا گیا۔

اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے ایک تجویز پیش کی:
''ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو آئینی اصلاحات کا مسودہ تیار کرے۔''

اس کمیٹی کو اختیار دیا گیا کہ وہ سیاسی جماعتوں یا ان کی مقرر کردہ کمیٹیوں سے حسب منشاء گفت و شنید کرے، تاہم اصلاحات کی اسکیم تیار کرنے میں ہندوستان کے مسلمانوں کی ضروریات اور مفادات کا خیال ہمیشہ پیش نظر رہے جسٹس سید وزیر حسن سیکرٹری مسلم لیگ نے اس کمیٹی کے لیے نام تجویز کیے جس کے صدر راجا سر محمد علی محمد خاں بہادر کے سی آئی ای آف محمود آباد مقرر ہوئے۔ دیگر حضرات کے ساتھ سید آل نبی آگرہ، سر سید رضا علی مراد آباد، آغا خاں، سر ابراہیم رحمت اللہ بمبئی، مسٹر غلام علی چھاگلہ حیدر آباد سندھ اس کمیٹی کے اراکین مقرر ہوئے اور جسٹس وزیر حسن ایڈووکیٹ لکھنؤ سیکرٹری مقرر ہوئے۔

ثابت کر دکھانا جاتی کا کام ہے۔
مسلمان صرف سات کروڑ ہیں اور ہندو تیس کروڑ۔ ان پر سات سمندر پار سے آکر ایک ایسی قوم مسلط ہو گئی ہے، جس کی تعداد پانچ کروڑ سے زیادہ نہیں۔ ہندو ذہانت اور دلیری اور تجارتی فہم و فراست میں فرداً فرداً کسی انگریز سے کم نہیں۔ انگریز قلت تعداد کے باوجود اس لیے ہندوستان کے مالک بنے بیٹھے ہیں کہ ان کی قوت منظم ہے۔ ہندو اگر سنگھٹ ہو جائیں تو انگریزوں اور ان کے مسلمان پٹھوؤں کو کسی دوسرے کی مدد کے بغیر نیچا دکھا کر سوراج حاصل کر سکتے ہیں۔ مسٹر جینا کی تجاویز منتقمانہ مقابلہ کی دھمکی دے رہی ہیں جس کی ہندوؤں کو کوئی پرواہ نہیں۔ ہندوؤں کو پرانا خیال دل سے نکال دینا چاہئے کہ مسلمانوں کی مدد کے بغیر سوراج ناممکن ہے۔ آج سے ان کی حکمتِ عملی یہ ہوگی کہ مسلمانوں کو اپنے حال پر اور انگریزوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں تا آنکہ انہیں اپنی حماقت کا احساس ہو، اور وہ ذلیل ہو کر ہمارے قدموں پر آگریں، اور سوراج کی جدوجہد میں کوئی قابو چیانہ شرط پیش کیے بغیر ہمارا ہاتھ بٹانے لگ جائیں وہ اتحاد زیادہ محکم اور دیرپا ہوگا۔ ہندو آج سے اپنی دنیا الگ بسائیں گے، اور شدھی اور سنگھٹن سے اس کارخانہ کی رونق ہوگی۔ ٹائمز آف انڈیا لکھتا ہے کہ اگر ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ڈاکٹر مونجے جیسے اشخاص ہی کے صلاح و مشورہ پر موقوف ہے تو مستقبل کے تاریک ہونے میں کلام نہیں۔ اسی طرح ''انڈین نیشنل ہیرلڈ'' نے بھی مسرت کے لہجے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مخلوط انتخاب کی تجویز پر رائے زنی کرتے ہوئے ڈاکٹر مونجے نے جو غیر مآل اندیشانہ روش ظاہر کی ہے۔ اگر ویسی روش ہندو مہاسبھا کی بھی ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہندو رہنماؤں کے عقل و تدبر کا دیوالیہ نکل گیا ہے۔ ''ٹائمز آف انڈیا'' ایک اینگلو انڈین اخبار ہے جس کی ہر بات بہ نگاہ اشتباہ ہی دیکھی جانی چاہئے۔ ''انڈین نیشنل ہیرلڈ'' کے مدیر مسٹر ہارنی مین اگرچہ ہندوستان کے ساتھ محبت رکھتے ہیں، لیکن زیادہ سے زیادہ مسٹر سری نواس آئینگر صدر کانگریس کی آواز بازگشت سمجھے جا سکتے ہیں۔ جس کو آج کل کوئی پوچھتا نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہندوؤں نے ڈاکٹر مونجے اور ان کی ہندو مہاسبھا کی جدید حکمت کا استقبال کس طرح کیا۔ ملک کا کوئی با اثر ہندو حلقہ ایسا نہیں جس نے ہندو مہاسبھا کی اس اپچ پر اظہار مسرت و اطمینان نہ کیا ہو۔ ''پرتاب، سیلا'' ''بندے ماترم'' ''تیج'' اور اس وضع و قماش کے دوسرے سنگھٹی اخبار تو ہندو مہاسبھا کے نئے پیغام عمل پر مارے خوشی کے جتنا بھی ناچیں کم ہے۔ خود دیش بندھو داس آنجہانی کا اخبار ''فارورڈ'' بھی جو سارے قوم پرست بنگالی ہندوؤں کی آواز ہے، ڈاکٹر مونجے کی صاف گویانہ جرأت کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ ''فارورڈ'' کے حسبِ ذیل الفاظ ہنود کی موجودہ ذہنیت کا پتہ دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر مونجے کی مطبوعہ تقریر کے حسن و قبح کے بارہ میں خواہ کچھ بھی اختلاف کیوں نہ ہو، لیکن اس میں شک نہیں کہ انہوں نے اس دقیانوسی عقیدہ کے پرخچے اڑانے میں دلیری سے کام لیا ہے کہ ہندوستان کو اس وقت تک سوراج نہیں مل سکتا، جب تک ہندوؤں اور مسلمانوں کا اتحاد ایک امر واقع نہ ہو۔ ڈاکٹر مونجے کے دعوے میں ظاہر بینوں کو خامیاں نظر آئیں گی، لیکن جو لوگ سوراج کے

سر سید علی امام

1932 - 1869

آپ پٹنہ کے موضع نیورا میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ستمبر 1887ء میں انگلستان چلے گئے اور وہاں سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ سر علی امام نے 1890ء سے کلکتہ ہائی کورٹ میں وکالت کا آغاز کیا۔ 1909ء میں کلکتہ ہائی کورٹ کے جج بنا دیئے گئے۔ نومبر 1920ء میں لیگ آف نیشنز میں پہلے ہندوستانی نمائندے کی حیثیت سے شرکت کی۔ 1908ء کے اوائل میں بہار پراونشل کانفرنس پٹنہ کے صدر منتخب ہوئے۔ 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس میں شرکت کی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے دوسرے سالانہ اجلاس کی صدارت کی اور جنوری 1910ء میں نائب صدر منتخب ہوئے۔ 19,18 اپریل 1931ء میں ہونے والی نیشنلسٹ مسلم کانفرنس لکھنؤ کے لیڈر تھے۔ گول میز کانفرنس میں 1931ء میں شرکت کی۔ علامہ اقبالؒ ان کے بہت معترف تھے اور علامہ اقبالؒ نے اپنی کتاب ''مثنوی اسرارِ خودی'' کو سر علی امام کے نام منسوب کیا۔

شیدائی ہیں، ان کے غور وفکر کے لیے اس دعوے نے بہت کچھ مسالہ بہم پہنچا دیا ہے۔

اب مسلمانوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ ہندو جاتی کیا چاہتی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ اس کا اتحاد صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ وہ مخلوط انتخاب کے اصول کو تسلیم کر کے اپنی داڑھی ان کے ہاتھ میں دے دیں۔ سندھ کو بمبئی سے جدا کر کے ایک جداگانہ صوبہ قائم کرنے کے خام خیال سے باز آ جائیں۔ صوبہ سرحد شمالی ومغربی میں اصلاحات کی ترویج کے بے ہودہ مطالبہ سے دست کش ہو جائیں۔ بنگال اور پنجاب میں اپنی اکثریت کا ڈھول پیٹنا چھوڑ دیں۔ سرکاری ملازمتوں میں جن کا معیار صرف مالویانہ قابلیت ہے، اپنی مولویانہ جہالت کا تناسب کم کرنے کی حماقت میں مبتلا نہ ہوں۔

سوال یہ ہے کہ ان حالات میں مسلمان کیا کریں۔ محمد علی صاحب مدیر ''ہمدرد'' نے اس سوال کو یوں پیش کیا ہے۔ اصل شکل یہ ہے کہ جس ملک میں مسلمان اقلیت میں ہوں، اور ہندو اکثریت ہیں اور دونوں ملتوں کی ذہنیت ایسی ہو کہ ایک دوسرے کو دشمن سمجھیں اور ہندو اکثریت کے انصاف اور رواداری پر مسلمان اقلیت کو بالکل بھروسہ نہ ہو، اور فیصلہ ہر امر میں اکثریت ہی کے موافق کیا جائے تو مسلم اقلیت کے حقوق کا تحفظ کیونکر کیا جائے۔

یہی شکل تھی جس نے مسٹر جینا اور ان کے رفیقوں سے 20 مارچ والا فیصلہ نافذ کروایا، اور محمد علی صاحب سے جن کو ''ہندو جاتی کی قوم پروری'' پر ابھی تک تھوڑا بہت اعتماد تھا۔ یہ کرب آلود تمنا ظاہر کرائی کہ 20 مارچ 1927ء کا یہ فیصلہ بہت ممکن ہے کہ ایک تاریخی فیصلہ ہو جائے۔ خدا ہندوؤں اور مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ اسے قبول کریں۔

ہندو مہاسبھا کی جنگجویانہ ذہنیت نے آج اس شکل کو چہار چند کر دیا ہے، اور ہندو جاتی کی قوم پروری کا بھانڈا خود محمد علی صاحب کو مجبوراً پھوڑنا پڑا ہے۔

مسلمان پہلے ہی سے 20 مارچ والے جینائی فیصلہ کے خلاف تھے۔ اب انہیں متفقہ طور پر عزم بالجزم کر لینا چاہیے کہ اس ملک میں ان کا سیاسی نصب العین کیا ہو، اور ان ذلتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جو ہندو مہاسبھا کے شدھی باز سنگھٹنوں نے ان کے لیے تجویز کی ہے۔ ان کا آئندہ مسلک کیا ہونا چاہیے۔ وہ اچھی طرح سے جان لیں کہ امت مالوی نے اپنی ہزار سالہ روایات کا ادب کرتے ہوئے ہمیشہ کے واسطے برطانیہ کی غلامی کا حلقہ اپنے کانوں میں ڈال لیا ہے جس سوراج کا وہ خواب دیکھ رہی ہے، اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ انگریزی جھنڈے کے سایہ تلے اس ملک کے تمام وہ حقوق جو ایک غلام قوم کو مل سکتے ہیں، صرف اس کے حصے میں آ جائیں۔ ہندوستان کا آزاد کرنا صرف مسلمانوں کا کام ہے۔ ان ہوش مند ہندوؤں کا جو مہاسبھائیوں سے الگ ہو کر ان کے شریک کار ہونا پسند کریں۔ ان میں سے ایک ایک بھی ہزار ہزار پر بھاری رہ چکا ہے۔ وہ تو اس ملک میں سات کروڑ ہیں، اور اگر ارادہ کر لیں تو گنگا کو اپنی چھڑی کے ایک اشارے سے الٹا بہا سکتے ہیں۔ ہمالہ کو اپنے پاؤں کی ایک ٹھوکر سے پیوند ثریٰ کر سکتے ہیں۔ ہندوؤں کے نوزائیدہ جذبہ غیرت کو اگر مسلمانوں کے ساتھ اشتراک عمل میں عار ہے تو ہوا کرے، انہیں اس کی کچھ پرواہ نہیں وہ بھی غیرت

رکھتے ہیں، اور اس غیرت کی بجلی ایک ہزار سال تک مالوی اور مونجے اور لاجپت رائے کے بزرگوں کی آنکھوں کو چندھیاتی رہی ہے اور خدا نے چاہا تو اب ان کو ان کی آئندہ نسلوں کو چندھیائے گی۔ مسلمانوں کے پہلو میں دل ہے، دل میں خدا کا نور ہے، اور اس نور کی روشنی میں انہیں اپنا مستقبل صاف نظر آ رہا ہے وہ ایک ہو جائیں اور اس حریت کاملہ کے انتظار میں جوان کی قوت بازو کے صدقہ میں ایک نہ ایک دن ہندوستان کو حاصل ہو کر رہے گی۔ سر دست ذیل کا سیاسی لائحہ عمل اپنی نظر کے سامنے رکھیں۔

1. سارے ملک میں جداگانہ طریقہ انتخاب رائج رہے تا آنکہ ہندو اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیں کہ مسلمانوں کو ان پر اعتماد ہو سکتا ہے، اور اس وقت انہیں اختیار ہو کہ مقامی حالات کے لحاظ جہاں اور جب چاہیں مخلوط نیابت کا طریقہ اختیار کر لیں۔
2. صوبجات کی کونسلوں میں نمائندگی کا اساس آبادی کا تناسب ہو، اور نشستیں ہر جماعت کے تناسب کے لحاظ سے محفوظ کی جائیں۔
3. لیجسلیٹو اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کی نمائندگی بہ اعتبار تناسب آبادی نہ ہو بلکہ بہ لحاظ مقدار صوبہ جات ہو۔ ہر صوبہ سے مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کی ایک مقررہ تعداد مساویانہ نسبت سے بھیجی جائے تاکہ مرکزی اسمبلی میں ہندوؤں کی وہ خوفناک اکثریت جو سات کروڑ بندگان خدا کی عافیت تنگ کر کے ان میں دائمی بد دلی پیدا کر سکتی ہے، قائم نہ رہنے پائے اور مسلمانوں کو اطمینان ہو جائے کہ اس ملک کے مفاد میں ہم بھی ہندوؤں کے برابر شریک ہیں۔
4. سندھ صوبہ بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک جداگانہ صوبہ قرار دیا جائے۔
5. صوبہ سرحد شمالی و مغربی کی قانونی حیثیت وہی ہو جو دوسرے صوبجات کی ہے۔
6. صوبجات کی مجالس وضع آئین و قوانین کی محض الجماعت نشستوں کی طرح سرکاری ملازمت میں بھی آبادی کا تناسب ملحوظ رکھا جائے۔

یہ مطمعٔ نظر ذرا بلند ہے اور ہندو مہا سبھا کے حلقوں میں تو اس کے تصور ہی سے کہرام مچ جائے گا، لیکن سات کروڑ مسلمانوں کی عزیمت کی رسائی سے کچھ دور نہیں۔

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق
باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

(قائداعظم مسلم پریس کی نظر میں، احمد سعید)

مسلم اوقاف (وقف بل)

(دیکھیے: وقف بل)

مسلم تجاویز

قائداعظم محمد علی جناح نے آئینی اصلاحات کی جو جنگ لڑی وہ تاریخ پاکستان کی ایک درخشندہ مثال ہے۔ 20 مارچ 1927ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے صوبوں کے حقوق دلانے کے لیے مختلف الخیال مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا تجاویز میں یہ شامل ہیں:

1. سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے جداگانہ صوبہ بنایا جائے۔
2. جس بنیاد پر کسی دوسرے صوبہ میں اصلاحات نافذ کی جائیں شمال مغربی سرحدی صوبے کو بھی اس کے برابر دستوری مراعات دی جائیں۔
3. مرکزی اسمبلی میں مسلمان ممبروں کی تعداد ایک تہائی سے

کم نہ ہو۔

مسلم چیمبرز آف کامرس

قائداعظم محمد علی جناح نے اگست 1943ء میں مرزا ابوالحسن اصفہانی سے خواہش ظاہر کی:

''چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹریز کا ایک وفاق تشکیل دیا جائے۔''

جس کے لیے مرزا ابوالحسن اصفہانی نے بمبئی، کلکتہ، دہلی اور لاہور کے ذمہ دار مسلمان تاجروں سے مسلسل گفت وشنید کی۔ بے پناہ مصروفیت کے باوجود مرزاابوالحسن اصفہانی کی مسلسل کوششوں اور جدوجہد کے نتیجے میں قائداعظم محمد علی جناح کی یہ خواہش پوری ہوئی، اوراس طرح مسلمانوں کے لیے تجارت اور حرفت میں قوت کا ایک ذریعہ مہیا ہو گیا، جو آزادی حاصل کرنے کے بعد وطن عزیز کا کاروبار چلانے میں نہایت کارآمد ثابت ہوا۔

مسلم قوم کا مخلص وکیل

کانگریس کے حلقہ میں قائداعظم محمد علی جناح کا وجود سرمایہ افتخار تھا، ان کی وطن دوستی، ان کی ملک پروری، ان کا حبِ قوم شک وشبہ سے بالا تھا، لیکن وہ مخلص ہندوستانی تھے، اس سے کہیں زیادہ سچے مسلمان تھے۔ انہوں نے کانگریس کی مجلس دستور آئین میں بھی نہ اپنی اسلامیت فراموش کی نہ اپنی درماندہ اورپس ماندہ مسلمان قوم کونظر انداز کیا۔انہوں نے مسلمانوں کو کانگریس کا ساتھ دینے کی تلقین کی اور کانگریس کوآمادہ کیا کہ وہ مسلمانوں کی اہمیت اور عظمت کوتسلیم کرلے۔

1917ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں قرار پایا۔ مولانا محمد علی جوہر صدر منتخب ہوئے، انہیں حکومت نے نظر بندی سے رہانہ کیا، لہٰذا سر علی محمد خاں، راجہ صاحب آف محمود آباد نے خطبۂ صدارت پڑھا، اپنے خطبہ میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے اس قابل فخر کارنامے کا بڑے فخر کے ساتھ ذکر کیا، فرماتے ہیں:

''آپ کے (مسلم لیگ کے) سب نمائندوں کے لیے (جن کی قیادت محمد علی جناح کررہے تھے) سب سے زیادہ دشوار اور نازک مقام یہ آیا کہ ان تحفظات کو جنہیں ہندی مسلمان اپنے مفاد کے لیے ضروری سمجھتے تھے، کانگریس کی مجلس منتخبہ سے منظور کرلیا جائے، مسلمانوں کے لیے جداگانہ اور معتدی نمائندگی کا اصول کانگریس کی تاریخ میں اول بار تسلیم کیا گیا، اور پھر اس دستور میں یہ امر بھی طے کرلیا گیا کہ اگر کسی مجلس قانون ساز کے سامنے کوئی ایسا مسودہ قانون پیش ہو، جو کسی ایک قوم سے تعلق رکھتا ہو، اوراس قوم کے دوتہائی نمائندے اس قانون کے کسی جزو کی بھی مخالفت کرتے ہوں تو وہ قانون قابل غور تصور نہ کیا جائے گا، اس اصول کے اعتراف کے نتائج یقیناً دور رس ہیں۔''

مسلم قومیت

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی زندگی میں مسلم قومیت کے متعلق بارہا اظہار خیال کیا یہاں اس کی چند مثالیں دی جارہی ہیں:

1. ''قومیت کی تعریف چاہے جس طرح کی جائے مسلمان اس تعریف کی رو سے ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں، اور اس لیے اس بات کے مستحق ہیں کہ ملک میں ان کی اپنی الگ مملکت اور اپنی جداگانہ خودمختار ریاست ہو۔''

(اجلاس مسلم لیگ لاہور، 23 مارچ 1940ء)

2. ''ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے

ایک قوم ہیں زبان، ادب، فنون لطیفہ، فن تعمیر، نام ونسب، شعور واقتدار، تناسب، قانون واخلاص، رسم ورواج، تاریخ وروایات، رجحان ومقاصد ہر ایک لحاظ سے ہمارا اپنا انفرادی زاویہ نگاہ اور فلسفہ حیات ہے، بین الاقوامی قانون کی ہر تعریف ہماری قومیت کوسلامتی دینے کے لیے تیار ہے۔''

(انٹرویوایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ یکم جولائی 1942ء)

◆3 ''پاکستان اسی روز وجود میں آ گیا تھا، جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا، یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے وطن نہیں اور نہ یہ نسل، ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ ہندو قوم کا فرد نہیں رہا وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی۔'' (خطاب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ 8 مارچ 1944ء)

◆4 ''یہ بات بالکل واضح اور صاف ہے اور دن کے اجالے کی طرح عیاں کہ ہم اقلیت نہیں ہیں ہم ایک قوم ہیں۔''

(پنجاب اسٹوڈنٹس فیڈریشن، 2 مارچ 1941ء)

مسلم کمرشل بنک

وفاقی وزیر عبدالحفیظ پیرزادہ نے 1976ء کے سال کو سال قائداعظم قرار دیا اس موقع پر مسلم کمرشل بنک نے قوم کی خدمت میں ایک خوبصورت کیلنڈر پیش کیا، اس کیلنڈر میں قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی اور کارناموں کی جھلک بے نظیر انداز میں پیش کی گئی کہ اس سے مورخ، دانشور، محقق، سیاست دان، طالب علم اور نئی نسل کو قائداعظم محمد علی جناح کو جاننے اور ان کی عظمت کو پہچاننے میں بڑی مدد ملی۔ اس کیلنڈر کا ڈیزائن ملک کی مشہور ایڈورٹائزنگ کمپنی اور رینٹ ایڈورٹائزز نے بنایا اور گولڈن بلاک ورکس نے اسے شائع کیا، پاکستان کے ممتاز مصور اقبال مہدی نے اس کے لیے 12 خوبصورت پینٹنگز تیار کیں۔

قائداعظم محمد علی جناح اکثر کہا کرتے تھے:

''ہمیں دعویٰ ہے کہ ہم دس کروڑ افراد کی ایک قوم ہیں، لیکن اِن بیسیوں بینکوں میں سے جو ہندوستان میں کام کر رہے ہیں ہمارے پاس صرف ایک بنک (حبیب بنک) ہے۔''

صحیح صورت حال بھی یہی تھی لہٰذا قائداعظم محمد علی جناح کی خواہش اور سر آدم جی داؤد اور مرزا اصفہانی کی گفت وشنید اور کوشش کے نتیجے میں 9 جولائی 1947ء کو مسلم کمرشل بنک کلکتہ میں عمل میں آیا۔ قیام پاکستان سے قبل قائم ہونے والا یہ مسلمانوں کا تیسرا بنک تھا۔ قیام پاکستان کے بعد اسے 17 اگست 1948ء کو ڈھاکہ منتقل کیا گیا، اور 23 اگست 1956ء کو اس کا مرکزی دفتر کراچی میں قائم کیا گیا یکم جنوری 1974ء کو وفاقی حکومت نے بنکوں کو قومی تحویل میں لینے کا اعلان کیا تو اس بینک کو بھی قومی تحویل میں لے لیا گیا۔ نیز اس میں پریمیر بنک کو بھی ضم کر دیا گیا بینک کا ادا شدہ سرمایہ تین کروڑ روپے تھا۔

مسلم کچھی کھتری برادری

22 دسمبر 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے کولی مارکیٹ کراچی میں مسلم کچھی برادری کے ارکان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں آپ کے اس پرجوش استقبال اور اس پرخلوص عطیہ کے لیے تمام مسلم کچھی برادری کا شکریہ ادا کرتا ہوں، آپ حضرات نے اپنے علاقے میں جو عزت اور شرف مجھے بخشا ہے لیگ کے فنڈ میں جو یہ عطیہ کی تھیلی پیش کی ہے، وہ آپ کی قیام پاکستان کی تحریک اور مسلمانوں کے علیٰحدہ وطن کے لیے ایک پرجوش

جذبے کی عکاسی کرتی ہے۔''

لیگ کا ایک عظیم الشان جلسہ اکتوبر 1945ء کو مسلم کچھی برادری کے زیر اہتمام کھتری محلہ نزدترک مسجد ریور اسٹریٹ کراچی پر منعقد ہوا تھا۔محمد ہاشم گزدر کے تعاون اور رہنمائی کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح کو مدعو کیا گیا تھا،اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں مسلم کچھی کھتری برادری کے سربراہوں اور کارکنوں اور آپ سب بھائیوں کا بھی شکر گزار ہوں آپ بھی پاکستان کے قیام کی جدوجہد میں برابر کے شریک ہیں۔میں تمام لوگوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسلم لیگ چند افراد کے لیےنہیں بلکہ تمام مسلمانوں اور اقلیتوں کے مفاد کی حفاظت کے لیے وجود میں آئی ہے۔مسلمانوں نے اب تک کسی سیاسی تحریک میں عملی حصہ نہیں لیا تھا،لیکن اب بچے، جوان اور بوڑھے تمام شریک سفر ہیں۔مسلم کچھی کھتری برادری ایک نڈر اور بے باک اور مخیّر قوم ہے،اس کو چاہیئے کہ متحد ہو کر جدوجہد کریں برادران یہ وقت تعمیری کام کا، بے غرض، بے لوث ادائیگی فرض کا ہے آپ کو اپنے قول اور فعل دونوں سے اپنے عوام میں ایک نئی روح پھونکنی ہے انہیں یہ محسوس کرائیے کہ وہ ایک مقصد عظیم کے لیے کام کر رہے ہیں مسلم لیگ مسلمانوں ہی کے لیے مخصوص نہیں بلکہ اس کا دستر خوان ہر فرقے اور برادری کے لیے بچھا ہوا ہے۔وہ ہر طبقے کے حقوق کے تحفظ کو اپنا فرض اولین سمجھتی ہے۔''

(کھتری عالم سالانہ مجلّہ 1988ء)

مسلم کچھی کھتری فری نائٹ اسکول (بمبئی)

27 جنوری 1941ء کو مسلم کچھی کھتری جماعت کی بمبئی کی مینجنگ کمیٹی کے فیصلے کے مطابق قائداعظم محمد علی جناح سے مسلم لیگ کے جنزل سیکرٹری حاجی نور محمد احمد میمن کی معرفت دی مسلم کچھی کھتری فری نائٹ اسکول کے افتتاح کے سلسلے میں رابطہ قائم کیا گیا۔کھتری احمد حسین عالی۔کھتری اسمٰعیل بخاری اور کھتری محمد عبداللہ خاکو والا قائداعظم محمد علی جناح کو لینے کے لیے ماؤنٹ پلیزنٹ مالابار ہلز پر گئے محترمہ فاطمہ جناح بھی ان کے ہمراہ تھیں۔

قائداعظم محمد علی جناح کی آمد کے موقع پر ان کا پر جوش خیر مقدم کیا گیا۔کچھی جماعت کی جانب سے جناب سیٹھ کھتری حاجی اسمٰعیل محمد تیرائی نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔اس سپاسنامہ میں کہا گیا تھا:

''ہمیں خوشی ہے کہ ہم ہندوستان کے عظیم رہنما اور جواں ہمت فرزند کو قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں،جس نے ہندوستان کے وقار کو بلند کیا آپ نے نہ صرف بمبئی ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ کی حیثیت سے بلکہ وفاقی اسمبلی میں ایک ممتاز اور موثر نمائندے کی حیثیت سے نیز مسلمانوں کے ایک عظیم لیڈر کی حیثیت سے قابل رشک خدمات انجام دی ہیں،آپ کی اخلاقی جرأت،صائب رائے سیاسی تدبر اور دور اندیشی یہ سب خوبیاں ہندوستان کی آزادی کے لیے بہترین سرمایہ ہیں۔

امیر ملت!

آپ کی سرکردگی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک عمدہ رہنمائی حاصل ہوئی ہے،آپ نے ہندوستان کی اقلیتوں کے اہم مسائل کے حل کی راہیں تلاش کی ہیں ان مسائل کے پر اعتماد حل کے بغیر ہندوستان کی ترقی کی راہ ہموار نہیں ہوسکتی۔

جناب محترم!
مسلمان آج کئی الجھنوں میں گرفتار ہیں، چاروں طرف سے کئی طاقتیں ان میں تفریق پیدا کرنے میں مصروف کار ہیں ایسے کٹھن وقت میں ہمیں صرف اجتماعی طاقت اور متحدہ کوشش ہی منزل مقصود تک پہنچا سکتی ہے۔اس سلسلے میں ہم یہ بات فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں یقین محکم اور اعتماد پیدا کرنے والی آپ کی قیادت ہمارے لیے باعث مسرت ہے۔

ہم اپنی تمام تر صلاحیتیں اور تعاون آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ ہماری مسلم کچھی کھتری برادری کے رہنما مسلم گارڈ میں شامل کھتری نوجوانوں کا دستہ آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے ہمیشہ اور ہر وقت حاضر ہے۔آپ نے ہمارے اسکول کا افتتاح کر کے ہماری برادری کی جو عزت اور رونق بڑھائی اس کا ہمیں پورا پورا احساس ہے، اس عزت افزائی کے لیے آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ہمارے پاس الفاظ نہیں۔''

سپاسنامے میں قرارداد لاہور کے بارے میں کہا گیا:
''پورے ہندوستان کی اقتصادیات کا راز گزشتہ سال لاہور میں منظور کی گئی قرارداد میں پنہاں ہے ملک کے گوشے گوشے کے مسلمانوں نے آپ کو اپنے واحد قائد کی حیثیت سے قبول کیا ہے صرف بمبئی کے مسلمانوں کو نہیں ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو آپ پر اعتماد ہے اپنے مذہب اور ہندوستان کی آزادی کے لیے ہم سے جو کچھ ہو سکا ہم کرتے رہے ہیں اور جو ہم سے ہو سکے گا اسے کرنے کے لیے ہم تیار ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے سپاسنامے کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''آپ کے بزرگوں نے تحریک خلافت کی جدوجہد میں صف اول کے رہنما پیدا کیے تھے ایسے رہنماؤں کی کمی صرف اور صرف تعلیم سے پوری ہو سکتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے بچوں کو زیادہ سے زیادہ اعلیٰ تعلیم دلائیں۔ درس گاہیں قائم کریں اور بلا کسی امتیاز مسلمانوں کے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کریں۔ یہ آنے والی نسل کے عظیم سپوت بنیں گے۔انہیں آزاد مملکت کی باگ ڈور سنبھالنا ہوگی۔آپ کو چاہئے کہ مسلمانانِ ہند کی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور تعلیمی نشوونما اور ترقی کے لیے ایک لائحہ عمل بنائیں اور اسے عملی جامہ پہنا کر قوم کے سامنے سرخرو ہوں۔صرف درس گاہیں کھولنے سے فرائض کی تکمیل نہیں ہوتی۔ آپ اساتذہ کو یہ ذمہ داری سونپیں کہ وہ قابل، باصلاحیت اور اسلامی ذہن رکھنے والے طالب علم اور نوجوان تیار کریں اس طرح وہ اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کر سکیں گے جن سے آپ کا مستقبل روشن اور تابناک ہوگا۔میں نوجوانوں سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنی تعلیم کی طرف پورا پورا دھیان دیں وقت تیزی سے گزر رہا ہے، اور حالات کروٹ بدل رہے ہیں اپنے آپ کو عمل کے لیے تیار کریں یہ آپ کا پہلا فریضہ ہے۔آپ اپنی برادری اور مسلمانوں کو ترقی کی جانب اسی صورت میں گامزن کر سکیں گے جب مناسب تعلیم اور مناسب تربیت حاصل کریں گے آپ کی ذمہ داریاں بہت زیادہ اور بہت شدید ہیں۔ ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آپ کو ہر وقت مستعد رہنا ہوگا۔

ہندوستان کے تمام مسلمانوں سے میری اپیل ہے کہ سب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں، برادریوں اور

اجلاس میں سید آل نبی نے تجویز پیش کی:

''مسلم لیگ اس امر کا اعادہ کرتی ہے کہ مسلمانوں کے مفاد میں یہ نہایت ضروری ہے کہ فرقہ دارانہ نمائندگی کے اصول کو خود مختار عوامی اداروں تک وسعت دے کر تمام لوکل باڈیز اور بورڈوں میں نافذ اور جاری کیا جائے جو امپیریل اور صوبائی مجالس قانون ساز میں قابل عمل اصول کے مطابق ہے۔''

مسٹر یعقوب حسن شیخ نے اس کی تائید کی اور فرمایا:

''مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ یہ کہیں کہ بجائے حکومت کے نامزد کردہ افراد کے جو ہمیشہ پسندیدہ قسم کے نہیں ہوتے مسلمانوں کو اپنے نمائندے منتخب کرنے دیے جائیں۔''

مسٹر محسن شاہ نے اس کی تائید کی۔ مولانا حسرت موہانی نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کہا:

''اول تو یہ غیر ضروری ہے دوسرے اس حقیقت کے پیش نظر کہ جب مسلم لیگ اور کانگریس کی کمیٹیاں! اصلاحات اسکیم کے لیے ملنے والی ہیں تو یہ ہوسکتا ہے کہ یہ تجویز عظیم تر اصلاحات کے لیے رکاوٹ نہ بن جائے اور نقصان دہ ثابت ہو۔''

مسٹر ایم اے خواجہ نے ترمیم پیش کی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے مختصر تقریر میں اس تجویز کے پہلوؤں پر روشنی ڈالی، سر ابراہیم رحمت اللہ نے تالیوں کی گونج میں راجا صاحب محمود آباد کا نام آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے لیے پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''میں ان کے منفرد کردار، خداداد صلاحیتوں ملک سے بے پناہ محبت اور اس کے لیے خدمت کی خواہش و جذبات کی وجہ سے راجا صاحب کا مداح ہوں۔''

نواں سالانہ اجلاس

30-31 دسمبر 1916ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس لکھنؤ کے قیصر باغ میں قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں منعقد ہوا اجلاس میں مولوی وحید حسین کی تجویز اور سید آلِ نبی صاحب کی تائید سے یہ طے پایا:

''مسلم لیگ مختلف حلقوں کی ان کوششوں کو تشویش کی نظر سے دیکھتی ہے، جو اردو کی عام مستعمل اور مشترکہ زبان کی حیثیت کو تبدیل کرنے کے لیے کی جا رہی ہیں، ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ صرف اردو ہی ملک کی مشترکہ زبان ہوسکتی ہے۔''

علامہ سید سلیمان ندوی نے قائداعظم محمد علی جناح کی شان میں قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ تھا:

اس مریض قوم کے جینے کی ہے کچھ کچھ امید
ڈاکٹر اس کا اگر مسٹر علی جینا رہا

آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس میں مندرجہ ذیل قراردادیں منظور ہوئیں۔

1. مسلمانوں کی آزادی
2. مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور تعلیم و ترقی
3. اردو زبان کا نفاذ

دسواں سالانہ اجلاس

آل انڈیا مسلم لیگ کا دسواں سالانہ اجلاس 30 دسمبر 1917ء تا یکم جنوری 1918ء کلکتہ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت کے لیے مولانا محمد علی جوہر کی تصویر کرسی پر رکھی گئی تھی کیونکہ وہ ان دنوں جیل میں تھے۔ اجلاس میں مولانا محمد علی جوہر کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا جو ان کی والدہ بی اماں کی آواز میں تھا۔

اجلاس میں مسٹر محمد یعقوب نے تجویز پیش کی:

''مسلمانوں کی شدید خواہشات کے پیش نظر لیگ حکومت پر زور دیتی ہے کہ ان کے مفادات کے تحفظ کے لیے آئندہ اصلاحات میں مندرجہ ذیل تحفظات کی ضمانت ہونی چاہیے۔''

❶ ملازمتوں میں مسلمانوں کی کافی نمائندگی ہونی چاہیے۔

❷ سرکاری یونیورسٹیوں میں مسلمانوں کی نمائندگی اس تناسب سے ہونی چاہیے جیسی کہ اس صوبہ کی مجلس قانون ساز میں ہے۔

❸ اردو زبان اور فارسی رسم الخط کو عدالتوں اور سرکاری دفاتر میں جہاں پہلے سے ایسا ہے برقرار رکھا جائے اور اردو ان صوبوں میں پرائمری تک ذریعہ تعلیم رہے۔

❹ مسلمانوں کو بقرعید اور محرم کے مواقع پر بغیر کسی سرکاری یا فرقہ کی مداخلت کے مذہبی تقریبات رسم و رواج کی روایات کے مطابق بجا آوری میں تحفظ، آسانیاں اور مدد فراہم کی جائے یہ تجویز مسٹر اسماعیل شیرازی کی تائید کے ساتھ منظور ہوئی۔

کانگریس لیگ اسکیم کے چند تفصیل طلب معاملات پر بات چیت کرنے کے لیے دیگر افراد کے علاوہ راجا صاحب محمود آباد، سید رضا علی، سید آل نبی، سید وزیر حسن، قائداعظم محمد علی جناح اور غلام علی چھاگلہ پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی ایک اور کمیٹی بھی بنائی گئی جسے چار ماہ کے اندر سیکرٹری کے مسودہ دستور پر غور کر کے مسلم لیگ کی کونسل میں رپورٹ پیش کرنی تھی۔

گیارھواں سالانہ اجلاس

30 دسمبر 1918ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا گیارھواں سالانہ اجلاس مولوی اے کے فضل الحق کی صدارت میں دہلی میں منعقد ہوا، استقبالیہ کمیٹی کے صدر ڈاکٹر انصاری تھے۔ اس اجلاس میں شرکت کے لیے قائداعظم محمد علی جناح بمبئی سے آئے تھے۔ اجلاس میں راجا صاحب محمود آباد، عمر سوبانی، محمد یعقوب، مولانا محمد اکرم، مولانا منیر الزمان، جناب عبدالعزیز، آغا صفدر، مولانا عبدالستار قصوری، مولانا ظفر علی خان، مولانا عبدالباری، مولانا آزاد سبحانی، مولانا ابراہیم سیالکوٹی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا احمد سعید، مفتی کفایت اللہ، مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا عبداللطیف نے شرکت کی۔

ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے اپنے استقبالیہ میں حکومت کے سخت رویہ کی مذمت کی اور مسلمانوں کے مقدس مقامات کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرنے کا مطالبہ کیا۔ صوبوں میں مکمل طور پر خود مختار حکومت کے قیام اور ہندوستان پر بھی حکومت خود مختاری کے اصول کے نفاذ کے متعلق قراردادیں منظور کی گئیں۔

بارھواں سالانہ اجلاس

26 تا 31 دسمبر 1919ء آل انڈیا مسلم لیگ کا بارھواں سالانہ اجلاس امرتسر میں حکیم اجمل خاں کی صدارت میں منعقد ہوا، اجلاس میں مصر کے قوم پرستوں کے ساتھ اظہار ہمدردی اور خلیفہ وحید الدین کی اطاعت کے علاوہ تقسیم ترکی کے خلاف احتجاج پر سانحہ امرتسر پر حکومت کی پرزور مذمت اور وائسرائے ہند لارڈ چیمسفورڈ کو انگلستان واپس بلانے کے سلسلے میں قراردادیں منظور کی گئیں۔

اس اجلاس کی خصوصی بات یہ تھی کہ علی برادران نے جیل سے پانچ سال کے بعد رہائی پانے کے بعد اجلاس میں شرکت کی۔ مولانا محمد علی جوہر نے بڑی جذباتی تقریر کی اور ان مسائل پر بات چیت ہوئی۔

❶ 1919ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ

❷ خلافت کمیٹی کا قیام

❸ جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد کے مسائل سے نمٹنا

❹ آل انڈیا مسلم کانفرنس کا قیام

❺ سانحہ جلیانوالہ

سر آغا خان سوئم

1957 - 1877

آل انڈیا مسلم لیگ کے پہلے صدر، اسماعیلی فرقے کے امام، آپ 2 نومبر 1877ء کو پیدا ہوئے۔ سر آغا خان اپنے وقت کے عظیم مدبر اور سیاستدان تھے۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لیے آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ نے بین الاقوامی سیاست میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ آپ کی تعلیمی خدمات تاریخ کا ایک روشن باب ہیں۔ آپ نے 1903ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی صدارت کی۔ 1920ء تا 1930ء علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر کی حیثیت سے شاندار خدمات انجام دیں۔ اکتوبر 1906ء میں شملہ وفد کی قیادت کی۔ دسمبر 1906ء میں ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کے سلسلے میں تاریخی کردار ادا کیا۔ حکومت کی جانب سے ان کی حیثیت ایک ''عالمی سفیر'' کی تھی۔ لندن میں منعقدہ گول میز کانفرنسوں میں ہندوستانی وفد کی قیادت بھی آپ نے کی۔ 1937ء میں انجمن اقوام کے پہلے ہندوستانی صدر منتخب ہوئے۔ قائداعظمؒ کی وفات پر سر آغا خان نے اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا: ''قائداعظمؒ کی وفات ایک ایسا اندوہناک صدمہ ہے جو ان کی زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہیں گزرا۔ میں نے اپنی زندگی میں قائداعظمؒ سے بڑی شخصیت کا انسان نہیں دیکھا''۔

تیرھواں سالانہ اجلاس

30-31دسمبر1920ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا تیرھواں سالانہ اجلاس ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی صدارت میں ناگپور میں منعقد ہوا، اس اجلاس میں ترک موالات کی قرارداد منظور کی گئی۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے ناگپور اجلاس میں اپنے موقف میں تبدیلی کرتے ہوئے ملک کے لیے مکمل آزادی کا مطالبہ کیا۔

چودھواں سالانہ اجلاس

آل انڈیا مسلم لیگ کا چودھواں سالانہ اجلاس احمد آباد میں دسمبر1921ء میں مولانا حسرت موہانی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مولانا حسرت موہانی نے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا:

''ہندوستان کو مکمل طور پر آزادی دی جائے۔

اس اجلاس میں یہ وضاحت کی گئی:

''گو ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں ہیں، تاہم کشمیر، پنجاب، سندھ، مشرقی بنگال اور آسام کے صوبوں میں ان کی اکثریت ہے، اس لیے کسی بھی طرح کے متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کی مضبوط ضمانت دینا بڑی ضروری ہے ایسے ہندوستان میں مسلمان، ہندوؤں کو مسلمانوں کے حقوق پامال کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔''

پندرھواں سالانہ اجلاس

24 تا 25 مئی 1924ء کو لاہور کے گلوب تھیٹر میں آل انڈیا مسلم لیگ کا پندرھواں ملتوی شدہ اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں منعقد ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے صدارتی خطبے میں۔ ہندوستان کی اس وقت کی تازہ ترین سیاسی صورت حال پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور رولٹ ایکٹ کے نتیجے میں ہونے والی تبدیلیوں اور سرگرمیوں کی نشاندہی کی نیز خلافت کے مسئلے پر بھی روشنی ڈالی گئی۔

اس اجلاس میں مسلم لیگی رہنما غلام محمد بھرگڑی کو خراج عقیدت پیش کیا گیا، اجلاس کی کارروائی کے دوران ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اس کمیٹی کے ارکان میں قائداعظم محمد علی جناح، میاں فضل حسین، میر مقبول محمود، آغا محمد صفدر، مشیر حسین قدوائی، سید ظہور احمد، سید رضا علی، چوہدری خلیق الزمان، مولوی فضل الحق، آصف علی، نواب سرفراز حسین، عبدالعزیز، شعیب قریشی، مولوی سید مرتضیٰ اور چوہدری شہاب الدین شامل تھے۔ اسی اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح کو دوبارہ مسلم لیگ کا بلا مقابلہ صدر چن لیا گیا اجلاس میں ایک اور کمیٹی بھی بنائی گئی تاکہ خلافت کمیٹی سے مذاکرات کر کے مسلمانوں کی تنظیم کے لیے لائحہ عمل تیار کرے۔

سولھواں سالانہ اجلاس

30-31دسمبر1924ء کو بمبئی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سولھواں سالانہ اجلاس سر سید رضا علی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ سر سید رضا علی نے خطبہ صدارت پڑھتے ہوئے اس دور کی سیاست پر سیر حاصل بحث کی اور کہا:

''ہندو مسلم مناقشات کی وجہ سے نہ صرف آبادی کے کثیر حصہ کی دماغی کیفیت بالائی سطح پر آ گئی ہے، بلکہ قائدین قوم مختلف جماعتوں میں منقسم ہو گئے ہیں اور ملک کے سامنے کوئی متحدہ پروگرام پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قانون حکومت ہند کے قائم کردہ نظام کو برباد کر دینے سے آزادی حاصل ہو سکتی ہے کچھ لوگ اس خیال کے بھی ہیں کہ آزادی حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مصلحت وقت کے مطابق موجودہ حکومت کو چلائیں یا بند کر دیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو یقین ہے کہ سچی عقل مندی اس میں ہے کہ موجودہ نظام حکومت پر

حتی الامکان عمل کیا جائے، یہ سب آراء رکھنے والی سیاسی جماعتیں اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے اجلاس میں پبلک سروس کے بارے میں جو تجویز پیش کی اس کی تائید ملک برکت علی نے کی نیز صوبہ سرحد میں مکمل اصلاحات جاری کرنے کی تجویز بھی پیش کی گئی۔ اجلاس میں حکومت برطانیہ سے ہندوستان کو حکومت خوداختیاری دینے کا مطالبہ کیا گیا۔

سترھواں سالانہ اجلاس

30-31 دسمبر 1925ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا سترھواں سالانہ اجلاس علی گڑھ میں سر عبدالرحیم کی صدارت میں منعقد ہوا قائداعظم محمد علی جناح نے بھی نہ صرف اس اجلاس میں شرکت کی بلکہ ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں ایک قرارداد بھی پیش کی۔ اس موقع پر سر سید علی امام نے چند اہم تجاویز پیش کیں جنہیں تاریخ مسلم لیگ میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ مسلم لیگ کا مقصد ذمہ دار حکومت کا حصول تھا۔ نیز 1919ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں ترمیم کے لیے چند اساسی اصول پیش کیے۔

➊ ملک کی ہر مجلس مقننہ یا دیگر منتخب اداروں میں اقلیت کو کافی اور موثر نمائندگی کا بندوبست کیا جائے، اور کسی صوبے کی اکثریت کو اقلیت یا مساوات کے درجے پر تبدیل نہ کیا جائے۔

➋ فرقہ وارانہ جماعتوں کی نمائندگی کے لیے موجودہ جداگانہ انتخاب برقرار رکھا جائے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر جماعت کو یہ حق ملنا چاہیئے کہ وہ کسی خاص وقت یا موقع پر مشترکہ انتخابات کو بھی زیر عمل لا سکے۔

➌ اگر کسی وقت میں علاقوں کو دوبارہ تقسیم کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے تو اس وقت پنجاب و بنگال، شمال مغربی سرحدی صوبہ کے مسلمانوں کی اکثریت کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔

➍ مکمل مذہبی آزادی! ہر جماعت کو مذہبی معاملات کے عقائد و عبادات کی ادائیگی، رسوم، نشر و اشاعت، انجمن سازی، تنظیم اور تعلیم میں مکمل آزادی کی ضمانت ہونی چاہیئے۔

➎ اگر کسی جماعت کے تین چوتھائی ممبر کسی قانون یا تجویز کی اس بنا پر مخالفت کریں کہ یہ ان کے حق میں ضرر رساں ہے تو اس حالت میں کسی مجلس واضعان قوانین یا دوسرے منتخب اداروں میں یہ قانون یا تجویز منظور نہ کی جائے۔

انہوں نے رائل کمیشن کے قیام کو بھی ضروری قرار دیا اجلاس میں سید آل نبی نے ایک تجویز پیش کی:

"جب بھی رائل کمیشن مقرر ہو تو اس کے سامنے پیش کرنے کے لیے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور دستور کی پیش رفت کی خاطر اسکیم تیار کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی جائے جس میں دیگر حضرات کے ساتھ آنریبل سید رضا علی، سر سید علی امام اور قائداعظم محمد علی جناح کے نام تجویز کیے گئے تھے۔"

اٹھارھواں سالانہ اجلاس

29-31 دسمبر 1926ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا اٹھارھواں سالانہ اجلاس دہلی میں شیخ عبدالقادر کی صدارت میں منعقد ہوا اجلاس میں شرکت کے لیے علامہ اقبال لاہور سے تشریف لے گئے تھے۔

صاحب صدر نے اجلاس میں عماد الملک سید حسین بلگرامی کے انتقال پر مندرجہ ذیل تجویز پیش کی:

"آل انڈیا مسلم لیگ اپنے نہایت تجربہ کار مسلم قائد اور مسلمانوں کے حقوق کے حصول کے لیے ابتدائی کارکنوں میں سے ایک اہم شخصیت نواب عماد الملک

سید حسین بلگرامی کے انتقال پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے مرحوم کے اہل خاندان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے یہ اہم تجویز پیش کی:

''لیگ کا اصل مقصد مکمل ذمہ دار حکومت کا حصول ہے نیز موجودہ آئین میں ترمیم کی جائے، اور ایک شاہی کمیشن مقرر کیا جائے جو ہندوستان میں ذمہ دار حکومت قائم کرنے کی سفارشات کرے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کسی قسم کا آئین مرتب کرتے وقت ان اساسی اصولوں کے تحفظ پر بھی توجہ مبذول کرائی۔

1. ملک کی ہر مجلس مقننہ یا دیگر منتخب جماعتوں میں اقلیت کی مناب نمائندگی کا سامان کیا جائے، اور کسی صوبے کی اکثریت کو اقلیت یا مساوات کے درجہ پر نہ تبدیل کیا جائے۔
2. اقلیت کی نمائندگی کے لیے جداگانہ انتخاب قرار دیے جائیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ میری جماعت کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ کسی خاص وقت یا موقع پر مشترکہ انتخابات کو بھی زیر عمل لا سکے۔
3. اگر کسی وقت علاقوں کو دوبارہ تقسیم کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے تو اس وقت بنگال، پنجاب وشمال مغربی سرحدی صوبہ کے مسلمانوں کی اکثریت کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔
4. ہر جماعت کو مذہبی معاملات، عقائد اور عبادات اور اشاعت تعلیمات میں مکمل آزادی ہونی چاہیے۔
5. اگر کسی جماعت کے تہائی ممبر کسی قانون یا تجویز کی اس بنا پر مخالفت کریں کہ یہ ان کے حق میں ضرر رساں ہے تو اس حالت میں یہ قانون یا تجویز پاس نہ کی جائے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر ایک کمیٹی بھی مقرر کی اس کمیٹی کو یہ ذمہ داریاں سونپی گئیں:

'' وہ ہندوستان کے دیگر سیاسی اداروں سے تبادلہ خیال کرے ایک سکیم مرتب کرے اور اسے لیگ کی مجلس عاملہ کے پاس بغرض غور وخوض روانہ کرے جسے بعد ازاں لیگ کی نظر ثانی کے بعد شاہی کمیشن کے پاس بھیجا جائے۔''

انیسواں سالانہ اجلاس

اس سال یعنی 1927ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے دو اجلاس ہوئے کیونکہ مسلم لیگ دو حصوں (سر شفیع لیگ اور جناح لیگ) میں تقسیم ہو چکی تھی۔ لاہور میں سر میاں محمد شفیع کی صدارت میں جو اجلاس منعقد ہوا اس میں مولانا حسرت موہانی، علامہ اقبال، نواب ذوالفقار علی خاں نے شرکت کی یہ اجلاس 3 دسمبر 1927ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں سائمن کمیشن کی تجاویز کی حمایت کی گئی، اور تجاویز دہلی کی مخالفت۔ مسلم لیگ کا اجلاس 30-31 دسمبر 1927ء اور یکم جنوری 1927ء کو کلکتہ میں سر محمد یعقوب کی صدارت میں منعقد ہوا سر محمد یعقوب نے خطبہ صدارت میں مسلم لیگ کے اختلافات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

''مسٹر جناح نے واضح طور پر یہ جتا دیا تھا کہ سائمن کمیشن کے متعلق کوئی اظہار خیال نہ کرے۔''

لیکن لاہور مسلم لیگ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے مسٹر محمد شفیع کی صدارت میں اپنی پالیسی کا اظہار کر دیا۔ اجلاس میں حکیم اجمل خاں اور سید آل نبی کے انتقال پر اظہار افسوس کیا گیا۔

بیسواں سالانہ اجلاس

26 تا 30 دسمبر 1928ء البرٹ ہال کلکتہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا بیسواں سالانہ اجلاس راجا صاحب آف محمود آباد کی صدارت میں منعقد ہوا اس میں انہوں نے کہا:

''حضرات ہندوستان میں بدنصیبی سے اس وقت ایک

عجب گل کھلا ہوا ہے مختلف مقاموں سے مختلف قسم کے خیالات کا اظہار کیا جا رہا ہے، ہر شخص اپنی اپنی آواز بلند کرنے کے لیے حتیٰ الوسع کوشاں ہے کوئی شخص خاموش رہنا پسند نہیں کرتا۔ اس لیے اختلاف رائے کا ہونا لازمی ہے موجودہ پالیسی میں ردو بدل کرنے کے مسئلوں پر اختلافات ظہور میں آرہے ہیں، لہٰذا اس اجلاس میں ہم لوگوں کا پہلا فرض یہ ہے کہ تبدیلیوں کے متعلق غور وخوض کریں، اور ایک ایسی پالیسی دنیا کے سامنے پیش کریں، جو صرف ہم لوگوں کے لیے نہیں بلکہ سارے ہندوستان کے لیے قابل تسلیم ہو قبل اس کے کہ میں اس مسئلہ پر تفصیل سے اظہار خیال کروں مسلمانوں کے اس عظیم نقصان کی طرف توجہ مبذول کراؤں جو رائٹ آنریبل سید امیر علی مرحوم کی وفات کی شکل میں ہوا کوئی ہندوستانی ان کی عظمت کا منکر نہیں ہوسکتا۔ وہ ہندوستان کے سپوتوں میں عظیم تر تھے۔ ان کی عمیق علمی اور ادبی حیثیت پرسوز جذبہ حب الوطنی اور اسلام کے مقصد کے لیے پرجوش اور والہانہ محبت وہ خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے وہ ہمیشہ یاد کیے جائیں گے، آج ہم ان کا غم منارہے ہیں لیکن ان کی خدمات اور معینہ زندگی کی مثال کو ایک زندہ قوت کی حیثیت حاصل رہے گی۔ ہندوستانی سیاست اس وقت ایک معمہ معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ایک جماعت ایسی ہے جو آزادی کی خواہاں ہے، کہ جس کے ذریعے برطانیہ سے تعلق بالکل منقطع ہو جائے برخلاف اس کے ایک جماعت صرف ڈومینین اسٹیٹس کی خواہاں ہے لیکن ان مسئلوں کے علاوہ ایک اور مسئلہ ہے جس کا حل کرنا ضروری ہے۔ اقلیت کے شک وشبہ اور ڈر کو دور کرنا لازمی ہی نہیں بلکہ اکثریت کا فرض ہے، اب اس کے فیصلے کا انحصار اقلیت و اکثریت کی ذہنیت پر ہے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے دونوں جماعتوں کو صرف اپنے اپنے حقوق کی قربانیاں کرنا ہی فرض نہیں بلکہ قدرے فیاضی کو بھی راہ دینا لازمی ہے۔ فرقہ وارانہ اختلافات کا حل کرنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ دونوں جماعتیں تنگ خیالی کو دور کرتے ہوئے انصاف کی راہ اختیار نہ کریں گی۔ مرکزی واضعان قوانین میں نشستوں کا مخصوص کرنا اور مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں آبادی کے لحاظ سے نشستوں کا تعین ایسے مسئلے ہیں جنہیں ہم باہمی مصالحت سے طے کرسکتے ہیں۔''

اس کے بعد مسٹر چھاگلہ نے تحریک پیش کی:

''آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں شرکت کرنے کے لیے ایک وفد مقرر کیا جائے جس کو چاہئے کہ نہرو رپورٹ پر کافی غور وخوض کرے اور یہ دیکھے کہ گزشتہ سال دسمبر میں ہم لوگوں نے جو مطالبات پیش کیے تھے وہ سب اس میں شامل کیے گئے ہیں یا کہ نہیں۔ نہرو رپورٹ میں جو ترمیمات شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے وہ مسلمانوں کے نقطہ نظر سے سودمند ہیں یا نہیں اور یہ کہ نہرو رپورٹ میں کہاں تک مسلمانوں کے حقوق کا خیال کیا گیا ہے۔''

اجلاس میں جمعیت العلمائے ہند کے علاوہ خلافت کمیٹی کے نمائندوں نے بھی حصہ لیا، اجلاس میں کانگریس سے مذاکرات کے لیے 23 رکنی وفد بھی تشکیل دیا گیا، اور اسے یہ فریضہ سونپا گیا:

''وہ کانگریس اور کانگریسی مسلمانوں کی سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ لے کر اس کی رپورٹ پیش کرے۔''

نیز تجاویز دہلی کی حمایت میں پیش کی جانے والی قرارداد کی

تائید قائداعظم محمد علی جناح، مولانا محمد علی جوہر مولانا شوکت علی اور مولانا ظفر علی خان نے کی۔

اکیسواں سالانہ اجلاس

الہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اکیسواں سالانہ اجلاس 29-30 دسمبر 1930ء کو علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی صدارت میں منعقد ہوا، اپنے صدارتی خطبہ میں علامہ اقبال نے پاکستان کی جغرافیائی حدوں کا خاکہ پیش کرتے ہوئے کہا:

''میری خواہش ہے کہ پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان کے الحاق سے ایک واحد ریاست قائم کی جائے، جو برٹش ایمپائر کے اندر یا اس کے باہر آزاد و خود مختار ہو۔ میرے خیال میں شمال مغرب میں متحدہ انڈین مسلم سٹیٹ کا قیام کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کا مقدر بن چکا ہے۔''

علامہ اقبال کی اس صدارتی تقریر کو خطبہ الہ آباد کا نام دیا گیا۔

بائیسواں سالانہ اجلاس

26-27 دسمبر 1931ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا بائیسواں سالانہ اجلاس سر ظفر اللہ خاں کی صدارت میں دہلی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مسلم لیگ کے آئین میں یہ ترامیم کی گئیں۔

مثلاً اس شق کو کہ

''ہندوستان کے لیے پرامن اور معقول ذرائع سے آزادی کے حصول کو یوں بدل دیا گیا۔

ہندوستان کے لیے مکمل ذمہ دار حکومت کا پرامن اور معقول ذرائع سے حصول جس میں مسلمانوں کے لیے موثر اور معقول تحفظات موجود ہوں۔

اجلاس میں مسلم لیگ کی رکنیت کے لیے روپیہ چندہ بھی رکھا گیا۔ کونسل کی رکنیت کے لیے ورکنگ کمیٹی قائم کی گئی، اس کمیٹی کے ارکان کی تعداد 23 تھی نیز کورم کے لیے ارکان کی تعداد 75 سے کم کر کے 50 کر دی گئی۔

تیئیسواں سالانہ اجلاس

آل انڈیا مسلم لیگ کا تیئیسواں سالانہ اجلاس دو مقامات پر ہوا۔ مسلم لیگ عزیز گروپ کا 21 اکتوبر 1933ء کو ہاوڑہ بیرسٹر عزیز کی صدارت میں اور مسلم لیگ ہدایت گروپ کا اجلاس 25-26 نومبر 1933ء کو دہلی میں منعقد ہوا، حافظ ہدایت اللہ نے اجلاس کی صدارت کی، ہاوڑہ میں ہونے والے اجلاس میں ہندوستان کے دستوری ڈھانچے کے سلسلے میں شائع ہونے والے قرطاس ابیض کی شق بنگال میں دوسرے ایوان کے قیام کو رجعت پسندانہ قرار دیا گیا۔ مولوی فضل الحق نے قرطاس ابیض پر قرارداد پیش کی تھی، اجلاس میں کمیونل ایوارڈ کو بھی غیر تسلی بخش قرار دیا گیا۔

حافظ ہدایت اللہ نے اپنے صدارتی خطبے میں مسئلہ فلسطین پر اظہار خیال کیا۔

چوبیسواں سالانہ اجلاس

11-12 اپریل 1936ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا چوبیسواں سالانہ اجلاس سر وزیر حسن کی زیر صدارت بمبئی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں 1935ء کے ایکٹ کی وفاقی سکیم پر شدید تنقید کی گئی اور قائداعظم محمد علی جناح کو مرکزی پارلیمانی بورڈ کی تشکیل کے اختیارات تفویض کیے گئے۔ اس اجلاس میں نواب زادہ لیاقت علی خاں کو مسلم لیگ کا جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ اس اجلاس میں دو سو مندوبین نے شرکت کی۔ اجلاس کی استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین کریم بھائی ابراہیم تھے۔

صدر جلسہ نے کہا:

''1935ء کا انڈیا ایکٹ غیر جمہوری اور ہندوستانیوں

کے لیے نا قابل قبول ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ایکٹ کے وفاقی حصے کو بنیادی طور پر غلط، شدید رجعت پسندانہ، ضرر رساں اور برطانوی ہند کے بنیادی مفادات کے لیے مہلک قرار دیا۔

پچیسواں سالانہ اجلاس

15 تا 18 اکتوبر 1937ء کو لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا پچیسواں سالانہ اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت منعقد ہوا، اجلاس میں صوبہ آسام کے وزیر اعلیٰ سر سعد اللہ، پنجاب کے وزیر اعلیٰ سر سکندر حیات اور بنگال کے وزیر اعلیٰ مولوی فضل الحق نے دو ہزار مندوبین کے ہمراہ شرکت کی۔ اس اجلاس کی خصوصیت یہ تھی کہ مسلم لیگ کا قومی پرچم بلند کیا گیا، نیز قائداعظم محمد علی جناح پہلی بار وہ ٹوپی پہن کر آئے جو جناح کیپ کے نام سے مشہور ہے۔

اجلاس میں سات صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے صوبائی اسمبلیوں کے اندر مسلم لیگ اسمبلی پارٹیاں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

ایک تجویز میں کانگریس کی اس حرکت پر اظہار بیزاری کیا گیا:

''اس نے بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دیا ہے جو صرف اسلام کے خلاف اور بت پرستانہ ہی نہیں بلکہ حقیقی ترقی کے خلاف ہے۔''

ایک اور قرارداد میں ان وزارتوں کی تشکیل کو ناپسند کیا گیا اور ان کی مذمت کی گئی جو بعض صورتوں میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے الفاظ روح اور انسٹرومینٹس آف انسٹرکشن کے خلاف قائم کیں، اور اس پر گورنروں کی مذمت کی گئی کہ وہ ان اختیارات کو نافذ کرنے سے قاصر رہے جو مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے مفاد کی حفاظت کے لیے ان کو دیے گئے تھے۔

قرار پایا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا مطمع نظر یہ ہے کہ وہ ایسی آزاد جمہوری ریاست کے وفاق کی صورت میں کامل آزادی حاصل کرے گی جن میں آئین کے اندر مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق اور مفاد مناسب اور موثر طور پر محفوظ ہوں اردو کی ترقی، حفاظت، تعلیم اور تمام سرکاری محکموں میں اس کا استعمال قائم رکھنے کا اور جہاں وہ نہیں ہے، اس کے شروع کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

آخری قرارداد راجہ محمد امیر احمد خان آف محمود آباد نے پیش کی جس میں آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کو ہدایت کی گئی:

''وہ اقتصادی، معاشرتی اور تعلیمی پروگرام مرتب کرنے کے لیے فوری اقدام کرے۔''

❶ کارخانہ کے مزدوروں اور دیگر مزدوروں کے لیے کام کے اوقات مقرر کرنا، مزدوری کی کم ازکم اجرت مقرر کرنا۔

❷ مزدوروں کی رہائش اور غلیظ حالات کو بہتر بنانا اور گندے علاقوں کو ختم کرنا۔

❸ دیہی اور شہری قرضوں میں کمی اور سود کی لعنت کو ختم کرنا تاوقتیکہ مناسب قانون نہ بن جائے۔ تمام قرضوں کی ادائیگی میں مہلت دینا۔

❹ ایسے قانون کا اجراء جس کی رو سے مکانات ڈگریوں کی عملدرآمد کی صورت میں فروخت ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔

❺ مناسب کرایہ مکان اور لگان کا مقرر کیا جانا۔

❻ جبریہ محنت (بیگار) کا خاتمہ۔

❼ دیہاتوں میں اصلاحی کام۔

❽ شہر اور دیہاتوں میں گھریلو اور چھوٹی صنعتوں کی ہمت افزائی کرنا۔

❾ سودیشی بالخصوص ہاتھ کے بنے ہوئے کپڑے کی ہمت افزائی کرنا۔

❿ صنعت وحرفت کی ترقی کے لیے ایک انڈسٹریل ہوم قائم

بیگم جہاں آراء شاہنواز

1979 - 1897

آپ نے لاہور میں تعلیم حاصل کی اور 1914ء میں آپ کی شادی میاں شاہنواز بار ایٹ لاء سے ہوئی۔ مختلف خواتین کانفرنسوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔ 1930ء کی گول میز کانفرنس لندن میں آپ نے شرکت کی اور خواتین کے حقوق کے تعین کا مطالبہ پیش کیا۔ آپ کی کوششوں سے مرکزی اسمبلی میں 9، کونسل آف سٹیٹ میں 6 اور صوبائی مجالس قانون ساز میں 41 نشستیں خواتین کے لیے مخصوص کی گئیں۔ ان کی کوششوں سے مجالس قانون ساز میں مسلمان خواتین کو جداگانہ نیابت کا حق حاصل ہوا۔ 1937ء میں پنجاب اسمبلی میں لاہور سے منتخب ہوئیں۔ 1938ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی خواتین کمیٹی کی رکن مقرر ہوئیں۔ 1946ء کے انتخابات میں کامیاب ہوئیں۔ اسی سال قائداعظمؒ نے انہیں ہندو کانگرس کے پروپیگنڈے کے توڑ کے لیے ایم اے ایچ اصفہانی کے ہمراہ امریکہ بھجوایا۔ پنجاب سول نافرمانی تحریک میں حصہ لیا اور گرفتار ہوئیں۔ 1947ء میں پاکستان کی مجلس دستور ساز اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں۔

کرنا تاکہ آڑھتی کی دستبرد ختم کی جا سکے۔

⓫ بیروزگاری میں امداد کی فراہمی کے ذرائع پیدا کرنا۔

⓬ لازمی پرائمری تعلیم کی ترقی

⓭ ثانوی اور یونیورسٹیوں بالخصوص سائنس اور ٹیکنیکل تعلیم کی تنظیم نو کرنا۔

⓮ رائفل کلب اور فوجی کالج قائم کرنا۔

⓯ بندش شراب کا نفاذ۔

⓰ مسلم سوسائٹی سے غیر اسلامی رسم و رواج کا خاتمہ۔

⓱ رفاہ عامہ کے لیے ایک رضا کار کور کا قیام۔

⓲ مکمل آزادی کے حصول ذرائع اختیار کرنا اور ان مقاصد کے لیے تمام جماعتوں سے تعاون حاصل کرنا۔

اجلاس میں ڈاکٹر انصاری، سر راس مسعود، سر فضل حسین خاں بہادر مسعود الحق اور شیخ محمد علی کی وفات پر اظہار تعزیت کیا گیا۔

چھبیسواں سالانہ اجلاس

آل انڈیا مسلم لیگ کا چھبیسواں سالانہ اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت 26 تا 29 دسمبر 1938ء پٹنہ میں منعقد ہوا، قائداعظم محمد علی جناح کی صحت خراب تھی اس لیے وہ خطبہ صدارت لکھ نہ سکے تاہم انہوں نے برجستہ تقریر کی جس کے اقتباسات یہ ہیں:

''مجھے یقین ہے اور بہت سے لوگوں کو میری رائے سے اتفاق ہے کہ کانگریس ہائی کمان اس بات پر تلی ہوئی ہے کہ اپنا کلچر دوسروں سے اختیار کرائیں، اور ہندو راج قائم کریں۔ بندے ماترم کی مثال موجود ہے کہ اس کے گائے جانے پر اصرار ہے، اور دوسروں کو بھی جن میں مسلمان شامل ہیں مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ اس کا احترام کریں۔ اس پر اصرار ہے کہ سرکاری عمارتوں پر کانگریسی جھنڈا الہرایا جائے، اور ہر شخص اس کا احترام کرے، اس کے بعد ہندی اور ہندوستانی کا جھگڑا ہے، لیکن ہندوستانی رائج کیے جانے کی تحریک کا اصل مقصد اردو کو مٹانا ہے۔''

واردھا کی تعلیمی سکیم اور ودیا مندر سکیم کے متعلق قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''یہ سکیمیں کافی غور و فکر اور خاص مقصد سے تیار کی گئی ہیں۔''

مسلم لیگ کے اسی اجلاس میں لاہور کے مسلم لیگی رکن میاں فیروز الدین کی تجویز پر انہیں قائداعظم کا لقب دیا گیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے مولانا شوکت علی کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اس اجلاس میں شرکت کے لیے مولانا مرتضٰی حسن چاند پوری، مولانا شبیر علی تھانوی، مولانا ظفر احمد انصاری، مولانا عبدالغفور پھولنپوری، مولانا عبدالجبار اور مولانا معظم حسین کو بھیجا اس وفد نے مولانا مرتضٰی حسن چاند پوری کی قیادت میں قائداعظم محمد علی جناح سے بیرسٹر عبدالعزیز کے مکان پر ملاقات کی۔

مولانا شفیق عمادی پھلواری نے یہ نظم پڑھی:

''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آجا۔''

اسی اجلاس میں آل انڈیا مسلم لیگ خواتین کی سب کمیٹی بنائی جانے کا فیصلہ کیا گیا، مسلم لیگ کی اس سب کمیٹی میں محترمہ فاطمہ جناح، بیگم اصفہانی، لیڈی سر علی امام اور لیڈی ہارون جیسی عظیم خواتین شامل تھیں۔

اجلاس میں راجا صاحب محمود آباد کو مسلم لیگ کا خازن منتخب کیا گیا۔

اس اجلاس کے لیے گراں قدر عطیہ مسٹر رضا امام (سر علی امام کے صاحب زادے) اور راجا صاحب محمود آباد نے دیا۔

اس اجلاس میں علامہ اقبال، کمال اتاترک اور مولانا شوکت

علی کے انتقال کے سلسلے میں قراردادیں بھی منظور کی گئیں۔

ستائیسواں سالانہ اجلاس

قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں آل انڈیا مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس لاہور میں 22 تا 24 مارچ 1940ء منعقد ہوا۔ یہ اجلاس اس اعتبار سے تاریخی اہمیت کا حامل تھا کہ اس میں مسلمانوں نے اپنے لیے علیٰحدہ وطن کے قیام کے سلسلے میں ایک قرارداد منظور کی تھی۔ اس اجلاس میں سر رضا علی کی تجویز پر نواب زادہ لیاقت علی خاں اور راجا صاحب محمود آباد بالترتیب اعزازی سیکرٹری اور اعزازی خازن منتخب ہوئے اور جوائنٹ سیکرٹریوں کا انتخاب کونسل پر چھوڑ دیا گیا سر شاہنواز ممدوٹ نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔

اس اجلاس میں میاں بشیر احمد مجلسِ استقبالیہ کے سیکرٹری بنے اور وہ سٹیج پر قائداعظم کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ان کی مشہور نظم:

ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناح

اس اجلاس میں پڑھی گئی۔ یہ نظم پہلے میاں بشیر احمد نے تحت اللفظی پیش کی اور بعد میں انور غازی آبادی نے ترنم کے ساتھ بلند آواز میں پیش کی اور اس کے بعد یہ نظم ہر مسلمان کی زبان پر تھی۔

اجلاس میں جو قرارداد پیش کی گئی اس کا اردو میں ترجمہ مولانا ظفر علی خاں نے کیا۔ یہ قرارداد بنگال کے وزیر اعلیٰ مولوی اے کے فضل الحق نے پیش کی اور تائید کنندگان میں یہ رہنما شامل تھے۔

❶ چوہدری خلیق الزمان (یوپی)، ❷ مولانا عبدالحامد بدایونی (یوپی)، ❸ بیگم محمد علی جوہر (یوپی)، ❹ سردار اورنگ زیب ایم ایل اے (سرحد) ❺ سر عبداللہ ہارون (سندھ)، ❻ عبدالحمید خاں (مدراس) ❼ ابراہیم اسماعیل چندریگر (بمبئی)، ❽ سردار عبدالرؤف شاہ (سی پی) ❾ نواب محمد اسماعیل (بہار)، ❿ قاضی محمد عیسیٰ (بلوچستان) ⓫ مولانا ظفر علی خاں (پنجاب) ⓬ ڈاکٹر محمد عالم (پنجاب) پیر ضیاالدین اندرابی (کشمیر)۔

مسلم لیگ کے اس اجلاس میں پورے ملک سے کم و بیش ایک لاکھ افراد نے شرکت کی۔ خرچ کا اندازہ بیس ہزار روپے لگایا گیا تھا، لیکن پونے گیارہ ہزار روپے خرچ ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا:

''مسلم ہندوستان ایسا کوئی دستور قبول نہیں کر سکتا جو ایک ہندو اکثریتی حکومت پر لازماً منتج ہو۔ ایک جمہوری نظام کے تحت جو اقلیتوں پر جبراً مسلط کر دیا جائے، ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکجا کرنے کے معنی صرف ہندو راج کے ہیں۔ جس قسم کی جمہوریت پر کانگریس کی اعلیٰ کمان فریفتہ ہے اس کا مطلب اس چیز کی مکمل تباہی و بربادی ہوگا، جو اسلام میں بہت ہی زیادہ قابل قدر اور قیمتی ہے۔ گزشتہ اڑھائی سال کے دوران ہمیں صوبائی دساتیر کی کارکردگی کا خاص تجربہ ہو چکا ہے، اور اس قسم کی حکومت کا پھر سے اعادہ یقیناً خانہ جنگی کی جانب راہنمائی کرے گا، اور ایسی نجی عسکریہ تنظیم کے وجود کا باعث ہوگا جیسی تنظیم کے لیے مسٹر گاندھی نے سکھر کے ہندوؤں کو مشورہ دیا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا:

''ہندوؤں کو اپنی مدافعت خود کرنی چاہئے، تشدد کے ذریعہ اینٹ کا جواب پتھر سے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو انہیں ترک وطن کر لینا چاہیے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''مسلمان ایک اقلیت نہیں ہیں جس طرح کہ عام طور پر کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ اس کے لیے فقط ذرا چاروں طرف نگاہ دوڑانے کی ضرورت ہے آج بھی ہندوستان

کے برطانوی نقشہ کے مطابق گیارہ صوبوں میں سے چار صوبے جہاں مسلمانوں کا کم و بیش غلبہ ہے ہندو کانگریس کی اعلیٰ کمان کے عدم تعاون اور شہری نافرمانی کے فیصلے کے باوجود حکومت چلا رہے ہیں، اور کارپرداز ہیں۔

مسلمان، قوم کی ہر تعریف کی رو سے ایک قوم ہیں اور انہیں ان کے اوطان ملنے چاہئیں۔ انہیں ان کا علاقہ اوران کی ریاست بہر حال ملنی چاہئے۔ ہم صلح و امن کے ساتھ دوستی اور خیر سگالی کے ساتھ ایک آزاد اور خودمختار قوم کی حیثیت سے اپنے پڑوسیوں سے مل جل کر رہنا چاہتے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ ہماری قوم کے لوگ روحانی، ثقافتی، معاشی، سماجی اور سیاسی زندگی ایک ایسے انداز میں جو ہمارے خیال میں بہت اعلیٰ ہو، اور ہمارے مثالی تصورات اور نصب العین اور ہمارے عوام کی فکر کے مطابق ہو پوری طرح اور کامل طور پر پروان چڑھائیں۔ دیانت کا تقاضا ہے اور ہماری قوم کے لاکھوں افراد کا انتہائی اہم مفاد ہم پر ایک مقدس فرض یہ عائد کرتا ہے کہ ایک ایسا باعزت اور پرامن حل تلاش کیا جائے جو سب کے لیے منصفانہ، مفید و موزوں ہو، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے مقصد اور ہماری منزل مقصود سے دھمکیوں اور بھبکیوں سے نہ مرعوب کیا جا سکتا ہے نہ منحرف، ہمیں ساری مشکلات و نتائج کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے، اور اس منزل کے حصول کے لیے جو ہمارا مقصود اصلی ہے ہر قسم کی قربانیاں جو درکار ہوں ہمیں دینا چاہئے۔''

نمازعصر 23 مارچ کے بعد آنریری سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے سالانہ رپورٹ پیش کی اور سبجیکٹ کمیٹی کے صدر کے نامزدہ پندرہ ارکان کے ناموں کا اعلان کیا گیا۔

اٹھائیسواں سالانہ اجلاس

12 تا 15 اپریل 1941ء مدراس میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اٹھائیسواں سالانہ اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت منعقد ہوا، اس اجلاس میں شرکت کے لیے قائداعظم محمد علی جناح بمبئی سے خصوصی طور پر مدراس آئے تھے۔ اجلاس میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔ قائداعظم محمد علی جناح علالت کی وجہ سے پہلے روز تقریر نہ کر سکے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے دوسرے روز تقریر کرتے ہوئے کہا:

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا دل ہمیشہ غربا کے ساتھ ہے اور ان کے لیے ہے، میں آپ کی خدمت کر رہا ہوں میں سمجھتا ہوں کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا غربا محسوس کرتے جائیں گے کہ میں ان کا خادم ہوں، اگر میں کامیاب ہو گیا تو اس امر سے کمال مسرت ہو گی، اور یہ میرے لیے ایک انعام ہو گا کہ غرباء کا معیار معیشت بلند ہو گا۔ ہم پاکستان کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ہم اپنی حکومت چاہتے ہیں اگر اس حکومت میں انسانوں کے لیے مساوات نہیں تو کس کام کی؟ اگر وہ حکومت غرباء کو ضروریات زندگی مہیا کرنے سے قاصر ہے تو اس کے قیام اور وجود سے کیا حاصل، ہماری جدوجہد کی غایت یہی ہے کہ ہم غربا کی بہبود کے لیے ہر امکانی جدوجہد کر سکیں۔''

اجلاس میں کانگریس کی طرف سے شروع کی جانے والی تحریک سول نافرمانی پر ایک قرارداد منظور کی گئی۔

انتیسواں سالانہ اجلاس

3 تا 6 اپریل 1942ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا انتیسواں

سالانہ اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں الہ آباد میں منعقد ہوا۔قائداعظم نے فرمایا:

''کرپس مشن کا مدعا ایک ہندوستانی یونین (اتحاد) کا قیام ہے،مگر آل انڈیا مسلم لیگ پاکستان سے کم کوئی چیز قبول نہیں کرے گی۔''

اس اجلاس میں مطالبہ کیا گیا:

''مسلمانوں کو حق خود ارادیت کی ضمانت دی جائے اور برطانوی حکومت 1940ء کی قرارداد پر عمل درآمد کرے۔''

تیسواں سالانہ اجلاس

آل انڈیا مسلم لیگ کا 30 واں سالانہ اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں 24 تا 26 اپریل 1943ء دہلی میں منعقد ہوا قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا:

''وقت آگیا ہے کہ قوم کو بنانے کے لیے تعمیری پروگرام شروع کیا جائے تاکہ وہ پاکستان کے نصب العین کی طرف جانے والے راستے پر گامزن ہو۔''

قائداعظم محمد علی جناح کو اسی اجلاس میں دوبارہ مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا گیا قائداعظم محمد علی جناح نے کانگریس کی ''ہند چھوڑ دو'' تحریک کے جواب میں ''تقسیم کرو اور چلے جاؤ'' کا نعرہ دیا۔اجلاس میں سر عبداللہ ہارون اور سر سکندر حیات خاں کے انتقال پر اظہار تعزیت کیا گیا۔میاں بشیر احمد نے پاکستان کا ترانہ پڑھا۔

اکتیسواں سالانہ اجلاس

آل انڈیا مسلم لیگ کا اکتیسواں سالانہ اجلاس 24 تا 26 دسمبر 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت کراچی میں منعقد ہوا۔قائداعظم محمد علی جناح جب بمبئی سے کراچی تشریف لائے تو ان پر ہوائی جہاز سے پھولوں کی بارش کی گئی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے صدارتی خطبے میں فرمایا:

''برطانوی حکومت کھیل کھیل رہی ہے وہ (برطانوی حکومت کے نمائندین) ایک وقت میں ایک بات کہتے ہیں،اور دوسرے وقت میں دوسری،اس کا مجمل نتیجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ ہم پاکستان کے مخالف نہیں بلکہ ہندو اس کے مخالف ہیں،اور ہندوؤں سے کہتے ہیں کہ ہم اکھنڈ ہندوستان کے مخالف نہیں اس کے مخالف تو مسلمان ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک چیز کے حق میں ہیں یعنی ان کا راج پاٹ قائم رہے۔''

کراچی کے اجلاس کی مجلس استقبالیہ کے صدر جی ایم سید تھے۔قائداعظم محمد علی جناح نے اس اجلاس کے بعد چھ ارکان پر مشتمل مجلس عمل بھی تشکیل دی ان کے نام یہ ہیں:

1. نواب اسماعیل خاں صدر نشیں
2. مسٹر جی ایم سید
3. حاجی عبدالستار اسحاق سیٹھ
4. نواب افتخار حسین ممدوٹ
5. قاضی محمد عیسیٰ
6. نوابزادہ لیاقت علی خاں۔

اجلاس میں صدر آل انڈیا مسلم لیگ کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ آنے والی پاکستانی مملکت کے لیے زمین تیار کرنے کی خاطر ایک پنج سالہ معاشی اور معاشرتی منصوبہ تیار کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنائیں اور کمیٹی ان امور پر رپورٹ پیش کرے۔

1. پاکستانی علاقوں میں مملکت کی طرف سے حقوق کا اجراء
2. پاکستانی علاقے میں ریاستی صنعتوں کا قیام
3. مفت پرائمری تعلیم کا اجراء
4. اراضی کے نظام میں اصلاح

⑤ مالیہ کا استحکام

⑥ مزارعت کا تحفظ

⑦ مزدوروں کے حالات کار اور زراعت میں بہتری

⑧ ساہوکارے پر کنٹرول

مسلم لیگ آل، پاکستان

پاکستان کا قیام 14 اگست 1947ء کو عمل میں آیا تو دسمبر 1947ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر لیگی اکابرین کا ایک اجلاس کراچی میں طلب کیا گیا۔

اجلاس میں پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کی بجائے پاکستان مسلم لیگ کی تشکیل کی گئی۔ چوہدری خلیق الزماں اس کے چیف آرگنائزر مقرر ہوئے۔

اجلاس میں 475 میں سے 250 مسلم لیگی زعماء نے شرکت کی۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں کو مسلم لیگ کا کنوینئر مقرر کیا گیا۔

فروری 1948ء میں اس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، اس اجلاس میں گیارہ ارکان پر مشتمل آئینی کمیٹی سردار عبدالرب نشتر کی سربراہی میں مقرر کی گئی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے لیے کوئی عہدہ قبول نہ کیا۔

مسلم لیگ اور تاریخی اجتماع، لاہور

پروفیسر رفیع اللہ شہاب اپنی کتاب جدوجہد قیام پاکستان میں رقمطراز ہیں:

"ہندو کانگریس کے غیر شریفانہ سلوک نے اب مسلمانوں کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ اگر انہوں نے زندہ رہنا ہے تو وہ ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے زندہ رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں حتمی فیصلہ کرنے کے لیے لاہور میں 23 مارچ 1940ء کو کل ہند مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس منٹو پارک لاہور میں منعقد ہوا، اس تاریخی اجلاس کی یاد تازہ کرنے کے لیے اب یہاں مینار پاکستان تعمیر کر دیا گیا ہے، مسلم لیگ کا جلسہ شروع ہونے سے دو تین دن پہلے لاہور میں ایک المناک سانحہ پیش آیا، ہوا یوں کہ خاکساروں کے ایک دستہ نے شاہی مسجد کے قریب دفعہ 144 کی خلاف ورزی کی تو پولیس سے اس کا تصادم ہو گیا، اس تصادم میں ایک بڑا انگریز پولیس آفیسر قتل کر دیا گیا، پولیس نے انتقاماً فائرنگ شروع کر دی، جس سے تقریباً 32 خاکسار ہلاک اور لاتعداد زخمی ہو گئے، اس تصادم کی خبر جب ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں پہنچی تو ایک عام خیال یہ پیدا ہو گیا کہ شاید اب مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں منعقد نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ علامہ مشرقی اور قائداعظمؒ کے خیالات میں بنیادی اختلاف ہے، لیکن قائداعظم نے ان افواہوں کو کوئی اہمیت نہ دی، اور لاہور کا جلسہ مقررہ تاریخ پر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔

قائداعظم ریل گاڑی کے ذریعے 21 مارچ کی صبح کو نو بجے لاہور پہنچے۔ اگرچہ خاکساروں کی شہادت کی وجہ سے لاہور کا ماحول سوگوار تھا، لیکن پھر بھی ستر ہزار کے قریب مسلمان ان کے استقبال کے لیے لاہور اسٹیشن پر جمع ہو گئے تھے، قائداعظم کو جلوس کی شکل میں ان کی رہائش گاہ تک لانا تھا، لیکن آپ ریلوے اسٹیشن سے سیدھے میو ہسپتال پہنچے جہاں آپ نے زخمی خاکساروں کی عیادت کی، 22 مارچ کی شب کو مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس شروع ہوا، جس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:

مسلم لیگ کے اجلاس سے قائداعظم کا خطاب

''خواتین وحضرات! ہم آج پورے پندرہ ماہ کے بعد اپنے اجلاس میں شریک ہورہے ہیں، آل انڈیا مسلم لیگ کا گزشتہ اجلاس دسمبر 1938ء میں پٹنہ میں منعقد ہوا تھا، اس دوران میں بہت سے واقعات رونما ہو چکے ہیں، سب سے پہلے میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ پٹنہ کے اجلاس کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کو کن چیزوں پر اپنی توجہ مرکوز کرنی پڑتی رہی، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سب سے زیادہ ضروری کام جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے وہ مسلم لیگ کی تنظیم ہے، گو یہ کام ابھی تک مکمل نہیں ہوا۔ تاہم پندرہ ماہ میں ہم نے کافی ترقی کر لی ہے، اور مقام مسرت ہے کہ ہم تمام صوبوں میں لیگ کی شاخیں قائم کر چکے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ اسمبلیوں کے ہر ضمنی انتخابات میں ہمیں زبردست مخالفین سے مقابلہ کرنا پڑا، میں مسلمانوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اس آزمائش میں قابل قدر استقلال اور جرأت کا ثبوت دیا ہے، چنانچہ کسی ضمنی انتخابات میں ہمارے مخالفین کو لیگ کے امیدوار کے مقابلے میں کامیابی نہیں ہوئی۔

یو پی کونسل کے گزشتہ انتخاب میں مسلم لیگ نے سو فیصدی کامیابی حاصل کی ہے۔ میں اس وقت آپ کو ان تفصیلات میں لے جانا نہیں چاہتا جو لیگ کی تنظیمی مہم سے تعلق رکھتی ہیں۔ صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ لیگ کی روز افزوں ترقی ہورہی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ پٹنہ کے اجلاس میں ہم نے خواتین کی ایک کمیٹی بنائی تھی، یہ چیز ہمارے لیے ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ہمیں اس چیز کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنی خواتین کو ایسے مواقع بہم پہنچائیں کہ وہ ہمارے ساتھ زندگی اور موت کی اس کشمکش میں حصہ لے سکیں، خواتین گھر کی چاردیواری کے پردے میں رہتے ہوئے بھی کام کر سکتی ہیں، ہم نے یہ کمیٹی اس نقطہ نظر سے بنائی تھی کہ عورتیں مسلم لیگ کے تنظیمی کاموں میں شریک ہوسکیں، اس مرکزی کمیٹی کے ذمے سب سے پہلا کام یہ تھا کہ وہ صوبائی اور ضلع کی سطح پر خواتین سسٹم لیگ کی تنظیم کرے، دوسرا حکم یہ تھا کہ یہ کمیٹی زیادہ سے زیادہ تعداد میں خواتین کو مسلم لیگ کا رکن بنائے، تیسرا کام جو اس کمیٹی کے سپرد کیا گیا وہ یہ تھا کہ ملک بھر کی خواتین میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کے لیے نہایت وسیع پیمانے پر پروپیگنڈہ کیا جائے۔

یاد رکھیے! کہ اگر ہماری خواتین میں خاطر خواہ بیداری پیدا ہو جائے تو ہماری آئندہ نسلوں کو مشکلات سے دو چار ہونا نہ پڑے گا، چوتھی مہم یہ تھی کہ خواتین کو ایسے مسائل سے روشناس کرایا جائے کہ جو مسلم سوسائٹی کی ترقی سے متعلق ہیں، مقام مسرت ہے کہ مرکزی کمیٹی نے اس کام کو نہایت تندہی اور گرم جوشی سے شروع کیا، اور اب تک قابل قدر مفید خدمات انجام دے چکی ہے، اور جب ہم کمیٹی کے کارناموں کی رپورٹ پر نظر ڈالتے ہیں تو بلاشبہ ہمیں ان کی خدمات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

جنوری 1939ء سے لے کر برطانیہ کے ہٹلر کے خلاف اعلان جنگ تک 3 ستمبر 1939ء ہمیں لاتعداد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے، ناگپور میں ہمیں ودیا مندر کے تعلیمی نظام کا مقابلہ کرنا پڑا، ملک بھر میں واردھا تعلیمی سکیم کے خلاف جہاد کیا، کانگریسی

حکومتوں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے اور ہمیں ان کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، علاوہ ازیں جے پور اور بہاول نگر وغیرہ ریاستوں میں مسلمانوں کے ساتھ قابل اعتراض برتاؤ کے خلاف ہمیں آواز اٹھانا پڑی، پھر ہمیں اس اہم مسئلہ سے دو چار ہونا پڑا جو راجکوٹ جیسی چھوٹی سی ریاست میں رونما ہوا، اس طرح آل انڈیا مسلم لیگ کو جنوری 1939ء سے لے کر 3 ستمبر تک لاتعداد اہم مسائل سے دو چار ہونا پڑتا رہا، اعلان جنگ میں سب سے بڑا خطرہ مسلمانان ہند کے لیے تھا کہ کہیں مرکزی حکومت میں وفاقی سکیم کا نفاذ نہ کر دیا جائے۔ ہمیں ان تمام چالوں کا بخوبی علم تھا جو اس وقت کانگریس کی جانب سے کھیلی جا رہی تھیں لیکن مسلم لیگ ہر طرف سے مسلمانوں کے حقوق کی مدافعت میں مصروف تھی۔

ہم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ہم گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1939ء کی مہلک وفاقی سکیم کو کبھی قبول نہیں کریں گے، مجھے کامل یقین ہے کہ اس سکیم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ہم نے برٹش گورنمنٹ کو کافی حد تک ترغیب دی ہے، اور برطانوی حکومت کو اس حقیقت کا احساس دلانے کے لیے مسلم لیگ نے قابل قدر کام کیا ہے، آپ جانتے ہیں کہ انگریز نہایت ضدی قوم ہے، اور اس کے ساتھ محتاط بھی، بلاشبہ وہ چالاک لوگ ہیں لیکن تیز فہم نہیں ہیں۔ جب جرمنی کے خلاف برطانیہ کا اعلان جنگ ہو چکا تھا تو پھر قدرتی طور پر جناب وائسرائے کو مسلم لیگ کی امداد کی ضرورت پڑی، جناب وائسرائے کو عین اس وقت احساس ہوا کہ مسلم لیگ بھی اس ملک میں ایک طاقت ہے، خیال رہے کہ اعلان جنگ سے پہلے وائسرائے نے مجھے کبھی یاد نہیں کیا تھا۔ وہ صرف مہاتما گاندھی کو یاد فرماتے رہتے تھے۔ میں کافی عرصے تک مرکزی اسمبلی میں ایک پارٹی کا لیڈر رہ چکا ہوں۔ بلکہ اسمبلی میں موجودہ مسلم لیگ پارٹی کی قیادت سے بھی کہیں زیادہ، میں نے اس پارٹی کی قیادت کی ہے مگر جناب وائسرائے نے اس سے پہلے مجھے کبھی یاد نہیں کیا تھا۔ چنانچہ اس دفعہ جب مہاتما گاندھی کے ساتھ مجھے بھی ملاقات کا دعوت نامہ ملا تو میں دل میں سخت حیران ہوا کہ یہ مرتبہ و مقام مجھے اچانک کیسے حاصل ہو گیا؟ لیکن میں نے اس سوال کا جواب تلاش کر لیا۔ اس سوال کا جواب آل انڈیا مسلم لیگ تھا۔ جس میں میں صدر تھا، مجھے یقین ہے کہ کانگریس کی ہائی کمان کو اس سے نہایت مہلک صدمہ پہنچا کیونکہ یہ واقعہ ان کے سارے ہندوستان کی نمائندگی کے دعوے کے لیے ایک چیلنج تھا۔ چنانچہ مہاتما گاندھی اور کانگریس ہائی کمان کے طرز عمل سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی ہے، کیونکہ وہ ابھی تک اس صدمے سے صحت یاب نہیں ہو سکے، آپ اپنی تنظیم مسلم لیگ کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ خود لگا سکتے ہیں، میں اس موضوع پر اور کچھ نہیں کہوں گا، ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے، مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اب بیدار ہو چکے ہیں، اور مسلم لیگ ایک طاقتور ادارہ بن چکی ہے۔ جسے کوئی تباہ نہیں کر سکتا۔ لیڈر آتے جاتے رہیں گے لیکن مسلم لیگ اپنی جگہ قائم و دائم رہے گی، اعلان جنگ کے بعد ہماری حالت نازک ترین تھی، لیکن اس صورت حال میں ہم نے مقابلہ کیا، ہم ہندوستان کی آزادی چاہتے ہیں، لیکن یہ آزادی سب قوموں کے لیے چاہتے ہیں نہ کہ

صرف کسی ایک قوم کے لیے بلکہ ہم تو کانگریس کی غلامی سے بھی آزادی چاہتے ہیں، پچھلے اڑھائی سالوں میں ہم نے بہت کچھ سیکھا ہے، اب ہم کانگریس کے لیڈروں پر بالکل اعتماد نہیں کر سکتے۔ یہ اصول سنہری ہے کہ کسی پر ضرورت سے زیادہ اعتماد نہ کیا جائے، بعض اوقات ہم لوگوں پر اعتماد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، لیکن جب ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچ جائے تو پھر ہمیں سنبھل جانا چاہیے۔ خواتین و حضرات! ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کانگریس حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے بعد ایسی حرکات کرے گی جو اس نے کانگریسی وزارت کے صوبوں میں کیں۔ میں نے تو کبھی خواب میں بھی یہ نہیں دیکھا تھا کہ یہ لوگ اتنے گھٹیا ثابت ہوں گے۔ میں اس بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں پر مظالم کے سلسلے میں برطانوی حکومت اور کانگریس میں کوئی معاہدہ طے پا چکا ہے۔ جس کی وجہ سے برطانوی حکومت ان مظالم پر خاموش تھی۔ ہم نے صوبوں کے گورنروں کو ان کی دستوری ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی لیکن ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی، تاہم قدرت نے ہماری مدد کی۔ کانگریس نے برطانوی حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لیے وزارتوں سے استعفے دیے، جو حکومت منظور کرنے پر مجبور تھی، اور کانگریس کی سیاسی دباؤ کی چال ناکام ہوگئی۔ اس لیے میں آپ لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنی تنظیم اس طرح کریں کہ آپ اپنی طاقت کے علاوہ کسی دوسرے پر بھروسہ نہ کریں۔ اس طرح تم اپنے آپ کو بچا سکتے ہو، اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کے خلاف ہمارے دلوں میں نفرت ہے۔ اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے ہر انسان کو اپنے آپ کو طاقتور بنانا ہوتا ہے۔

اب اس مسئلہ پر غور کیجئے کہ آئندہ الیکشن میں ہماری پوزیشن کیا ہوگی، کہا جاتا ہے کہ جس وقت حالات اجازت دیں گے یا کم از کم جنگ عظیم کے ختم ہونے کے فوراً بعد 1935ء کے آئین کو بنیادی طور پر جانچا جائے گا اور ہمیشہ کے لیے اس سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا، ہم اس کے قائل نہیں کہ برطانوی حکومت کو اعلانات شائع کرنے کے لیے کہا جائے۔ یہ اعلان حقیقتاً کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتے۔ یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ آپ برطانوی حکومت سے اعلانات کا مطالبہ کر کے انہیں ملک سے باہر نکال سکیں، لیکن اس کے باوجود کانگریس نے وائسرائے سے اعلان کا مطالبہ کیا۔ وائسرائے نے جواب دے دیا کہ وہ اعلان کر چکا ہے۔ کانگریس نے کہا یہ اعلان نہیں۔ ہم تو اور قسم کا اعلان چاہتے ہیں۔ آپ ابھی فوراً اس بات کا اعلان کریں کہ ہندوستان آزاد ہے اور ہندوستانیوں کو ایک دستور ساز اسمبلی بنانے کا حق حاصل ہے۔ جو عام بالغ حق رائے دہندگی یا اگر ممکن ہو تو اس سے کم حق رائے دہندگی کے اصول پر منتخب کی جائے۔

مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ یہ اسمبلی بلاشبہ اقلیتوں کے حقوق کا مکمل تحفظ کرے گی اور اگر اقلیتوں کی اس سے تسلی نہ ہوئی تو وہ اس بات کے لیے رضامند ہیں کہ یہ مسئلہ ایک اعلیٰ قسم کی غیر جانبدارانہ عدالت کے سامنے رکھا جائے تاکہ وہ اس جھگڑے کا فیصلہ کر دے، یہ ایک غیر عملی تجویز ہے، علاوہ ازیں تاریخی اور آئینی نقطہ نظر سے یہ کتنی لغویت ہے کہ ایک حکمران طاقت کو یہ کہا جائے کہ وہ ایک دستور ساز اسمبلی کی

نواب محسن الملک

1907 - 1837

آپ اٹاوہ کے ایک سید گھرانے میں پیدا ہوئے۔ سرسید احمد خان کے دستِ راست تھے۔ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے دومرتبہ صدر منتخب ہوئے۔ 1900ء میں یوپی کے سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں ہندی رائج کرنے کے خلاف ''اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن'' قائم کی۔ 1903ء میں انجمنِ ترقی اردو کی بنیاد رکھی۔ 1906ء میں لارڈ منٹو سے ملاقات کیلئے مسلمانانِ ہند کا ایک وفد تیار کیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام پر انہیں اس کا جائنٹ سیکرٹری مقرر کیا گیا۔

حمایت میں برطرف ہو جائے، اسے بھی چھوڑیے، فرض کیجیے ہم اس حق رائے دہندگی سے رضا مندی کا اظہار نہ کریں جس کی بناء پر مرکزی اسمبلی کا انتخاب ہو یا فرض کریں ہم مسلمانوں کے مستقل نمائندے ہونے کی حیثیت سے دستور ساز اسمبلی کے غیر مسلم ممبران سے اتفاق نہ کریں تو پھر کیا ہو گا؟ کہا جاتا ہے کہ ہمیں سوائے ان معاملات کے جو اقلیتوں کے تحفظات سے تعلق رکھتے ہیں باقی کسی معاملے میں اختلاف رائے کا حق حاصل نہ ہو گا، ہمیں صرف یہ حق دیا جاتا ہے کہ ہم اقلیتوں کے حقوق و تحفظات کے معاملے کے سوائے اور کسی مقام پر اختلاف رائے سے کام نہ لے سکیں، ہمیں یہ حق دیا جاتا ہے کہ ہم جداگانہ انتخاب سے اپنے نمائندے بھیج سکیں گے۔

یہ تجویز اس مفروضے پر مبنی ہے کہ جونہی یہ سکیم عمل میں آئے گی، انگریزوں کا تسلط ختم ہو جائے گا، اگر یہ منشا نہیں تو یہ ایک معنی خیز چیز ہے، مسٹر گاندھی بلاشبہ یہی کہتے ہیں کہ یہ آئین فیصلہ کر دے گا کہ آیا انگریز یہاں سے چلے جائیں گے یا نہیں، اور اگر وہ چلے گئے تو کس حد تک ان کا اقتدار ختم ہو جائے گا، دوسرے لفظوں میں ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ پہلے یہ اعلان کر دیجئے کہ ہم آزاد ہیں اس کے بعد میں فیصلہ کروں گا کہ آپ کو کیا پیش کروں، کیا مسٹر گاندھی اس قسم کی باتیں کرتے وقت حقیقتاً کامل آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن انگریز جائیں یا نہ جائیں یہ چیز واضح ہے کہ بڑی حد تک سیاسی طاقت عوام کے ہاتھوں میں ہوگی، اب فرض کیجئے کہ اگر اسی اثناء میں دستور ساز اسمبلی کی اکثریت اور مسلمانوں میں اختلاف رائے ہو جائے تو ثالثی عدالت کا تقرر کون کرے گا؟ پھر یہ فرض کر لیجئے کہ ایک متفقہ عدالت کا تقرر عمل میں آ چکا ہے، اور عدالتی فیصلہ دیا جا چکا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس کے بعد اس امر کی کون نگہداشت کرے گا کہ جو عمل ہو گا وہ عدالتی فیصلے کی جملہ دفعات کے عین مطابق ہوگا۔ اس چیز کی دیکھ بھال کون کرے گا کہ عملی طور پر فیصلے کا احترام کیا گیا ہے، کیونکہ ہمیں تو یہ بتایا جاتا ہے کہ اس وقت انگریز کا اقتدار مکمل طور پر ختم ہو چکا ہوگا۔ اس عدالتی فیصلے کی پشت پر کون جواز ہو گا، جو اس کو معرض عمل میں دیکھ سکے گا۔

ہمیں اس نتیجے پر پہنچنا پڑے گا کہ یہ کام ہندو اکثریت ہی انجام دے گی کیا یہ کام انگریزوں کی سنگینوں کے بل بوتے پر کیا جائے گا یا گاندھی جی کے اہنسا کی مدد سے، کیا آئندہ ہم ان پر کسی قسم کا اعتماد کر سکتے ہیں؟ حضرات! کیا آپ اس چیز کا تصور کر سکتے ہیں کہ اس نوعیت کا معاشرتی مسئلہ جس پر آئندہ دستور کی بنیاد ہو اور جو نو کروڑ مسلمانوں پر اثر انداز ہوتا ہو، عدالتی فیصلے کے ذریعے طے ہو سکتا ہے؟ لیکن ابھی تک کانگریس کی تجویز یہی ہے۔

جہاں تک ہمارے اندرونی معاملات کا تعلق ہے، ہم نے اس پر کافی غور وفکر کیا، اور آپ جانتے ہیں کہ ہمارے پاس لاتعداد سکیمیں ہیں جو بڑے بڑے ماہرین آئین اور دیگر اصحاب نے جو ہندوستانی آئینی معاملات میں گہری دلچسپی لیتے ہیں، بھیجی ہیں، اور ہم نے ایک سب کمیٹی صرف اس کام کے لیے مقرر کر رکھی ہے جو ان سکیموں کی تفصیلات پر جو ابھی تک موصول ہوئی ہیں غور وخوض کرے۔ ایک چیز واضح ہے وہ یہ کہ اس بات کو شروع ہی سے غلطی سے

فرض کرلیا گیا ہے کہ مسلمان اقلیت میں ہیں، اور یہ لفظ سننے کی کچھ عادت سی پڑ گئی تھی، بعض اوقات اس قسم کے رجحانات سے خاصی مشکل ہو جاتی ہے۔ مسلمان اقلیت نہیں، وہ ہر اعتبار سے ایک قوم ہیں۔ ہندوستان میں سیاسی مسئلہ کی نوعیت فرقہ وارانہ نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ ایک بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے، اور اسی نقطہ نظر سے اس کا تصفیہ ہوسکتا ہے، جب تک اس اساسی اور بنیادی حقیقت کا احساس نہ کیا جائے گا خواہ کسی آئین کو بھی نافذ کیا جائے وہ تباہ کن نتائج پیدا کرے گا، اور نہ صرف مسلمانوں کے لیے بربادی اور استہلاک کا موجب ثابت ہو گا بلکہ ہندوؤں اور انگریزوں کے لیے بھی، اگر برطانوی حکومت حقیقتاً خلوص کے ساتھ اس برصغیر کے باشندوں کی خوشی اور امن پسندی کی خواہش مند ہے تو اس کا صرف ایک طریقہ ہے کہ ہندوستان کو خودمختار قومی ریاستوں میں تقسیم کر کے ان دو اہم قوموں کو علیحدہ ہو جانے دے۔ یہ ریاستیں کسی اعتبار سے ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہوں گی، بلکہ اس کے برعکس ایک قوم کا دوسری قوم پر سیاسی اقتدار اور معاشرتی نظام مسلط کرنے کا حریفانہ اور قدرتی جذبہ فنا ہو جائے گا۔ ان دونوں کے درمیان بین الاقوامی معاہدوں کے ذریعے دوستانہ مراسم بڑھیں گے، اور دونوں قومیں اپنے ہمسائیوں کے ساتھ مل کر کامل امن پسندی سے رہیں گی۔ اس کے علاوہ یہ چیز دوستانہ طور پر اقلیتوں کے مسئلہ کو بالتفصیل طے کرنے اور ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں ان کے متعلق ہم آہنگی پیدا کرنے میں بہت مددگار ثابت ہوگی، اور یہ ایک ایسا طریقہ ہو گا، جس کے ذریعے مسلمان اور دیگر اقلیتوں کے حقوق اور تحفظات کا نہایت موثر اور تسلی بخش انتظام ہو سکے گا۔

اس بات کا اندازہ لگانا نہایت مشکل ہے کہ ہمارے ہندو بھائی اسلام اور ہندومت کی اصل ماہیت کو آخر کیوں نہیں سمجھتے، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں مذہب نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے سے مختلف دو معاشرتی نظام ہیں۔ متحدہ قومیت ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ ہندوستان میں ایک قوم کا غلط تصور حد اعتدال سے نکل گیا ہے، اور آج ہماری بہت سی مشکلات کا باعث بن رہا ہے، اور اگر ہم نے بروقت اپنے رجحانات کی اصلاح نہ کر لی تو یہ چیز ہندوستان کی بربادی پر منتج ہوگی۔ ہندو اور مسلمان الگ الگ فلسفہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ دونوں کی معاشرت جدا جدا ہے۔ دونوں کا ادب ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ان میں باہمی شادیاں نہیں ہوتیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھانا بھی نہیں کھاتے، حقیقتاً وہ دو الگ الگ تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کی بنیادیں متضاد تصورات پر قائم ہیں۔ یہ حقیقت عین واضح ہے کہ ہندو اور مسلمان دو مختلف تاریخوں سے وجدان حاصل کرتے ہیں۔ ان کا رزمیہ الگ ہے، ان کے مشاہیر الگ ہیں، اور وہ ایک دوسرے سے مختلف تاریخی سرمایہ رکھتے ہیں، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ان کی فتح وشکست حیثیتیں رکھتی ہیں۔ دو ایسی قوموں کو ایک نظام سلطنت میں جمع کر دینا جہاں ایک عددی اقلیت ہو اور دوسری اکثریت میں یہ عمل محض باہمی منافقت کو بڑھائے گا اور اس نظام کی بربادی کا باعث ہو گا جو ایسے ملک کی حکومت کے لیے وضع کیا جائے گا۔''

قائداعظمؒ کا یہ مشہور خطبہ صدارت ان کے انگریزی مجموعہ تقاریر کے پورے اکیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اوپر اس خطبے کے صرف اہم ترین حصوں کا ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے، سارے خطبے کا ترجمہ بہت ہی طویل ہوگا۔

(جدوجہد قیام پاکستان، از پروفیسر رفیع اللہ شہاب)

مسلم لیگ اور مسئلہ آزادیٔ ہند

روزنامہ انقلاب 30 دسمبر 1943ء کی اشاعت میں قائداعظم محمد علی جناح کا خطبہ صدارت، مسلم لیگ اور مسئلہ آزادیٔ ہند کے بارے میں لکھتا ہے:

''قائداعظم محمد علی جناح کے خطبہ صدارت کا جو خلاصہ اس وقت تک ہمارے سامنے آیا ہے، اس میں سیاسی مسائل و مقاصد کے متعلق کوئی نئی چیز نہیں اور نہ کسی چیز کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ اس لیے کہ مسائل و مقاصد وہی ہیں۔ لیگ کے خلاف غرض پرستوں نے بارہا تہمتیں تراشیں کہ وہ ہندوستان کی آزادی سے بے پرواہ ہے۔ قائداعظم نے کراچی کے خطبے میں تہمت کی قاطع تردید فرما دی ہے اور اس حقیقت کا ایک مرتبہ پھر اعادہ کر دیا ہے کہ ہندوستان کی آزادی و پیش قدمی کے راستے میں لیگ حائل نہیں ہے مسلمان حائل نہیں ہیں بلکہ ہندو رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ ضرور ان کی غلط غیر منصفانہ اور غرض پرستانہ روش کے باعث یہاں تعطل کی صورت رونما ہے، وہ جب آزادیٔ ہند کا نام زبان پر لاتے ہیں تو ان کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ ہندو آزاد ہو جائیں اور مسلمان ان کے غلام بنے رہیں، لیکن مسلمانوں کے نصب العین یعنی پاکستان کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ ہندو بھی آزاد ہوں، اور مسلمان بھی، اور دونوں اپنے اپنے دائرے میں اقلیتوں کی حفاظت کرتے ہوئے ترقی کی منزلیں طے کریں۔

ہندوؤں کو مسلمانوں کی آزادی سے اس رویہ کاوش ہے کہ وہ انگریزوں کی غلامی کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن پاکستان کو مان کر مسلمانوں کو آزادی کا موقع دینا نہیں چاہتے، اور یہ حقیقت راجگوپال کے پمفلٹ ''راہِ نجات'' سے بھی واضح ہے۔

وائسرائے کی کلکتہ والی تقریر پر تبصرہ فرماتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:

''حکومت کے اختیارات میں حقیقی حصہ حاصل کیے بغیر کوئی باعزت جماعت کیونکر تعاون پر آمادہ ہوسکتی ہے؟ کانگریس نے عدم تعاون کا راستہ اختیار کیا، اور سول نافرمانی شروع کر دی۔ اسے خلاف قانون قرار دے دیا گیا، لیکن باقی ہندوستان کا کیا قصور ہے؟ اگر کانگریس تعاون نہیں کر سکتی تو ہندوستان کی باقی پارٹیاں اور بالخصوص مسلم لیگ تو باعزت مفاہمت کے لیے ہمیشہ تیار رہی ہے، اور فتح حاصل کرنے کے کام میں سرگرم امداد پر ہمہ تن آمادہ ہیں، اس کے تعاون کو کیوں مسترد کیا گیا؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''ہم نے لیگ کی تنظیم کا کام شروع کیا تو ہمارے خلاف جوڑ توڑ کیے گئے۔ کانگریس، جمعیۃ العلماء، احرار، آزاد کانفرنس، مومن کانفرنس وغیرہ نے ہماری مخالفت کی۔ کانگریس نے جمہور مسلمانوں سے رابطہ پیدا کرنے کی تحریک اٹھائی، لیکن مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کی ہر سازش ناکام رہی، میں حکومت اور ہندو دونوں سے کہتا ہوں کہ ''تم ہمیں

توڑ نہیں سکتے، مہربانی فرما کر ہمارے معاملات میں مداخلت نہ کرو۔ اگر سمجھوتہ کرنا چاہتے ہو تو ہم حکومت اور ہندو دونوں کے ساتھ باعزت سمجھوتہ کے لیے آمادہ و تیار ہیں، اور کسی شرط پر نہیں۔ آج کسی شخص کو اس حقیقت میں خفیف سا شبہ بھی نہیں ہوسکتا کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانانِ ہند کی نمائندہ اور مختار جماعت ہے۔''

قائداعظم کا یہ خطبہ ایک گھنٹہ اور چالیس منٹ تک جاری رہا۔ آپ نے مسئلہ خوراک پر بھی بحث کی اور فرمایا:

''لیگ کی پالیسی کی اصل و اساس یہ ہے کہ قحط کی لعنت کا ملاً مٹ جائے، اور آئندہ ہندوستان کے کسی حصے میں کبھی یہ لعنت نمودار نہ ہوسکے، لیکن اس کی شکل یہ نہیں کہ کارخانہ داروں کو موٹا کرنے کے لیے کاشت کاروں کا خون چوسا جائے۔ یا ایک جماعت کے لیے ضابطۂ انصاف ایک ہو، اور دوسری کے لیے دوسرا۔ محض اشیاء خوردنی ہی کی قیمتوں پر کنٹرول نہیں ہونا چاہیے، جو کاشت کاروں کی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں۔''

آخر میں قائداعظم نے لیگ کے کاروبار کی تنظیم اور ساری سرگرمیوں کی توفیق کے لیے ایک مجلس قائم کرنے کی تجویز پیش فرمائی، نیز سرمائے کے لیے اپیل کی۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 30 دسمبر 1943ء)

مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ (صوبہ سرحد)

قائداعظم محمد علی جناح نے مرکزی مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ کے قیام کے بعد صوبوں میں بھی پارلیمانی بورڈ قائم کرنے کے لیے متعلقہ صوبوں کے با اثر حضرات کو ہدایات جاری کیں صوبہ سرحد میں قائداعظم محمد علی جناح نے یہ کام اللہ بخش یوسفی کو سونپا چنانچہ ان کی کاوش سے چار افراد پر مشتمل یہ بورڈ قائم کیا گیا۔

1. ملک خدا بخش خاں
2. خاں پیر بخش خاں
3. اللہ بخش یوسفی
4. رحیم بخش غزنوی

اگرچہ صوبہ سرحد میں اس بورڈ کی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر تھیں، تاہم اس بورڈ کے قیام سے مسلم لیگ کے مخالفین اپنے مقاصد کے حصول میں اس قدر کامیاب نہ ہوسکے جس قدر وہ توقع رکھتے تھے۔

مسلم لیگ کا پرچم

قائداعظم محمد علی جناح نے 2 جنوری 1938ء کو ''گیا'' کے مقام پر جامع مسجد میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں سے اپیل کی:

''آپ مسلم لیگ کے پروگرام اور حکمتِ عملی کا مطالعہ کریں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کا پرچم لہرانے کی رسم ادا کرتے ہوئے فرمایا:

''کل آپ نے مجھے پرچم لہرانے کا اعزاز بخشا۔ میں نے اسے لہرا دیا، اور اب میں اسے آپ کی مقدس تحویل میں چھوڑے جا رہا ہوں۔ یہ پرچم آپ کے وقار کی، مسلمانوں کے وقار کی اور اسلام کے وقار کی علامت ہے۔ مسلم لیگ کا پرچم اسلام کا پرچم ہے۔ یہ نئی چیز نہیں۔ یہ گزشتہ تیرہ سو برس سے موجود ہے، لیکن کچھ عرصہ سے ہم اسے فراموش کر بیٹھے تھے۔ اس

پرچم کو بلند کرنے کا مطلب ہے، اپنے وقار کو بلند کرنا۔ اب میں اسے آپ کے ہاتھوں میں چھوڑ رہا ہوں۔ اُن مسلمانوں کے لیے جو خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ صرف ایک ہی راستہ کھلا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلم لیگ میں اس کے رکن کی حیثیت سے شامل ہو جائیں۔ جس میں نہ صرف ہمارے فرقے کی نجات ہے بلکہ ہمارے ملک کی بھی نجات ہے۔ ہم ہندو بھائیوں کو آج، کل اور پرسوں اس تنظیم کے فوائد سے آگاہ کریں گے۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی ایک کل ہند سیاسی تنظیم ہے، اور یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ اس میں اس کے رکن کے طور پر بھرتی ہو جائیں۔

مسلمانوں کے قلیل تناسب کے پیش نظر، نہ صرف آپ کے صوبے میں بلکہ دیگر صوبوں میں بھی جو سارے ہند میں 35 فیصد بنتا ہے۔ ہم نئے دستور کے تحت اپنے حقوق کی حفاظت چاہتے ہیں۔ جہاں کہیں بھی ہندو اکثریت میں ہیں، مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ مجلس قانون ساز میں بھی ہمارے نمائندے غیر متحد ہیں۔ یہ ہمارے وقار کے منافی ہے۔ اگر کچھ نمائندے کانگریس کی طرف چلے جائیں تو ہندو دعویٰ کریں گے کہ مسلمان ان کے ساتھ ہیں، پھر وہ بھی ہوں گے جو گورنر کی طرف چلے جائیں گے، لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا، البتہ اس سے بہت فرق پڑے گا، اگر وہ متحد ہو جائیں اور جزوِ واحد بن جائیں۔"

مسلم لیگ کی تقسیم

15 مئی 1927ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے قائداعظم محمد علی جناح کی دہلی تجاویز سے اتفاق کیا، لیکن میاں محمد شفیع نے میاں فضل حسین کے کہنے پر مسترد کر دیا جس کے نتیجے میں مسلم لیگ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک گروپ نے حبیبیہ ہال لاہور میں سر محمد شفیع کی صدارت میں اور دوسرے گروپ نے کلکتہ میں قائداعظم محمد علی جناح کی سربراہی میں سر محمد یعقوب کی صدارت میں اپنا اجلاس بلایا۔ لاہور کے اجلاس میں علامہ اقبال، نواب ذوالفقار علی خاں اور مولانا حسرت موہانی نے حصہ لیا اور دہلی تجاویز کی مخالفت اور سائمن کمیشن کی حمایت میں ایک قرارداد منظور کی۔ کلکتہ کے اجلاس میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں، ملک برکت علی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، ڈاکٹر محمد عالم، مولانا ابوالکلام آزاد، سر علی امام، رائے بہادر محمود آباد، مسٹر ایس ایم چاولہ اور مولوی فضل حق نے شرکت کی۔ اجلاس میں سائمن کمیشن کا مقاطعہ کرنے اور دہلی تجاویز کی حمایت میں قرارداد منظور کی گئی، اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"یہ تجاویز متعدد سیاسی رہنماؤں اور میری سوچ کی اجتماعی کوشش کا نتیجہ ہیں، آپ کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ ہر کوئی اس قرارداد کے ایک ایک لفظ اور ہر فقرے سے اتفاق کرے گا، لیکن جہاں تک اس قرارداد میں پائی جانے والی روح کا تعلق ہے میں یقین سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ تجویز قانونی، مناسب اور ہندوستان کے دونوں گروہوں کے لیے ٹھیک ہے۔

اس ایوان کی اکثریت ہمارے ساتھ ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم قوم کی اکثریت کو اپنے ساتھ ملانے کے قابل ہوں گے۔ اگر ہمارے عوام کی اکثریت ہمارے ساتھ ہوتی ہے تو اس ضمن میں مجھ سے زیادہ کسی کو بھی اتنی خوشی نہ ہوگی۔

تاہم اس بات پر غور و فکر کی ضرورت ہے اور آئندہ

کے لیے ہمارا فرض ہو گا کہ عوام کی اکثریت کو اس قرارداد کا مدعا بتائیں اور انہیں اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں اور انہیں سچائی کا یقین دلائیں، جہاں تک مقاصد اور استعمال کا تعلق ہے مجھے یقین ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اس قرارداد سے بہتر کوئی تجویز نہیں مل سکتی۔''

مسلم ٹمبر ایسوسی ایشن کا پیغام

11 اپریل 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو مسلم ٹمبر ایسوسی ایشن کے سیکرٹری نے بذریعہ تار یقین دلایا:

''اگر آپ کو ہمارے خون کی ضرورت پڑی تو ہم اپنا آخری قطرہ خون تک پاکستان کے لیے بہادیں گے۔''

مسلم لیگ کی کامیابی

مسلم لیگ کا قیام 1906ء میں ڈھاکہ میں عمل میں آیا تاہم اسے اس وقت تک کامیابی حاصل نہ ہوئی جب تک کہ قائداعظم محمد علی جناح نے اس کی صدارت نہ سنبھالی۔ 1937ء تک پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان میں مسلم لیگ کی صورت حال یہ تھی کہ پنجاب کی 86 نشستوں میں سے مسلم لیگ نے صرف 2 نشستیں حاصل کیں، سندھ سے ایک ممبر بھی کامیاب نہ ہوا، صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان کی صورت حال بھی خاطر خواہ نہ تھی، لیکن 23 مارچ 1940ء کی قرارداد نے فضا کو تبدیل کر کے رکھ دیا اور 1946ء میں جو انتخابی معرکہ ہوا اس میں مسلم لیگ کی کامیابی حیرت انگیز تھی 1940ء سے 1947ء تک مسلم لیگ نے جو کامیابی حاصل کی وہ دراصل قائداعظم محمد علی جناح کی ہی مرہون منت تھی۔

مسلم لیگ کی رکنیت

1913ء میں قائداعظم محمد علی جناح ہندو رہنما گوپال کرشن گوکھلے کے ساتھ چھٹیاں گزارنے انگلستان آئے ہوئے تھے، وطن روانہ ہونے سے پہلے جو آخری کام قائداعظم محمد علی جناح نے کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چھٹیوں کے دوران میں گوکھلے سے ان کی سیاسی بات چیت بہت خوشگوار اور مصالحانہ انداز میں ہوئی ہو گی۔ ہندوستانی مسلمانوں کے دو ممتاز رہنما محمد علی جوہر اور سید وزیر حسن ان دنوں لندن میں تھے کئی اور مسلمان لیڈروں کی طرح انہیں بھی یہ غم تھا کہ محمد علی جناح نے بار بار مسلم لیگ کی رکنیت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اب لندن میں وہ محمد علی جناح سے ملے اور انہیں یاد دلایا کہ اس سال 22 مارچ کو انہوں نے وعدہ کیا تھا، وہ لیگ کی پالیسی کو کانگریس کے قومی اور ترقی پسندانہ مقاصد سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریں گے، انہوں نے محمد علی جناح کو سمجھایا:

''اب کانگریس اور لیگ ایک دوسرے کے قریب آچکی ہیں، لہٰذا آپ کو مسلم لیگ میں شامل ہو جانا چاہیے۔''

بالآخر قائداعظم محمد علی جناح مسلم لیگ میں شامل ہونے پر رضامند ہو گئے۔

مسز سروجنی نائیڈو رقمطراز ہیں:

''چند مہینے قبل جناح نے اپنی کوشش اور مثالی رویہ سے مسلم لیگ کے نصب العین کی توسیع میں بڑی نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔ اب لندن میں وہ باقاعدہ مسلم لیگ کے ممبر بن گئے، لیکن ان کو اپنے اصولوں کا اتنا پاس اور اپنی عزت وحرمت کا اتنا خیال تھا کہ اس معمولی رسمی کارروائی نے بھی ایک مقدس معاہدے کی شکل اختیار کر لی۔ انہوں نے اپنی رکنیت

کے دونوں محرکوں سے یہ وعدہ لے لیا کہ مسلم لیگ اور مسلمانوں سے ان کی وابستگی کا ہرگز یہ مطلب نہ لیا جائے کہ ہندوستانی قوم کے اجتماعی مقاصد سے ان کی وابستگی کسی طرح کم ہوگئی ہے۔ ان مقاصد کے لیے تو وہ اپنی زندگی وقف کر چکے تھے۔''

مولانا محمد علی جوہر ایڈیٹر (کامریڈ) اور سید وزیر حسن (سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ) بسلسلہ مسئلہ مسجد کانپور لندن میں تھے۔ مولانا محمد علی جوہر کی تحریک و ترغیب سے قائداعظم محمد علی جناح باضابطہ مسلم لیگ کے رکن بن گئے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ ہندوستان کے مشترکہ امور میں مسلم لیگ کی رکنیت مانع نہ آئے۔ یہ مسز سروجنی نائیڈو کا قول ہے، جو قائداعظم محمد علی جناح کے تمام سوانح نگاروں نے نقل کیا ہے لیکن قائداعظم محمد علی جناح کی افتادِ طبیعت سے اس کی مطابقت نہیں ہوتی۔ اگر واقعی مسلم لیگ کی طرف سے ان کے دل میں شبہات تھے تو مولانا محمد علی جوہر کے عہد و پیمان سے وہ رفع کیسے ہو جاتے۔ مسلم لیگ کی رکنیت قبول کرنے کے بعد خود قائداعظم محمد علی جناح کی بھی مسلم لیگ میں وہی حیثیت تھی، جو مولانا محمد علی جوہر کی تھی۔ محمد علی جناح کے اطمینان کے لیے یہ کافی تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے ضوابط میں ان کی کوئی ممانعت نہ تھی کہ ایک شخص دونوں انجمنوں کا رکن رہے، آئندہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے، یہ خود ان کی ذاتی بصیرت پر منحصر تھا۔ جو قائداعظم محمد علی جناح میں بہت وافر تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کرنے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کے لیے ہندو مسلم اتحاد کی کوشش زیادہ آسان ہوگئی، اور ہندوستان کے عام مقاصد کے لیے جدوجہد اس سے بھی زیادہ آسان، اس سے خود اپنی قوم میں ان کو ایک مقام حاصل ہوگیا، اور ایسی پارٹی مل گئی جس پر وہ اعتماد کر سکتے تھے۔

مسلم لیگ کی یادداشت

سید حسن ریاض اپنی کتاب ''پاکستان ناگزیر تھا'' میں رقمطراز ہیں:

''وائسرائے نے 27 جون 1940ء کو قائداعظم سے ملاقات کی۔ یکم جولائی کو قائداعظم نے وائسرائے کی فرمائش پر مندرجہ ذیل تجاویز لکھ کر ان کو بھیجیں:

یہ کہ ملک معظم کی گورنمنٹ کی طرف سے ایسا کوئی اعلان یا بیان نہیں ہونا چاہیے جو کسی طرح اس بنیاد پر یا بنیادی اصولوں کے خلاف ہو، جو ہندوستان کی تقسیم اور شمال و مغرب اور مشرق میں مسلم ریاستیں قائم کرنے کے لیے لاہور ریزولیشن میں معین کر دیے گئے ہیں۔ وہ نصب العین اب مسلم ہندوستان کا عام عقیدہ بن گیا ہے۔

یہ کہ ملک معظم کی گورنمنٹ کو چاہئے کہ صاف الفاظ میں مسلمانوں کو اس کا قطعی یقین دلائے کہ بغیر مسلم ہندوستان کی پیشگی رضامندی اور منظوری کے حکومت برطانیہ کوئی عارضی یا مستقل دستوری اسکیم منظور نہیں کرے گی۔

یورپ میں بڑی تیزی سے جو حالات پیدا ہوئے ہیں اور ہندوستان کو جو شدید خطرہ درپیش ہے، ان کی وجہ سے مسلمانوں کو اس کا پورا احساس ہوگیا ہے کہ اہتمام جنگ کو قوت دینے اور ہندوستان کی داخلی سلامتی اور اس کے امن اور سکون کو برقرار رکھے اور خارجی حملے کو دفع کرنے کے لیے ہندوستان کے تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں، لیکن یہ صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ حکومت برطانیہ اس کے لیے رضامند اور تیار ہو کہ مرکز اور صوبوں کی حکومتوں میں مسلم

قیادت کو برابر کے شرکاء کی حیثیت سے ساتھ لے۔
بہ الفاظ دیگر مسلم ہندوستان کی قیادت پر برابر والوں کی حیثیت سے پورا اعتماد کیا جائے اور ان کو مرکز اور صوبوں کی حکومت کے اختیار اور کنٹرول میں برابر کا حصہ دیا جائے۔
مذکورہ بالا تجاویز پر عمل درآمد کے لیے قائداعظم نے یہ فرمائش کی کہ عارضی طور پر اور دوران جنگ میں مندرجہ ذیل اقدامات کیے جائیں تا کہ مسلم قیادت اختیار حکومت میں شریک ہو کر حکومت کے ساتھ تعاون کر سکے۔
(الف) یہ کہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کو حالیہ دستور اور موجودہ آئین کے دائرے کے اندر وسعت دی جائے اور یہ مزید گفتگو سے طے ہو کہ ارکان کی اضافی تعداد کیا ہو گی، مگر یہ ملحوظ رہے کہ اگر کانگریس شریک ہو تو مسلمان نمائندوں کی تعداد ہندو نمائندوں کے برابر، ورنہ اضافی ارکان میں ان کی اکثریت ہونی چاہیے، کیونکہ اس صورت میں ذمہ داری کا بڑا بار ظاہر ہے کہ مسلمانوں پر رہے گا۔
(ب) ان صوبوں میں جہاں دفعہ 93 نافذ ہے۔ غیر سرکاری ایڈوائزر مقرر ہونے چاہئیں۔ ان کی تعداد مزید گفتگو سے طے ہو اور غیر سرکاری ایڈوائزروں میں اکثریت مسلمان نمائندوں کی ہو اور جہاں کہیں صوبائی حکومتوں کا انتظام کارروائیوں کے مجموعے، مخلوط وزارت سے ہو سکتا ہو، وہاں لازماً یہ متعلقہ پارٹیوں کا کام ہو گا وہ اپنی رضامندی سے معاملات درست کریں۔
(ج) ایک وار کونسل ہونی چاہئے۔ جو مع صدر ارکان پر مشتمل ہو۔ ہز ایکسی لینسی وائسرائے اس کی صدارت کریں۔
باقاعدگی کے ساتھ اس کونسل کے جلسے ہوں، جن میں عام صورت حال اور اس میں جو تبدیلیاں ہوں ان کا یہ معائنہ کرے، ان پر غور و بحث کرے، امور جنگ کے انصرام میں عمومیت کے ساتھ حکومت کو مشورہ دے اور دفاع کے کام کو، جہاں تک ممکن ہو ترقی دینے اور مالیات اور اقتصادی اور حرفی کوشش کو بڑھانے کے لیے خصوصیت سے اس مجلس میں ہندوستانی والیان ملک کی نیابت حاصل کرنا بھی دشوار نہ ہو گا، اور جہاں تک میں اندازہ کر سکتا ہوں، ان کو اس کے اندر شریک ہونے میں کوئی مشکل درپیش نہ ہو گی۔ وہ یہی مجلس ہے جس کے ذریعے والیان ملک کا اشتراک حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہونا چاہئے کہ اگر کانگریس اس میں آئے تو مسلمانوں کی نیابت ہندوؤں کے برابر ہو ورنہ مسلمانوں کی اکثریت ہو۔
اس سلسلے میں آخری بات یہ ہے کہ مجوزہ وار کونسل اور گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کے لیے مسلمان نمائندے اور گورنروں کے اضافی غیر سرکاری ایڈوائزر مسلم لیگ چنے گی۔
6 جولائی 1940ء کو وائسرائے نے اس خط کا جواب دیا۔ انہوں نے یہ تو منظور کیا کہ ایگزیکٹو کونسل کی توسیع موجودہ آئینی اسکیم کے اندر ہو گی، مگر یہ نہیں کہ مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے برابر ہو۔ انہوں نے لکھا کہ یہ معاملہ مختلف مفاد اور پارٹیوں کے درمیان توازن قائم کرنے کا نہیں ہے، البتہ مسلمانوں کی نیابت معقول ہو گی۔ ذمہ داری تمام و کمال گورنر جنرل کونسل کی ہے۔ موجودہ آئین کی رو سے یہ کام وزیر

ہند کا ہے کہ گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل میں شرکت کے لیے ایسے ناموں کے متعلق فیصلہ کرے جو ملک معظم کی گورنمنٹ کے سامنے منظوری کے لیے پیش کیے جائیں۔ پارٹیاں ان کو نامزد نہیں کر سکتیں، مگر پھر بھی وزیر ہند اور گورنر جنرل اس کے لیے انتہائی کوشش کریں گے کہ لوگوں کے مختلف گروہوں میں سے اشخاص کا انتخاب کریں۔

دفعہ 93 کے تحت از روئے قانون گورنمنٹ کی تمام ذمہ داری گورنروں پر ہے۔ گورنر جنرل کی کونسل کی توسیع کی صورت میں اگر غیر سرکاری ایڈوائزر لیے گئے تو ہر صوبے کے حالات کے مطابق یہ سوچا جائے گا کہ سیاسی پارٹیوں میں سے کتنے ایڈوائزر لیے جائیں۔ وار کونسل کے متعلق آپ کا خیال قابل غور ہے اگرچہ اس کی تفصیلات مرتب کرنی پڑیں گی۔ اس معاملے میں بھی یہ قابل لحاظ ہے کہ مسلم لیگ اور کانگریس کے علاوہ اور بھی بہت سی پارٹیاں ہیں۔''

وائسرائے نے صدر مسلم لیگ کی یادداشت کی دفعہ اول پر سکوت، اور بقیہ سب سے قریب قریب اختلاف کیا۔ انہوں نے ساورکر صدر ہندو مہاسبھا اور جام صاحب نوانگر، چانسلر ایوان والیان ملک سے بھی ملاقات کی۔

مسٹر گاندھی سے ملاقات کے دوران میں وائسرائے نے ان کو یہ بتایا کہ کسی ایسے بیان کا امکان موجود ہے جس میں اس کا وعدہ کیا جائے کہ جنگ ختم ہونے کے ایک سال کے اندر ہندوستان کو وہ آئینی مرتبہ دے دیا جائے گا جو ان نوآبادیات کو حاصل ہے جن میں حکومت خود اختیاری ہے۔ اس مقصد کے لیے کوئی ایسا مناسب نظام قائم کر دیا جائے گا کہ وہ نیا دستور مرتب کرے، مگر ان کی باہمی رضامندی کے ساتھ جن کا اس معاملے سے تعلق ہے۔ نیز اس دستور کے لیے بھی انہوں نے یہ شرط عائد کی کہ برطانیہ کے تجارتی مفاد، دفاع، امور خارجہ، اقلیتوں کے حقوق اور والیان ملک کے معاہدات کی پابندیوں اور باہمی رضامندی کے ساتھ سمجھوتہ ہو۔ مسٹر گاندھی کے لیے یہ سب چڑ کی باتیں تھیں۔ مسٹر گاندھی نے کہا کہ نہ ایسا کوئی اعلان ہونا چاہئے اور نہ کوئی ایسا نظام ہونا چاہیے۔ ان سے ابتدا ہی میں مختلف مفاد کے درمیان تصادم ہو جائے گا اور بجائے ترقی کے تنزل ہوگا۔''

مسلم لیگ لائرز قائداعظم کانفرنس

قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کے سلسلے میں 3 جولائی 1976ء کو دو روزہ مسلم لیگ لائرز قائداعظم کانفرنس شام 4 بجے مسلم لیگ ہاؤس لاہور میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں ملک بھر سے 500 نامور وکلا نے شرکت کی۔ مہمان خصوصی مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل ملک محمد قاسم، صدر رانا عبدالرحیم اور معاون صدر شیخ ظہور الحق تھے، خطبہ استقبالیہ کنوینسنگ کمیٹی کے سیکرٹری چوہدری محمد نواز نے دیا۔ دوسرے اجلاس کے مہمان پاکستان بار کونسل کے وائس چیئرمین مولوی عرفان احمد انصاری اور صدر اخوندزادہ بہرہ ور سعید اور معاون صدر نصر اللہ کلاڈ تھے آخری اجلاس کے مہمان خصوصی پیر پگاڑو، صدر سید غوث علی شاہ اور معاون علامہ سید صفدر صاحب تھے کانفرنس میں ''قائداعظم محمد علی جناح سب سے بڑی اسلامی مملکت کے خالق'' کے موضوع پر حسن اے شیخ سینئر خواجہ صفدر، ملک قاسم، مسٹر ایم کے خاکوانی بار ایٹ لاء، چوہدری طالب حسین، نذر حسین منصور، عبدالرحمٰن حاجی، مفتی محمد طفیل گومندی، مسٹر علی امان اللہ نیازی، مسٹر آذر دین حیدر، چوہدری رحمت

علی، رائے محمد حیات کھرل، چوہدری محمد صادق، چوہدری فقیر اللہ، چوہدری محمد اکرم رانا، اکرام اللہ، چوہدری عبدالرشید، اقبال احمد خاں، شیخ اصغر حمید، مسٹر صادق محمد احسن، مسٹر عبدالرؤف شہاب مفتی، مسٹر بی اے فخری اور دیگر مندوبین نے خطاب کیا۔

مقررین نے کہا:

''قائداعظم پاکستان میں جمہوری اقدار کے فروغ اور قانون کی حکمرانی کے آرزومند تھے۔''

مسلم لیگ میں افتراق

ہندوؤں کی پرفساد سرگرمیوں کی وجہ سے مسلمانوں میں اس قدر تلخی پیدا ہوگئی تھی کہ ان کا ایک گروہ سائمن کمیشن کے ساتھ تعاون کے لیے بھی تیار ہوگیا۔ اس میں پیش پیش میاں محمد شفیع لاہور کے مشہور بیرسٹر تھے۔ انہوں نے اسی زمانے میں آل انڈیا مسلم لیگ ہی کے نام سے لاہور میں ایک اجلاس کر ڈالا اور اس میں یہ رزولیوشن منظور کرایا کہ سائمن کمیشن کا خیر مقدم کیا جائے۔ اس واقعہ سے ہندوستان میں دو مسلم لیگیں پیدا ہو گئیں اور کئی سال تک مسلمانوں میں یہ افتراق جاری رہا، مگر اس میں شک نہیں کہ سائمن کمیشن کے بائیکاٹ میں بڑی کامیابی ہوئی۔ مسلمانوں کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح اور مولانا محمد علی جوہر بائیکاٹ کی تائید میں تھے۔ سوائے پنجاب کے ہر جگہ ہندوؤں اور مسلمانوں نے اس کا بائیکاٹ کیا۔ بعد میں مولانا محمد علی جوہر پنجاب بھی گئے اور وہاں انہوں نے کامیابیاں حاصل کیں۔ یہ سائمن کمیشن کی پہلی آمد پر ہوا لیکن جب وہ انگلستان جانے کے بعد دوسری مرتبہ ہندوستان آیا تو ہندو نہرو رپورٹ منظور کر چکے تھے، اور مسلمان اس کے خلاف تھے۔ اس لیے ان کے بائیکاٹ میں کامیابی نہیں ہوئی۔

مسٹر بیلڈون کی وزارت میں 1924ء سے لارڈ برکن ہیڈ وزیر ہند تھے جو نہایت تیز طبع اور سرکش تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مسلسل حقوق و اختیارات کے تعین کی گفتگو جاری تھی اور کوئی فیصلہ نہیں ہوتا تھا۔ اس سے ان کو مایوسی ہوئی، یا وہ فرقہ وارانہ الجھن سے گھبرا گئے تھے یا ان حالات کو انہوں نے ہندوستان پر طعن و تشنیع کا اچھا موقع سمجھا۔ انہوں نے 4 دسمبر 1924ء کو لارڈ ریڈنگ کے نام جو مراسلہ بھیجا اس میں یہ لکھا:

''صاف بات یہ ہے کہ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ہندوستان کبھی اُس قابل ہوگا کہ اس میں نو آبادیات کے مرتبہ کی حکومت خود اختیاری ہو۔''

اس کے ایک ماہ بعد انہوں نے لکھا:

''تجربے کے بعد قطعی یہ معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ کی تمام قوت اس میں ہے کہ ہم ہندوستان کے بھلے کے لیے ہندوستان میں رہیں۔''

پھر ہندوؤں اور مسلمانوں کی امن کانفرنسوں اور اتحاد کانفرنسوں کے بے نتیجہ ثابت ہونے پر انہوں نے لکھا:

''ساری دنیا کانفرنسیں اس کو نہیں ملاسکتیں جس کا ملنا ممکن نہیں ہے۔''

اور بالآخر سائمن کمیشن کے بائیکاٹ پر جھنجھلا کر انہوں نے اوائل 1928ء میں ہندوستان کو یہ چیلنج دیا:

''بجائے اس کے کہ وہ حکومت کے خلاف ہمیشہ انہدامی نکتہ چینیاں کرتے رہیں وہ اپنی طرف سے دستور کی کوئی متحدہ اسکیم پیش کریں۔''

مسلم لیگ نیشنل گارڈ

1941ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر مسلم لیگ نیشنل گارڈز کا قیام عمل میں آیا۔ اس تنظیم نے قیام پاکستان کے موقع پر مہاجرین کی آبادکاری اور ان کی فلاح و بہبود کے
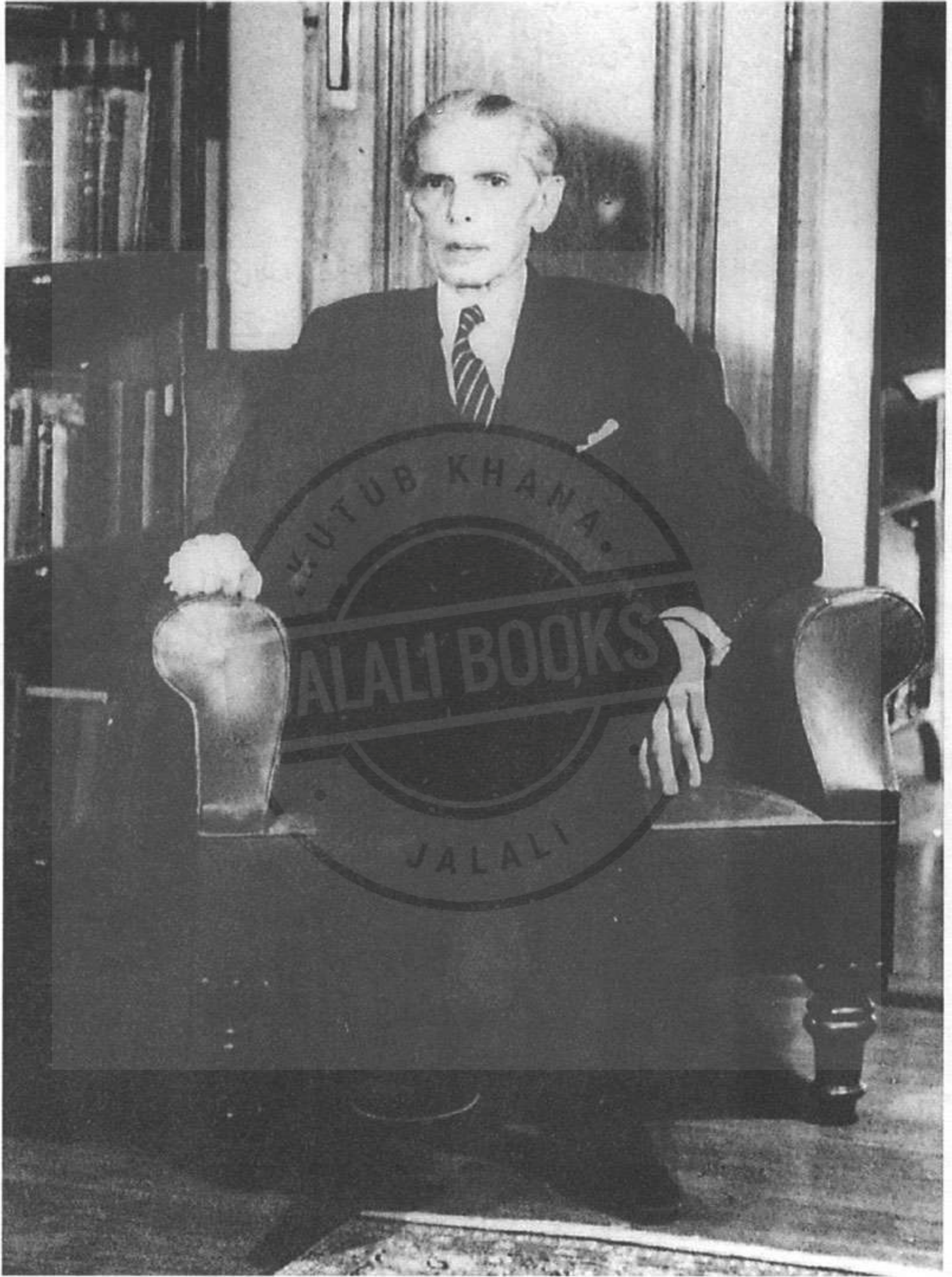
قائداعظم محمد علی جناحؒ

لیے ان تھک جدوجہد اور کام کیا۔

مسلم مفاد

9 جولائی 1945ء کو سٹی مسلم لیگ شملہ کے زیر اہتمام ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''اس دنیا کی کوئی چیز مجھے کسی ایسی تجویز منظور کرنے پر مجبور نہیں کرسکتی، جو میرے خیال میں مسلم مفاد کے خلاف ہو۔

بہر حال یہ صاف کہا جا چکا ہے کہ موجودہ تبدیلی صرف عبوری اور عارضی ہے۔ ہم آئندہ کا کوئی دستور نہیں بنا رہے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم ذمہ داری قبول کرنے کی تمام تر خواہشوں کے باوجود کسی ایسے انتظام میں شامل نہیں ہو سکتے، جو ہمارے لیے باعزت، منصفانہ اور مناسب و معقول نہ ہو۔''

ایسوسی ایٹڈ پریس کے سیاسی مبصر کا بیان ہے:

''مسلم لیگ مجلسِ عاملہ کی فہرست نمائندگان کو نہ دینے کے فیصلہ سے شملہ کانفرنس نازک ترین منزل پر پہنچ گئی ہے۔''

''لارڈ ویول کیا کریں گے؟ یہ چیز ابھی تک بالکل صیغۂ راز میں رکھی گئی ہے۔''

مسلم ممالک کی آزادی

قائداعظم محمد علی جناح دنیا بھر میں محکوم مسلمانوں کی آزادی کے خواہاں تھے اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح نے 1943ء میں انڈونیشیا، لبنان، شام، مراکش، الجزائر اور لیبیا کی آزادی کا مطالبہ کیا۔

پاکستان کے قیام کے چند ماہ بعد جب الجزائر، تیونس، لیبیا اور مراکش نے آزادی کے لیے علم بلند کیا تو قائداعظم محمد علی جناح کے ایما پر اقوام متحدہ کے اندر اور باہر اس کی زبردست حمایت کی گئی اور اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے عرب ممالک کا بھرپور ساتھ دیا۔

مسلم ہوائی کمپنی

قائداعظم محمد علی جناح کی یہ خواہش تھی کہ قیام پاکستان سے قبل مملکت کا کاروبار چلانے کے لیے ہر قسم کا انتظام ان کا اپنا ہونا چاہیے۔ چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح کی تحریک پر 1946ء میں اورینٹ ایئرویز کے نام سے فضائی کمپنی کا قیام عمل میں آیا اس کا صدر دفتر کلکتہ میں قائم کیا گیا۔

اورینٹ ایئرویز کے قیام کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح نے مرزا ابوالحسن اصفہانی سے کہا تھا:

''کلکتہ میں سر آدم جی اور اپنے بھائی مرزا احمد سے بات چیت کریں۔''

قیامِ پاکستان کے بعد اس کمپنی کو پی آئی اے میں ضم کر دیا گیا۔

مسلم ہوسٹل الٰہ آباد

مسلم ہاسٹل الٰہ آباد کے طلبا نے 5 جنوری 1938ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو سپاسنامہ پیش کیا اس کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں اور میرے ساتھی مسلم لیگ کے اصولوں پر بحیثیت ہندوستانیوں کے یقین رکھتے ہیں۔ ہندو اور مسلمان دو قوموں کی طرح ہیں اور ان کے لیے ایک دوسرے میں مدغم ہونا مشکل ہے گویا کمیونزم ایک ایسی خرابی ہے، جو مدت تک ہندوستان میں رہے گی یہ کوئی نئی چیز نہیں یہ چیز زمانہ قدیم سے چلی آتی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے طلبا کو ہدایت کی:

''کمیونزم کے طعنوں سے خوفزدہ نہ ہوں۔ ان طعنوں کا مقصد یہ ہے کہ آپ لوگوں میں پستی کا احساس پیدا کیا جائے میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر اپنی قوم کی امداد کرنا فرقہ پرستی ہے تو میں فرقہ پرست ہونے پر فخر کرتا ہوں۔ ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ ہمارے وطن کی ترقی رک جائے۔

خواہ میرے خلاف کتنی ہی نکتہ چینی یا غلط بیانی سے کام کیوں نہ لیا جائے میں اپنے ملک کے مفاد کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا، جو لوگ مجھے آج اپنا مخالف تسلیم کرتے ہیں بعد میں انہیں احساس ہو جائے گا، کہ میں صرف مسلمانوں کی ہی خدمت نہیں کر رہا ہوں بلکہ خود ان کی اور تمام ملک کی خدمت کر رہا ہوں۔''

مسلم ہوسٹل یونین پٹنہ کالج

پٹنہ کالج مسلم ہوسٹل یونین کے آنریری سیکرٹری سید اقبال احمد نے قائداعظم محمد علی جناح کو 11 فروری 1943ء کو لکھا:

''وسیع المشربی کا رنگ دینے کے بہانے ہمارے ادارہ (یعنی مسلم ہوسٹل یونین) کو مسخ کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے، ہمارے اوپر ہندو کلچر کو نافذ کرنے کے لیے کالج کے میگزین کا نام مورخین رکھا گیا ہے اس کے خلاف ڈان نے سخت تنقید کی ہے لیکن کوئی دباؤ، کوئی ظلم، کوئی اذیت ہمیں اپنی منزل پر پہنچنے سے روک نہیں سکتی۔''

17 فروری 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اس کا جواب ان الفاظ میں لکھا:

''بہار میں آپ نے اپنی تنظیم کے لیے جو کوششیں کی ہیں، انہیں معلوم کر کے مجھے بہت اطمینان ہوا۔ میں جانتا ہوں کہ بہار میں کیا ہو رہا ہے اور میں آپ کے حالات کو غور سے دیکھ سکتا ہوں۔''

مسلم یتیم خانہ

◆ ۱ سولہ لاکھ کی لاگت سے بمبئی کے ایک بہت بڑے سیٹھ نے ایک یتیم خانہ تعمیر کرایا، چونکہ یہ سیٹھ خود ایک خاص فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے یتیم خانہ کو بھی خاص فرقہ کے لیے مخصوص کر دیا۔ سیٹھ نے یتیم خانہ کے افتتاح کے لیے قائداعظم محمد علی جناح سے درخواست کی تو انہوں نے فرمایا:

''اگر یہ مسلم یتیم خانہ ہے تو اس میں یتیم مسلمانوں کو داخلہ کی اجازت ہونی چاہئے۔ اگر آپ یہ کر سکتے ہیں تو میں اس کے افتتاح کے لیے تیار ہوں، ورنہ نہیں۔''

یہ بات سیٹھ کی سمجھ میں آ گئی، اس نے ضوابط میں تبدیلی کر کے اسے تمام یتیم بچوں کے لیے وقف کر دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کو معلوم ہوا تو آپ اس کے افتتاح کے لیے تشریف لے گئے۔

◆ ۲ قائداعظم محمد علی جناح کے نزدیک یتیم اور لاوارث بچوں کی دیکھ بھال ایک اہم مذہبی فریضہ تھا، انہوں نے 10 جون 1910ء کو ٹائمز آف انڈیا کی اشاعت میں مسلم یتیم خانہ کے قیام کی ضرورت پر ایک خط لکھا اور مخیّر مسلمانوں کی توجہ اس جانب مبذول کرائی:

''آپ بھی اس کار خیر میں حصہ لیں۔''

اس ضمن میں انہوں نے خود بھی اپنی جیب سے ایک سو روپیہ یتیم خانہ کے لیے دیا۔ یہ یتیم خانہ بمبئی کے ایک پولیس کمشنر ایس ایم ایڈورڈز کی کوششوں سے قائم ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے بھی اس کے قیام میں بھرپور حصہ لیا۔

مسلم یوتھ اسٹڈی سرکل

قائداعظم محمد علی جناح کے ایما پر یہ ادارہ قائم کیا گیا قائداعظم محمد علی جناح کے علاوہ راجہ صاحب محمود آباد، چوہدری خلیق الزمان اورنواب محمد اسماعیل اس کے سرپرست تھے اس کے قیام کا مقصد پاکستان کے بارے میں مطالعاتی کام کرنا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح اس سٹڈی سرکل کے کام میں گہری دلچسپی لیتے رہے۔

مسلم یونیورسٹی یونین

5 فروری 1938ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ یونین سے اپنے خطاب میں کہا:

''مسلم لیگ نے ایک کارنامہ یہ انجام دیا ہے کہ اس نے تم لوگوں کو قدامت پسند طبقوں سے آزادی دلائی ہے، اور اس نقطہ نظر میں تمہیں پختہ کیا ہے کہ جو لوگ خود غرضی اور مفاد پرستی کو ہوا دے رہے ہیں، وہ غدار ہیں لیگ نے تمہیں حقیقی طور پر مولویوں اور مولاناؤں کے ناپسندیدہ طبقہ کے چنگل سے آزاد کر دکھایا ہے میری مراد تمام مولویوں سے نہیں ہے۔ ان میں سے چند ایک ایسے بھی ہیں جو عام مسلمانوں کی طرح مخلص اور محب وطن بھی ہیں، لیکن ان کا ایک طبقہ ایسا ہے جو یقیناً ناپسندیدہ اور ناقابل قبول ہے، میں نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنے آپ کو حکومت برطانیہ، کانگریس، قدامت پرستوں اور نام نہاد مولویوں کے چنگل سے آزاد کرانے کے بعد آزادئ نسواں کے لیے بھی سرگرم عمل ہوں۔''

مسلّمہ سیاسی حیثیت

کراچی میں کانگریس کے اجلاس کے آٹھ ماہ بعد پہلی جنگِ عظیم شروع ہوگئی۔ اس دوران میں قائداعظم محمد علی جناح ایک بار پھر انگلستان ہو آئے تھے۔ اس بار وہ ایک وفد کے قائد کی حیثیت سے گئے تھے جس کا مقصد یہ تھا کہ کونسل آف انڈیا بل کے متعلق کانگریس کے خیالات وزیر برائے امور ہند کی خدمت میں پیش کرے۔ اس بل کی پہلی خواندگی 25 مئی کو دارالامراء (ہاؤس آف لارڈز) میں ہونے والی تھی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے روانگی سے پہلے بل کے متعلق ایک تجویز تیار کر لی تھی اور کانگریس نے کراچی کے اجلاس میں اسے منظور بھی کر لیا تھا۔ لندن میں سر ولیم ویڈربرن (William Wedderburn) نے ویسٹ منسٹر پیلس ہوٹل میں ہندوستانی وفد کو ناشتے پر مدعو کیا، اور وہاں قائداعظم محمد علی جناح نے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے ممبروں کے سامنے کانگریس کی تجویز کی وضاحت کی۔

سر ولیم کا خطبۂ استقبالیہ بہت امید افزا تھا۔ انہوں نے اپنے مہمانوں کو یقین دلایا:

''ہندوستان میں جو کچھ بے چینی ہے وہ غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔''

اور انہوں نے دعویٰ کیا:

''برطانوی حکومت کی یہ خواہش ہے کہ آریائی نسل کی ان دونوں قوموں (انگریزوں اور ہندوستانیوں) میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور برادرانہ سلوک کا جذبہ پیدا ہو۔''

لیکن قائداعظم محمد علی جناح، بقول خود، بڑے 'غیر جذباتی اور منطقی مزاج کے آدمی تھے، لہٰذا انہوں نے سر ولیم کی تقریر کے جذباتی اشاروں کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور بڑے حقیقت

پسندانہ انداز میں اُس کا جواب دیا۔ تقریر کے دوران میں وہ اپنی تجویز کے مختلف نکات ایک ایک کر کے اپنے ہاتھوں کی اُنگلیوں پر گنتے رہے۔

اُن کا پہلا مطالبہ یہ تھا:

''وزیر امور ہند کی تنخواہ ہندوستان کے بجائے برطانیہ کے خزانے سے ادا کی جائے۔''

اس سے کچھ ہی عرصہ پہلے کراچی میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا:

''انڈیا کونسل کے موجودہ آئین کی رو سے وزیر امور ہند ایک مطلق العنان حکمران کی حیثیت رکھتا ہے اور اُن مغل شہنشاہوں سے بھی زیادہ با اختیار معلوم ہوتا ہے جو کسی زمانے میں ہندوستان پر حکومت کرتے تھے۔ وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں اور جو چاہے کر سکتا ہے۔''

اب لندن میں بھی قائداعظم محمد علی جناح نے اسی انداز سے وزیر ہند کے لامحدود اختیارات پر تنقید کی اور کہا:

''اس صورتِ حال کی اصلاح صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ وزیر ہند کی تنخواہ برطانیہ خود اپنے خزانے سے ادا کیا کرے، تاکہ برطانوی پارلیمنٹ کو یہ اختیار ہو کہ وہ وزیر ہند سے باز پُرس کر سکے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کا ایک اور اہم مطالبہ یہ تھا:

''انڈیا کونسل کی تشکیل میں ردو بدل کیا جائے۔''

چند برس پہلے 1907ء میں جان مارلے نے کونسل میں ایک ہندو اور ایک مسلمان رکن شامل کیا تھا، لیکن یہ رسمی سی بات تھی۔ کونسل کے ہندوستانی ممبر وزیر امور ہند کے نامزد کردہ تھے۔ ان کا اثر کونسل کے معاملات میں برائے نام تھا، اور ہندوستان کے لوگوں کی حمایت اُن کو حاصل نہ تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح اس صورتِ حال سے مطمئن نہ تھے، لہٰذا انہوں نے یہ تجویز پیش کی:

''کونسل کے کم از کم نو ممبر ہوں، جن میں سے تین ہندوستانی ہوں۔ ہندوستان کی مرکزی اور صوبائی مجالسِ قانون ساز کے ملکی ممبر مل کر انڈیا کونسل کے ہندوستانی ارکان کا انتخاب کریں۔ کونسل کے باقی انگریز ممبر حسبِ سابق وزیر امور ہند نامزد کرے، لیکن ان میں سے نصف ممبر ایسے لائق لوگوں میں سے چنے جائیں جن کا ہندوستان کے نظم ونسق سے کوئی واسطہ نہ رہا ہو۔ اس طرح کونسل میں تین مختلف قسم کے عنصر شامل ہو جائیں گے۔ تین منتخب ہندوستانی، تین نامزد انگریز جن کا پہلے امور ہند سے کوئی تعلق نہ رہا ہو اور تین ایسے نامزد انگریز جو ہندوستانی نظم ونسق سے متعلق رہ چکے ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے یہ امید ظاہر کی:

''دوسرے زمرے کے ارکان پہلے اور آخری عناصر کے درمیان توازن قائم رکھنے میں مدد دیں گے اور کونسل اُس آزاد رائے اور بے لاگ تنقید سے مستفید ہو سکے گی جو برطانیہ کا طرۂ امتیاز ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے قیامِ لندن کے دوران میں برطانیہ کے سیاسی اکابر آئرلینڈ کے سنگین مسائل میں اُلجھے ہوئے تھے۔ کرگ کیمپ (Curragh Camp) میں 57 برطانوی فوجی افسروں نے شمالی آئرلینڈ میں فوجی کارروائی کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس کے باعث بڑی نازک صورت پیدا ہو گئی تھی۔ آئرلینڈ سے صبح شام پریشان کن خبریں آتیں جن سے یہ اندیشہ ہوتا کہ شاید وہاں خانہ جنگی شروع ہو جائے۔ اس زمانے میں قدرتی طور پر برطانوی حکومت کے ایوانوں میں ہندوستانی مسائل کی اہمیت بہت کم ہو گئی تھی، اور یہ وقت ہندوستان کے سیاسی مطالبات پیش کرنے کے لیے

بہت ناموزوں تھا۔ آئرستان کے مسئلے کے علاوہ بین الاقوامی صورتِ حال بھی نازک تھی۔ انہی دنوں مشرقی یورپ میں ایک قاتل وہ زبردست سازش کر رہا تھا جو ماہ جون میں سراجیوو (Sarajevo) کے مقام پر ایک شہزادے کے قتل پر منتج ہوئی اور پہلی جنگ عظیم کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

یہ تھا وہ بھیانک پس منظر جس میں برطانوی دارالامراء میں کونسل آف انڈیا بل کی پہلی خواندگی ہوئی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی رائے میں بل کی رُو سے جو مراعات ہندوستانیوں کو دی جا رہی تھیں۔ وہ انتہائی مایوس کن تھیں اور 3 جون کو انہوں نے لندن ٹائمز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان کے مضمون کا پہلا فقرہ بڑا زوردار تھا:

''برطانوی سلطنت، بلکہ ساری مہذب دنیا میں ہندوستان وہ واحد ملک ہے جس کے نظم و نسق میں صحیح معنوں میں عوام کی کوئی نمائندگی نہیں، اور جہاں نمائندہ حکومت کا کوئی نظام قائم نہیں۔''

اس کے بعد انہوں نے اپنے دلائل تفصیل سے دہرائے اور بل کی خامیوں پر اپنے اعتراضات کی وضاحت کی۔

دوسری خواندگی کے بعد کونسل آف انڈیا بل مسترد کر دیا گیا، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ملتوی کر دیا گیا۔ یہ اس وجہ سے نہیں ہوا کہ دارالامراء کی رائے میں مجوزہ اصلاحات انقلاب انگیز تھیں، وجہ یہ تھی کہ اس بل کے لیے وہ وقت موزوں نہ تھا اور اصلاحات ہندوستان کی ضرورتوں کے پیش نظر مناسب نہ تھیں۔ بل پر مباحثے کے دوران میں لارڈ ایمپتھل (Ampthill) نے کہا:

''اس وقت اس بل کی تحریک کر کے ہم نے بڑی غلطی کی ہے، اور بہتر یہی ہو گا کہ کسی مناسب وقت پر اس میدان میں نیا قدم اٹھایا جائے۔''

نتیجہ یہ ہوا کہ قائداعظم محمد علی جناح خالی ہاتھ وطن لوٹ آئے اور ان کی اصلاحات کی تجویز کھٹائی میں پڑ گئی، کیونکہ یورپ میں جنگ چھڑ گئی تھی، اور اس نے تیزی سے بڑی خوفناک صورت اختیار کر لی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ کر سکے لیکن ذاتی طور پر ان کا یہ سفر بے سود نہ رہا۔ ان کو پہلی مرتبہ برطانوی حکومت کے ایوانوں میں اعلیٰ حکام کے سامنے تقریر کرنے کا موقع ملا اور سر ولیم ویڈربرن نے ان کی تعریف یوں کی:

''وہ ہندوستان کی سیاسی زندگی میں ایک مسلمہ حیثیت رکھتے ہیں۔''

علاوہ ازیں قائداعظم محمد علی جناح کو قیامِ لندن کے دوران میں ٹائمز جیسے بااثر اخبار میں ہندوستان کے سیاسی مسائل پر اپنے خیالات کے اظہار کا موقع ملا۔

(ہیکٹر بولائتھو: پاکستان کا بانی محمد علی جناح، ترجمہ: زہیر صدیقی، اردو سائنس بورڈ لاہور)

مسلمان

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

1. ''میرا اب بھی یقین ہے کہ مسلمان ہر دوسری قوم سے بہتر سیاسی دماغ رکھتے ہیں، سیاسی ذکاوت ان کے خون میں رچی ہوئی ہے، اسلام کی حرارت ان کے رگ و پے میں دوڑ رہی ہے۔ جب میں نے یہ محسوس کیا کہ ہمارے فیصلے چند آدمیوں کے فیصلے نہیں بلکہ پوری قوم کی آواز ہیں تو میں خوشی خوشی پیش قدمی کا حکم دوں گا، اور سب سے پہلے سینے پر گولی کھانے کے لیے آگے بڑھوں گا، اس سے قبل کہ میں آگے بڑھنے کا حکم دوں، میں یہ یقین حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ دشمن پر فتح پانے کے معقول امکانات موجود ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 1941ء کو عثمانیہ یونیورسٹی سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

۲ ''میں ہر مسلمان سے کہوں گا کہ اسلام آپ میں سے ہر ایک اور مجموعی طور پر سب سے یہ توقع رکھتا ہے کہ اپنا فریضہ سرانجام دیں اور اپنی امت کی حمایت میں اس طرح ''بنیانٌ مرصوص'' کر کھڑے ہو جائیں گویا سب یک نفس ہیں۔''

13 ستمبر 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے دہلی میں پریس کانفرنس میں فرمایا:

۳ ''میرا فوج سے کوئی تعلق نہیں، میں خونریزی کی ان تفاصیل میں نہیں جانا چاہتا، لیکن مجھے احساس ہے کہ جب 65 فیصد فوج مسلمانوں پر مشتمل ہے تو مسلم لیگ کی مہم فوج کے ایک عظیم طبقہ پر اثر انداز ہوگی، اور اس کے علاوہ سرحدی قبائل میں بھی ایک آگ سی بھڑک اٹھے گی۔ اخباری اطلاعات کے مطابق افغانستان، ایران، عراق، ترکی، مصر جیسے ممالک کو مسلمانانِ ہند کے مطالبات سے پوری ہمدردی ہے، اور وہاں کے اخبارات بھی مطالبۂ پاکستان کی پرزور تائید کر رہے ہیں، اس بناء پر مجھے یقین ہے کہ اگر برطانوی حکومت اور مسلمانوں میں لڑائی چھڑ گئی تو لازماً وہ تمام ممالک اس کا اثر قبول کریں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا:

۴ ''فرض کیجیے کہ برطانوی پالیسی کے خلاف تلخی اور غم و غصہ سے کام لیتے ہوئے مجھے یہ اعلان کرنا پڑے کہ برطانوی حکومت کے خلاف عدم تعاون کا سلسلہ شروع کر دیا جائے تو پھر مجھ پر یقین کیجیے کہ ان مشکلات کے مقابلے میں جن سے وہ (کانگریس) آج دوچار ہے، اسے پانچ سو گنا زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، سوال اسلحہ کا نہیں، اس کے بغیر بھی ہم پانچ سو گنا آفتیں برپا کرنے کی قوت رکھتے ہیں، یہ اس ملک کا ہر ذی فہم آپ کو بتا دے گا، میرا مقصد ہندوؤں کو مرعوب کرنا نہیں بلکہ مسلمانی سرشت ہی اس ضمیر سے ترتیب پائی ہوتی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے خطاب یوم ولادت 25 دسمبر 1942ء کو فرمایا:

۵ ''گزشتہ دو صدیوں سے مسلم ہندوستان کی کیفیت اس جہاز کی سی چلی آ رہی تھی جس کے پتوار نہ ہوں، اس کا کوئی ناخدا نہ ہو، اور وہ چٹانوں سے بھرپور سمندر میں ہچکولے کھا رہا ہو، دو سو سال سے وہ برابر شکستگی، بدنظمی اور ابتری کے عالم میں برابر سطح آب پر تیرتا چلا آ رہا ہے، 1936ء سے رفقاء کو لے کر ہم نے اس کی مرمت شروع کی، آج یہ جہاز حیرت انگیز چپوؤں سے آراستہ ہے، اور اس کا ناخدا اسے ساحل تک پہنچانے کا عزم لیے ہوئے ہے۔ اس کے کل پرزے اب ٹھیک کام کر رہے ہیں، اسے وفادار ملاحوں اور کمانڈروں کی خدمات حاصل ہیں، اور گزشتہ پانچ برس سے وہ ایک عظیم معرکہ میں شریک ہے۔''

اجلاس لکھنؤ کے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

۶ ''مسلمان اگر اپنی کھوئی ہوئی قوتوں کو از سرنو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت صرف ایک ہی چیز انہیں یہ سہارا مہیا کر سکتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے کھوئے یقین کو دوبارہ حاصل کریں، اور اس محکم اور بلند تصور کا سہارا لے کر انہیں جو ان کی عالمگیر قومی وحدت کا جزو لاینفک ہے، اور جو ان کو ایک سیاسی وحدت میں منسلک کرنے کا باعث ہوگا، مسلمانوں

کے خلاف اغیار کی فرقہ پرستی اور رجعت پسندی کے طنزیہ نعرے سن کر آپ کو گھبرانا نہیں چاہیے، دنیا کا بدترین رجعت پسند اور شریر ترین فرقہ پرست جب کانگریس کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال کر اپنی قوم کو گالیاں دیتا ہے تو اگلے روز وہی سب سے بڑا نیشنلسٹ قرار دیا جاتا ہے۔''

◆۷ قائداعظم محمد علی جناح نے 26 جنوری 1948ء یوم عید میلاد النبی ﷺ پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ مسلمان صوبائی تعصب کے اس امر کو دل سے دور کر دیں، یہ امر اس برصغیر کے مسلمانوں کے لیے لعنت ہے کہ ان کا ذہن ابھی تک سندھی، پنجابی، پٹھان اور دہلوی کے تنگ دائروں میں گھوم رہا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خطاب میں فرمایا:

◆۸ ''اس وقت میرے احساسات پر قنوطیت چھا گئی تھی، میرے جذبات پر مایوسیاں منڈلا رہی تھیں، میں اپنے ملک سے نا امید ہو گیا تھا، صورت حال انتہائی بدنصیبیوں کی مظہر تھی، مسلمان بے یار و مددگار کھڑے تھے، ان کا کوئی پرسانِ حال ہی نہ تھا، کبھی دولت برطانیہ کے کاسہ لیس ان کی قیادت سنبھال لیتے اور کبھی کانگریس کے حاشیہ برداران کی نمائندگی کے مدعی بن جاتے۔ جب بھی انہیں متحد اور منظم کرنے کی کوشش ہوتی سرکار کے ٹوڈیوں اور کانگریس کے کیمپ کے ضمیر فروشوں نے ان کی کوشش کو ناکام بنا دیا، مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں نہ تو ہندوستان کی کوئی مدد کر سکتا ہوں اور نہ ہندو کی ذہنیت بدل سکتا ہوں، اور نہ مسلمانوں کو ان کی نازک حالت کا یقین دلا سکتا ہوں یہ احساس بے چارگی اس قدر بڑھا کہ میں لندن میں ہی اقامت گزین ہو کر رہ گیا، اس لیے نہیں کہ مجھے ہندوستان سے محبت نہیں رہی تھی، بلکہ مجھے اپنی بے بسی کا پورا احساس ہو گیا تھا۔''

مسودہ ترمیم قانون فوجداری

23 اگست 1938ء کو مرکزی اسمبلی میں مسودۂ ترمیم قانون فوجداری پیش ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح نے ایک محبِ وطن کی حیثیت سے ایک حق گو اور حق پرست کی حیثیت سے اپنے تاثرات ایوان کے سامنے پیش کیے۔ انہوں نے فرمایا:

''جناب والا! مجھے سب سے پہلے اس سوال پر ذہن لڑانا تھا کہ اس قانون کی ضرورت بھی ہے یا نہیں! بلاشبہ یہ ایک نئے جرم کی تخلیق کرتا ہے اور ''کتاب قوانین'' میں ایک مکمل قانون سے اضافہ کرنا ہے، مگر ہم محض اس لیے اسے وضع نہیں کر سکتے کہ حکومت ہند کی خواہش رہی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:

''بہرحال ہمیں قانونِ مجوزہ پر غور کرنا ہے۔ میرے تجربے کے مطابق دو بڑے امور بحث طلب ہیں، اور ایک تیسرا بھی ہے مگر ممکن ہے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے۔''

مسودہ قانون مال گزاری

24 مارچ 1939ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مرکزی قانون ساز اسمبلی میں مسودہ قانون مال گزاری پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے معمول سے کسی قدر پہلے اس بحث میں حصہ لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں مسلم لیگ کی حیثیت کو واضح کرنا چاہتا ہوں صرف یہی ایک ترمیم

نہیں جس سے ایوان کو عہدہ برآ ہونا ہے مسودہ کی رو سے اس میں پانچ مدات ہیں:

1. محصول نمک
2. شکر کی چنگی قبل فروخت
3. محصول درآمد روئی
4. داخلی ڈاک کی شرح
5. محصول آمدنی وزائد محصول

بحیثیت موجودہ میں اس موازنے کو پسند نہیں کرتا، کیونکہ اس میں ہمارا کوئی دخل یا اختیار نہیں، اگر اس میں ہمارا کوئی دخل یا اختیار ہوتا تو ہم اس کی ترتیب دوسری اساس پر رکھتے۔ اب جبکہ موازنہ ایوان کے سامنے آگیا ہے اور ہم اس پر غور کر رہے ہیں کہ مجوزہ محصولات میں کوئی تخفیف یا ترمیم ہوسکتی ہے۔

اس ایوان میں مسلم لیگ کی حیثیت بالکل انوکھی ہے خوش قسمتی یا بد قسمتی سے ہمیں اس ایوان میں پاسنگ کی حیثیت حاصل ہے اگر ہم نے حکومت کی تائید کی تو میرا خیال ہے کہ رکن مالیات پوری طاقت کے ساتھ بہ حفاظت تمام اس مسودے کو آگے بڑھاتے ہوئے بغیر کسی رد و بدل کے منظور کرالیں گے اس لیے وہ قدرتی طور پر ہماری جماعت سے استدعا کریں گے کہ ہم اس کی حمایت کریں۔

ہم ایک عرصہ سے اس پر عمل پیرا ہیں اگر حکومت کوئی ایسا ضابطہ پیش کرے جو عوام کی بہبودی کے لیے ہو تو ہم اس کی حمایت کریں اور اگر وہ مفاد عامہ کے خلاف ہو تو اس کی مخالفت کریں، لیکن اب اس حکمت عملی میں رد و بدل کرنا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جب کانگریس راستی پر ہو تو اس کی حمایت کریں اور جب حکومت راستی پر ہو تو اس کی حمایت کریں، لیکن جب ہم راستی پر ہوں تو ہماری حمایت کوئی نہ کرے۔

اب میں حکومت سے پوچھتا ہوں کہ تمہاری حکمت عملی کیا تھی تمہاری روش کیسی تھی اور میری جماعت کے ساتھ تمہارا طرز عمل کیا رہا۔

مجھے مسرت ہوئی کہ رکن مالیات نے اپنی طویل تقریر میں کہا:

کان پور کو یاد رکھیے بنارس اور بدایوں کو یاد رکھیے لیکن میں ایوان کو بتا سکتا ہوں کہ ملک میں ایسے بہت سے مقامات ہیں، جہاں مسلمانوں کے ابتدائی حقوق بھی پامال کیے جاتے ہیں، مگر حکومت نے اس کے لیے کیا کیا، زیادہ دن نہیں گزرے مسٹر ولبھ بھائی کی ایک تقریر میں نے پڑھی تھی انہوں نے کہا تھا:

''ان سارے الزامات، ان ساری بدسلوکیوں ،ناانصافیوں، مظالم اور اذیتوں کی کوئی بنیاد نہیں ہوسکتی اس کے بے بنیاد ہونے کا بین ثبوت یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی بات ہوتو گورنر یقیناً مداخلت کرتے۔''

میرا خیال ہے کہ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے بھی حال ہی میں ایک تقریر میں کہا تھا:

''اگر ان تمام بے بنیاد الزامات میں (جو لیگ لگا رہی ہے) صداقت کا شائبہ بھی ہوتا تو گورنر فوراً مداخلت کرتے، اور اس طرح خاموش و ساکت نہ بیٹھے رہتے۔ گورنروں نے مداخلت نہیں کی اس لیے میرے معزز دوست مطمئن ہیں۔''

مسٹر لال چند نول رائے نے پوائنٹ آف آرڈر ریز کرتے ہوئے کہا:

''جناب میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ تقریر اس مبحث سے متعلق ہے جو اس وقت ایوان میں پیش ہے۔''

صدر نشین (آنریبل سر عبدالرحیم) نے فرمایا:

''اگر کرسی صدارت نے معزز رکن کو ٹھیک سمجھا ہے تو وہ اس معاملہ میں اپنی جماعت کے اعمال کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے عام سیاسی حالات کا جائزہ لے رہے ہیں۔''

پھر قائداعظم نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''کئی تقریریں کرنے کی بجائے میں چاہتا ہوں اس مسودہ مال گزاری کے سلسلے میں اپنی جماعت کی روش ایک ہی تقریر میں بیان کر دوں۔ مجھے کسی قدر تعجب ہے کہ کیا معزز رکن کو واقعی مداخلت کرنی چاہئے تھی آپ یقیناً اسے تسلیم کریں گے کہ میں ان اراکین میں سے ہوں جو اس ایوان کا بہت کم وقت لیتے ہیں اور میں بغیر سمجھے بوجھے ہر معاملے میں بولنے کا عادی نہیں ہوں۔''

مسٹر لال چند نول رائے نے پھر کہا:

''میں اسی کا آئینی پہلو سمجھنا چاہتا تھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''اب تو آپ سمجھ گئے ہیں مجھے مسرت ہوئی کہ آج ایک معزز رکن نے کچھ تو سیکھ لیا ہاں میں کہہ رہا تھا کہ ہماری یہ حالت ہے فلسطین میں کیا ہوا۔ وزیرستان میں کیا ہوا اس وقت اقتدار اعلیٰ کہاں تھا؟ بھائی پرمانند نے کہا کہ مغربی پنجاب اور حیدر آباد میں غیر مسلم ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''جب آپ کی باری آئے گی تو اپنی جماعت کی روش کو واضح کیجئے اس وقت تو میں اپنی جماعت کی روش کی وضاحت کر رہا ہوں۔ سترہ مسلمانوں کو کتوں کی طرح مار کر پھینک دیا گیا اور ہم اس اطلاع پر اس وقت تک یقین کریں گے جب تک کہ اسے غلط ثابت نہ کیا جائے کہ بغیر کسی وارننگ اور بغیر کسی حیلہ کے گولی چلائی گئی۔

کہاں ہے اقتدار؟ اٹھئے کیا کر رہا ہے وہ؟ میں حکومت سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہیں یہ امید ہی کیوں ہے کہ ہم تمہارے لیے گل چینی کریں گے، اور اپنے دست دامن کے لیے کانٹوں کا خطرہ مول لیں گے تم ہم سے کیوں متوقع رہتے ہو کہ ہم تمہارے فریب چشم وابرو کے اشاروں پر چلتے رہیں گے۔

جہاں تک حکومت کا تعلق ہے ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ اس موجودہ قانون مال گزاری کی حد تک اسے کوئی امداد نہ دیں اور دوسری طرف جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے، میں اس وقت تک تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ کانگریس مسلم لیگ کے خلاف نہ صرف معاندانہ اور مخالفانہ روش اختیار کیے ہوئے ہے بلکہ وہ بداندیش اور ضرر رساں بھی ہے اس لیے میں اس سے کہتا ہوں کہ تمہارے اور ہمارے مابین اشتراک عمل ناممکن ہے۔

شاید کانگریس یہ کہے کہ بہت اچھا ہماری تعداد یہاں سب سے زیادہ ہے۔ تمہاری تعداد سب سے زیادہ ہوا کرے تم ترقی یافتہ اور اقتصادیات میں مستحکم ہی سہی اور تم سمجھا کرو کہ سروں کی گنتی ہی آخری فیصلہ ہے، لیکن میں تمہیں بتائے دیتا ہوں تم دونوں کو کہ تم تنہا یا یہ تمہارا ادارہ یا تم دونوں متفق ہو کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔ تم اس تہذیب کو مٹا نہ سکو گے۔ اس اسلامی تہذیب کو جو ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ ہمارا نور ایمان زندہ ہے اور زندہ رہے گا تم ہمیں مغلوب کرو ہم پر ظلم و تعدی کرو ہمارے ساتھ بدترین سلوک روا رکھو۔ ہم ایک

نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں اور ہم نے یہ سنگین فیصلہ کرلیا ہے کہ اگر ہمیں مرنا ہے تو لڑتے لڑتے مرجائیں گے۔
ہم اس مسودہ میں کوئی ترمیم پیش نہیں کریں گے تم اپنے مسودہ کا جو چاہو کرو۔
ہم کانگریس کی یا کسی جماعت کی تحریک ترمیم کی حمایت نہیں کریں گے۔ غالباً اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کانگریس کو فتح اور حکومت کو شکست ہوگی کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اگر ہم غیر جانبدار رہے اور ہم غیر جانبدار ہی رہیں گے تو کانگریس کو کافی اکثریت حاصل ہو جائے گی لیکن میں اپنے کانگریسی دوستوں کو بتادوں کہ تمہاری یہ فتح اس چھوٹے سے کمرے سے باہر نہ جانے پائے گی جو غلام گردش کہلاتا ہے۔
ہم حکومت کی تائید نہیں کریں گے کیونکہ حکومت برطانیہ ہمیں معمولی اور ابتدائی شہری حقوق بھی دلوانے میں ناکام رہی ہے، گورنر جنرل اور گورنروں کے خصوصی اختیارات محض ایک سازش ثابت ہوئے ہیں بلکہ سازش سے بھی بدتر۔‘‘

مسئلہ خلافت

مسئلہ خلافت کو قائداعظم محمد علی جناح اسلام کا ایک حقیقی جزو قرار دیتے تھے مئی 1924ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندے سے دوران گفتگو فرمایا:
’’خلافت کا مسئلہ خاصا پیچیدہ ہوگیا ہے، یہ ایک ایسا عہدہ ہے جو اسلام کا حقیقی جزو ہے یہ کسی ایک ملک سے متعلق نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی حدود ہیں، بلکہ ساری دنیا کے مسلمان اسے مل جل کر حل کر سکتے ہیں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ جو لوگ اسلام کے احکام وقوانین سے پوری طرح آگاہ ہیں وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی اسلامی کانگریس میں اس کے تصفیہ کی صورتوں پر غور کریں گے یہ کانگریس اس وقت زیر تجویز ہے اور مسلم لیگ کے آئندہ اجلاس منعقدہ لاہور میں اس پر غور ہوگا۔‘‘
اس سے قبل جون 1920ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے بحیثیت صدر بمبئی ہوم رول لیگ وزیر ہند مسٹر مانٹیگو کو ایک تار بھیجا جس میں مسئلہ خلافت کے بارے میں انہوں نے لکھا تھا:
’’مسئلہ خلافت کے متعلق جو ظالمانہ غلطی کی گئی ہے اس نے انتہائی خطرناک صورت حال اختیار کرلی ہے اگر ان دونوں غلطیوں (مسئلہ خلافت اور جلیانوالہ باغ) کی بروقت تلافی نہ کی گئی تو مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات کا بطریق احسن عمل میں آنا ناممکن ہوگا اور شہزادہ ویلز کا خیر مقدم بھی مشتبہ ہوگا۔‘‘

مسئلہ فلسطین اور جناح

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 3 اگست 1946ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:
’’مسٹر جناح نے فلسطین کے متعلق جو بیان دیا ہے، اس میں فرمایا ہے:
مسئلہ فلسطین کے حل کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس ملک سے برطانیہ اور امریکہ کا اثر و اقتدار ہٹایا جائے، یہودی اپنے دوملکوں کی مدد سے فلسطین کو ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد مسلمانوں سے دوبارہ فتح کرنا چاہتے ہیں۔‘‘
اخبار لکھتا ہے:
’’مسٹر جناح نے بالکل صحیح کہا ہے کہ نہ صرف یہودیوں کا مزید داخلہ فلسطین میں بند ہونا چاہئے بلکہ جو یہودی وہاں پہنچ چکے ہیں، انہیں بھی آسٹریلیا،

قائداعظمؒ سندھ چیف کورٹ کے ایک استقبالیے میں شرکاء سے گفتگو کر رہے ہیں۔

کینیڈا اور دوسرے ملکوں میں منتقل ہو جانا چاہیے، ورنہ ایک دن ان کی حالت اس سے بھی بدتر ہو جائے گی۔جیسی ہٹلر کے ماتحت تھی۔"

یہ مشورہ امن پسندی اور خیر خواہی پر مبنی ہے۔ یہودی اپنے موجودہ جوش و خروش میں مستقبل سے غافل ہیں۔انہیں اس امر کا احساس نہیں کہ وہاں روس کا اثر ونفوذ شروع ہو جائے گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ عرب حکومتیں بہتر طور پر آزادی اور قوت سے بہرہ ور ہو جائیں۔ دونوں صورتوں میں صیہونیت کے لیے تباہی و بربادی کے سوا کوئی انجام نہیں۔ جزیرۃ العرب میں عظیم اکثریت عربوں کی ہے، اور فلسطین میں یہودیوں کی سلامتی محض مغرب کی سرپرستی اور پشت پناہی پر منحصر ہے۔جس دن یہ پشت پناہی نہ رہی۔ یہودی کو عرب کے رحم وکرم پر رہنا پڑے گا۔اس لیے بہتر یہی ہے کہ ان کے لیڈر عرب رہنماؤں کے منشاء کے مطابق مزید داخلہ روک دیں، اور عربوں سے معاہدہ کر کے ہمسائیوں کی طرح رہیں، ایسی صورت میں مسلمان ان کے حقیقی دوست ثابت ہوں گے۔"

(روزنامہ انقلاب، 3 اگست 1946ء)

مشابہت

(دیکھئے: نقلِ قائد)

مشاغل

قائداعظم محمد علی جناح بچپن میں گلی ڈنڈا اور کرکٹ کھیلا کرتے تھے۔ایک دن قائداعظم گلی میں سے گزر رہے تھے، بچے زمین پر بیٹھے قینچے کھیل رہے تھے، اس وقت آپ نے کہا: "مٹی میں قینچے نہ کھیلو، اس سے ہاتھ اور کپڑے گندے ہو جاتے ہیں، آؤ ہم سب کرکٹ کھیلیں۔"

قائداعظم محمد علی جناح کو جنون کی حد تک گھڑسواری کا بھی شوق تھا۔ ان کے والد کے پاس سواری کے لیے کئی بگھیاں تھیں، جو اس زمانے کے مطابق سواری کا رئیسانہ ذریعہ تھیں۔ ان کے والد کے اصطبل میں کئی شاندار گھوڑے تھے۔محمد علی جناح نے جلد ہی گھڑسواری سیکھ لی۔ وہ اس کھیل سے بے حد محظوظ ہوتے تھے، اسکول میں ان کے ایک دوست ہوا کرتے تھے، کریم قاسم جو کھارادر ہی کے ایک تاجر کے بیٹے تھے۔ دونوں روزانہ گھڑسواری کیا کرتے تھے۔

مشترکہ افواج کی سالگرہ پر سلامی

کراچی کے پولو گراؤنڈ میں دسمبر 1947ء میں سکواڈرن لیڈر عمر کی زیر قیادت ایک سو منتخب زیر تربیت افراد کے دستے نے مشترکہ افواج کی سالگرہ کی تقریبات کے سلسلے میں ہونے والی پریڈ میں حصہ لیا، جس کی سلامی گورنر جنرل پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے لی۔ سلامی کے چبوترے پر قائداعظم محمد علی جناح کے پیچھے بحری فوج کے ایڈمرل جیفرڈ، بری فوج کے میجر جنرل محمد اکبر خاں اور فضائیہ کے گروپ کیپٹن ایلورڈی موجود تھے۔

مشترکہ گورنر جنرل

کانگریس نے تقسیم ہند کے موقع پر ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا گورنر جنرل بننے کی پیش کش کی تھی، لیکن مسلم لیگ نے اس تجویز کو رد کر دیا اس کی وجہ یہ تھی:

"ماؤنٹ بیٹن کے نہرو خاندان کے ساتھ گہرے تعلقات تھے اور اس بنا پر قائداعظم محمد علی جناح کسی قیمت پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو مشترکہ گورنر جنرل نہ بنانا

چاہتے تھے، حالانکہ نواب بھوپال نواب اسماعیل، سردار عبدالرب نشتر اور سردار شوکت حیات خاں نے قائداعظم محمد علی جناح کو یہ تجویز دی کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو گورنر جنرل بننے دیں۔''

مشرقی، علامہ عنایت اللہ

علامہ عنایت اللہ مشرقی نے مدراس جیل سے قائداعظم محمد علی جناح اور گاندھی جی کو خطوط لکھے:

''آپ انگریز کے سامنے کوئی متحدہ مطالبہ پیش کریں۔''

بعد میں انہوں نے گاندھی جناح ملاقات کی مہم چلائی خاکساروں نے بمبئی اور واردھا میں کئی ماہ تک کیمپ لگائے رکھے بالآخر ملاقات ہوئی جو ناکام رہی۔

13 جنوری 1936ء کو لاہور میں علامہ عنایت اللہ مشرقی کے بقول لیفٹیننٹ کرنل محمد ایوب خاں (اپنے مضمون علامہ عنایت اللہ مشرقی اور قائداعظم محمد علی جناح شائع شدہ نوائے وقت لاہور مورخہ 23 جنوری 1989ء) جلسے سے فائدہ اٹھا کر اپنے آئین کی بات کہنا چاہتے تھے وہ جلسہ خراب کرنا چاہتے تو خود کیوں جاتے چند غنڈے بھیج دیتے اذان قریب کی مسجد اہل حدیث سے ہوئی وہ ظہر کی اذان ساڑھے بارہ بجے کہہ دیتے ہیں علامہ عنایت اللہ نے قائداعظم محمد علی جناح سے ہاتھ ملایا اور خطاب کرنے کی اجازت چاہی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''کیا آپ مسلم لیگ کے ممبر ہیں؟''

علامہ عنایت اللہ مشرقی نے کہا:

''نہیں۔''

پھر قائداعظم محمد علی جناح جلسے سے چل دیے۔ علامہ عنایت اللہ نے جونہی لاؤڈ سپیکر ہاتھ میں پکڑا چند لوگوں نے ٹینٹ کی رسیاں کاٹ دیں اور وہ نیچے دب گئے۔

علامہ عنایت اللہ مشرقی 28 اگست 1888ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے انہوں نے فارمن کرسچین کالج لاہور سے ایم اے کیا، اور ریاضی کے امتحان میں اول رہے۔ کیمبرج جا کر بھی کئی اعزازات حاصل کیے اور سینئر اینگلز بن گئے۔ متعدد اور امتحانات دے کر مختلف اسناد حاصل کیں جن میں انجینئرنگ کی سند بھی شامل ہے، واپس وطن آ کر پہلے اسلامیہ کالج پشاور کے وائس پرنسپل اور پھر پرنسپل رہے۔

1931ء میں انہوں نے خاکسار تحریک قائم کی جس کا نشان بیلچہ رکھا۔

متعدد کتب تصنیف کیں جن میں ''تذکرہ'' نے خصوصی طور پر شہرت حاصل کی، قیام پاکستان سے پہلے ہی ان کی تنظیم عملاً ختم ہوگئی تھی۔

مشرقی قائداعظم مراسلت

28 اپریل 1942ء کو علامہ عنایت اللہ مشرقی نے قائداعظم محمد علی جناح کے نام ایک تار میں کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین مفاہمت کرانے کے سلسلے میں ایک تار بھیجا جس کا متن یہ ہے:

از مدراس

28 اپریل

قائداعظم مسٹر محمد علی جناح!

سابق وزیراعظم مدراس مسٹر سی راجگوپال اچاریہ اور ایڈیٹر سری نواس نے اپنے پیغامات میں مجھ سے یہ خواہش کی ہے کہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین مفاہمت کا فریضہ سرانجام دوں تاکہ عارضی متحدہ حکومت کا مطالبہ ممکن ہو، وقت بڑا نازک ہے کیا آپ میری مداخلت کو قبول فرمائیں گے۔

عنایت اللہ المشرقی

11 مئی کو علامہ مشرقی نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک

تار دیا جس میں کہا گیا تھا:

''میری 28 اپریل کی تار کا جواب نہیں ملا کیا آپ عارضی طور پر متحدہ حکومت کے قیام کے لیے کم از کم شرائط پر بات کرنا پسند کریں گے یہ بھی واضح فرمائیں کہ کیا آپ راجگوپال اچاریہ سے خاکسار تحریک کا تعاون پسند کرتے ہیں۔''

11 مئی کے جوابی تار میں قائداعظم محمد علی جناح نے علامہ عنایت اللہ مشرقی کو لکھا:

''آپ کی 5 مئی کی تار موصول ہوئی۔ میری آپ سے اپیل یہ ہے کہ اس موقع پر مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کریں۔ متحدہ حکومت کے مطالبے کے بارے میں آپ نے جو خواہش ظاہر کی ہے اس پر خط و کتابت کے ذریعے بحث مناسب نہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی اس تار کے جواب میں 12 مئی کو علامہ عنایت اللہ مشرقی نے پھر ایک برقیہ لکھا جس میں کہا گیا تھا:

''میں آپ کو مسلم لیگ کی ہر کوشش کے بارے میں جو تحریک پاکستان کے ساتھ ہندوستان کی مکمل آزادی کے بارے میں ہوگی خاکسار تحریک کی غیر متزلزل تائید کا یقین دلاتا ہوں، متحدہ مطالبات کی شرائط پر بحث کے لیے نئی دہلی میں ملاقات کا تعین کیجئے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی طرف سے اس تار کا اگرچہ انہیں کوئی جواب نہ ملا اور گاندھی کی رہائی پر قائداعظم محمد علی جناح نے 19 جولائی 1944ء کو ان سے ملاقات کا خیال ظاہر کرتے ہوئے ایک اخباری بیان سری نگر سے حوالہ اشاعت کیا تو 30 جولائی کو علامہ عنایت اللہ مشرقی نے انہیں ایک خط میں یہ لکھا:

''پچھلے چند ہفتوں کے انتظار کے بعد جبکہ میں نے آپ کو آخری خط لکھا تھا میں آپ کے تازہ بیان پر انتہائی مخلصانہ قدر و محبت کا اظہار کرتا ہوں کہ آپ ہندوستان کی قسمت کو بہتر بنانے کے لیے میدان میں نکلے ہیں جیسا کہ آپ کو پہلے بھی یقین دلا چکا ہوں میں اور اس سرزمین کا ہر خاکسار حصول پاکستان اور بطور نتیجہ ہندوستان کی آزادی کے لیے آپ کے ساتھ پورے خلوص اور وفاداری سے کام کرے گا۔''

22 مئی 1946ء کو انگلستان کے وزارتی مشن کی ہندوستان آمد پر علامہ عنایت اللہ مشرقی نے کہا:

''مجھے یقین ہو چکا ہے کہ جب تک پاکستان کو واضح طور پر تسلیم نہیں کیا جائے گا اس وقت تک ہندوستان کی آزادی بھی ناقابل تسلیم سمجھی جائے گی مسٹر جناح جب حصول پاکستان میں پوری طرح مخلص ہیں تو میں ایک بار پھر انہیں خاکسار تحریک کی خدمات غیر مشروط طور پر پیش کرتا ہوں، اور ان کے ساتھ اس راہ میں مل کر کام کرنے کو تیار ہوں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ میری اس پیش کش میں کوئی بد دیانتی ہرگز نہیں بشرطیکہ مسلم لیگ پوری قربانی کے لیے تیار ہو۔ اگر مسٹر جناح متفق ہوں تو میں بلا ہچکچاہٹ پورا زور لگانے کو تیار ہوں، اور ہر خاکسار اس معاملے میں جان کی بازی لگا دے گا، میں ہندوؤں کو بھی یقین دلاتا ہوں کہ جب تک وہ مسلمانوں سے اتحاد عمل نہیں کریں گے انہیں کچھ بھی نہیں مل سکے گا۔''

مُشکلاتِ راہ

قائداعظم محمد علی جناح نے 2 نومبر 1941ء کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

حضرات! آپ نے جس جوش اور خلوص سے میرا خیر مقدم کیا ہے میں اس کے لیے مشکور ہوں۔ ایسا اعزاز

اس ملک یا کسی ملک میں کسی کے لیے بھی باعث صد افتخار ہوگا۔

آپ جیسے اربابِ علم و دانش کے وہ جذبات جو اخبار ڈان کی امداد و اعانت میں مضمر ہیں قابل صد ستائش ہیں، اور مسلم لیگ کے سرمایہ میں آپ کی امداد کا بھی شکر گزار ہوں، آپ کی یہ امداد میرے لیے ایک پیام امید ہے بہر حال نوجوان طلبہ سے رقوم کے معاملوں میں اس سے زیادہ اور کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ آپ کی اس پیش کش میں جو جذبات کارفرما ہیں وہی میری متاع عزیز ہے بڑی رقمیں تو بھاری بھرکم اشخاص ہی دے سکتے ہیں اور مجھے اب تک معلوم نہیں ہوا کہ ان سے کس طرح نمٹنا چاہیے۔ (قہقہہ) لیکن میں یہ بتا دوں کہ بہت سے دولت مند حضرات نے مجھے روپیہ دیا ہے اور فراخدلی سے دیا ہے اب تک چار لاکھ جمع ہوئے ہیں۔

دولت مند اشخاص روپیہ دینے سے پہلے تھوڑی بہت ناز برداری کے خواہاں ہوتے ہیں۔ گزشتہ چھ سالوں میں ہم نے مسلمانوں سے مالی امداد کی کوئی اپیل نہیں کی، اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ بغیر سرمایہ کے ہم نے اس جدوجہد کو کس طرح جاری رکھا۔

میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ مسلم لیگ غیر معمولی ترقی کر کے ایک وسیع ادارہ ہوگئی ہے ایک یا دو اشخاص کی امداد سے کام نہیں چل سکتا۔ اسی وجہ سے میں نے یہ اپیل کی تھی، خدا کے فضل سے اس کا ہر جماعت میں خیر مقدم ہوا، آپ کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ دو آنے اور چار آنے تک کے منی آرڈر وصول ہوئے ہیں۔ غریب مسلمان بڑے خلوص سے اپنے ذرا ذرا سے عطیے بھیج رہے ہیں، اور پُر درد خطوط لکھ رہے ہیں اگر آپ یہ خطوط دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ جذبۂ ایثار کی کتنی تیز آگ ان کے سینوں میں بھڑک رہی ہے، وہ لکھتے ہیں ہم بہت غریب ہیں روپیہ نہیں دے سکتے۔ مگر اپنی جانیں دے دیں گے اور اس کے لیے وہ بالکل تیار ہیں۔ دولت مندوں کے لاکھوں سے کہیں زیادہ ایسی چھوٹی چھوٹی رقموں نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم لیگ اب ہزاروں اور لاکھوں کی نہیں بلکہ کروڑوں کی نمائندگی کر رہی ہے۔ (نعرہ ہائے تحسین) میں آپ کو یاد دلاؤں کہ مجلس عاملہ کانگریس کے گزشتہ اجلاس میں پنڈت نہرو نے بڑی دیدہ دلیری سے کہا تھا کہ مسلم لیگ برطانوی شہنشاہیت کے ہاتھوں میں کھلونا بن گئی ہے، اور مسلم عوام کانگریس کے ساتھ ہیں، مسلمانوں نے کانگریس سے بالکل علیحدہ رہ کر بلا شک و شبہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ مسلم لیگ کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

1935ء میں قانونِ حکومت ہند منظور ہوا۔ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اس سے اختلاف کیا لیکن مسلمانوں کا اختلاف اس کے وفاقی جزو کی حد تک تھا۔ وہ اس کے صوبائی جزو کو روبہ عمل لانے اور اس سے جو بھی افادیت ہوسکتی تھی اس سے مستفید ہونے کے لیے تیار تھے، حالانکہ اس کے بہت سے خدوخال قابل اعتراض تھے۔

اس کے برخلاف کانگریس نے یہ قطعی کر دیا کہ وہ اس قانون اور اس کے دستور کو مٹا کر رکھ دے گی۔ کانگریس کے ان بلند بانگ تخریبی منصوبوں کے باوجود جب اس قانون کا نفاذ ہوا اور صوبائی انتخاب ہوئے تو کانگریس بھی اس میں شریک ہوگئی۔ انہوں

نے متعدد صوبوں میں اس طرح عہدے حاصل کر لیے، گویا مسٹر گاندھی کو برطانوی حکومت سے کوئی باعزت سمجھوتہ کرنے میں کامیابی ہوئی ہے۔ اُنہوں نے ایسے جے کاروں میں پناہ لی کہ گویا پارلیمانی منزل تصور سے نکل کر وجود میں آ گئی ہے۔

اس زمانے میں مسلم ہندوستان ایک جسد بے جان تھے۔ جہاں تک اس دستور کے صوبائی جزو کا تعلق ہے۔ مسلم ہندوستان کو کانگریس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ گورنروں نے چپ سادھ لی تھی۔ وائسرائے خاموش و ساکت ہو گئے تھے اور کانگریسی راج مسلمانوں کی سماجی اور سیاسی زندگی کے ہر شعبہ کو بُری طرح کچل رہا تھا۔ ان کے ساتھ ہر قسم کی بدسلوکی اور ناانصافی کی جارہی تھی۔ مسلم لیگ مقہور و معتوب تھی اور اس کی صفوں کو پارہ پارہ کرنے کی ساری کوششیں جاری تھیں۔ اس وقت وائسرائے کہاں تھے؟ گورنر کہاں تھے؟ یہ بدترین عہد شکنی کے مجرم ہیں! وہ اس کے مجرم ہیں کہ اُنہوں نے دستوری ذمہ داریوں سے گریز کر کے اقلیتوں کے مفادات کی حفاظت نہیں کی!

ہم نے ان بھیانک حالات میں اڑھائی سال گزارے۔ اگر اس وقت دستور کے وفاقی جزو کا بھی نفاذ ہو جاتا تو یہ مسلم ہندوستان کے لیے پیام مرگ ثابت ہوتا، اسی اثنا میں جنگ شروع ہو گئی۔ شر سے خیر بھی پیدا ہوتا ہے۔ ستمبر 1939ء تک جب کہ جنگ کی ابتداء ہو چکی تھی، مسلم لیگ نے اپنی تنظیم کو اس قدر استوار اور مستحکم کر لیا تھا کہ حکومت ہند اور برطانیہ دونوں اسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ جنگ کے پُر آشوب زمانے میں مسٹر گاندھی کے ساتھ ہند مسلم لیگ کے صدر کو بھی وائسرائے نے ملاقات کے لیے مدعو کیا۔ کیا آپ کو کوئی ایسا واقعہ یاد ہے کہ اس سے پہلے کبھی مسلم ہندوستان کے کسی مسلمہ قائد کو کانگریسی رہنما کے ساتھ مدعو کیا گیا ہو؟

بس اسی دن سے مسٹر گاندھی کی ساری توانائیاں اس امر پر مرکوز ہو گئیں کہ صدر مسلم لیگ کی مسلمہ حیثیت کو گھٹا کر صفر کر دیا جائے، حالانکہ ہندو ہندوستان کے مقابلہ میں مسلم ہندوستان کے نمائندے کی یہ مساویانہ حیثیت ہر آئینہ منصفانہ تھی۔ مسٹر گاندھی نے یکے بعد دیگرے روپ دھارنے شروع کر دیے۔ وائسرائے سے پہلی ہی گفتگو کے دوران میں اُنہوں نے برطانوی پارلیمان اور ویسٹ منسٹر ایبے کی عمارتوں کی ممکنہ تباہی کا تصور کر کے اپنے انتہائی رنج و ملال کا اظہار کیا اور واقعی ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

انہوں نے (وائسرائے سے) کہا کہ ''انگلستان کو اگر شکست ہو گئی تو ہندوستان کی آزادی سے کیا حاصل!'' پھر ہندوستان کو مشورہ دیا کہ وہ برطانیہ عظمیٰ کی غیر مشروط مدد کرے۔

اس کے بعد وہ کانگریس کی مجلس عاملہ میں شرکت کے لیے چلے گئے (گو کہ وہ چار آنے کے رُکن بھی نہیں ہیں) اب آپ یہ کہتے ہیں:

''میں کیا کر سکتا ہوں؟ مجلس عاملہ نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا ہے اور یہ اس کے مطالبات ہیں۔ فوری خود مختاری اور اس کے ساتھ ہی عوام کے (لفظ عوام غور طلب ہے) اس حق کا اعلان کہ ایک ایسی مجلس دستور ساز کے ذریعہ جو رائے دہی بالغان کے اصول سے تشکیل پائی ہو اپنا دستور خود مرتب کریں، اور بطور

طمانیت مرکز میں فوراً ایک قومی حکومت تشکیل دے کر اختیارات کی حقیقی مقدار اس کو منتقل کر دیں۔''
کانگریسی ان مطالبات پر برابر زور دیے جا رہے تھے کہ وائسرائے نے اعلان کیا کہ (قانون 35ء کا) وفاقی جز ملتوی کر دیا گیا ہے کہ ہم نے عملی آدمیوں کی طرح اس اعلان کا خیر مقدم کیا، لیکن ہم نے اس کے ساتھ ہی اس کو قطعی منسوخ کر دینے کا مطالبہ کیا۔ ہمارا یہ بھی مطالبہ تھا کہ کوئی دستور خواہ وہ عارضی ہو یا قطعی ہماری مرضی کے خلاف ہم پر نافذ نہ کیا جائے۔
آخر کار برطانوی حکومت نے (مسلم لیگ کے مطالبہ کو منظور کرتے ہوئے) وفاقی جزو کو منسوخ کر دیا۔ ہم نے محسوس کیا کہ اس سے ہمارا ایک بہت بڑا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ اگست 1940ء میں ہز میجسٹی کی حکومت نے ایک اعلان کے ذریعہ واضح کیا کہ تاوقتیکہ ہندوستان کے بڑے عناصر کسی دستور پر متفق نہ ہوں اس کا نفاذ نہیں کیا جائے گا، اور مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں پر کسی دستور کو جبراً نافذ نہیں کیا جائے گا تاآنکہ وہ اُسے منظور نہ کر لیں۔
اس کے ردعمل کے طور پر مسٹر گاندھی نے ایک مخصوص طرز استبداد کا آغاز کر دیا۔ 1939ء میں مسٹر گاندھی اور کانگریس نے اس خیال سے اپنی وزارتوں کو مستعفی ہو جانے کا حکم دیا کہ اس عمل سے موجودہ دستور معطل ہو جائے گا، سب سے پہلے صوبہ مدراس کی وزارت مستعفی ہوگئی، ان کو توقع تھی کہ وائسرائے انہیں واپس بلائیں گے لیکن وائسرائے نے فوراً استعفیٰ قبول کر لیا اور کانگریس کی ہر ایک وزارت کا یہی حشر ہوا اور ایسے تمام صوبوں کو دفعہ 93 کے تحت لے لیا گیا۔
یہ امر قابل غور ہے کہ اس طریقۂ کار کا مُدعا کیا تھا؟

مسٹر گاندھی کا مقصد خاص یہ ہے کہ ''ہندو ادوار پارینہ'' کی تجدید کی جائے اور رام راج کے وارثِ حقیقی اور برطانوی راج کے جائز نمائندے کی حیثیت سارے براعظم ہندوستان پر حکومت کی جائے، اور مسلمانوں کے کندھوں پر اپنے اقتدار کا جوا رکھ دیا جائے۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے تو یقیناً مسلمان قعرِ مذلت میں جا گرتے۔ آج سے پہلے وہ کہا کرتے تھے کہ ایک عام سول نافرمانی کا آغاز نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ مسلم لیگ اس کے خلاف ہے، پھر وہ برطانوی حکومت کو پریشان بھی نہیں کرنا چاہتے اس کے باوجود ''آزادیٔ تقریر'' کا بہانہ تراش کر استبداد پر اتر آئے وہ چاہتے تھے کہ انصرام جنگ سے اُن کے اختلاف کی دنیا میں تشہیر ہو اور حکومت پریشان ہو کر طوعاً و کرہاً ان کے مطالبات مان لے۔
انفرادی سول نافرمانی شروع ہوئے جب چودہ مہینے گزر گئے تو ان کو محسوس ہوا کہ اب یہ ناؤ ڈوبنے والی ہے۔ اس وقت مسٹر گاندھی اور کانگریس کو دفعتہً علم ہوا کہ کانگریس نے مسٹر گاندھی کو ایسی مہم جاری کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا تھا چنانچہ اس مہم کو خیر باد کہہ دیا گیا۔ (قہقہہ)

مارچ 1943ء میں سر اسٹیفورڈ کرپس ہندوستان آئے، قدرتی طور پر برطانوی حکومت اپنے مفاد کی خاطر اس امر کی خواہش مند تھی کہ ہندوستان کی دونوں بڑی جماعتوں میں ہم آہنگی پیدا کر دے تاکہ انصرامِ جنگ میں اُن کی متفقہ امداد و تعاون اُسے حاصل رہے، چنانچہ سر اسٹیفورڈ کرپس کے ذریعے اُنہوں نے ایک تجویز پیش کی میں یہاں مختصر طور پر بتا دوں کہ اس تجویز کا کیا مفہوم تھا:

➊ اس میں وعدہ کیا گیا تھا کہ اختتام جنگ کے بعد برطانوی حکومت ہندوستان کو ایسی ہی مکمل حکومت خود اختیاری دے گی جیسی کہ برطانوی مقبوضات کو حاصل ہے یا واضح طور پر جیسی کہ خود انگلستان میں موجود ہے۔

➋ ہندوستان کو اس کا بھی حق حاصل رہے گا کہ اگر وہ چاہے تو برطانوی دولت عامہ سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔

➌ مرکزی مجلس دستور ساز میں صوبائی مجالس قانون ساز کے منتخب نمائندوں کی تعداد دس فیصد ہو گی۔

اس طریقۂ کار سے مسلم ہندوستان کو پچیس فی صد نشستیں بھی نہیں مل سکتی تھیں۔ یہ مرکزی مجلس ایک مخلوط مجلس کی طرح متحدہ ہندوستان کا دستور جمہوری طرز پر مرتب کرے گی۔ اس سے محض کانگریس کی دلجوئی مقصود تھی، لیکن برطانیہ کو اس کا بھی علم تھا کہ اس منزل پر آ کر رک جانا مسلمانوں کے لیے موجب تشویش ہو گا۔ اب مسلمان بھی اس ملک میں قابل لحاظ طاقت ہو گئے ہیں، اس کے علاوہ انہیں یہ بھی سوچنا پڑا کہ مطالبۂ پاکستان کے سلسلہ میں وہ مسلم ہندوستان سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں، انہی وجوہات کی بناء پر اُنہوں نے اس تجویز میں اختیار علیٰحدگی کا اضافہ کیا، چنانچہ اس میں یہ بھی درج تھا۔

➍ ایک متحدہ مملکت کی طرح جب سارے ہندوستان کا دستور مرتب ہو جائے تو ہر ایک صوبہ کی مجلس قانون ساز میں اس کو منظوری کے لیے پیش کیا جائے گا، اور ان مجالس کو اس میں شرکت یا عدم شرکت کا اختیار ہو گا۔

سارے ہندوستان کی ایک متحدہ مملکت کے لیے ایسی جماعت سے جو دستور تشکیل پائے گا۔ وہ یقیناً سارے کا سارا نہیں (ہندوؤں کا اپنا ہو گا، لیکن اس میں مسلمانوں کی اتنی اشک شوئی کی تھی کہ ان کو اختیار علیٰحدگی دیا گیا تھا۔ یہ سارا طریقہ کار ہمارے خلاف ایک بچھائی ہوئی بازی کی طرح ہے، پنجاب و بنگال کے اسلامی صوبوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں، لیکن مجلس قانون ساز میں عملاً اقلیت بنائے گئے ہیں۔

اب اس اختیار علیحدگی کی حقیقت سنئے! اس متحدہ مملکت کے دستور کے خلاف اگر ہم نے مجلس قانون ساز میں چالیس فیصد آراء حاصل کر لیں تو ہم صوبے کی آراء شماری کے مجاز ہوں گے۔

گویا ایک بازی گاہ کی طرح اس میں متعدد باڑھیں لگی ہوئی ہیں اور یہ باڑھ نمبر 1 ہے جس پر سے جست لگانا ہے صوبائی مجلس قانون ساز جس کو شرکت یا عدم شرکت کا اختیار ہے۔ باڑھ نمبر 2 ہے۔

اگر ہم ان دونوں کو پھاندنے میں کامیاب ہو بھی گئے تو باڑھ نمبر 3 آپ کے سامنے آ جاتی ہے، یعنی عام آراء شماری!

لیکن کس کی رائے عامہ؟ سارے صوبہ کی رائے عامہ! اس تجویز کو روبہ عمل لانے کے لیے جو طریقۂ کار رکھا گیا ہے وہ محض اشک شوئی ہے۔ اس میں مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو بھی تسلیم نہ کیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، لیکن مسٹر گاندھی نے آخر ان تجاویز کو کیوں مسترد کر دیا؟ اُنہوں نے سوچا کہ اگر ایک دفعہ علیٰحدگی کے اصول کو کانگریس نے تسلیم کر لیا تو پھر اس کے لاحقات کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس میں پاکستان کا بنیادی اصول جنم لے رہا ہے، اس تصور کو پراگندہ اور منتشر کر دینے کے لیے مسٹر گاندھی نے ''ہندوستان چھوڑ دو'' کا نعرہ

لگایا۔

اس نئے اقدام میں کسی جماعت کا مشورہ شامل نہیں ہے۔ گزشتہ بیس سال سے اُنہوں نے یہ راگ الاپا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر سوراج نہیں مل سکتا، اس خصوصی بیان میں اُنہوں نے بہت سی باتیں بتائی ہیں، لیکن اتحاد کے راستہ میں وہ خود سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

انہوں نے ایک عام سول نافرمانی کا فیصلہ کیا اور یہ اعلان بھی کر دیا کہ تاوقتیکہ برطانوی ہندوستان سے چلے نہ جائیں، ہندو مسلم اتحاد ملتوی رہے گا۔ کانگریس کی تشفی کرنے کے معنی مسلمانوں کو قربان کر دینے کے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ حکومت نے کانگریس کے سامنے اس لیے جھکنے سے انکار کر دیا کہ اس کو ہم سے کوئی الفت تھی! اُس نے وہی کیا جو اس کے مناسب حال تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ ان دو آدمیوں کو جو ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے لیکن انہیں ایک ہی سمت اور ایک ہی راستے پر چلنا پڑتا ہے۔

پھر انہیں اس کا بھی خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کو نیچے گرا دیا گیا تو مسلم لیگ اب اتنی طاقتور ہو گئی ہے کہ وہ کانگریس سے بڑا نہیں تو اس کے برابر ایک دوزخ ضرور بنا سکتی ہے، وہ ہم سے خوفزدہ تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کی یہ مہم جواری کا آخری پانسہ تھی۔ آپ کو مسلم لیگ سے کیا توقع تھی؟ کیا آپ کو اُمید تھی کہ کانگریس کے اس داؤ پیچ سے واقف ہونے کے بعد بھی مسلم لیگ اس تحریک سول نافرمانی کی تائید کرتی؟ یہ محض برطانیہ ہی کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں ہے، بلکہ کانگریسی مطالبات کے تعلق سے یہ ایک خانہ جنگی ہے کیونکہ اس کے مطالبات مفاد اسلامی کے منافی ہیں۔ اگر آزادی اور خود مختاری کے نام پر مسلمان بھی اس تحریک میں شریک ہو جاتے تو مسٹر گاندھی انگلستان، امریکہ اور ساری دنیا سے کہتے پھرتے کہ وہ سارے ہندوستان کی نمائندگی کرتے ہیں، اور یہ کہ ان کے مطالبات کو مسلم ہندوستان کی تائید بھی حاصل ہے۔ اگر مسلمان اس دامِ تزاویر میں آجاتے تو یہ اُن کی سب سے بڑی غلطی ہوتی۔

اگر ہمیں انگریزوں کی دیانت پر بھروسہ ہوتا تو قدرتی طور پر ہمارے لیے یہی ایک راستہ رہ جاتا کہ ہم اُن کے ساتھ مل کر اس تحریک کو کچل دیں کیونکہ اس تحریک کے مقاصد میں ہماری پامالی بھی شامل تھی، لیکن مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ ہم انگریزوں پر بھی اعتماد نہیں کر سکتے، وہ اپنے داؤں پر ہیں۔ اس لیے ہم نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ اس معاملہ سے بالکل علیٰحدہ رہیں۔ ان کو اپنے آپ لڑنے دو یہ انہیں واقعات میں سے ایک ہیں جب کہ غیر جانبداری ہی بہترین حکمت عملی ثابت ہوتی ہے۔

آخر ہندوستان چھوڑ دو کے نعرے کا کیا حشر ہوا؟ اپنے ملک کے دس کروڑ مسلمانوں سے تصفیہ کر لینے کے بجائے وہ انگلستان، امریکہ، چین اور اب تو روس سے بھی استدعائیں کر رہے ہیں کہ وہ معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیں، اور ان کی امداد کریں! میں کانگریس اور ہندوؤں سے پوچھتا ہوں کہ تم نے تو انگریزوں سے کہا تھا کہ وہ ہندوستان چھوڑ دیں پھر اب یہ کیوں کہتے ہو کہ وہ تمہارے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیں؟ ان سے تم کس امداد و اعانت کی توقع رکھتے ہو؟ کیا تم

چاہتے ہو کہ دس کروڑ مسلمانوں کی مرضی کے خلاف غیر ملکی حکومتیں اس ملک میں کوئی دستور نافذ کر دیں؟ اگر ہندوؤں کے دل میں سمجھوتہ کرنے کا ذرا بھی شائبہ ہوتا تو وہ ہرگز ایسا طریقہ اختیار نہ کرتے۔
اس کے برخلاف برطانیہ کا طریقۂ کار ملاحظہ فرمایئے۔ وہ کہتے ہیں کہ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے، اور منجملہ دیگر جماعتوں کے ایک ہے۔
بالکل درست! کانگریس ہندوستان کی اکثریت کی نمائندہ نہیں ہے بالکل درست! لیکن جب میں پوچھتا ہوں کہ ان دس کروڑ مسلمانوں کا اور ان کروڑوں اشخاص کا کیا ہو گا جو کانگریس کے مؤید نہیں ہیں؟ حکومت اس کا ایک انوکھا جواب دیتی ہے۔
اس کی حجت یہ ہے کہ کانگریس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔
میں کسی دیانتدار آدمی سے پوچھتا ہوں کہ کیا تجویز پاکستان جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی آزادی مضمر ہے، اور جس کی رو سے تین چوتھائی ہندوؤں کو اور ایک چوتھائی مسلمانوں کو حصہ ملتا ہے کسی طرح بھی ناواجب ہے؟ میں کہتا ہوں کہ آؤ ہم اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں اور مخلصانہ طور پر یہ طے کر لیں کہ تم اپنے منطقوں میں ہماری اور ہم اپنے منطقوں میں تمہاری اقلیتوں کی حفاظت کریں گے۔ (نعرۂ تحسین)
اگر تمام جماعتیں بشمول حکومت مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کر لیں، اور مسلم رائے عامہ کے فیصلے کا احترام کرتے ہوئے اس امر کی ضمانت دیں کہ تجویز پاکستان کو روبہ عمل لایا جائے گا تو عارضی حکومت کا مسئلہ بہت آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔
حال ہی میں مجھے بہت سے ہندوؤں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہ از راہ مہربانی مجھ سے ملنے آئے تھے۔ میں نے بغیر کسی دل شکنی کے اُن سے پوچھا تھا۔ ہندوؤں کو حکومت کیے کتنا عرصہ گزرا اور ہندوستان کے کِس حصہ پر انہوں نے حکومت کی تھی؟
یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تقریباً ایک ہزار سال سے ہندوؤں نے ملک کے کسی قابل ذکر حصہ پر حکومت نہیں کی ہے۔ ہماری تجویز کی رو سے تین چوتھائی ہندوستان ان کو دیا جا رہا ہے۔ جہاں وہ اپنی حکومت قائم کر سکتے ہیں۔ میں نے اُن سے اپیل کی کہ وہ حریص نہ بنیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہیر پھیر سے سارے ملک کو ہتھیا لینا چاہتے ہیں۔
میں کہتا ہوں یہ تین چوتھائی لے لو اور میری ایک چوتھائی پر حسد نہ کرو۔ مجھے اپنی اسلامی تاریخ کی روشنی میں اپنی روایات، اپنی ثقافت، اور اپنی زبان کو برقرار رکھتے ہوئے زندگی بسر کرنے دو اور تم بھی اپنے منطقوں میں یہی کرو۔ (نعرۂ تحسین)
لیکن بدبختی سے ہندو قیادت کا مطمع نظریہ ہے کہ مسلمان ان کے سامنے جھک جائیں، اور ایک دوامی اقلیت کی طرح ان کے زیرِ اقتدار رہیں۔ ہم اس کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ ہماری عام مسلم آراء شماری کی تجویز ایسی بنیاد پر ہے کہ ہندوستان کے مسلمان کسی بھی تعریف کی رو سے ایک قوم ہیں (نعرہ تحسین) دنیا میں کہیں بھی دس کروڑ اشخاص کو اقلیت نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے یہاں کسی رعایت، سمجھوتے یا تحفظات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ مسلمانوں کے پیدائشی اور وراثتی خود ارادیت کا سوال ہے کہ اِس ذیلی براعظم میں رہنے والی ایک قومی جماعت کی حیثیت سے ان منطقوں میں جہاں وہ

اکثریت میں ہیں اپنی ریاستیں بنائیں۔ (نعرۂ تحسین)

بہرحال مسلم ہندوستان کسی عارضی حکومت میں محض اقلیت کی حیثیت سے نہیں بلکہ مساوی حیثیت سے ضرور حصہ لے گا۔ (نعرۂ تحسین) ہماری اس تجویز کے جواب میں وہ ہوا کے رُخ کا اندازہ کرتے رہتے ہیں۔ ایک طرف ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے جال پھیلاتے ہیں اور دوسری طرف بیرونی ممالک سے استدعائیں کرتے جاتے ہیں۔

بعض اشخاص یہ پوچھتے ہیں کہ فرض کیجئے کہ برطانیہ اور کانگریس کے اختلافات ختم ہو جائیں، اور اول الذکر کانگریس کے مطالبات تسلیم کر لیے تو ہمارا کیا حشر ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر برطانوی حکومت ان حتمی عہد و اقرار کے باوجود ہمیں دھکیل کر کانگریس کے رحم و کرم پر ڈال دے تو مجھ پر یقین کیجئے کہ اگر ہم متحد اور متفق رہے تو پھر دونوں مل کر بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (نعرۂ تحسین) اب ہم اس قابل ہو گئے ہیں کہ ایسی حکومت کو ناممکن بنا دیں۔

چین اور امریکہ کی متحدہ طاقت بھی کوئی ایسا دستور ہم پر نافذ نہیں کر سکتی، جس میں مسلمانوں کو قربان کیا گیا ہو۔ اگر اقوام کسی ایسی مجنونانہ غلطی کا ارتکاب کر بیٹھیں تو یاد رکھو کہ ایک حقیر کیڑا بھی پلٹ پڑتا ہے۔

ان غیر ملکی سنگینوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جن کے سائے میں کانگریسی راج رچایا جا رہا ہوگا، ہم ملک کے سارے نظام میں زلزلے ڈال دیں گے اور اس کو مفلوج و معطل بنا کر رکھ دیں گے۔'' (فلک شگاف نعرے)

مشن روڈ کراچی

9 جنوری 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح کراچی کے فساد زدہ علاقے میں گئے تو مشن روڈ کے راستے سے گزرے۔ مہاجرین کے ایک گروپ نے انہیں دیکھ کر قائداعظم اور پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے موٹر روک کر مہاجرین سے خطاب کیا اور کہا:

''میں مہاجرین کے جذبات سے پوری طرح آگاہ ہوں جنہیں شدید تکالیف برداشت کرنا پڑ رہی ہیں، مجھے مہاجرین سے بے پناہ ہمدردی ہے، مگر انہیں صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے۔ حکومت پاکستان شرپسندوں کے خلاف سخت کارروائی کرے گی۔''

مشن کالج، لاہور

1849ء میں اس کالج کا قیام عمل میں آیا۔ جون 1886ء میں کالج کی عمارت تعمیر کی گئی چونکہ جگہ تنگ تھی۔ اس لیے 1889ء میں اسے نیلا گنبد اور تار گھر کے درمیان منتقل کر دیا گیا یہاں آج کل بنکوں کی بڑی بڑی عمارات ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح ایک بار جب لاہور تشریف لائے تو طلباء کی دعوت پر اس کالج میں بھی تشریف لے گئے تھے۔

مشہور مقدمات

قائداعظم محمد علی جناح نے بہت سے مقدمات کی پیروی کی، جن میں سے 80 مقدمات کے بارے میں مختصر سی تفصیل درج کی جا رہی ہے۔

1- بالا رام بھوسکر جی کیس

1898ء
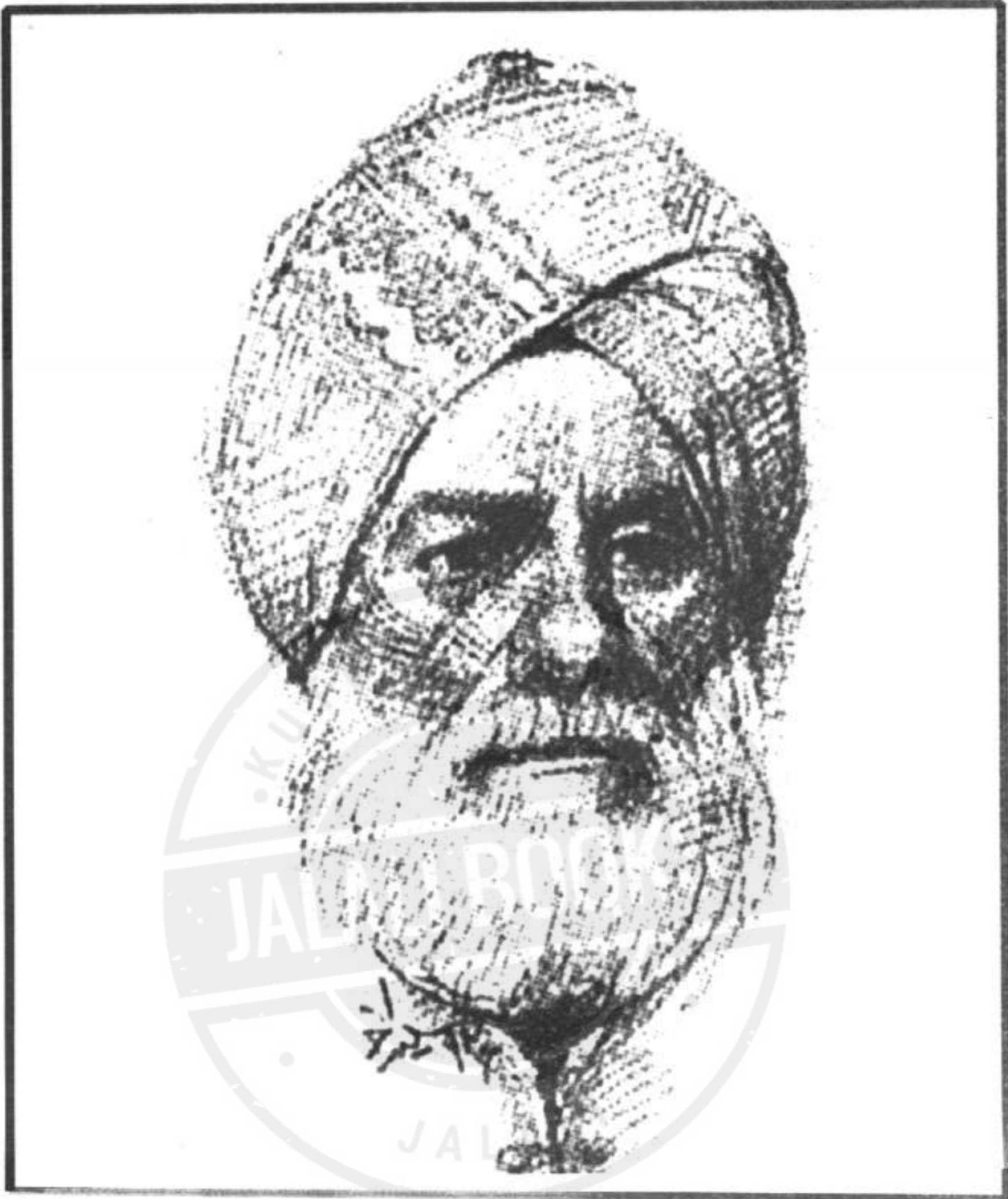
مولانا محمد شبلی نعمانی

1914 - 1857

آپ ممتاز مورخ، مصنف اور شاعر تھے آپ یوپی کے نواحی قصبے بندول میں پیدا ہوئے آپ نے متعدد مدرسوں میں تعلیم حاصل کی اور وکالت کا امتحان بھی پاس کیا۔ 1882ء سے 1892 تک علی گڑھ میں خدمات سرانجام دی پھر چار سال حیدر آباد دکن میں تدریسی خدمات انجام دیں بعدازاں اعظم گڑھ میں دارالمصنفین کی بنیاد ڈالی ان کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ندوۃ العلما کا قیام ہے۔ 1911ء میں مولانا شبلی نے انجمن وقف الاولاد کے سیکرٹری کی حیثیت سے قائداعظمؒ سے رابطہ کیا جب قائداعظمؒ نے وقف کا بل مرکزی اسمبلی میں پیش کیا تھا قائداعظمؒ نے اپنی تقریر میں ندوۃ العلماء کی قرارداد کا ذکر کیا تھا آپ کی لاتعداد تصانیف ہیں ''سیرت النبی ﷺ'' اُن کا سب سے بڑا کارنامہ ہے جو نامکمل رہ گئی اور ان کے لائق شاگرد سید سلیمان ندوی نے مکمل کی۔

اس کیس میں بالا رام بھوسکر جی مدعی اور رام چندر بھاسکر جی مدعا علیہ تھے۔ اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی بہادر جی کے ساتھ مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

2- مروانجی شروف کیس

1902ء

اس کیس میں سواس جو مروانجی شروف مدعی اور جی آئی پی ریلوے کمپنی مدعا علیہ تھے، اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی برانسن (Branson) کے ساتھ مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی اور کیس جیتا۔

3- کاشی ناتھ چمن جی کیس

1906ء

اس کیس میں کاشی ناتھ چمن جی اور روابائی مدعی اور چمن جی سادھا شو مدعا علیہ تھے۔ اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی سیتلواد کے ساتھ مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

4- ماتھر داس کیس

1906ء

اس کیس میں ماتھر داس داموردر مدعی اور واندرا وند اس سندر جی مدعا علیہ تھے۔ اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی تلیار خان کے ساتھ مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی اور کیس جیتا۔

5- آر ایس وولن والا اینڈ کمپنی کیس

1906ء

اس کیس میں آر ایس وولن والا اینڈ کمپنی مدعی اور این سی میکلوڈ مدعا علیہ تھے، اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھیوں سیتلواد اور ویلڈن (Weldon) کے ساتھ آر ایس وولن والا اینڈ کمپنی کی طرف سے وکالت کی۔

6- لوکل باڈیز الیکشن کمیشن

1907ء

اس کیس میں بھائی شنکر نانا بھائی مدعی اور بمبئی میونسپل کارپوریشن مدعا علیہ تھے۔ اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی ڈکشٹ کے ساتھ مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی اور کیس جیتا۔

7- گنگا بائی کیس

1907ء

اس کیس میں گنگا بائی مدعی اور پرشتم اتمارم مدعا علیہ تھے، قائداعظم نے اپنے ساتھی مزم دار کے ساتھ مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی، یہ کیس خارج کر دیا گیا۔

8- مولچند اینڈ کمپنی کیس

1907ء

اس کیس میں چیٹرنگ مولچند اینڈ کمپنی مدعی اور لیفٹیننٹ آر ایچ وائٹ چرچ مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے ساتھی رائکس نے مدعی کی طرف سے وکالت کی اور کیس جیتا۔

9- جگن ناتھ کیس

1908ء

اس کیس میں جگن ناتھ ہیرالال مدعی اور تلکا کورا مدعا علیہ تھے، قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے ساتھی دوار نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی اور کیس جیتا۔

10- ادرام کیس

1908ء

اس کیس میں ادرام کیسا جی مدعی اور حیدرعلی عبدالقیوم مدعا علیہ تھے، قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت

کی اور کیس جیتا۔

11- ملجی تیج سنگھ کیس

1909ء

اس کیس میں ملجی تیج سنگھ مدعی اور دانسی دیوارج مدعا علیہ تھے۔ اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت کی اور کیس کا فیصلہ مدعا علیہ کے حق میں ہوا۔

12- واسن جی تریکم جی اینڈ کمپنی کیس

1909ء

اس کیس میں واسن جی تریکم جی اینڈ کمپنی مدعی اور اسماعی بھائی شوجی مدعا علیہ تھے۔ اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔ یہ کیس خارج کر دیا گیا۔

13- احمد سلیمان جمانی کیس

1909ء

اس کیس میں احمد سلیمان جمانی مدعی اور بھگون داس وسراس اینڈ کمپنی مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس کیس میں مدعی کی طرف سے وکالت کی اس کیس کا فیصلہ مدعا علیہ کے حق میں ہوا۔

14- کریم بھائی کیس

1910ء

اس کیس میں کریم بھائی ابراہیم مدعی اور خلفن بھائی دمانی مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت کی، یہ کیس خارج کر دیا گیا۔

15- ویسٹ اینڈ واچ کمپنی کیس

1910ء

اس کیس میں ویسٹ اینڈ واچ کمپنی مدعی اور برنا واچ کمپنی مدعا علیہ تھی۔ اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی بہادر جی کے ساتھ مدعی کی طرف سے وکالت کی اور کیس جیتا۔

16- دھوبی شری گوپال کیس

1910ء

اس کیس میں دھوبی شری گوپال چرن جی لال مدعی اور دھنا لال کاسی رام مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے کیس کی وکالت کی اور کیس جیتا۔

17- جملجی کیس

1911ء

اس میں جملجی تمسیت جی جوشی مدعی اور بمبئی الیکٹرک سپلائی اور ٹرام ویز کمپنی مدعا علیہ تھے۔ اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی کانگا کے ساتھ مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

18- سید ضیاء الحسین کیس

1911ء

اس کیس میں سید ضیاء الحسین خان مدعی اور سیتا رام بھودلیش مدعا علیہ تھے۔ اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح اور پی پی کھارے نے مدعی کی طرف سے وکالت کی اور کیس جیتا۔

19- زلیخا بائی کیس

1912ء

اس کیس میں زلیخا بائی مدعی اور ابراہیم حاجی ویندینا مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی جارڈین کے

ساتھ مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔ یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

20- محمد مہدی کیس

1912ء

اس کیس میں محمد مہدی فایا تھاریا ٹون پان مدعی اور سکینہ بائی مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح اور جعفر بھائی نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔ یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

21- ہر کھ بائی کیس

1912ء

اس کیس میں ہرکھ بائی مدعی اور جمنا بائی مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح سیتلواد اور دوار نے مدعی کی طرف سے وکالت کی اور کیس جیتا۔

22- چھو گمل کیس

1913ء

اس کیس میں چھوگمل بلکیسون داس مدعی اور ر جے مرایان کنہیا لال مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح، رانگس اور سٹرینگ مین (Strang man) نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔ اس کیس کا فیصلہ مدعا علیہ کے حق میں ہوا۔

23- یشونت کیس

1913ء

اس کیس میں یشونت وشنو مدعی اور کیشو راؤ بھائی جی مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح اور سٹرینگ مین نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔

24- منگل داس کیس

1914ء

اس کیس میں منگل داس موتی والا مدعی اور عبدالرزاق حاجی سلمان مدعا علیہ تھے۔ اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح اور سیتلواد نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔

25- بائی بیکائی جی کیس

1915ء

اس کیس میں بائی بیکائی جی مدعی اور پیروج شاہ جیون جی کبیر والا مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح اور واڈیا نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی اور کیس جیتا۔

26- کارل اینڈ کمپنی کیس

1915ء

اس کیس میں کارل ایٹلنگر اینڈ کمپنی مدعی اور چھانگن داس اینڈ کمپنی مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح اور ڈیسائی نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی اور کیس جیتا۔

27- گنگا بائی کیس

1915ء

اس کیس میں گنگا بائی مدعی اور سونا بائی کوجی گھی والا مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے واڈیا اور مرزا کے ساتھ مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

28- مادھو جی مینوفیکچرنگ کمپنی لمیٹڈ کیس

1916ء

اس کیس میں مادھو جی دھرمسے مینوفیکچرنگ کمپنی لمیٹڈ مدعی اور سنٹرل انڈیا سپننگ ویونگ اینڈ مینوفیکچرنگ کمپنی لمیٹڈ مدعا علیہ تھی۔ اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح اور سٹرینگ مین نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔

29- بمبئی اینڈ افریقہ سٹیم نیویگشن کمپنی لمیٹڈ کیس

1916ء

اس کیس میں بمبئ اینڈ افریقہ سٹیم نیویگشن کمپنی لمیٹڈ مدعی اورانجم غلام حسین مدعا علیہ تھے۔قائداعظم محمد علی جناح اور ددوار نے مدعی کی طرف سے وکالت کی یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

30- تلک کیس

1916ء

اس کیس میں بی جی تلک مدعی اورشہنشاہ مدعا علیہ تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح اور ایس آر باکھلے نے مدعی کی طرف سے وکالت کی اورکیس جیتا۔

31- نور بھائی کیس

1917ء

اس کیس میں نور بھائی غلام حسین مکلی مدعی اور ایم اللہ بخش اینڈ کمپنی مدعا علیہ تھے۔ اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعاعلیہ کی طرف سے وکالت کی۔

32- مرکند رائی کلیانرائی کیس

1917ء

اس کیس میں مرکند رائی کلیانرائی مہتہ مدعی اور ورندراری چندرا پرساد ڈیسائی مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح اور ملانے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

33- خاتون بائی کیس

1917ء

اس کیس میں خاتون بائی مدعی اور محمد حاجی ابو مدعا علیہ تھے۔اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح اور ددوار نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

34- وینکتیش کیس

1918ء

اس کیس میں وینکٹیش مدعی اورعبدالقادر مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی اورکیس جیتا۔

35- گووند لکشمن کیس

1919ء

اس کیس میں گووندلکشمن گوکھلے مدعی اور ہر چند منچا رام مدعا علیہ تھے۔قائداعظم محمد علی جناح، کانگااورموس نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

36- ہرنند رائی کیس

1919ء

اس کیس میں ہرنندرائی مولچند مدعی اور پراگ داس بدھ سین مدعا علیہ تھے۔اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح اور ڈیسائی نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

37- گنپت رائے کیس

1919ء

اس کیس میں گنپت رائے آپا جی جگتاپ مدعی اور باپڑ نکارام مدعا علیہ تھے۔قائداعظم محمد علی جناح اورآر باکھلے نے مدعاعلیہ کی طرف سے وکالت کی اورکیس جیتا۔

38- ادلے رام کیس

1920ء

اس کیس میں ادلے رام پریمکھ اور شوبھائی جان رام پرتاب مدعا علیہ تھے۔اس میں قائداعظم محمد علی جناح اور کانگا نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

39– ابراھیم پھانی ملز کیس

1920ء

اس کیس میں ابراھیم پھانی ملز کمپنی لمیٹڈ مدعی اور حسن مالوجی مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح اور کیمپ بیل نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔

40– چرن داس کیس

1920ء

اس کیس میں چرن داس چتر بھوج مدعی اور چھانگن لال پتامبرداس مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی اور کیس جیتا۔

41– دینا ناتھ کیس

1920ء

اس کیس میں دینا ناتھ سندر جی راوتے مدعی اور شہنشاہ مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح اور کے اے پاڈیے اور ایم کے ٹھاکر نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

42– گوپال جی کیس

1920ء

اس کیس میں گوپال جی کلیان جی مدعی اور چھانگن لال ودھالجی مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔ یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

43– عبدالحسین کیس

1921ء

اس کیس میں عبدالحسین یوسف علی مدعی اور ڈی جے مستری اینڈ کمپنی مدعا علیہ تھے۔ اس کیس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی اور کیس جیتا۔

44– جعفر جی کیس

1921ء

اس کیس میں جعفر جی ابراہیم جی مدعی اور میا دین منگل مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت کی اور کیس جیتا۔

45– حنیف کیس

1921ء

اس کیس میں حنیف مولا بخش مدعی اور کلسم مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت کی اس کیس کا فیصلہ مدعا علیہ کے حق میں ہوا۔

46– جئے رام کیس

1921ء

اس کیس میں جئے رام جاروجی مدعی اور ناوروجی جمشید جی مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔ یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

47– وتھلداس کیس

1921ء

اس کیس میں وتھلداس بھگوان داس مدعی اور مرتضیٰ حسین مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔ یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

48– کھیم چند کیس

1922ء

اس کیس میں کھیم چند نوروتم داس بھاوسار مدعی اور پھول لال ہیرا چند شاہ مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

49-دیا رام کیس

1922ء

اس کیس میں دیا رام پریم جی مدعی اور بیچار داس ڈونگرسی مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

50- گھنا شام کیس

1922ء

اس کیس میں گھنا شام داس وشنو داس گاندھی مدعی اور لکشمی بائی مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔

51- رتن بائی کیس

1922ء

اس کیس میں رتن بائی رستم جی داداچن جی مدعی اور سواجی اولجی داداچن جی مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی جے اکار کے ساتھ مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔

52- مونگی بائی کیس

1922ء

اس کیس میں مونگی بائی مدعی اور بائی ناگو بائی مدعا علیہ تھیں۔ قائداعظم محمد علی جناح اور منشی نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔ یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

53- فورڈ آٹو موبائلز کیس

1922ء

اس کیس میں فورڈ آٹو موبائلز انڈیا لمیٹڈ مدعی اور دہلی موٹر انجینئرنگ کمپنی مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔ یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

54- رانا چندنر کیس

1922ء

اس کیس میں رانا چندنر سے مدعی اور سٹینلے ڈوبسی مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت کی یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

55- ھاشم کیس

1923ء

اس کیس میں ہاشم اسماعیل مدعی اور ناری مان روتو جی مہتہ مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

56- کالیانمال کیس

1923ء

اس کیس میں کالیانمال تلک چند مدعی اور دھرمسی جھتا اینڈ کمپنی مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔

57- شڈوبائی کیس

1924ء

اس کیس میں شڈو بائی رودرا گودہ ڈیسائی مدعی اور نیلاپ گودہ برما گودہ مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے جی این ٹھاکر اور ایچ بی گماشتے کے ساتھ مدعی کی طرف سے وکالت کی۔ یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

58- اینڈ ریو کیس

1924ء

اس کیس میں اینڈ ریوروز اریتو مدعی اور محمد ابراہیم سارنگ مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔

59- کیدر ناتھ کیس

1924ء

اس کیس میں کیدرناتھ تلسی داس مدعی اور بہاری لال جاگامل مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے منشی اور کنہیا کے ساتھ مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔ یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

60- جے بھرجورجی اینڈ کمپنی کیس

1924ء

اس کیس میں جے بھرجورجی اینڈ کمپنی مدعی اور انٹرنیشنل بنکنگ کارپوریشن مدعا علیہ تھیں۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی کمپ کے ساتھ مدعی کی طرف سے وکالت کی، یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

61- گوردھن داس کیس

1924ء

اس کیس میں گوردھن داس کلیان جی بھٹ مدعی اور گوتم چندروپ چند مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔ یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

62- ناگن لال کیس

1925ء

اس کیس میں ناگن لال ماگن لال جےَ چند مدعی اور گنونت رائے دھیرج لال ڈیسائی مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔ یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

63- حاجی عبدالرحمٰن کیس

1925ء

اس کیس میں حاجی عبدالرحمٰن حاجی محمد کادوانی مدعی اور منجی بھائی کتھاؤ اینڈ کمپنی مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔

64- انداجی کیس

1925ء

اس کیس میں انداجی ماجا جی مدعی اور کوروجی ناؤ روجی گمادیا مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت کی اور کیس جیتا۔

65- احمد عبداللہ کیس

1926ء

اس کیس میں احمد عبداللہ حسنی مدعی اور عبدالغفور مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

66- شری گووردھن لال جی کیس

1926ء

اس کیس میں شری گووردھن لال جی مدعی اور شری چندرا پرادھواتی مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔ یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

67- فاطمہ بائی کیس

1927ء

اس کیس میں فاطمہ بائی مدعی اور شریف دیوجی کانجی مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔

68- کانجی کیس

1928ء

اس کیس میں کانجی شوجی مدعی اور واسن جی شوجی اینڈ کمپنی

مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

69– بی بی عائشہ کیس

1931ء

اس کیس میں عائشہ بی بی مدعی اور محمد عبدالکبیر مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی بی ڈیوب کے ساتھ مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

70– مونو بار داس کیس

1931ء

اس کیس میں مونو بارداس مانتا مہاراج مدعی اور ہزاری مل بابو مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی اے ایم ڈیون کے ساتھ مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

71– جہانگیر کیس

1932ء

اس کیس میں جہانگیر شپر جی تاراپورے والا مدعی اور سوور کار مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اے ایم ڈیون کے ساتھ مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔

72– ارمیندرا کیس

1933ء

اس کیس میں ارمیندرا مان سنگھ بھرا مارلیا مدعی اور منتن سنگھ مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی ڈاسن ملر کے ساتھ مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

73– بھپ کیس

1933ء

اس کیس میں بھپ نارائن سنگھ مدعی اور گوکل چند ماہتون مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی ڈاسن ملر کے ساتھ مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

74– کالا رام کیس

1934ء

اس کیس میں کالا رام مدعی اور پنجاب نیشنل بنک لمیٹڈ پشاور مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی ڈبلیو ایچ اپجان کے ساتھ مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

75– بھارت سپننگ کمپنی کیس

1935ء

اس کیس میں بھارت سپننگ اینڈ ویونگ کمپنی لمیٹڈ مدعی اور منی لال للو بھائی مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی اے ایم ڈیون کے ساتھ مدعی کی طرف سے وکالت کی۔ یہ مقدمہ بھی خارج کر دیا گیا۔

76– کنور کیس

1935ء

اس کیس میں کنورا میشور بخش سنگھ مدعی اور ٹھاکرائن بھراج کور مدعا علیہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی ڈبلیو اے اپجان کے ساتھ مدعی کی طرف سے وکالت کی یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

77– ڈمی بائی کیس

1936ء

اس کیس میں ڈمی بائی کنکجی سوجپال مدعی اور راؤ جی سوجپال مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ساتھی ڈیسائی کے ساتھ مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

78- لیلا دھر کیس

1937ء

اس کیس میں لیلا دھر رتن سی مدعی اور صالح بھائی بدری مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی اور کیس جیتا۔

79- گووند رام کیس

1938ء

اس کیس میں گووند رام سوشارائن مدعی اور شونارائن سروپ چند مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعی کی طرف سے وکالت کی۔

80- شری رام کیس

1939ء

اس کیس میں شری رام ہنوت مدعی اور موہن لال اینڈ کمپنی مدعا علیہ تھے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کی۔ یہ کیس خارج کر دیا گیا۔

مصائب کی یلغار

1927ء کا سال ہندوستان کے لیے مجموعی طور پر اور قائداعظم محمد علی جناح کے لیے ذاتی حیثیت میں امیدوں اور خوابوں کی شکست و ریخت کا سال تھا۔ مانٹیگو کے الفاظ نے بڑھتی ہوئی قوم پرستانہ توقعات کو جو حوصلہ بخشا، اس کو پورے دس سال ہو چکے تھے۔ اس کے باوجود ڈومینین سٹیٹس، آزادی اور سوراج کا حصول پہلے کی طرح اب بھی آنکھوں سے اوجھل تھا۔ سیکرٹری آف سٹیٹ لارڈ برکن ہیڈ اور اس کے ٹوری ساتھیوں نے جان لیا تھا کہ ویسٹ منسٹری میں ان کے اقتدار کے دن گنے جا چکے ہیں، اس لیے انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ تنگ نظری پر مبنی امپیریل طرز حکومت ہندوستان پر مسلط کر دیا جائے۔

ریمزے میکڈانلڈ کی لیبر حزب اختلاف ہر ضمنی انتخاب کے نتیجے میں مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی، اور 1929ء کے انتخابات میں اپنی مکمل فتح کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھی، ٹوری کابینہ نے 1927ء میں ایک دستوری کمیشن مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ 1919ء کے انڈیا ایکٹ کا جائزہ لے کر ہندوستان کے لیے مزید دستوری اصلاحات کی سفارش کر سکے۔

لارڈ برکن ہیڈ نے اپنے بیرسٹر دوست سر جان سائمن کو کمیشن کا سربراہ اور چھ دیگر انگریزوں کو جو سب کے سب ہندوستانی امور سے نابلد تھے رکن مقرر کر دیا لارڈ ریڈنگ کے جانشین لارڈ ارون نے، جو ہندوستان کے محسوسات کی بابت زیادہ ہمدردانہ اور حساس رویہ رکھتا تھا، زور دیا کہ اس کمیشن میں کم از کم دو ہندوستانیوں کو ضرور شامل کیا جائے، لیکن لارڈ برکن ہیڈ کی مرضی یہ تھی کہ اس کا فرستادہ کمیشن اپنی تحقیقات کو تعصب و جانبداری سے متاثر ہوئے بغیر بروئے کار لائے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے جون میں وائسرائے کو واضح طور پر متنبہ کرتے ہوئے لکھا:

''اس معاملے میں افراد کا انتخاب ہر دوسرے عامل سے زیادہ اہم ہے۔''

ہندوستان کے دستور کی اصلاح و بہتری کے کام میں اپنے وقت اور توانائی کے ذریعے حکومت کی مدد کرنے پر ہمیشہ مستعد رہتے تھے، اور اب کام ہی ان کے لیے سکون و اطمینان کا واحد ذریعہ رہ گیا تھا۔ ان کی تنبیہ کو مسترد کر کے ایک اور چرکا لگایا گیا، جو ہندوستان کے باقی ماندہ حقائق سے بے خبر اور فرسودہ قیادت کے ساتھ انہیں بھی سہنا پڑا۔

لارڈ برکن ہیڈ نے ان کی تجویز نومبر میں اعلانیہ مسترد کر دی۔ جب اگلے سال فروری میں سائمن کمیشن بمبئی پہنچا تو پورے ہندوستان نے بیک آواز ''سائمن واپس جاؤ'' کا فلک

شگاف نعرہ لگایا۔ کمیشن کی سالوں کی محنت کو شاہی حکام کی تنگ نظری نے کام شروع ہونے سے پہلے تارپیڈو کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے کروڑوں ہندوستانیوں کے محسوسات کو پس پشت ڈال کر ذاتی مفادات کو ترجیح دی تھی۔

سائمن کمیشن کے مسئلہ نے مسلم لیگ کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ایک چھوٹا گروپ سابق لاء ممبر سر محمد شفیع کی قیادت میں لاہور میں جمع ہوا، اور کمیشن کا خیر مقدم کرنے کے علاوہ اس کے ساتھ تعاون کرنے کا فیصلہ ہوا، جبکہ لیگ کی کونسل کے زیادہ تر ارکان نے 30 دسمبر 1927ء کو کلکتہ میں قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت منعقد ہونے والے اجلاس میں شرکت کی۔

مسز اینی بسنٹ اور مسز سروجنی نائیڈو اعزازی مہمان کی حیثیت سے شامل ہوئیں۔ اجلاس کی صدارت کے لیے آغا خاں کا نام تجویز ہوا تھا، لیکن وہ عین آخری لمحے پر ٹال گئے ان کی جگہ مولوی محمد یعقوب نے اردو میں فی البدیہہ صدارتی تقریر کی۔ اس سیشن میں منظور ہونے والی اہم ترین قرارداد یہ تھی:

''دستوری کمیشن اور اس کے طریق کار کے بارے میں جو اعلان کیا گیا ہے، وہ اہل ہند کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ اس لیے (جناح لیگ) نے طے کیا ہے کہ ملک بھر کے مسلمانوں کو کمیشن سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہئے اور کسی مرحلہ پر کسی بھی صورت میں تعاون نہیں کرنا چاہئے۔''

اجلاس کے آخر میں قائداعظم محمد علی جناح کو اگلے تین سال کے لیے دوبارہ مستقل صدر چن لیا گیا۔ اس موقع پر انہوں نے گرجتے ہوئے کہا:

''برطانیہ کے خلاف ایک دستوری لڑائی کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ مصالحت کے لیے مذاکرات کی پہل ہماری طرف سے نہیں ہو گی۔ امن کے لیے حکومت کو درخواست کرنی چاہئے۔ ہمیں مساوی شریک کار بنانے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ ہم نئے نظریہ کی حتی الوسع مزاحمت کریں گے۔ جلیانوالہ باغ جسمانی مذبح خانہ تھا۔ تمام تر گوروں پر مشتمل کمیشن کا تقرر کر کے لارڈ برکن ہیڈ نے کہہ دیا ہے کہ ہم حکومت خود اختیاری کے اہل نہیں ہیں۔ میں پنڈت مالویہ کا خیر مقدم کرتا ہوں (ایک کانگریسی ہندو جو شریک اجلاس تھے) کانگریس اور مہاسبھا کے پلیٹ فارم سے ہندو لیڈروں نے ہماری طرف جو دست تعاون بڑھایا ہے۔ میں اس پر مسرت کا اظہار کرتا ہوں، کیونکہ میرے لیے یہ پیشکش حکومت کی طرف سے دی جانے والی کسی بھی رعایت سے زیادہ بیش قیمت ہے۔ ہمیں دوستی کے اس ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لینا چاہئے۔ فی الحقیقت آج کا دن ہمارے لیے بڑا روشن و تابناک ہے۔ ہماری صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے لارڈ برکن ہیڈ شکریے کے مستحق ہیں۔''

مصر

❶ قائداعظم محمد علی جناح دو مرتبہ مصر گئے ایک بار گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن جاتے ہوئے وہ مصر میں رکے اور دوسری مرتبہ دسمبر 1946ء میں کراچی واپس جاتے ہوئے۔ یہ انکشاف متحدہ عرب جمہوریہ کی وزارت اطلاعات و ثقافت کی جانب سے قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن ولادت کے موقع پر شائع ہونے والی عربی زبان کی کتاب میں کیا گیا یہ کتاب 143 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کے مشن اور کارناموں کے علاوہ قائداعظم محمد علی جناح کے بعد پاکستان کی تعمیر نو کے سلسلے میں
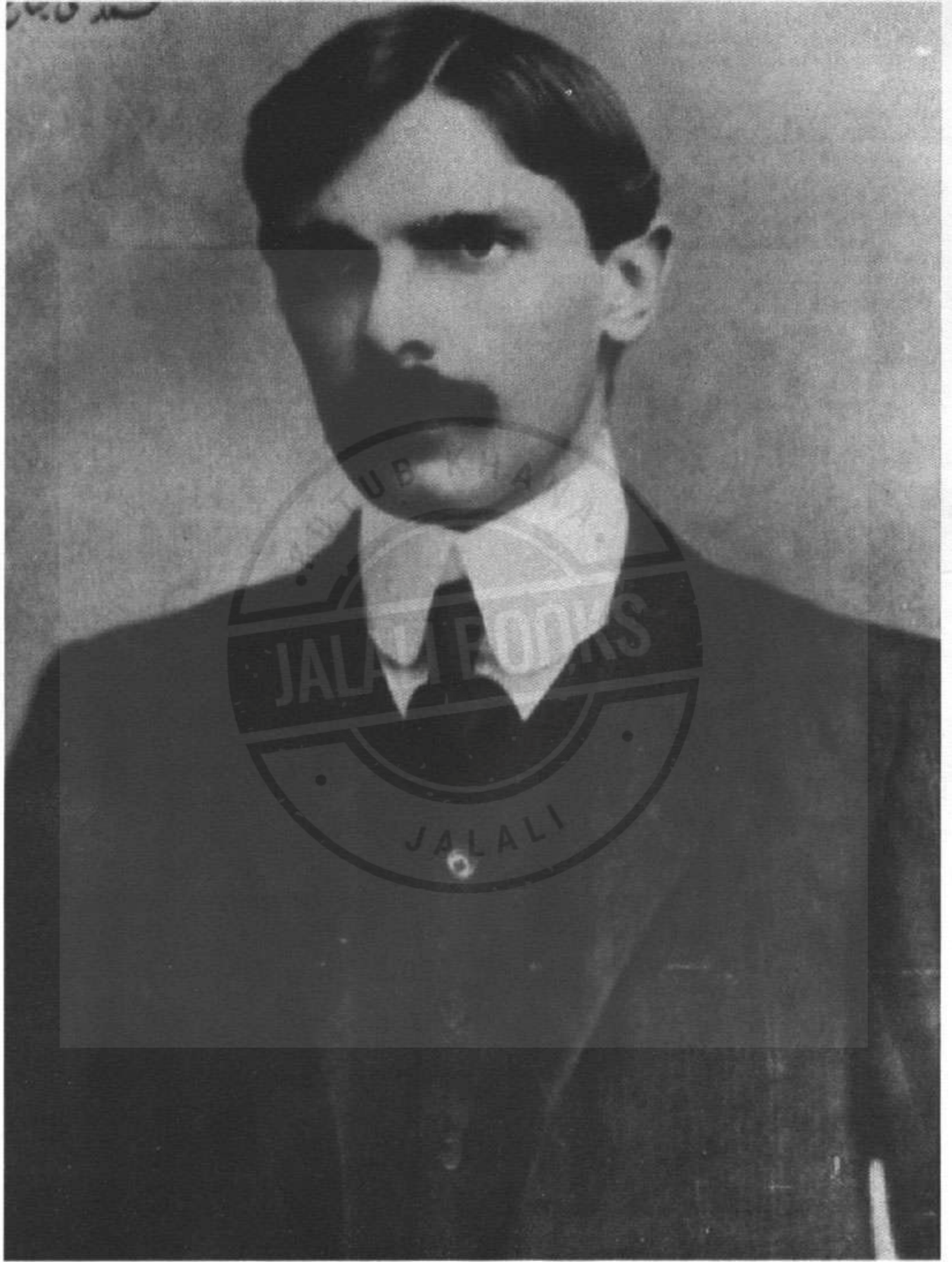
قائداعظم محمد علی جناحؒ

کی جانے والی کوششوں کا ذکر بھی موجود ہے۔ کتاب میں ایک باب عربوں کے ساتھ مکمل اتحاد بھی ہے۔

◆ مصر ایک اسلامی ملک ہے، مصر کے معاملے میں قائداعظم محمد علی جناح کی تائید اور ان تاریخی الفاظ کو کون فراموش کرسکتا ہے:

''مصر کی آزادی ہماری آزادی ہے، اور جو کامیابی قاہرہ میں حاصل ہوگی اس کی بازگشت کراچی میں بھی سنی جائے گی۔''

مصر مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک کا سب سے بڑا ملک ہے اس کا رقبہ 386,102 مربع میل اور آبادی ساڑھے چار کروڑ ہے۔ اسکندریہ، غرزاشبرا، سویز القنطرہ پورٹ توفیق اور اسماعیلیہ مصر کے اہم شہر ہیں۔ ملک کی سرکاری زبان ہے۔ عربی مصر کی اہم زرعی پیداوار میں گندم، چاول، جو، گنا اور روئی شامل ہیں۔ روئی کو مصری اقتصادیات میں اہم مقام حاصل ہے، پٹرول، فاسفیٹ، مینگنیز، سونا، لوہا، چونے کا پتھر اور مونگا معدنی اور پارچہ بافی، شکر، چمڑا، فولاد، سیمنٹ، مٹی کے برتن، مشینیں اہم صنعتی پیداوار ہیں۔

مصر کی غلامی

صدر آل انڈیا مسلم لیگ قائداعظم محمد علی جناح نے 20 دسمبر 1946ء کو ایک پریس کانفرنس میں بالتفصیل یہ بتایا کہ کیوں مسلم لیگ نے مجلس دستور ساز میں شرکت نہیں کی۔ آپ نے اس موقع پر کہا:

''ہم نے برطانیہ کی پیشکش کو قبول کرلیا جو اس نے مجلس دستور ساز میں شرکت کرنے کے لیے کی تھی۔ ہم نے اس میں کوئی ذہنی تحفظ نہیں رکھا تھا، لیکن کانگریس نے اچانک یہ فیصلہ کیا کہ برطانوی تجویزوں کی بابت وہ اپنی تشریح پیش کرے، اس لیے خطا مسلم لیگ کی نہیں ہے بلکہ کانگریس کی ہے کہ اس نے ہندوستان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالی۔''

قائداعظم سے سوال کیا گیا:

''کیا آپ اس معاملہ کو فیڈل کورٹ کے سامنے کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

قائداعظم نے جواب دیا:

''اس قسم کی تجویز کے قبول کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا گروپنگ کی بابت برطانوی تجاویز قطعی واضح اور طے شدہ ہیں اور ان میں شک وشبہ کی گنجائش پیدا نہیں ہوتی، میں کھل کر فیڈل کورٹ کے خیال کا مذاق اُڑاتا ہوں، یا کسی بھی کورٹ کا جو کانگریس اور لیگ کے درمیان مسئلہ کو طے کرے۔''

یہ سوال کیا گیا:

''اگر کانگریس آئین سازی کے کام کو برابر جاری رکھتی ہے تو مسلم لیگ کیا کرے گی۔''

قائداعظم نے جواب دیا:

''میں ابھی سے کچھ کہنے کو آمادہ نہیں ہوں اس کا فیصلہ آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کرے گی کہ وہ کیا قدم اُٹھائے، مگر حالت کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ ہم گروپنگ کی بابت کانگریس کے نقطۂ نظر کو نہیں مان سکتے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک اور بیان میں مصر اور مشرقِ وسطیٰ کے مسلمانوں سے اپیل کی:

''آپ مسلمانانِ ہند کی اس جدوجہد میں امداد کریں۔ جو وہ ہندوستان میں کر رہے ہیں۔''

لبرل آئینی پارٹی کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک پارٹی دی گئی، جس میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''اگر ہندو شہنشاہیت قائم ہوگئی تو تمام مسلمان ہندوؤں کے غلام ہو جائیں گے اور مآل کار برطانوی

ملوکیت کے غلام ہو جائیں گے۔ ہمارے لیے پاکستان زندگی اور موت کے سوال کی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے گھروں میں آزاد رہیں، تو آپ کو ہمارے ساتھ اشتراکِ عمل کرنا چاہیے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اعلان کیا:

''اس وقت کوئی بھی ایسی مسلم حکومت موجود نہیں ہے جو صحیح معنی میں آزاد ہو۔ ایران جو کئی صدیوں سے آزاد تھا غلام ہو گیا۔ اس وقت تک مسلمان اور عرب حکومتیں حقیقی معنوں میں آزاد نہ ہوں گی۔ جب تک پاکستان قائم نہ ہو گا۔ اس لیے جو شخص ہندوستان پر اقتدار رکھتا ہے وہی مشرقِ وسطیٰ پر اقتدار رکھتا ہے۔''

آپ نے ضیافت کے شرکاء سے کہا:

''اگر ہندوستان میں ہندو شہنشاہیت قائم ہو گئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہندوستان سے اسلام ختم ہو گیا، بلکہ ہندوستان ہی سے نہیں، دوسرے اسلامی ملکوں سے بھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ مذہبی اور روحانی حوالوں سے دونوں ممالک باہمی رشتہ میں بندھے ہوئے ہیں۔ اگر ہم ڈوبے تو سب ڈوب جائیں گے۔''

اپنے دَورے کا مقصد بتاتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں یہاں عرب لیگ کا مہمان ہوں میں یہاں اسی لیے آیا ہوں کہ مصر کی سیاسی حالت کا مطالعہ قریب سے کر سکوں، مجھے اس بات کی فکر ہے کہ اہل مصر یہ سمجھیں کہ مسلم ہندوستان کس مقصد کے لیے جدوجہد کر رہا ہے، اور یہ بات مصر کے لیے کتنی اہم ہے کہ ہم مسلمانانِ ہند اپنے آزاد وطن کے حصول میں کامیاب ہوں اور یہ بات اہل مصر کے لیے کتنی خطرناک ہو گی، اگر ہم اس مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے انکشاف کیا:

''جب لندن جا رہا تھا تو مصر سے گزرتے ہوئے میرے اوپر یہ بات منکشف ہوئی کہ کانگریسی ایجنٹوں نے کتنا وسیع پروپیگنڈہ مصر میں کر رکھا ہے میں نے بہت کم سُنا اور دیکھا، لیکن اس مختصر سے تجربے سے ہی میں نے یہ بات محسوس کر لی کہ کانگریسی ایجنٹوں نے مصریوں کو ہندوستان کے حالات اور حقائق کی بابت کس حد تک گمراہ کر رکھا ہے۔ میں ہر اُس مصری سے جو اپنے ملک اور ہندوستانی مسلمانوں کی محبت اپنے دل میں رکھتا ہے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہندوستان کے مستقبل کے آئین کے سوالات پر گہری نظر سے غور کرے۔ اس کے بعد مصری یہ محسوس کر سکتے ہیں کہ ہندو راج کا خطرہ کتنا قوی ہے جو اپنے نیچے مشرقِ وسطیٰ تک پھیلنے میں کامیاب ہو سکے گا۔ اگر ہم حصول پاکستان میں کامیاب نہ ہو سکے۔''

مصری ریڈیو سے نشریاتی تقریر

قائداعظم محمد علی جناح نے 19 دسمبر 1946ء کو مصری ریڈیو سے اپنی نشریاتی تقریر میں فرمایا:

''ہم حصولِ پاکستان کی غرض سے لڑ رہے ہیں۔ بلاشبہ آپ مجھ سے پوچھیں گے کہ پاکستان (کا مطلب) کیا ہے اور ہم نے اس کے قیام کا کیوں عزم کر رکھا ہے۔ ہند ایک وسیع و عریض برِعظیم ہے اور اس کی ساری تاریخ شاہد ہے کہ اس میں کبھی بھی ایک حکومت نہیں تھی۔ یہ ایک ملک ہے جو بہت سی قوموں پر مشتمل ہے۔ یہ کبھی متحد نہیں ہو سکتا، نہ ہی اس کے لوگ ایک قوم تشکیل دے سکتے ہیں۔ انگریز، ہند کے لوگوں کو اختیاراتِ حکمرانی منتقل کرنے پر آمادگی ظاہر

کر چکا ہے۔ اس پر مسلمان سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اور یہ سوچنے لگے کہ ان کا کیا بنے گا؟ وہاں مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ کے قریب ہے۔ پاکستان سے ہمارا مطلب ہے ہند کے شمال مغربی اور مشرقی منطقے، ہمارے اوطان، جہاں ہماری تعداد سات کروڑ کے لگ بھگ ہے اور غیر مسلموں کی تعداد تقریباً تیس کروڑ، اور جہاں ہم صدیوں سے آباد ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان دو منطقوں کو جہاں جہاں ممکن ہو علیحدہ کر دیا جائے، جہاں ایک مسلم حکومت اپنے علاقوں پر فرمانروائی کرے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنی زندگی بسر کریں اور ان تمام اقدار کا تحفظ کریں جن کا اسلام علمبردار ہے۔ اس کے معنی ہیں ملک کا ایک چوتھائی حصہ مسلمانوں کو اور تین چوتھائی ہندوؤں کو مل جائے گا جہاں وہ بھی ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے ہندوستانی رسم و رواج پر مبنی اپنے فلسفے، اپنے تمدن اور معاشرتی نظم کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں۔ ایک ہند یا متحدہ ہند کے معنی ہیں ایک بہت بڑے ہند کا قیام جہاں ہندوؤں کی مرضی ومنشاء ہو، جنہیں ایک کے مقابلے میں تین کی اکثریت حاصل ہوگی، غلبہ حاصل ہوگا اور وہ مسلم قوم پر حکومت کریں گے۔ اس کا مطلب ہوگا کہ جیسے جیسے وقت گزرتا جائے گا ہند میں مسلمانوں کے وجود کا گلا گھٹتا جائے گا۔ بحیثیت ایک قوم فنا ہماری تقدیر ہوگی، لہٰذا یہ دس کروڑ مسلمانوں کی موت اور حیات کا معاملہ ہے۔ ہم اپنی بقا کی خاطر جدوجہد کر رہے ہیں اور ان دو منطقوں میں جہاں مسلمانوں کی ٹھوس اکثریت ہے، آزاد اور علیحدہ مملکت کے خواہاں ہیں۔

ہندوؤں کے فلسفۂ زندگی، ان کی ثقافت اور معاشرتی زندگی کی ساری اساس ذات پات کے نظام پر استوار ہے۔ ایک شخص جس ذات میں پیدا ہوتا ہے اس ذات میں مر جاتا ہے۔ یہ بے حد منفرد قسم کے لوگ ہیں، کوئی شخص نیچی ذات سے اونچی ذات میں داخل نہیں ہوسکتا، یا معاشرتی اور معاشی مساوات کا سلوک روا نہیں رکھا جاتا۔ اونچی ذات کے ہندو، مسلمانوں کو ملیچھ (ناپاک) تصور کرتے ہیں، پھر چھ کروڑ اچھوت ہیں جو ہندو ہونے کے دعویدار ہیں لیکن ہندوؤں کی اعلیٰ ذات کے معاشرے میں ان کا داخلہ ممنوع ہے۔ ان کے ساتھ معاشی اور معاشرتی شعبوں میں غلاموں کا سا سلوک کیا جاتا ہے۔ جمہوریت، ہندو معاشرے کے لیے بالکل اجنبی ہے۔ یہ اچھوت ذات پات کے نظام کا شکار ہیں اور کسی اور ذات میں نہ وہ داخل ہو سکتے ہیں اور نہ انہیں شامل کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا معاملہ اس سے بھی بدتر ہے، چونکہ انہیں تاریخ، ثقافت اور اقتصادیات کے اعتبار سے عجیب وغریب مخلوق سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ مسلمان بنی نوع انسان کی مساوات، اخوت اور حریت کے ناگزیر اصولوں کے قائل ہیں اور انہی پر عمل پیرا ہیں، چونکہ وہ بنیادی طور پر جمہوری قوم ہیں، اس لیے ایسا کوئی مشترکہ میدان نہیں جس میں زندگی کی اہم قدروں کے حوالے سے ہندو اور مسلمان بیٹھ سکیں۔ یہ دونوں بالکل مختلف قومیں ہیں اور مستقبل بعید میں بھی اس امر کا کوئی امکان نہیں کہ یہ دونوں یک رنگ یا متحد ہوسکیں۔

ہند کے اس سوال کو حل کرنے کا سیدھا طریقہ پاکستان اور ہندوستان قائم کرنا ہے۔ ہماری اسکیم ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو آزادی عطا کرتی ہے۔ ایک ایسی

اسکیم جو ہند پر انگریز کے تسلط کو بسرعت ختم کر دے گی، جبکہ ہندوؤں کا متحدہ ہند کی خواہش اور خواب کا مطلب جہاں تک ہمارا تعلق ہے، یہ ہے کہ انگریزی استعمار کی غلامی سے ہندو سامراج کی غلامی میں چلے جائیں۔ یہ ایسی کیفیت ہے جسے مسلمان نہ قبول کر سکتے ہیں نہ ہی کریں گے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہندو دو تہائی ہند کی بجائے سارے کا سارا اور پورا ہند چاہتے ہیں۔ دو تہائی ہند بھی ایک طاقتور ملک ہوگا جس کی آبادی بیس کروڑ نفوس پر مشتمل ہوگی اور جس میں ہندوؤں کو پچاسی سے نوے فیصد تک اکثریت حاصل ہوگی۔ اتنی بڑی آبادی اور رقبہ شاید چین کے سوا کسی اور آزاد ملک میں نہ ہوگا۔ جب کہ مسلم ہند کی کل آبادی ایک چوتھائی کے لگ بھگ ہوگی جس میں مسلمانوں کی اکثریت صرف ستر فی صد ہوگی، لہٰذا ہماری اسکیم دونوں کے لیے زیادہ منصفانہ ہے، جبکہ ہندو اسکیم کا مطلب ہے دس کروڑ مسلمانوں کا سیاسی، معاشرتی اور معاشی اعتبار سے فنا کے گھاٹ اترنا اور ہر اس معاملے کے لحاظ سے جو زندگی میں کچھ بھی اہمیت رکھتا ہے اور ان جملہ اقدار کے لحاظ سے جن کا اسلام علمبردار ہے۔''

(ماخوذ: قائداعظم ''تقاریر و بیانات'' جلد چہارم صفحہ نمبر ۲۸۸)

مطالعہ

قائداعظم محمد علی جناح کو علم و ادب سے بے حد دلچسپی تھی۔ آپ فرصت میں کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ اگر آپ کی ذاتی لائبریری کا جائزہ لیں۔ ان میں 1995 کتابیں تھیں۔ عام مضامین پر لاء کی کتابیں تو بے شمار تھیں۔ ان میں تاریخ، سفر نامہ، نجی زندگی پر 215 کتب تھیں۔ عام قانون پر 209، لٹریچر پر 205، پولیٹیکل سائنس پر 118، مذہب اسلام پر 100 اور اقتصادیات پر 63۔ آپ نے مذہب اسلام پر کافی مطالعہ کر رکھا تھا۔ قرآن پاک سے آپ کو رغبت تھی۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے افکار اور بیانات میں اس محبت کا عکس نظر آتا ہے۔

مطالعہ کے اس شوق سے نہ صرف قائداعظم محمد علی جناح کے علم میں اضافہ ہوا بلکہ ان کی شخصیت اور بہتر ہوگئی تھی۔

مطلوب الحسن، سید

8 مارچ 1915ء کو پیدا ہوئے قائداعظم محمد علی جناح کے پرائیویٹ سیکرٹری اور "Mohammad Ali Jinnah a Political Study" کے مصنف تھے۔

مطلوب الحسن سید نے لکھنؤ یونیورسٹی سے 1934ء میں بی اے کیا سکول کی تعلیم کے دوران ان کے پاس سائنس تھی لیکن یونیورسٹی کی سطح پر پہنچے تو آرٹس کے مضامین لیے نیز ادبی مضامین میں بھی دلچسپی لینے لگے۔ یونیورسٹی کے زمانے میں انہوں نے یونیورسٹی میگزین کے لیے ایک مضمون دی پیپر آف بلیو آئز لکھا۔

مطلوب الحسن سید نے بچپن کا زمانہ زیادہ تر دیہی علاقوں میں گزارا۔ بچپن میں ہاکی اور کرکٹ کے شوقین تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ طبیعت گھڑ سواری اور شکار کی طرف بھی مائل تھی۔ 1940ء میں قائداعظم محمد علی جناح کے پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہوئے اور اس حیثیت سے تقریباً چار سال ان کے ساتھ رہے اس کے بعد انہوں نے اپنی مشہور کتاب بعنوان "Mohammad Ali Jinnah a Political Study" لکھی یہ کتاب 1945ء میں شائع ہوئی۔ 1946ء میں بمبئی سے نکلنے والے ہفتہ وار اخبار دی سٹار کی ادارت کی اور اگلے سال اسے چھوڑ کر

طباعت اور گرافک آرٹس کی تعلیم کے لیے لندن چلے گئے، جہاں کے لندن سکول آف پرنٹنگ سے انہوں نے فرسٹ ڈویژن میں یہ کورس پاس کیا اس کے بعد ستمبر 1948ء میں پاکستان لوٹے اور السٹریٹڈ ویکلی آف پاکستان کراچی سے نکالنا شروع کیا لیکن آئندہ ہی سال وہ پھر لندن چلے گئے، اور 1952ء کے اوائل میں واپس لوٹے اور اپنا وقت اس ملک میں طباعت کے معیار کو بلند تر کرنے کے لیے صرف کیا، اور اسی ضمن میں انہوں نے کچھ نئے پیداواری طریقے بھی متعارف کرائے۔ وہ بارہ سال تک پاکستان ایسوسی ایشن آف پرنٹنگ اینڈ گرافک آرٹس انڈسٹری کے چیئرمین رہے، اور اس حیثیت سے وہ اس بات میں کامیاب رہے کہ حکومت پاکستان کی توجہ اس صنعت کے حقیقی تعلیمی اور صنعتی مقاصد کی طرف مبذول کرائیں۔ مطلوب الحسن سید کو 1967ء میں پرنٹنگ انڈسٹری نے ان کی بیش بہا خدمات کے اعتراف کے طور پر ان کو "Father of Printing" کا خطاب دیا۔

علاوہ ازیں انہوں نے کئی مضامین لکھے، اور قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی، ان کے کارناموں اور اس عہد کی تاریخ کے حوالے سے کئی ٹیلی ویژن اور ریڈیو پروگراموں میں شامل رہے۔ 1975ء میں انہوں نے اردو زبان میں بچوں کے لیے کتابچہ "ہمارے قائداعظم" کے عنوان سے لکھا جس کو رائٹرز گلڈ نے ادبی انعام بھی دیا۔

مطلوب کا سر

4 ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر عمارت کے اندر داخل ہوا جائے تو ایک چھوٹا سا ہال آتا ہے۔ جس کے باہر ایک پرانی قسم کا صندوق ہوا کرتا تھا، ہر اندر آنے والا اپنا ہیٹ، چھڑی، یا اٹیچی کیس وغیرہ اس پر رکھ دیا کرتا تھا۔ ایک روز لیاقت علی خان نے بھی اس پر اپنا ہیٹ رکھا ہوا تھا۔ واپسی پر قائداعظم محمد علی جناح انہیں چھوڑنے باہر تشریف لائے تو پوچھا:

"یہ ہیٹ کس کا ہے؟"

لیاقت علی خان بولے:

"میرا ہے۔"

"ہاں، ہاں...... میں اسی لیے حیران ہو رہا تھا کہ مطلوب کا سر اتنا موٹا کب سے ہوگیا؟"

اس ایک ہی فقرے میں قائداعظم محمد علی جناح نے لیاقت علی خان اور اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو اپنے مزاح کی لپیٹ میں لے لیا۔

مظفر نگر

مارچ 1940ء میں قائداعظم محمد علی جناح ایک خصوصی گاڑی کے ذریعے دہلی سے لاہور تشریف لائے تو راستے میں جب ان کی گاڑی غازی پور، مظفر نگر اور میرٹھ، سہارنپور، امرتسر کے ریلوے اسٹیشنوں سے گزری تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔

مظفر نگر اتر پردیش کا اہم شہر ہے۔ یہ میرٹھ سے جانب شمال 25 میل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ شہر غلے اور گنے کی تجارت کے لیے بڑا مشہور ہے۔ یہاں سوتی کپڑا بننے اور آٹا پیسنے کے کارخانے ہیں۔ آبادی ڈیڑھ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔

مظہر الدین، مولانا

قائداعظم محمد علی جناح کے جاں نثار ساتھی تھے، مظہر الدین 1888ء میں شیرکوٹ (ضلع بجنور) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد دارالسلام دیوبند میں داخلہ لیا، اور 1909ء میں سند فراغت حاصل کی۔ ان کا شمار شیخ الہند مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ مولانا مظہر الدین دارالعلوم میں عربی کے استاد بھی رہے۔ اس کے

علاوہ کانپور میں مسجد مچھلی بازار میں مدرسہ الٰہیات میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ انہوں نے جمعیۃ الانصار کی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا۔ 1918ء میں روزنامہ مدینہ بجنور سے وابستہ ہوئے۔ 1920ء میں اپنا اخبار ہفتہ وار ''الامان'' جاری کیا پھر اسے دہلی منتقل کر دیا گیا۔ اس اخبار کے ذریعے انہوں نے تحریک خلافت کی نہ صرف پرزور حمایت کی، بلکہ ضلع بجنور خلافت کمیٹی کے صدر بھی رہے۔ 1935ء میں حج کی سعادت حاصل کی۔ جمعیۃ العلماء ہند کانپور قائم کی اور اس کے ناظم اعلیٰ رہے۔ انہوں نے مسلم لیگ کی سرگرمیوں اور تحریک پاکستان کو گھر گھر پہنچانے کے لیے اپنا اخبار وحدت جاری کیا۔ 1937ء میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح اور لیاقت علی خان کو دہلی میں استقبالیہ دیا اور اس ضمن میں ادارہ الامان اور وحدت نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ اس سپاسنامے میں قائداعظم محمد علی جناح کو فدائے ملک وملت، رہنمائے ملت اور قائد ملت جیسے خطابات سے نوازا گیا۔ مولانا مظہرالدین نے 1937ء سے محمد علی جناح کے لقب قائداعظم کی تشہیر شروع کر دی تھی۔ دسمبر 1938ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ پٹنہ میاں فیروزالدین احمد نے قائداعظم زندہ باد کا نعرہ لگایا اس کے بعد محمد علی جناح قائداعظم کے نام سے یاد کیے جانے لگے۔ 1938ء میں فلسطین کانفرنس میں شرکت کی واپسی پر الامان کا مصر نمبر شائع کیا۔ 14 مارچ 1939ء کو مولانا مظہرالدین کو ان کے دفتر میں ہی قتل کر دیا گیا۔ نماز جنازہ جامع مسجد دہلی میں ادا کی گئی۔

معاندین پاکستان

(دیکھیے: زرخرید طائفہ)

معدنی دولت

قائداعظم محمد علی جناح نے امریکیوں سے خطاب کے دوران انٹرویو میں فروری 1948ء کو کہا:

''قدرت نے پاکستان کو بے حدوحساب معدنی دولت سے نوازا ہے، اور وہ زمین کے نیچے پڑی انتظار کر رہی ہے کہ اسے کھود کر استعمال میں لایا جائے۔''

معرکہ آرائی (دسمبر 1918ء-1924ء)

محمد سلیم اپنی کتاب ''قائداعظم محمد علی جناح'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''ہندوستان میں ابھی تک عوامی تحریکوں کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ اس لیے سیاست صرف مسلم لیگ' کانگریس اور دوسری پارٹیوں کے سالانہ اجلاسوں اور اسمبلیوں میں تقاریر تک محدود تھی، لیکن نومبر 1918ء میں پہلی جنگ عظیم ختم ہونے پر ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اس وقت سیاسی طور پر دنیا ایک نئی کروٹ لے رہی تھی۔ ہندوستان میں بھی آزادی کی لہر تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔ ادھر انگریز حکمران جنگ میں اپنی فتح کے نشے میں ایسے اقدامات کر رہے تھے جن سے ہندوستان سے ان کی رخصت کا مرحلہ قریب سے قریب تر آتا چلا گیا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا واقعہ بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن (Willingdon) کے عہدے کی میعاد ختم ہونے پر پیش آیا۔ ان کی ٹرم دسمبر میں ختم ہو رہی تھی۔ حکومت کے ایما پر کچھ لوگوں نے بمبئی کے شہریوں کی جانب سے ان کے اعزاز میں ٹاؤن ہال بمبئی میں 11 دسمبر 1918ء کو 5 بجے شام ایک جلسے کا اہتمام کیا۔

بطور گورنر' ولنگڈن کا رویہ ہمیشہ ناخوشگوار اور آمرانہ رہا تھا۔ جناح اور ان کے ساتھی گورنر کی خدمات کے اعتراف کی بجائے ان کے رویہ کی مذمت کرنا چاہتے تھے۔ سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ وہ جلسے کو ناکام بنا دیں گے۔ چنانچہ 11 دسمبر کو صبح سات بجے سے ٹاؤن ہال کے بند دروازے کے سامنے لوگوں کی لمبی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ جناح اور ان کے ساتھیوں کے لیے صف اول میں نشستیں حاصل کرنے کے لیے ان کے آدمی ان قطاروں کے شروع میں کھڑے تھے۔ صبح دس بجے ٹاؤن ہال کے دروازے کھول دیے گئے۔ دروازے کھلتے ہی لوگ اندر داخل ہو کر اگلی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ بعد میں جناح اور ان کے ساتھیوں نے وہ سیٹیں سنبھال لیں جو ان کے آدمیوں نے روک رکھی تھیں۔ دوپہر کے وقت رتی جناح ایک ٹفن باسکٹ میں ان کے لیے سینڈوچز لے کر پہنچ گئیں، کیونکہ وہ اپنی سیٹیں چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے کہ کہیں ولنگڈن کے حامی ان سیٹوں پر قبضہ نہ کر لیں۔ جلسہ شروع ہونے سے کئی گھنٹے پہلے ہال بھر چکا تھا۔ بمبئی کے ایک معروف پارسی سر جمشید جی کرسی صدارت پر بیٹھ گئے۔ جونہی وہ خطاب کرنے کے لیے اٹھے' جناح اور ان کے ساتھیوں کی نو'نو کی آوازوں سے ہال میں انتہائی شور مچ گیا۔ صدر نے اسی شور میں ولنگڈن کی خدمات کے اعتراف کے لیے ایک ریزولیشن پیش کرنے کی کوشش کی، لیکن ہال میں ہنگامے کی وجہ سے نہ اسے سنا گیا۔ نہ کسی نے اس کی تائید کی اور نہ ہی یہ منظور ہوا۔ ہنگامہ بڑھتا دیکھ کر پولیس کمشنر نے ہال خالی کرانے کا حکم دیا۔ چنانچہ جناح' رتی جناح اور ان کے ساتھیوں سمیت سب کو جلدی جلدی ہال سے نکال دیا گیا۔ اس دھینگا مشتی میں جناح کو بھی چوٹیں آئیں۔ اس جلسے کو ناکام بنانے کے لیے اپنی جرأت و تدبیر کے اظہار پر ہال سے باہر آتے ہوئے جناح بمبئی کے ایک ہر دل عزیز ہیرو بن چکے تھے۔

اسی شام جناح نے ان لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا: ''حضرات! بمبئی کے شہری آپ ہیں۔ آپ کی آج کی فتح نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بیوروکریسی اور مطلق العنان متحد ہو کر بھی آپ کو دبا نہیں سکتے۔ 11 ستمبر 1918ء بمبئی کے لیے ایک تاریخی دن ہے۔ جائیے اور جمہوریت کی اس فتح پر خوشیاں منائیے۔''

بعد میں لوگوں نے فنڈز اکٹھے کر کے اس واقعہ کی یاد میں ''پیپلز جناح ہال'' تعمیر کیا جو آج بھی بمبئی میں جناح اور ان کی جرأت کی یاد تازہ کرتا ہے۔

دوسرا واقعہ شہری آزادیوں کے بارے میں بل کا ہے جن پر احتجاج کے دوران جلیانوالہ باغ کا خونیں سانحہ پیش آیا۔ 4 اگست 1914ء کو پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی تھی۔ جنگ کے دوران 1915ء میں حکومت نے ''ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ'' پاس کیا تھا۔ جس کی رو سے شہری آزادیوں اور تمام قانونی تحفظات کو معطل کر دیا گیا، اور حکومت ہندوستان کو اس بات کا اختیار دے دیا گیا کہ وہ مقدمے' وارنٹ اور وجہ بیان کیے بغیر کسی ہندوستانی کو قید' نظر بند' شہر بدر یا صوبہ بدر کر سکتی ہے۔ 1917ء کے اواخر میں اتحادیوں کے حق میں جنگ ختم ہونے کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ خیال یہ تھا کہ جنگ کے بعد یہ ایکٹ فوری طور پر ختم کر دیا جائے گا اور شہری حقوق اور قانونی تحفظات بحال ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حکومت

نے جسٹس سڈنی رولٹ (Sidney Rawlatt) کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کی جس کے ارکان مدراس ہائی کورٹ کے جسٹس کمار سوامی شاستری (Kumarswami Shastri) اور کلکتہ کے معروف وکیل پرووش چندرمتر (Pravash Chandra Mitter) تھے۔ اس کمیٹی نے 15 اپریل 1918ء کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ جس کی بنیاد پر عام توقعات کے خلاف جنگ ختم ہونے کے بعد 6 فروری 1919ء کو حکومت نے اس ایکٹ کی توسیع کے لیے ایک بل مرکزی قانون ساز اسمبلی میں پیش کیا۔ جناح نے اس اسمبلی میں اس کی شدید مخالفت کی، اور صاف صاف کہہ دیا کہ اس سے نہ صرف ملک کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک بے مثال بے چینی اور شورش پھیلے گی بلکہ حکومت اور عوام کے تعلقات پر اس کے تباہ کن اثرات ہوں گے۔ سرکاری ممبروں کی اکثریت کی وجہ سے بل پاس ہو گیا، اور ''رولٹ ایکٹ'' یا ''کالا قانون'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے منظور ہونے پر 28 مارچ 1919ء کو جناح نے وائسرائے چمسفورڈ کو ایک خط لکھ کر امپیریل کونسل کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ انہوں نے اس خط میں لکھا:

''یہ بل پاس کر کے آپ کی حکومت نے ان تمام دلائل کی نفی کر دی ہے۔ جو اس نے ایک سال پہلے وار کانفرنس میں انڈیا سے مدد کی اپیل کرتے وقت پیش کیے تھے۔ آپ نے سنگ دلی سے ان تمام اصولوں کو پاؤں تلے روند ڈالا ہے جن کے لیے برطانیہ جنگ لڑنے کا دعویدار تھا، اس بل کے پاس ہونے پر اور اسے پاس کرانے کے لیے حکومت کے طرز عمل پر میں بطور احتجاج مرکزی اسمبلی کی رکنیت سے مستعفی ہوتا ہوں۔''

جناح کونسل میں عوام کے حقوق کے تحفظ کے لیے گئے تھے، اور جب انہوں نے گورنمنٹ کو اپنی طاقت کے زور پر ان حقوق کو پامال کرتے دیکھا تو وہ ایسی کونسل میں بیٹھنا بے سود سمجھ کر مستعفی ہو گئے۔

جس دن جناح نے امپیریل کونسل سے استعفیٰ دیا' اسی روز گاندھی نے اعلان کیا کہ 30 مارچ کو ہندوستان بھر میں ہڑتال کی جائے اور احتجاجی جلسے منعقد کیے جائیں۔ وقت کم ہونے کی وجہ سے یہ پروگرام 6 اپریل تک ملتوی کر دیا گیا لیکن عوام کو بروقت اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے ملک میں دونوں دن پروگرام پر عمل درآمد ہوا۔ 10 اپریل 1919ء کو امرتسر میں دو لیڈروں ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو ڈپٹی کمشنر نے علی الصبح اپنے بنگلے پر بلایا۔ بنگلے کے عقبی دروازے پر ایک کار کھڑی تھی۔ پولیس کے سپاہی ان دونوں کو ساتھ لے کر کار میں بیٹھ گئے۔ کھڑکیاں بند کر دی گئیں، اور کار سینکڑوں میل دور یوپی کے ایک شہر دھرم سالہ کے لیے روانہ ہو گئی۔ جب وہ کئی گھنٹوں تک اپنے گھروں میں واپس نہ آئے تو شہر میں ان کی گرفتاری کی خبر پھیل گئی۔ اس پر شہر میں زبردست ہنگامہ ہوا۔ فوج نے ہجوم پر گولی چلا دی جس سے تیس کے قریب آدمی مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ لوگ غصے اور رنج و غم سے دیوانے ہو گئے۔ انہوں نے پانچ انگریز مار ڈالے۔ نیز چند بنکوں اور عمارات کو نقصان پہنچایا۔

13 اپریل کو بیساکھی کا دن تھا۔ امرتسر میں بیساکھی کا بڑا میلہ لگتا تھا، اور اس دن ہزاروں لوگ بیساکھی

منانے امرتسر آتے تھے۔ یہ سن کر کہ جلیانوالہ باغ امرتسر میں ایک جلسہ ہو رہا ہے ہزاروں افراد وہاں جمع ہو گئے۔ جلیانوالہ باغ کوئی باغ نہ تھا، بلکہ اونچی نیچی دیواروں سے گھری ہوئی ایک نشیبی اور خالی جگہ تھی۔ جنرل ڈائر (Dyer) کو جب یہ پتہ چلا کہ جلیانوالہ باغ میں جلسہ ہونے والا ہے تو وہ مسلح فوج کے ساتھ وہاں پہنچ گئے اور بغیر کسی وارننگ کے گولی چلانے کا حکم دے دیا۔ جس سے تقریباً 400 افراد ہلاک اور 1200 سے زائد زخمی ہو گئے۔ 15 اپریل سے حکومت نے امرتسر، لاہور اور پنجاب کے کئی دوسرے شہروں میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ بیدزنی کی سزا عام ہو گئی۔ جس محلے میں بھی کوئی انگریز مارا گیا تھا، وہاں شہریوں کو پیٹ کے بل رینگ کر آنے جانے پر مجبور کیا گیا۔ امرتسر کے واقعہ نے سارے ہندوستان میں آگ لگا دی اور برطانوی سامراج بڑی تیزی سے اپنے انجام کی طرف بڑھنے لگا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ حکومت نے رولٹ ایکٹ کے تحت ایک بار بھی کسی کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا۔ رولٹ ایکٹ کے نفاذ اور جلیانوالہ باغ میں قتل عام سے آزادی کی منزل اور قریب آ گئی۔

4 اگست 1914ء کو پہلی جنگ عظیم چھڑنے پر جرمنی اور برطانیہ دونوں اس کوشش میں تھے کہ اس جنگ میں ترکی ان کا ساتھ دے کیوں کہ نہ صرف ترکی کی سلطنت عرب ممالک کو محیط کیے ہوئے تھی بلکہ خلافت کی وجہ سے اس کا دائرہ اثر تمام اسلامی ممالک تک پھیلا ہوا تھا۔ ترکی نے کافی غور و فکر کے بعد 4 نومبر 1914ء کو جرمنی کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ جنگ کے دوران ہندوستان کی فوجیں جن میں کثیر تعداد میں مسلمان سپاہی تھے اتحادیوں کی طرف سے لڑ رہی تھیں۔ اس لیے ان کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے، برطانیہ نے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ ہم یہ جنگ ترکی کو اس کے علاقوں سے محروم کرنے کے لیے نہیں لڑ رہے۔ 1918ء کے شروع میں جب یہ نظر آنے لگا کہ برطانیہ اور اس کے اتحادی جنگ جیت جائیں گے، تو مسلمانوں نے برطانیہ سے اپیل کی کہ وہ اپنی یقین دہانی کے مطابق جنگ کے بعد ترکی کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ کرے اور خلافت کو قائم رکھے۔ 31 اکتوبر 1918ء کو ترکوں نے چند شرائط پر شکست تسلیم کر لی، اور 11 نومبر 1918ء کو جرمنی نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس کے بعد یہ نظر آنے لگا کہ اپنے وعدے بھول کر اتحادی نہ صرف ترکی کو اس کی سلطنت سے محروم کر دیں گے، بلکہ ان کا پروگرام ترکی کے حصے بخرے کرنے کا بھی ہے۔ یہ دیکھ کر خلافت عثمانیہ اور ترکی کے تحفظ کے لیے مسلمانوں نے 20 ستمبر 1919ء کو لکھنؤ میں خلافت کانفرنس بلائی۔ اس کا دوسرا اجلاس 23، 24 نومبر 1919ء کو دہلی میں ہوا جس میں گاندھی، موتی لال نہرو، مدن موہن مالویہ اور دوسرے ممتاز ہندو راہنماؤں نے بھی شرکت کی۔ اس کے ایک سیشن کی صدارت گاندھی نے کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ اس کانفرنس کے دعوت نامے میں یہ کہا گیا ہے کہ خلافت کے ساتھ ساتھ گائے کے تحفظ کے مسئلے پر بھی غور ہو گا، لیکن مسلمانوں سے اپنے تعاون کے بدلے گؤ رکھشا یا کوئی اور رعایت لینا ہم ہندوؤں کی روایات اور وقار کے منافی ہے۔ ہمارا تعاون غیر مشروط ہے۔ ترکوں کے بارے میں مسلمانوں کا مطالبہ منصفانہ ہے۔ ہم اس کی حمایت

کریں گے۔ اس طرح ایک جذباتی فضا قائم کر کے گاندھی نے کانفرنس میں موجود سب مسلمانوں کے دل موہ لیے، اور انہوں نے اپنی سادگی کی وجہ سے اس مذہبی تحریک کی راہنمائی کے لیے گاندھی ہی کو چن لیا۔ چنانچہ یہ طے ہوا کہ اس مقصد کے لیے ایک تحریک چلائی جائے۔ ان دنوں سردار ولبھ بھائی پٹیل نے گاندھی کے سیکرٹری اندولال یجنگ (Indulal Yajnik) سے کہا کہ ہم خود تو اپنے ملک میں انگریز کی سنگینوں تلے غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم عربوں کی آزادی کے لیے کیسے جدوجہد کر سکتے ہیں؟ اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات اور کیا ہوگی۔

جب گاندھی کی کوششوں کے باوجود ہندوؤں نے تحریک خلافت میں کوئی خاص دلچسپی نہ لی تو گاندھی نے پہلے 11، 14 مارچ 1920ء کے اجلاس میں خلافت کانفرنس سے اور پھر ستمبر 1920ء میں کانگریس سے یہ طے کرایا کہ تحریک خلافت کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ انگریز پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لیے عوام حکومت سے ترک موالات یعنی عدم تعاون بھی کریں۔ اس طرح کہ

1. حکومت کے خطابات اور اعزازات ترک کر دیں۔
2. انتخابات میں حصہ نہ لیں۔
3. وکالت چھوڑ دیں، اور عدالتوں کا بائیکاٹ کریں۔
4. برطانوی مال کا بائیکاٹ کریں اور سودیشی مال استعمال کریں۔
5. سرکاری تعلیمی اداروں اور سرکاری ملازمتوں کو چھوڑ دیں۔
6. ٹیکس ادا نہ کریں، اور
7. تمام مسلمان اس ملک سے ہجرت کر جائیں۔

اس آخری شرط کا نتیجہ یہ نکلتا کہ انگریز حکمرانوں کے وارث کے طور پر ہندو، اس ملک کی باگ دوڑ سنبھال لیتے۔

مسلمانوں نے اس تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ چنانچہ علی برادران (مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی) علی گڑھ پہنچ گئے، تاکہ مسلم یونیورسٹی کو بند کرا سکیں۔ وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین نے ان کی شدید مخالفت کی۔ پھر بھی علی گڑھ کے سینکڑوں طالب علموں نے تعلیم ترک کر دی۔ ان کی تعلیم کے لیے جامعہ ملیہ کے نام سے ایک نیا ادارہ قائم کیا گیا۔ جسے آزادی کے بعد ایک یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا۔ اس کے برعکس ہندو یونیورسٹی بنارس کے طالب علموں اور استادوں پر گاندھی کی اپیلوں کا کوئی خاص اثر نہ پڑا۔ گاندھی سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ پہلے بنارس ہندو کالج کیوں نہیں ختم کرتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس پر مدن موہن مالویہ جی تیار نہیں اور یہاں (علی گڑھ میں) شوکت علی، محمد علی کو اعتراض نہیں۔ اسی تحریک کے تحت تقریباً 18 ہزار مسلمان اپنا سب مال و اسباب اونے پونے داموں بیچ کر افغانستان کی طرف روانہ ہوئے، لیکن ان کی تعداد سے گھبرا کر حکومت افغانستان نے ایک حکم کے ذریعے ان لوگوں کے افغانستان میں داخلے پر پابندی لگا دی، چنانچہ انہیں مجبوراً واپس آنا پڑا۔ کچھ راستے کی صعوبتوں اور شدائد سے مرکھپ گئے۔ جو واپس آئے وہ تباہ حال، خستہ و درماندہ، مفلس و قلاش اور بے یار و مددگار تھے۔ بہت کم لوگوں نے سرکاری ملازمتیں چھوڑ دیں یا عدالتوں کا بائیکاٹ کیا۔ اس لیے حکومتی مشینری ناکام نہ ہو سکی۔ ان ساری باتوں کے باوجود تحریک خلافت

قائداعظمؒ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی میں نیوی پریڈ کا معائنہ کر رہے ہیں۔

1921ء کے دوران پورے عروج پر رہی اور لاکھوں افراد نے گرفتاری دی۔

5 فروری 1922ء کو گورکھپور کے قریب چورا چوری کے مقام پر ایک افسوس ناک واقعہ ہوا۔ ایک جلوس شہر سے گزر رہا تھا کہ لوگوں نے 21 سپاہیوں اور ایک سب انسپکٹر کو تھانے میں بند کر کے عمارت کو آگ لگا دی۔ جو پولیس والے تھانے کی عمارت سے باہر نہ نکل سکے وہ جل بھن کر راکھ ہو گئے۔ اس پر 12 فروری 1922ء کو گاندھی نے تحریک کو یہ کہہ کر ختم کرنے کا اعلان کر دیا کہ ابھی ملک عدم تشدد کے اصول پر تحریک چلانے کے لیے تیار نہیں۔ پنڈت موتی لال نہرو اسی تحریک کے سلسلے میں قید تھے۔ انہوں نے گاندھی کے اس فیصلے پر شدید احتجاج کیا، لیکن گاندھی نے کہا کہ لوگ جیل میں ہیں۔ ان کی نمائندہ حیثیت ختم ہو چکی ہے۔ وہ جیل سے باہر دوسرے لوگوں کو کوئی مشورہ نہیں دے سکتے۔ نہ ہی کسی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں۔

تحریک کے دوران عوام کے غیض و غضب پر قابو رکھنے کے لیے حکومت نے گاندھی کو گرفتار نہیں کیا، لیکن تحریک کے ختم ہونے کے بعد 13 مارچ 1922ء کو حکومت نے انہیں بھی گرفتار کر لیا اور مقدمہ چلا کر چھ سال کی سزا سنا دی۔

مسلمان گاندھی کی لیڈر شپ سے تو مایوس ہو ہی چکے تھے، لیکن انہیں سب سے بڑا دھچکا خود ترکی کی طرف سے پہنچا جس کی گرینڈ نیشنل اسمبلی نے 3 مارچ 1924ء کو خلافت ختم کر دی۔

جناح نے اس بات سے تو اتفاق کیا کہ خلافت کو قائم رہنا اور ترکی کو مضبوط ہونا چاہیے، لیکن اس مقصد کے لیے انہوں نے گاندھی کے پروگرام سے اتفاق نہیں کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس سے پیشتر کہ ہمارے طلباء سرکاری تعلیمی اداروں کو چھوڑ دیں ملک میں ایسے پرائیویٹ ادارے ہونے چاہئیں جہاں وہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں۔ اسی طرح اگر مثال کے طور پر بدیسی کپڑے کا بائیکاٹ ہوتا ہے تو ملک میں سب کے لیے دیسی کپڑا دستیاب ہونا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ چرخہ کاتنے کی بجائے ملک میں ملیں لگائی جائیں۔ اس طرح وہ عملی طور پر تحریک خلافت سے الگ رہے۔

24 مئی 1924ء کو لاہور میں مسلم لیگ کے پندرھویں سالانہ اجلاس کے موقع پر جناح نے لوگوں کو بتایا کہ اگرچہ تحریک خلافت ناکام رہی اور اس سے کافی نقصان پہنچا، لیکن بہت سے فائدے بھی حاصل ہوئے ہیں۔ تین سال کی جدوجہد کے نتیجے میں سوراج حاصل کرنے کے لیے عام تحریک پیدا ہوئی ہے۔ عام آدمی کا سیاسی شعور بیدار ہو گیا ہے، اور ہندوستان میں ذمہ دار ڈومینین حکومت کے فوری قیام کے واسطے اقدامات کے لیے بے خوفی سے مستقل تقاضا ہو رہا ہے۔

تحریک خلافت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ انگریز حکمرانوں کے دبدبے اور طنطنے کا بت ٹوٹ گیا۔ عوام میں کھل کر حکومت کے خلاف کام کرنے اور آواز بلند کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا، لیکن چورا چوری کے واقعہ کے بعد گاندھی کی طرف سے تحریک ختم کرنے پر مسلمانوں میں انتہائی بے اعتمادی کی فضا پیدا ہوئی۔ وہ سمجھنے لگے کہ وہ گاندھی کے ہاتھوں شکست و ریخت کا شکار ہوئے ہیں۔ انہیں ہندو قوم کے عزائم نظر آنے

لگے۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ تحریک خلافت کے بعد مسلمانوں نے بحیثیت قوم کبھی بھی ہندوؤں کی سیاست پر اعتماد نہیں کیا۔''

(قائداعظم محمد علی جناح، از محمد سلیم مطبوعہ، قومی پبلشرز، لاہور)

معمارِ پاکستان

قائداعظم محمد علی جناح نوجوانوں کو معمار پاکستان کہا کرتے تھے۔ انہوں نے اس مرتبے کو حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ طلباء کو تعلیم پر توجہ دینے کی ہدایت کی اور ان میں خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس کا اندازہ ان دو مثالوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

① ایک مرتبہ ایک نوجوان نے قائداعظم محمد علی جناح کو بتایا کہ وہ باہر جارہا ہے اور اسے توقع ہے کہ حکومت اس کی مدد کرے گی تو قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''نہیں نہیں! یہ صرف اپنی کوشش سے کرنا چاہیے۔''

انہوں نے کہا:

''تم مسلم لیگ پر کتاب لکھو اور کتاب کی آمدنی سے باہر کے اخراجات پورے کرو۔''

تاہم انہوں نے نوجوان کی مدد بھی کی۔

② ایک دفعہ قائداعظم محمد علی جناح کا ایک دوست اپنے بیٹے کو ان کے پاس لایا اور کہا:

''اسے اتنا لائق بنا دیں جتنے کہ آپ خود ہیں۔''

حالانکہ وہ لڑکا انگلستان سے بار ایٹ لاء کی ڈگری بھی لایا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح دوست سے مل کر خوش ہوئے اور فرمایا:

''آپ کا بیٹا میرے پاس آسکتا ہے میرے چیمبر میں بیٹھ سکتا ہے لیکن اسے اپنے آپ کو خود نکھارنا ہوگا۔''

معمارِ مملکت

قائداعظم محمد علی جناح نے افواج پاکستان کے افسروں سے کراچی میں 11 اکتوبر 1947ء کو فرمایا:

''خدا نے ہمیں یہ سنہری موقع عطا کیا ہے کہ ثابت کر دکھائیں کہ ہم واقعی ایک نئی مملکت کے معمار ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں، خدارا کہیں لوگ ہمارے متعلق یہ نہ کہیں کہ ہم یہ بار اٹھانے کے قابل ہی نہ تھے۔''

26 دسمبر 1932ء کو پٹنہ میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''مسلمانوں اور مسلم لیگ کا اتحادی مسلم قوم کے سوا کوئی نہیں، وہ خدائے واحد ہے، جس کی طرف اعانت کے لیے مسلمانوں کی نظریں اٹھتی ہیں۔''

معیار سے گری باتیں

بمبئی میں ایک مرتبہ قائداعظم محمد علی جناح کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ ان کے سیکرٹری مطلوب الحسن سید نے یہ سوچ کر کہ ملک میں اطلاع پاتے ہی لاکھوں ہاتھ ان کی بحالی صحت کے لیے اٹھ جائیں گے ۔ انہوں نے اخبار میں اطلاع دینا چاہی، مگر جب وہ ٹیلی فون پر یہ خبر نشر کر رہے تھے تو قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں اپنے پاس بلایا اور کہا:

''تم نے میری اجازت کے بغیر میری بیماری کی خبر کیوں نشر کی۔''

پھر مزید کہا:

''یہ بری بات تو نہیں، مگر میں نہیں چاہتا کہ میری قوم کو فضول تشویش ہو۔''

کتنا فرق تھا ان کے مزاج اور دیگر رہنماؤں کے طور طریقوں میں۔ جب دوسروں کے متعلق چھوٹی بڑی معمولی اور

غیر معمولی خبریں شائع ہوتیں تو آپ کہا کرتے تھے:
''یہ معیار سے گری ہوئی باتیں ہیں۔''

معین نواز جنگ

(دیکھئے: ملازمین کی تنخواہیں)

مفت لال سوئمنگ باتھ

وہ بمبئی کے کروڑ پتی مل مالک تھے۔ 10 مارچ 1941ء کو ان کا ذکر قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین میں طلبا کے سامنے خطبہ صدارت میں کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا:

''حال ہی میں بمبئی میں ساحل سمندر پر ایک پیراکی کے تالاب کا افتتاح ہوا ہے۔ جو صرف ہندوؤں کے لیے مخصوص ہے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ سمندر میں بھی تیرنے کو تیار نہیں، میں نہیں چاہتا کہ ہندوؤں کے جذبات کا مضحکہ اڑاؤں میں ہر شخص کے مذہبی جذبات کا احترام کرتا ہوں۔''

یہ تالاب مفت لال نے ساحل جو پاٹی پر ایک شاندار عمارت کی صورت میں تعمیر کرایا تھا۔ اس تالاب کا افتتاح ولبھ بھائی پٹیل نے کیا تھا۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ صرف ہندوؤں کے لیے تھا، اس میں مسلمانوں کو داخلہ کی اجازت نہ تھی۔

مقابلہ حسن قائداعظم

پروفیسر رفیع اللہ شہاب رقمطراز ہیں:

''وفاقی وزارت ثقافت نے اعلان کیا ہے کہ قائداعظم کی بہترین تصویر تیار کرنے والے مصور کو ایوارڈ دیا جائے گا۔ لاہور میں مصوروں کے حلقوں نے اسے ''مقابلہ حسن قائداعظم'' قرار دیا ہے، اور ہمارے محترم زیڈ اے سلہری صاحب نے اس مقابلے کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیا ہے کہ ہمارے مصور اپنے فن کا کمال دکھاتے ہوئے قائداعظم کو بطور قائداعظم پیش کریں، یعنی انہیں ویسے ہی دکھایا جائے جیسے کہ وہ تھے۔ ویسے نہ دکھایا جائے جیسا کہ ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہوتے یہ ہونا چاہیے تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے کرامویل کا حوالہ بھی دیا ہے جنہوں نے کہا تھا ''مجھے پینٹ کرو جیسا کہ میں ہوں'' قائداعظم کو اچکن شلوار اور جناح کیپ میں دکھانے کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے سلہری صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا زندگی بھر کا تشخص مغربی لباس میں ہے اور اسی لباس میں وہ سٹیٹ بینک کے اس ہال میں دکھائی دیتے ہیں جہاں وفاقی کونسل یا مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا۔

سلہری صاحب کے ان ارشادات عالیہ کے علاوہ میرے سامنے ریلوے کے ایک ملازم نورشاہ گیلانی کی ایک درخواست اور اس درخواست پر اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ماہرین کی آراء اور فیڈرل شریعت کورٹ کے رکن جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی کے خیالات کی نقول بھی پڑی ہیں۔ جو ریلوے کے کیلنڈر پر قائداعظم کی تصویر کی اشاعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

نورشاہ گیلانی نے اپنی درخواست میں کہا تھا:

''ریلوے کے کیلنڈر پر قائداعظم کی تصویر شائع کرنے کی ممانعت کر دی جائے کیوں کہ اسلام نے انسانوں کی تصویریں چھاپنے سے سختی سے منع کر رکھا ہے۔''

اس درخواست پر غور کرنے کے بعد اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ نے اپنے سیکرٹری محمد سمیع اللہ کی وساطت

سے وزارت ریلوے کے سیکرٹری کو اطلاع دی ہے کہ وہ برادر نور شاہ گیلانی کے خیالات سے مکمل اتفاق کرتی ہے کہ کسی انسان کی تصویر بھی شائع نہیں ہونی چاہیے کہ اسلامی شریعت کے مطابق ایسی تصویروں کی اشاعت شرک کے مترادف ہے، اور شخصی عبادت کے تصور کو تقویت پہنچاتی ہے۔ ایسی تصویریں نہ تو کیلنڈروں پر شائع ہونی چاہئیں اور نہ ہی انہیں دفاتر میں آویزاں کیا جاسکتا ہے۔ اس کی نقول تمام وزارتوں اور ڈویژنوں کو بھیجی گئی ہیں۔

اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری نے انگریزی زبان میں ڈاکٹر محمد سعود ریڈر و مدیر فکر و نظر حافظ محمد طفیل اور سعید احمد ارکان ادارہ تحقیقات اسلامی نے اردو زبان میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ ڈاکٹر سعود صاحب نے تصویر کشی کے بارے میں مفتی اعظم سعودی عرب کا مقالہ منسلک کر دیا ہے کہ مزید رہنمائی حاصل ہو اور دیگر ارکان نے لکھا ہے کہ قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں تصویر کشی اور اس کے عمل سے کسی طرح سے بھی تعاون نیز تصاویر کی اشاعت کرنا ممنوع ہے، اور اس کا مرتکب اللہ تعالیٰ کی رحمات و برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس فعل بد سے محفوظ فرمائے۔

پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری نے برادر نور شاہ گیلانی کے خیالات سے کامل اتفاق کرتے ہوئے کہا ہے کہ تمام دفاتر سے اور ہر جگہ سے محمد علی جناحؒ کی تصویریں اتار دی جائیں کہ دیواروں پر تصویروں کی نمائش حرام ہے، انہوں نے اس سلسلے میں متعدد احادیث کا حوالہ بھی دیا ہے، اور چند ترقی پسند اور جدید علوم سے واقفیت کا دعویٰ کرنے والے عالموں نے تصویر کشی کے حق میں جو دلائل دیے ہیں انہیں مفتی شفیع کے فتویٰ کے تحت مسترد کر دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہماری اسلامک آئیڈیالوجی کونسل کو چاہیے کہ وہ حکومت کو کرنسی نوٹوں پر کسی شخص کی تصویر چھاپنے سے بھی منع کردے کہ یہ بھی قرآن اور سنت کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی ریڈر ادارہ تحقیقات اسلامی نے لکھا ہے کہ ایسے مسلمانوں کو جو صحیح معنوں میں اسلامی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ تصویر کے استعمال سے حتی الوسع احتراز کرنا چاہیے۔ ''بحالت مجبوری اضطرار'' فقط ناگزیر ضرورت کی حد تک تصویر کے استعمال کی اجازت تو دی جاسکتی ہے، مگر اس کی کھلی چھٹی نہیں دی جا سکتی۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مشاہیر اور اہم شخصیتوں کی تصویر بھی اس سے بھی زیادہ قباحت کا پہلو ہے کہ ان کے ساتھ عزت، احترام اور عقیدت کا پہلو بھی شامل ہوتا ہے۔ اس لیے یہ اور بھی زیادہ ناپسندیدہ اور قابل اعتراض ہے کہ اس سے شرک اور بت پرستی کی بو آتی ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ پاسپورٹ کی ضرورت کے سوا کسی اور غرض سے تصویر کشی ممنوع ہونی چاہیے، اور اسی طرح اس کا استعمال بھی۔

ڈاکٹر احمد حسن ریڈر ادارہ تحقیقات اسلامی نے ریلوے کیلنڈر پر بانی پاکستان اور بابائے قوم کی تصویر کی اشاعت پر اپنی رائے دیتے ہوئے لکھا ہے:

''تصویر کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کی تذلیل کی جائے نہ کہ تکریم، اس کا سر کاٹ دیا جائے اور پاؤں تلے روندا جائے۔''

ادارہ تحقیقات اسلامی کے فاضل ارکان میں سے کسی رکن نے اپنے خیالات ظاہر کرتے وقت قائداعظمؒ کو قائداعظمؒ لکھنا مناسب نہیں جانا جب کہ نورشاہ گیلانی کو ہر جگہ برادر نورشاہ گیلانی تحریر فرمایا ہے، اور برادر نورشاہ گیلانی کی تقلید میں بابائے قوم کو ہر جگہ ''محمد علی جناح'' لکھا ہے، محمد علی جناح کے ساتھ ''مسٹر'' لگانا بھی ضروری نہیں سمجھا، ڈاکٹر احمد حسن صاحب نے تصویر کی تذلیل کرنے اور اس کا سر کاٹ کر پاؤں تلے روندنے کا فتویٰ دیا ہے مگر یہ تو تحریر ہے اس میں تو قائداعظم کی تکریم ہونی چاہیے تھی۔ نفسیات کے ماہرین کا کہنا ہے کہ دلوں اور ذہنوں میں اتری ہوئی کچھ تصویریں تحریروں میں بھی دکھائی دے جاتی ہیں مگر ان تصویروں کی تذلیل کی یا سر کاٹ کر پاؤں تلے روندنے کی اجازت نہیں ہے شاید۔''

(جدوجہد قیام پاکستان، از پروفیسر رفیع اللہ شہاب)

ناشر مقبول اکیڈمی لاہور

مقبول اکیڈمی

مقبول اکیڈمی ایک معروف اشاعتی ادارہ ہے۔ جس نے سینکڑوں کتب شائع کیں۔ مقبول اکیڈمی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس نے قائداعظم محمد علی جناح پر بیسیوں کتب شائع کیں، جنہیں بڑی پذیرائی ملی۔

مقبول اکیڈمی نے قائداعظم پر درج ذیل کتب شائع کیں۔

1. ''قائداعظم اور ان کا عہد'' — رئیس احمد جعفری
2. ''پیارے قائد'' — غوثیہ رشید
3. ''محمد علی جناح'' — منصور احمد بٹ
4. ''ہمارے قائداعظم'' — آغا اشرف
5. ''معلومات قائداعظم'' — یونس ادیب
6. ''قائداعظم کے سیاسی پیروکار'' — پروفیسر محمد مظفر مرزا
7. ''بچوں کا جناح'' — منصور احمد بٹ
8. ''قائداعظم اور طلبا'' — منصور احمد بٹ
9. ''قائداعظم کی خوش مزاجیاں'' — منصور احمد بٹ
10. ''خطبات قائداعظم'' — رئیس احمد جعفری
11. ''میرے قائد کا نظریہ'' — محمد آصف بھلی
12. ''ملت کا پاسبان'' — پروفیسر محمد مظفر مرزا
13. ''قائد کے ساتھی — گلنار آرا
14. ''بانی پاکستان — علاء عبدالستار عاصم
15. ''جدوجہد قیام پاکستان — پروفیسر رفیع اللہ شہاب

مقدمہ غازی علم الدین شہید

تحریک خلافت کے دوران ہندو مسلم اتحاد کے بے نظیر مظاہرے دیکھنے میں آئے تھے، لیکن ہندو مسلم اتحاد کا یہ مقبول باب جلد ہی اپنے انجام کو پہنچا، اور ہندوؤں نے تحریک کے ختم ہوتے ہی اس اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا، اس سلسلے میں ہندو مہاسبھا اور آریہ سماجیوں نے مسلمانوں کے مذہب، تمدن اور سیاسی تاریخ کو مسخ کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ آریہ سماجیوں کی سرگرمیوں کے مرکز ویسے تو تمام ہندوستان میں موجود تھے، لیکن لاہور ان کی سرگرمیوں کا خاص مرکز تھا۔ اس سلسلہ میں 1923ء میں لاہور کے ایک پبلشر راج پال نے پروفیسر چمپا پتی کی کتاب شائع کی۔ جس میں (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر ناروا حملے کیے گئے تھے۔ اس کتاب کے شائع ہوتے ہی مسلمانوں میں غم و غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ اس کتاب کے پبلشر راج پال پر فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے الزام میں مقدمہ چلا۔ ماتحت عدالت نے مقدمہ کی سماعت کے بعد ملزم کو دو سال قید سخت اور ایک ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی، لیکن عدالت عالیہ کے چیف

جسٹس سرشادی لعل نے (جو مسلمانوں کے لیے اپنے روایتی تعصب کے لیے مشہور تھا) اس نے راج پال کو بری کر دیا۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا، اور 23 ستمبر 1927ء کو ایک مسلمان خدا بخش نے راج پال پر حملہ کیا لیکن اس بار بھی قسمت نے اس کا ساتھ دیا، اور وہ موت کے منہ میں جانے سے بچ گیا۔

اس کے بعد لاہور کے سریاں والا بازار کے غازی علم الدین نے راج پال پر حملہ کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ غازی علم الدین کو گرفتار کر کے سیشن عدالت میں مقدمہ چلا، جہاں سے انہیں سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ سیشن عدالت کے اس فیصلے کے خلاف عدالت عالیہ میں اپیل دائر کی گئی، جس کی پیروی کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کو بمبئی سے لاہور بلوایا گیا۔ اس سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح نے عدالت عالیہ کو تار دیا:

"15 جولائی کو مقدمہ کی سماعت کے لیے تاریخ مقرر کی جائے۔"

یہاں یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ پنجاب کے مشہور سیاسی رہنما اور وکیل سر محمد شفیع نے اس مقدمہ کی پیروی کرنے سے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ ہندو اسے برا سمجھیں گے۔

چونکہ ایک ہائی کورٹ کا وکیل دوسرے ہائی کورٹ میں پریکٹس نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے بمبئی ہائی کورٹ کے مسٹر جناح نے جب پنجاب ہائی کورٹ سے علم الدین کے مقدمہ میں پیش ہونے کی اجازت مانگی تو پنجاب ہائی کورٹ کے جج مسٹر جسٹس براڈوے نے اجازت دینے کی مخالفت کی، لیکن چیف جسٹس سرشادی لعل نے قائداعظم محمد علی جناح کو پیش ہونے کی اجازت دے دی۔

روزنامہ انقلاب لاہور نے چیف جسٹس کے اس فیصلہ کو ان کا ہوش مندانہ فعل قرار دیا اور کہا:

"اگر وہ مسٹر محمد علی جناح کو مقدمہ میں پیش ہونے کی اجازت نہ دیتے تو مسلمانوں میں بے حد جوش پھیل جاتا۔"

15 جولائی 1929ء کو جسٹس براڈوے اور جسٹس جانسن کے روبرو مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے عینی گواہوں کے بیانات پر جرح کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مقدمہ کے واقعات کو سامنے رکھ کر انتہائی قابلیت کے ساتھ غازی علم الدین کی بے گناہی ثابت کی۔ سب سے پہلے قائداعظم محمد علی جناح نے عدالت کو بتایا:

"عینی گواہ کیدار ناتھ مقتول کا ملازم ہے۔ اس لیے اس کی گواہی تامل اور غور کے بعد قبول کرنی چاہیے۔ دوسرے کیدار ناتھ نے اپنے ابتدائی بیان میں بھگت رام گواہ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ بھی مقتول کی دکان کے ہی ایک حصے میں کام کر رہا تھا اور کیدار ناتھ کی طرح بھگت رام نے بھی بیان کردہ قاتل غازی علم الدین پر کتابیں پھینکیں اور اس کا تعاقب کیا۔ کیدار ناتھ نے ابتدائی بیان میں ملزم کے متعلق یہ نہیں کہا کہ اس نے گرفتاری کے بعد اقبال جرم کیا۔ عدالت سیشن میں وہ بیان دیتا ہے کہ ملزم نے کہا کہ میں نے رسول (ﷺ) کی عزت کا بدلہ لے لیا ہے۔"

ان حقائق سے قائداعظم محمد علی جناح نے یہ ثابت کیا کہ عینی گواہ نمبر 2 کیدار ناتھ جھوٹا ہے۔ اسی طرح قائداعظم محمد علی جناح نے دوسرے عینی گواہ یعنی بھگت رام کی شہادت کو لے کر اس کی کمزوریاں واضح کیں۔ اس کے بعد انہوں نے وزیر چند نانک اور پرمانند وغیرہ کے بیانات پر نکات وار بحث کر کے ثابت کیا کہ کوئی بیان بھی اصلاً قابل اعتماد نہیں، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص بیان وضع کر کے

مختلف آدمیوں کو طوطے کی طرح رٹا دیا گیا ہے۔
قائداعظم نے اپنی جرح سے سب سے اہم نکتہ یہ نکالا:
''عام بیانات کے مطابق واقعہ کے وقت مقتول کی دکان پر ایک مقتول اور اس کے دو ملازم تھے۔ ڈاکٹر کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ مقتول کے آٹھ زخم لگے، یعنی اٹھارہ انیس سال کے ایک معمولی نوجوان نے دن دیہاڑے تین مردوں میں گھس کر ایک کے جسم میں آٹھ دفعہ چھری گھونپی اور نکالی، اور تین آدمی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اس کو عقل انسانی صحیح تسلیم نہیں کر سکتی۔''
اس کے بعد مسٹر محمد علی جناح نے آتما رام کباڑی کی شہادت پر جرح کی، اور اس کی شہادت کا تار و پود بکھیرا، اور اس کے خلاف کئی دلائل قائم کیے۔
پہلی بات آپ نے یہ ثابت کی کہ کوئی دکان دار اتنا باریک بین نہیں ہو سکتا کہ اپنے ہر گاہک کو یاد رکھے جو کہ اس کی دکان پر صرف ایک ہی مرتبہ آیا ہو، اس کباڑی نے ملزم کو شناخت پریڈ کے دوران ملزم کے چہرے کے ایک نشان کو دیکھ کر پہچانا ہے، ظاہر ہے کہ پولیس نے اسے یہ نشان بتا دیا ہوگا، جس کی بنا پر اس نے ملزم کو شناخت کر لیا۔
دوم، گواہ آتما رام کا دعویٰ تھا کہ وہ چاقو کو پہچان سکتا ہے، لیکن جب چاقو اس کے روبرو پیش کیے گئے تو وہ پہچان نہ سکا۔
''گواہ آتما رام کباڑی اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کی نظر کمزور ہے، لہٰذا ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ آغا رام سکھایا پڑھایا ہوا گواہ ہے۔''
استغاثہ کے یہی تین مبانی تھے۔ اول عینی گواہ دوئم ملزم کو گرفتار کرنے یا کرانے والے سوئم چاقو فروخت کرنے والا کباڑیا۔ ان مبانی کی انتہائی کمزوری ثابت کرنے کے ساتھ ہی استغاثہ کو قائداعظم محمد علی جناح نے بالکل بے حقیقت کر دیا۔
اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے اس امر پر بھی سیر حاصل بحث کی کہ اگر علم الدین قاتل نہیں تھا تو اس کے کپڑوں پر انسانی خون کے دھبے کس طرح لگے تھے۔ انہوں نے ڈاکٹروں کا یہ بیان پیش کیا کہ مقتول کا خون فوارے کی طرح نہیں اچھلا اور جب حالت یہ ہے تو بیان کردہ قاتل کے جسم پر دھبے نہیں پڑ سکتے، لیکن ڈاکٹر نے کہا:
''بیان کردہ قاتل کے کپڑے مقتول کی لاش سے چھو گئے ہوں گے۔''
قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:
''ڈاکٹر کی شہادت کا یہ حصہ بالکل لغو ہے اسے رائے دینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ سیشن جج اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ملزم کے کپڑے مقتول کی لاش سے چھوئے نہیں لیکن لکھا ہے کہ ڈاکٹر کی رائے کے مطابق یہ انسانی خون ہے، اس لیے مقتول کا خون ہے اور چھری سے ٹپک کر ملزم کے کپڑوں پر گرا ہے۔''
قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:
''اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ جس خون کے دھبے ملزم کے کپڑوں پر ہیں، وہ واقعی مقتول کا خون ہے میرا دعویٰ ہے کہ یہ خود ملزم کا خون ہے۔ ملزم کا بیان ہے کہ اسے گرفتار کرنے کے بعد ہندوؤں نے اسے مارا پیٹا اور اس مار پیٹ سے اس کی انگلی اور ران پر زخم آئے۔''
قائداعظم محمد علی جناح نے ایک اہم بات یہ کہی:
''سیشن جج نے مسلم اسیسروں کی رائے کے سلسلے میں

خوامخواہ ہندو مسلم سوال پیدا کیا۔"

"اس مقدمہ میں چار اسیسر تھے، دو مسلمان اور دو غیر مسلم۔ مسلمان اسیسروں نے ملزم کو بے گناہ بتلایا، غیر مسلم اسیسروں نے جرم کا اثبات کیا۔ سیشن جج نے لکھا ہے کہ مسلم اسیسروں کے فیصلے پر یقین نہیں کیا جا سکتا، اس لیے ہوسکتا ہے ان کے دل میں فرقہ وار تعصب موجود ہو۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے اس پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:

"مسلمان اسیسروں کے متعلق یہ کیوں کہا گیا، دوسرے اسیسروں کے متعلق کیوں نہیں کہا گیا۔ ہوسکتا ہے دونوں مسلمان اسیسروں کے فیصلے بالکل ایماندارانہ ہوں۔ ان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ وجہ بتلائیں کہ وہ فلاں فیصلے پر کیوں پہنچے ہیں۔ یہ افسوس ناک امر ہے کہ جج نے مسلمان اسیسروں کے متعلق تعصب کا اظہار کیا۔ ملزم کے حق میں جو شہادت تھی اسے درست سمجھا۔"

اس پر جسٹس براڈوے نے کہا:

"جج کو اختیار ہے کہ وہ جس شہادت کو چاہے قبول کرے، جس کو چاہے مسترد کرے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

"یہ صحیح ہے مگر قبول وعدم قبول کے لیے دلیل بھی ہونی چاہئے۔"

علم الدین کو بے گناہ ثابت کرنے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے مقدمہ کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالی اور کہا:

"اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ملزم واقعی قاتل ہے تو بھی اس کی سزا پھانسی نہیں، بلکہ عمر قید ہونی چاہئے۔"

اس کے لیے قائداعظم محمد علی جناح نے مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے:

❶ ملزم کی عمر اٹھارہ انیس سال کی ہے۔

❷ راج پال نے ایسی کتاب چھاپی جسے عدالت عالیہ نے بھی نفاق انگیز اور شر انگیز قرار دیا۔ ملزم نے اسے پڑھا اور بھڑک اٹھا۔

❸ ملزم نے کسی لغو یا خواہش سے یہ ارتکاب نہیں کیا، بلکہ ایک کتاب سے غیرت کھا کر ایسا کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے عدالت عالیہ کے سامنے مندرجہ ذیل تقریر کی جس میں عدالت عالیہ سے درخواست کی کہ وہ ملزم کو اس الزام سے بری کر دے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"سب سے پہلے میں اس پولیس افسر کی شہادت کی طرف عدالت عالیہ کی توجہ مبذول کراتا ہوں، جس نے بیان کیا کہ ہم ملزم سے یہ اطلاع پاتے ہی کہ میں نے آتما رام کباڑی سے یہ چھری خریدی ہے فوراً اس کی دکان پر پہنچے۔ پولیس نے بذاتِ خود کوئی تفتیش نہیں کی اور صرف ملزم کے بیان پر اکتفا کیا لیکن دفعہ 27 قانون شہادت کی رو سے ملزم کا بیان بطور شہادت پیش نہیں ہوسکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ جج صاحبان اس کا فیصلہ صادر کریں۔"

مسٹر جسٹس براڈوے نے کہا:

"شہادت کے قابل قبول یا ناقابلِ قبول ہونے کا سوال عدالت ماتحت کا کام ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"آپ اس نقطہ پر اب نہیں تو آخر میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔"

سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"اب غور طلب امر یہ ہے کہ ملزم کو اس مقدمہ میں ماخوذ کرنے کی کافی وجوہ موجود ہیں یا نہیں۔ 6 اپریل

کوراج پال قتل کیا گیا، لیکن سوال یہ ہے کہ جس نے راج پال کو قتل کیا وہ کون تھا؟ استغاثہ کی شہادتوں میں دو عینی گواہوں کے بیانات ہیں۔ یہ دونوں گواہ کیدار ناتھ اور بھگت رام ہیں۔ ان عینی گواہوں کے قابل عمل ہونے کو پرکھنے کے لیے فاضل ججوں کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ دونوں گواہ راج پال کے ملازم تھے۔ ان شہادتوں کے پرکھنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ ان کے بیانات کے اختلافات کو دیکھا جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کیدار ناتھ کا بیان پڑھ کر سنایا اور کہا:

''سخت تعجب کی بات ہے کہ اس بیان میں گواہ بھگت رام کا کہیں نام تک نہیں آیا حالانکہ اس وقت وہ دکان پر موجود تھا۔ برخلاف اس کے گواہ بھگت رام کا کہنا ہے کہ اس نے ملزم کا تعاقب کیا اور کیدار ناتھ کے ساتھ مل کر ملزم پر کتابیں پھینکیں۔ جرح کے موقع پر کیدار ناتھ نے بھگت رام کا نام نہیں لیا حالانکہ ایک عینی شاہد کی حیثیت سے کیدار ناتھ کو بھگت رام کا نام سب سے پہلے لینا چاہئے تھا۔ یہ ایک نہایت ہی اہم نکتہ ہے اور عینی شہادت کا جزو اعظم۔

کیدار ناتھ نے ارتکاب جرم کا جس قدر وقت بتلایا ہے طبی شہادت اس کی تردید کرتی ہے طبی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ گواہ کے بیان کردہ وقت سے دو چند وقت صرف ہوا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''گواہ کا بیان ہے کہ جب ملزم کو پکڑا گیا تو اس نے کہا میں نے کوئی چوری نہیں کی، ڈاکہ نہیں مارا، میں نے صرف اپنے پیغمبر (ﷺ) کا بدلہ لیا ہے۔ ایک لمحہ کے لیے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ملزم بھاگتا جا رہا تھا اور اس کا تعاقب بھی کیا گیا، لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص گرفتار ہوتے ہی فوراً اس طرح اقبال جرم کرے۔ یہ شہادت بھی پیش کی گئی ہے کہ وہ متواتر اقبال جرم کرتا رہا۔ پولیس کا ایسے موقع پر فرض تھا کہ مجسٹریٹ کے روبرو ملزم کے بیانات قلم بند کراتی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ ہر ایک تجربہ کار پولیس افسر کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔ لوگوں کا بیان تھا کہ ملزم نے راج پال کی دکان پر آکر بھی اقبال جرم کیا۔ ایسا غیر ممکن ہے وہاں پولیس موجود تھی۔ یہ سب کہانی اس قدر غیر قدرتی ہے کہ اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''یہ سب کہانی غلط ہے، گواہ نے نہ صرف بھگت رام کا نام ہی ترک کر دیا، بلکہ وزیر چند کا نام بھی چھوڑ دیا، حالانکہ وزیر چند نے ملزم کا تعاقب کیا تھا۔ جرح پر گواہ نے کہا کہ میں وزیر چند کے نام کے کسی شخص کو نہیں جانتا۔ میں اس شہادت پر صرف اتنا ہی کہوں گا کہ اگر گواہ سچ بولتا تو وہ بھگت رام کا نام ضرور لیتا۔ اس کے علاوہ وہ پولیس کے سامنے بھی وہی الفاظ بتاتا جو اس نے بعد میں ملزم کی طرف منسوب کیے، لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ اس لیے یہ کہانی فرضی ہے۔''

دیوان وزیر چند کی شہادت پڑھ کر سناتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''آیا فاضل جج صاحبان اس بات پر یقین کر سکتے ہیں کہ کیدار ناتھ وزیر چند کو نہیں جانتا تھا۔ اگر اسے نام نہیں آتا تھا تو وہ کہہ سکتا تھا کہ کوئی آدمی وہاں موجود تھا۔ اس کے بعد گواہ بھگت رام بھی ایسی کہانی سناتا ہے اس کا بیان ہے کہ ملزم کی پیٹھ اس کی طرف تھی۔

ظاہر ہے کہ وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ ہر ایک گواہ ان الفاظ کے متعلق جو ملزم نے کہے مختلف بیانات دیتا ہے۔ چنانچہ بھگت رام نے کہا کہ ملزم نے کہا تھا کہ ''ہتھکڑیاں سونے کے کڑے ہیں۔'' نانک چند گواہ کا بیان ہے کہ ملزم نے کہا تھا کہ ''راج پال میرا دشمن نہیں بلکہ رسول (ﷺ) کا دشمن ہے۔'' گواہ سچا نند نے کم وبیش وہی الفاظ کہے جو نانک چند نے کہے، لیکن گواہ دیا رتن جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے ملزم کو گرفتار کیا بالکل مختلف الفاظ بیان کرتا ہے۔ گواہ نے پہلے کہہ دیا ہے کہ وہ ملزم کے صحیح الفاظ بیان نہیں کرسکتا، لیکن اس کا ملخص بتا سکتا ہے۔

میں صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ آتمارام کباڑی ایک سکھایا ہوا گواہ ہے۔ اسے اسی روز معلوم ہوگیا تھا کہ راج پال مارا گیا ہے۔ پھر شناخت کی پریڈ ہوئی، جس میں تین مرتبہ گھومنے کے بعد اس نے ملزم کو شناخت کیا۔ گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ ملزم کی ناک کے قریب ایک نشان ہے، کیا چھری بیچنے والا اس قدر باریک بین ہوسکتا ہے کہ وہ اس بات کا بھی خیال رکھے کہ خریدار کی ناک کے پاس نشان ہے۔ گواہ کا اپنا بیان ہے کہ ملزم کے کان میں دھاگا پڑا ہوا تھا۔ حالانکہ اس کی بینائی بھی اچھی نہیں۔

اس گواہ کا بیان ہے کہ میں فروخت کی ہوئی چھریوں کو پہچان سکتا ہوں، لیکن بعد ازاں اس نے غلط چھری کو شناخت کیا۔ چھریاں عدالت میں پیش کی گئیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ٹوٹی ہوئی نوک والی چھری کی طرف جج صاحبان کو متوجہ کرتے ہوئے کہا:

''آپ خود ان چھریوں کو دیکھ کر بتائیں کہ ان میں کیا تمیز ہوسکتی ہے کہ آتمارام بتلانے کے قابل ہوگیا کہ فلاں چھری ہے۔ ملزم کا بیان ہے کہ میں نے آتمارام کباڑی کی دکان سے چھری نہیں خریدی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''سب انسپکٹر کی شہادت ہے کہ ملزم کی شلوار اور قمیض پر خون کے نشانات تھے۔ ملزم کے جسم کے دیگر حصوں پر بھی معمولی نشانات تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملزم کو بھی ضربات آئیں۔ ملزم کا بیان ہے کہ میرے ساتھ تشدد کیا گیا تھا۔ استغاثہ نے کہیں بھی یقینی طور پر بیان نہیں کیا کہ ملزم کے کپڑوں پر خون کے جو نشانات تھے وہ اس قتل کی وجہ سے تھے۔ طبی شہادت ہے کہ نشانات شاید مقتول کے قریب آنے سے لگ گئے۔ یہ امر واضح ہے کہ یہ مقتول کے خون کے نشانات ہیں، اگر میری انگلی زخمی ہو جائے تو اس کے اندر سے بھی کافی خون نکل آتا ہے۔ جس سے میرے کپڑوں پر بڑے بڑے نشانات لگ سکتے ہیں۔''

اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں کہہ سکتا ہوں کہ فاضل جج نے فیصلہ میں غلطی کی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ دو ہندو اسیسر ملزم کو مجرم بتاتے ہیں، لیکن دو مسلمان اسیسر اسے بے قصور ٹھہراتے ہیں۔ اگر اس وقت ہندو مسلم فرقوں میں کشیدگی تھی تو فاضل جج کا فرض تھا کہ وہ اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کرتا۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ ہندو اسیسروں کی رائے فرقہ پرستانہ نہ تھی۔ اس کے علاوہ فاضل جج نے شہادتوں سے بھی غلط نتیجہ مرتب کیا۔''

آخر میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''ملزم نوجوان ہے، راج پال نے یہ بدنام کتاب شائع کر کے مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کیا تھا۔ اس لیے سزائے موت سخت سزا ہے۔ ملزم پر رحم کیا جائے۔''

میاں ارشد حسین اور خواجہ شہاب الدین قائداعظم محمد علی جناحؒ کو کراچی میں خوش آمدید کہتے ہوئے۔ 1948ء

لنچ کے بعد عدالت نے سرکاری وکیل کا جواب سنے بغیر حاضرین کو باہر نکال دیا اور فیصلہ محفوظ رکھا۔ سرکاری وکیل کی جوابی تقریر کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔ اپیل خارج کر دی گئی۔ چار بجے کے قریب عدالت نے فیصلہ سنایا اور اپیل نامنظور کر دی۔''

یہاں یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ جب عدالت عالیہ نے غازی علم الدین کیس میں سیشن کے فیصلے کو برقرار رکھا اور غازی علم الدین کی سزائے موت برقرار رکھی تو ہندو اخبارات نے قائداعظم محمد علی جناح کے خلاف زبردست زہر اگلنا شروع کر دیا۔

مشہور متعصب ہندو اخبار ''پرتاپ'' نے اس مسئلہ پر کئی نوٹ لکھے۔ گپ شپ اور چلنت کے نام سے دو کالم چھپے تھے۔ ان میں قائداعظم کو رگیدا گیا۔ ایک جگہ لکھا:

''مسٹر محمد علی جناح کی قابلیت علم الدین کو موت کے منہ سے نہ چھڑا سکی۔''

ایک جگہ لکھا:

''مسٹر محمد علی جناح کو ایسا مطلقاً کمزور مقدمہ لینا ہی نہیں چاہئے تھا، کیونکہ ہندوؤں کو ان کے خلاف واجب شکایات پیدا ہو گئی ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جس قابلیت سے مقدمہ کی پیروی کی، اس پر روزنامہ الجمعیۃ دہلی نے اپنی اشاعت مورخہ 20 جولائی 1929ء کو ''مسٹر جناح کی باطل شکن تقریر'' کے زیر عنوان انہیں مندرجہ ذیل الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا:

''لاہور ہائی کورٹ سے بھی میاں علم الدین کی اپیل کا فیصلہ صادر ہو گیا، اور پھانسی کا جو حکم سیشن عدالت سے ہوا تھا وہی بحال رہا۔ قائداعظم کی مدلل اور مؤثر تقریر کو پڑھنے کے بعد اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے دلائل کس قدر وزنی تھے، اور انہوں نے ماتحت عدالت کی شہادتوں میں جن نقائص کا ذکر کیا تھا، ان سے مقدمہ کس قدر کمزور ہو گیا تھا، مگر ہائی کورٹ کے ججوں نے خدا معلوم کن وجوہ کی بناء پر دلائل کو قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ اس وقت ہائی کورٹ کا فیصلہ موجود نہیں ہے۔ اس لیے ہم اس پر مفصل تنقید نہیں کریں گے۔ جب تک ہمارے سامنے اصل فیصلہ کے دلائل نہ آ جائیں، ہم یہ نہیں سمجھتے کہ قائداعظم کی تقریر کے بعد پھانسی کی سزا کسی طرح بحال رہ سکتی تھی۔''

مقرر

اچھے مقرر کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح کی شہرت کا آغاز 1910ء میں اس وقت ہوا جب آپ مرکزی قانون ساز کے ممبر بنے، قائداعظم محمد علی جناح اعلیٰ درجے کے مقرر تھے، مگر کبھی بھی جذبات کی رو میں نہیں بہتے تھے۔ وہ ہمیشہ دلائل کے ساتھ بات کرتے، اور اپنے سننے والوں کو اپنے دلائل سے قائل کر لیتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی تقریری انداز کو ''شیکسپیئر سٹائل'' کہتے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح کا تقریری انداز ایسا تھا کہ جو ہندوستانی انگریزی نہیں جانتے تھے وہ بھی ان کی تعریف کرتے تھے۔ جب 1940ء کی قرارداد میں قائداعظم محمد علی جناح نے انگریزی میں تقریر کی تو ایک ان پڑھ شخص نے ان کی تقریر پر تالیاں بجانا شروع کر دیں، ساتھ کھڑے شخص نے کہا:

''تم تو انگریزی نہیں جانتے، پھر کیوں تالیاں بجا رہے ہو۔''

اس شخص نے کہا:

''ہاں! میں نہیں جانتا کہ وہ انگریزی میں کیا کہہ رہے ہیں، مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔''

یہ سب ان اثر انگیز طرز گفتگو کے سننے والوں پر ایک سحر طاری ہوجاتا تھا۔

تکلم ان کی سحر کی اذان جیسا تھا
زمین پر رہ کر بھی وہ آسمان جیسا تھا

مقناطیسی اثر

(دیکھئے: خراج عقیدت)

مکمل اعتماد

شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد کانگریسی رہنما ولبھ بھائی پٹیل نے ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندے کو ایک بیان دیتے ہوئے کہا:

''اگر لیگ نے نئی حکومت میں حصہ نہ لیا تو کوئی پرواہ کی بات نہیں۔ کانگریس کئی سال تک حکومت سے علیحدہ رہی اور اس نے جو جگہیں خالی کی تھیں، ان پر لیگ قابض ہوگئی۔ اگر وہ علیحدہ رہنا چاہتی ہے تو اسے اس کے نتائج اور عواقب کا جائزہ لے لینا چاہیے۔''

کانگریس کی یہ ذہنیت، صدر کانگریس کی یہ روش، رہنمایانِ کانگریس کی یہ دھاندلی دیکھ کر ہندوستان کے طول وعرض میں مسلمان بیدار ہوگئے، اور وہ ایک چٹان کی طرح اپنے قائد کی پشت پناہی کے لیے تیار ہوگئے۔

ایسوسی ایٹڈ پریس کے نامہ نگار خصوصی نے 2 جولائی 1945ء کو خبر دی:

''قائداعظم محمد علی جناح صدر کل ہند مسلم لیگ کو ہندوستان کے اکناف واطراف سے ایسے برقی پیغامات کی بہت بڑی تعداد موصول ہوئی ہے۔ جس پر قائداعظم کی قیادت پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے شملہ کانفرنس میں اختیار کیے ہوئے لیگی رویے کی تائید کی گئی ہے۔

مختلف صوبوں کی مسلم طلباء کی جماعتوں اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے قائداعظم کو یقین دلایا ہے کہ ہندوستان کے مسلم نوجوان پوری طرح قائداعظم کی تائید کریں گے۔''

ڈربن مسلم ایسوسی ایشن (افریقہ) کے حاجی حنیظی صاحب نے لکھا ہے:

''ڈربن کے مسلمان کانفرنس کے نتیجوں کا انتظار کر رہے ہیں اور انہیں مسلم ہندوستان کے مفادات کی حفاظت کے لیے آپ کی قیادت پر مکمل اعتماد ہے۔''

مسلمان صوفیوں کی طرف سے بھی ایسے پیغامات موصول ہوئے ہیں، جن میں لیگ سے وفاداری کا اظہار کیا گیا ہے۔

خواجہ حسن نظامی صدر آل انڈیا چشتی پارٹی کہتے ہیں:

''چشتیہ خاندان کے ماننے والے کروڑوں مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔''

سیدوں کے سردار اور دربار حضرت پیر پیران ملتان کے سجادہ نشین ہزہائی نس حضرت مخدوم پیر سید محمد صبرالدین شاہ گیلانی کے پرائیویٹ سیکرٹری نے قائداعظم کی قیادت پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا ہے۔

نائب صدر کل ہند مومن کانفرنس (پٹنہ) نے قائداعظم کو لکھا ہے:

''مومن برادری مضبوطی سے آپ کے ساتھ ہے۔ تنہا لیگ ہی مسلمان ممبر ایگزیکٹو کونسل نامزد کر سکتی ہے۔''

اس قسم کا تار سیکرٹری کل ہند مومن کانفرنس نے بھیجا ہے۔

یہی نہیں بلکہ:

''غیر سیاسی مسلم جماعتوں کی طرف سے بھی بہت سے پیغامات ملے ہیں۔ ان جماعتوں میں بمبئی کٹلری ایسوسی ایشن، سیمن مرچنٹس ایسوسی ایشن، انجمن تبلیغ

اسلام دہلی، بمبئے مسلم چندری ایسوسی ایشن وغیرہ۔''
خان بہادر بیسا رشید الدین صدر کل ہند جمعیت القریش نے قائداعظم کو تار دیا ہے:
''قریشی برادری کے ایک کروڑ مسلمان پوری طرح آپ کے ساتھ ہیں۔''
صدر جمعیت القریش نے ایک تار وائسرائے اور وزیر ہند کو بھی دیا ہے، جس میں انہیں متنبہ کیا ہے:
''جمعیت القریش کسی ایسی تجویز کو قبول نہیں کرے گی، جسے قائداعظم محمد علی جناح منظور نہ فرمائیں، اور ان کے حکم پر یہ جمعیت ہر طرح کی قربانی کی پیشکش کرے گی۔''
کانگریس کا چہرہ بے نقاب ہوتے ہی اطراف و اکناف ہند سے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں اظہارِ اعتماد کی تجویزیں پہنچنے لگیں، اور ان کی نقول وائسرائے، وزیر ہند، گاندھی، صدر کانگریس وغیرہ کو بھی بھیجی جانے لگیں۔
4 جولائی 1945ء کو ڈیڑھ سو اسلامی جماعتوں کی دعوت پر ایک مشترکہ جلسہ مسٹر حبیب ابراہیم رحمت اللہ صدر مسلم ایوانِ تجارت (بمبئی) کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں ایک تجویز کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت اور مسلم لیگ کی واحد نمائندگی پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا گیا۔
افغان جرگہ کے صدر سید عبداللہ شاہ نے وائسرائے کو تار دیا:
''قائداعظم کا فیصلہ مسلمانانِ سرحد پوری طرح قبول کرلیں گے۔''
میمن ایوانِ تجارت نے تار دیا:
''اگر کانگریس نے لیگ کے بغیر ایگزیکٹو کونسل بنائی تو اس کا نتیجہ ابتری ہوگا۔''
شیعہ ینگ مین ایسوسی ایشن نے ملتان سے تار دیا:
''مسٹر جناح مسلمانانِ ہند کے واحد نمائندہ ہیں اور انہیں شیعانِ ہند کا مکمل اعتماد حاصل ہے۔''
نیز مسلم جرنلسٹ ایسوسی ایشن، مسلم پریس فیڈریشن، ریلوے مسلم ایسوسی ایشن، مومن مجلس اور آل انڈیا مسلم نیشنل گارڈز کے سالارِ اعلیٰ نواب صدیق علی خاں نے بھی اسی طرح کے تار دیے۔
مغربی ہندوستان کی دیسی ریاستوں اور بمبئی کے میمن تاجروں کی ایک میٹنگ چکلہ اسٹریٹ میں میمن مرچنٹس ایسوسی ایشن کے دفتر میں الحاج ابراہیم موتی والا کی صدارت میں منعقد ہوئی، جس میں فرمایا:
''قائداعظم مسلمانوں کے لیے جو فیصلہ کریں گے، اس کی ہم مکمل تائید کریں گے۔''
کاٹھیاواڑ کی مسلم جماعت نے قائداعظم محمد علی جناح پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔ مسلم مرچنٹس ایسوسی ایشن نے بھی اسی طرح کا تار دیا۔ آج کی تاریخ میں تقریباً 500 تار قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں اعتماد کا تحفہ لے کر پہنچے۔
مسٹر لطیف الرحمٰن صدر آل انڈیا مومن کانفرنس نے حسبِ ذیل تار شائع کرایا:
''یہ بیان کہ مومن مسلم لیگ کے خلاف ہیں، بالکل بے بنیاد، شرارت آمیز اور دوسروں کی کارستانی ہے، مومن مضبوطی سے لیگ اور جناح کے ساتھ ہیں، اور سارے ہندوستان میں تمام امتحانی مواقع پر ثابت ہو چکا ہے، ہم چیلنج دیتے ہیں کہ اسے غلط ثابت کرنے کے لیے عام انتخابات کرا لیے جائیں۔''
آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے تار دیا:
''ہندوستان کے نوجوان مسلمان ایک چٹان کی طرح آپ کے ساتھ ہیں، لیگ کے وقار اور عزت کی حفاظت کے لیے مسلمان نوجوان ہر قربانی دینے کے

لیے تیار ہیں۔''

اس طرح کے تار سرحد، پنجاب، سندھ اور بہار کی مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی طرف سے بھی بھیجے گئے۔ مسلم یونیورسٹی کے طلباء نے بھی ایک تار بھیج کر مسلم لیگ سے اپنی اٹل وفاداری کا اظہار کیا۔

بہار سے ''انجمن حیدری'' کے صدر نے تار دیا:

''شیعہ فرقہ، کانگریس اور دوسری خودرو جماعتوں کے دعویٰ نمائندگی کی تردید کرتا ہے، کیونکہ وہ متحدہ طور پر مسلم لیگ اور قائداعظم کے ساتھ ہے، اسے نام نہاد شیعہ پولیٹیکل کانفرنس پر کوئی اعتماد نہیں ہے۔''

علاوہ ازیں امام صاحب جامع مسجد (دہلی) جامع مسجد وزیر خان (لاہور) نے بھی اسی قسم کے تار دیے۔ مسلم ایوان تجارت برار کے صدر نے وائسرائے کو حسبِ ذیل تار دیا:

''برار کے مسلمان متحدہ طور پر مسلم لیگ کے ساتھ ہیں، اور اس رویہ کی پرزور تائید کرتے ہیں، جو مسٹر جناح نے شملہ کانفرنس میں اختیار کر رکھا ہے۔''

حالات اب بالکل نازک مرحلہ پر پہنچ چکے تھے۔ ہندوستان بھر کے مسلمان قائداعظم اور مسلم لیگ کی تائید کر رہے تھے۔

کل ہند مسلم لیگ کے سیکرٹری نے لکھا:

''ہم قائداعظم کے ہر حکم پر قربانی کرنے کو تیار ہیں۔''

سیلون مسلم ایسوسی ایشن نے تار دیا:

''مسلم ممبر نامزد کرنے کا حق صرف مسلم لیگ کو ہونا چاہیے۔''

صدر بلوچ کانفرنس نے تار دیا:

''سندھ کے بلوچ دل و جان سے قائداعظم کے ساتھ ہیں۔''

سرحد شیعہ کانفرنس کے صدر نے تار دیا:

''ہمیں مسٹر جناح کی قیادت پر پورا اعتماد ہے۔''

ایسے ہی تار ''آغا خان ینگ مین یونین'' اور شیعہ ایسوسی ایشن کی طرف سے بھی پہنچے۔ تھانہ بھون کے مشہور عالم مولانا شبیر احمد صاحب نے لکھا:

''مسلم لیگ کو اپنے فیصلے پر جمے رہنا چاہیے۔''

ایک ہزار تار روزانہ کے اوسط سے گزشتہ چند روز سے قائداعظم محمد علی جناح کے پاس آ رہے تھے، جن میں دلی اور مکمل تائید کا اعلان ہوتا تھا۔

16 جولائی 1945ء کو لندن مسلم لیگ کا حسبِ ذیل تار آیا:

''آپ کا تدبر قوم کے لیے باعث فخر ہے۔ ہم آپ کے بہادرانہ رویہ کی تائید کرتے ہیں۔''

مکر وفریب کی ڈھال

قائداعظم محمد علی جناح گاندھی کی شخصیت اور اس کے کردار سے اچھی طرح واقف تھے اس لیے وہ اپنے تجربات کی بنا پر گاندھی کو مکر وفریب کی ڈھال کہا کرتے تھے۔

ملازمین

قائداعظم محمد علی جناح اپنے ملازمین کے کردار واطوار کا بہت خیال رکھتے تھے، جس طرح قائداعظم محمد علی جناح کو تن کے میل سے نفرت تھی، اسی طرح آپ کو من کے میل سے بھی نفرت تھی۔

مطلوب الحسن سید آپ کو بہت پسند تھے، مگر جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ ایک رضا کار لڑکی سے محبت کرتا ہے تو آپ کو بڑی کوفت ہوئی، مگر آپ اس قسم کی کوفت کو زیادہ دیر برداشت نہیں کرتے تھے، لہٰذا مطلوب الحسن سید کی طلبی ہوئی، اور فوراً ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا، مگر انہیں رخصت کرنے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح ان سے اس طرح پیش آئے جیسے دوستوں سے آتے ہیں۔

ملازمین کی تنخواہیں

قیام پاکستان کے وقت پاکستان کا خزانہ بالکل خالی تھا اور ملازمین کو تنخواہیں دینے کے لیے ایک کوڑی بھی نہ تھی۔ دسمبر 1947ء کے آخری عشرے میں وزارت خزانہ نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں یہ اہم مسئلہ پیش کیا:

''چونکہ بھارت نے پاکستان کے حصے میں آنے والے 55 کروڑ روپے روک لیے ہیں۔ اس لیے سرکاری ملازمین کی بہت بڑی تعداد بغیر تنخواہ کے کام کررہی ہے۔ اب تک یہ لوگ بڑے عزم کے ساتھ کام کررہے ہیں، لیکن اگر جنوری 1948ء میں بھی انہیں تنخواہ نہ ملی تو خطرہ ہے کہ کہیں ان کا اعتماد متزلزل نہ ہو جائے لہٰذا درخواست ہے کہ اس ضمن میں کچھ انتظام ضرور کیا جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اسی نوٹ کے نیچے چند شخصیات کے نام لکھے اور یہ لکھا:

''درج ذیل حضرات کو یہ پیغام پہنچا دیا جائے کہ وہ کل صبح مجھ سے ملاقات کریں۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے حکم پر متعلقہ افراد کو فوراً مطلع کر دیا گیا۔ یہ لوگ قائداعظم محمد علی جناح کے انتہائی قابل اعتماد ساتھی تھے۔ انہیں ملاقات کا مقصد بھی نہیں بتایا گیا تھا لیکن انہوں نے خود ہی اندازہ لگالیا کہ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں کس لیے بلایا ہے۔

دوسرے دن مقررہ وقت سے قبل ہی یہ لوگ پہنچ گئے قائداعظم محمد علی جناح نے تینوں دوستوں کو ایک ساتھ بلایا اور سلام دعا کے بعد صرف ایک جملہ کہا:

''آپ نے پاکستان بنانے میں ہماری بہت مدد کی ہے۔ اب پاکستان کو چلانے کے لیے بھی آپ کی تھوڑی مدد کی ضرورت ہے۔''

قائد ہو تو ایسا اور اس کے ماننے والے ہوں تو ایسے۔ قائداعظم محمد علی جناح کا جملہ ختم ہوتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے یہ گوشت پوست کے نہیں بلکہ برقی آلات کے بنے ہوئے انسان تھے۔ یہ سب ذہنی طور پر قائداعظم محمد علی جناح کے اسی حکم کی تعمیل کے لیے تیار ہو کر گئے تھے۔ تینوں نے ایک ساتھ جیب میں ہاتھ ڈالا، چیک بک نکالیں بلینک چیک پر دستخط کیے اور ایک ساتھ قائداعظم محمد علی جناح کو پیش کرتے ہوئے کہا:

''قائداعظم پاکستان ہے تو ہم بھی ہیں، اگر خدانخواستہ پاکستان کو کچھ ہو گیا تو ہم کہاں ہوں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح اپنے ساتھیوں کے مقام و مرتبہ سے بخوبی واقف تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک چیک پر دس کروڑ روپے دوسرے پر پانچ کروڑ روپے اور تیسرے چیک پر تین کروڑ روپے لکھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے صرف چند منٹ میں حکومت پاکستان کے لیے اٹھارہ کروڑ روپے کا انتظام کیا۔ لندن نے بیس کروڑ پاکستان منتقل کیے اور بائیس کروڑ روپے قائداعظم محمد علی جناح کے دوستوں نے مختلف ممالک سے پاکستان بھیجے۔

بھارت نے 55 کروڑ روپے روک لیے تھے تاکہ پاکستان کو معاشی طور پر تباہ کیا جاسکے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے تین دن میں ساٹھ کروڑ روپے کا انتظام کر کے بھارت کی یہ سازش بھی ناکام بنادی۔

جن تین افراد سے قائداعظم محمد علی جناح نے 18 کروڑ روپے لیے تھے وہ پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناح کے اتنے وفادار تھے کہ انہوں نے کسی سے اس کا تذکرہ کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ شاید یہ بات ہمیشہ راز رہتی لیکن اس کا انکشاف اس وقت ہوا جب حبیب بنک کی سلور جوبلی ہوئی اور نوادرات کی نمائش میں وہ چیک بھی رکھا گیا جس پر قائداعظم محمد علی جناح

نے اپنے ہاتھ سے دس کروڑ روپے لکھے تھے۔ یہ بلینک چیک پیش کرنے والے حبیب بنک کے بانی محمد علی حبیب تھے۔ دوسرے دو حضرات کے ناموں کی تصدیق نہیں ہوسکی لیکن عام لوگوں کا خیال ہے کہ ان میں ایک آدم جی لمیٹڈ اور دوسرے ارگ لمیٹڈ کے سربراہ تھے۔

اسی ایک واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھی ان پر کتنا بھروسہ کرتے تھے، اوران کی ایک آواز پر لبیک کہنے میں ذرا بھی دیر نہ کرتے۔

(مضمون کیف بنارسی، بحوالہ روزنامہ جنگ راولپنڈی، اشاعت 16 اگست 1989ء)

ملازمین مزار قائد

قائداعظم میموریل فنڈ گورننگ باڈی نے وفاقی وزیر ہاؤسنگ و تعمیرات حاجی حنیف طیب چیئرمین قائداعظم میموریل فنڈ کی ہدایت پر قائداعظم محمد علی جناح کے مزار پر کام کرنے والے ملازمین کے لیے 31 دسمبر 1986ء کو پنشن دینے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے سے ان تمام ملازمین کو جن کی مدت ملازمت پانچ سال یا اس سے زائد ہے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ملت

بنگال کا مشہور ہفتہ وار اخبار ہے۔ 17 نومبر 1945ء کو اس اخبار کے نام قائداعظم محمد علی جناح نے ایک پیغام میں فرمایا:

’’کام کرو۔‘‘

ملت اسلامیہ پاکستان اور قائداعظم

8 مارچ 1944ء کو قائداعظم نے فرمایا تھا:

’’پاکستان ہندوؤں کے عمل یا سوء عمل کا نتیجہ نہیں، یہ تو ہمیشہ سے موجود تھا، ہاں وہ اس کا شعور نہ رکھتے تھے۔‘‘

واقعہ یہ ہے کہ برعظیم میں صدیوں سے آباد ہندو قوم نے اگرچہ تہذیبی سطح پر یہاں آکر بس جانے والے مسلمانوں اور ان کی ثقافت کے متعدد اثرات قبول کیے مگر دل سے ان کی بالا دستی قبول کرنے میں اسے ہمیشہ تامل رہا۔ انگریز نے اسے خوش کرنے کے لیے ایک ایسی مصنوعی یک جہتی کی بنیاد رکھنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں مسلم اقلیت کو ہندو کی اکثریت میں ضم کرنے کا بھیانک خواب دیکھا گیا۔ قائداعظم نے اپنی بے مثال بصیرت اور گہرے ایقان اور تدبر کو بروئے کار لاتے ہوئے اس خواب کے تار و پود بکھیر دیے، اور اسلامیان برعظیم کے لیے ایک آزاد اسلامی جمہوری مملکت کی بنیاد رکھی۔ قائداعظم نے مارچ 1940ء کی قرارداد لاہور کے اپنے خطبہ صدارت میں نام نہاد ہندو مسلم اتحاد کی قلعی کھولتے ہوئے منفرد مسلم ثقافت اور طرز احساس کے خدوخال بایں الفاظ بڑی سہولت اور سلاست سے واضح کر دیے تھے۔ ان کے خیال میں:

’’کسی بھی تعریف کی روشنی میں مسلمان ایک قوم ہیں۔ ہندوستان کا مسئلہ اس وقت تک لاینحل رہے گا۔ یہ مسئلہ ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے اور اسی تناظر میں اسے حل کیا جانا چاہیے کسی بھی مرحلے پر ہندو اور مسلمان کے ایک مشترک قومیت میں ڈھل جانے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ محض ایک خواب ہے، ہندو اور مسلمان دو الگ الگ فلسفہ ہائے حیات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کے رسوم اور ادبیات الگ الگ ہیں۔ ان کے ہیرو مختلف ہیں۔‘‘

اگر قائداعظم کے مندرجہ بالا خیالات کا بغیر کسی تعصب کے وسیع النظری کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو اس کے حرف حرف سے صداقت اور معروضیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انگریز کے استعماری استبداد سے

پہلے مسلمان برعظیم پر صدیوں تک حکومت کرتے رہے تھے مگر مغلوں کے عہد زوال میں جب مرکزیت میں رخنے پڑنے لگے تو صدیوں کے محکوم ہند میں بھی بیداری پیدا ہوئی۔ اس بیداری میں کچھ برائی نہ تھی مگر محکوم کی نفسیات میں اندر ہی اندر بہت گہرائی میں حاکم کے خلاف جو ایک نفرت کا مادہ موجود رہتا ہے۔ مسلم مرکزی نظام کے کمزور ہوتے ہی نفرت کے اس وائرس نے شدو مد سے اپنا رنگ دکھانا شروع کیا۔ ہندو سنیاسی تحریک سے لے کر راشٹریہ سیوک سنگھ تک اور شدھی سنگھٹن سے اکھنڈ بھارت تک کے تصور کو ہوا دی۔ برعظیم کے باشندوں خصوصاً مسلمانوں پر انگریز کا استبداد اس پر مستزاد تھا، چنانچہ اس آشوب آمیز فضا میں کامل آزادی اور حریت کے تصورات نے ایک گونج دار نعرے کی شکل اختیار کر لی۔ ملت اسلامیہ کی یہ خوش بختی رہی ہے کہ زوال کے ہر نازک موڑ پر کوئی نہ کوئی ایسی شخصیت ظہور کرتی رہی ہے جس کی فکری رہنمائی یا عملی جدو جہد سے مسلم ملت کو خون تازہ میسر آتا رہا ہے۔ برصغیر کے خاص تناظر میں دیکھا جائے تو حضرت مجدد الف ثانی سے لے کر شاہ ولی اللہ، جمال الدین افغانی، سرسید، محمد علی جوہر، ابو الکلام آزاد، بہادر یار جنگ، اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح تک کتنے ہی ممتاز نام نظر آتے ہیں جنہوں نے اس خطے میں مسلم تشخص کے احیاء اور باز یافت کی خاطر فکری یا عملی جدو جہد میں حصہ لیا، اور اسلامیان برعظیم کی تقدیر کا رخ بدل دیا۔ قائد اعظم اور علامہ اقبال دونوں کی قوت کا سرچشمہ اسلام کا لازوال نظام افکار تھا۔ محمد علی جناح کا ایقان ان لفظوں میں ڈھلا کہ پاکستان تو اسی دن وجود میں آ گیا تھا، جب ہندوستان میں پہلا شخص اسلام کی نعمت سے مشرف ہوا۔ اقبال اور جناح دونوں ہمت، حوصلے اور حرکت وحرارت کا ایک زندہ اور جیتا جاگتا استعارہ تھے۔ دونوں کے حضور ملت اسلامیہ پاکستان کا سر نیاز ہمیشہ خم رہے گا۔

بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں پاکستان کی تحریک ایک دریائے اعظم کی صورت میں ٹھاٹھیں مارتی نظر آتی ہے، مگر اس میں ان تحریکوں کو بہر حال پیش نظر رکھنا چاہیے جنہوں نے متعدد دھاروں کی صورت میں اس کے پاٹ کو وسیع اور اس کی حرکت و روانی کو دو چند کیا۔ اس تحریک میں سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کے لہو کے دھارے بھی شامل ہیں، اور انقلاب کا لہو بھی موجزن ہے نیز اسے تحریک ریشمی رومال، تحریک ہجرت اور تحریک خلافت نے بھی تازہ خون عطا کیا۔ اس بات کو بہر حال نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وقتاً فوقتاً ظہور میں آنے والی تبدیلیوں میں عبد الحلیم شرر، خیری برادران، عبدالقادر بلگرامی، آغا خان، محمد علی جوہر، مرتضیٰ احمد خان مکیش، رحمت علی، ڈاکٹر ظفر الحسن اور افضال حسین قادری کے خیالات کو بڑی حد تک جامع اور منضبط شکل اقبال نے عطا کی، اور اسے خیر العمل میں قائد اعظم نے ڈھالا۔ اقبال نے اس ضمن میں قائد اعظم کو وقتاً فوقتاً جو خطوط لکھے انہیں خود اقبال کے خطبہ الٰہ آباد (1930ء) کا ناگزیر تتمہ بھی خیال کرنا چاہیے اور قائد اعظم کے لیے ایک زبردست تحریک کا باعث بھی۔ پھر اکتوبر 1935ء میں جب جناح انگلستان سے مستقلاً ہندوستان لوٹے تو اس وقت برعظیم کی مسلم سیاست میں ایک بڑا خلا محسوس ہو رہا تھا اور قوم ایک عظیم رہنما کا رستہ دیکھ رہی تھی۔ یہ تھے وہ دگرگوں حالات جب جناح آل انڈیا

مسلم لیگ کے مستقل صدر بنے، اور انہوں نے ہندوستان آ کر مسلمانوں کی قیادت کا ایک دفعہ پھر بیڑا اٹھایا اور پھر چند ہی برسوں میں لیگ کو حد درجہ فعال بنا کر تحریک آزادی کا ایسا صور پھونکا کہ کشمیر سے آسام تک مسلمانوں کا قریہ قریہ آزادی کے نعروں سے گونجنے لگا تا آنکہ 1947ء میں دنیا کے نقشے پر مملکت پاکستان کا ظہور ہوا۔''

ملت کا پاسباں

❶ قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھی، ممتاز سفارت کار اور شاعر میاں بشیر احمد کی مشہور نظم کا یہ عنوان ہے، میاں بشیر احمد نے یہ نظم آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور مارچ 1940ء میں پڑھی۔ نظم یہ ہے:

ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناح
ملت ہے جسم، جاں ہے محمد علی جناح
صد شکر پھر ہے گرم سفر اپنا کارواں
اور میر کارواں ہے محمد علی جناح
بیدار مغز، ناظم اسلامیان ہند
ہے کون؟ بے گماں ہے محمد علی جناح
تصور عزم، جان وفا، روح حریت
ہے کون؟ بے گمان ہے محمد علی جناح
رکھتا ہے دل میں تاب وتواں نو کروڑ کی
کہنے کو ناتواں ہے محمد علی جناح
رگ رگ میں اس کے ولولہ ہے حب قوم کا
پیری میں بھی جواں ہے محمد علی جناح
لگتا ہے ٹھیک جائے نشانہ پر اس کا تیر
ایسی کڑی کماں ہے محمد علی جناح
ملت ہوئی ہے زندہ پھر اس کی پکار سے
تقدیر کی اذاں ہے محمد علی جناح
غیروں کے دل بھی سینے کے اندر دہل گئے
مظلوم کی فغاں ہے محمد علی جناح
اے قوم، اپنے قائداعظم کی قدر کر
اسلام کا نشاں ہے محمد علی جناح
عمر دراز پائے مسلمان کی ہے دعا
ملت کا ترجماں ہے محمد علی جناح

ملت کا پاسباں

❷ سردار عبدالحمید خاں اپنے مضمون ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناح میں رقمطراز ہیں:

''قائداعظم محمد علی جناح دنیا کے ان معدودے چند عظیم انسانوں میں سے تھے، جن کی منفرد اور بلند شخصیت نہ صرف ان کی قوم کے لیے بلکہ پوری دنیا کے لیے روشنی کے اونچے مینار کی حیثیت رکھتی ہے۔

قائداعظم نے مسلمانانِ ہند کو انگریز کے سامراجی بندھنوں سے آزاد کرانے اور ان کے لیے ایک علیحدہ اسلامی سلطنت کے حصول کے لیے جدوجہد کی۔ اس کی کامیابی کا سہرا ان کی سیاسی بصیرت کے علاوہ ان کی بلند مرتبہ شخصیت کے سر بندھتا ہے۔

قائداعظم کی عظیم شخصیت خوداعتمادی، صاف گوئی، صداقت اور خلوص کا ایک خوبصورت مرقع تھی۔ وہ ہر سیاسی لائحہ عمل کے نتائج وعواقب پر پوری خوداعتمادی سے سوچ بچار کے بعد ایک فیصلہ کرتے، اور اس کے بعد دنیا کی کوئی طاقت انہیں اس فیصلے میں ترمیم یا تنسیخ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔

مشہور مصنف بیوری نکلس نے 18 دسمبر 1943ء کو دہلی میں قائداعظم سے ملاقات کی، اور ان کی شخصیت

کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا:

''اس تدبر کو دیکھتے ہوئے جس کا مسٹر جناح سیاسی جنگ میں مظاہرہ کر رہے ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ ان کی شخصیت ایشیاء میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ ایشیاء کا یہ اہم ترین انسان اس وقت ساٹھ برس کے پیٹے میں ہے۔ دراز قد چھریرا بدن، وضع دار، ریشمی پتلون کوٹ زیب تن کیے ہوئے یک چشمی چہرے پر اور ایک سفید سخت کالر گلے میں، وہ ہسپانیہ کے شرفا کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ سیاسی شرب میں کہنہ مشق مدبر، میں نے مسٹر جناح کو ایشیاء کی اہم ترین شخصیت قرار دیا ہے، تاکہ آپ کے ذہن میں ان کا تصور روشن اور قطعی ہو جائے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بغیر صداقت سے کسی طرح بعید نہیں۔ ہندوستان میں شاید چند ہی سالوں میں دنیا کا اہم ترین مسئلہ بن جائے گا، اور مسٹر جناح اس باب میں عدیم النظیر اہمیت کے حامل ہیں، وہ اپنی مرضی کے مطابق جنگ کا رخ جس طرف چاہیں موڑ سکتے ہیں۔ دس کروڑ مسلمان ان کی ابرو کی ذراسی جنبش پر حرکت کے لیے تیار ہیں، یہ مقام کسی اور کو حاصل نہیں۔''

قائداعظم کی خود اعتمادی ہر سیاسی کانفرنس اور بات چیت میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی تھی۔ یہی خود اعتمادی ہر قدم پر انہیں فتح و کامرانی سے ہمکنار کرتی تھی۔ قائداعظم کی خود اعتمادی کے بارے میں مسٹر جانسن اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

''وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مسلم لیگ کانگریس کے سمجھوتے کے لیے ایک فارمولا تیار کیا۔ پنڈت نہرو اور سردار پٹیل اس کے حامی تھے، مگر اپنی تمام تر کوشش کے باوجود ماؤنٹ بیٹن اس بات میں ناکام رہے کہ مسٹر جناح اس دستاویز پر دستخط کر دیں، یا کم از کم ایک خط کے ذریعے ہی اس فارمولے کی منظوری کی رسید دے دیں۔ آخر ماؤنٹ بیٹن نے بڑی چالاکی سے کام لے کر مسٹر جناح کو یہ دھمکی دے کر آزمانا چاہا کہ اگر سمجھوتہ ناکام رہا تو وہ ہندوستان کو درجہ نو آبادیات دے کر موجودہ عبوری حکومت کو اختیارات منتقل کر دیں گے، مگر مسٹر جناح نے اپنی پوری خود اعتمادی اور سکون سے جواب دیا:

''آپ کی مرضی! میں آپ کو روک تھوڑا ہی سکتا ہوں۔''

اس جواب نے ماؤنٹ بیٹن کو یہ محسوس کرنے پر مجبور کر دیا کہ قائداعظم کا رویہ یقینی طور پر انتہائی مدبرانہ تھا، اور یہ کہ وہ بڑے طاقتور اعصاب، انتہائی مستقل مزاجی، سیاسی تدبر اور بے مثل جرأت کے مالک ہیں۔

قائداعظم عام سیاسی لیڈروں کے مقابلے میں انتہائی صاف گو واقع ہوئے تھے۔ وہ ہر معاملے کو پوری دیانتداری سے پرکھتے، اور اس کے بعد اپنے فیصلے کا اظہار وقتی مصلحتوں سے بالاتر ہو کر پوری جرأت اور صاف گوئی سے کرتے۔ وہ اپنے دل کی آواز کو کسی لمحہ بھی نہیں دباتے تھے۔ سیاسی کانفرنسوں اور مجلسوں میں بعض دفعہ ان کی صاف گوئی قدرے تلخی بھی پیدا کر دیتی تھی، لیکن وہ اپنے اس واضح موقف سے کسی طور بھی پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ ان کی صاف گوئی کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمایئے:

''1946ء میں لندن کانفرنس سے واپسی پر قائداعظم قاہرہ میں عرب لیگ کے مہمان کی حیثیت سے قیام فرماتے ہوئے اور اخلاقی فرض کے تحت وہ شاہ فاروق کے محل میں جا کر ملاقاتیوں کے رجسٹر میں دستخط کر آئے۔ شاہ فاروق خود قائداعظم سے ملاقات

کے خواہاں تھے، مگر ملاقات کے آداب کچھ اس قسم کے تھے، جنہیں قائداعظم پسند نہ فرماتے تھے۔ بڑے غور وفکر کے بعد اہلِ دربار نے یہ حل تلاش کیا کہ قائداعظم جب جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں تشریف لے جائیں تو وہ شاہ فاروق کے قریب جا کر بیٹھ جائیں اور پھر نماز ختم ہو جانے پر آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کریں۔ اس صورت میں یہ ممکن ہو جائے گا کہ انہیں شاہ کے ساتھ ہی محل میں پہنچا دیا جائے، مگر قائداعظم نے یہ صورت بھی منظور نہ کی اور صاف طور پر یہ کہہ دیا:

''اگر شاہ فاروق مجھ سے نہیں مل سکتے تو نہ سہی۔''

قائداعظم محمد علی جناح کا خلوص ایک ایسا گوہر آبدار تھا، جس نے پوری قوم کے دلوں کو روشنی سے بھر دیا، وہ اپنی قوم کے ہر فرد کے مسائل کو سمجھتے تھے، اور ان کے دل میں مسلمانوں کی تمام سیاسی، سماجی اور مجلسی مشکلات کا احساس موجود تھا۔ وہ ہر سیاسی اور غیر سیاسی مسئلے کو اپنے خلوص کے آئینہ میں ڈھال کر اس کا حل دریافت کرتے اور قوم کے سامنے پیش کر دیتے۔ ان کے اس خلوص کار کے باعث ہی قوم کا ہر فرد ان کے ہر فیصلے اور حکم پر سرِ تسلیم خم کر دیتا تھا۔ ان کی پوری سیاسی زندگی میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا، جب قوم کے کسی فرد نے ان کی نیک نیتی اور خلوص پر شبہ کیا ہو۔ قائداعظم کا ہر فعل اور قول چونکہ نیت کا آئینہ دار ہوتا تھا۔ اس لیے وہ پوری قوم سے بجا طور پر توقع رکھتے تھے کہ وہ ان کے سیاسی پروگراموں کی تفصیل جانے بغیر ان کی پیروی کرے، اور حق تو یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند نے جس طریق سے اپنے قائد کی آواز پر لبیک کہا، اس کی مثال دنیا کی دوسری قوموں کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔

قائداعظم اپنے خلوص اور نیک نیتی کے عوض اپنی قوم سے جو توقعات رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے:

''دہلی میں مرکزی اسمبلی کے جلسے ہو رہے تھے، سر محمد یعقوب مرحوم نے جو اسمبلی کے نائب صدر تھے۔ قائداعظم کے اعزاز میں چند دوستوں کو دوپہر کے کھانے پر بلایا۔ وہاں اثنائے گفتگو میں قائداعظم نے قدرے دکھے ہوئے لہجے میں سر عبدالقادر مرحوم سے کہا:

''سیاست کی چالیں شطرنج کی چالوں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ میری قوم نے ایک طرف تو یہ میرے سپرد کیا ہے کہ میں ان کی جانب سے بطور ایک سیاسی شاطر کے بساطِ شطرنج بچھا دوں، اور دوسری طرف میری قوم یہ اصرار بھی کرتی ہے کہ میں ساتھ ساتھ بتاتا بھی جاؤں کہ فلاں چال کیوں چل رہا ہوں، تم ہی بتاؤ یہ کھیل اس طرح کھیلا جا سکتا ہے؟''

اور پھر تمام حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''قوم سے کہہ دیجئے کہ اگر انہیں اپنے شاطر پر بھروسہ ہے تو اسے چال چلنے دے اور اس سے ہر چال کا سبب نہ پوچھے ورنہ کوئی اور شاطر ڈھونڈ لے۔''

حصولِ پاکستان کی جدوجہد کی تاریخ کا ہر لفظ اس بات کا شاہد ہے کہ قوم نے زیرک قائد پر مکمل اعتماد اور بھروسہ کیا، اور اس قائد نے بساطِ سیاست پر بڑے بڑے کہنہ مشق اور گھاگ سیاستدانوں کو عبرت ناک شکستیں دیں۔

قائداعظم کی زندگی کے دوران جن لوگوں کو ان سے ملنے یا ان کے زیر سایہ کام کرنے کا موقع ملا، وہ تمام

مولانا عبیداللہ سندھی

ولادت 1872

معروف عالم دین اور مجاہد آزادی تھے۔ ریشمی رومال تحریک کی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ اگرچہ کانگرس سے دلچسپی رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کے سیاسی تشخص سے بے خبر نہیں تھے۔ انہوں نے مسلم قومیت کے تصور کے حوالے سے گاندھی کے نظریات سے اختلاف کیا۔ اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے ثقافتی بنیادوں پر ہندوستان کی تقسیم کی تجویز پیش کی تھی۔ آپ ہمیشہ ننگے سر رہتے تھے۔ کسی کے پوچھنے پر دکھ اور حسرت کے لہجے میں فرمایا ''میری ٹوپی اس دن سے اتر گئی تھی جس دن لال قلعہ ہم سے چھن گیا تھا''۔

اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی شخصیت اتنی پرکشش، سحر انگیز اور جاذب تھی کہ ان کے سامنے جا کر بڑے سے بڑا سیاستدان اور مدبر بھی اپنے آپ کو پگھلتا ہوا محسوس کرتا تھا۔

پاکستان میں برما کے سابق سفیر مسٹر او، بے لکھن نے قائداعظم سے ملاقات کی، روداد لکھتے ہوئے یہ اعتراف کیا ہے:

''قائداعظم سے میری ملاقات اس وقت ہوئی، جب میں اپنی سفارت کی اسناد پیش کرنے کی رسم میں شریک ہوا۔ پاکستان میں یہ پہلی رسم تھی اور ہر شخص میں ایک اضطراری کیفیت پائی جاتی ہے، میں خود بہت گھبرایا ہوا تھا۔ مجھے اس موقع پر کسی نے مشورہ دیا کہ میں اپنی تقریر پہلے سے لکھ کر یاد کرلوں۔ میں اس پر راضی نہ تھا، لیکن آخر کار ایسا کرنا ہی پڑا۔ میں جس وقت قائداعظم کے سامنے پہنچا تو تقریر کا مسودہ میرے ہاتھ میں تھا، میں نے ان کے چہرے کی طرف دیکھ کر تقریر شروع کر دی، ماحول کے اثر نے مجھے بوکھلا دیا، اور میں نے محسوس کیا کہ میری آواز کپکپا رہی ہے، مجھے یہ ڈر تو نہیں تھا کہ تقریر بھول جاؤں گا کیونکہ جو کچھ کہنا تھا مجھے خوب معلوم تھا، اور اٹکنے کی صورت میں تقریر کا مسودہ بھی دیکھ سکتا ہوں، لیکن معلوم نہیں کیا سبب تھا کہ میں لرز رہا تھا۔ کیا قائداعظم کی نگاہوں کا شعلہ مجھے مسحور کر رہا تھا؟ کیا وہ ان کی گہری توجہ تھی جس سے وہ میرے الفاظ سن رہے تھے۔ بہر کیف بات کچھ بھی ہو، میں کانپ رہا تھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کا ایک اور نمایاں پہلو یہ تھا کہ وہ دوسرے سیاسی لیڈروں کی طرح سستی شہرت اور نعرے بازی سے سخت نفرت کرتے تھے۔ جب بھی وہ کسی جگہ تشریف لے جاتے تو ان کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان کی آمد کا پروگرام کم سے کم لوگوں کو معلوم ہو۔ اس سے مطلب یہ نہیں لینا چاہئے کہ انہیں اپنی قوم کے افراد سے محبت نہیں تھی، یا وہ قوم کے دلی جذبات کا احترام نہیں کرتے تھے۔ وہ دراصل ظاہری نمائش، نعروں اور جلسوں کو محض تصنیع اوقات سمجھتے تھے۔ ان کی دلی خواہش یہ تھی کہ قوم کا ہر فرد اپنے فرض کی انجام دہی کو اپنا اولین فرض سمجھے اور نعرہ بازی کی بجائے ہر لمحہ ملک اور قوم کی تعمیر کے لیے جدوجہد میں صرف کرے۔ وہ زندگی بھر خود بھی اس اصول کے سختی سے پابند رہے۔ یہاں تک کہ وہ طویل سفر کے دوران میں بھی اپنی ضروری فائلوں اور کاغذات کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

ہندوستان کے تمام لیڈروں کو ایک کانفرنس کے سلسلے میں لندن بلایا گیا، تو اس خاص ہوائی جہاز میں قائداعظم کے علاوہ پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار بلدیو سنگھ بھی سفر کر رہے تھے۔ قائداعظم تمام سفر کے دوران اپنے ساتھیوں کی موجودگی کا احساس کیے بغیر ضروری دستاویزات اور کاغذات کے مطالعہ میں منہمک رہے۔ قائداعظم کو اپنے فرض کا احساس اس قدر شدید ہوتا تھا کہ معمولی بیماری اور طبیعت کی ناسازی ان کے روزمرہ کام میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتی تھی۔ زندگی کے آخری ایام میں جب وہ مسلسل کام کی وجہ سے خاصے کمزور ہو گئے تھے۔ انہوں نے ڈاکٹروں کے اصرار کے باوجود اپنا کام جاری رکھا۔ عالی حوصلگی، بلند ہمتی اور قوم کی فلاح سے گہری لگن کی ایسی مثالیں بہت ہی کم دیکھنے میں آتی ہیں کہ ایک شخص اپنی زندگی کو خطرے میں محسوس کرنے کے

باوجود ملک اور قوم کی ترقی اور بقا کے لیے مسلسل کام کرتا رہے۔ آخری ایام میں انہوں نے اپنے معالجوں کے سامنے جن خیالات کا اظہار کیا، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ قائداعظم کی شخصیت، صداقت، خلوص، ایمانداری، بے باکی اور مسلسل جدوجہد کا ایک ایسا روشن منبع تھی، جس سے اٹھتی ہوئی روشنی رہتی دنیا تک تاریخ کے اوراق کو جگمگاتی رہے گی اور جو دائم قوم کے لیے ہدایت کے چراغ روشن رکھے گی۔
قائداعظم نے فرمایا:
''چند سال قبل یہ یقیناً میری آرزو تھی کہ میں زندہ رہوں، میں اس لیے زندگی کا طالب نہیں تھا کہ مجھے اس دلچسپیوں بھری دنیا میں رہنے کی تمنا تھی۔ میں صرف اس لیے زندہ رہنا چاہتا تھا کہ قوم نے جو کام میرے سپرد کیا ہے، اور قدرت نے جس کی تکمیل کے لیے مجھے مقرر کیا ہے۔ میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ وہ کام اب پورا ہو چکا ہے۔ پاکستان بن چکا ہے۔ خدا کے فضل سے اس کی بنیادیں مضبوط ہیں۔ اب چند ماہ سے میرے دل میں اس قسم کے خیالات آرہے ہیں کہ میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکا ہوں، قوم کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ اسے مل گئی ہے۔ اب یہ قوم کا کام ہے کہ اس کی تعمیر کرے۔ اسے پروان چڑھائے اور اسے ناقابلِ تسخیر بنا دے۔ آٹھ سال تک مجھے قوم کے اعتماد اور تعاون پر دو عیار اور مضبوط دشمنوں سے لڑنا پڑا ہے۔ میں نے خدا کے بھروسے پر انتھک کوشش اور محنت کی ہے، اور اپنے جسم کے خون کا آخری قطرہ تک حصولِ پاکستان کے لیے صرف کر دیا ہے۔ میں تھک گیا ہوں آرام چاہتا ہوں، اب مجھے زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

(روزنامہ دنیا، اشاعت 11 ستمبر 1913ء)

ملت واحدہ

ملی وحدت پر قائداعظم محمد علی جناح یقین رکھتے تھے اس ضمن میں انہوں نے متعدد مقامات پر اس کی نشاندہی کی خصوصاً 17 اپریل 1948ء کو پشاور میں قبائلی سرداروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

1. ''ہم مسلمان ایک خدا، ایک رسول ﷺ اور ایک کتاب پر یقین رکھتے ہیں۔ پس یہ لازم ہے کہ ہم ملت کے طور پر بھی ایک ہوں۔''

ایک اور موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

2. ''مسلمان کا خدا ایک ہے، مسلمانوں کی کتاب ایک ہے، مسلمانوں کا پیغمبر ﷺ ایک ہے، ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ مسلمان بھی ایک ہو جائیں، ہمارا مقصد اور نصب العین یہ ہے کہ جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں، وہاں مسلمانوں کی حکومت ہو، مسلمانوں کا کوئی بھی دوست نہیں نہ انگریز نہ ہندو، یہ بھی بنیا وہ بھی بنیا۔ اسلام ہمیں ڈرنا نہیں سکھاتا۔ ہم ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور انشاء اللہ کامیاب ہوں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی زندگی کے بہترین سال اسلامیان ہند کے اتفاق و اتحاد میں کوشاں رہ کر گزارے۔ انہوں نے انہیں متحد و متفق کر کے مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع کر دیا، یہ مسلمانوں کی سب سے بڑی خوش قسمتی تھی، اور قائداعظم محمد علی جناح کی سب سے بڑی کامیابی! جب کسی قوم میں اتفاق، اتحاد ہو جائے تو اس کی کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی مخلصانہ اور انتھک کوششوں سے مسلمانوں کے ہر فرقہ کو ایک پلیٹ فارم پر اس طرح مجتمع کر دیا کہ وہ واقعی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔

قائداعظم محمد علی جناح کو اپنی کامیابی کا قوی احساس تھا اور خوشی بھی، انہوں نے 12 اگست 1945ء کو اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

❸ ''مسلمانوں کے مطالبات اس قدر واضح اور عام فہم ہیں کہ ان کو ایک طفل مکتب بھی سمجھ سکتا ہے۔ اس اجتماع میں سنی، شیعہ، مومن، بوہرے اور خوجے سبھی موجود ہیں، اور یہ اس حقیقت کی ایک ناقابل تردید دلیل ہے کہ یہ سب بحیثیت مسلمان یہاں جمع ہوئے ہیں۔ ایک اسلامی اجتماع ہے۔ ملت اسلامیہ ہند کا ایک جزو اتحاد بین المسلمین کے اس بصیرت افروز مظاہرے سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔''

21 نومبر 1945ء کو سرحد کے شاہین زادوں سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

❹ ''مسلمان ایک خدا، ایک کتاب اور ایک رسول ﷺ میں یقین رکھتے ہیں، مسلم لیگ کی کوشش ہے کہ ان کو ایک پلیٹ فارم پر ایک پرچم تلے جمع کیا جائے۔ یہ پرچم پاکستان کا پرچم ہے۔''

اس طرح مسلمانانِ پشاور کے ایک عظیم اجتماع میں 26 نومبر 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

❺ ''مسلمان کا خدا ایک ہے، مسلمان کی کتاب قرآن ایک ہے۔ مسلمان کا پیغمبر (ﷺ) ایک ہے۔ (نعرہ ہائے اللہ اکبر) مسلم لیگ نے یہ کوشش کی ہے کہ مسلمان بھی ایک ہوجائیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

❻ ''ہمارا مقصد اور نصب العین یہ ہے کہ جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو۔ یہ بات اب اتنی عام ہوچکی ہے کہ محتاجِ وضاحت نہیں رہی۔ یہ حقیقت تمہیں ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ مسلمانوں کا کوئی دوست نہیں ہے، نہ انگریز، نہ ہندو، اب ہمیں انگریزوں کی متحدہ طاقت سے لڑنا ہے۔ یہ بھی بنیا ہے، وہ بھی بنیا۔ اسلام ہمیں غیراللہ سے ڈرنا نہیں سکھاتا، ہم ڈٹ کر مقابلہ کریں گے، اور انشاء اللہ کامیاب ہوں گے۔

مسلمانو! میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں تم کو اچھوت بن کر رہنا ہوگا، اور ہندوستان میں اسلام کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ میں تم سے بھی یہی اپیل کرتا ہوں کہ مسلم لیگ نے اگر ہندو کو بھی ووٹ دیے تو اپنا ووٹ اس کو دینا کیونکہ وہ ووٹ مسلم لیگ کا نام لکھا جائے گا۔ آپ اس کو اچھی طرح سمجھیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ سب سے خراب مسلمان میں ہوں، میرا گناہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے اور ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

❼ ''ہم مسلمان کیا چاہتے ہیں؟ ہم چاہتے ہیں کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہاں پر آزاد اور خودمختار ہوں، اور صحیح حکومت قائم ہو۔ ہم غیر مسلمان سے انصاف کریں گے، بلکہ ہم ان سے دریا دلی سے پیش آئیں گے۔ تاریخ پڑھیے، ہماری ساڑھے تیرہ سو سال کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہم ہمیشہ غیرمسلمانوں سے کیا سلوک کرتے آئے ہیں۔ ہمارے صوبوں میں جو غیرمسلمان رہیں گے۔ وہ بے حد خوش رہیں گے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہندو بھی آزاد ہوں، اور مسلمان بھی آزاد ہوجائیں۔ میں یہ کبھی نہیں کروں گا کہ لوگوں کو خوامخواہ مرواؤں اور پھر انکار کروں، اور موقع آنے پر فائدہ حاصل کروں۔ یہ ڈھونگ ہے، چال ہے، سیاست نہیں، مسلمان عظیم الشان قوم ہے،

اوراس کا تجربہ کار جرنیل ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ جب آگے بڑھیں تو شکست نہ ہو، اور شکست ہوتو عزت مندانہ ہو۔ ہم بے عزتی نہیں کروائیں گے، قوم کو ذلیل نہیں کرنا چاہتے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خطاب میں فرمایا:

''تم میں اب جان اور تڑپ ہے۔ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں، رسول ﷺ کا واسطہ دیتا ہوں کہ دس کروڑ مسلمانوں کی عزت کا خیال کرو، جو راستہ میں نے تمہیں بتایا ہے، سچا راستہ وہی ہے۔ خدا کے لیے صوبہ اور مسلم لیگ میں قوت پیدا کرو۔ پاکستان قریب ہے، خدا تمہاری مدد کرے گا۔''

ملت (کراچی)

یہ کراچی سے شائع ہونے والا روزنامہ ہے۔اس جریدہ کو قائداعظم محمد علی جناح کے حکم پر فخر ماتری نے 1948ء میں جاری کیا۔اس اخبار نے صحافت کو نیا اسلوب بخشا اور یہ اخبار اتحاد عالم اسلامی کے لیے کوشاں رہا ہے۔اس کی چالیسویں سالگرہ 23 فروری 1988ء میں منائی گئی۔

ملتان

13 اکتوبر 1938ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے نواب ممدوٹ کی وساطت سے ملتان کے شہری حلقے کے مسلمانوں کو بذریعہ تار یہ پیغام بھیجا ہے:

''میں ملتان کے شہری حلقہ انتخاب کے مسلمان ووٹروں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ مسلم لیگ کے امید وار شیخ محمد امین صاحب کو ووٹ دے کر لیگ کے وقار کا علم بلند رکھیں، جو ہندوستان بھر میں تنہا مسلمانوں کے حقوق کے لیے مصروف جہاد ہے۔ گمراہ احراری اپنی سرگرمیوں سے نہ صرف مسلمانوں کے بہترین مفاد کو خطرے میں ڈال رہے ہیں بلکہ ملک کے لیے بھی ان کا وجود مضرت رساں ہے۔ان کو شکست فاش دو۔''

(گفتار قائداعظم از پروفیسر احمد سعید)

ملکی دفاع

قائداعظم محمد علی جناح کو پاکستان کے قیام سے قبل اور اس کے بعد بھی ملکی دفاع سے بڑی دلچسپی رہی اس بات کا اندازہ اسمبلی میں ان کی تقریروں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 6 مارچ 1924ء کو اسمبلی میں عام بحث کے دوران اس بات پر سخت احتجاج کیا:

''ملکی دفاع میں مقامی لوگوں میں افسروں کو شریک نہیں کیا جارہا۔''

چنانچہ ان کے اس مطالبہ پر افسروں کی تربیت کے لیے ڈیرہ دون اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس عسکری درسگاہ کے نظم ونسق کے سلسلے میں جو کمیٹی قائم کی گئی تھی اس کا سربراہ بھی قائداعظم محمد علی جناح کو بنایا گیا تھا۔

18 فروری 1925ء کو اسمبلی ہی میں قائداعظم محمد علی جناح نے پھر مطالبہ کیا:

''ہندوستان میں رہنے والوں کو فوجی تربیت دی جائے۔''

جنوری 1931ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے اسمبلی میں پھر تین بار اسی موضوع پر تقریر کی۔

11 اکتوبر 1948ء کو قیام پاکستان کے بعد مسلح افواج سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''مجھے اچھی طرح احساس ہے کہ آپ میں سے اکثر کو جنگ کے زمانے میں شدید اعصابی دباؤ کی کیفیت سے سابقہ رہا ہے، اور اب آپ کو کچھ سکون چاہیے لیکن مت بھولیے کہ ہماری جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی

بلکہ ہمارے لیے جنگ تو اب شروع ہوئی ہے، اور اگر ہمیں اس میں فتح یاب ہونا ہے تو سخت محنت سے کام کرنا ہوگا۔ یہ وقت ذاتی فائدوں، ترقیوں کی فکر اور جاہ ومنصب کی دوڑ کا نہیں۔ یہ وقت تعمیری جدوجہد کا بے لوث کام کا ادائے فرض کی مسلسل لگن کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک زبردست موقع عطا کیا ہے کہ ہم ایک نئی مملکت کے معماروں کی حیثیت سے اپنے جوہر دکھائیں دیکھیے! دنیا کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم اس عظیم کام کے اہل ثابت نہیں ہوئے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 21 فروری 1938ء کو ملیر چھاؤنی میں انٹی ایئر کرافٹ رجمنٹوں کے اجتماع سے خطاب کے دوران فرمایا:

''اب آپ کو اپنی سرزمین کا محافظ بننا ہے تاکہ یہاں اسلامی جمہوریت، اسلامی سماجی انصاف اور انسانی مساوات قائم ہو، اور نشو ونما پاسکے اس لیے آپ کو چوکس رہنا ہے۔''

ملیر

یہ کراچی شہر کا ایک حصہ ہے یہاں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے نواب آف بہاولپور کی رہائش گاہ پر اگست 1945ء کے تیسرے ہفتے میں قیام فرمایا تھا۔

ممتاز احمد خاں

آپ ممتاز صحافی تھے، پاکستان چین دوستی کی انجمن کے صدر، تحریک پاکستان کے ممتاز کارکن اور قائداعظم محمد علی جناح کے جانثار سپاہی، قیام پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے جب ملک گیر دورہ کیا تو ممتاز احمد خاں بھی قائداعظم محمد علی جناح کے ہمراہ رہے۔ 1944ء میں رائٹر ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا سے وابستہ ہوئے، تاکہ تحریک آزادی کے سلسلے میں مسلم لیگ، قائداعظم محمد علی جناح اور دیگر سرکردہ رہنماؤں کی کارگزاریوں کی اشاعت اور مسلمانوں کے مفادات کا بھی تحفظ کیا جاسکے۔ اگرچہ اس ادارے کی باگ ڈور غیر مسلموں کے ہاتھ میں تھی، تاہم ممتاز احمد خاں نے بغیر کسی خوف کے اپنے صحافتی فرائض انجام دیے انہیں کشمیر فرنٹ کی رپورٹنگ کے لیے خصوصی طور پر بھیجا گیا تاکہ کشمیر پر بھارت کے حملے سے پیدا شدہ صورت حال سے بیرونی دنیا کو آگاہ کیا جاسکے۔ 1988ء کو حکومت پنجاب نے ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے تحریک پاکستان گولڈ میڈل دیا۔

ممدوٹ ولا

یہ لاہور میں نواب افتخار حسین ممدوٹ کی رہائش گاہ تھی جہاں قائداعظم محمد علی جناح اپنے دورہ لاہور میں آکر رہائش پذیر ہوا کرتے تھے۔

مملکتِ خداداد پاکستان

محترم ڈاکٹر محمد مرتضیٰ صدیقی، سابق پروفیسر علوم اسلامیہ، جامعہ ملک سعود، ریاض، سعودی عرب اپنے جد امجد مولانا نصر اللہ شاہ صدیقی سابق انسپکٹر آف سکولز، علی گڑھ (جو علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرتے رہے) سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں ان کے جدِ امجد نے بتایا: (اور مولانا نصر اللہ شاہ صدیقی کو علامہ بشیر احمد عثمانی نے بتایا:)

''جن دنوں وہ (علامہ شبیر احمد عثمانی) حیدر آباد دکن میں حدیث نبوی ﷺ پر کام کر رہے تھے تو متعدد بار قائداعظم نے ان سے پیغامات اور خط و کتابت کے ذریعے ملنے کی کوشش کی، لیکن علامہ شبیر احمد عثمانی قائداعظم کو مغربی تعلیم یافتہ تصور کرتے ہوئے نظر

انداز کرتے رہے، اور نہ پیغام اور خطوط کا جواب بھیجا، اور نہ ہی ان کی ملاقات کی خواہش کا کوئی خاطر خواہ جواب دیا۔

اس صورت حال کے پیش نظر قائداعظم نے اللہ رب العزت کی بارگاہ اور رسول اللہ ﷺ کے حضور علامہ صاحب کی اس بے رخی کو سامنے رکھ کر گڑگڑا کر دعا کی ہوگی۔ چنانچہ ان کی یہ ''دعا'' مستجاب ہوئی، کس قدر خوش قسمت ہیں ہمارے قائداعظم کہ ایک رات آقائے نامدار، تاجدار دو عالم ﷺ سے ''شرفِ ملاقات'' کرتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ قائد کو تسلی و تشفی دیتے ہیں، اور بالکل اس امت رسول اللہ ﷺ علامہ شبیر احمد عثانی کو (جو حیدر آباد دکن میں مقیم تھے) خواب میں شرف ملاقات بخشتے ہیں اور حکم دیتے ہیں:

''ہمارا ایک امتی آپ سے ملنا اور راہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہے، آپ بمبئی جائیں اور اس سے ملاقات کریں اور ان کی رہنمائی کریں۔''

''رسول اللہ ﷺ کا حکم ہو اور انسان پس وپیش کرے، ایک مومن اور مسلمان تو کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا، اور پھر علامہ شبیر احمد عثانی اور قائداعظم جیسے ''عاشقانِ رسول ﷺ'' تو سمجھتے تھے کہ انہیں دونوں جہاں کی دولت مل گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ''دیدار'' اور نبی آخر الزماں ﷺ کی ''شہادت'' انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا، ان کی خوش قسمتی کا کوئی حساب نہیں تھا۔

شاداں و فرحاں مولانا شبیر احمد عثانی سب کچھ چھوڑ کر اپنی پہلی فرصت میں بمبئی پہنچے، اور جب قائداعظم کے در دولت پر پہنچے اور ملازم کو اپنے آنے اور ملاقات کی خبر دی تو قائداعظم ان کے اپنے ''لان'' میں منتظر تھے۔ علامہ شبیر احمد عثانی اندر تشریف لائے تو قائداعظم کو ''سراپا انتظار'' دیکھا، اور پھر دونوں عاشقانِ رسول کے درمیان ذیل کا مکالمہ ہوا:

قائداعظم: ''حضور والا! میں جب مسلسل آپ کو پیغامات اور خطوط ارسال کرتا رہا، اور آپ سے ملاقات اور رہنمائی کا متمنی رہا تو آپ نے توجہ نہیں فرمائی لیکن جب ''ان'' (حضور ﷺ) کا حکم ہوا ہے تو تشریف لائے ہیں۔''

علامہ شبیر احمد عثانی: ''کیا آپ کو بھی حضور سرور دو عالم ﷺ کی ''بشارت'' ہوئی ہے؟''

قائداعظم: ''میں آپ (ﷺ) کے ''ارشاد'' کے مطابق ہی تو آپ سے ملاقات کے لیے کوشش کرتا رہا ہوں۔''

علامہ شبیر احمد عثانی: ''کیا یہ سچ ہے؟''

قائداعظم: ''یہ حقیقت ہے۔''

اس مکالمہ کے بعد دونوں ''عاشقانِ رسول'' نے باقاعدہ ملاقات کی، مختلف امور زیر بحث آئے، لیکن سب سے اہم مسئلہ ''سفید بنیا'' اور ''سیاہ بنیا'' (یعنی انگریز اور ہندو جنہیں قائداعظم ان ناموں سے پکارتے تھے) آزادی حاصل کرنا اور مملکت خداداد پاکستان کا قیام تھا۔ چنانچہ تفصیلی ملاقات اور تبادلہ خیالات کے بعد علامہ شبیر احمد عثانی نے قائداعظم کو ہر ممکن تعاون اور راہنمائی کا یقین دلایا۔ اس کے بعد آزادی کے حصول کے لیے یہ ''کارواں'' قدم بقدم منزل کی طرف بڑھتا گیا، اور بالآخر مملکت خداداد پاکستان عالم وجود میں آ گئی۔''

اگر ہم قائداعظم کی اس تقریر کو اس تاریخ ساز واقعہ کے ساتھ منسلک کریں، اور سیاق وسباق کی روشنی میں مندرجہ ذیل الفاظ پر غور کریں:

''یہ مشیئت ایزدی ہے۔ یہ محمد مصطفی ﷺ کا روحانی

فیضان ہے۔''
تو معاملہ بالکل صاف اور واضح ہو جاتا ہے۔ وہ تقریر حسب ذیل ہے:

''اور جب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میری قوم آج آزاد ہے تو میرا سر عجز و نیاز کے جذبات کی فراوانی سے بارگاہ رب العزت میں شکر بجا لانے کے لیے فرطِ انبساط سے جھک جاتا ہے یہ مشیت ایزدی ہے، یہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا روحانی فیضان ہے کہ جس قوم کو برطانوی سامراج اور ہندو سرمایہ دار نے قرطاسِ ہند سے حرف غلط کی طرح مٹانے کی سازش کر رکھی تھی، آج وہ قوم آزاد و خودمختار ہے۔ اس کا اپنا ایک ملک ہے۔ اپنا جھنڈا ہے۔ اپنی حکومت اور اپنا سکہ ہے اور اپنا آئین و دستور ہے، کیا کسی قوم پر اس سے بڑھ کر خدا کا کوئی اور انعام ہوسکتا ہے؟ یہی وہ خلافت ہے جس کا وعدہ خدا نے رسول اکرم ﷺ سے کیا تھا کہ اگر تیری امت نے صراطِ مستقیم کو اپنے لیے منتخب کرلیا تو ہم اسے زمین کی بادشاہت دیں گے، خدا کے اس عظیم انعام کی حفاظت اب مسلمانوں کا فرض ہے پاکستان خداوندی تحفہ ہے؟ اور اس تحفہ کی حفاظت ہر پاکستانی مرد اور عورت، بچے اور بوڑھے اور جوان پر فرض ہے۔ اگر مسلمان نیک نیتی، دیانت داری، خلوص، نظم وضبط اور اچھے اعمال سے دن رات کام کرتے رہے، اور ان میں بدی، نفاق، جاہ طلبی اور ذاتی مفاد کا جذبہ پیدا نہ ہوا تو انشاء اللہ وہ چند سالوں میں ہی دنیا کی بڑی قوموں میں شمار ہونے لگیں گے۔ ان کا ملک امن و آشتی، تہذیب و تمدن، ثقافت و شرافت کا مرکز ہوگا، اور اس کی حدود سے ترقی کی شعاعیں پھیل کر سارے ایشیاء کی رہنمائی اور رہبری کریں گی۔''

(اسلام اور قائداعظم، محمد حنیف شاہد، صفحہ 73,72۔ رحمۃ للعالمین ﷺ قائداعظم کی نظر میں، محمد حنیف شاہد، صفحہ 186 تا 189)

منافقت

قائداعظم محمد علی جناح کے خلوص اور اصول پرستی کی مثال مشکل سے ہی ملے گی، جو دیانت اور روحانی بلندی وہ اپنے ساتھ لائے تھے، صدیوں میں بھی پیدا نہیں ہوتی۔

تقسیم ہند سے پہلے جب مختلف فرقوں اور گروہوں کی شرپسندی اور فساد آمادگی کی خبریں آنے لگیں تو کچھ لوگوں نے جا کر قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں عرض کیا:

''مسلمانوں کو بھی ان کے مخالفین کی طرح گولہ وبارود اور ہتھیاروں سے مسلح رہنا چاہیے، اور اس سلسلے میں قائداعظم کو اقدام کرنا چاہیے۔''

قائداعظم محمد علی جناح یہ سن کر برہم ہوئے اور کہنے لگے:

''تم لوگ مجھے منافق سمجھتے ہو کہ ایک طرف صلح کی اپیل پر دستخط کروں، اور دوسری طرف تمہارے لیے ہتھیاروں کا بندوبست کروں، میں ہرگز ہرگز کسی ایسی تحریک کی حمایت نہیں کرسکتا، خواہ وہ مسلمانوں کی طرف سے ہو خواہ غیر مسلموں کی طرف سے۔''

منافقت (سے نفرت)

قائداعظم محمد علی جناح کو منافقت بالکل پسند نہ تھی، اور آپ اس سے سخت نفرت کرتے تھے۔ جب قائداعظم محمد علی جناح ناگپور تشریف لائے تو آپ کو ریلوے اسٹیشن سے ایک شاندار جلوس کی صورت میں لایا گیا، آپ ایک کھلے رکشے میں سوار تھے، اور آپ انگریزی لباس میں ملبوس تھے، اور آپ کا سفید ہیٹ آپ کے گھٹنوں پر دھرا تھا۔ اس وقت انگریز دشمنی کی

سے ہیٹ کو بڑی نفرت سے دیکھا جاتا تھا بعض احباب کے دل میں یہ خیال ابھرا کہ لوئر بازار کے مسلمان اپنے عظیم قائد کو پہلی بار دیکھیں گے تو ان پر کچھ اچھا اثر نہیں ہوگا، لیکن اس سلسلے میں کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ بعض دوستوں نے کہا:

''اب کچھ نہیں ہوسکتا، قائداعظم سے اتنا کہا جائے کہ وہ کم ازکم اپنے ہیٹ کو پیچھے کرلیں، تاکہ نمایاں طور پر دکھائی نہ دے۔''

چنانچہ جب یہ بات قائداعظم محمد علی جناح سے کہی تو قائداعظم محمد علی جناح برافروختہ ہوئے اور سرگوشیانہ انداز میں جواب دیا:

''کیا تم مجھے گاندھی بنا دینا چاہتے ہو، ویسے ممکن تھا کہ میں اس ٹوپی کو پیچھے رکھ دیتا لیکن اب ایسا کرنا منافقت ہوگی، جس کی کم ازکم مجھ سے توقع نہ رکھو۔''

یہ کہہ کر آپ نے ہیٹ اٹھا کر سر پر پہن لیا، اور یوں ہی جلوس کے راستے سے گزرے، قائداعظم محمد علی جناح کی جگہ اگر کوئی اور لیڈر ہوتا تو وہ مان جاتا، چونکہ قائداعظم محمد علی جناح کا ظاہر و باطن ایک تھا، اس لیے انہیں اس قسم کی باتوں سے شدید نفرت تھی۔

منّت

(دیکھیے: لنکنز ان میں داخلہ)

منتخب مسلم لیگی ارکان کا حلف نامہ

1946ء میں ہندوستان کی مجلس قانون ساز کے انتخابات میں عظیم الشان کامیابی کے بعد دہلی میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے منتخب ہونے والے تمام مسلم لیگ کے ارکان کا ایک کنونشن منعقد ہوا، اس کنونشن میں حصولِ پاکستان کے ایک حلف نامہ پر تمام ممبران نے دستخط کیے۔

منٹو مارلے اسکیم

منٹو مارلے اسکیم میں مسلمانوں کو جداگانہ انتخابات کا حق ملنے کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو کشیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ اسے رفع کرنے کے لیے پہلی مرتبہ سرولیم ویڈر برن کی ہدایات پر جو کانگریس کے اجلاس الٰہ آباد 1940ء کے صدر تھے۔ الٰہ آباد میں ہندو اور مسلمان لیڈر ان کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ قائداعظم محمد علی جناح کو یہ خیال بڑا عزیز تھا:

''یہ دونوں اقوام ایک مطمع نظر پر متحد ہوں۔''

لہٰذا وہ اس کوشش میں بڑے سرگرم تھے، بالآخر ہندو لیڈروں کی حد سے گزری ہوئی حرص اس میں مانع آئی، اور کانفرنس ناکام ہوگئی، مگر پھر بھی یہی کانفرنس ہندوستان کی دو بڑی اقوام کے درمیان اتحاد کے لیے آئندہ کوششوں کی تمہید بنی۔

منڈل، جوگندر ناتھ

16 اکتوبر کو شیڈول کاسٹ فیڈریشن کے لوگ جلوس کی شکل میں قائداعظم محمد علی جناح کی قیام گاہ پر پہنچے اور عبوری حکومت میں انہیں اچھوتوں کے نمائندے کے طور پر شامل کرنے پر اظہارِ مسرت و احسان مندی کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے باہر آکر ان کی محبت و خلوص کا شکریہ ادا کیا اور ان سے کہا:

''میں ہمیشہ سے اچھوتوں کا دوست ہوں، دوسری گول میز کانفرنس میں میں نے ان کے حقوق کی حفاظت کے لیے بڑی جدوجہد کی اور آئندہ بھی آپ کی مدد کرتا رہوں گا، وعدے کرنا اور بھول جانا آسان ہے، مگر چونکہ میں باتوں کا قائل نہیں عمل کا قائل ہوں اس لیے میں اس وقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا

کہ آپ لوگوں کو یقین دلاؤں کہ مسلم لیگ آپ کی مدد کے لیے جو کچھ کرسکتی ہے کرے گی۔''

جوگندر ناتھ منڈل نے قیامِ پاکستان کے موقع پر پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کی صدارت کا شرف حاصل کیا۔

جوگندر ناتھ منڈل نے یہ امید ظاہر کی:

''یہ دستور ساز اسمبلی پاکستان کے لیے ایک مثالی دستور وضع کرے گی، نیز اسمبلی نے پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کا عارضی صدر بنا کر مجھے جو عزت بخشی میں تہ دل سے اس کا مشکور ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح کو مبارکباد دیتے ہوئے جوگندر ناتھ منڈل نے کہا:

''میں اس بڑے اور اہم موقع پر قائداعظم کی خدمت میں ہدیۂ تبریک و تحسین پیش کرتا ہوں۔ وہ پاکستان کے بانی اور معمار ہیں مجھے پورا بھروسہ ہے کہ ان کی اعلیٰ قیادت تدبر اور لیاقت کے زیر سایہ پاکستان کے تمام باشندوں کو خوشی اور ترقی نصیب ہوگی، یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مسٹر جناح آج کی دنیا میں عظیم ترین مدبر اور عظیم ترین انسان ہیں۔''

10 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس جوگندر ناتھ منڈل کی صدارت میں منعقد ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح کو اس کا صدر منتخب کیا گیا۔

وہ 15 اگست 1948ء سے 15 ستمبر 1950ء تک پاکستان کے پہلے وزیر قانون رہے، اور پھر مستقل طور پر بھارت میں آباد ہوگئے۔

منزل کا تعین

ڈاکٹر عطش درانی اپنی کتاب ''پاکستان ایک نظریہ یا تحریک'' میں رقمطراز ہیں:

''علامہ اقبال نے دسمبر 1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد میں خطبہ صدارت دیتے ہوئے فرمایا تھا:

''میری خواہش ہے کہ پنجاب، سرحد، سندھ، اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے خواہ اس کے باہر۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے آخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنی پڑے گی''۔

علامہ اقبالؒ سے پہلے بھی برعظیم کی تقسیم، اور مسلمانوں کے لیے جداگانہ مملکت کا تصور پیش کیا گیا تھا۔ ان تصورات میں دو جداگانہ ریاستوں کا مطالبہ موجود تھا جو تحریک پاکستان کی منزل مقصود تھا، مگر ابھی تک ایک سیاسی قوت نے اس کا تعین تو کیا مگر ابھی تک دوقومی نظریہ، اور دو ریاستوں (مسلم، اور ہندو) کا تصور ہی رائج تھا مسلمانوں کے لیے اکثریت کے علاقے کی مطلوبہ مملکت کا نام ''پاکستان'' تجویز ہوا تھا۔ جو پنجاب، صوبہ سرحد و افغانیہ، سندھ، اور بلوچستان پر مشتمل مسلم علاقوں کی ایک جداگانہ ریاست قائم کرنے کی تحریک تھی۔ نظریاتی طور پر کچھ بھی کہا جاتا رہا۔ اس کی تشکیل اسی وقت ہوسکتی تھی جب سیاست اپنی منزل کا تعین اس سے کرتی۔

اکتوبر 1938ء میں سندھ صوبائی مسلم لیگ کا اجلاس زیر صدارت قائداعظم محمد علی جناح منعقد ہوا جس میں ایک واضح، اور دوٹوک قرارداد منظور کی گئی کہ برعظیم پاک وہند میں دو الگ الگ وفاق قائم کیے جائیں۔ ایک مسلمانوں کی اکثریت کے علاقوں کا

وفاق، اور دوسرا ہندو اکثریت کے صوبوں کا وفاق، اور آل انڈیا مسلم لیگ سے کہا گیا کہ دستور کی ایک ایسی سکیم وضع کرے جس کے تحت مسلم اکثریتی صوبے، مسلم دیسی ریاستیں، اور وہ علاقے جہاں مسلمانوں کی اکثریت آباد ہے، ایک وفاق کی شکل میں مکمل آزادی حاصل کرسکیں۔ وہ بھی اس طرح کہ ہندوستانی سرحدوں کے اس پار واقع دوسری کسی بھی مسلم ریاست کو اس بات کی اجازت ہو کہ وہ اس وفاق میں شامل ہو سکے، اور غیر مسلم اقلیتوں کے لیے ہر قسم کے تحفظات کے ساتھ جو ہند کی غیر مسلم اقلیتوں کو دیے جاسکتے ہیں۔

دسمبر 1938ء میں مسلم لیگ کا ایک سالانہ اجلاس پٹنہ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں قانون ہند کے تحت ایک وفاق کی سکیم کو نا قابل عمل قرار دیا گیا، اور مسلم لیگ کے صدر کو اختیار دیا گیا کہ وہ کوئی ایسی سکیم تیار کریں جس سے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے تمام خدشات رفع ہوسکیں، اور برصغیر میں ایسی حکومت قائم ہو سکے جس سے مسلمانوں کو ہندوؤں کی مستقل اور غیر متبدل اکثریت کے خوف سے نجات مل سکے۔

بدقسمتی سے یہ تسلیم شدہ حقیت 1939ء کے قریب متنازعہ بن گئی۔ جب جمعیت العلماء ہند، اور مولانا ابوالکلام آزاد نے کانگریس کی طرفداری شروع کر دی اور مولانا حسین احمد مدنی جیسی موقر علمی شخصیت نے لکھا:

''آج کل قومیں ''وطن'' کی نسبت سے وجود میں آتی ہیں۔''

اور ابوالکلام آزاد نے فرقہ وارانہ حقوق، اور تحفظات کی باتیں کرنے والوں کو انگریز کا ایجنٹ کہا۔ ہندوؤں کو اتنے موثر حامی ملے تو پنڈت نہرو نے بھی کانگریس کے خطبہ صدارت (۱۹۳۷ء) میں قومیت کی بنیاد معاشی فوائد قرار دی، اور مسلم قومیت کے تخیل کو لغو قرار دیا۔ مسلمان رہنما اب تک یہ توقع رکھتے تھے کہ کانگریس سیاسی حقیقت پسندی، اور خلوص کا ثبوت دے۔ مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق کی ضمانت دے، اور دونوں قومیں مل کر انگریز کے خلاف اس طرح آزادی کی جنگ لڑیں جیسے تحریک ترک موالات، اور تحریک خلافت میں کی گئی تھی۔ بدقسمتی سے 1937ء سے 1939ء تک کے کانگریسی راج نے یہ ثابت کر دیا کہ ہندو صرف رام راج قائم کرنے کے لیے ساری تگ و دو کر رہے ہیں۔ اکثریت کے جمہوری حقوق کے تحت ایسا ہی ہونا تھا۔ اس حقیقت کے منکشف ہوتے ہی مسلمانوں نے مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہونا شروع کر دیا۔ چوہدری رحمت علی نے تین اسلامی ریاستوں کی تجویز پیش کی تھی۔

1. پاکستان: جس میں پنجاب، سرحد، سندھ، کشمیر، اور بلوچستان شامل ہوں۔
2. بانگ اسلام: جس میں بنگال، اور آسام شامل ہو۔
3. عثمانستان: حیدر آباد دکن کی ریاست۔ (حالانکہ یہ مسلم اکثریت کی ریاست نہ تھی)

چوہدری رحمت علی کی اس تجویز پر سنجیدگی سے غور نہ کیا گیا لیکن انہوں نے اپنی تجویز کے حق میں اتنی مستعدی، اور مستقل مزاجی سے پروپیگنڈہ کیا کہ جب مسلم لیگ نے 1940ء میں علیحدہ ریاست کی قرارداد پیش کی تو ہندوؤں نے بلا تکلف اسے ''قرارداد پاکستان'' کا نام دیا۔ قائداعظم کو بھی یہ نام پسند آیا، اور آپ نے اس نام کو قبول کرلیا۔

جب مسلم لیگ نے منزل کا تعین کر لیا تو یہ تمام
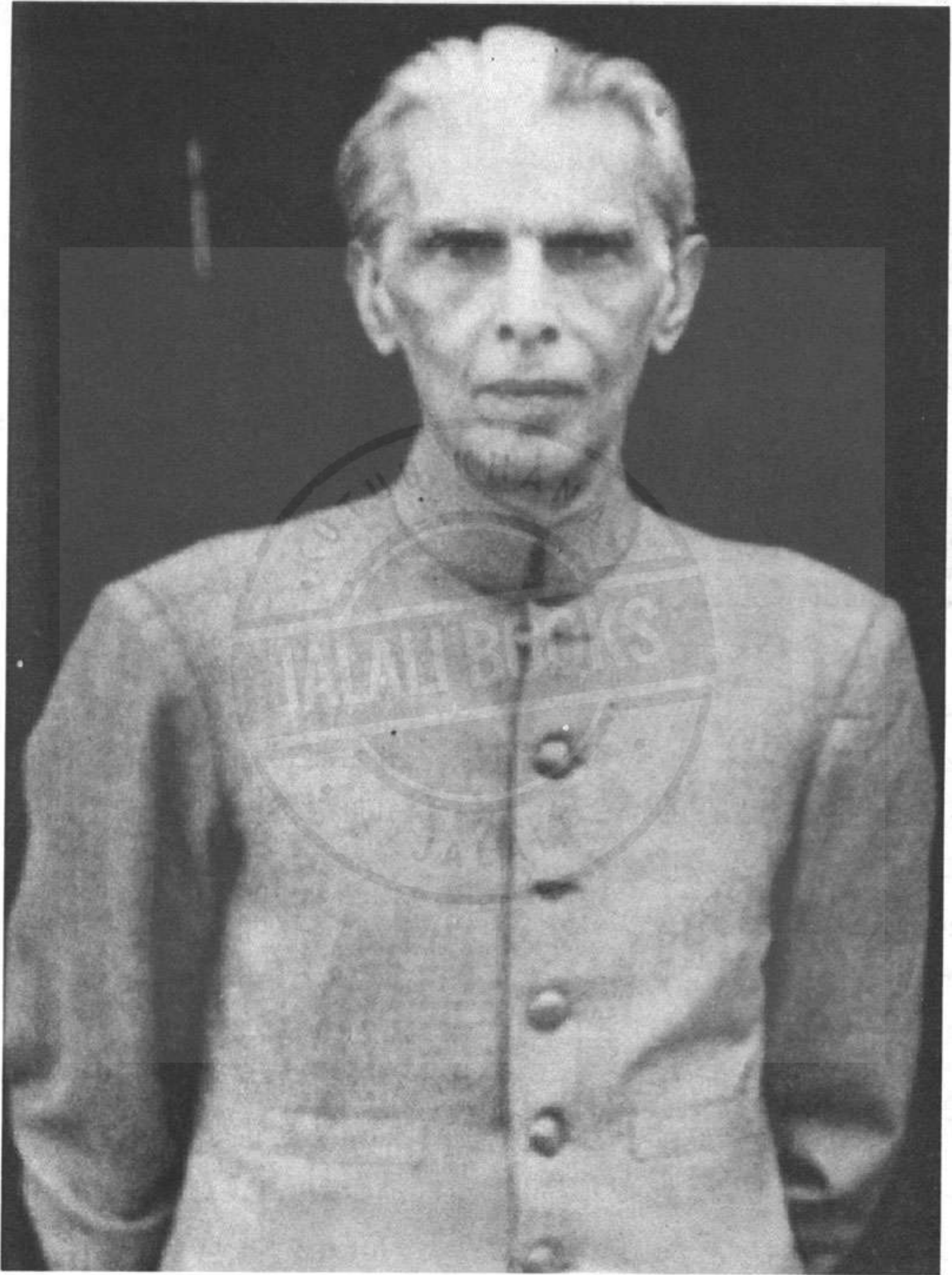
قائداعظم محمد علی جناحؒ

مسلمانوں کے لیے سیاسی غوروفکر کا موضوع بھی بن گئی۔ چنانچہ سندھ مسلم کانفرنس نے 1938ء میں مسلمانوں کی آزاد ریاست کا مطالبہ کیا۔ قائداعظم اس اجلاس میں شریک تھے۔ لیاقت علی خاں نے میرٹھ میں اس قسم کا مطالبہ دہرایا۔

ملک کی اس تقسیم کی طرف مسلمانوں کا رجحان اس تیز رفتاری سے بڑھ رہا تھا کہ یونینسٹ وزیراعلیٰ سر سکندر حیات نے بھی مختلف زون بنانے کی ایک تجویز پیش کی۔ چنانچہ 3 فروری 1940ء کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے اپنے اجلاس دہلی میں تقسیم کی مختلف تجاویز پر غور کیا، اور ایک تجویز کو بالآخر آخری شکل دے دی گئی جسے 22 تا 24 مارچ 1940ء کو منٹو پارک لاہور میں ایک قرارداد کی صورت میں پیش کیا گیا۔

مسلم لیگ کا یہ ستائیسواں سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ اس تاریخی اجلاس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کی۔ ۲۲ مارچ کو آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں ہندوستان کے گزشتہ حالات و واقعات کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''مسلمان ایک اقلیت نہیں ہیں۔ مسلمان ہر تعریف کی رو سے ایک قوم ہیں۔ جب تک یہ بنیادی حقیقت تسلیم نہیں کی جاتی اس وقت تک کوئی بھی دستور وضع کیا جائے تباہی، اور بربادی کا موجب ہوگا، اور وہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ اہل برطانیہ، اور ہندوؤں کے لیے بھی مضر، اور تباہ کن ہوگا۔ اگر حکومت برطانیہ دیانت دار عوام کے لیے امن و آشتی، مسرت وانبساط فراہم کرنے میں مخلص، اور دیانتدار ہے تو اس کے لیے صرف ایک صورت ہے کہ ہندوستان کو دو خودمختار، اور آزاد ریاستوں میں تقسیم کر کے ان اقوام کو جداگانہ وطن بنانے کی اجازت دے۔

یہ محض ایک خواب ہے کہ ہندو اور مسلمان کبھی ایک قوم کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق دو مختلف مذہبی فلسفوں اور معاشرتی رواجوں، اور ادبیات سے ہے۔ نہ ان کے درمیان باہم شادیاں ہوتی ہیں نہ یہ ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں دو ایسی تہذیبوں کے پیروکار ہیں جن کی بنیاد متصادم خیالات اور تصورات پر ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ وہ تاریخ اور ہے، جس پر ہندوؤں کو فخر اور ناز ہے، اور وہ اور ہے جس پر مسلمان نازاں ہیں۔ ان کی رزمیات الگ الگ، ان کے ہیرو، اور ان کے المیے بھی ایک دوسرے سے قطعی بیگانے اور مختلف ہیں۔ اکثر و بیشتر معاملات میں ایک کا ہیرو دوسرے کا دشمن ہے، اسی طرح فتوحات اور شکستوں کا حال ہے۔ ایک کی فتح دوسرے کی شکست، اور دوسرے کی فتح پہلے کی شکست سمجھی جاتی ہے۔ قومیت کی ہر تعریف کی رو سے مسلمان ایک قوم ہیں۔ انہیں ان کا وطن ملنا چاہیے۔ ان کا علاقہ ان کی ریاست بہر حال ملنی چاہیے۔ اس منزل کے حصول کے لیے جو ہمارا مقصود اصل ہے۔ ہر قسم کی قربانیاں دینے کے لیے تیار ہیں۔

دوستو! اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم قطعی، اور حتمی فیصلہ کرلو اور پھر تدابیر پر غور کرو۔ پورے ہندوستان میں مسلمانوں کو متحد کرو۔ میرا خیال ہے کہ عام مسلمان پوری طرح سے بیدار ہیں۔ وہ صرف آپ کی رہنمائی اور قیادت چاہتے ہیں۔ اسلام کے خادم بن کر آگے بڑھو اور اقتصادی، معاشی، تعلیمی، اور سیاسی

اعتبار سے مسلمانوں کو منظم کرو۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ایک ایسی طاقت بن جاؤ گے جسے ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑے گا''۔

قرارداد شیر بنگال اے کے فضل الحق نے 23 مارچ 1940ء کو اسی اجلاس میں پیش کی۔ اس قرارداد میں کہا گیا:

''اس ملک میں کوئی بھی آئینی منصوبہ قابل عمل ہوگا نہ مسلمانوں کے لیے قابل قبول، جب تک اسے حسب ذیل بنیادی اصولوں کی اساس وضع نہیں کیا جائے گا یعنی جغرافیائی طور پر متصل اکائیوں کی ایسے خطوں کی صورت میں حد بندی کی جائے جن کی تشکیل ضروری علاقائی ردوبدل کے ساتھ اس طرح کی جائے گی کہ جن علاقوں میں مسلمان آبادی کے لحاظ سے اکثریت میں ہیں جیسا کہ وہ ہند کے شمال مشرق میں ہیں۔ ان علاقوں کو اس طرح آپس میں ملایا جائے گا کہ وہ آزاد مملکتیں بن جائیں۔ اقلیتوں کے لیے آئین میں مناسب، موثر، اور واجب التعمیل تحفظات کا خاص طور پر اہتمام ہونا چاہیے تاکہ ان کے مذہبی، ثقافتی، معاشی، سیاسی، انتظامی، اور دوسرے حقوق کی حفاظت کی جاسکے''۔

چودھری خلیق الزمان نے قرار داد کی تائید کی۔ ان کے بعد مولانا ظفر علی خاں، سردار اورنگ زیب، حاجی عبداللہ ہارون نے اس کی تائید کی۔ 24 مارچ کو بحث شروع ہوئی۔ خان بہادر محمد اسماعیل، قاضی محمد عیسیٰ، عبدالحمید خاں، آئی آئی چندریگر، سر عبدالرؤف شاہ، ڈاکٹر محمد عالم، سید ذاکر علی، مولانا عبدالحامد بدایونی، اور بیگم مولانا محمد علی جوہر نے قرارداد کی حمایت میں تقریریں کیں۔ اس قرارداد میں برعظیم کے مسلمانوں کے لیے واحد آزاد ریاست کا تصور موجود نہ تھا بلکہ شمال مغرب، اور شمال مشرق میں آزاد مملکتوں کی سکیم تھی، اور یہ قرارداد 24 مارچ 1940ء کو حتمی طور پر منظور کر لی گئی۔ اس کی وضاحت بعد میں اپریل 1946ء میں مرکزی، اور صوبائی مجالس قانون ساز کے مسلم لیگی اراکین کے کنونشن منعقدہ دہلی میں ایک قرارداد منظور کر کے یوں کی گئی:

''شمال مشرق میں بنگال اور آسام اور شمال مغرب میں پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان کے صوبوں پر مشتمل ایک آزاد، اور خودمختار ریاست قائم کی جائے۔''

یوں گویا قرارداد پاکستان دو قراردادوں لاہور اور دہلی پر مشتمل ہے، اس میں بھی ''مسلم اکثریت'' کے علاقوں پر زور دیا گیا تھا۔ نظریہ پاکستان کی بطور تھیوری تفہم کے کلیدی الفاظ یہی ہیں۔ اگر 1940ء کی قرارداد میں ایک سے زیادہ ریاستوں کا ذکر تھا تو کوئی بات نہیں تھی۔ یہی ریاستیں مل کر وفاق تشکیل کرتی تھیں۔ اس طرح ہر علاقہ یا ریاست پاکستان تھا تو مل کر وفاق پاکستان ہوتا۔

مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری سید شمس الحسن نے اس قرارداد پر تفصیل سے اور بہت مناسب لکھا ہے۔ ان کے نزدیک:

''22 مارچ کو جمعہ کی نماز کے بعد سبجیکٹ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ چیئرمین استقبالیہ کمیٹی کے خطاب کے بعد قائداعظم نے اپنا فی البدیہی صدارتی خطبہ دیا۔ شام کو سبجیکٹ کمیٹی کا اجلاس ہوا اور قائداعظم کی صدارتی تقریر میں کیے جانے والے آئینی معاملات زیر بحث آئے۔ کمیٹی نے مختلف سکیموں کا جائزہ لیا،

اور بالآخر ورکنگ کمیٹی کو ایک ڈرافٹ ریزولیشن تیار کرنے کے لیے کہا گیا۔

ورکنگ کمیٹی کا اجلاس اسی رات نواب سر ممدوٹ کی رہائش گاہ ''ممدوٹ ولا'' پر منعقد ہوا۔ قائداعظم نے اپنی صدارتی تقریر میں واضح کر دیا تھا کہ مسلمان کسی ایسے آئین کو قبول نہیں کر سکتے جس کے نتیجہ میں ہندو اکثریت کی حکومت کا قیام عمل میں آئے، اور یہ کہ مسلمان ہرگز ایک اقلیت نہیں ہیں جیسا کہ بالعموم خیال کیا جاتا ہے بلکہ بذات خود ایک قوم ہیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ ہندوستان کا اتحاد مصنوعی ہے، جو کہ برطانوی تسلط کے دوران سنگینوں کے بل پر قائم کیا گیا ہے، اوران کے خیال میں مسئلہ کا واحد حل یہ تھا کہ ہندوستان کی دونوں بڑی قوموں کے لیے دو علیحدہ آزاد اور خودمختار مملکتوں میں تقسیم کر دیا جائے۔''

تاہم ورکنگ کمیٹی کا مباحثہ قائداعظم کے اس بیان تک ہی محدود نہ تھا۔ سرسکندر حیات نے اپنی سکیم کی نمایاں خصوصیات جو وفاق سے متعلق تھیں کمیٹی سے منظور کرانے کے لیے پرزور وکالت کی۔ طویل مباحثہ کے بعد مندرجہ ذیل نکات اخذ کیے گئے جو کہ کم وبیش اس طرح مذکور ہیں:

ملحقہ یونٹوں کی علاقوں اور مملکتوں میں حد بندی کر دی جائے، اور وہ صوبے جہاں مسلمان تعداد کے اعتبار سے اکثریت میں ہیں جیسا کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی خطے کو اس انداز میں علاقائی گروپوں میں تشکیل دیا جائے کہ وہاں مسلمان مساوی یا اقلیت میں نہ ہو جائیں۔ ان نکات کو مزید تفصیل سے بیان کیا گیا۔ جغرافیائی اعتبار سے متصل یونٹوں پر مشتمل علاقوں کی بحیثیت خودمختار ریاستوں کی حد بندی کی جائے، اور ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی خطوں میں جہاں مسلمان تعداد کے اعتبار سے اکثریت میں ہیں ان کی تشکیل کی جائے، اوران کو ان علاقوں میں اس انداز سے گروپوں میں منتقل کر دیا جائے کہ وہ آزاد، اور خودمختار ریاستیں بن جائیں، اور ان ریاستوں میں ملحقہ یونٹ بھی آزاد خودمختار ہوں گے۔ ''مملکتوں'' کا لفظ آخر کار تبدیل کر کے ''آزاد ریاستیں'' کر دیا گیا۔

24 مارچ کو پھر رات کی نشست میں سید ذاکر علی، بیگم محمد علی جوہر اور مولانا عبدالحامد بدایونی نے خطاب کیا مولانا عبدالحامد بدایونی کی تقریر کے بعد قائداعظم نے قرارداد پر رائے شماری کرائی۔ تمام مندوبین نے متفقہ طور پر قرارداد کی حمایت کی، اور قرارداد منظور کر لی گئی۔

اس وقت یہ قرارداد لیگ کے مسلک کا ایک حصہ بن گئی جس دن لیگ کے اجلاس منعقدہ 12 تا 15 اپریل 1941ء بمقام مدراس میں لیگ کے آئین کے سیکشن 2 کی زیر دفعہ (اے) سے اسے تبدیل کر دیا گیا۔ یہ اس طرح مذکور ہے۔

① مکمل آزاد ریاستوں کا قیام عمل میں لایا جائے جن کی تشکیل جغرافیائی اعتبار سے متصل یونٹوں پر مشتمل علاقوں کی حد بندی کر کے عمل میں لائی جائے، اوران کو ضروری علاقائی ردوبدل کر کے اس طرح قائم کیا جائے کہ وہ علاقے جہاں مسلمان تعداد کے اعتبار سے اکثریت میں ہیں جیسا کہ ہند کے شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقے ان کو ملا کر آزاد ''ریاستیں'' قرار دے دی جائیں۔ مسلمانوں کا آزاد قومی وطن جس میں ملحقہ یونٹ آزاد اور خودمختار ہوں گے۔

② یونٹوں کی اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی، اقتصادی،

سیاسی، انتظامی، اور دیگر حقوق، مفادات کے تحفظ کے لیے ان کے صلاح ومشورے سے دستور میں مناسب موثر،اور واضح انتظامات رکھے جائیں۔

۳ اور ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں، وہاں ان کے اور دیگر اقلیتوں کے صلاح و مشورہ سے ان کے مذہبی، ثقافتی، اقتصادی، سیاسی، اور دیگر حقوق ومفادات کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔

تاہم اس دفعہ کے باقی ماندہ حصے میں جو کہ مقاصد سے متعلق تھا کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ اغراض ومقاصد اس وقت تک غیر مبدل رہے جب تک کہ تقسیم ہند کے بعد لیگ تقسیم نہ ہوگئی۔

یہ بالکل واضح ہو جانا چاہیے کہ لفظ ''ریاستیں'' طباعت کی غلطی نہ تھا جیسا کہ مبینہ طور پر کہا تھا کہ مختلف قراردادوں میں جو کہ ورکنگ کمیٹی نے منظور کیے۔ ''ریاستیں'' لفظ استعمال کیا گیا تھا۔ میں اس سلسلے میں قرارداد نمبر 3 کا حوالہ دوں گا جو کہ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس منعقد 31 اگست اور 1، 2 ستمبر 1940ء بمقام بمبئی جو کہ قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں ہوا منظور کیا گیا تھا''۔

قرارداد یہ ہے:

''ورکنگ کمیٹی یہ بات ضابطہ تحریر میں لاتی ہے کہ ہزایکسی لینسی ایک سیاسی وائسرائے کے بیان میں جو مشاہدات پیش کیے گئے ہیں اور سیکریٹری آف اسٹیٹ برائے ہند کی تقریر میں بھی بین الاقوام وحدت کا تصور دیا گیا ہے اس کا کوئی وجود نہیں ہے، اور یہ تصور اپنی اصل میں نہ صرف غلط ہے بلکہ خود ساختہ ہے۔ اس قسم کے مشاہدات ہند کے مسلمانوں کے ذہن میں ابہام پیدا کرنے کے لیے اٹھائے گئے ہیں، چنانچہ کمیٹی یہ ضروری سمجھتی ہے کہ وہ ایک دفعہ پھر اپنی پوزیشن اس سلسلہ میں واضح کر دے۔ وہ یہ کہ کمیٹی لاہور قرارداد پر اور ان اصولوں پر جو کہ ان شرائط کی بنیاد ہیں قائم ہے جن میں تجویز کیا گیا ہے کہ ہندوستان کو تقسیم کر کے آزاد ریاستوں کو تخلیق کیا جائے جو کہ شمال مغربی اور مشرقی خطوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں قائم ہوں۔ مزید یہ کہ کمیٹی مستحکم ارادہ، اور یقین سے اعلان کرتی ہے کہ تقسیم ہند ہی اس مشکل ترین اور پیچیدہ مسئلہ کا جو ہندوستان کے مستقبل کے آئین کو درپیش ہے واحد حل ہے، اور ہم یہ جان کر خوش ہیں کہ اس سوال کے اہم، اور حقیقی پہلو سے برطانوی پارلیمنٹ، اور ہزمیجسٹی کی حکومت کما حقہ، واقف ہو گئے ہیں، اور صورت حال کی حقیقت سے مکمل طور پر آگاہ ہو چکے ہیں۔ مسلم لیگ دوبارہ اس بارے میں اپنی پوزیشن واضح کر دینا چاہتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بذات خود ایک قوم ہیں، اور وہ اپنے حق خوداختیاری کا استعمال کریں گے، اور بالآخر وہ تنہا اپنے مستقبل کی قسمت کے مستحق ہیں''۔

خواجہ رضی حیدر لکھتے ہیں:

''ایک قرارداد میں جو 22 فروری 1941ء میں ورکنگ کمیٹی نے منظور کیا دوبار لفظ ''ریاستیں'' استعمال کیا گیا۔ اسی اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا:

''23 مارچ کو ہر سال مسلم تنظیمیں تمام انڈیا میں لاہور قرارداد جسے بالعموم پاکستان قرارداد کہا جاتا ہے کی یاد میں یوم پاکستان مذکورہ اصولوں کی وضاحت کے طور پر منائیں کیوں کہ یہ ہندوستان کے آئینی مسائل کا ایک مستقل اور پرامن حل ہے۔

لاہور قرارداد اور اس کے آئین میں لفظ (ریاست)

کا حوالہ کہیں نہیں دیا گیا تھا۔ پہلی مرتبہ مسلم لیگ کے منتخب ارکان اسمبلی کے کنونشن منعقدہ 9 اپریل 1946ء میں ایک قرارداد منظور ہوئی جس میں لفظ ''ریاست'' استعمال کیا گیا ''ریاستیں'' نہیں۔ تاہم کنونشن ایک پبلک میٹنگ کی مانند تھا۔ جس میں داخلے کی اجازت مرکزی اور صوبائی مقننہ کے ممبران تک محدود تھی جو کہ مسلم لیگ کی اسمبلی پارٹیوں سے تعلق رکھتے تھے، اور مسلم لیگ کے آئین کے مطابق انہیں مسلم لیگ کے مسلک میں ترمیم یا تبدیلی لانے کا کوئی آئینی اختیار حاصل نہ تھا''۔

قرارداد لاہور پر لوگوں کا ردعمل فرقہ بہ فرقہ مختلف تھا۔ مسلمانوں نے پرجوش مسرت سے اس کا خیرمقدم کیا، اور ہندوؤں نے اسے ہر لحاظ سے قابل مذمت قرار دیا۔ اگر دوقومی نظریہ کی صداقت کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت تھی تو وہ اس متضاد ردعمل سے فراہم ہو گیا۔ ہندولیڈروں نے کچھ اس انداز سے مخالفت کی کہ ہندوؤں کے مذہبی جذبات بھڑک اٹھیں۔ وہ برعظیم کی تقسیم کو ''بھارت ماتا کے ٹکڑے کرنا'' کہتے تھے۔ گاندھی نے اسے ایک اخلاقی برائی اور پاپ قرار دیا جس میں وہ کسی صورت میں شریک نہیں ہوگا۔

ہندوستان کے مشہور اخبار ''اسٹیٹس مین'' نے 31 مارچ 1940ء کی اشاعت میں قرارداد پاکستان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''یہ ایک انقلابی تجویز ہے لیکن وہ لوگ جو اس کی مخالفت کرنا چاہیں اس کو مخالفت سے پہلے اس کا بغور مطالعہ کر لینا ضروری ہے۔ انہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مسلم لیگ نے اسے پوری سنجیدگی سے پیش کیا ہے، اور اس لیے اسے محض خواب و خیال کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوؤں کو خواہ یہ بات اچھی ہو یا بری تسلیم کرنا پڑے گی لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمان اپنی جداگانہ ثقافت کا زبردست احساس رکھتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو زیادہ طاقتور سمجھتے ہیں، اور تشدد کو بطور پالیسی اختیار کرنا برا سمجھتے ہیں، اور نہ اس سے کنارہ کش ہوتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں سے یہ توقع نہ رکھنا چاہیے کہ وہ دوسرے فرقہ کے 25 کروڑ افراد کے کہنے سے اکثریت کی حکومت تسلیم کر لیں گے۔ وہ ہرگز کسی ایسی حکومت کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں گے جو ہاتھوں کے گننے پر قائم ہو، اور جس میں ہاتھوں کی بے شمار اکثریت ہندوؤں پر مشتمل ہو۔''

قرارداد لاہور کا تجزیہ کرنے کے بعد مندرجہ ذیل اہم نکات سامنے آتے ہیں:

① کہیں بھی پاکستان کا نام استعمال نہیں کیا گیا۔

② آزاد مملکت کی بجائے مملکتوں کی یا ریاستوں (States) کی اصطلاح استعمال کی گئی۔

③ قرارداد لاہور میں مطلوب ریاستوں کے رقبے کا واضح طور پر تعین نہیں کیا گیا بلکہ خطوں، علاقوں، اکائیوں وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے گئے۔

④ مسلم اکثریت کے علاقوں کا ذکر کیا گیا۔ مسلم اقلیت کے علاقوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا۔

تاہم بین السطور مراد ایک ہی آزاد مملکت سے تھی۔ قائداعظمؒ کے نزدیک مشرق و مغرب کے مسلمان ایک ہی قوم تھے۔ ان کے خیال میں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ الگ الگ ریاستوں کی شکل میں آزادی حاصل کرتے ہیں یا کہ ایک متحدہ ملک کی صورت میں۔ یہ سب پاکستان ہوتا۔ ہر

ریاست خواہ وہ ایک صوبے یا مقامی ریاست پر مشتمل ہوتی پہلے پاکستان ہوتی، پھر وفاق پاکستان۔ عام خیال یہی ہے کہ اس وقت نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ غیر مسلموں نے بھی قرارداد لاہور کے باوجود مسلمانوں کے مطالبے کو ایک ہی ریاست کا مطالبہ سمجھا تھا۔ اگرچہ قراردادلاہور میں پاکستان کا لفظ شامل نہیں تھا۔ مگر 1940ء کے بعد ہمیں قائداعظم کے کسی بیان میں ایک سے زیادہ مسلم مملکتوں کا ذکر نہیں ملتا۔ فروری 1944ء میں انہوں نے برطانیہ کے ''اخبار نیوز کرانیکل'' کو انٹرویو دیتے ہوئے حکومت برطانیہ کومشورہ دیا کہ وہ ہندوستان کو دو آزاد قوموں میں تقسیم کر دے۔ مسلم اکثریت کے لیے ''پاکستان'' جو ایک چوتھائی ملک کی نمائندگی کرے گا، اور ہندو اکثریت کے لیے ''ہندوستان'' جس میں موجود ہندوستان کی تین چوتھائی آبادی شامل ہوگی۔
اکتوبر 1944ء میں قائداعظم نے فرمایا:

''پاکستان میں چھ صوبے شامل ہوں گے۔ برعظیم کے شمال مغرب میں سرحد، بلوچستان، سندھ، اور پنجاب، شمالی مشرق میں بنگال، اور آسام۔''

مسلمان چاہتے تھے کہ ان علاقوں میں پاکستان کے نام سے ایک آزاد مملکت قائم کریں تاہم 1940ء کی قرارداد لاہور کے بارے میں اگر کوئی ابہام تھا تو اسے قطعی طور پر 9 اپریل 1946ء میں دہلی میں منعقد ہونے والے مسلم نمائندوں کے کنونشن نے ایک قرارداد کے ذریعے دور کر دیا۔ قرارداد دہلی میں جو بنگال کے وزیر اعلیٰ حسین شہید سہروردی نے پیش کی، کہا گیا:

''ان شمال مشرقی علاقوں میں جن میں بنگال اور آسام شامل ہیں، اور شمال مغربی علاقوں جن میں شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ، اور بلوچستان، اور پنجاب شامل ہیں، یعنی پاکستانی علاقوں کو جہاں مسلمان موثر اکثریت رکھتے ہیں، ملا کر ایک آزاد مملکت بنا دیا جائے، اور بالکل غیر مبہم الفاظ میں یہ وعدہ کیا جائے کہ پاکستان بلا تاخیر قائم کر دیا جائے گا۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرارداد لاہور سمت نما تھی تو قرارداد دہلی تعین منزل تھی۔ دونوں قراردادیں مل کر ''قرارداد پاکستان'' ٹھہرتی ہیں۔ اگر دہلی کی قرارداد نہ بھی ہوتی تب بھی مسلم اکثریت کا ہر علاقہ پاکستانی ٹھہرتا، اور پھر یہ پاکستانی علاقے مل کر ایک پاکستانی وفاق ٹھہرتے، مگر اس جذباتیت کا کوئی علاج نہ تھا کہ قائداعظم، اور مسلم لیگ کی اعلیٰ قیادت سمیت اس نئی ریاست کے قیام کو ''تقسیم'' ہی قرار دے رہی تھے۔ یہ مسلمانوں کا ایک عمومی جذبہ تھا۔ عملی طور پر ایسی کوئی صورت نہ تھی۔ تقسیم کی صورت میں ایک چوتھائی علاقہ مسلمانوں کو دے کر آبادی کے انتقال کا قانون وجود میں آتا۔ صرف ایسی ہی صورت میں پاکستان برعظیم میں ''مسلم ہندوستان'' کے طور پر ایک اسلامی ریاست ٹھہرتا، اور بہار، یوپی، سی پی، دوآبہ، اور حیدرآباد کے مسلمانوں میں جمہوری سیاسی شعور پختہ ہو کر بعض اور علاقے بھی مسلم اکثریت کے علاقے بن سکیں، جنہیں 3 جون 1947ء کی قرارداد دہلی کی ایک اور خصوصیت قابل توجہ ہے کہ یہ واضح طور پر مسلم اکثریت کے علاقوں کے بارے میں تھی بقول اے ایچ اصفہانی دو ریاستوں (مسلم، اور ہندو انڈیا) کے تصور کو 1946ء کے دہلی میں منعقدہ کنونشن کی قرارداد نے دفن کر دیا تھا۔ یہ بات بالکل بجا ہے پھر پاکستان

کو اسلامی ریاست کا نعرہ کیوں دیا جاتا رہا۔"
(پاکستان ایک نظریہ یا تحریک، از ڈاکٹر عطش درانی مطبوعہ مکتبہ عالیہ، لاہور)

منزلِ مقصود

19 نومبر 1940ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مرکزی اسمبلی میں دورانِ تقریر فرمایا:

❶ "ہم نے قطعی طور پر اور ہمیشہ کے لیے پاکستان کو اپنی منزلِ مقصود بنا لیا ہے، اور ہم اس کے لیے لڑنے مرنے کو تیار ہیں، ہم تعداد میں کم ہو سکتے ہیں، کم ہیں، مگر یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ہم مسلمان اگر چاہیں اور ارادہ کر لیں تو انگریز کو کانگریس سے سو گنا زیادہ تکلیف دے سکتے ہیں۔ آپ اس حقیقت سے بے خبر ہوں نہ ہوں، مگر میں بخوبی آگاہ ہوں۔ میں نے یہ بات دھمکی کے لیے نہیں محض آپ کی آگاہی کے لیے کہی ہے۔"

11 نومبر 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے قوم کے نام اپنے پیغام میں کہا:

❷ "میں بھی انسان ہوں، مجھ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے، لہٰذا ہر شخص کو اختیار ہے کہ میرے کام کے بارے میں مشورے دے اور اس پر تنقید کرے، یقین کیجیے ہر خط اور ہر تار جو مجھے بھیجا جاتا ہے میں خود پڑھتا ہوں۔ ایک ایک سطر پڑھتا ہوں، اور زیادہ تر وقت اسی میں گزرتا ہے، لہٰذا ہر مسلمان زبانی باتوں کی بجائے جو کچھ سوچے، محسوس کرے، مجھے لکھے میں غور کروں گا۔ میں مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر خدا نے میری مدد کی تو انشاء اللہ میں ان کو ان کی منزل کے قریب لے جاؤں گا۔"

منشوراتِ قائداعظم

یہ قائداعظم کی تقاریر، خطبات اور بیانات کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس کتاب کو شیخ محمد یوسف بی اے نے مرتب کیا اور مکتبہ ادب بمبئی سے سلطانی پریس بمبئی سے چھپوایا گیا۔

اس مجموعے میں 9 جولائی 1945ء سے لے کر 27 مارچ 1947ء تک کی تمام تقاریر، خطبات اور بیانات شامل کیے گئے ہیں یہ کتاب مئی 1947ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی۔

منٹو پارک لاہور

یہ لاہور کا ایک مشہور پارک ہے، اس کا موجودہ نام اقبال پارک ہے۔ یہ پارک بادشاہی مسجد کی دیوار اور لیڈی ولنگڈن ہسپتال کی دیوار کے سامنے جی ٹی روڈ پر برلب سڑک واقع ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل اس کا نام منٹو پارک تھا۔ یہ زمین جہاں آج کل اقبال پارک موجود ہے محکمہ زراعت کے قبضے میں تھا، اور بقول میاں امیر الدین:

"یہاں جلسہ کرنے کے لیے محکمہ نے آٹھ ہزار روپے طلب کیے تھے جب کہ انہی دنوں میں سکھوں کا جو جلسہ منعقد ہوا تھا اس کے لیے صرف پانچ سو روپے لیے گئے تھے۔"

اقبال پارک ہی وہ مقام ہے جہاں مارچ 1940ء میں قراردادِ پاکستان کی منظوری کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کی زیرِ صدارت آل انڈیا مسلم لیگ کا 27 واں سالانہ جلسہ منعقد ہوا تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس میں پاکستان کی قرارداد ابوالقاسم، فضل الحق نے پیش کی تھی، اور اس کی تائید چودھری خلیق الزمان نے کی جبکہ اس کے حق میں دیگر زعماء نے بھی تقریریں کیں۔

24 مارچ 1940ء کو جب یہاں قراردادِ لاہور کی منظوری

دی گئی تو ہندو اخبارات نے طنز کے طور پر قراردادِ لاہور کے بجائے از خود ہی اسے قراردادِ پاکستان لکھا تھا جسے قائداعظم محمد علی جناح نے منظور کرلیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد جہاں شہر سے انگریزی نام ختم کیے گئے۔ وہاں اس جگہ کا نام علامہ اقبال کی نسبت سے اقبال پارک رکھا گیا اور اب یہی نام مروج ہے۔ مینار پاکستان کی تعمیر سے اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگ گئے ہیں۔

منظور الحسن شیخ

تحریک پاکستان کے رہنما تھے۔ جب قائداعظم محمد علی جناح سری نگر تشریف لے گئے تو وہاں سے واپسی پر کوہالہ پل پار کر کے قائداعظم محمد علی جناح راولپنڈی میں داخل ہوئے تو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے ڈرائیور کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ شیخ منظور الحسن نے پنجاب مسلم لیگ کے اس سالانہ اجلاس میں شرکت کی جو 1944ء میں سیالکوٹ میں منعقد ہوا، اس سے قبل منظور الحسن شیخ مسلسل 21 برس تک مری کنٹونمنٹ بورڈ کے رکن بھی چلے آرہے تھے قیامِ پاکستان کے بعد جہاد کشمیر میں بھرپور حصہ لیا۔ 1951ء میں ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر مسلم لیگ نے انہیں صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑنے کے لیے ٹکٹ دیا، الیکشن میں انہیں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور ان کے مدمقابل کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

شیخ منظور الحسن نے نہ صرف قائداعظم محمد علی جناح کو ایک پرتکلف دعوت دی بلکہ تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے دس ہزار روپے کا چیک بھی قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں پیش کیا۔

1989ء میں ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں تحریک پاکستان گولڈ میڈل سے نوازا گیا۔

منفرد قائد

محمد علی جناح کامیابی کے زینے تک پہنچ گئے تھے، اور لوگ یہ محسوس کرنے لگے تھے:

''وہ نہ صرف بار کے ایک عظیم اور اہم ستون بن جائیں گے، بلکہ ہندوستان کی سیاست میں بھی ان کا کوئی مدمقابل نہ ہوگا۔''

مسز سروجنی نائیڈو نے ان الفاظ میں ان کا نقشہ کھینچا ہے:

''دراز قد اور شاہانہ انداز اور عادتوں کے مالک محمد علی جناح غیر معمولی جرأت و ہمت اور تحمل کے حامل انسان ہیں۔ وہ سب سے الگ تھلگ نظر آتے ہیں، ان کا صبر و سکون اور لوگوں سے بے تعلقی ان کی تمناؤں کے نزدیک ایک نقاب ہے۔ ان کے ملنے جلنے والے بخوبی واقف ہیں کہ وہ انتہائی مخلص اور ملنسار فرد ہیں، اور ان کا دل انسانیت کے جذبے سے پُر ہے۔ کوئی عورت بھی ان کی طرح نرم دل نہ ہوگی۔ وہ جب گفتگو کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے ان کے منہ سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ ان کی ہر بات انتہائی معقول اور شائستہ ہوتی ہے۔ وہ جذبات کی رو میں بہہ جانے والے انسان نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنی شخصیت کو جس پردے میں چھپا رکھا ہے، اس سے جھانک کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ انسانِ کامل کے درجے پر فائز ہیں۔''

مؤتمر اسلامی

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 15 نومبر 1946ء کی اشاعت کے اداریہ میں لکھتا ہے:

''مسٹر جناح نے عرب نیوز ایجنسی کے نمائندہ خصوصی سے گفتگو کے دوران میں امید ظاہر کی کہ نئی دہلی میں جلد ایک کانفرنس منعقد ہو گی، جس میں تمام اسلامی ملکوں کے ممتاز نمائندے شریک ہوں گے۔ اس کا مقصد یہ بیان فرمایا:

''مصر، دولت عربیہ سعودیہ، شام و لبنان، ایران اور مسلم اکثریت والے دوسرے ملکوں کے مسلمان لیڈروں سے ہندوستان کے مسلم لیڈروں کے لیے ملاقات کا موقع بہم پہنچایا جائے۔ ان سب قوموں کے درمیان بہت سے مفادوں کا اشتراک ہے، اور ایسے اجتماع میں جو تعلقات پیدا ہوں گے، وہ ثقافتی (کلچرل) اور فکری مفاہمت و ترقی کے لیے بڑے مفید ہوں گے۔ ہم سب کے سامنے اپنے اپنے مسائل ہیں۔ کسی ملک نے اپنے مخصوص مسائل کے حل کا جو انتظام کیا ہے، اس کی تفصیلات ہمارے لیے اور دوسرے ملکوں کے لیے مفید ہوں گی۔ ویسے ہی مسائل ہمیں اور دوسروں کو پیش آئیں گے، تو ان کے حل کے لیے راستہ تجویز کرنے میں امداد ملے گی۔ اس نقطہ نگاہ سے بھی مجوزہ اجتماع بڑا فائدہ رساں ہوگا۔''

مسٹر جناح نے مزید کہا:

''ایسے اجتماع کو مؤثر بنانے کی صحیح تدبیر یہ ہے کہ بڑے ذی اثر نمائندے اور مخالف ملکوں کے لیڈر اس میں شریک ہوں۔ اس غرض کے لیے گفت و شنید جاری ہے کہ آیا موسم سرما میں جو ہندوستان کا بہترین موسم ہے۔ ایسے اجتماع کا انعقاد ہوگا۔''

اخبار اپنے اداریہ میں لکھتا ہے:

''ہم اس تجویز کا تہ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ مسٹر جناح نے سرسری طور پر جو فوائد بتلائے ہیں، اس اجتماع کے فوائد کا دائرہ اس سے بدرجہا زیادہ وسیع ہے۔ ہمارے سامنے ایسے پہلو بھی ہیں جن سے صحیح طریق سے کام لیا جائے گا تو خود ہمارے وسیع مسائل کو اس اجتماع سے بڑی تقویت حاصل ہو گی۔

بین الملی اسلامی تعلقات و روابط کے استحکام کے لیے ہم آج سے نہیں بلکہ برسوں سے کارفرمانِ لیگ کی خدمت میں بارہا التماس پیش کر چکے ہیں۔ جس زمانے میں جنگ کا اختتام بالکل سامنے نظر آ رہا تھا، ہم نے پے در پے اس امر کی ضرورت و اہمیت واضح کی تھی۔ یہ کام بہت پہلے ہونا چاہئے تھا۔ افسوس کہ اس طرف توجہ مبذول کرنے میں دیر ہوئی، لیکن اب بھی اگر اس کا بیڑہ اٹھایا گیا ہے تو قابل صد مبارک باد ہے، اور ہم تہ دل سے اس کی کامیابی کے آرزومند اور دعا گو ہیں۔

ہمارے علم کے مطابق اس سلسلے میں لیگ کو بہترین مشورے ہمارے دو بھائیوں سے مل سکتے ہیں۔ جنہیں اکثر ممالک کے احوال و ظروف سے براہ راست آگاہی حاصل ہے اور اکثر ملکوں کے لیڈروں سے ان کے گہرے تعلقات ہیں۔ ایک جناب عبدالرحمٰن صاحب صدیقی ایم ایل اے سنٹرل، دوسرے محترم شعیب قریشی وزیر حضوری اعلیٰ حضرت فرماں روائے بھوپال، صدیقی صاحب آزاد ہیں اور مجوزہ اجتماع کے سلسلے میں ہر کام کی ذمہ داری کا بار اٹھا سکتے ہیں۔ شعیب صاحب فی الحال فارغ نہیں ہیں، لیکن ان سے مشورے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

یہ ہم نے اس وجہ سے عرض کیا کہ لیگ کے کارفرما اس معاملے میں زیادہ سے زیادہ احتیاط سے کام لیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کام ان لوگوں کے حوالے کر دیا جائے،

جن کو نہ اصول و لسانی اور حدود و مصالح کا احساس ہے نہ یہ جانتے ہیں کہ مختلف ممالک میں مختلف افراد کی حقیقی حیثیت کیا ہے، اور نہ انہیں کسی اسلامی ملک سے براہ راست کوئی ربط و تعلق ہے۔ یہ کام بڑا نازک اور بڑا اہم ہے، اور اسے انہی لوگوں کے حوالے کرنا چاہیۓ جو اسے پورا کرنے کی حقیقی صلاحیتوں سے بہرہ مند ہیں۔ نیز جن کی سعی و کوشش اسلامی ملکوں کے حقیقی لیڈروں کے نزدیک پورے اعتماد و دل جمعی کا سرچشمہ ہے۔ ہمیں امید رکھنی چاہیۓ کہ حضرت قائداعظم ہماری ان گزارشات پر توجہ فرمائیں گے۔ ہماری اور تمام مسلمانوں کی آرزو یہی ہے کہ یہ کانفرنس ہر اعتبار سے کامیاب ہو، اور اس کے انعقاد میں حتی الامکان تاخیر روانہ رکھی جائے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 15 نومبر 1946ء)

مودودی، سید ابوالاعلیٰ

مسلم لیگ نے یوپی میں اسلامی حکومت کا خاکہ تیار کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی تھی اس کمیٹی میں مولانا مودودی کی شمولیت، صوبہ سرحد کے لیے ریفرنڈم کے موقع پر مولانا مودودی کا یہ اعلان:

''میں اگر صوبہ سرحد میں ہوتا تو میرا ووٹ پاکستان کے حق میں پڑتا۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی میں مولانا مودودی کی ریڈیو پاکستان سے اسلامی نظام حیات پر مسلسل پانچ تقریریں ایسے شواہد ہیں جنہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا (جنگ 26 اگست 1987ء) ہفت روزہ تھنکر کی 2 ستمبر 1963ء کی اشاعت میں جناب قمر الدین خاں رکن ادارہ تحقیقات اسلامیہ حکومت پاکستان نے قبل تقسیم کی جماعت اسلامی کے وفد میں نمائندے کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے:

''جماعت اسلامی کے اغراض و مقاصد اور کردار سازی کے بارے میں پورے اطمینان سے میری گفتگو سننے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''مسلم لیگ اور جماعت اسلامی میں باہمی کوئی تضاد اور تصادم نہیں ہے۔ یہ جماعت اسلام کے اعلیٰ مقاصد کے لیے کام کر رہی ہے، جب کہ مسلم لیگ ایک زبردست ہنگامی صورت حال سے دوچار ہے، جو نہایت درجہ فوری اور ضروری ہے جسے حاصل کرنے میں اگر ہم ناکام رہے تو پھر جماعت اسلامی کا کام بھی مشکل ہو جائے گا۔''

انہوں نے مولانا مودودی کی مساعی اور جماعت اسلامی کے کردار سازی کے پروگرام کو پسند فرمایا۔

(اقبال، قائداعظم مودودی اور تشکیل پاکستان از اسعد گیلانی)

موڈی، ایچ پی

وزیر ہند لارڈ برکن ہیڈ نے نومبر 1927ء میں ہندوستان کو سیاسی مراعات دینے کے سلسلے میں جو شاہی کمیشن قائم کیا اس کے اراکین میں چونکہ کسی ہندوستانی کو شامل نہ کیا گیا تھا اس لیے قائداعظم محمد علی جناح کے ہمراہ ایچ پی موڈی نے بھی اس کمیشن کی ہیئت ترکیبی پر سخت اعتراض کیا اور اس میں کسی ہندوستانی کی عدم شمولیت کی بنا پر پرزور احتجاج کیا۔

موڈی، سر فرانسس

وہ تقسیم سے قبل صوبہ یوپی کے گورنر تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد اسے پنجاب کا گورنر مقرر کیا گیا۔ نومبر 1941ء میں قائداعظم محمد علی جناح آگرہ تشریف لے گئے تو وہاں کے

قائداعظم محمد علی جناحؒ پشاور ایئرپورٹ۔ جون 1948ء
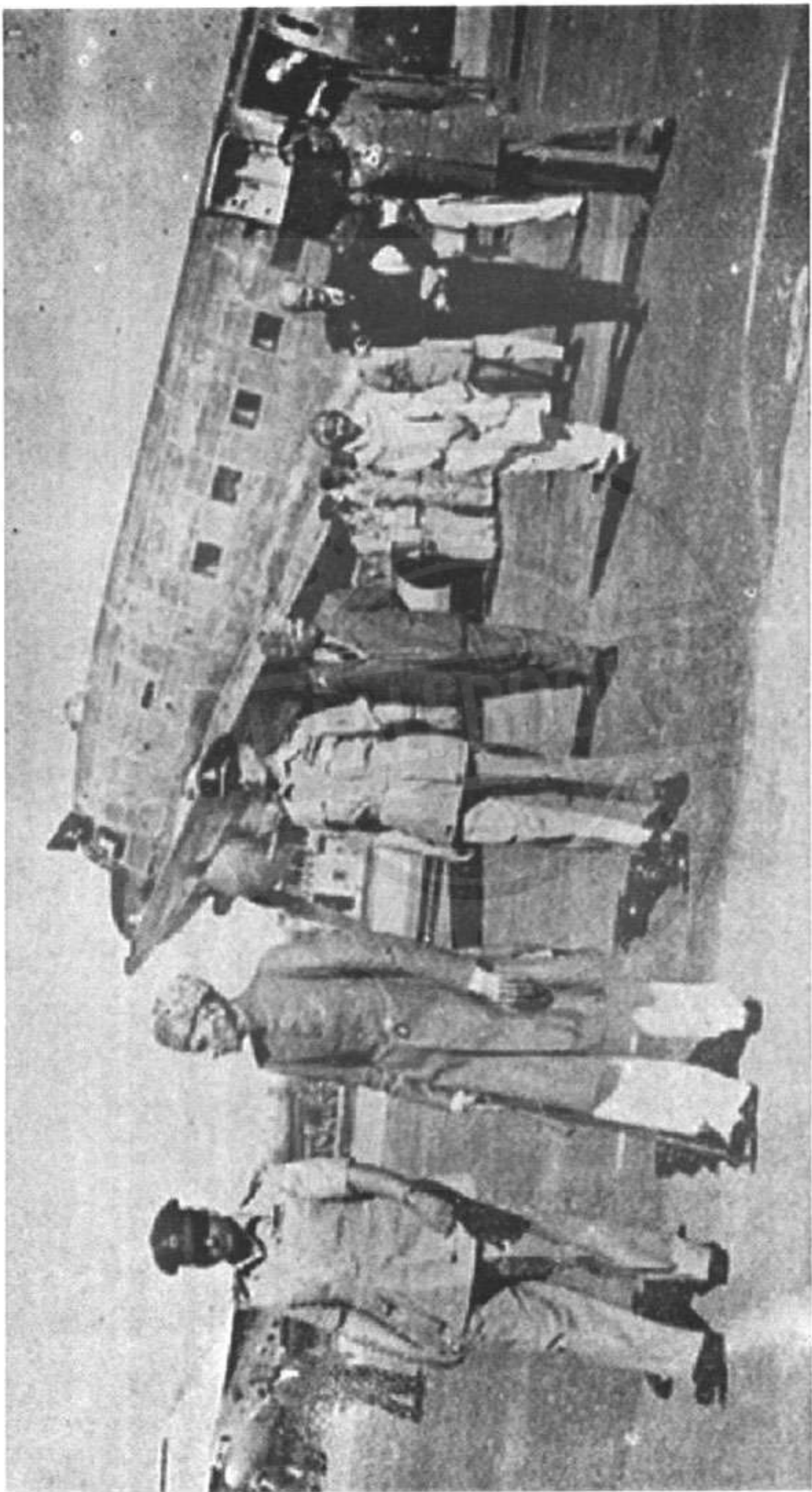
منتظمین نے بیکر گارڈن میں ان کے جلسے کا اہتمام کیا۔ منتظمین میں حافظ عبدالحمید سٹی مسلم لیگ کے سیکرٹری اور نواب محمد فیاض صدر ایم ایم جنیدی خزانچی بھی شامل تھے، لیکن وہاں کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو تار بھیجا:

Do not disturb Mr.Jinnah

''مسٹر جناح کو پریشان مت کیجیے۔''

چنانچہ وہاں جلسہ ہوا، جو نہایت کامیاب رہا۔

1914ء میں فرانسس موڈی انڈین سول سروس میں شامل ہوا۔ 31-1930ء میں اسے گول میز کانفرنس کے سیکرٹریوں میں ایک سیکرٹری چنا گیا۔ ازاں بعد انڈین ریلوے روز میں ایک علیحدہ عہدے پر فائز ہوا اور 1936ء میں اسے صوبہ یوپی میں ریونیو سیکرٹری کا عہدہ تفویض کیا گیا وہ سال بھر بعد وہیں چیف سیکرٹری بنا۔ قحط بہار کے دنوں میں (1943-1942ء) اسے بہار کا گورنر بنا دیا گیا وہاں اس نے کانگریس کی تحریک کو سختی سے دبایا 1944ء کے آخر میں لارڈ ویول نے اسے مرکزی حکومت میں ہوم ممبر بنا دیا۔ 1946ء میں سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا جہاں مسلم لیگیوں اور ان کے مخالفوں میں چپقلش تھی اس نے قیامِ پاکستان کو ناگزیر سمجھ کر اور پاکستان میں اچھا عہدہ حاصل کرنے کی غرض سے مسلم لیگ کی راہ ہموار کی، اور تقسیم کے وقت قائداعظم محمد علی جناح کے مشورے سے اسے پنجاب کا گورنر مقرر کیا گیا۔ کچھ عرصے بعد وہ لندن چلا گیا۔

15 ستمبر 1976ء کو لندن میں انتقال کیا۔

موسیٰ (آج بھی اندھیروں میں ہے)

فروری 1935ء میں مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ برائے ہندوستانی دستوری اصلاحات پر مجلسِ قانون ساز میں بحث شروع ہوئی، ہوم ممبر سر ہینری کریک نے ایوان سے درخواست کی:

''رپورٹ کو متفقہ طور پر منظور کر لیا جائے۔''

پھر انہوں نے کہا:

''کوئی روشنی نہ تھی تو موسیٰ کے ساتھ کیا گزری، وہ اندھیروں میں تھے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''درست ہے، لیکن یہاں موسیٰ کہاں؟ کیا یہ روشنی ہے؟ میں تو یہی عرض کروں گا کہ موسیٰ آج بھی اندھیروں میں ہے۔''

اس پر ایوان خوب ہنسا۔

مولانا جناح

قائداعظم محمد علی جناح جذباتی اور کھوکھلی مداح سرائی سے سخت نفرت کرتے تھے ایک مرتبہ قائداعظم محمد علی جناح ایک چھوٹے سے شہر میں وارد ہوئے جہاں لوگوں کے بہت بڑے ہجوم نے فرطِ عقیدت سے ''مولانا جناح زندہ باد'' کے نعرے لگانے شروع کر دیے تو قائداعظم محمد علی جناح نے جلوس کو رکوا لیا اور بڑے غصے سے کہا:

''آپ لوگ مجھے مولانا کہہ کر ہرگز نہ پکاریں میں آپ کا سیاسی لیڈر ہوں مذہبی پیشوا نہیں، آپ مجھے مسٹر جناح یا صرف محمد علی جناح کہہ کر مخاطب کریں میں مولانا کا لقب آپ کی زبان سے دوبارہ سننا نہیں چاہتا آ گئی بات سمجھ میں۔''

(پاکستان کا بانی محمد علی جناح، ہیکٹر بولائھو، مترجم زہیر صدیقی)

مونجے، ڈاکٹر

وہ مہاسبھا کا رہنما تھا اور انتہائی متعصب تھا۔

ڈاکٹر مونجے نے امپریل لیجسلیٹو اسمبلی کے اجلاس میں ایک قرارداد پیش کی جس میں کہا گیا تھا:

''سینڈھرسٹ کمیٹی کی رپورٹ کا وہ حصہ جو متفقہ علیہ ہے یعنی 15 سال میں ہندوستانی فوج کے تمام افسر ہندوستانی ہو جائیں گے منظور کیا جائے۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے بڑی مدلل تقریر کی۔

گول میز کانفرنس کے دوران گاندھی اور مسلم مندوبین کے مابین جو بات چیت ہوئی اور اس نتیجے میں جو تجاویز منظور کی گئیں ان کی ہندو مہاسبھائی جماعت کے لیڈر ڈاکٹر مونجے نے مخالفت کی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 18 فروری 1935ء کو عریبک کالج یونین دہلی میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

''مسلمانوں نے دو مرتبہ مخلوط انتخاب کی بنیاد پر فرقہ وار مسئلہ کے متعلق سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی، لیکن سر چمن لعل سیتلواد جیسے شخص نے کہا کہ یہ ڈاکٹر مونجے اور جیکار تھے جن پر ان گفتگوؤں کی ناکامی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 29 دسمبر 1940ء کو احمد آباد کے جلسے میں بھی ڈاکٹر مونجے کا نام لیا اور کہا:

''ڈاکٹر مونجے ہندو قوم، ہندو راج اور ہندو سلطنت کی باتیں کرتے ہیں۔ کانگریس اور مہاسبھا ایک ہی زبان سے بولتی ہیں لیکن دونوں کے اظہارِ خیال میں فرق ہے۔''

ڈاکٹر مونجے 1872ء میں پیدا ہوا تعلیم مکمل کرنے کے بعد میدانِ سیاست میں قدم رکھا۔ 1927ء تا 1935ء آل انڈیا ہندو مہاسبھا کا صدر رہا۔ 1948ء میں اس کا انتقال ہوا۔

مونوکل

یہ قائداعظم محمد علی جناح کی ایک شیشے والی عینک تھی جو قائداعظم محمد علی جناح لگاتے تھے۔ اسے اکا بھی کہا جاتا ہے۔

موہن داس

وہ ہندوستان کے سیاسی رہنما تھے۔ 10 جون 1918ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے صوبائی وار کونسل بمبئی کے اجلاس میں اپنی تقریر میں کونسل کے اجلاس میں شریک مہاراجا جام نگر اور موہن داس کی طرف سے پیش کی جانے والی تجاویز کی مذمت کی اور کہا:

''فی الوقت حکومت کی تائید کر کے بعد میں اپنے مطالبات کو تسلیم کرانے کی امید رکھنا سودا نہیں تو اور کیا ہے، ہم اس وقت تک حکومت کی کوئی مدد نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم پر بھروسہ نہ کیا جائے۔''

مہابت خان نواب

وہ جونا گڑھ کے آخری نواب تھے قیام پاکستان کے وقت جب انہوں نے ریاست کا الحاق پاکستان سے کرنے کا اعلان کیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے اسے ایک تاریخی قدم قرار دیا اور نواب صاحب کو اس فیصلے پر مبارکباد دی۔

نواب مہابت خان کا انتقال 1958ء میں ہوا۔ ان کے بیٹے نواب محمد دلاور 1976ء میں سندھ کے گورنر بنے۔

مہاجرین

پاکستان قائم ہوا تو بھارت سے آنے والے مہاجرین کو بسانا، انہیں روزگار مہیا کرنا اور ہر طرح تحفظ فراہم کرنا حکومت پاکستان کی ذمہ داری تھی، قائداعظم نے ہندو سیاستدانوں سے رابطہ قائم کر کے پُرامن انتقالِ آبادی کے لیے مذاکرات کیے، لیکن وہ پاکستان کی تخلیق کا بدلہ مسلم مہاجروں سے لینے کی سوچ میں تھے۔ مہاجرین کے قافلوں پر حملے کیے گئے، لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ان کی عزتوں کو پامال کیا گیا،

جولوگ پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہوئے، وہ مایوس، لٹے پٹے خالی ہاتھ تھے۔ قائداعظم نے مختلف شہروں میں مہاجروں کے لیےکیمپ لگانے کا حکم دیا اوران کی امداد کے لیے ''قائداعظم ریلیف فنڈ'' قائم کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے لاہور میں یکم ستمبر 1947ء میں ایک خطاب میں فرمایا:

''ہمت کے ساتھ آگے بڑھتے چلیں اور مہاجرین کی آبادکاری کے لیے محنت سے کام کریں۔''

قائداعظم نے خود مہاجرین کے کیمپوں کے دورے کیے اور اپنے ساتھیوں کو بھی تلقین کی کہ وہ مہاجرین کے دکھوں کا علاج کریں، مہاجرین کو مختلف علاقوں میں بھیج دیا گیا، اور مہاجرین ہندوؤں، سکھوں کی چھوڑی ہوئی رہائش گاہوں میں سکونت پذیر ہوئے۔ بحالیات کا محکمہ قائم کیا گیا۔ مہاجرین کو مکانات اور زمینیں الاٹ کردی گئیں، ایک مہاجر کونسل بنائی گئی۔ جس کا سربراہ وزیراعظم لیاقت علی خان کو بنایا گیا۔ قائداعظم نے ایک ہی سال میں آبادکاری کے حوالے سے مشکلات کافی حدتک دور کردیں۔

مہاجرین کونسل

پاکستان کے قیام کے موقع پر لاکھوں افراد کو اپنے گھربار چھوڑکر پاکستان ہجرت کرنا پڑی چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی آبادکاری کے لیے مہاجرین کونسل تشکیل کرنے کا اعلان کیا جس میں درج ذیل صوبوں کو مقرر آدمی بسانے کا حکم دیا گیا۔

صوبہ سندھ: 200000

صوبہ سرحد: 100000

ریاست خیرپور

بہاولپور اور بلوچستان: 100000

(دیکھئے: آبادکاری)

مہتا جمنا داس

(دیکھئے: منشی کے ایم)

مہتہ، سرفیروزشا

وہ برصغیر کے ممتاز سیاست دان تھے۔ 1903ء میں قائداعظم محمد علی جناح کو ان کی رفاقت میسر آئی۔ 1907ء میں قائداعظم ان کے دفتر میں کام کرتے تھے، چنانچہ شہریوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک مقدمے کی پیروی کرنے کو کہا اتفاق سے قائداعظم محمد علی جناح مقدمہ ہار گئے لیکن سرفیروز شامہتہ نے اسے بالکل محسوس نہ کیا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے بڑی محنت اور دیانت سے مقدمہ لڑا تھا۔ فیروز شا مہتہ نے بمبئی کرانیکل جاری کیا تھا لیکن 1915ء میں جب ان کا انتقال ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح اس اخبار کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے چیئرمین منتخب ہوئے۔

مہدی علی خاں، نواب

تحریک پاکستان کے مجاہد اور گجرات کے مشہور سیاسی رہنما تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح 1944ء میں جب گجرات تشریف لے گئے تو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے استقبال کے لیے تمام انتظامات کیے۔

مہدی علی خاں گجرات میں پیدا ہوئے زمیندار ہائی سکول سے میٹرک کیا، پھر مزید تعلیم کے لیے علی گڑھ چلے گئے علی گڑھ سے انہوں نے بی اے کیا۔ فراغت کے بعد بحیثیت تحصیلدار تعینات ہوئے۔ پھر مختلف اضلاع میں متعدد عہدوں پر فائز رہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے 1946ء میں جب انگریزوں کی ملازمت چھوڑنے اور مسلم لیگ میں شامل ہونے کی اپیل

کی تو انہوں نے ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور مسلم لیگ میں شامل ہو کر تحریک پاکستان کے لیے سرگرم عمل ہو گئے سول نافرمانی کے سلسلے میں جیل بھی کاٹی۔

مہدی علی خاں پنجاب اسمبلی کے رکن رہے۔ 12 جون 1958ء کو گجرات میں وفات پائی وہیں دفن ہوئے۔

میثاقِ لکھنؤ

مسلم لیگ اور کانگریس کا اتحاد خیال اب اتحادِ عمل کی منزل سے قریب آ رہا تھا، بمبئی میں جو صلح و سلام کی فضا تیار کی گئی تھی، وہ اب تیزی سے خوشگوار اور خوش آئند ہوتی جا رہی تھی۔ مسلمان ہندوؤں پر اعتبار کرنا سیکھ رہے تھے، اور ہندو مسلمانوں پر بھروسہ کرنے کی عادت ڈال رہے تھے۔

جدید اصلاحات کی پہلی قسط ہندوستان کو حاصل ہونے والی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی کوشش تھی کہ یہ قسط متحدہ ہندوستان کے تمام عناصر کے لیے ہو، اس لیے انہوں نے اپنی جان اور اپنی شہرت خطرے میں ڈال کر مسلم لیگ کا اجلاس بمبئی میں کانگریس کے ساتھ منعقد کرایا تھا، ان کی یہ کوشش اب برگ و بار لانے لگی، بمبئی میں مسلم لیگ نے اور کانگریس نے اپنے اپنے اجلاس میں جو مجالس تشکیل آئین قائم کی تھیں۔ ان کا مشترکہ اجلاس نومبر 1916ء میں بنگال کے بے تاج بادشاہ "Uncrowned King" سریندر ناتھ بیز جی کی صدارت میں منعقد ہوا تھا، جس نے محمد علی جناح کی اسکیم معمولی رد و بدل کے ساتھ منظور کر لی تھی۔

اس کے بعد اہم اجلاسوں کا مرحلہ درپیش ہوا، اور یہ بھی نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام کو پہنچ گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت آل انڈیا مسلم لیگ کا لکھنؤ میں دسمبر 1916ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس نے اپنی قائم کردہ مجلس کی اسکیم جو تمام تر قائداعظم محمد علی جناح کی ترتیب دی ہوئی تھی منظور کر لی۔

میثاقِ لکھنؤ کے مندرجہ ذیل نکات تھے:

1. ہندوؤں نے پہلی اور آخری بار مسلمانوں کے حقِ جداگانہ انتخاب پر رضامندی کا اظہار کیا۔
2. ہندوؤں نے اس بات سے اتفاق کیا کہ مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کو ایک تہائی نمائندگی حاصل ہوگی۔
3. وٹیج کا فارمولا تجویز کیا گیا، یعنی جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، وہاں کی مجالس قانون ساز میں انہیں آبادی سے کم اقلیتیں صوبوں کی مجالس قانون ساز میں آبادی سے زیادہ نمائندگی حاصل ہوگی۔
4. مسلمانوں کے لیے صوبائی مجالس قانون ساز میں مندرجہ ذیل تناسب سے نمائندگی دینا تجویز کیا گیا۔

پنجاب	50 فیصد	بہار	25 فیصد
یو پی	30 فیصد	مدراس	15 فیصد
بنگال	40 فیصد	بمبئی	33 فیصد
سی پی	15 فیصد		

5. یہ قرار پایا کہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں سمیت کسی بھی انتخابی ادارے میں کوئی بھی غیر سرکاری ممبر کسی دوسری قوم سے متعلق کوئی قرارداد یا بل یا کسی قرارداد یا بل کا کوئی حصہ پیش نہیں کرے گا، اگر متاثرہ قوم کے تین چوتھائی ممبران کی مخالفت کریں گے۔
6. یہ مطالبہ کیا گیا کہ امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبران کی تعداد 150 مقرر کی جائے، جس کے 4/5 ممبر براہ راست عوام کے منتخب کردہ ہوں، کونسل کا صدر گورنر جنرل کے بجائے خود کونسل کا منتخب کردہ ہو۔ بڑے صوبوں کی مجالس قانون ساز کے اراکین کی تعداد 125 اور چھوٹے صوبوں کے لیے 50 سے 75 تک تجویز کی گئی۔

۷ مرکزی اور صوبائی قانون ساز کونسل کے اراکین کو تحریک التوا دینے کا مطالبہ کیا گیا۔

۸ صوبائی حکومتوں پر سے سیکرٹری آف سٹیٹ اور حکومت ہند کے اختیارات کم کر کے انہیں زیادہ سے زیادہ خود مختاری دی جائے۔ انڈین سول سروس کے اراکین کو صوبائی حکومتوں کا سربراہ یا گورنر جنرل مقرر نہ کیا جائے۔

۹ یہ مطالبہ کیا گیا کہ ضمنی سوال پوچھنے کا حق کونسل کے تمام ممبران کو حاصل ہونا چاہیے۔ اب تک یہ حق صرف سوال کرنے والے ممبر ہی کو حاصل تھا۔

۱۰ کسٹمز، ٹیلی گراف، نمک، افیون، ریلوے اور ڈاک کے علاوہ آمدنی کے باقی تمام ذرائع صوبائی حکومتوں کی تحویل میں دے دیے جائیں۔

۱۱ سیکرٹری آف سٹیٹ کی کونسل توڑ دی جائے اور اس کی مدد کے لیے دو نائب سیکرٹری مقرر کیے جائیں، جن میں سے ایک لازمی طور پر ہندوستانی ہو، نیز سیکرٹری آف سٹیٹ کی تنخواہ ہندوستان کے بجائے برطانوی خزانے سے ادا کی جائے۔

۱۲ گورنر کی انتظامی کونسل (Executive Council) کے نصف اراکین ہندوستانی ہونے چاہئیں، جنہیں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے اراکین منتخب کیا کریں۔ گورنرز کے انتظامی کونسلوں کے اراکین کے بارے میں بھی یہی طریقہ کار اختیار کیا جائے۔

۱۳ عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کیا جائے، اور انتظامیہ کے کسی بھی افسر کو عدالتی اختیارات نہ سونپے جائیں۔

یہ تھی وہ تجویز جس نے قائداعظم محمد علی جناح کو پورے ہندوستان کا ہیرو بنا دیا تھا۔ وہ کارنامہ جس پر ہر محب وطن رشک کرتا تھا۔ وہ پہلا قدم جو اگرچہ صحیح راستہ پر نہ تھا، لیکن جس کے پیچ وخم جاتے بہر حال منزل مقصود کی طرف تھے۔

سکیم کے دو پہلو

یہ میثاق درحقیقت ہندوؤں اور مسلمانوں کی قوم پروری، حب الوطنی اور عزم و اخلاص کا امتحان تھا، جس میں مسلمان کامیاب ہوئے اور ہندو بری طرح ناکام ہوئے۔

اس اسکیم کے دو پہلو ہیں۔

۱ مکمل نقطہ نظر سے یہ سکیم جامع و مانع کہی جا سکتی ہے، اس رشتہ کی فضا میں نہ اس سے زیادہ کچھ مانگا جا سکتا تھا، نہ اس سے زیادہ کچھ مل سکتا تھا، چنانچہ آج بھی سکیم کے بعض اجزاء حکومت کی نظر میں شائستہ اعتنا نہیں۔ صوبوں کے گورنر اب بھی سول سروس والے ہوتے ہیں۔ وائسرائے کی مجلس انتظامیہ میں اب بھی سروس والے نظر آتے ہیں۔ انڈیا ایکٹ کے نفاذ سے پیشتر صوبوں کا یہی حال تھا، اور اب جن صوبوں میں آئینی تعطل کانگریس نے پیدا کر رکھا تھا، وہاں جو مشیر مقرر کیے گئے ہیں وہ اکثر و بیشتر سول سروس والے ہی ہیں۔

ان حقائق سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ 1916ء کی فضا میں مسلم لیگ اور کانگریس نے جو کچھ طلب کیا تھا۔ وہ 1946ء میں بھی حکومت نہیں دینا چاہتی تھی۔

۲ فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے مسلمانوں کا اس میثاق سے نقصان تھا۔ یوپی میں انہیں پاسنگ نہ ملتا، سی پی، بہار، مدراس اور بمبئی میں انہیں چند نشستیں زیادہ نہ دی جائیں تو کوئی مضائقہ نہ تھا، لیکن اس میثاق نے ستم یہ کیا کہ بنگال میں جہاں وہ برابر تھے اقلیت میں تبدیل کر دیا۔ پنجاب میں جہاں وہ اکثریت رکھتے تھے برابر برابر کر دیے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا بنگال اور پنجاب جیسے صوبوں میں مسلمان ہمیشہ پسماندہ رہے۔ چاہیے تھا کہ مسلمان اس کی مخالفت کرتے لیکن انہوں نے اپنے دوررس ملی نقصان کو گوارہ کر لیا، محض اس امید پر کہ متحدہ ہندوستان آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہو سکے۔

اب ہندوؤں کے طرزِ عمل پر نظر ڈالیے۔ کانگریس نے کہنے کو تو یہ سکیم منظور کر لی لیکن بعض کانگریسی زعما، اس کی تنسیخ پر پورا پورا اثر و رسوخ صرف کرتے رہے، وہ چاہتے تھے کہ کانگریس اپنی اس غلطی کی جلد از جلد تلافی کر لے۔

اس میثاق کی مخالفت میں جو لوگ پیش پیش تھے۔ ان میں پنڈت مدھن موہن مالویہ اور لالہ لاجپت رائے خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان کے انتخاب کی داستان بڑی پرلطف اور دلچسپ ہے۔ مرکزی کونسل کی اس نشست کے لیے بمبئی کے دو مسلمان امیدوار تھے۔ دونوں سرکاری خطابات اور دنیوی دولت سے مالا مال تھے۔ ہر ایک کونسل میں جانے کا خواہش مند تھا دوسرے یہ کہ سرکاری دربار میں اثر و رسوخ سے خائف ہو کر بڑے غور و فکر کے بعد انہوں نے طے کیا کہ ان میں سے کوئی بھی انتخاب نہ لڑے اور ایسے شخص کو کھڑا کیا جائے جس کے تدبر، معاملہ فہمی، اصابت رائے اور سیاستدانی کا دونوں لوہا مانتے ہوں۔ یوں قرعہ فال محمد علی جناح کے نام نکلا، اور وہ بلا مقابلہ منتخب قرار پائے۔

یہ منفرد کامیابی قائداعظم محمد علی جناح کو گوکھلے گروپ میں لے گئی۔ اس گروپ کی بمبئی سے "جنرل سیٹ" پہلے سر فیروز شاہ مہتہ کے پاس ہوا کرتی تھی۔ اس طرح ہندوستانی حکومت کے دستور یہ کا مرکز جو پہلے کلکتہ اور شملہ میں رہا پھر دہلی آ گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے اہم ترین اور سب سے طاقتور ترین ایجنٹوں میں سے ایک بن گیا۔

نومبر 1909ء

شہنشاہ کے خطبہ کے ایک سال بعد نومبر 1909ء میں انڈین کونسلز ایکٹ پاس ہوا، جس کی رو سے وائسرائے کی انتظامی کونسل کی بجائے ایک زیادہ وسیع ادارہ وجود میں آیا۔ جس کا نام امپیریل لیجسلیٹو کونسل (شاہی مقننہ) رکھا گیا۔

اس کونسل میں 60 مزید نشستیں رکھی گئیں، جن میں سے 35 نامزد ممبروں کے لیے اور 25 منتخب ممبروں کے لیے مخصوص کی گئیں۔ اس مجلس میں مسلمانوں اور زمینداروں کی نمائندگی کا خاص اہتمام کیا گیا۔ یوں اس مجلس مباحثہ میں پہلی بار عوام کے منتخب کیے ہوئے نمائندوں کو یہ آزادی حاصل ہوئی کہ وہ اپنے ملک کی حکومت پر تنقید کر سکیں اور اس کی ترقی و بہتری کے لیے تجاویز پیش کریں۔ ان اصلاحات نے قائداعظم محمد علی جناح کے لیے سیاسی ترقی کا راستہ کھول دیا۔

جنگِ عظیم کے آغاز کے ساتھ ہندوستان میں سیاسی عالی ظرفی کے ایک روشن باب کی ابتدا ہوئی۔ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کے لیڈروں نے حکومت سے اپنے اختلافات بالائے طاق رکھ دیے اور حکومت کی امداد کا وعدہ کیا۔ دیسی ریاستوں کے راجاؤں اور نوابوں نے مالی امداد اور ہتھیار حکومت کو پیش کیے۔ آغازِ جنگ کے ایک مہینے کے اندر ستر ہزار ہندوستانی سپاہی جنگی خدمت کے لیے سمندر پار سدھارے اور جنگ کے دوران میں کل دس لاکھ ہندوستانیوں نے مختلف میدانوں میں خدمت کی۔

مگر کانگریس کی امداد کی پیش کش بالکل غیر مشروط نہ تھی۔ دسمبر 1914ء میں اس کے ممبروں نے یہ مطالبہ کیا کہ موجودہ بحران میں ہندوستان کے لوگوں نے حکومت کے ساتھ جس گہری وفاداری کا اظہار کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ حکومت ہندوستان کو سلطنتِ برطانیہ کی رکنیت میں شامل کرنے کے لیے ضروری اقدامات کرے، اور ہندوستان کو وہ تمام حقوق و اختیارات تفویض کرے جو سلطنت کے دوسرے ارکان کو حاصل ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح یقیناً اس مطالبے سے متفق تھے، لیکن جنگ کے باوجود انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے اپنی کوششیں برابر جاری رکھیں۔ 13 فروری 1915ء کو بمبئی مسلم

اسٹوڈنٹس یونین سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے طلبہ کو یہ نصیحت کی:

''اپنے اندر نظم اور خود اعتمادی پیدا کریں۔''

انہوں نے نسلی امتیازات کی مذمت کی اور لڑکوں کو تلقین کی:

''آپ مسلمانوں اور ملک کے دوسرے فرقوں کے مابین خیر سگالی اور اتحاد کا جذبہ پیدا کرنے میں مدد دیں اور ان کے باہمی اشتراک کے لیے راستہ ہموار کریں۔''

انہوں نے نوجوانوں سے اپیل کی:

''آپ اپنی پوری قوت سے آپس کے اختلافات مٹا دیں۔''

اس تقریر کے چھ دن بعد قائداعظم محمد علی جناح کے دوست اور رفیق کار گوپال کرشن گوکھلے رحلت کر گئے۔ اُن کے علاوہ جناح کا کوئی قریبی اور عزیز دوست نہ تھا، اور اُن کے انتقال کے تین ماہ بعد قائداعظم محمد علی جناح نے اس سانحے کا ذکر کرتے ہوئے اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا، پھر کئی سال بعد ایک موقع پر انہوں نے گوکھلے کی آزاد خیالی اور وسعتِ نظر کو بہت سراہا اور کہا:

''وہ اپنے وقت کے عظیم ترین ہندوؤں میں سے تھے، اور اُن کا عالی دماغ روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتا تھا۔''

اب جناح کی زندگی کا وہ دور ختم ہو چکا تھا جس کے متعلق ہمیں پوری معلومات نہیں، اور جس کی تصویر میں رنگ بھرنے کے لیے ہمیں اشاروں اور قیاس آرائی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ 1915ء میں وہ سارے ملک میں مشہور و معروف تھے، اور ہندوستان کے سیاسی مستقبل کی تشکیل میں نمایاں حصہ لے رہے تھے۔ اس کے بعد ان کی 34 سالہ زندگی کے واقعات ہمیں بہت سی کتابوں اور اخباروں میں ملتے ہیں۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے کردار کی بنیادی خصوصیتیں آخر عمر تک قائم رہیں۔ ان کی دیانت داری اور اُن کے منطقی اندازِ فکر میں ذرا فرق نہ آیا، اور ان دونوں صفتوں نے اُن کی شخصیت کو اتنا زوردار اور بارعب بنا دیا تھا کہ لوگ ان کے قریب جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اُن میں صرف دو بڑے نقص تھے، ایک خست اور دوسرے تلخ کلامی۔ ان سے قطع نظر ان میں عظیم سیاسی رہنماؤں کے تمام اوصاف پائے جاتے تھے۔

مسز سروجنی نائیڈو نے لکھا ہے:

''گوکھلے کی موت نے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو غمگین کیا، اور اس مشترک رنج اور احساسِ محرومی نے انہیں ایک دوسرے کے قریب تر کر دیا۔''

اُن کا خیال تھا کہ اب دونوں فرقوں میں براہِ راست سیاسی مفاہمت کے لیے بھرپور کوشش کرنا چاہیے۔

دسمبر 1915ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس بمبئی میں ہونے والا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ممتاز مقامی مسلمانوں سے منظوری لے کر مسلم لیگ کے ممبروں کو لکھا:

''آپ بھی اسی شہر میں اور انہی دنوں میں لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد کریں۔''

یہ جرأت مندانہ اقدام قائداعظم محمد علی جناح کی سیاسی آزاد خیالی کا نتیجہ تھا۔ اٹھائیس برس بعد دہلی میں ایک تقریر کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے پرانے سیاسی مقاصد کا ذکر یوں کیا:

''ناموافق حالات کے باوجود میں ہندو مسلم اتحاد کی کوشش میں ڈٹا ہوا تھا۔ میرے دل میں امید کا چراغ برابر روشن تھا، اور میں نے طے کر لیا تھا کہ میں کسی عنوان سے ہار نہ مانوں گا۔''

وہ یہ نہ چاہتے تھے کہ مسلم لیگ کانگریس میں جذب ہو جائے جس پر ہندو چھائے ہوئے تھے، مگر وہ یہ بھی نہ چاہتے تھے کہ لیگ کی فرقہ وارانہ سیاست کے اثر سے کانگریس کم زور

ہو جائے۔ ان کی خواہش صرف یہ تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایکا اور میل ہو جائے۔ دونوں فرقوں میں بہت سے لیڈر اُن کے ہم خیال تھے، اور اس سے انہیں امید ہوتی تھی کہ اُن کا خواب ایک دن ضرور پورا ہو گا۔

مگر کانگریس اور مسلم لیگ دونوں جماعتوں میں انتہا پسند عناصر بھی موجود تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی سخت مخالفت کی۔ علاوہ ازیں وہ انگریز بھی اُن کے مخالف تھے جو دونوں فرقوں کو آپس میں لڑا کر برطانوی حکومت کو مضبوط کرنا چاہتے تھے۔ یہ مرحلہ قائداعظم محمد علی جناح کے لیے بہت مشکل تھا، اور انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کے بنیادی مسئلے سے ہٹ کر مسلم لیگ کے بکھرے ہوئے عناصر کو منانے کی کوشش شروع کر دی۔ ان لوگوں کے ذہن تعصبات سے بھرے ہوئے تھے، اور قائداعظم محمد علی جناح اگر آہنی عزم کے مالک نہ ہوتے تو وہ مایوس ہو کر جی چھوڑ دیتے۔ کچھ لیگی لیڈروں کا خیال تھا کہ مسلم لیگ کو کانگریس کے ساتھ متحدہ محاذ نہ بنانا چاہیے، کیونکہ کانگریس سلطنتِ برطانیہ کی مخالف ہے، اور مسلم لیگ کا نصب العین یہ ہے کہ ہندوستان سلطنتِ برطانیہ میں رہتے ہوئے خودمختاری حاصل کرے۔ بعض لوگوں کی رائے یہ تھی کہ لیگ کا وجود ہی ختم کر دینا چاہیے کیونکہ ترکی، جو اسلامی خلافت کا مسکن ہے، جنگ میں جرمنی کا حلیف اور برطانیہ کا دشمن ہے۔

11 نومبر 1915ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے لیگ کے لیڈروں کی خدمت میں ایک اپیل جاری کی جس میں انہوں نے کہا:

''ہم اپنے آئین کے پابند ہیں۔ اگر ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم آزادی، خودمختاری اور حق رائے دہی کے مستحق ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے آئین کا احترام کریں اور اس پر عمل کریں، اور اپنی صفوں میں مکمل نظم قائم رکھیں۔ آج صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام برطانوی سلطنت کی آنکھیں ہم پر لگی ہوئی ہیں اور ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ ہم اسی سلطنت کے دوسرے ارکان کی طرح آزاد اور خودمختار ہونا چاہتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم اپنے باہمی اختلافات ختم کر دیں اور ایک متحدہ محاذ قائم کریں؟ اگر ہم متحد ہو جائیں تو ہمارے ہندو دوست ہماری زیادہ قدر کریں گے، اور انہیں یہ یقین ہو جائے گا کہ ہم سیاسی میدان میں اُن کے شانہ بشانہ چلنے کے اہل ہیں۔''

مسلم لیگ کا اجلاس بمبئی میں 30 دسمبر 1915ء کو منعقد ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے قومی اتحاد کی جو اپیل چند دن پہلے کی تھی اس پر کانگریس کے تین لیڈروں نے لبیک کہا، اور پلیٹ فارم پر قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ ڈاکٹر اینی بیسنٹ (Annie Besant)، مسز سروجنی نائیڈو اور مسٹر گاندھی تشریف فرما ہوئے۔ گاندھی حال ہی میں جنوبی افریقہ سے لوٹے تھے، جہاں انہوں نے نیٹال کے ہندوستانیوں کے ساتھ بدسلوکی کے خلاف جدوجہد میں خاصی کامیابی حاصل کی تھی۔

متحدہ محاذ قائم کرنے کی یہ پہلی کوشش قائداعظم محمد علی جناح کے لیے بہت ہمت شکن ثابت ہوئی ہو گی۔ اجلاس کے آغاز سے بہت پہلے پولیس کے پچاس افسروں نے ہال میں اور ہال کے باہر پہرہ لگا دیا۔ یہ بظاہر ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی گڑبڑ ہو تو وہ اسے روک سکیں۔ اجلاس کے شروع میں کچھ شرپسندوں نے ہنگامہ کرنے کی کوشش کی، لیکن حاضرین بیٹھے تقریر سنتے رہے۔ دوسرے دن زبردست ہنگامہ ہوا اور بقول قائداعظم محمد علی جناح:

''پولیس کی آنکھوں کے سامنے جلسہ درہم برہم کر دیا گیا۔''

ان کا خیال تھا کہ ہنگامہ پولیس کی سازش سے شروع کیا گیا تھا۔ بہرحال، قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے ساتھی بمشکل

ہال کے ہنگامے سے نکلے اور بالآخر تاج محل ہوٹل کے ایک کمرے میں اجلاس ختم ہوا۔

مسز سروجنی نائیڈو نے یہ واقعہ قلمبند کیا ہے اور قائداعظم محمد علی جناح کی کارکردگی کو بہت سراہا ہے:

''اس موقعے پر جناح نے ہندو مسلم اتحاد کے ایک نڈر مجاہد کی حیثیت سے کام کیا، اور ان کا جذبۂ وطن پرستی اس بلندی پر پہنچ گیا جہاں کسی مخالف کا ہاتھ اسے نہ چھو سکتا تھا۔''

مسز سروجنی نائیڈو نے قائداعظم محمد علی جناح کی خودداری اور بے غرضی کی بھی نہایت مؤثر الفاظ میں تعریف کی ہے:

''اپنے مقصد کے لیے انہیں جو تکلیف بھی اٹھانا پڑے اور جو قیمت بھی ادا کرنا پڑے، وہ کبھی اس کی پرواہ نہیں کرتے، اور سرکار کے چشم وابرو کے اشاروں کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔''

مسز سروجنی نائیڈو نے قائداعظم محمد علی جناح کے مخالفوں کی جارحانہ سازشوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

جنگ کے آغاز پر ہندوستانی لیڈروں نے حکومت کو اپنی اور اپنے ہم وطنوں کی حمایت کا یقین بڑے جوش سے دلایا تھا، لیکن رفتہ رفتہ ان کا جوش گھٹنے لگا۔ کونسل آف انڈیا بل جس کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح 1914ء میں انگلستان گئے تھے، اور جو بعد میں ملتوی کر دیا گیا تھا، دوسرے سال پارلیمنٹ میں منظور ہو گیا اور 29 جولائی کو بادشاہ نے اس کی توثیق کر دی۔ یہ قانون جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1915ء کے نام سے مشہور ہوا بہت مایوس کن تھا۔ اس میں وہ کوئی اصلاح یا تبدیلی شامل نہ تھی جس کی ہندوستان کو توقع تھی، اور اس کے وضع کرنے والوں نے وہ تمام دلائل یک سر نظر انداز کر دیے تھے جو قائداعظم محمد علی جناح نے لندن جا کر ہندوستان کی طرف سے پیش کیے تھے۔ با ایں ہمہ برطانیہ کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناح کی وفاداری میں کوئی فرق نہ آیا۔ ہاں ان مایوس کن واقعات کا یہ اثر ضرور ہوا کہ سیاسی اصلاح اور ہندو مسلم اتحاد کے لیے ان کا جوش اور بڑھ گیا۔

اپریل 1916ء میں لارڈ بارڈنج کی جگہ لارڈ چمسفورڈ وائسرائے مقرر ہوئے، اور اسی مہینے میں کانگریس اور مسلم لیگ کی ایک متحدہ کمیٹی اس لیے بنائی گئی کہ ان کم از کم سیاسی مطالبات کا تعین کرے، جو ہندوستان کی طرف سے حکومتِ برطانیہ کو پیش کیے جائیں۔ یہ اقدام قائداعظم محمد علی جناح کی خواہش کے عین مطابق تھا، اور وہ اس پر ضرور خوش ہوئے ہوں گے۔ بہر حال ان دنوں میں قومی سیاست میں قائداعظم محمد علی جناح کی حیثیت اور اہمیت کچھ اور بڑھ گئی۔ اس سال موسم خزاں میں وہ پھر مرکزی مجلس قانون ساز کے ممبر منتخب ہوئے، اور اکتوبر کے مہینے میں انہوں نے احمد آباد میں ایک طویل تقریر کی جس میں ان کا انداز بحث پہلے سے بھی زیادہ مدبرانہ تھا۔ انہوں نے مجملاً جنگ میں ہندوستانیوں کی خدمات کا ذکر کیا، سیاسی اصلاحات کے سلسلے میں اپنے خیالات کا اعادہ کیا، اور پھر جداگانہ انتخابات کے مطالبے کا ذکر کیا جو ہندو مسلم اتحاد میں رکاوٹ ڈال رہا تھا۔ انہوں نے کہا:

''جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں جداگانہ انتخابات کا مطالبہ مسلمانوں کے لیے کوئی اصولی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ ضرورتاً کیا گیا ہے۔ مسلمان عرصے سے سیاسی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور انہیں جھنجھوڑ کر بیدار کرنا ہوگا، لہٰذا میں اپنے ہندو بھائیوں سے درخواست کروں گا کہ وہ حالات کے تقاضے کو سمجھیں اور مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ نیز یہ نہ بھولیں کہ مسلمان اس ملک میں اقلیت میں ہیں۔ اگر مسلمان جداگانہ انتخابات پر مصر ہیں تو اُن کے مطالبے کی مخالفت نہ کرنا چاہیے۔''

پھر قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوستان کے اتحاد اور خود مختاری کی جدوجہد کا ذکر کیا، جوان کے لیے جہادِ اکبر کی حیثیت رکھتی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے لارڈ مارلے نے کہا تھا:

''ہندوستانی نوجوان جب برطانوی یونیورسٹیوں سے نکلتے ہیں تو آزادی، قوم پرستی اور خود مختاری کے جذبات سے سرشار ہوتے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ان الفاظ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا:

''آج یہ ضروری ہے کہ ہندوستانی نوجوانوں کے جذبات کا احترام کیا جائے، اور ان کی سیاسی آرزوئیں پوری کی جائیں۔''

برطانوی عہدِ حکومت میں ہندوستان کے باشندوں کو کئی طرح سے فائدہ پہنچا، لیکن برطانوی راج کی سب سے بڑی برکت یہ ہے (گو یہ برکت ہمیں برطانیہ کی مرضی کے خلاف حاصل ہوئی) کہ ہندوستان میں قوم پرستی کا جذبہ پیدا ہوا۔''

لیکن یہی کافی نہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنی کوششوں سے ایک نئے متحد ہندوستان کی تشکیل کریں تو یہ ضروری ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھول جائیں۔ ہمارے تصور اور ہمارے خوابوں کا ہندوستان ابھی کوسوں دور ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے ہمیں صرف اپنے مال و دولت ہی کی قربانی نہ دینا ہوگی، ہمیں وہ مکروہات بھی ترک کرنا ہوں گی جنہیں ہم اب تک سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ ہمیں آپس کی نفرتیں اور غلط فہمیاں مٹانا ہوں گی، اور تعصبات سے دامن چھڑانا ہو گا۔ ہمیں اپنے اختلافات بھلانا پڑیں گے، اور آپس کے مناقشات ختم کرنا ہوں گے، اور ہمیں وہ رسوم و روایات بھی ترک کرنا پڑیں گی جن پر ہمیں شرم آنا چاہیے، مگر جنہیں ہم باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ اس قربانی سے ہمارا خدا بھی خوش ہو گا۔''

کانگریس اور مسلم لیگ کو باہم قریب لانے کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح نے جو کوششیں کی تھیں اُن کی تعریف مسز سروجنی نائیڈو نے بڑے جوش سے کی تھی۔ دوسری طرف قائداعظم محمد علی جناح کے مخالف اس سلسلے میں اُن کے خلاف سازشیں کر رہے تھے، لیکن اُن پر نہ تعریف و تحسین کا اثر ہوا نہ سازشوں کا۔ وہ اپنی دھن میں لگے رہے، اور دسمبر 1916ء میں پھر وہ ایک بار کانگریس اور مسلم لیگ کو یکجا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ لکھنؤ میں دونوں جماعتوں کے اجلاس بہ یک وقت منعقد ہوئے اور قائداعظم محمد علی جناح نے لیگ کے اجلاس کی صدارت کی۔

ہندو مسلم اتحاد کے نقیب کی حیثیت سے یہ اُن کی پہلی نمایاں کامیابی تھی۔

اپنے طویل خطبۂ صدارت میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''ہمارے آپس میں اختلافات ضرور ہیں، اور کبھی کبھی اپنے مخصوص مفادات کی خاطر ہم ایک دوسرے سے لڑ بھی پڑتے ہیں، پھر ہم میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو ہر احمقانہ اور جوشیلے نعرے پر لبیک کہنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ با ایں ہمہ، کوئی شخص ٹھنڈے دل سے ہندوستان کے سیاسی معاملات کا مطالعہ کرنے کے بعد اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہندوستان اول و آخر ہندوستانیوں ہی کا ہے۔''

مسلمانوں کے مخصوص مفادات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''ہم کسی کی عنایت کے خواست گار نہیں اور نہ کوئی
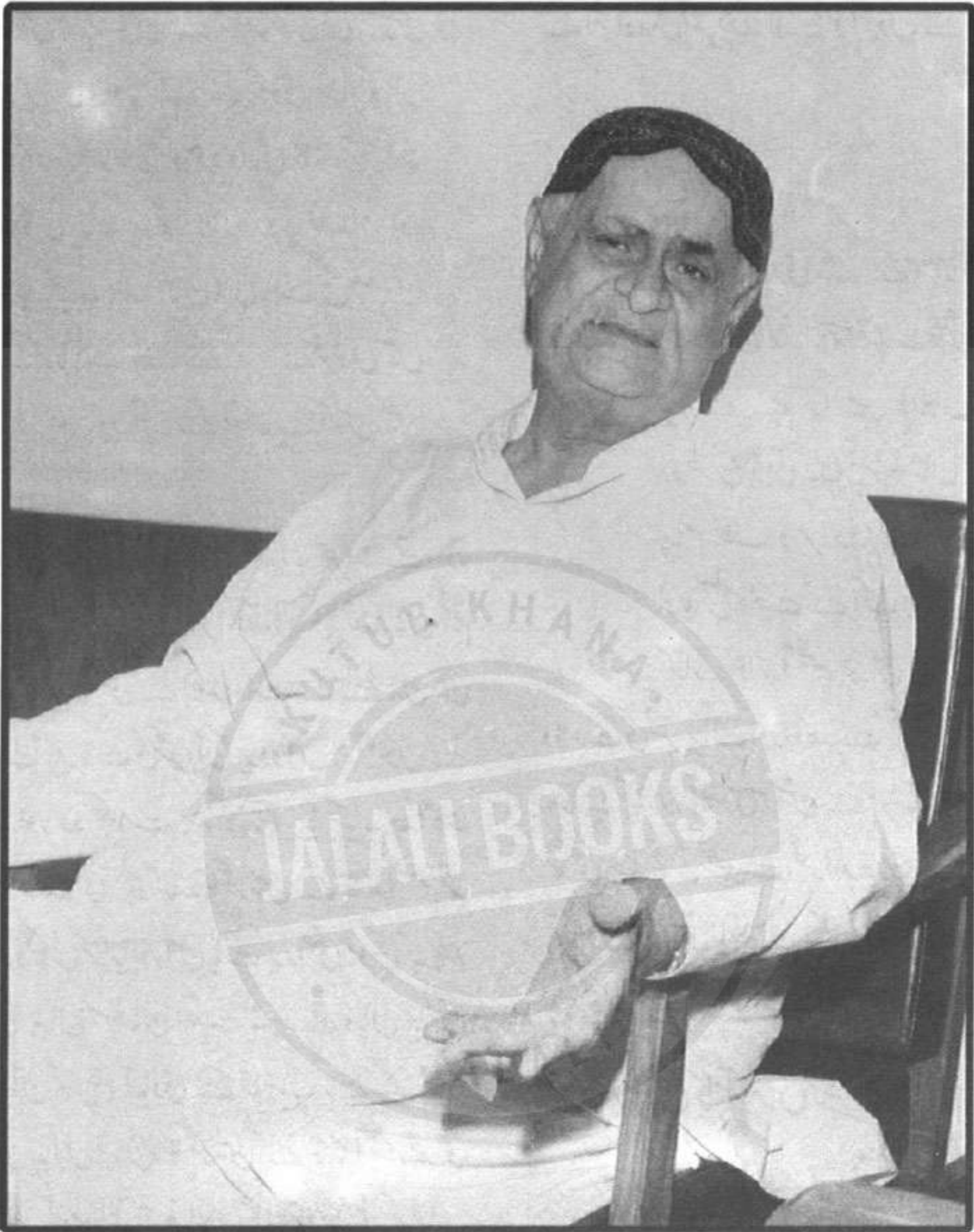
عبدالحمید خان جتوئی

تحریک پاکستان کے کارکن اور ممتاز سیاستدان 1922ء میں دادو (سندھ) میں پیدا ہوئے۔ سندھ کے مشہور جتوئی قبیلے سے تعلق ہے۔ 1945ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور شب و روز تحریک پاکستان کی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ آزادی کے بعد 1953ء میں سندھ لیجیسلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ بعد میں نیشنل عوامی پارٹی میں شامل ہو گئے اور 1956ء میں اس کے ٹکٹ پر مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن چنے گئے۔ 1964ء میں دوبارہ مسلم لیگ میں آ گئے اور پھر اسی کے ساتھ وابستہ رہے۔ 1965ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر دادو کے حلقے سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔

خاص رعایت چاہتے ہیں۔ رعایات کا مطالبہ احساس کمتری کی دلیل ہے، اس سے مسلمانوں کی ہمتیں پست ہو جائیں گی، اور ملک کے مجموعی مفاد کو بھی نقصان پہنچے گا۔ مسلمانوں کو خود داری کا سبق سیکھنا چاہیے، ہندوؤں کے ساتھ ہمارا رویہ مخلصانہ اور برادرانہ ہونا چاہیے۔ ہندوستان اُسی وقت صحیح معنوں میں ترقی کر سکے گا جب ملک کے دو بڑے فرقوں میں باہمی مفاہمت ہو، اور اُن کے تعلقات آپس میں دوستانہ ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے یہ الفاظ صدا بہ صحرانہ تھے، اور کانگریس اور لیگ کے اجلاس باہمی اتفاق کی فضا میں ختم ہوئے۔ اپریل میں متحدہ کمیٹی نے اصلاحات کے سلسلے میں جن ''کم از کم مطالبات'' پر بحث کی تھی اُن پر دونوں جماعتوں نے متفقہ فیصلہ کر لیا اور وہ حکومت ہند کو بھیج دیا گیا۔ جداگانہ انتخابات کا گھریلو مسئلہ بھی سلجھ گیا۔ کانگریس نے قائداعظم محمد علی جناح کا مشورہ قبول کر لیا اور اس بات پر راضی ہوگئی کہ چند ایسے صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے وہاں مجالسِ قانون ساز میں اُن کو اپنی آبادی کے تناسب سے کچھ زیادہ نشستیں مل جائیں۔ اس طرح کانگریس نے قائداعظم محمد علی جناح کے مشورے کے مطابق مسلمانوں کا اعتماد حاصل کر لیا۔

ان متفقہ فیصلوں کا سہرا قائداعظم محمد علی جناح کے سر بندھا، اور اُس کے بعد ان کا نام ہمیشہ اُس معاہدے سے وابستہ رہا جو میثاق لکھنؤ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس طرح قائداعظم محمد علی جناح کی ایک بڑی آرزو پوری ہوئی اور دادا بھائی نوروجی کا پیرو ہندوستان کا لیڈر بن گیا۔

میڈنز ہوٹل (دہلی)

دسمبر 1918ء میں قائداعظم محمد علی جناح آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لیے بمبئی سے اپنی اہلیہ کے ہمراہ دہلی تشریف لائے تو انہوں نے میڈنز ہوٹل میں قیام کیا۔

میر کارواں

❶ حفیظ ہوشیارپوری ملک کے ممتاز شاعر تھے انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:

یہ معجزہ ہے ترا میر کارواں بن کر
وہ طرح ڈالی ہے تعمیر گلستاں کے لیے
پیامِ لطف و مروت ہے جو زمانے کو
نوید صلح و محبت ہے اک جہاں کے لیے

❷ یہ کتاب قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن ولادت کی تقریبات اور افکار سے متعلق پچیس مقالات پر مشتمل پنجاب لیکچررز ایسوسی ایشن نے مرتب کی۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت، فکر اور جدوجہد کے حوالے سے تحریک آزادی اور تخلیق پاکستان کے بنیادی محرکات اور عوامل کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ کتاب 1976ء میں شائع کی گئی۔

میر کارواں کا آخری سفر

روزنامہ زمیندار نے قائداعظم محمد علی جناح کی وفات پر اپنی اشاعت 13 ستمبر 1948ء کو درج ذیل اداریہ لکھا:

مت سہل اسے سمجھو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

ہاتھ کانپ رہے ہیں، قلم لرز رہا ہے، آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، اور دل غم واندوہ سے چور چور ہے۔ فضائیں اداس، شہروں، قریوں، گھروں اور بازاروں میں افسردگی و خاموشی برس رہی ہے، اور ہر طرف اندوہ گیں ماحول دیکھنے میں آرہا ہے۔ آج دنیا کی

سب سے بڑی اسلامی مملکت کے بانی، اسلام کے درخشندہ آفتاب، ملتِ اسلامیہ ہند کے جانباز رہنما، قائداعظم محمد علی جناح ہم سے جدا ہو گئے، آج پاکستان یتیم ہو گیا۔ اس کا وہ سہارا نہ رہا، جس پر مسلمانوں کو ناز تھا۔ وہ آنکھ نہ رہی جو مسلمانوں کی خستہ حالی اور پراگندگی پر برسوں سے اشکبار تھی، وہ دل نہ رہا جو ملت کی سربلندی کے لیے تڑپتا تھا۔ آج ملت کا ہر شخص جو خون نابہ بار ہے۔ ہر آنکھ سے آنسو بہ رہے ہیں، ہر دل سے ہوک اٹھ رہی ہے اور ہر لب پہ آہیں تڑپ رہی ہیں۔ آج ہمارا وہ قائداعظم، وہ مجاہد کبیر جس نے اقبال کے فلسفے کو اپنے عمل سے ایک حقیقت روشن بنا کر پیش کیا۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

موت کے بے مہر ہاتھوں نے ہم سے چھین لیا۔

انا لِلّٰہ و انا الیہ راجعون۔

اس رہنما کو ہم سے جدا کر دیا، جس کی فراست و سیاست نے ہر میدان میں دشمنانِ ملت کی اجتماعی قوتوں، پُرفریب چالوں، خوفناک سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو شکست فاش دی، جس نے کانگریس اور برطانیہ کے ناپاک گٹھ جوڑ کے بخیے ادھیڑ دیے، جس نے نہرو کی اس طاغوتی گرج کا کہ

''ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں، دو قومیں ہیں، ایک کانگریس اور دوسری برطانیہ، اگر انتظامی اختیار ہو سکتا ہے تو کانگریس کو سونپے جا سکتے ہیں۔''

خم ٹھونک کر مقابلہ کیا، اور مالابار ہل کے گوشہ نشین نے بابانگ دہل نہ صرف پکارا بلکہ ثابت کر دیا کہ تم غلط کہتے ہو:

''اس برعظیم ہندوستان میں ایک تیسری قوم بھی ہے اور وہ ہے مسلمان جس کا اپنا تمدن، اپنی معاشرت اور اپنا نظامِ زندگی ہے، جس کی روایات شاندار ہیں، اور جس کا ماضی درخشندہ ہے جس نے ہندوستان میں ایک ہزار سال تک انا ولا غیری کا ڈنکا بجایا ہے۔ جس کی تہذیب وتمدن کے نشانات اس برعظیم کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس عظیم روایات و تمدن کی حامل قوم کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

یہ آواز صورِ اسرافیل تھی، جس نے ملت کی رگ و پے میں کہربائی لہر دوڑا دی۔ جس نے ملت کے منتشر اجزاء کو قلوب میں ایک مرکز پر جمع ہونے کا احساس پیدا کر دیا وہ بوڑھا تھا، نحیف تھا، کمزور تھا، لیکن اپنے سینے میں فولادی قلب رکھتا تھا۔ اس کے ارادے جواں تھے۔ وہ ملک کے طول وعرض میں پھر گیا، اور اس نے مسلمان قوم کے پیرو جواں، مرد و زن کے دلوں کو آزادی کی تڑپ سے تڑپا دیا۔ ملت منتشر تھی، اس نے اسے ایک مرکز میں جمع کیا، اور ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا:

''مسلمان ایک الگ قوم ہے، جس کی روایات الگ ہیں، تمدن الگ ہے، تہذیب الگ ہے۔ نظامِ حیات اور طرزِ بود و باش الگ ہے، اور ایک قوم کے لیے ایک آزاد اور خود مختار ملک کا ہونا ضروری ہے۔''

اس بوڑھے جرنیل نے اعلان کیا:

''آزاد ہندوستان میں آزاد پاکستان قائم ہو کر رہے گا۔''

ملت اسلامیہ کے دشمنوں نے شروع میں اسے مجذوب کی بڑ قرار دیا، لیکن آخر وہ نحیف آواز جو آج سے گیارہ سال پہلے بلند ہوئی تھی، جس کا ہمارے

دشمنوں اور برطانوی مدبروں نے مذاق اڑایا، حقیقت بن گئی اور بوڑھے جرنیل کی انتھک کوششوں، دن رات کی کاوشوں سے پاکستان بن گیا۔ مسلمانوں کو آزاد مملکت مل گئی، اور ایک صدی کے بعد مسلمانوں نے پھر آزادی کی سانس لی۔

آج قائداعظم ناخدائے پاکستان ہم میں موجود نہیں، لیکن ان کی روح، ان کا کام، ان کے خیالات، ان کے اقوال اور ان کا غیر فانی عزم ہمیشہ ہماری رہنمائی کرتے رہیں گے۔

اس وقت جب کہ ملت کو قائداعظم کی رہنمائی کی اشد ضرورت تھی، خدا نے انہیں اپنے پاس بلا لیا، خدا کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں۔ ہمیں صبر و تحمل، نظم و ضبط، بردباری اور ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے اس صدمۂ عظیم کو برداشت کرنا چاہیے، اور خدائے عزوجل کے حضور میں کھڑے ہو کر ہم میں سے ہر مسلمان، بچے، بوڑھے، جواں اور عورت کو عہد کرنا چاہئے کہ ہم قائداعظم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے پاکستان کے استحکام کے لیے جدوجہد کریں گے، اور پاکستان کو دنیا کی عظیم ترین مملکت بنانے میں تن، من، دھن سے مصروفِ عمل ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس قومی صدمے کو برداشت کرنے اور پاکستان کی خدمت کرنے کی توفیق ارزانی کرے۔

آمین۔

انا لِلّٰہ و انا الیہ راجعون۔

(روزنامہ زمیندار، اشاعت 13 ستمبر 1948ء)

میر لائق علی

وہ انجمن اتحاد المسلمین کے سرگرم کارکن تھے۔ نظام حیدرآباد دکن نے نومبر 1947ء میں انہیں سلطنت آصفیہ کا وزیراعظم مقرر کیا تھا۔ مسلمانوں کی خدمات کی بدولت وہ بہت جلد قائداعظم محمد علی جناح کے قریب آ گئے۔

میر لائق علی 14 اگست 1903ء کو پیدا ہوئے۔ انہوں نے مانچسٹر یونیورسٹی سے پی ایس سی کا امتحان پاس کیا دورانِ تعلیم ہی وہ حیدرآباد دکن کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں حصہ لینے لگے۔ میر لائق علی نومبر 1947ء سے ستمبر 1948ء تک حیدرآباد دکن کے وزیراعظم رہے۔ حیدرآباد دکن کے قبضے کے ساتھ ہی انہیں گرفتار کر لیا گیا، تاہم مارچ 1950ء میں وہ بھاگ کر پاکستان آ گئے۔ کراچی پہنچ کر انہوں نے وزارتِ دفاع میں بحیثیت مشیر خدمات انجام دیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے قیامِ پاکستان کے اقتصادی احکامات کا جائزہ لینے کے لیے جو کمیٹی بنائی تھی میر لائق علی اس کے رکن تھے، پاکستان نے اقوامِ متحدہ میں اپنا جو پہلا وفد بھیجا تھا۔ اس میں بھی وہ شریک تھے۔ کراچی آنے کے بعد انہوں نے پاکستان میں مقیم حیدرآباد دکن کے باشندوں کے لیے حیدرآباد ٹرسٹ قائم کیا جس کے تحت کراچی میں پہلی ماچس فیکٹری قائم ہوئی۔

24 اکتوبر 1971ء کو میر لائق علی نے نیویارک میں انتقال کیا۔ وہ حکومت پاکستان کی درخواست پر بنگلہ دیش کے سٹنٹ کے خلاف عالمی رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے نیویارک بھی گئے تھے۔

میراث قائداعظم

اس کتاب کو لاہور ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس جاوید اقبال نے لکھا اور اسے دسمبر 1967ء میں محترمہ فاطمہ جناح سے منسوب کر کے فیروز سنز نے لاہور سے شائع کیا۔ یہ کتاب 96 صفحات پر مشتمل ہے، اور اس میں قائداعظم محمد علی

جناح کے نظریات کو ان عناوین کے تحت پیش کیا گیا ہے:

1. اسلامی جمہوریت
2. اسلامی سوشلزم
3. قومی شیرازہ بندی
4. تعلیم
5. سرکاری ملازمین
6. خارجہ پالیسی
7. دفاع
8. اشاریہ

میرا قائد

یہ ایک مضمون ہے، یہ مضمون اسلامیہ کالج لاہور کے ایک طالب علم ضیاء الحق نے لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح کی آمد اور اسلامیہ کالج کے طلبا سے خطاب کے بارے میں لکھا۔
مضمون ان الفاظ پر مشتمل ہے:

''مسلم لیگی اور کانگریسی لیڈر نے کیبنٹ مشن کے اہم رکن کرپس سے مذاکرات شروع کیے۔ انھی دنوں قائداعظم لاہور تشریف لائے تو لاہور کے مسلمانوں نے اپنے محبوب لیڈر کا مثالی استقبال کیا، صبح کے وقت قائداعظم لاہور پہنچے۔ فرنٹیئر میل کی آمد سے پہلے لاہور ریلوے اسٹیشن پر اتنے مسلمان اکٹھے ہو گئے کہ پلیٹ فارموں پر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی فلک شگاف نعروں میں قائداعظم کو خوش آمدید کہا گیا پھر وہ ریلوے اسٹیشن سے ممدوٹ ولا پہنچے، پھر بعد از دوپہر قائداعظم کو ممدوٹ ولا سے اسلامیہ کالج کی گراؤنڈ میں لایا گیا۔ ڈیوس روڈ (جہاں ممدوٹ ولا ہے) سے لے کر کالج تک راستے کو نئی نویلی دلہن کی طرح سجایا گیا تھا، اور قائداعظم کا جلوس اس شان سے چلا کہ ان کی کار کے آگے چار موٹر سائیکلیں تھیں جن پر دو دو جوان سوار تھے پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے جوان کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ موٹر سائیکل چلانے والوں کے گلوں میں ریوالور لٹک رہے تھے، ان موٹر سائیکل سواروں میں اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر خواجہ عبدالحیٔ کے بھائی خواجہ ذکریا بھی شامل تھے، جو پاکستان ایئر فورس میں بہت بڑے عہدے پر فائز رہے۔ خواجہ ذکریا چوڑی چھاتی مضبوط اعضاء اور ساڑھے چھ فٹ قامت کا جوان تھا، اس کے چہرے کا رنگ گندمی چمک رہا تھا اس کے علاوہ قائداعظم کی تقریر سننے کے لیے پورے پنجاب کے کالجوں سے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکن آئے تھے ان میں کیمبل پور (اٹک)، میانوالی، سرگودھا کے چھ چھ فٹ لمبے جوان شامل تھے جنہیں دیکھ کر قائداعظم کے لبوں پر بار بار مسکراہٹ پھوٹ رہی تھی انہیں دیکھ کر ہی قائداعظم نے کہا:

''یہ خوبصورت، صحت مند اور جوان بیٹے میرے ساتھ ہیں میں انہیں ساتھ لے کر چلا ہوں میں دیکھوں گا ان کی موجودگی میں دنیا کی کون سی طاقت ہمیں پاکستان کے حصول سے روک سکتی ہے۔''

کچھ شرپسندوں نے قائداعظم کے اس جلسے کو ناکام بنانے کا پروگرام بنا رکھا تھا یہی وجہ تھی کہ قائداعظم کو موٹر سائیکل سواروں کی حفاظت میں ممدوٹ ولا سے اسلامیہ کالج گراؤنڈ میں لایا گیا تاکہ شرارتی عنصر کوئی گڑبڑ پیدا نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ اس جلسے کو کامیاب بنانا پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے لیے وقار کا مسئلہ بن گیا تھا کیونکہ کیبنٹ مشن کے اراکین قائداعظم کی مقبولیت کا اندازہ کرنے کے لیے لاہور

آئے تھے۔

اسلامیہ کالج کی وسیع وعریض گراؤنڈ میں قائداعظم کی تقریر سننے کے لیے تقریباً اڑھائی لاکھ مہمان جمع تھے کرپس اوراس کے ساتھی کالج گراؤنڈ سے ملحقہ وطن ہائی سکول کی چھت کے اوپر بیٹھے مسلمانانِ لاہور کے جوش وخروش کو دیکھ رہے تھے۔ میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا رضا کارتھا اور میری ڈیوٹی سٹیج کی پشت پر تھی قائداعظم نے تقریر شروع کی تو قریبی مبارک مسجد سے اذان کی آواز سنائی دی۔ حاضرین جلسہ حیران تھے کہ اس وقت کسی نماز کا وقت نہ تھا آخراس بے وقت اذان کا کیا مطلب۔

تھوڑی دیر کے بعد جلسہ گاہ کے ایک کونے میں خاکسارتحریک کے بانی علامہ عنایت اللہ المشرقی نمودار ہوئے، اور آہستہ آہستہ سٹیج کی طرف بڑھنے لگے ان کی آمد سے جلسے میں شور مچ گیا جو بعد میں طوفانِ بدتمیزی کی صورت اختیار کرگیا۔ علامہ مشرقی اس طوفان کے بہاؤ پر بہتے بہتے سٹیج پر قائداعظم کے قریب پہنچ گئے، ان کے اس فعل نے عوام کو اتنا مشتعل کر دیا کہ لوگ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اورانہوں نے سٹیج پر سے علامہ مشرقی کوگھسیٹنا شروع کر دیا۔ اسلامیہ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر عمر حیات ملک قائداعظم کے قریب بیٹھے تھے۔ حاضرین جلسہ نے علامہ مشرقی کوسٹیج سے گھسیٹ کر ہاتھوں پر اچھالنا شروع کر دیا مگراس وقت میرے قائد نے انتہائی بردباری اور صبر وتحمل کا ثبوت دیا اور عمر حیات ملک سے مخاطب ہوکر بولے:

''دیکھیے مسٹر ملک علامہ مشرقی کو بحفاظت گھر پہنچنا چاہیے۔''

(ماخذ روزنامہ مشرق لاہوراشاعت: 10 جنوری 1987ء، مضمون قائداعظم محمد علی جناح اوراسلامیہ کالج لاہور، از پروفیسرمحمد صدیق)

میرا قائد

یہ زیڈاے سلہری کی تصنیف ہے۔زیرمطالعہ کتاب بزرگ صحافی کی 1945ء کی انگریزی تصنیف ''مائی لیڈر'' کا محض اردو ترجمہ ہی نہیں بلکہ قائداعظم محمد علی جناح کا نظریہ سیاست،قومی بیداری، کیا پاکستان ناگزیر تھا؟ قائداعظم ایوب اور سیاست دان، انگریز کی قائداعظم دشمنی، قائداعظم بحیثیت انسان، قائداعظم کیا چاہتے تھے؟ ایک غلط تناظر، قائداعظم اور حکیم الامت، ہم نے قائد کو مار دیا، مسلم تحریکوں کے عوامل اور نتائج بنیادی مسئلہ، امن ملک کے اندراور ملک کے باہر، میرا وطن میرا اپنا وطن، قائداعظم کے نقش قدم پر، برطانیہ میں جہاد آزادی کی داستان، قائداعظم اور اسلامی مملکت میرے قائداعظم، کیا قائداعظم کا تصور پاکستان گہنا رہا ہے پر مشتمل انیس مضامین یا مقالوں کے اضافے نے اس کتاب کی افادیت کومزید بڑھا دیا ہے۔کتاب کا وہ حصہ قابل ذکر ہے جس میں فاضل مصنف نے اس موضوع پر بحث کی ہے کہ گاندھی نے یہ جانتے ہوئے کہ تحریک خلافت ناکام ہو جائے گی، بڑی عیاری سے اس تحریک کا ساتھ دیا اور مسلمان جذباتیت سے اس درجہ مغلوب ہو گئے کہ انہوں نے گاندھی کو اپنا لیڈرتسلیم کر کے اسے جامع مسجد کے منبر پرلا بٹھایا۔گاندھی نے دوتین سال تک مسلمانوں کو خوب مغالطہ میں رکھا، اور بالآخر اس نے اپنا آپ بے نقاب کیا جب یہ تحریک ناکام ہوگئی۔ قائداعظم محمد علی جناح انہی دنوں کانگریس کے اس مرد پیر کی عیاری کو بھانپ گئے تھے، کہ وہ مسلمانوں کو بے وقوف بنا کر در پردہ کانگریسی راج کی بنیادیں رکھ رہا ہے۔اس کے باوجود وہ کانگریس کا اس امید پر ساتھ دیتے رہے کہ شاید کوئی کانگریسی رہنما ہوش کے ناخن

لے، اور جب اتمام حجت ہوگئی تو مسلم لیگ کی صدارت قبول کر کے اسے استحکام بخشا، مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کی شکل دی اور بے مثال قیادت سے مسلمانوں کی منزل اول پاکستان حاصل کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح اور پاکستان سے سلہری صاحب کی وابستگی اور وفاداری ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناح کے ہر طالب علم اور بالخصوص نسل نو کے لیے بے حد ضروری ہے۔

میر ایم کے

مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح جب لاہور آئے تو انہوں نے لاہور ریلوے اسٹیشن پر قائداعظم محمد علی جناح کو سلام عرض کرتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام لیا اور کہنے لگے:

''خادم کو ایم کے میر کہتے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے مسکراتے ہوئے چہرے پر ایک دم خفگی آگئی اور وہ کہنے لگے:

''مسٹر میر آپ نے سخت غلطی کی ہے۔''

اور یہ کہتے ہوئے پلیٹ فارم پر اتر آئے وہ کہنے لگے:

''میں حیران تھا کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس وقت کہا:

''اب مجھے ان سب سے مصافحہ کرنا ہوگا۔''

اور پھر قائداعظم محمد علی جناح نے ان سب لوگوں سے باری باری ہاتھ ملایا جو انہیں الوداع کرنے کے لیے پلیٹ فارم پر جمع تھے۔ اتنے میں گاڑی حرکت میں آگئی اور قائداعظم محمد علی جناح سب سے مصافحہ کرنے کے بعد چلتی گاڑی میں سوار ہو گئے۔

میر پور خاص

یہ سندھ کا ایک ضلع ہے، دسمبر 1940ء کے تیسرے ہفتے میں قائداعظم محمد علی جناح مسلم لیگ کے رہنما فقیر محمد منگریو کی دعوت پر میر پور تشریف لے گئے کراچی سے بمبئی جاتے ہوئے یہاں ٹھہرے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کا استقبال میر پور خاص ریلوے سٹیشن پر خان بہادر چوہدری غلام حسین اور ان کے رفقاء نے کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح لطیف گاندھی کی کار میں سوار ہوئے اور ایک جلوس کی شکل میں ریلوے ریسٹ ہاؤس پہنچے۔ دوپہر کا کھانا محلّہ غریب آباد میں خان بہادر غلام محمد وسان کے ہاں کھایا اور دوپہر کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے کارکنوں کے ایک اجلاس سے خطاب کیا اور شام کو مسٹر لطیف گاندھی کے ہاں چائے پر تشریف لے گئے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے میونسپل آفس کے نزدیک تقریر کرتے ہوئے کہا:

''اپنے اندر اتحاد پیدا کریں اور مسلم لیگ میں شامل ہو کر اس کے ہاتھ مضبوط کریں تا کہ پاکستان حاصل کیا جا سکے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوؤں سے کہا:

''پاکستان میں اقلیتوں کو پوری پوری آزادی ہوگی انہیں وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو اسلام نے دیے، اور اسلام کسی غیر مسلم کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔''

اس جلسہ عام کے بعد قائداعظم محمد علی جناح رات کو میل ٹرین سے بمبئی روانہ ہو گئے۔

میرٹھ

یہ بھارت کا مشہور شہر ہے، 21 فروری اور 22 فروری 1938ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے میرٹھ میں خطاب فرمایا

انہوں نے اچھوتوں کی طرف سے اخبار چھتری کے سٹاف کے ایڈریس کے جواب میں کہا:

''مسلم لیگ نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام اقلیتوں کے لیے کام کر رہی ہے، ہم ہندوؤں کے دشمن نہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس طرح منظم کر دیا جائے کہ اکثریت اپنے زعم و طاقت کے نشہ میں کسی بھی غیر مسلم یا مسلم اقلیت پر ظلم نہ کرے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا کانگریس انصاف سے حکومت کر رہی ہے؟ میرا اور مسلم لیگ کا یہ مقصد ہے کہ ہم کانگریس کو کمزوروں اور مختلف طبقوں اور اقلیتوں کے ساتھ انصاف کرنے کا سبق سکھائیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اسلامی پرچم لہرانے کی رسم ادا کرتے ہوئے فرمایا:

''جو جھنڈا آج لہرایا گیا ہے یہ نیا نہیں ہے بلکہ تیرہ سو سال پہلے کا اسلامی جھنڈا ہے، جس کے نیچے مسلمانوں نے دنیا میں انصاف اور مساوات کی حکومت قائم کی اور دوسروں کے حقوق کی نگرانی کی۔ یہ جھنڈا دو سو برس ہوئے کہ ہندوستان میں کمزور ہو چکا تھا، مگر اب مسلم لیگ اس جھنڈے کی عزت برقرار رکھنے کے لیے میدان میں آئی ہے جھنڈا لہرانے کی رسم کے معنی صرف یہ نہیں کہ اسے کھول دیا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ اور ہم سب مل کر اس کی عزت قائم رکھنے کا عہد کرتے ہیں۔ اب یہ جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی عزت برقرار رکھو اور اسے سرنگوں نہ ہونے دو، اور اس کے نیچے منظم ہو کر خود بھی عزت حاصل کرو اور کمزوروں اور دوسری اقلیتوں کے لیے انصاف کی حکومت قائم کرو۔''

میرس روڈ علی گڑھ

نواب صدر یار جنگ کی کوٹھی اسی سڑک پر واقع ہے قائداعظم محمد علی جناح علی گڑھ تشریف لاتے تو وہ نواب صدر یار جنگ کی کوٹھی پر ہی قیام فرماتے اس کا نام حبیب منزل ہے۔

میرے قائد کا نظریہ

اس کتاب کے خالق پاکستان کے معروف کالم نگار اور ادیب محمد آصف بھلی ہیں۔ یوں تو انہوں نے بے شمار کتب تصنیف کیں، مگر میرے ''قائد کا نظریہ'' انتہائی مؤثر اور مدلل کتاب ہے۔ اس کتاب کو انہوں نے اتنے جامع انداز میں تحریر کیا ہے کہ اس سے نہ صرف قائداعظم محمد علی جناح کی پوری حیات آئینہ کی طرح سامنے آجاتی ہے، بلکہ یہ کتاب تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کی ایک مربوط اور مستند دستاویز بھی ہے۔

اس کتاب میں موجود مواد کالموں کی صورت میں لکھے گئے مواد کو اکٹھا کر کے کتابی شکل میں یکجا کیا گیا ہے، جس سے محمد آصف بھلی کی قابلیت اور علم ایک نئے انداز میں قارئین کے سامنے آئے ہیں۔

یہ کتاب 51 ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں سے چند عنوانات درج ذیل ہیں:

☆ قائداعظم اور اسلامی تعلیمات
☆ بانیٔ پاکستان کا تصورِ پاکستان
☆ ایوانِ قائداعظم کا میں بھی مقروض ہوں
☆ نظریہ پاکستان کے پہلے پرچم بردار، قائداعظم
☆ قائداعظم پاکستان کے پرچم کی طرح محترم ہیں
☆ علامہ اقبال کی نگاہ میں قائداعظم کا مقام
☆ قائداعظم قرآن پر ماتھا رکھ کر رو پڑتے ہیں
☆ کوئی قادیانی مسلم لیگ کا رکن نہیں بن سکتا

محمد آصف بھلی نے اپنی اس کتاب کو علامہ اقبال کے نام معنون کیا ہے۔ وہ علامہ اقبال کے نام کتاب معنون کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سیالکوٹ کی دھرتی پر جنم لینے والے عظیم شاعر، فلسفی اور عالمگیر ادبی شخصیت

علامہ اقبال

کے نام

جس کے بارے میں قائداعظم کا یہ فرمان ہے کہ

''اگر مجھے اقبال اور سلطنت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو تو میں اقبال کو منتخب کروں گا۔''

بلاشبہ یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، اور تاریخ کے طلباء کے لیے ایک انمول خزانہ ہے۔

اسے مقبول اکیڈمی لاہور نے بڑے خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔

میزانِ عمل

1938ء کے اواخر میں اینگلو عربک کالج دہلی میں مولانا شوکت علی مغفور کی تصویر کی نقاب کشائی کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے ایک پُر مغز تقریر کی، انہوں نے فرمایا:

''میں کامل اتفاق رائے کا طالب نہیں ہوں، میں اپنی قوم کی ٹھوس اکثریت کی ٹھوس اور فہمیدہ جماعت چاہتا ہوں، یہ حاصل ہو جائے تو میں بندوق کی گولیوں کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔''

تیاری پر طنز وطعن کا جواب دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''ستمبر 1939ء تک انگلستان میں ہٹلر کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ تھی۔ محض اس لیے آسٹریا اور چیکوسلواکیہ کی قربانی دینی پڑی۔ مسٹر چیمبرلین ہٹلر کو منانے میونخ گئے۔ مسٹر چیمبرلین نے میثاق میونخ پر دستخط اس لیے کیے تھے کہ انگلستان جنگ کے لیے پورے طور پر تیار نہ تھا۔

مسٹر گاندھی اپنی ساری تنظیم لامحدود وسائل اور پریس کی تائید وحماعت کے باوجود آج تحریک سول نافرمانی نامتابعت جاری کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ وہ تیار نہیں ہیں، البتہ تیاری کر رہے ہیں۔ میں بھی مسلمانوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ آؤ ہم بھی تیار ہو جائیں۔''

1943ء میں بلوچستان مسلم لیگ کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''ہم نے چند سال کے مختصر عرصہ میں منتشر مسلمانوں کو ایک قوم بنا دیا۔ ان کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا، وہ غیر منظّم اور بے حس تھے۔ مسلم لیگ نے ان میں ایک برقی رو بھر دی۔ ہم نے قومیت کے مختلف مدارج کو طے کر لیا، اور آج ہمارے پاس ایک پرچم، ایک مرکز اور ایک نصب العین ہے۔''

بیوری نکلسن اپنی کتاب ''مشاہدہ ہند'' میں لکھتا ہے:

''اگر مسلم لیگ ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندہ نہیں ہے تو بتایا جائے آخر وہ کون سی جماعت ہے، جو مسلم لیگ کی حریت بن سکتی ہے، کانگریس اور گاندھی جی اس سے معاملہ کیوں نہیں طے کر لیتے۔ مسلم لیگ اور مسٹر جناح کا تعاقب کیوں کر رہے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ مسلم لیگ ہی کامیاب ہوئی۔ اگر یہ مسلمانوں کے منشا کا اظہار نہیں ہے تو پھر سوچنا پڑے گا، آخر مسلمان قوم کی مرضی کیا ہے؟ وہ کس طریقہ سے معلوم کی جا سکتی ہے۔''

16 اکتوبر 1945ء کو کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم

محمد علی جناح نے فرمایا:

''ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہم نے اپنے مقصد کے لیے کوئی قربانی نہیں کی۔ اس بات میں واقعی مجھے شک ہے کہ جس قسم کی قربانی کانگریس کرتی ہے، ہم نہیں کر سکتے۔ بکریوں کی طرح پولیس کی لاٹھیوں کے سایہ میں بیٹھنا، پھر جیل چلے جانا اور پھر وزن گھٹ جانے کی شکایت کر کے رہا ہو جانا، ایسی قربانیاں صرف کانگریس میں کرسکتی ہے۔ (قہقہے)

میں اس قسم کی تحریک کو پسند نہیں کرتا، لیکن جب وقت آئے گا تو میں سب سے آگے جا کر اپنے سینہ پر گولیاں کھاؤں گا۔

موجودہ طریقہ انتخاب کے ماتحت نئے انتخابات ممکن ہے کہ ہمارے خیال سے پہلے ہی سامنے آجائیں اس لیے آج ہی سے مجلس عمل مرکزی پارلیمنٹری بورڈ اور تمام صوبائی مسلم لیگیوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس آنے والے مقابلہ کے لیے جس کا سامنا ہمیں کرنا ہوگا، فوراً تیاری شروع کردیں۔''

19 اکتوبر 1945ء کو کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''اگر حکومت اور کانگریس نے اپنے اثر و رسوخ کا ناجائز استعمال نہ کیا تو ہم کانگریس کے مقابلہ میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوں گے، مگر کانگریس روپیہ پیسے کے بل بوتے پر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ انشاءاللہ ہم کامیاب رہیں گے۔''

میکڈانلڈ، جیمز

بمبئی میونسپل کارپوریشن کے صدر تھے، 1903ء میں وہ ایک مقدمے کے سلسلے میں ہائی کورٹ آئے تو کرسی نہ ہونے کی وجہ سے ایک خالی کرسی پر جو وکیلوں کے لیے مخصوص تھی اس پر بیٹھ گئے اتنے میں قائداعظم محمد علی جناح ہائی کورٹ تشریف لے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے بیٹھنے کے لیے کوئی کرسی خالی نہیں ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جیمز میکڈانلڈ کو وکلاء کی کرسی خالی کرنے کو کہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے عدالت کے منشی سے کہا:

''کرسی خالی کراؤ۔''

اس کے ساتھ ہی انہوں نے منشی کو متنبہ کیا:

''اگر تم کرسی خالی نہیں کراؤ گے تو وہ اس کی شکایت جج سے کردوں گا۔''

منشی جب جیمز میکڈانلڈ کے پاس گیا تو انہوں نے کرسی خالی کر دی۔ جیمز میکڈانلڈ نے قائداعظم محمد علی جناح کی اس حرکت پر تاسف نہ کیا بلکہ منشی سے ان کا نام پوچھا اور قائداعظم محمد علی جناح کو ایک ہزار روپے ماہوار پر کارپوریشن کا مشیر مقرر کرلیا۔

میکش، مولانا مرتضیٰ احمد خاں

وہ ممتاز صحافی اور روزنامہ احسان لاہور کے پہلے مدیر اعلیٰ تھے، مولانا میکش کا اخبار لاہور کا پہلا اخبار تھا جس نے مسلم لیگ کی کھل کر حمایت کی روزنامہ احسان کا افتتاح قائداعظم محمد علی جناح نے کیا تھا مرتضیٰ احمد خاں میکش وہ واحد صحافی ہوئے ہیں جن سے ملاقات کے لیے قائداعظم محمد علی جناح خود روزنامہ احسان کے دفتر میں تشریف لائے تھے، مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش مسلم لیگ کے ہفتہ وار مجلّہ ''پاکستان'' کے مدیر مسئول بھی تھے۔

قید فرنگ سے پہلے اور بعد روزنامہ زمیندار سے منسلک رہے اور کچھ عرصہ مدیر اعلیٰ بھی رہے، روزنامہ انقلاب میں بھی

کام کیا پھر روزنامہ شہباز جاری کیا، جو تقسیم ہند کے بعد مسلم لیگ کا ترجمان بن گیا مولانا میکش مغربی پاکستان اور روزنامہ نوائے پاکستان کے مدیر اعلیٰ بھی رہے، انہیں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ صحافت میں لیکچرار اور ادارہ معارف اسلامیہ اور پنجاب یونیورسٹی کے ادارتی بورڈ کے رکن ہونے کا بھی شرف حاصل رہا، انہوں نے ریڈیو پاکستان سے حالات حاضرہ کے موضوع پر تقاریر بھی کیں۔

خلافت اسلامیہ اور مسلم لیگ دونوں تحاریک میں بھرپور حصہ لیا سکندر جناح معاہدہ کے نومعزز اراکین میں سے ایک تھے۔

دسمبر 1928ء میں مرتضیٰ احمد خاں میکش نے مسلم ہند کے لیے وطن کی ضرورت ہے کے زیرعنوان ایک سلسلہ مضامین لکھ کر تقسیم ہند کو ہندو مسلم مسئلہ کا حل قرار دیا۔ جن کے خلاف ہندو اخبارات مثلاً پرتاپ لاہور کے ایڈیٹر مہاشا کرشن نے کڑی نکتہ چینی کی۔

ان کے مضامین کا ذکر سید شریف الدین پیرزادہ نے اپنی کتاب ''پاکستان منزل بہ منزل'' جناب کے کے عزیز نے ''نظریہ پاکستان کی تاریخ'' اور چوہدری محمد علی نے ''ظہور پاکستان'' میں بھی کیا ہے۔

میکلوڈ روڈ (علامہ اقبال روڈ)

1936ء میں مرکزی پارلیمانی بورڈ کی تشکیل کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح لاہور تشریف لے گئے تو ڈاکٹر سر محمد اقبال کی میکلوڈ روڈ پر واقع رہائش پر بھی گئے۔ علامہ اقبال نے قائداعظم محمد علی جناح کا پرجوش خیر مقدم کیا اس ملاقات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دونوں رہنماؤں کے مابین جو غلط فہمیاں پائی جاتی تھیں وہ دور ہو گئیں۔

مہر عثمان، سید مولوی

کلکتہ مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل تھے، اور کلکتہ کارپوریشن کے آخری میئر بھی، قیام پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں ایک خاص مشن پر کئی اندرونی اور بیرونی ممالک میں روانہ کیا۔ انہوں نے پاکستان کے لیے بے پایاں خدمات انجام دیں۔ تحریک خلافت کے سلسلے میں گرفتار ہو کر علی پور سنٹرل جیل کلکتہ میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور وہیں علامہ راغب احسن کے ساتھ مل کر یہ عہد کیا کہ دونوں زندگی بھر انگریزوں کی اعلیٰ سے اعلیٰ ملازمت قبول نہیں کریں گے چنانچہ وہ ساری عمر سکول میں پڑھاتے رہے۔

میر واعظ، محمد یوسف

1933ء میں قائداعظم محمد علی جناح کشمیر تشریف لے گئے تو انہوں نے 11 تا 17 جولائی 1944ء میر واعظ محمد یوسف کی رہائش گاہ میر واعظ منزل میں قیام فرمایا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں دعوت کا اہتمام کیا گیا، اور انہیں ایک کشمیری شال پیش کی گئی اور جب قائداعظم محمد علی جناح نے شال کو کندھوں پر ڈالا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا:

''اب تو میں بھی کشمیری بن گیا ہوں۔''

میرین لائنز، بمبئی

یہ بمبئی کا مشہور مقام ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس 30 دسمبر 1915ء کو میرین لائنز میں جناب مظہر الحق بیرسٹر کی صدارت میں منعقد ہوا، قائداعظم محمد علی جناح نے اس اجلاس میں بھی شرکت کی قائداعظم محمد علی جناح نے یہ تجویز پیش کی:

''ہندوستان کی دونوں بڑی سیاسی جماعتیں کوئی مشترکہ

لائحہ عمل حکومت کو پیش کریں جس کی شکل متحدہ ہند کے مطالبات کی ہو۔''

بنگالی رہنما مولوی اے کے فضل الحق نے اس کی تائید کی قائداعظم محمد علی جناح کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے 17 افراد پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں راجا صاحب محمود آباد، سر آغا خان، سر ابراہیم رحمت اللہ، قائداعظم محمد علی جناح، مسٹر عمر سوبانی، سید علی امام، مسٹر مظہر الحق، ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر ایم اے انصاری، میاں محمد شفیع، یوسف ہارون، عبداللہ ہارون، میاں فضل حسین، مولانا ظفر علی خان، مولوی ابوالقاسم فضل الحق، مولانا ابوالکلام آزاد، مولوی محمد اکرم خان، حکیم محمد اجمل خان، میاں محمد حاجی جان، جان محمد چھوٹانی، سیٹھ یعقوب حسن، حاجی محمد عبدالشکور جمال اور حاجی احمد ملا داؤد شامل تھے۔

میکفرسن

وہ بمبئی کے قائم مقام ایڈووکیٹ جنرل تھے، میکفرسن سے قائداعظم محمد علی جناح کی ملاقات ان کے ایک دوست کے توسط سے ہوئی میکفرسن قائداعظم محمد علی جناح سے مل کر خاصا متاثر ہوا، اور اس نے قائداعظم محمد علی جناح کو یہ پیش کش کی:

''آپ میرے ساتھ کام کریں اور میری لائبریری سے استفادہ کریں۔''

قائداعظم محمد علی جناح میکفرسن سے اس لیے بھی متاثر تھے کہ اس زمانے میں کسی ہندوستانی بیرسٹر کے لیے کسی انگریز کی جانب سے ان جذبات کا اظہار غیر معمولی بات تھی۔

میکفرسن نے قائداعظم محمد علی جناح کی ذہانت اور ان کی بے پایاں شخصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے چند مقدمات بھی ان کے سپرد کیے۔

میلاد النبی ﷺ

قائداعظم محمد علی جناح نے 5 فروری 1945ء کو مدیر مسلم ویوز بمبئی سے حسبِ ذیل پیغام عید میلاد النبی ﷺ کی مبارک تقریب پر ارسال فرمایا:

''آپ نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں میلاد النبی ﷺ کی تقریب پر پیغام ارسال کروں۔ میں آج آپ کو اس کے سوا کیا پیغام دے سکتا ہوں کہ ساری دنیا میں مسلمانوں کو اسلام کی بہترین روایات کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہیے، دین جو ہمیں رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے ملا ہے۔

اسلام اس دنیا میں آیا تاکہ یہاں جمہوریت، امن اور انصاف قائم کرے، اور مظلوموں کے حقوق کا تحفظ کرے۔ یہ بنی نوع انسان کے لیے امیر اور غریب، بلند اور پست میں مساوات کا پیغام لایا۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ کا بیشتر حصہ نظریات کی خاطر لڑنے میں صرف کیا۔ پھر کیا یہ ہر مسلمان کا فریضہ نہیں ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو، وہ ان عظیم نظریات اور اسلام کی شاندار روایات کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی بہترین کوشش صرف کر دے۔ انسانوں میں مساوات قائم کرنے، انسان کے جائز حقوق کے حصول اور جمہوریت کے قیام کی خاطر لڑے؟ ہند میں ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ پاکستان ہمارا جائز مطالبہ ہے اور پیدائشی حق۔ ہم باور کرتے ہیں کہ یہ جمہوری اصولوں اور انصاف کے عین مطابق ہے، لہٰذا ہم نے یہ عزم بالجزم کر رکھا ہے کہ ہم اس کے لیے لڑیں گے، اور انشاء اللہ کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔''

25 جنوری 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل

پاکستان نے عید میلادالنبی ﷺ کی تقریب سعید پر اپنے اعزاز میں کراچی بار ایسوسی ایشن کی جانب سے دیے گئے ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ جو دانستہ طور پر شرارت کرنا چاہتا ہے، یہ پروپیگنڈہ کر رہا ہے کہ پاکستان کے دستور کی اساس شریعت پر استوار نہیں کی جائے گی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''آج بھی اسلامی اصولوں کا زندگی پر اسی طرح اطلاق ہوتا ہے، جس طرح تیرہ سو سال پیشتر ہوتا تھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں یا کچھ لوگ جو اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہو گئے ہیں۔ میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسلام اور اس کے اعلیٰ نصب العین نے ہمیں جمہوریت کا سبق پڑھایا ہے۔ اسلام نے ہر شخص کو مساوات، عدل اور انصاف کا درس دیا ہے۔ کسی کو جمہوریت، مساوات اور حریت سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے، جبکہ وہ دیانت کے اعلیٰ ترین معیار پر مبنی ہو، اور اس کی بنیاد ہر شخص کے لیے انصاف اور عدل پر رکھی گئی ہو۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''ہمیں اسے (پاکستان کا آئندہ دستور) بنا لینے دیجیے۔ ہم یہ بتائیں گے، اور ہم ساری دنیا کو دکھائیں گے۔''

صوبائی عصبیت کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''یہ ایک بیماری ہے اور لعنت۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ مسلمان صوبائی عصبیت کی بیماری سے چھٹکارا پالیں۔ ایک قوم جب تک کہ وہ ایک صنف میں نہ چلی جائے کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ ہم سب پاکستانی اور اس مملکت کے شہری ہیں، اور ہمیں مملکت کے لیے خدمت، ایثار اور زندگی کا نذرانہ پیش کرنا چاہیے تاکہ ہم اسے دنیا کی عالیشان اور خودمختار مملکت بنا سکیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس عظیم اور تاریخی موقع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

''میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے خوش آمدید کہا۔ میں اس بار ایسوسی ایشن سے کافی عرصہ سے واقف ہوں۔ آج ہم یہاں تھوڑی سی تعداد میں اس عظیم شخصیت ﷺ کے حضور خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے۔ جن کے لیے نہ صرف لاکھوں دل احترام سے لبریز ہیں، بلکہ جو دنیا کے عظیم ترین لوگوں کی نظر میں بھی محترم ہیں، میں ایک حقیر آدمی، اس عظیم المرتبت شخصیت کو کیا خراج عقیدت پیش کر سکتا ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ ایک عظیم رہبر ہیں، آپ ﷺ ایک عظیم قانون عطا کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ ایک عظیم مدبر ہیں۔ آپ ﷺ ایک عظیم فرمانروا ہیں۔ جنہوں نے حکمرانی کی، جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو بلاشبہ بہت سے لوگ ایسے ہیں، جو اس بات کو بالکل نہیں سراہتے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''اسلام نہ صرف رسم و رواج، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ ہے، بلکہ اسلام ہر مسلمان کے لیے ایک ضابطہ بھی ہے، جو اس کی حیات اور اس کے

ادب بلکہ اس کی سیاست و اقتصادیات وغیرہ پر محیط ہے۔ یہ وقار، دیانت، انصاف اور سب کے لیے عدل کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی ہے۔ ایک خدا اور خدا کی توحید، اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ اسلام میں ایک آدمی اور دوسرے آدمی میں کوئی فرق نہیں۔ مساوات، آزادی اور یگانگت، اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"اس زمانہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی زندگی سادہ تھی۔ تاجر کی حیثیت سے لے کر فرمانروا کی حیثیت تک آپ ﷺ نے جس چیز میں بھی ہاتھ ڈالا، کامیابی نے آپ ﷺ کے قدم چومے۔ رسول اکرم ﷺ عظیم ترین انسان تھے جن کا چشم عالم نے کبھی آپ ﷺ سے پہلے نظارہ نہیں کیا۔ تیرہ سو سال گزرے کہ آپ ﷺ نے جمہوریت کی بنیاد ڈالی۔"

(قائداعظم تقاریر و بیانات، اقبال احمد صدیقی صفحہ 403,401 قائداعظم اپنے معاصرین کی نظر میں، جمیل الدین احمد صفحہ 251,252 روزنامہ ڈان، 26 جنوری 1948ء)

میمن ایوان تجارت

میمن ایوان تجارت کے اراکین قائداعظم محمد علی جناح سے بہت محبت رکھتے تھے اس بات کا ثبوت انہوں نے اس وقت دیا جب قائداعظم محمد علی جناح رفیق صابر نامی شخص کے قاتلانہ حملے سے شدید زخمی ہوئے اور جب وہ شدید علالت کے بعد صحت یاب ہوئے تو قائداعظم محمد علی جناح کی صحت یابی کی خوشی میں انہوں نے ایک تقریب کا اہتمام کیا۔

یہ تقریب 4 اکتوبر 1943ء کو بمبئی میں منعقد ہوئی۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"میں حملے کے متعلق زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ یہ معاملہ عدالت کے زیر سماعت ہے تاہم یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ لوگوں کو دھمکیاں دینے یا ان کی جانوں پر حملے کرنے سے ان کے عقائد نہیں بدل سکتے جو مسائل اس وقت ہمارے سامنے ہیں ان کا تصفیہ قاتلوں کی چھریوں سے نہیں ہوسکتا۔ یہ اس حقیقت کا واضح اعادہ ہے جس کا اعلان قرآن کریم نے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کیا تھا، اور جس کو ہر مسلمان کے عقائد و اعمال کی بنیادی اساس ہونا چاہئے یعنی "لا اکراہ فی الدین"

قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر مخالفین سے کہا:

"یہ مسلم لیگ میں نفاق پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے بے شک مسلم لیگی رہنماؤں کو ہلاک کر سکتے ہیں لیکن اگر ان کی زندگی باقی ہے تو کوئی انہیں ختم نہیں کرسکتا۔ ہمارا پختہ ایمان ہے کہ مارنے والے سے زندہ رکھنے والا قوی تر ہے، اور وہ مالک حقیقی سب کا محافظ ہے، مسلم لیگ کسی رہنما یا ذات کا نام نہیں بلکہ کروڑوں مسلمانوں کی قومی تنظیم ہے۔"

مینار پاکستان

قرارداد پاکستان کی یاد تازہ کرنے کے لیے اقبال پارک لاہور میں جو مینار تعمیر کیا گیا ہے اس پر قائداعظم محمد علی جناح کی نظریہ پاکستان کے سلسلے میں کی جانے والی تقاریر کے اقتباسات اور 30 اکتوبر 1947ء کی ایک تقریر کا وہ اقتباس بھی شامل ہے جس میں آپ نے فرمایا:

"اپنا فرض بجا لاتے رہو، خدا پر بھروسہ رکھو، دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کو ختم نہیں کرسکتی۔"

مینارِ پاکستان 8 ایکڑ رقبہ پر محیط ہے۔ اس کی تعمیر کے سلسلے میں صدر محمد ایوب خان نے 1960ء میں ایک کمیٹی قائم کی تھی۔ اس کا نقشہ ممتاز ماہر تعمیرات مرد خاں نے بنایا اور یہ مینار پانچ سال کی مدت میں میاں عبدالخالق اینڈ کمپنی نے 75 لاکھ روپے کی لاگت سے مکمل کیا۔ مینار کی بلندی 196 فٹ ہے اور سٹین لیس سٹیل کا بالائی حصہ ساڑھے سولہ فٹ ہے۔

مینار پر جو خطاطی کی گئی وہ حافظ محمد یوسف، صوفی خورشید عالم، محمد صدیق الماس رقم، ابن پروین رقم اور محمد اقبال کی مرہونِ منت ہے اب یہاں تفریح کے تمام مواقع میسر ہیں۔ دور دور سے لوگ اسے دیکھنے کے لئے آتے ہیں ہر دن اور ہر وقت لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

میوہسپتال لاہور

یہ لاہور کا قدیم ترین ہسپتال ہے۔

قائداعظم اس ہسپتال میں اس روز تشریف لائے جب وہ بمبئی سے 20 مارچ 1940ء کو لاہور پہنچے اور انہوں نے 19 مارچ کو ٹبی بازار میں نوگزہ کی قبر کے نزدیک پولیس فائرنگ کے نتیجے میں زخمی ہونے والے خاکساروں کی عیادت کی حالانکہ اس کے پروگرام میں خاکساروں کی عیادت شامل نہ تھی بلکہ وہ لاہور ریلوے سٹیشن پر اترے تو انہیں خاکساروں کا پولیس کے ساتھ تصادم اور ان کے زخمی ہونے کا بتایا گیا تو وہ سیدھے میوہسپتال تشریف لے گئے۔

مینن، وی پی

ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا کے مصنف۔

انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا:

''مسلم لیگ کے مطالبے کی معین شکل ظاہر ہوگئی جس پر مسلم لیگ اب تک بغیر اس کی تعریف کیے ہوئے اصرار کر رہی تھی اور اس سے عموماً مسلمانوں میں مسٹر جناح کی حیثیت بڑھی اور ان کا وقار بلند ہوا۔''

ویول پلان کے بارے میں وی پی مینن لکھتے ہیں:

''ویول پلان کو ترک کرنے سے بلاشبہ جناح اور مسلم لیگ کی پوزیشن مستحکم ہوگئی...... مسٹر جناح ہی ایک ایسے شخص ہیں جو کچھ کر سکتے ہیں اس لیے اب تک تذبذب میں گرفتار مسلمان سیاست دان اور عام لوگ مسلم لیگ کی طرف مائل ہونے لگے۔''

ن

ناٹی بوائے

قائداعظم محمد علی جناح اپنی عمر سے زیادہ چھوٹی عمر والے رہنماؤں کو ''ناٹی بوائے'' کہا کرتے تھے، قائداعظم محمد علی جناح سردار عبدالرب نشتر، راجا صاحب محمود آباد قاضی محمد عیسیٰ خان کو اسی طرح مخاطب کرتے تھے۔

نارتھ ویسٹرن مسلم ریلویز ایمپلائز ایسوسی ایشن

1940ء کی بات ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح سے نارتھ ویسٹرن مسلم ایمپلائز ایسوسی ایشن کا ایک وفد ان کی رہائش گاہ دہلی گیا تو وفد کے قائد قیوم نامدار نے قائداعظم محمد علی جناح کو مختصر الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بتایا قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں مسلمانانِ ہند کی حالت زار سے بخوبی واقف ہوں۔ زندگی کے ہر شعبے میں انگریز حاکموں کی ناانصافیاں اور ہندو افسروں کی دھاندلیاں مجھ سے پوشیدہ نہیں۔''

وفد کے قائد نے کہا:

''ہم سب بے جان مورتیوں کی طرح ان کی طرف دیکھ رہے تھے اور کان ان کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''آپ کو شاید معلوم نہیں کہ ہمارے گرد آہنی حصار کھڑے کر دیے گئے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اس طرح تو ساری قوم بے بس ہو کر رہ گئی ہے مجھے ابھی بہت کام کرنا ہے، میں اگر ریلوے کے مسلمان ملازمین کی ہی نمائندگی کرنے لگوں تو باقی بھائیوں کو کیا ہوگا۔ آپ مطمئن رہیے۔ آپ کی مشکلات سے بے خبر نہیں۔ وقت قریب آ رہا ہے آپ صرف محکمہ ریلوے میں ہی مسلمانوں کی آبادی کے مطابق نمائندگی چاہتے ہیں میں انشاء اللہ ریلوے کا سارا محکمہ آپ کے حوالے کر دوں گا۔''

نازک چالیں

قائداعظم محمد علی جناح نے 24 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''ہمارے دشمن، جن میں مجھے افسوس ہوتا ہے کہ کچھ مسلمان بھی شامل ہیں، برابر صوبائی تعصب کو اس توقع پر ہوا دے رہے ہیں کہ پاکستان اس طرح کمزور ہو جائے گا کہ اس صوبے کو دوبارہ ہندوستان میں شامل کر لیا جائے۔ جھوٹی اور غلط سلط باتوں کا ایک طومار باندھا جاتا ہے کہ اس ملک کے مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہو جائے، اور لوگ قانون کی خلاف ورزیوں پر آمادہ ہو جائیں۔ بہت سی ایسی نازک چالیں جن سے صوبائی تعصب کے زہر کو اس صوبے کی رگ و پے میں داخل کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ بات آپ کے نزدیک بڑی عجیب و غریب نہیں ہے کہ ہندوستان کے اخبارات جنہیں پاکستان کے نام سے

نفرت ہے۔ آپ کے مطالبہ کی جسے وہ ''جائز حق'' کہتے ہیں برابر حمایت کر رہے ہیں؟ کیا یہ بات بے معنی نہیں کہ جو لوگ مسلمانوں کو دھوکہ دیں، اور پاکستان کی ہر طرح مخالفت کریں، حالانکہ یہ محض آپ کے حق اختیاری ہی کی ایک صورت ہے۔ جو آپ کا بنیادی حق ہے۔ وہی لوگ یکا یک آپ کے حقوق کے علمبردار بن جائیں، اور آپ کو اس بات پر اکسائیں کہ آپ حکومت سے مقابلہ کریں۔ میں آپ کو ان غداروں سے ہوشیار رہنے کی نصیحت کرتا ہوں۔''

ناسخ سیفی

تحریک پاکستان کے رکن تھے، اور روزنامہ سعادت کے بانی اور مدیر۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے کہنے پر کمالیہ سے ہفت روزہ سعادت کا اجراء کیا۔

ناسخ سیفی 1913ء میں پیدا ہوئے انہوں نے تعلیم کی تکمیل کے بعد صحافت کو پیشے کے طور پر اپنایا۔ 1937ء میں کمالیہ سے ہفت روزہ سعادت جاری کیا جسے بعد میں فیصل آباد اور پھر لاہور منتقل کر دیا گیا، اور اسے روزنامہ بنا دیا۔ انہوں نے تحریکِ پاکستان کے ایام میں اپنے اخبار کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح کا پیغام گھر گھر پہنچانے کی سعی کی۔

وہ مسلم لیگ کے بھی فعال رکن رہے اور وفات تک اس سے وابستہ رہے۔

7 جولائی 1983ء کو کمالیہ میں دفن ہوئے۔

ناصر زیدی

ملک کے معروف شاعر ادیب اور صحافی ہیں۔

ناصر زیدی نے قائداعظم محمد علی جناح پر بعنوان پر ''وہ رہبر ہمارا وہ قائد ہمارا'' نظموں کی کتاب مرتب کی۔

ناصر زیدی 8 اپریل 1943ء کو مظفر نگر یو پی میں پیدا ہوئے۔ ناصر زیدی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ مسلسل پندرہ برس تک ''ادب لطیف'' کے ایڈیٹر بھی رہے۔ بلاشبہ ناصر زیدی ہمارے ملک کے بڑے ادیب و شاعر ہیں۔ ان کی قلم میں پختگی اور سوچ میں وسعت ہے۔ پاکستان رائٹر گلڈ کے مرکزی رکن بھی ہیں۔ بعدازاں سیکرٹری جنرل بھی رہے۔

ناظم الدین، خواجہ

قائداعظم محمد علی جناح خواجہ ناظم الدین کو اپنا معتمد ساتھی سمجھتے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے 15 فروری 1942ء کو بنگال مسلم لیگ کانفرنس کے اجلاس منعقدہ سراج گنج میں فرمایا:

''خواجہ ناظم الدین ذمہ دار رہنما ہیں، اور پاکیزہ کردار کے مالک ہیں۔ ان کا ریکارڈ بالکل صاف ستھرا ہے۔ انہوں نے اپنی پوری عملی زندگی میں اپنا دامن ہر الزام سے پاک اور بے داغ رکھا ہے۔''

قیام پاکستان کے بعد جب خواجہ ناظم الدین سے کسی نے پوچھا:

''آپ قائداعظم کے جانشین ہیں۔''

تو انہوں نے کہا:

''میں قائداعظم کا جانشین نہیں ان کا سایہ ہوں، اور بس اتنا میرے لیے باعثِ فخر ہوگا۔''

یہ فروری 1941ء کی بات ہے کہ غیر منقسم بنگال میں مخلوط وزارت توڑی جا چکی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح سراج گنج میں صوبہ بنگال کی مسلم لیگ کانفرنس میں خطبہ صدارت پڑھ رہے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح فرمایا:

''جب مخلوط جماعت توڑ دی گئی تو ہز ایکسی لینی (گورنر) کا فرض تھا کہ وہ عظیم ترین واحد جماعت کے لیڈر کو طلب کرتے، یہ جماعت بلاشبہ مسلم لیگ

تھی ان کا فرض تھا کہ وہ سب سے پہلے اس جماعت کے سربراہ خواجہ ناظم الدین کو طلب کرتے حکومت کو سب سے پہلے اسی رہنما سے پوچھنا چاہیے تھا کہ وہ وزارت بنا سکتا ہے یا نہیں۔ سر ناظم الدین ایک ذمہ دار لیڈر ہیں ان کی شخصیت بے داغ ہے۔ اس آئین کے عمل میں آنے سے بہت پہلے وہ ذمہ دار عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں، موجودہ آئین کے نفاذ سے لے کر کابینہ کے استعفیٰ دینے تک وہ سب سے زیادہ اہم وزارت یعنی وزارت داخلہ کے ذمہ دار تھے، یہ تنقید کرنے کا کام سر ناظم الدین کا تھا کہ انہیں کابینہ بنانے کی پیش کش قبول کرنا چاہیے یا نہیں۔

اگر وہ غلطی کر بیٹھتے اور ہز ایکسی لینی سے کہتے کہ ہاں میں کابینہ بناؤں گا، اور پھر وہ کابینہ بنانے میں ناکام ہو جاتے یا عدم اعتماد میں شکست کھا جاتے تو یہ گورنر کی نہیں بلکہ مسلم لیگ کی موت ہوتی، مگر گورنر نے انہیں موت کا مقابلہ کرنے کا موقع نہیں دیا۔“

خواجہ ناظم الدین، خواجہ نظام الدین رئیس احسان منزل ڈھاکہ میں 19 جولائی 1894ء کو پیدا ہوئے۔ انہوں نے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)۔ گرائمر سکول لندن اور ٹرینٹی ہال کیمبرج میں تعلیم پائی۔ 1922ء میں صرف 28 سال کی عمر میں میدان سیاست میں قدم رکھا اور ڈھاکہ میونسپل کمیٹی کے چیئرمین منتخب ہوئے، اور 1929ء تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن بھی تھے۔

1929ء میں متحدہ بنگال کے وزیر تعلیم مقرر ہوئے اور 1934ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ انہوں نے اس وقت کی بنگال اسمبلی میں 1930ء میں بڑی کامیابی کے ساتھ مذہبی تعلیم کا بل منظور کرایا مئی 1934ء میں بنگال مجلس قانون ساز کے رکن رہے۔

خواجہ ناظم الدین نے بنگال کے زرعی قرضہ کا بل اور بنگال دیہی ترقیاتی بل مجلس قانون ساز میں پیش کیے۔ اپریل 1937ء میں متحدہ بنگال کے وزیر داخلہ بنے، اور دسمبر 1941ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ مارچ 1942ء تا 1943ء قائد حزب اختلاف رہے۔ اپریل 1943ء میں بنگال میں مسلم لیگ کی وزارت قائم کی اور امور داخلہ کے بھی انچارج رہے۔ وہ 1937ء سے 1947ء تک آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے رکن رہے انہوں نے اسٹار آف انڈیا کلکتہ سے جاری کیا، اور خان بہادر عبدالمومن کی معیت میں کلکتہ میں مسلم چیمبر آف کامرس قائم کیا۔ تقسیم کے بعد مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ اور پھر قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد ستمبر 1948ء میں گورنر جنرل بنے۔ بعد ازاں لیاقت علی خاں کے انتقال کے بعد 1951ء میں وزیر اعظم بنائے گئے۔ وہ اپریل 1953ء تک اسی منصب پر رہے۔ فریضہ حج بھی ادا کیا۔ خواجہ ناظم الدین کا انتقال 22 اکتوبر 1964ء کو ہوا۔

ناقابلِ بکاؤ

(دیکھیے: لندن میں قیام)

ناکامی کے اسباب

قائداعظم محمد علی جناح نے 9 اکتوبر 1938ء کو سندھ مسلم لیگ کانفرنس کراچی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

”اگر مسلمانوں کو اپنے عزائم اور مقاصد میں ناکامی ہوگی تو مسلمانوں ہی کی دغابازی کے باعث ہوگی۔ جیسا کہ گزشتہ زمانہ میں ہو چکا ہے۔ میں دغابازوں کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتا، لیکن ہر انصاف پسند اور سچے مسلمان سے میری یہ درخواست ہے کہ اپنی جماعت

کی فلاح و بہبود کی غرض سے متحد و متفق ہوکر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آ کر اس کے پرچم کے نیچے کام شروع کر دے۔''

ناگپور

1920ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا کانگریس کے اجلاس میں آل انڈیا کانگریس کی رکنیت سے استعفیٰ دیا تھا۔ ازاں بعد وہ مسلم لیگ سے ہی وابستہ رہے۔

26 دسمبر 1941ء کو ناگپور میں مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا اس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔ اس اجلاس میں ایک قرارداد میں کہا گیا تھا:

''مسلم لیگ پہلے کی طرح اب بھی تنہا یا دوسری پارٹیوں کے تعاون سے ملک کے دفاع کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار ہے بشرطیکہ موجودہ دستور کے تحت مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں اسے مناسب حصہ دیا جائے، مگر آئندہ دستور کی تشکیل سے متعلق اہم سیاسی مسئلوں میں اس کے ساتھ زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔''

ناگپور بھارت کا مشہور ہے، یہ شہر صوبہ مہاراشٹر میں واقع ہے اس کی آبادی تیرہ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے یہاں 1923ء میں یونیورسٹی قائم کی گئی۔ پارچہ بافی اور ریشمی کپڑے کے مرکز اور سنگتروں کے لیے پورے برصغیر میں مشہور ہے۔

تجارتی اور صنعتی شہر ہے ایک ہوائی اڈہ بھی ہے۔

نام

قائداعظم کا پیدائشی نام محمد علی ہے، اور یہ نام خاندانی روایات کے مطابق ان کے ماموں قاسم موسیٰ نے رکھا۔ والد جناح پونجا کی نسبت سے محمد علی جناح بھائی لکھنے لگے لیکن بیرسٹری کی سند لینے سے قبل لنکنز ان میں درخواست دے کر اپنے نام سے بھائی کا لفظ حذف کرا دیا اور صرف محمد علی جناح نام رکھا۔

نامزدگی سنٹرل اسمبلی انتخابات

11 اکتوبر 1934ء کو مسلم رہنماؤں کی ایک میٹنگ میں قائداعظم محمد علی جناح سے درخواست کی گئی کہ وہ سنٹرل اسمبلی کے انتخابات کے لیے اپنے کاغذات پیش کرنے کے عمل کی منظوری دے دیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ان مسلم رہنماؤں کو مایوس نہ کیا، انہوں نے اپنی منظوری اور رضامندی کا اظہار کر دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کے کاغذاتِ نامزدگی جمع ہو چکے تھے۔ قائداعظم بلا مقابلہ رکن منتخب ہو گئے۔

دسمبر 1934ء میں قائداعظم محمد علی جناح اسمبلی کے بلامقابلہ رکن منتخب ہو چکے تھے۔ جس نشست پر وہ جنگ عظیم اول سے پہلے منتخب ہوئے تھے۔ اس سیٹ کے لیے صرف انہیں نامزد کیا گیا تھا، اور وہ بلا مقابلہ منتخب ہو گئے، اور انڈی پنڈنٹ پارٹی کے لیڈر چن لیے گئے۔

نامۂ اعمال

یہ نواب سر یامین خاں کی سوانح حیات ہے۔ اپنی اس کتاب میں انہوں نے برصغیر کی سیاسی زندگی پر بھی روشنی ڈالی ہے اور مسلم لیگ کے مختلف اجلاسوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

مسلم لیگ کے ذکر کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناح کا ذکر لازم و ملزوم ہے اس لیے متعدد جگہوں پر تفصیل سے قائداعظم محمد علی جناح کے بیانات کو بھی کتاب کی زینت بنایا گیا ہے۔

نانا

آغا خاں کے وزیر موسیٰ جمعہ قائداعظم محمد علی جناح کے نانا تھے۔ 1866ء میں جب برطانوی حکومت نے سر آغا خاں کو حقوق و مراعات اور خطابات دیے تو اس زمانے میں آغا خاں کے وزیر یہی موسیٰ جمعہ تھے، ان کی دو اولادیں تھیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی، بیٹے کا نام قاسم موسیٰ اور بیٹی کا شیریں موسیٰ تھا۔

نانجی جعفر

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے بچپن کے ساتھی تھے وہ بچپن میں قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ گولیاں کھیلتے رہے لیکن قائداعظم محمد علی جناح پڑھتے بھی رہے اور وہ وقت بھی آیا جب ایک دن قائداعظم محمد علی جناح نے اسے گولیاں کھیلتے دیکھ کر کہا:

''بھائی اب گولیاں چھوڑ دو اس سے کپڑے گرد و غبار سے اٹ جاتے ہیں۔ اس کھیل کی بجائے میں تمہارے لیے صاف ستھرا کھیل کا سامان لایا ہوں۔''

اس کے بعد نانجی جعفر نے کرکٹ کھیلنا شروع کر دیا اور پھر وہ دن بھی آیا جب دونوں ایک دوسرے کے سامنے تھے، اور قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے دوستوں کے سامنے اس سے کہا:

''میں تو انگلینڈ جا رہا ہوں تم دوسرے دوستوں کو کرکٹ کھلاتے رہنا۔''

نانک چند

وہ غازی علم الدین شہید کے مقدمے کا ایک گواہ تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح جب لاہور ہائی کورٹ میں پیش ہوئے تو نانک چند نے گواہی دیتے ہوئے کہا تھا:

''ملزم (علم الدین شہید) کہتا تھا کہ راج پال میرا دشمن نہیں بلکہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دشمن ہے۔''

نائر، راما سوامی

وہ جسٹس پارٹی کے لیڈر تھے، 1939ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے جب یومِ نجات منانے کا اعلان کیا تو جسٹس پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے انہوں نے اعلان کیا:

''مسلمان قائداعظم کے کہنے پر یومِ نجات منائیں گے، لیکن غیر کانگریسی ہندوؤں اور اچھوتوں کو بھی یومِ نجات منانے میں مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیے۔''

نٹال (جنوبی افریقہ)

1912ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے جنوبی افریقہ کے اس صوبے میں آباد ہندوستانیوں کی حالت زار پر قرارداد پیش کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان ہندوستانیوں کے ساتھ جاری سلوک کو ظلم و جبر سے تعبیر کیا، اور اس مسئلے پر سنٹرل لیجسلیٹو کونسل کے صدر لارڈ منٹو کی شد و مد سے مخالفت کی انہوں نے اس ضمن میں فرمایا:

''مائی لارڈ! کونسل میں جو قرارداد پیش کی گئی ہے اس کی تائید کرتا ہوں۔ قرارداد کے محرک نے غیر مبہم طریقے سے نپے تلے الفاظ میں جس طرح مسئلہ پیش کیا ہے، اس کے بعد کسی اور کے لیے کہنے کو بہت کم رہ گیا ہے لیکن سوال کی اہمیت اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم میں سے کچھ افراد کو اس قرارداد پر اظہارِ خیال کرنا چاہیے۔ میں بات ہی یہاں سے شروع کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بہت ہی درد انگیز سوال ہے کیونکہ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے خلاف جو ظلم و تشدد ہو رہا ہے۔ اس سے ہندوستان کے تمام طبقوں کے جذبات شدید مجروح ہوتے ہیں، اور ان میں

زبردست اشتعال پایا جاتا ہے۔''
اس موقع پر لارڈ منٹو نے کہا:
''معزز رکن (محمد علی جناح) کو یہ بات یاد دلانا چاہتا ہوں کہ وہ اس وقت سلطنت انگلستان کے ایک دوست حصے نٹال کے بارے میں اظہارِ خیال کر رہے ہیں انہوں نے (محمد علی جناح) جو لفظ ''ظلم'' استعمال کیا ہے وہ بہت سخت ہے، اس لیے انہیں حالات کو ملحوظ رکھ کر مناسب زبان استعمال کرنی چاہیے۔''
اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے پھر اپنی تقریر شروع کی اور کہا:
''میں تو اس سے بھی زیادہ سخت زبان استعمال کرنے کے جذبات رکھتا ہوں، تاہم اس کونسل کی تشکیل کا بھی مجھے احساس ہے اور ایک لمحے کے لیے بھی تجاوز نہیں کرنا چاہتا، لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہندوستانیوں کے ساتھ سخت ترین سلوک ہو رہا ہے، اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ملک بھر میں ایسے ہی احساسات پائے جاتے ہیں۔''
یہ مشرقی وجنوبی افریقہ کا صوبہ ہے۔ اس کی آبادی 32 لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ پیٹر پارٹز برگ بڑا شہر اور دارالحکومت ہے ڈربن دوسرا بڑا شہر ہے۔ ساحل کے ساتھ ساتھ گنے اور تمباکو کی کاشت ہوتی ہے۔

یہ 1910ء میں جنوبی افریقہ کا صوبہ بنا۔

نجی زندگی

قائداعظم محمد علی جناح کی نجی زندگی بڑی باترتیب تھی۔ یہ نظم و ضبط ہی تھا کہ ڈھیروں دولت کمانے کے باوجود کوئی اخلاقی برائی آپ کے قریب نہ پھٹکی۔ خود تو کیا کسی برائی میں ملوث ہوتے، برے آدمی کو بھی قریب پھٹکنے نہ دیتے۔ جس شخص کے بارے میں معلوم ہو جاتا کہ کسی علت کا شکار ہے۔ اس سے نفرت کرتے۔

قائداعظم محمد علی جناح پر یہ بھی الزام ہے کہ وہ اردو نہ جانتے تھے، حالانکہ نجی زندگی اور دوستانہ ماحول میں اردو زبان ہی ذریعہ اظہار تھی۔ وہ تو انگریزی ماحول میں لکھنے پڑھنے کے باعث انگریزی زبان میں اپنا مدعا زیادہ آسانی سے بیان کر سکتے تھے۔ قوم تو ان کی انگریزی بھی سمجھتی، اللہ اکبر کے نعرے ان کی انگریزی تقریروں میں ہی بلند ہوتے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح اس طرح بولتے تھے جیسے چرچل بول رہا ہو۔ جب آپ انگریزی بولتے تو انگریز بھی آپ کی تقریر پر عش عش کر اٹھتے۔ یہی نہیں قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں لوگوں کو بہت سی باتوں کا علم نہیں، مثلاً کہتے ہیں کہ قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان بھی ایک مقدمہ کی صورت میں جیتا۔ وہ شخص اسلامی تعلیمات سے نابلد تھا، حالانکہ قائداعظم محمد علی جناح پر اس سے بڑا کوئی الزام نہ ہوگا۔ وہ تو اسلامی سکالر تھے۔ اسلامی تعلیمات کا جتنا مطالعہ ان کا تھا، شاید ہی کسی دوسرے لیڈر کا ہو۔ دوقومی نظریہ پر جہاں بڑے بڑے پھسل گئے۔ یہ قائداعظم محمد علی جناح ہی تھے جو اس کی خاطر مر مٹے، یہ اسلامی سکالر ہونے کا باعث تھا۔

1935ء کا واقعہ ہے، لوگ بمبئی کی اس گراؤنڈ میں جو بعد میں کرکٹ گراؤنڈ کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔ عیدالفطر کی نماز کے لیے جمع ہوئے۔ اس موقع پر افغانستان کے سفیر مارشل شاہ ولی اللہ بھی موجود تھے۔ نماز عیدالفطر کے اس موقع پر مارشل شاہ ولی اللہ نے قائداعظم محمد علی جناح کو نمازِ عید کی امامت کی دعوت دی، لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے، اور نماز شاہ ولی اللہ نے پڑھائی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات پر ان کی گہری نظر تھی۔

خواجہ ناظم الدین

1964 - 1894

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ کیمبرج سے بارایٹ لاء کیا۔ 1922ء میں سیاست میں آئے۔ 1922ء سے 1929ء تک ڈھاکہ میونسپل کمیٹی کے چیئرمین رہے۔ بنگال کی مجلس دستور ساز اسمبلی کے ممبر بنے اور 1929ء میں متحدہ بنگال کے وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ 1937ء کے انتخابات میں بنگال اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور وزیر داخلہ مقرر ہوئے۔ 1942ء سے 1945ء تک بنگال کے وزیر اعلیٰ رہے۔ قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی وفات کے بعد آپ پاکستان کے گورنر جنرل بنے۔ 1951ء میں نوابزادہ لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد وزیر اعظم بنے۔ 1963ء میں مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کے صدارتی انتخاب کی مہم میں سرگرمی سے حصہ لیا۔

نچلداس وزیرانی

وہ سندھ کے ہندو وزیر تھے 19 فروری 1941ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے سندھ کی سیاسی صورت حال کے سلسلے میں جو بیان جاری کیا اس میں نچلداس وزیرانی کا نام بھی آیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''خان بہادر کھوڑو کراچی سے مجھے ملنے کے لیے تشریف لائے اور انہوں نے سندھ کی سیاسی صورت حال کو نہایت وضاحت کے ساتھ میرے سامنے پیش کیا میں نے اس سلسلے میں سر عبداللہ ہارون سے بھی مشورہ کیا ہے مجھے اس نام نہاد دستاویز کی ایک نقل بھی ملی ہے جو دراصل مسٹر نچلداس وزیرانی سندھ کے ہندو وزیر کے نام 20 نومبر 1940ء کو لکھا ہوا ایک خط ہے۔ اس خط پر مسٹر سید اور خان بہادر کھوڑو کے دستخط ہیں۔ شیخ عبدالمجید کو جوں ہی اس خط کا علم ہوا انہوں نے اس سے بے تعلقی کا اظہار کر دیا۔''

نحاس پاشا

قائداعظم محمد علی جناح 1946ء میں لندن مذاکرات کے بعد برصغیر واپس آئے تو راستے میں انہوں نے قاہرہ میں وفد پارٹی کے صدر اور مصر کے وزیراعظم نحاس پاشا سے ملاقات کی۔

ان کا پورا نام مصطفیٰ نحاس پاشا تھا وہ 1876ء میں مصر میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے تعلیم کی تکمیل کے بعد میدانِ سیاست میں قدم رکھا۔ سعد زاغلول پاشا کے بعد وفد پارٹی کے سربراہ بنے۔ برطانوی مصری معاہدے 1936ء کی گفت و شنید کے لیڈر رہتے، اس معاہدے کے تحت مصر کو آزادی نصیب ہوئی۔

نحاس پاشا کئی مرتبہ مصر کے وزیراعظم رہے۔ 1952ء کے انقلابِ مصر کے بعد خانہ نشین ہو گئے اور پھر وفات تک خاموش زندگی گزاری، انہوں نے 1965ء میں انتقال کیا اور اسکندریہ میں دفن ہوئے۔

نذرِ قائد

معراج حسن عامر نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت کا نذرانہ پیش کیا:

''وہ صحرا میں گمانوں کے
یقیں کا اک سمندر تھا
بڑا بے خوف رہبر تھا
ہماری خواہشوں کا پاسباں تھا وہ
زمیں پر آسماں تھا وہ
وفاؤں کے عجب ڈھنگ اس نے سیکھ رکھے تھے
ڈھنگ کے رنگ اس نے وقت کے چہرے پر لکھے تھے
وہ علم و آگہی کا آئینہ ایسا
کہ جس کے عکس خود خوابوں کی تعبیریں بناتے تھے
وہ ہر تاریک رستے پر
ستارہ بن کے چمکا تھا
ستم کے موسموں میں وہ
رفاقت کا اجالا تھا
فرنگی جس کی پرچھائیں سے گھبراتے
وہ جس سے برہمن بھی خوف کھاتے تھے
ہمیں جس کی قیادت نے
مہکتی سرزمین بخشی
چمکتی صبح کے تازہ صحیفے پر
نئے نام و نشاں کا اک وطن دے کر
زمانہ میں کیا ہے معتبر ہم کو
سکھایا جس نے آزادی سے جینے کا ہنر ہم کو''

نرائن لعل جگت

وہ ہندوؤں کے رہنما تھے 16 جنوری 1945ء کو امجد آباد میں قائداعظم محمد علی جناح نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

1. ہندو مسلم سمجھوتہ یا لیگ کانگریس کی بنیاد ان باتوں پر رکھی جاسکتی ہے۔
2. قراردادِ اگست کا وہ حصہ جو مسلمانوں کے خلاف ہے واپس لیا جائے۔
3. مسٹر جگت نرائن لعل کی قرارداد منسوخ کی جائے۔ مسٹر جگت نرائن نے یہ قرارداد پیش کی تھی کہ کانگریس تقسیم ہند کی کسی قرارداد کو منظور نہیں کرے گی۔

نشان قائداعظم

14 جنوری 1958ء کو صدر پاکستان میجر جنرل محمد اسکندر مرزا نے امتیازی خدمات انجام دینے والوں کے لیے یہ اعزاز جاری کیا۔

نشتر، سردار عبدالرب

قائداعظم محمد علی جناح کے رفیق کار تھے اور سرگرم مسلم لیگی کارکن بھی تھے، عبوری حکومت میں وزیر مواصلات، مرکزی وزیر مواصلات اور گورنر پنجاب رہے۔ 1935ء میں جب وہ صوبہ سرحد اسمبلی کے رکن بنے تو قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں مبارک باد کا خط لکھا۔ 1937ء میں وہ مسلم لیگ کے باضابطہ رکن بنے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی تنظیم نو کا فریضہ بھی سونپا تھا۔

سردار عبدالرب نشتر 1899ء میں کوہاٹ میں عبدالحنان خاں کے ہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مشن سکول میں ابتدائی تعلیم پائی، پھر 1916ء میں سناتن دھرم ہائی سکول سے میٹرک کیا مزید تعلیم کے لیے ایڈورڈ کالج پشاور میں داخلہ لیا، لیکن کالج کی تعلیم منقطع کردی اور پرائیویٹ طور پر منشی فاضل اور پھر بی اے پاس کیا۔ بعد میں علی گڑھ یونیورسٹی سے 1925ء میں قانون کا امتحان پاس کر کے درجہ دوم کے وکیل ہونے کا لائسنس حاصل کیا۔ تحریکِ خلافت صوبہ سرحد میں اصلاحات کی تحریک، کتاب ''رنگیلا رسول'' کے خلاف تحریک، سائمن کمیشن کے خلاف تحریک اور تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔

انہوں نے تحریکِ خلافت کے سلسلے میں مولانا محمد علی جوہر کا بڑا ساتھ دیا۔

سردار عبدالرب نشتر 1929ء میں پشاور میونسپل کمیٹی کے رکن اور پھر صوبائی کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر بنے۔ 1930ء میں جب انگریزوں نے پشاور کے قصہ خوانی بازار میں نہتے جلوس پر اندھا دھند فائرنگ کی جس سے بے شمار افراد جاں بحق ہو گئے، سردار عبدالرب نشتر نے حکومت کے اس بہیمانہ اقدام کی شدید مذمت کی، اور قصہ خوانی بازار کا نام تبدیل کر کے بازار شہید رکھا۔ اس ضمن میں انہیں ایک سال تک قید بھی کاٹنی پڑی۔

انہوں نے ہندوستان چھوڑ دو تحریک کے دوران مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرلی۔ 1935ء میں سرحد اسمبلی کے اور 1937ء میں مسلم لیگ کے رکن بنے۔ صوبائی لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن ہونے کے ساتھ ساتھ وہ دو سال تک وزیر مالیات بھی رہے 1946ء میں عبوری حکومت بنی تو انہیں وزیر مواصلات مقرر کیا گیا۔ قیامِ پاکستان کے موقع پر انہیں پھر یہی عہدہ تفویض کیا گیا اس حیثیت سے انہوں نے مہاجرین کو ان کی منزل پر پہنچانے کے لیے اہم کردار ادا کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد دو سال تک صوبہ پنجاب کے گورنر رہے وہ مسلم لیگ کے صدر بھی رہے۔ 14 فروری 1958ء کو اپنے خالق حقیقی

سے جاملے۔

نشیمن (گلبرگ لاہور)

قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح ایک ماہ کے لیے 1948ء میں جب لاہور تشریف لائے تو سید مراتب علی شاہ کی رہائش گاہ (نشیمن) میں بھی ٹھہرے۔ یہ 4 ایف سی سی گلبرگ لاہور میں ہے۔

نصب العین (پاکستان کا)

24 اپریل 1943ء کو دہلی میں پاکستان کے نصب العین کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا: ''آپ دیہات میں نکل جائیں۔ میں بھی دیہات میں گیا ہوں لاکھوں کروڑوں انسان ایسے ہیں جن کو ایک وقت کی روٹی بھی میسر نہیں، کیا یہی پاکستان کا نصب العین ہے۔ کیا آپ کو اندازہ نہیں کہ ان لوگوں کو لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنایا گیا ہے؟ اگر پاکستان کا نصب العین یہی ہوتا تو میں کبھی اس کے حصول کی جدوجہد نہ کرتا۔''

نصر اللہ خاں، رانا

تحریک پاکستان کے سرگرم رکن تھے قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر پنجاب بھر میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم کرنے کا اہم فریضہ انجام دیا اور مسلم لیگ کو مستحکم سیاسی جماعت بنانے کے لیے انہوں نے دور دراز کے علاقوں کا دورہ بھی کیا۔ تحریک پاکستان میں بھرپور شمولیت اختیار کی۔ 1937ء میں ہوشیار پور سے پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور اس حیثیت سے اسمبلی کے اندر اور باہر پاکستان کے حصول کے لیے شبانہ روز محنت کی۔ اسی سال اپنے ساتھیوں سمیت مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ 1946ء میں تحصیل ہوشیار پور سے پھر صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے، انہوں نے اپنے مدمقابل یونینسٹ پارٹی کے امیدوار کو زبردست شکست دی۔ تحریک کے دوران انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ قیامِ پاکستان سے قبل ان پر ایک جھوٹا مقدمہ دائر کرایا گیا، لیکن وہ فرار ہوکر شکرگڑھ کے راستے لاہور آ گئے۔ مہاجرین کی آبادکاری کے لیے شبانہ روز محنت کی۔ 1988ء میں انہیں تحریک پاکستان گولڈ میڈل سے نوازا گیا۔

نصرت، جسٹس ایس اے

پاکستان کے ممتاز قانون دان اور چیف الیکشن کمشنر ایس اے نصرت 1924ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے الٰہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کر کے لکھنؤ یونیورسٹی سے قانون کی تعلیم حاصل کی، جب پاکستان قائم ہوا تو یہاں آ کر وکالت شروع کر دی، اور کامیاب پریکٹس کی وجہ سے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے انتخابات کے سلسلے میں انہیں چیف الیکشن کمشنر مقرر کیا۔ ان کی زیرنگرانی 1984ء میں صدارتی ریفرنڈم فروری 1985ء اور نومبر 1988ء میں عام انتخابات منعقد ہوئے۔ 28 جنوری 1989ء کو ضمنی انتخابات کے انعقاد کا سہرا بھی انہی کے سر رہا۔ انہوں نے انتہائی لگن، محنت اور دیانت داری سے انتخابات کو منصفانہ اور آزادانہ بنایا اور دنیا بھر نے ان کی صلاحیتوں کو سراہا۔

انہیں اس اعتبار سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے قیامِ پاکستان سے پہلے اور بعد میں ملاقاتیں کیں۔

نصف جناح

ہنس مکھ، نکتہ آفرین، برجستہ گو، مدلل، اعلیٰ گفتگو، سنجیدگی اور بردباری قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کا خاصہ تھی۔ شاید

اسی لیے کانگریسی لیڈر کہتے تھے:

''اگر 100 گاندھی مسلم لیگ میں ہوتے، اور نصف جناح کانگریس میں تو پاکستان نہیں بن سکتا تھا۔''

اس عظیم لیڈر کی شخصیت کو جاننے کے لیے یہ جملہ بہت سے جوابات تلاش کرنے میں مدد دیتا ہے۔

نظرثانی شدہ مسودہ اعلان

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 465 کا متن۔

نظرثانی شدہ مسودۂ اعلان

انتہائی خفیہ

17 مئی 1947ء

مسلم لیگ اور کانگریس کی طرف سے جو ترمیمیں بیان کی گئیں، ان کی روشنی میں نظرثانی شدہ مسودہ اعلان منسلک ہذا ہے۔ یہ کاپی ہفتے کی صبح مورخہ 17 مئی کو تمام لیڈروں کے ملاحظے کے لیے پیش کی گئی۔

وی، ایف ارسکائن کروم
کانفرنس سیکرٹری

مسودۂ اعلان

(اقتباس)

111- پنجاب اور بنگال

5. ویسے ہی رہنے دیا۔

6. ویسے ہی رہنے دیا۔

7. مذکورہ رائے شماری سے پہلے بہتر ہوگا اگر صوبے کے اراکین آگاہ ہوں کہ متحدہ رہنے کی صورت میں یہ کس آئین ساز اسمبلی میں شمولیت کرے گا۔ اس لیے اگر وہ چاہیں تو ہر قانون ساز اسمبلی کے اراکین مشترکہ طور پر اکٹھے ہوں (ماسوائے یورپی اراکین کے) اور متعلقہ مسئلے پر فیصلہ کریں۔

8. ویسے ہی رہنے دیا۔

9. بٹوارے کے فوری مسئلے پر فیصلہ کرنے کے لیے بنگال اور پنجاب کی صوبائی اسمبلیوں کے اراکین مسلم اکثریتی اضلاع اور غیر مسلم اکثریتی اضلاع کی بنیاد پر (منسلکہ فہرست کے مطابق) الگ الگ بیٹھیں گے۔ یہ ایک بالکل عارضی نوعیت کا اقدام ہوگا، کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ قطعی حد بندی کے لیے تفصیلی تحقیق و تفتیش کی ضرورت ہوگی، اور جونہی بٹوارے کا فیصلہ ہوگا، ایک باؤنڈری کمیشن قائم کیا جائے گا، جو گورنر جنرل قائم کرے گا، اور اس کے شرائط عملی اور اراکین کا تقرر متعلقہ فریقوں کے مشورے سے کیا جائے گا، اسے ہدایت کی جائے گی کہ وہ دونوں صوبوں میں حد بندی لائن قائم کرے، اور ایسا کرتے وقت مسلم اور غیر مسلم علاقے کا تعین حلقہ گرداوری کے نتیجے کی ایسی ہی ہدایات بنگال اور باؤنڈری کمیشن کو بھی دی جائیں گی۔ باؤنڈری کمیشن کی رپورٹ مؤثر ہونے تک ضمیمے میں دکھائی جانے والی عارضی حد بندی پر عمل کیا جائے۔

10. حکومت برطانیہ نے نہایت احتیاط اور تفصیل سے سکھ مسئلے کا جائزہ لیا ہے۔ اگر صوبائی اسمبلی کے اراکین کے فیصلے کے نتیجے میں پنجاب کی تقسیم ہوتی ہے تو اس کے نتیجے میں سکھ تقریباً برابر دو حصوں میں بٹ جائیں گے، چونکہ سکھ صرف پنجاب کی آبادی کا 13 فیصد ہیں، اور کسی ایک ضلع میں بھی ان کی اکثریت نہیں، اس لیے انہیں الگ سکھ ریاست کی فراہمی ناممکن ہے۔ سکھوں کو متحدہ رکھنے کا صرف ایک یہ طریقہ ہے کہ پنجاب تقسیم نہ ہو۔

نظریۂ پاکستان

1. کانگریس نے ہر ممکن کوشش کی کہ ہندوستان میں بسنے والے تمام مذاہب کے لوگوں کو ایک قوم کہا جائے، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے ہمیشہ کانگریس کے اس حربے کو

ناکام بنایا۔

17 اپریل 1938ء کو کلکتہ میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کے خصوصی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''مسلمانوں کے لیے واحد راہِ نجات یہ ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا طریقہ سیکھیں، مسلمان اس طرح نہ صرف اجنبی حکمرانوں سے اپنا لوہا منوا لیں گے بلکہ اکثریت کو بھی بتا دیں گے کہ مسلمان ملک میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ انہیں اب آئندہ کے لیے بے وقوف نہیں بنایا جا سکتا۔ مسلمان جھکنے کے لیے پیدا نہیں ہوا اگر اس کو جھکانے کی کوشش کی گئی تو یہ بابر بن جائے گا۔ یہ سلطان ٹیپو کی صورت میں نمودار ہوگا۔ یہ مرجائے گا لیکن محکومی قبول نہ کرے گا۔ یہ اس کی فطرت کے خلاف ہے کہ غلام کا غلام بنے۔ مسلم لیگ سے اگر سمجھوتہ کرنا ہے تو مساویانہ طاقت مان کر آگے بڑھو ورنہ مسلم لیگ کا فیصلہ اٹل ہے کہ وہ مسلمانوں کو کسی فرعونی طاقت کے سامنے جھکنے نہ دے گی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے 27ویں سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اسلام اور ہندو دھرم محض مذاہب نہیں ہیں، بلکہ درحقیقت وہ دو مختلف معاشرتی نظام ہیں۔ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہیے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کر سکیں گے۔ یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے، نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ میں واشگاف الفاظ میں کہتا ہوں کہ دو مختلف تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو کہ ایک دوسرے کی ضد ہیں بلکہ اکثر متصادم ہوتے رہتے ہیں۔ انسانی زندگی کے بارے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان کے تاریخی ماخذ اور وسائل مختلف ہیں، ان کی رزمیہ نظمیں، ان کے سربرآوردہ بزرگ اور قابلِ فخر تاریخی کارنامے سب مختلف اور الگ الگ ہیں۔ اکثر اوقات ایک قوم کا زعیم اور رہنما دوسری قوم کے بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے، ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے ایسی دو قوموں کو ایک ریاست اور ایک حکومت کی ایک مشترکہ گاڑی کے دو بیل بنانے اور ان کو باہمی تعاون کے ساتھ قدم بڑھانے پر آمادہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں کے دلوں میں بے صبری روز بروز بڑھتی جائے گی، جو انجام کار تباہی لائے گی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 19 نومبر 1940ء کو مرکزی اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم نے قطعی طور پر اور ہمیشہ کے لیے پاکستان کو اپنی منزل مقصود بنا لیا ہے، اور ہم اس کے لیے لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔ اس کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی کو دل میں جگہ نہ دیجیے گا۔ وہ جمہوریت جو مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کے ذہن میں ہے ہلاک ہو چکی ہے ہم تعداد میں کم ہو سکتے ہیں کم ہیں، مگر یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ہم مسلمان اگر چاہیں اور ارادہ کر لیں تو آپ کو کانگریس سے سوگنا زیادہ تکالیف دے سکتے ہیں۔ آپ اس حقیقت سے بے خبر ہوں تو ہوں، مگر میں بخوبی آگاہ ہوں میں نے یہ بات دھمکی کے لیے نہیں محض آپ کی آگاہی کے لیے کہی۔''

2 مارچ 1941ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے پنجاب مسلم

سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''ایک قوم کے لیے ایک وطن یا مملکت بھی لازم ہے۔ اپنے آپ کو ایک قوم قرار دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا کوئی قوم ہوا میں نہیں بستی، وہ زمین پر زندگی بسر کرتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی زمین یا مملکت کی حاکم ہو۔ اس کے قبضے میں ایک خودمختار ریاست اور علاقہ ہونا چاہیے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 10 مارچ 1941ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین میں طلبہ کے سامنے اپنے خطبہ میں کہا:

''پاکستان میں سات کروڑ سے زیادہ مسلمان نہیں ہوں گے، اور ہندو ہندوستان میں بائیس کروڑ سے کم نہ ہوں گے، کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ بائیس کروڑ اشخاص صرف سات کروڑ کے مقابلہ میں اپنی آزادی برقرار رکھ سکتے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہندوستان کا مستقبل محفوظ نہ ہوگا کیونکہ ساری یورشیں شمال مغرب سے ہوتی ہیں، اور پاکستان میں بجائے خود ایسی یورشوں کو روکنے کی سکت نہ ہوگی۔ اس لیے ہندوستان میں ایک مرکزی جمہوری حکومت ہونی چاہیے۔''

یکم جولائی 1942ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کو بیان دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں۔ زبان وادب، فنونِ لطیفہ، فنِ تعمیر، نام ونسب، شعور، اقدار و تناسب، قانون و اخلاق، رسم و رواج، تاریخ و روایات اور رجحان و مقاصد پر ایک لحاظ سے ہمارا اپنا انفرادی زاویہ نگاہ اور فلسفہ حیات ہے۔ بین الاقوامی قانون کی ہر تعریف ہماری قومیت کو سلامی دینے کے لیے تیار ہے۔''

8 مارچ 1944ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا، جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی، مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے۔ وطن نہیں اور نہ ہی نسل۔ ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا۔ وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہوگیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آگئی۔''

30 اگست 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے جشن عید کے موقع پر قیصر باغ بمبئی میں خطاب کے دوران کہا:

''دس کروڑ مسلمانوں کی زندہ جاوید قوم مٹائی نہیں جا سکتی، خواہ ہمیں کتنی ہی مصیبتوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑے۔ ہم پاکستان لے کر رہیں گے پاکستان کے بغیر مسلمانانِ ہند تباہ و برباد ہو جائیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 25 اکتوبر 1947ء کو ایک غیر ملکی نامہ نگار مسٹر ہوپر کو بیان دیتے ہوئے فرمایا:

''جہاں تک دوقومی نظریے کا تعلق ہے، یہ کوئی نظریہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے۔ ہندوستان کی تقسیم اس حقیقت کی بنیاد پر ہوئی ہے، اور باتوں سے قطع نظر اس حقیقت کی تصدیق گزشتہ دو ماہ کی افسوسناک بلکہ شرمناک واقعات اور حکومت ہندوستان کے اس اقدام سے بھی ہوتی ہے کہ اس نے پاکستان سے ہندوؤں کو نکالنے کی کوشش کی ہے۔ پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ برصغیر میں صرف ایک قوم رہتی ہے۔ میں اسی نکتے پر اب زیادہ زور نہیں دینا چاہتا کچھ اور واقعات و حالات بھی ایسے ہو رہے ہیں۔ جو اس

حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہندوستان کی مملکت ایک ہندو مملکت ہے۔''

فروری 1948ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے امریکی نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا:

''پاکستان قائم رہنے کے لیے بنا ہے، اور زمین پر کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو اسے تباہ کر سکے۔''

14 اگست 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''پاکستان کا قیام ایک ایسا واقعہ ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے، اور اگر ہم نے دیانتداری، تن دہی اور بے غرضی کے ساتھ کام کیا تو یہ بھی سال بہ سال شاندار ترقی کرتی رہے گی۔''

ڈاکٹر عطش درانی اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں:

◆ کیا نظریہ پاکستان سے مراد یہاں ایک نظام فکر و عمل یا نظریہ حیات (Ideology) ہے، جس پر کسی فرد، ادارے، قوم کو اپنے سیاسی مستقبل کو سنوارنے کے لیے عمل کرنا ہوتا ہے؟ یا پاکستانی قوم کو وجود میں لانے والا نقطہ نظر (Theory) ہے۔ نظریہ پاکستان کی ایک سرکاری تعریف و توضیح ان الفاظ میں ہوتی ہے:

''برصغیر کی ایک بڑی آبادی کو یہ یقین تھا کہ انہیں اپنے جامع اسلامی نظام حیات کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، اس حق کے لیے ایک الگ آزاد علاقے کے حصول کا مطالبہ کیا گیا۔ اس مطالبہ حق کا وقتی نام دو قومی نظریہ قرار دیا۔ اب جب کہ یہ حق حاصل ہو گیا تو اس سرزمین پاک میں اس نظریہ حیات کے جاری و ساری کرنے کا نام ہی نظریہ پاکستان ہے''۔

گویا نظریہ پاکستان کو پاکستانی آئیڈیالوجی بھی کہا جاتا ہے، اور تھیوری بھی۔ یہ بات الجھاوے کی ہے جو دور ایوبی سے چلی آ رہی ہے۔

پنجاب ٹیکسٹ بورڈ نے 27 دسمبر 1971ء کو ملک کے ممتاز دانشوروں ماہرین اور اساتذہ کو نظریہ پاکستان کے موضوع پر ایک ''گروہی بحث'' کی دعوت دی۔ اس بحث میں دوسری باتوں کے علاوہ شرکاء سے نظریہ پاکستان کی تعریف متعین کرنے کی درخواست بھی کی گئی جو تعریفیں سامنے آئیں ان میں سے چند یہ ہیں:

''نظریہ پاکستان، اور اسلام ہم معنی ہیں۔ نظریہ پاکستان تعلیمات اسلام کی عملی صورت کا نام ہے''۔ (علی عباس) گویا یہ وسیع تر ملت اسلامیہ کا تصور ہے۔

''نظریہ پاکستان انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھالنا، اور ان نظریات سے بچنا ہے جو اس کے منافی ہیں۔ (اسلم سید) گویا پاکستان کا آئندہ لائحہ عمل صرف اسلامی نظام ہے۔

علامہ علاؤالدین صدیقی نے اپنے ایک مقالے میں نظریہ پاکستان کی تعریف ان الفاظ میں کی:

''نظریہ پاکستان اس چیز کا نام ہے کہ اس سرزمین کے اندر اسلام رائج ہو، افراد پر بھی، اور جماعتوں پر بھی، اور تمام قوموں سے قوی تر قوت یہاں اسلام ہو''۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے نظریہ پاکستان کا تجزیہ ان الفاظ میں کیا:

''یہ نظریہ عبارت ہے اول اس عقیدے سے کہ پاکستان دو قومی تصور کا نتیجہ ہے۔ دوم یہ کہ مسلمانوں کی قومیت فقط اسلام ہے۔ یعنی رنگ، نسل، اور زبان نہیں عقیدہ اسلام ہے، لہٰذا پاکستان کی قومیت اسلام

ہے۔ سوم چونکہ مسلمان ایک منفرد قوم ہیں، اس لیے ان کی معاشرت، تہذیب، اور علم الاخلاق بھی منفرد ہے، اور اردو پاکستان میں اس کی ترجمان ہے چہارم اس قوم کو ہندوستان کا ہزار سالہ تاریخی شعور دیا ہے۔ چنانچہ اس کے جملہ احوال کی تعبیر اس تاریخی شعور کے حوالے سے ہونی چاہیے، اور اس کی ایک تاریخی تعبیر واقعہ ظہور پاکستان ہے''۔

ان سب تعریفوں میں ایک چیز / نکتے کی کمی ہے، اور وہ ہے:

''برصغیر کے مسلم اکثریت کے علاقے''۔ نظریہ کا لفظ تھیوری (Theory)، اور آئیڈیالوجی (IDology) ہر دو کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر ہم اس میں یہ احتیاط برت لیں کہ نظریہ سے مراد وہ اساسی تھیوری لیں جس کی بناء پر پاکستان وجود میں آیا، اور مستقبل میں پاکستان جس نظریے پر عمل پیرا ہو گا وہ نظریہ حیات یا آئیڈیالوجی ہے تو زیادہ موزوں رہے گا۔ رہے یہ سوال کہ پاکستان کس اصول پر وجود میں آیا، اور قیام پاکستان کے اغراض و مقاصد کیا ہیں، اور آئندہ اس میں کس قسم کا نظام عمل میں آنا چاہیے؟ ہمیں اس کا الگ الگ جواب چاہیے۔ گویا ہم دو امور پر بیک وقت بات نہیں کر سکتے۔ تھیورری، اور آئیڈیالوجی۔ یہ دونوں جداگانہ امر ہیں، اور انہیں ان کے حسب موقع ہی زیر بحث لانا مناسب ہوگا۔

اس لحاظ سے نظریہ پاکستان بطور تھیوری سے مراد وہ نظریہ ہے، جس کی بنا پر تحریک پاکستان کا آغاز ہوا، اور قیام پاکستان کی منزل حاصل ہوئی۔ نظریہ حیات یا آئیڈیالوجی اگرچہ اپنی بنیاد نظریہ (تھیوری) ہی سے حاصل ہوئی ہے، لیکن اس پر بحث کا محل قیام کے بعد کا ہے۔ گویا نظریہ پاکستان اسلامی تشخص، اور بعد کے سیاسی امور سے تعلق رکھتا ہے جس میں تہذیبی، سیاسی، تحریکی، اور تاریخی عوامل شامل ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نظریہ پاکستان (تھیوری) کی بحث کو ان افراد تک محدود رکھیں جو اس کے خالق کہلانے کے مستحق ہیں یعنی علامہ اقبال، اور قائداعظم۔

نیشنلزم کا تصور علامہ اقبال نے مسترد کر دیا تھا، اور وہ صرف اسلامی قومیت کے علمبردار رہے۔ لفظ پاکستان ان کی تحریروں میں نہیں ملتا کیوں کہ یہ بعد کی تخلیق ہے لیکن مسلم ہندوستان کا وہ تصور جو اقبال نے دیا بعد میں اسے تصور پاکستان یا نظریہ پاکستان کے ساتھ ملحق کر دیا گیا جب کہ علامہ اقبال دوقومی نظریے کے قائل تھے، اور اسلامی ریاست کی بات کرتے تھے۔

مارچ 1919ء میں غلام قادر فرخ امرتسری کے نام ایک خط میں حکیم الامت نے تحریر کیا کہ متحدہ قومیت ناقابل عمل ہے:

''میں خود اس خیال کا حامی رہ چکا ہوں کہ امتیاز مذہب اس ملک سے اٹھ جانا چاہیے، مگر اب میرا خیال ہے کہ قومی شخصیت کو محفوظ رکھنا ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لیے مفید ہے۔ ہندوستان میں ایک مشترک قومیت پیدا کرنے کا خیال اگرچہ نہایت خوبصورت، اور شعریت سے معمور ہے تاہم موجودہ حالت، اور قوموں کی نادانستہ رفتار کے لحاظ سے ناقابل عمل ہے''۔

(فکر اقبال، عبدالمجید سالک، ص: 94,93)

''ہندو، اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں''۔

1930ء میں علامہ اقبال نے خطبہ الٰہ آباد میں ایک

اسلامی مملکت کا تصور پیش کرتے ہوئے اپنی مجوزہ مملکت کو نہ صرف مسلمانان ہند بلکہ خود اسلام کی حیات کے لیے ایک بنیادی شرط قرار دیا۔ ان کے الفاظ میں ''ہندوستان'' مسلمانوں کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اگر اسلام کو ایک تمدنی قوت کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک مخصوص علاقے میں اس کی مرکزیت قائم ہو۔

اسلامی ریاست کے بارے میں انہوں نے کہا:

''اسلامی ریاست کا انحصار ایک اخلاقی نصب العین پر ہے جس کے مطابق انسان کسی خاص خطہ زمین سے وابستہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک روحانی ہستی ہے جو ایک اجتماعی ترکیب میں رہی ہے، اور اس کے زندہ جزو کی حیثیت سے فرائض اور حقوق کی مالک ہے''۔

اپنی رحلت سے چند روز قبل حکیم الامت نے اپنے ایک بیان میں فرمایا:

''وطن محض ایک جغرافیائی اصطلاح کی حیثیت سے اسلام سے متصادم نہیں ہوتا...... (جبکہ حب وطن کے لفظ کو ایک سیاسی تصور کے طور پر استعمال کیا جائے تو وہ اسلام سے متصادم ہوتا ہے)۔

ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

''حب الوطنی ایک بالکل انسانی وصف ہے، اور انسان کی اخلاقی زندگی کے لیے پوری جگہ موجود ہے، لیکن اصل اہمیت انسان کے ایمان اس کی تہذیب، اور اس کی روایات کو حاصل ہے۔ یہی اقدار اس قابل ہیں کہ انسان ان کے لیے زندہ رہے، اور ان کے لیے مرے''۔

مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا:

''ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔ ان میں کوئی چیز بھی مشترک نہیں، میں واضح الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کی سیاسی کش مکش کا حل اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہر جماعت کو اپنی اپنی مخصوص قومی اور تہذیبی بنیادوں پر آزادانہ شوریٰ (انتخاب، اور پارلیمنٹ) کا حق حاصل ہونا چاہیے۔''

نسلی اور وطنی قومیت کے تصور کے بارے میں خطبہ الٰہ آباد میں حکیم الامت نے فرمایا:

''اس وقت قوم اور وطن کا تصور مسلمانوں کی نگاہوں میں نسل کا امتیاز پیدا کر رہا ہے جس کی وجہ سے اسلام کے انسانیت پرور مقاصد کا اثر کم ہو رہا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ نسلی احساسات فروغ پاتے پاتے ایسے اصول قائم کر دیں جو تعلیمات اسلامی کے مخالف نہیں بلکہ ان کے بالکل متصادم ہوں''۔

اسلام میں دین اور سیاست کی علیحدگی کا انکار کرتے ہوئے فرمایا:

''اسلام زندگی کی وحدت کو سلب نہیں کرتا، اور وہ مادے و روح کو ناقابل اتحاد قرار نہیں دیتا۔ اسلام میں خدا اور کائنات، روح اور مادہ، کلیسا اور ریاست ایک ہی کل کے مختلف اجزاء ہیں انسان کسی ایسی ناپاک دنیا کا باشندہ نہیں ہے جسے ایک روحانی دنیا کی خاطر جو کسی دوسری جگہ واقع ہو ترک کیا جا سکے''۔

خطبہ الٰہ آباد 1930ء میں ایک اور مقام پر انہوں نے فرمایا:

''از روئے شریعت محمدیہ مذہب اور سیاست میں کوئی فرق نہیں۔''

مسلمان قیادت کا تصور دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

''سر میلکم ہیلی، اور لارڈ اروِن نے علی گڑھ یونیورسٹی
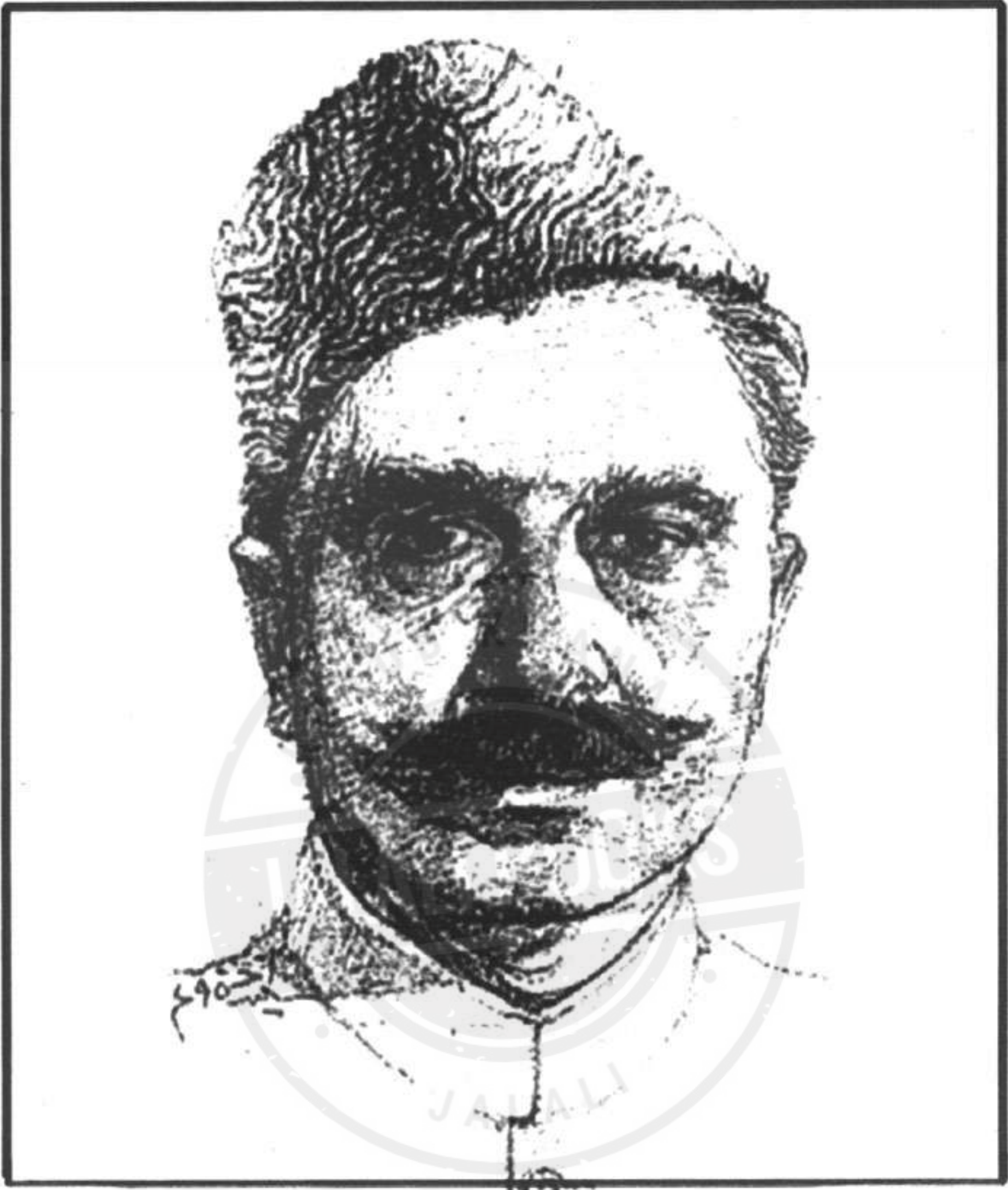
سردار عبدالرب نشتر

1958 - 1899

آپ تحریکِ آزادی کے مجاہد، شاعر اور شعلہ بیان مقرر تھے۔ 1922ء میں آپ نے ایک ادبی مجلس ''مسلم لٹریری سوسائٹی'' قائم کی نیز جمعیت العلمائے ہند، تحریکِ خلافت اور دیگر سیاسی اجتماعات میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ صوبہ سرحد میں اصلاحات نافذ کرنے کی تحریک میں بھی کوشاں رہے۔ 1937ء میں مسلم لیگ اور سرحد اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے نیز صوبہ سرحد مسلم لیگ کونسل کے صدر اور صوبہ کے وزیر مالیات بھی رہے۔ آپ صوبہ سرحد میں اہم اور مؤثر سیاسی حیثیت کے مالک تھے۔ 1946ء کے انتخابات کے بعد مسلم لیگ کی عبوری حکومت میں بطور وزیر مواصلات شریک ہوئے۔ 1950ء میں مغربی پاکستان کے گورنر کی حیثیت سے تاریخ ساز خدمات انجام دیں۔ 1955ء میں پاکستان مسلم لیگ کے صدر بنے۔

میں یہ کہہ کر کہ مسلمانوں نے کوئی رہنما پیدا نہیں کیا، خرابی کی صحیح تشخیص کی ہے۔ رہنمائی سے میرا مطلب ایسے افراد سے ہے جو خدا کی طرف سے یا اپنے تجربے سے اسلام کی حقیقی روح اور تقدیر کو سمجھتے ہوں، اور ساتھ ساتھ ان میں یہ صلاحیت بھی موجود ہو کہ وہ جدید تاریخی رجحانات سے بخوبی واقف ہوں۔ ایسے لوگوں پر کسی قوم کی قوت عمل کا انحصار ہوتا ہے۔''

(خطبہ الٰہ آباد، 1930ء)

''مغربی جمہوریت سرمایہ داروں کی سازش ہے۔''
طویل نظم ''خضر راہ'' میں حکیم الامت کے اشعار جمہوریت کے بارے میں ان کے خیالات کی مکمل عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک معاشی بدحالی کا علاج صرف اسلام کے پاس ہے۔ قائداعظمؒ کے نام اپنے ایک مکتوب میں ہندوستان کے معاشی مسئلے کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا، اور اس اندیشے کا اظہار کیا:
''ایسے حالات میں نہرو کی اشتراکی پالیسی گمراہ کن ثابت ہو رہی ہے اور بہت سے مسلمان بھی اس کا شکار ہو رہے ہیں۔''
انہوں نے فرمایا:
''میرے خیال میں ہندوستان کے معاشی مسئلے کو صرف اسلام کا نظام معیشت ہی پورے طور پر حل کر سکتا ہے۔''
سرمایہ داری کی مخالفت کا یہ مطلب نہیں کہ اقبال اشتراکیت کو پسند کرنے لگے تھے۔ 1922ء میں ان کی نظم ''خضر راہ'' شائع ہوئی تو اس کی بنیاد پر بعض ترقی پسندوں نے انہیں اشتراکی کہنا شروع کر دیا۔ ''زمیندار'' کی 23 جون 1923ء کی اشاعت میں ایک صاحب نے اس نظم کی بنیاد پر انہیں اشتراکی لکھا۔ آپ نے اس کی تردید ایک جوابی خط کے ذریعے ان الفاظ میں کی:
''بالشویک (کمیونسٹ) خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے مترادف ہے۔ اس واسطے اس تحریر کی تردید میرا فرض ہے۔''
1937ء میں انہوں نے آل احمد سرور کے نام ایک خط میں لکھا:
''میرے نزدیک فاشزم، کمیونزم، اور زمانہ حال کے دوسرے ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ میرے عقیدے کی رو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوع انسان کے لیے ہر نقطہ نگاہ سے موجب نجات ہو سکتی''۔
اپنے دور کے تصورات کا جائزہ انہوں نے نظم ''خضر راہ'' میں بڑی خوبی کے ساتھ لیا ہے۔ ان کے خیال میں مسلمانوں کا باہمی نفاق ہمیشہ سے ان کی ابتری کا باعث رہا ہے، اور اس کا مداوا یہ ہے کہ ملت اسلامیہ رنگ و نسل اور ارض وطن کے اختلافات کو محو کر کے دین کی بنیاد پر ایک مضبوط اتحاد ملت قائم کرے۔ اسی نظم ''خضر راہ'' میں آگے چل کر کہتے ہیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کا شغر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہگذر

گویا علامہ اقبال کے تصورات تین دائروں میں گھومتے ہیں۔ ایک دائرے میں ملت اسلامیہ کا تاریخی تشخص یا قومیت کا تصور آتا ہے، جو اسلام یا

مسلم عصبیت ہے، جو دوسرے دائرے میں جغرافیے یا علاقے کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ قوم یا وطن ہے، اور تیسرا دائرہ ملت اسلامیہ کی آئیڈیالوجی کا وسیع تر تصور تھا۔ اسے آئیڈیالوجی تو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن تھیوری نہیں۔ گویا وہ پارٹیشن کر کے دو علاقوں مسلم ہندوستان، اور ہندو ہندوستان بنانے کے خواہش مند تھے۔ 1938ء میں علامہ اقبال انہی تصورات کی تبلیغ کرنے کے بعد دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس لیے نظریہ پاکستان کے لیے ان کا حصہ یہیں تک بنتا ہے، یعنی دو قومی نظریے کی اساس، البتہ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ شمال مغربی علاقے میں مسلمانوں کی ریاست بطور مرکز ابھر کر رہے گی۔

قائداعظم محمد علی جناح کے ارشادات کی روشنی میں جداگانہ قومیت کے تصور، اور اس تصور کی بنیاد پر وجود میں آنے والی مملکت کی جو تصویر بنتی ہے اس کے بنیادی خدوخال مندرجہ ذیل ہیں۔

23 مارچ 1940ء کو لاہور میں مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے جس میں قرارداد لاہور منظور کی گئی تھی۔ قائداعظم نے فرمایا:

''اسلام اور ہندو دھرم محض مذہب نہیں بلکہ درحقیقت دو مختلف معاشرتی نظام ہیں، چنانچہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہیے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت کی تخلیق کر سکیں گے۔ یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے نہ ایک دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ میں واشگاف الفاظ میں کہتا ہوں کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں بلکہ یہ حقائق اکثر دوسرے سے متصادم ہوتے رہتے ہیں۔

انسانی زندگی کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی ترقی کی تمناؤں کے لیے مختلف تاریخوں سے نسبت رکھتے ہیں، اور ان کے تاریخی مسائل اور ماخذ مختلف ہیں۔ ان کی رزمیہ نظمیں ان کے سربرآوردہ لوگ، اور قابل فخر تاریخی کارنامے سب مختلف اور الگ الگ ہیں۔ اکثر اوقات ایک قوم کے زعماء اور دوسری قوم کی برتر ہستی کے دشمن ثابت ہوتے ہیں۔ ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔ ایسی دو قوموں کو ایک ریاست اور ایک حکومت کی گاڑی کے دو بیل بنانے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دونوں کے دلوں میں بے صبری روز بروز بڑھتی رہے گی، جو انجام کار تباہی لائے گی۔ خاص کر اس صورت میں کہ ان میں سے ایک قومی تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہوں، اور دوسری کو اکثریت حاصل ہو۔ ایسی ریاست کا آئینی عمل خاک میں مل کر رہ جائے گا۔''

اپنی ایک تقریر میں بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبہ محرکہ، اور مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال۔ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔''

(علی گڑھ 8 مارچ 1944ء)

''اسلام کے تصور مملکت کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی

ذات ہے، جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی، نہ کسی شخص یا ادارے کی، بلکہ قرآن کے احکامات ہی یہ سیاست و معاشرت میں آزادی اور پابندی کی حدود متعین کر سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول و احکام کی حکومت ہے۔'' (کراچی، پاکستان 1948ء)

جبکہ 19 مارچ 1944ء کو طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:

''اسلام ہمارا راہنما ہے، اور ہماری زندگی کا مکمل ضابطہ ہے۔ ہمیں کسی سرخ یا پیلے پرچم کی ضرورت نہیں، اور نہ ہمیں سوشلزم، کمیونزم، نیشنلزم یا کسی دوسرے ازم کی ضرورت ہے''۔

قائداعظم محمد علی جناح آزادی، رواداری اور مساوات کی جمہوری اقدار میں غیر متزلزل ایمان رکھتے تھے، لیکن ان کے خیال میں یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا کہ مغرب کے جمہوری نظام کو جوں کا توں کسی دوسرے ملک میں نافذ کر دیا جائے۔

لندن کے اخبار ''ٹائم اینڈ ٹائیڈ'' کے نمائندے کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے 19 جنوری 1940ء کو فرمایا:

''ہندوستان کے حالات مغربی جمہوریت کے لیے سازگار نہیں ہیں''۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں 6 مارچ 1940ء کو کہا:

''دو سال پہلے میں نے کہہ دیا تھا کہ جمہوری پارلیمانی طرز کی حکومت ہندوستان کے لیے موزوں نہیں ہے''۔

اپریل 1941ء میں مسلم لیگ کے مدراس کے اجلاس میں فرمایا:

''جمہوریت کے معنی اکثریت کی حکومت کے ہیں۔ اگر کسی ملک میں ایک ہی قوم بستی ہو، اور سارے معاشرے کا نظام ایک ہی طرز کا ہو تو اکثریت کی کامیابی کا امکان سمجھ میں آ سکتا ہے حالانکہ ایک قوم کی صورت میں بھی ہمیں تو یہ طرز ہمیشہ ناکام ہی نظر آیا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مطلق جمہوریت کی بجائے اسلام کے اصولوں پر مبنی جمہوریت کو ملت اسلامیہ ہند کا نصب العین یا آئیڈیالوجی قرار دیا۔ تھیوری کے لحاظ سے گویا جنوبی ایشیائی جمہوریت میں مسلمان اپنا علیحدہ تشخص قائم رکھنے میں ناکام ہوئے، اور فسادات ہمیشہ ہوتے رہے۔ اسلامی قومیت انہیں بے چین رکھتی، اس لیے ایک خطے کی ضرورت لاحق تھی۔ 14 فروری 1947ء کو سبی میں فرمایا:

''ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات، اور اصولوں پر رکھیں''۔

14 جولائی 1947ء کو ایک پریس کانفرنس میں فرمایا:

''جب آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال پہلے ہی سیکھ لی تھی''۔

پاکستان بننے کے بعد 25 جنوری 1948ء کو کراچی میں فرمایا تھا:

''اسلام، اور اس کی عالی نظری نے ہمیں جمہوریت سکھائی ہے۔''

کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے 25 فروری 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''اسلام نے ہمیں مساوات سکھائی ہے۔ ہر شخص سے

انصاف، اور رواداری کا حکم دیا ہے''۔

18 نومبر 1942ء کو لائل پور (فیصل آباد) میں فرمایا:

''مجھے اہل دیہات کی غربت اور مفلوک الحالی دیکھ کر بہت رنج ہوتا ہے۔ میں نے سفر کے دوران میں ریلوے اسٹیشنوں پر پنجاب کے دیہاتی مسلمانوں کے گروہ دیکھے تو مجھے ان کے افلاس سے سخت دکھ پہنچا۔ پاکستان کی حکومت کا سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ ان لوگوں کا معیار زندگی بلند کرے، اور زندگی بلکہ بہتر زندگی سے شاد کام ہونے کے اسباب بہم پہنچائے''۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ بنگالی، پنجابی، سندھی، بلوچی، اور پٹھان وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات نہ کریں۔ کیا آپ وہ سبق بھول گئے جو تیرہ سو سال پہلے آپ کو سکھایا گیا تھا۔ یہ کہنے کا آخر کیا فائدہ ہے کہ ہم پنجابی ہیں، ہم سندھی ہیں، ہم پٹھان ہیں۔ ہم تو بس مسلمان ہیں''۔ (جلسہ عام ڈھاکہ ۱۹۴۷ء)

''ہم ہندوؤں کو کامل یقین دلاتے ہیں کہ پاکستان کی شاہراہ پر گامزن ہونا ہے تو اس کی سرکاری زبان ایک ہی ہوسکتی ہے جو میری ذاتی رائے میں اردو اور صرف اردو ہے''۔

(جلسہ تقسیم اسناد ڈھاکہ یونیورسٹی 24 مارچ 1948ء)

''پاکستان کے دفاع کو مضبوط بنانے میں آپ میں سے ہر ایک کو اپنی جگہ الگ الگ انتہائی اہم کردار ادا کرنا ہے۔ اس کے لیے آپ کا نعرہ ہونا چاہیے۔ ایمان، تنظیم اور ایثار۔ آپ اپنی تعداد کے کم ہونے پر نہ جائیے۔ اس کمی کو ہمت و استقلال اور بے لوث فرض شناسی سے پورا کرنا ہوگا کیوں کہ اصل چیز زندگی نہیں بلکہ ہمت، صبر، تحمل، اور عزم صمیم ہیں جو زندگی کو زندگی بنا دیتے ہیں۔'' (23 جنوری 1948ء)

''جو لوگ اپنی نادانی سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ پاکستان کو ختم کر دیں گے، وہ بڑی سخت بھول میں مبتلا ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کا شیرازہ بکھیرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اس پاکستان کا جس کی جڑیں بڑی مضبوطی اور گہرائی سے قائم کر دی گئی ہیں''۔

قائداعظم محمد علی جناح کے ان ارشادات کی روشنی میں نظریہ پاکستان کی تفہیم کچھ یوں ہوتی ہے کہ نظریہ پاکستان مبنی ہے:

(i) اسلامی تشخص وقومیت کی اساس
(ii) جداگانہ تہذیبوں کا تصور
(iii) دوقومی نظریے
(iv) قرآنی اصول واحکام کی حکومت
(v) غیر اسلامی نظاموں سے بیزاری
(vi) جمہوریت
(vii) مساوات، اور معاشی انصاف
(viii) قومی اتحاد و یکجہتی
(ix) اردو زبان
(x) اقلیتوں کے تحفظ
(xi) ان سب امور کی بنا پر پاکستان کا دفاع وغیرہ۔

نظریہ پاکستان کے یہ گیارہ نکات اس کی بہترین تشریح ہیں۔ تصور یا تھیوری کے لحاظ سے بھی اور نظریہ حیات یا آئیڈیالوجی کی بناء پر بھی۔

اگر ہم ان تمام نکات کو ملحوظ رکھیں جو اتفاق سے گیارہ ٹھہرتے ہیں تو انہیں ملا جلا کر تھیوری، اور آئیڈیالوجی دونوں کے تقاضے پورے کر سکتے ہیں۔

(پاکستان ایک نظریہ یا تحریک، از ڈاکٹر عطش درانی مطبوعہ مکتبہ عالیہ لاہور)

❸ پروفیسر ڈاکٹر حمید رضا صدیقی اپنے کالم میں یوں

رقمطراز ہیں:

''نظریہ پاکستان دراصل وہ نظریہ ہے جس کے تحت پاکستان وجود میں آیا ہے اس کا سیدھا سادہ اور صاف مطلب یہ ہے کہ برصغیر کے مسلمان اپنے علیحدہ تشخص کے مالک ہیں۔ وہ ہر لحاظ برصغیر کی دوسری اقوام سے بالکل مختلف ہیں۔ ان کی سیاسی، سماجی اور مذہبی انفرادیت میں کوئی شریک نہیں۔ یہی چیز'' دو قومی نظریہ'' کہلائی۔ اس کے مقابلہ میں کانگریس متحدہ قومیت کی دعویدار تھی، اور مذہب کی بنیاد پر مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کی مخالف تھی، لیکن سرسید اور اقبال کی مانند قائداعظم نے مسلمانوں کے علیحدہ قومی تشخص کے تحفظ کے لیے کام کیا اور اس کی بنیاد پر علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا۔

قائداعظم دو قومی نظریے کے بہت بڑے دعویدار اور علمبردار تھے اور اس بات کے خواہشمند تھے کہ اسلامیان ہند اپنے لیے ایک علیحدہ آزاد اور خود مختار ریاست تشکیل دیں جہاں وہ اپنے عقائد، رسوم و رواج، تہذیب اور مذہبی اقدار کے تحت زندگی گزار سکیں۔ قائداعظم نے مختلف موقعوں پر کانگریس کے متحدہ قومیت کے دام ہمرنگ زمین کو تار تار کیا۔ درحقیقت وہ ہندوستان کے واحد اور دور اندیش رہنما تھے جو کانگریس کے اصل عزائم سمجھتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم کو ثابت کرنے کے لیے ہمیشہ دلائل اور شواہد سے کام لیا، اور اس بات پر زور دیا کہ مسلمان جداگانہ قومیت کے مالک ہیں۔ قائد اعظم نے مسلمانوں کے علیحدہ وطن کے لیے دو قومی نظریے کی وضاحت کے لیے 6 مارچ 1940ء کو علی گڑھ یونیورسٹی میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

''ایک چیز قطعی ہے اور وہ یہ کہ ہم کسی طرح اقلیت میں نہیں ہیں بلکہ ہم اپنے نصب العین کے ساتھ بجائے خود ایک ممتاز قوم ہیں۔''

قائداعظم نے 1940ء کے آغاز میں انگلستان کے ایک اخبار میں لکھا:

''جمہوریت کا تصور ایک قوم کے مفروضے پر مبنی ہے، خواہ اقتصادی طور پر وہ قوم کتنے ہی مختلف عناصر کا مجموعہ ہو۔ انگریزوں کو یہ حقیقت معلوم ہونی چاہیے کہ ہندو دھرم اور اسلام دو مختلف اور الگ تہذیبوں کی نیابت کرتے ہیں، اور ایک سے دوسرا اپنی اصل روایات اور طرزِ زندگی میں اس قدر مختلف ہے جتنی کہ یورپ کی مختلف اقوام۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دو مختلف قومیں ہیں۔''

22 مارچ 1940ء کو لاہور میں مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس شروع ہوا، جس میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی تھی۔ اس اجلاس میں قائداعظم نے اپنا معرکتہ الآرا صدارتی خطبہ دیا، جس میں انہوں نے مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کو ثابت کیا، اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک خودمختار اور اسلامی ریاست کی ضرورت کو واضح کیا۔ انہوں نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے قومی تصور اور ہندو دھرم کے سماجی طور طریقوں کے باہمی اختلاف کو محض وہم وگمان بتانا ہندوستان کی تاریخ کو جھٹلانا ہے۔ ایک ہزار برس کے قریبی روابط کے باوجود دونوں قومیں آج بھی ایک دوسرے سے اتنی ہی دور ہیں جتنی پہلے ہوا کرتی تھیں۔ ان کے متعلق یہ توقع کرنا کہ ان میں محض اس وجہ سے انقلاب آ جائے گا، اور ہندو اور مسلمان ایک

قوم بھی بن جائیں گے کہ ان پر ایک جمہوری آئین کا دباؤ ڈالا گیا ہے، سراسر غلطی ہے، جب ہندوستان میں ڈیڑھ سو سال سے قائم شدہ برطانوی واحد حکومت اس میں کامیاب نہ ہو سکی تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت میں فیڈرل نظام کے جبری قیام سے یہ مصیبت ٹل جائے۔ بلا شبہ اسے ایک بین الاقوامی مسئلہ قرار دینا چاہیے اور اسی نقطہ نگاہ سے اس کا حل تلاش کرنا لازم ہے۔''

آگے چل کر قائداعظم نے فرمایا:

''اسلام اور ہندو دھرم محض اور فقط مذاہب نہیں ہیں بلکہ درحقیقت دو مختلف اور جداگانہ سماجی نظام ہیں۔ چنانچہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہیے کہ ہندو اور مسلمان مل کر مشترکہ قومیت کی تخلیق کر سکیں گے۔''

یکم جولائی 1942ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندے کو بیان دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں۔ زبان، ادب، فنون لطیفہ، فن تعمیر، نام و نسب، شعور، اقدار و تناسب، قانون و اخلاق، رسم و رواج، تاریخ و روایات اور رجحان و مقاصد ہر ایک لحاظ سے ہمارا اپنا انفرادی زاویہ نگاہ اور فلسفہ حیات ہے۔ بین الاقوامی قانون کی ہر تعریف ہماری قومیت کو سلامی دینے کے لیے تیار ہے۔''

قائداعظم نے 1929ء میں اپنے معروف چودہ نکات کے ذریعے مسلمانوں کے علیحدہ تشخص کے تحفظ کے لیے مطالبات پیش کیے۔ ان میں بارہواں نکتہ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، زبان، تعلیم، مذہب اور پرسنل لاء کے تحفظ کے بارے میں تھا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں 6 مارچ 1940ء کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کھل کر دو قومی نظریہ کی حمایت کی اور کہا:

''جہاں تک مجھے اسلام کا علم ہے وہ ایسی جمہوریت کی وکالت نہیں کرتا جو غیر مسلم اکثریت کو مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا اختیار دے۔ ہم کوئی ایسا نظام حکومت قبول نہیں کر سکتے جس کی رو سے ایک غیر اکثریت محض تعداد کے بل بوتے پر ہم مسلمانوں پر حکومت کرے اور ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لے۔''

قیام پاکستان کے بعد 25 اکتوبر 1947ء کو رائٹر کے نمائندے مسٹر ڈنکن ہو پر کو انٹرویو دیتے ہوئے قائداعظم نے کہا:

''دو قومی نظریہ ایک نظریہ ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے اور واقعات نے بھی اس کی تصدیق کر دی ہے کہ ہندوستان ایک ہندو ریاست ہے۔''

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے قائداعظم نے 25 جنوری 1948ء کو عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر کراچی بار ایسوسی ایشن کے استقبالیہ میں کہا:

''کون کہتا ہے کہ پاکستان کے آئین کی اساس شریعت پر نہیں ہوگی۔ جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ مفسد ہیں۔ ہماری زندگی میں آج بھی اسلامی اصولوں پر اسی طرح عمل ہوتا ہے جس طرح کہ تیرہ سو سال پہلے ہوتا تھا۔ اسلام نے جمہوریت دکھائی ہے، مساوات اور انصاف کا سبق دیا ہے، لہٰذا اسلامی اصول پر عمل کرنے سے ہم ہر ایک کے ساتھ انصاف کر سکیں گے۔''

(اشاعت روزنامہ نوائے وقت 28 دسمبر 2013ء)

نظم وضبط

❶ قائداعظم محمد علی جناح خود بھی نظم و ضبط کے بہت پابند تھے، اور دوسروں سے بھی نظم وضبط کی پابندی کرانا چاہتے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح جب 7 اگست 1947ء کو محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ کراچی تشریف لائے، ایئرپورٹ پر عوام کا جم غفیر بے چینی سے آپ کا منتظر تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کا خصوصی جہاز کچھ دیر لیٹ تھا، اور جب فضاء میں گڑگڑاہٹ کے ساتھ سیاہ رنگ کا فوجی طیارہ نمودار ہوا تو زمین سے اللہ اکبر، اللہ اکبر، پاکستان زندہ باد، قائداعظم زندہ باد کے فلک شگاف نعرے بلند ہونے لگے۔

طیارہ رن وے پر دوڑتا ہوا رک گیا، اور قائداعظم محمد علی جناح کا انتظار کرنے والے ہجوم میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر عقیدت مند اپنے قائد کی جھلک دیکھنے کے لیے بے چین نظر آ رہا تھا، اور جب قائداعظم محمد علی جناح مسکراتے ہوئے سیڑھیوں پر آئے تو ہجوم ان کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔

اچانک قائداعظم محمد علی جناح کی مسکراہٹ غائب ہوگئی، اور ماتھے کی شکن ابھری۔ ہجوم ٹھہر گیا۔ عوامی مقبولیت بڑے سے بڑے اصول پرست کو دیوانہ بنادیتی ہے، اور عوام کے دلوں میں اپنا مقام بنانے کا خواہشمند رہنا اکثر خود کو عوام کی مرضی کا پابند بنالیتے ہیں، لیکن قائداعظم محمد علی جناح دنیا بھر کے سیاسی رہنماؤں سے مختلف تھے۔ غیر منظم مجمع دیکھ کر آپ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

''ایسے موقع پر آپ کو نظم وضبط کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ آپ ایک آزاد مملکت کے ذمہ دار شہری کی حیثیت اختیار کرنے والے ہیں۔ آپ کو اصولوں پر سختی سے عمل کرنا چاہیے، میں اس وقت تک طیارے سے نہیں اتروں گا، جب تک آپ لوگ پیچھے ہٹ کر اپنی جگہ پر نہیں چلے جائیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے یہ الفاظ سن کر مجمع اسی جوش سے پیچھے ہٹ گیا، جس جوش سے وہ آگے بڑھا تھا۔

❷ ''پاکستان اسپیشل ٹرین'' جب آدھی رات کو میمن سنگھ پہنچی تو تقریباً تین گھنٹے لیٹ تھی۔ لوگ قائداعظم محمد علی جناح کو دیکھنے کے لیے ادھر ادھر بھاگنے لگے، بہت سے لوگ مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے، کچھ قریب کے درختوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ لوگوں کا ایک بڑا ہجوم ریلوے اسٹیشن پر جمع تھا۔ اس افراتفری میں قائداعظم محمد علی جناح سے درخواست کی گئی کہ وہ ٹرین سے اتر کر پل پر سے عوام سے خطاب کریں۔ مسلم عوام کا یہ غیر منظم رویہ قائداعظم محمد علی جناح کی برداشت سے باہر ہوگیا۔ وہ اتنے ناراض ہوگئے کہ انہوں نے اپنے کمپارٹمنٹ سے باہر آنے سے انکار کر دیا، حالانکہ قائداعظم محمد علی جناح کے یہ دیوانے صبح تک ''قائداعظم زندہ باد مسلم لیگ زندہ باد'' کے نعرے لگاتے رہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کا یہ رویہ انتخابات پر اثر انداز ہوسکتا تھا، لیکن قائداعظم محمد علی جناح کی کامیابی کا سب سے بڑا راز یہی نظم وضبط تھا۔

نقراشی پاشا

1946ء میں قائداعظم محمد علی جناح آخری مرتبہ انگلستان تشریف لے گئے تو واپسی پر انہوں نے 17 دسمبر 1946ء کو شیفرڈ ہوٹل قاہرہ میں قیام فرمایا وہیں ان کی ملاقات مصر کے وزیراعظم جناب نقراشی پاشا سے ہوئی۔

نقرئی تالا

یہ وہ تالا ہے جسے یکم جولائی 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے سٹیٹ بنک آف پاکستان کراچی کا افتتاح کرتے

ہوئے کھولا تھا۔ اب یہ تالا قومی عجائب گھر کراچی کی زینت ہے۔

نقش تابندہ

تنویر ظہور اپنے کالم ''قائداعظم حسن کردار کا نقش تابندہ'' میں رقمطراز ہیں:

''آج قائداعظم محمد علی جناحؒ کی 137 ویں سالگرہ ہے۔ وہ حسن کردار کا نقش تابندہ تھے۔ وہ تنہا چومکھی لڑائی لڑتے رہے۔ ان کے پاس ایک ہی قوت تھی اور وہ تھی عظمت کردار کی بے پناہ طاقت۔ اسی کو قرآن کی اصطلاح میں ایمان کی قوت کہا جاتا ہے، یعنی اپنے نصب العین کی صداقت پر یقین محکم اور اس کے حصول کے لیے پاکیزہ عمل پیہم، آج ہماری قوم بدقسمتی سے اس تصور ہی سے بیگانہ ہو چکی ہے کہ حسن کردار کی قوت کس قدر بے پناہ ہوتی ہے۔ حصول پاکستان کا راز اس معمار پاکستان کے یقین محکم، عزم بلند اور بے لوث کردار میں مضمر تھا۔ قائداعظم کی زندگی اور سیاسی دور ساری دنیا کے سامنے ہے۔ اپنے تو ایک طرف ان کے کسی بد سے بدتر دشمن کو بھی کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ انہوں نے کسی معاملہ میں جھوٹ بولا یا فریب دیا ہو۔ وعدہ خلافی کی ہو یا بات کر کے مکر گئے ہوں۔ صاف، سیدھی، دوٹوک بات اور پھر اس پر چٹان کی طرح قائم۔ علامہ اقبال نے کہا تھا:

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

اس ساز و سامان کے ساتھ لڑنے والا قائد، کبھی لڑائی نہیں ہارتا، قائداعظم کے اپنے الفاظ میں:

''اخلاقی قوت، جرأت، محنت اور استقلال وہ چار ستون ہیں جن پر انسانی زندگی کی پوری عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے، میں کبھی ناکامی کے لفظ سے آشنا نہیں ہوا۔''

قائداعظم نے 8 مارچ 1944ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایک تقریر کے دوران کہا تھا:

''پاکستان کا آغاز اسی دن سے ہو گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں ہنوز مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔''

بات کس قدر واضح ہے کہ جب یہاں پہلی بار ایک غیر مسلم اسلام لے آیا تو اس ملک میں دو قوموں کا وجود عمل میں آ گیا، اور یہی پاکستان کی بنیاد ہے۔

قائداعظم نے 27 نومبر 1945ء کو کہا تھا:

''ہم دونوں قوموں میں صرف مذہب کا فرق نہیں۔ ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے۔ ہمارا دین ہمیں ایک ایسا ضابطہ حیات دیتا ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری رہنمائی کرتا ہے ہم اس ضابطے کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔''

جداگانہ قومیت کا یہی وہ تصور تھا جس کی مخالفت ہندوؤں کی طرف سے اس شدومد کے ساتھ ہوئی تھی۔ پاکستان بڑی محنت اور قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا تھا۔ محنت، کوشش اور قربانیاں دینے کا مقصد یہی تھا کہ مسلم قوم کے لیے ایک ایسا خطہ ایسا ملک اور ایسی ریاست قائم کی جائے جہاں لوگ سیاسی، معاشی، معاشرتی اور اقتصادی اعتبار سے خود مختار ہوں۔ وہ اسلامی اصولوں کے مطابق خوشحال زندگی بسر کر سکیں۔

ان کا اپنا جمہوری نظام، ان کی اپنی وضع کردہ اقتصادی پالیسی ہو، اور (مسلمان جو اقتصادی) و معاشی طور پر دیوالیہ ہو چکے تھے۔ انہیں خوشحال بنایا جائے، مگر افسوس ان میں ایک مقصد بھی پورا نہ ہوسکا۔محاذ آرائی اور کشمکش میں کوئی ایسی قانون سازی نہ ہوئی جس کا تعلق عوام کی بہبود کے ساتھ ہو۔ ہم نے قائداعظم کے نظریات سے انحراف کیا اور کرتے چلے آرہے ہیں خواہ اس کی ذمہ داری آپ کسی پر بھی ڈالیں لیکن انحراف ہوتا چلا گیا اور اسی انحراف کے سبب جو وسیع النظری پاکستان کے ابتدائی دور میں دیکھنے میں آئی، وہ آہستہ آہستہ ختم ہوتی گئی۔ ہم نے وسیع نظری کو چھوڑ کر علاقہ پرستی یا زبان پرستی کی قدامت پسندی قبول کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک ٹوٹا۔ قائداعظمؒ پاکستان کو ایک جدید اسلامی جمہوریہ اور فلاحی مملکت بنانا چاہتے تھے، مگر بدقسمتی سے ابھی تک پاکستان نہ جدید ہے نہ اسلامی، نہ جمہوری اور نہ فلاحی ریاست ہے۔''

(اشاعت روزنامہ نوائے وقت، 25 دسمبر 2013ء)

نقلِ قائد

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں قیام کے دوران ایک موقع پر جب قائداعظم محمد علی جناح تفریح کے موڈ میں طلباء کے درمیان تشریف فرما تھے، ان کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ اس یونیورسٹی میں محمد نعمان اس قدر ماہر اداکار ہے کہ وہ بڑی عمدگی سے کسی بھی گفتگو اور نشست و برخاست کی نقل اتار سکتا ہے۔ محمد نعمان قائداعظم محمد علی جناح کے انداز میں بھی بڑی مشاقی کے ساتھ تقریر اور گفتگو کر سکتا ہے۔

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے لب و لہجے کی نقل اس قدر مکمل اور بھرپور انداز میں اتارنے پر قادر ہے کہ اگر آنکھیں بند کر کے یا پردے کے پیچھے سے اسے سنا جائے تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ قائداعظم نہیں بول رہے، اور یقینی طور پر خود قائداعظم بھی یہی محسوس کریں گے، گویا وہ خود اپنے آپ کو سن رہے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے محمد نعمان کو بلا بھیجا، نوجوان طالب علم نے صرف دس منٹ کی مہلت چاہی۔ دس منٹ کے بعد وہ سفید شلوار اور گرے شیروانی میں ملبوس جناح کیپ اوڑھے اور چشمہ لگائے آموجود ہوا۔

وہ بالکل قائداعظم تو دکھائی نہیں دیتا تھا، مگر اس کی قائداعظم محمد علی جناح سے مشابہت ضرور پیدا ہوگئی تھی، پھر محمد نعمان نے ایک فرضی اجتماع کے سامنے بولنا شروع کر دیا، آواز، لب و لہجے، الفاظ، حرکات، چہرے کے تاثرات غرض ہر بات قائداعظم کی طرح تھی۔ اگر وہ پردے کے پیچھے بول رہا ہوتا تو کوئی شخص یہ یقین نہ کرتا کہ یہ قائداعظم نہیں بول رہے۔ قائداعظم محمد علی جناح یہ سب کچھ دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ محمد نعمان کو اپنے پاس بلایا اور اپنی ٹوپی اور یک چشمہ یہ کہتے ہوئے اسے عطا کر دیے:

''یہ لو اس سے تمہاری کردار نگاری اور ثقہ ہو جائے گی۔''

نقوش قائداعظم

یہ کتاب گورنمنٹ حشمت اسلامیہ کالج راولپنڈی کے پروفیسر رحم بخش شاہین نے مرتب کی اور نومبر 1979ء میں شیخ اکیڈمی بل روڈ لاہور نے اسے شائع کیا۔ کتاب کی ابتداء علامہ اقبال کے اس شعر سے ہوتی ہے۔

چہ باید مرد را طبع بلندے مشرب نابے
دل گرمے، نگاہ پاک بینے، جان بیتابے

اس کتاب میں درج ذیل حضرات کے مضامین شامل کیے

گئے ہیں:

ضیاء الحق، نواب مشتاق احمد خان، سید محمد نجم الدینؒ، میاں بشیر احمد، شمیم اختر خان، سراج نظامی، ارشد چودھری، اے بی اکرم، محمد حنیف آزاد، ممتاز احسن، خالد اختر افغانی، مطلوب الحسن سید، محمد انیس الرحمٰن، عبداللہ ملک، عزیز ملک، سید ضمیر جعفری، اشرف عطا، پروفیسر احمد الدین ماہروی، اشتیاق حسین قریشی، عنایت اللہ، عشرت رحمانی، السید انصار ناصری، راجہ ف۔م ماجد، حکیم آفتاب احمد قرشی، جسٹس ذکی الدین پال، ڈاکٹر الٰہی علوی، سید بدرالدین احمد، پروفیسر محمد اسحاق قریشی، سردار عبدالرب نشتر، فرخ امین، جانباز سپاہی، ڈاکٹر ریاض علی شاہ، ڈاکٹر الٰہی بخش، سید مودودی، ملک افتخار علی، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، کیپٹن ممتاز ملک، محمد یونس، پورفیسر رحیم بخش شاہین، محمد جاوید مسعود۔

یہ کتاب 480 صفحات پر مشتمل ہے۔

نقوشِ قائداعظم

یہ کتاب 1985ء میں پہلی بار زیور طباعت سے آراستہ ہوئی، اسے منصور احمد بٹ نے تالیف کیا ہے۔ اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کے زندگی کے آخری نقوش کو یکجا کیا گیا ہے۔ نادر معلومات اور تصاویر سے مزین یہ کتاب تحریک پاکستان کے سفر کی دلچسپ روداد ہے۔

نکاح (دوسرا)

قائداعظم محمد علی جناح کا نکاح 19 اپریل 1918ء کو رتن بائی سے ہوا۔ اسلامی مہینے کے حساب سے یہ رجب 1336ھ تھا۔ قاضی کا انتظام قائداعظم محمد علی جناح کے ایک دوست دیوجی کانجی نے کیا۔ مولانا محمد حسین نجفی نے خطبہ نکاح پڑھا۔ جامع مسجد بمبئی میں نکاح کی یہ تقریب رتن بائی کے ولی اور قائداعظم محمد علی جناح کے گواہ راجا صاحب محمود آباد کے نکاح نامے پر دستخطوں سے اختتام پذیر ہوئی۔ رتن بائی کے گواہ کی حیثیت سے مرزا محمد علی نے نکاح نامے پر دستخط کیے۔

نکاح رجسٹر

19 اپریل 1918ء کو قائداعظم محمد علی جناح کا نکاح رتن بائی (مریم بائی) سے ہوا۔ نکاح رجسٹر کے صفحہ نمبر 118 میں یہ عبارت موجود ہے:

''یوم جمعہ وقت غروب از روز ہفتم رجب 1336ھ دربنگلہ محمد علی جینا جناب محترم مسٹر محمد علی ولد حبیب و محترمہ رتن بائی بنت ڈنشاپٹیٹ فارے بمصداق معین 1001 روپے و مبلغ 125000 روپے عطیہ وکیل زوجہ حضرت شریعتمد از قبلہ گاہی حاجی شیخ ابوالقاسم نجفی مدظلہ عالی وکیل زوجہ مرزا محمد علی خان راجہ محمود آباد بودہ ومحترم مکرم غلام علی وکیل و مسٹر شریف بھائی دیوجی و عمر سوبانی برائے شہادت حاضر بود۔''

نمازِ شکرانہ

(دیکھئے: یومِ نجات)

نمک (کالحاظ)

لاہور کے ملک برکت علی ایڈووکیٹ پنجاب سے مسلم لیگ کے کارکن اور قائداعظم محمد علی جناح کے بھی دوست تھے۔ 1935ء میں ان کے بڑے بیٹے ملک شوکت علی کی دعوتِ ولیمہ تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح ان دنوں لاہور میں تھے، ملک صاحب نے انہیں اپنے مکان واقع ٹمپل روڈ مدعو کیا۔ سر فضل حسین بھی اس دعوت میں شریک تھے۔ غلطی سے فرنی کے ایک دیگچے میں چینی کے بجائے نمک پڑ گیا، اور دعوت میں فرنی کی
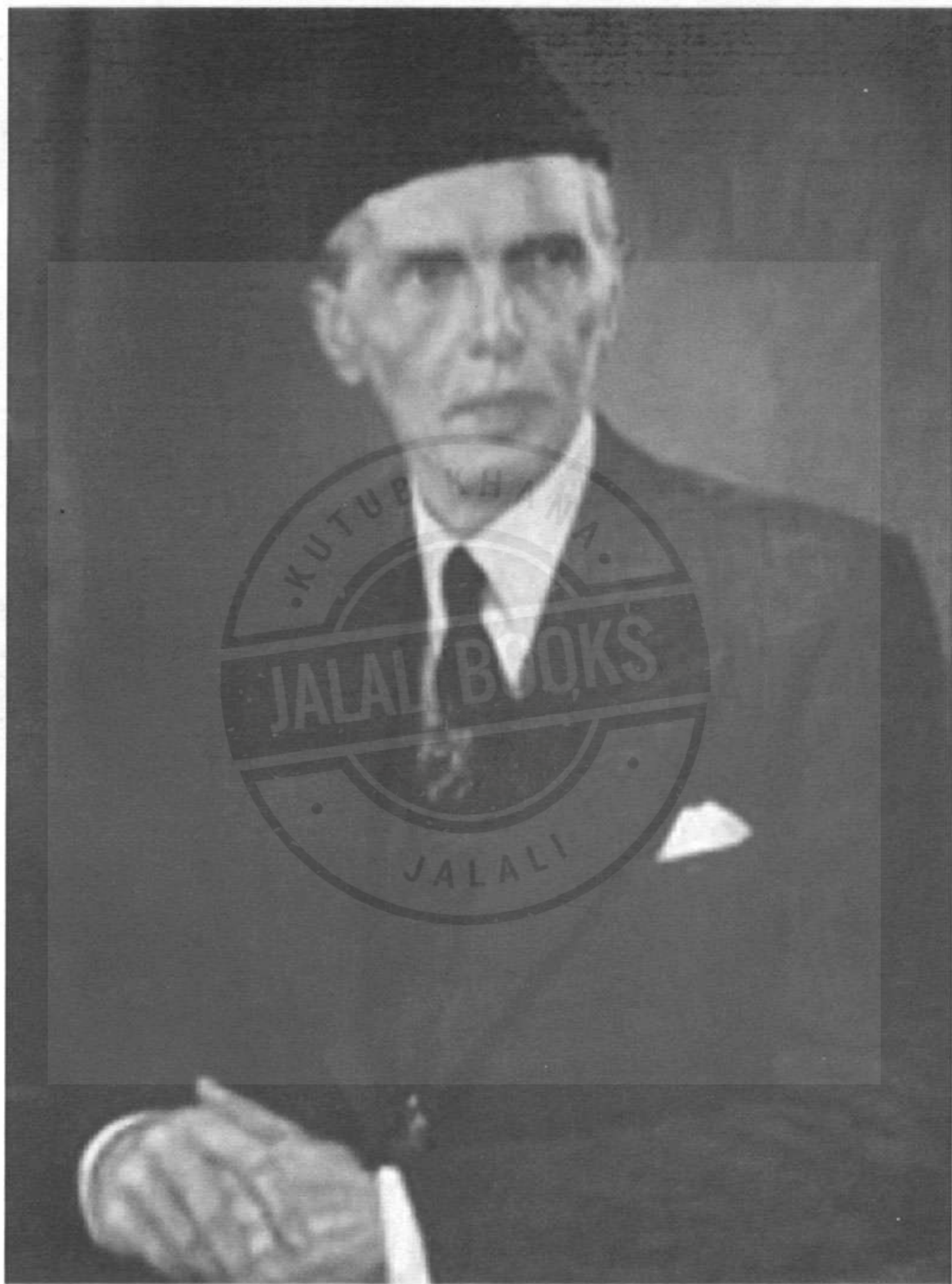
قائداعظم محمد علی جناحؒ

یہ پلیٹیں بھی تقسیم ہوگئیں، اتفاق سے ایسی ایک پلیٹ سر فضل حسین کے حصے میں بھی آئی۔ انہوں نے منہ میں ڈالتے ہوئے ملک صاحب سے کہا:

''میرا خیال ہے کہ اس وقفے میں کہ میں لاہور سے باہر رہا ہوں، لوگوں کے کھانے پینے کا مزاج اور معیار بدل گیا ہے۔''

ملک صاحب کو اصل بات کا علم نہ تھا۔ انہوں نے اس جملے کو خود پر طنز سمجھتے ہوئے کہا:

''لاہور والے ویسے ہی ہیں، البتہ انگریزوں کے ساتھ رہ کر آپ کا مزاج ضرور بدل گیا ہے۔''

فضل حسین کہنے لگے:

''پھر یہ فرنی میں نمک کیوں ہے؟''

اس دوران میں یہ باتیں سن کر قائداعظم محمد علی جناح بھی قریب آ گئے، ساری بات سن کر بولے:

''ملک صاحب شکر ہے کہ آپ نے سر فضل حسین کو اپنا نمک کھلا دیا، مجھے امید ہے اب سر فضل حسین آپ کے نمک کا لحاظ رکھیں گے۔''

اس پر تمام ہنس پڑے۔

ننھے جناح

(دیکھیے: ابتدائی تعلیم)

نوائے وقت

قائداعظم محمد علی جناح تحریکِ پاکستان کے ایام میں نوائے وقت کو ایک روزنامہ کی شکل میں دیکھنا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے وسط جون 1944ء میں نوائے وقت کے بانی حمید نظامی کو ہدایت کی کہ وہ نوائے وقت کو روزنامہ اخبار کی حیثیت دیں چنانچہ 22 جولائی 1944ء کو اس کا پہلا شمارہ منصۂ شہود پر آیا۔

قبل ازیں قائداعظم محمد علی جناح نے نوائے وقت کے بانی حمید نظامی کو ایک خط بھی لکھا تھا جس کا متن یہ ہے:

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابار ہل بمبئی

4 جون 1942ء

مجھے یہ جان کر بہت مسرت ہوئی ہے کہ نوائے وقت ایک ایسا اخبار ہے جسے جذبۂ ایثار سے سرشار ہمارے نوجوان چلاتے ہیں مجھے معلوم ہے کہ اس نے ایسے مسائل کے بارے میں ہمارے لوگوں کی بہت رہنمائی کی ہے، جو مسلم قوم کو درپیش ہیں۔ ہمارے عوام کی فوری ضرورت یہ ہے کہ ان کی تربیت اس انداز سے کی جائے کہ وہ مسلمان قوم کے اجتماعی مفاد کے لیے اپنی انفرادی بے آرامیوں کو بھول جائیں۔ ہم سب کو چپ چاپ، خاموشی سے، ایک ہی دھن اور لگن کے ساتھ اور ایک ہی مقصد کے لیے اور ایک ہی نظم کے تحت کام کرنے چاہئیں۔ وہ وقت دور نہیں جب ہماری مخلصانہ مساعی کے لیے ہمیں اس انعام سے نوازا جائے گا جس کے ہم مستحق ہیں۔

دستخط

ایم اے جناح

نوائے وقت کے تحت اس وقت روزنامہ نیشن لاہور بھی جاری ہے۔

نوائے وقت کو جناب حمید نظامی نے پندرہ روزہ اخبار کی حیثیت سے 29 مارچ 1940ء کو جاری کیا۔ مشہور کالم نگار اور صحافی میاں محمد شفیع المعروف م۔ش نے ایک بار نوائے وقت میں لکھا: ''اخبار کے اجرا کے وقت مشہور مسلم لیگی رہنما اور قائداعظم کے رفیق میاں بشیر احمد نے خطیر رقم بطور عطیہ دی۔ 15 نومبر 1941ء کو یہ ہفتہ وار ہو گیا۔

نوائے وقت نے 29 مارچ 1966ء کو اپنی چھبیسویں

سالگرہ پر 1940ء کے اس پہلے پرچے کے پہلے صفحے کا عکس شائع کیا تھا، اس اخبار کا سالانہ چندہ صرف 2 روپے اور ایک پرچے کی قیمت ایک آنہ تھی۔ اس کے پہلے صفحہ پر سب سے پہلے قائداعظم محمد علی جناح کا یہ پیغام تھا:

''میں اردو کی خدمت کو قوم کی خدمت سمجھتا ہوں۔''

22 جولائی 1944ء کو یہ اخبار روزنامہ بن گیا۔

یہ اخبار مسلم لیگ کے مسلک کو مقبول بنانے میں کوشاں رہا اور اس نے یونینسٹ حکومت کی مخالفت کی اور تخویف اور تہدید کی مہم کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مخالف طاقتوں کے مقابلہ میں سینہ سپر رہا۔ 11 اپریل 1951ء کو ممتاز دولتانہ کی وزارتِ اعلیٰ کے دور میں اپنی حق گوئی کی پاداش میں اس اخبار کو بند کر دیا گیا۔

انگریزی میں اگرچہ ایسٹرن ٹائمز بھی اس وقت شائع ہو رہا تھا، اور مسلم لیگ کی ترجمانی کر رہا تھا، لیکن اردو کا کوئی ایسا روزانہ اخبار نہ تھا جو بہانگِ دہل مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح کی پالیسیوں کی حمایت کرتا۔ اس ضرورت کے پیش نظر اسے ہفتہ وار سے روزنامہ بنایا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے حمید نظامی سے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ لاہور سے ایک روزنامہ اخبار جاری کیا جائے جو سو فیصدی مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی ترجمانی کرے، اور میں چاہتا ہوں کہ تم یہ اخبار نکالو۔''

لہٰذا ضروری انتظامات اور لوازمات کی تکمیل کے بعد اسے روزنامہ بنا دیا گیا۔

پاکستان اور بھارت کی تاریخ میں یہ واحد اخبار ہے جسے قائداعظم محمد علی جناح نے تین مرتبہ پندرہ روزہ اشاعت پر، ہفت وار اشاعت پر اور روزنامہ کے طور پر پڑھا۔

نوٹوں پر تصویر

قائداعظم محمد علی جناح کی نوٹوں پر سب سے پہلے تصویر میجر جنرل محمد سکندر مرزا کے عہد میں چھاپی گئی، مگر یہ نوٹ مارکیٹ میں آئے تو لوگوں نے اس کی مخالفت کی چنانچہ حکومت نے یہ نوٹ بند کر دیا۔ یہ تصویر ایک سو روپے کے نوٹ پر تھی۔

نوجوان جناح عدالت میں

قائداعظم محمد علی جناح کے سرکاری سوانح حیات کے مصنف ہیکٹر بولائتھو نے اپنی کتاب محمد علی جناح کا ایک باب اس عنوان سے باندھا ہے، لیکن اس باب میں مصنف نے 1950ء میں بمبئی کے معمر وکلاء کو بطور سند پیش کیا ہے ایسا لگتا ہے کہ جیسے تمام واقعات افسانوی رنگ میں پیش کیے گئے ہیں۔

نور احمد حسین، بریگیڈیئر

انہیں آخری پانچ ماہ تک قائداعظم محمد علی جناح کے اے ڈی سی رہنے کا اعزاز حاصل ہے۔ نور احمد حسین نے 1946ء میں فوج میں کمیشن حاصل کیا۔ ڈیفنس کالج میں پڑھاتے رہے۔ 4 سال تک سٹریٹجک سٹڈیز انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر جنرل رہے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن پر ایک مقالہ لکھا۔ بیرون ملک میں ان کے بہت سے مقالے شائع ہو چکے ہیں۔

11 ستمبر 1988ء کو انہوں نے پاکستان ٹی وی پر شاہد شمسی کے حوالوں کے متعدد جوابات دیے اور قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت اور کردار پر روشنی ڈالی۔

نور احمد خان

قائداعظم محمد علی جناح کے میزبان اور ممتاز گلوکارہ نیرہ نور

کے والد تھے۔ انہیں 1946ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے والد خان بہادر عیدا خاں کبھی گوہاٹی کے رئیس اعظم کہلاتے تھے۔ اپنے والد کی وفات پر نور احمد امرتسر سے آسام چلے گئے اور ٹھیکیداری کے علاوہ تحریک پاکستان میں سرگرمی سے حصہ لینا شروع کر دیا۔ گوہاٹی کے محلہ لک ٹکیاں میں ان کی سولہ کنال میں پھیلی ہوئی حویلی تھی۔ جو سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔ 1946ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے اس حویلی میں دو دن دو راتیں قیام کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے گوہاٹی میں جلسہ عام سے بھی خطاب کرنا تھا، چنانچہ سارا انتظام نور احمد خاں نے کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح جب گوہاٹی پہنچے تو ان کی کار کا دروازہ نور احمد خان نے کھولا اور انہیں ان کی دو بچیوں رخسانہ اور کلثوم نے ہار پہنائے۔ ان کے ہمراہ خواجہ ناظم الدین، لیاقت علی خان، چوہدری خلیق الزمان، حسین شہید سہروردی، عبدالمتین چوہدری، عبدالباسط اور سر سعد اللہ بھی تھے۔

بیگم نور نے سپاسنامہ لکھا اور بیگم نور نے ہی سپاسنامہ پڑھا قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں شہریوں نے سات ہزار روپے اور نور احمد خان نے دس ہزار روپے کی تھیلی پیش کی۔

نور اللہ، میاں

تحریک پاکستان کے رہنما تھے، اور قائداعظم محمد علی جناح کے بڑے معتقد تھے، 1942ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح فیصل آباد تشریف لے گئے تو انہوں نے کانفرنس کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ بڑے اعلیٰ اوصاف کے حامل اور دیندار انسان تھے۔ میاں نور اللہ نے برطانیہ میں تعلیم مکمل کی اور 1930ء-1932ء کے دوران مسلم لیگ میں شامل ہو کر اہم خدمات انجام دیں۔ 1946ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی کے رکن بنے، میاں نور اللہ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لیتے رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ صوبائی کابینہ میں وزیر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔

ان کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا حکومت پنجاب نے ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں تحریک پاکستان گولڈ میڈل سے نوازا۔

نور الٰہی ملک

لاہور کے ممتاز صحافی اور روزنامہ احسان اور شہباز پشاور کے بانی اور مالک تھے۔ وہ 1905ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1934ء میں لاہور سے روزنامہ احسان جاری کیا، جو 1940ء میں قراردادِ پاکستان کی منظوری کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کا ترجمان بن گیا۔ برصغیر میں روزنامہ احسان مسلمانوں کا اول اخبار تھا جس نے ٹیلی پرنٹر کا نظام اپنایا۔ اس اخبار کے دفتر میں ٹیلی پرنٹر کی تنصیب کا افتتاح قائداعظم محمد علی جناح نے کیا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان کے نام ایک خط میں انہیں قوم کا ایک نڈر ترجمان قرار دیا تھا۔

قیامِ پاکستان سے قبل اخبار احسان نے صحافت کا اعلیٰ معیار قائم کیا تھا، اور اردو صحافت کا سنگ میل بن گیا تھا۔ اخبار احسان میں برصغیر کے کہنہ مشق صحافیوں نے مختلف ادوار میں کام کیا ان میں مولانا چراغ حسن حسرت، مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش، حاجی لق لق اور باری علیگ بھی شامل ہیں۔ وہ مسلم ماڈل ہائی سکول لاہور اور اسلامیہ ہائی سکول موتی روڈ لاہور کے بانی اور اسلامی مشن لاہور، کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ ان کا انتقال 18 اگست 1972ء کو لاہور میں ہوا۔

نہرو

دسمبر 1916ء میں راجا صاحب محمود آباد نے جب کانگریس اور لیگ کے اراکین کے اعزاز میں بہت بڑا ڈنر دیا تو اس میں قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ پنڈت موتی لال نہرو اور جواہر لال نہرو بھی شریک ہوئے۔

1937ء میں جب پنڈت نہرو نے یہ کہا تھا:

''آج ہندوستان میں صرف دو فریق موجود ہیں یعنی نیشنل کانگریس اور برطانوی حکومت۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''دو نہیں بلکہ تین فریق ہیں یعنی کانگریس، برطانوی حکومت اور مسلمان۔''

یکم دسمبر 1939ء تا دسمبر 1939ء پنڈت نہرو اور قائداعظم محمد علی جناح کے مابین خط و کتابت ہوئی۔ 16 دسمبر کے خط میں قائداعظم محمد علی جناح کو لکھا:

''ہمارے اور آپ کے درمیان چونکہ کوئی بنیاد اور مقصد مشترک نہیں ہے لہٰذا میرا آپ سے ملنا اور گفتگو کرنا بے سود ہے۔''

اوائل 1940ء میں پنجاب کے دورے کے دوران پنڈت جواہر لال نہرو نے قائداعظم محمد علی جناح پر الزام لگایا:

''وہ ہندوستان میں برطانوی تسلط کو قائم رکھنے کی طرف مائل ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''یہ الزام صرف غیر ضروری ہی نہیں بلکہ کمینہ ہے۔''

پنڈت جواہر لال نہرو نے 15 اگست 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی رہائش گاہ پر ان سے 8 منٹ تک اہم امور پر تبادلہ خیالات کیا، تاہم یہ بات چیت بے نتیجہ رہی۔ 19 اگست کو قائداعظم محمد علی جناح نے اس کے بیان پر پنڈت جواہر لال نہرو کے بارے میں کہا:

''اگر جواہر لال نہرو یہ کہنے کی بجائے کہ مسلم لیگ نے تعاون نہیں کیا یہ کہتے کہ مسلم لیگ نے شکست قبول نہیں کی تو وہ صداقت سے زیادہ قریب ہوتے۔''

جواہر لال نہرو نے ستمبر میں پھر قائداعظم محمد علی جناح سے مذاکرات کیے۔

یکم دسمبر 1946ء کو برطانوی حکومت کی دعوت پر پنڈت جواہر لال نہرو، قائداعظم محمد علی جناح اور دیگر رہنماؤں کے ساتھ لندن گئے۔ جون 1947ء میں وائسرائے ہاؤس میں تقسیم ہند کے منصوبے پر مذاکرات میں شریک ہوئے۔

نہرو 14 نومبر 1899ء کو الٰہ آباد میں پیدا ہوئے۔ کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم مکمل کی۔ 1912ء میں الٰہ آباد میں وکالت کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی میدانِ سیاست میں بھی قدم رکھا، اور جلد ہی کانگریس میں مقبول ہو گئے۔ 1929، 1930، 1952 اور 1953 میں کانگریس کے صدر اور آل انڈیا سٹیٹس پیپل کانفرنس کے صدر رہے۔ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی پاداش میں 9 مرتبہ جیل کاٹی۔

ستمبر 1946ء میں عبوری حکومت کی جو کابینہ قائم ہوئی اس کے وزیر خارجہ مقرر ہوئے۔ آزادیٔ ہند کے بعد بھارت کے وزیراعظم بنے اور وفات تک اسی عہدے پر قائم رہے، وہ متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے ان کی کتابوں کے نام یہ ہیں۔

نہرو نے 1955ء میں روس، پولینڈ اور یوگوسلاویہ کا دورہ کیا پنج شیلا کے مصنف تھے زندگی بھر علاقائی معاہدوں کی شد و مد سے مخالفت کی، اور ناوابستہ ممالک کے اتحاد پر زور دیا۔ 1966ء میں حکومت بھارت نے ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر بین الاقوامی جواہر لال نہرو انعام جاری کیا۔ نہرو نے 1964ء میں انتقال کیا۔

نہرو جناح مراسلت

آنندن بھون

الہ آباد

یکم دسمبر 1939ء

مکرمی مسٹر جناح!

مائی ڈیئر جناح! ہم جب پچھلی مرتبہ دہلی میں ملے تھے تو یہ طے ہوا تھا کہ آئندہ بھی ملاقات ہوگی تا کہ فرقہ وارانہ مسئلے پر مزید بحث و تمحیص ہو سکے۔ آپ نے کہا تھا کہ واپس بمبئی جا کر مجھے اطلاع دیں گے کہ ملاقات کی کون سی تاریخ مقرر کی جا سکتی ہے۔ میں اس وقت سے آپ کے خط کا انتظار کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ جو تاریخ آپ کو منظور ہوگی مجھے اس سے مہربانی فرما کر مطلع کریں گے۔

سر سٹیفورڈ کرپس بہت جلد ہندوستان آنے والے ہیں، اور دو تین ہفتے یہاں قیام کریں گے مجھے ان کے یہاں پہنچنے کی صحیح تاریخ کا ابھی علم نہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ ہفتہ عشرہ میں آ جائیں گے۔ اگر ممکن ہوا تو آپ سے وہ ضرور ملیں گے مجھے ان کا پروگرام معلوم نہیں، اور یہ بھی نہیں معلوم کہ کس کس شہر کا دورہ کریں گے۔ بہرحال میرا خیال ہے کہ بمبئی ضرور جائیں گے۔ ازراہِ کرم مجھے ضرور اطلاع دیجیے گا کہ کیا آپ اس مہینے کے تیسرے ہفتے کے لگ بھگ یا کچھ دن بعد تک بمبئی ہی میں ہوں گے؟ اس طرح سر سٹیفورڈ کرپس کو اپنا پروگرام مرتب کرنے میں بہت کچھ آسانی ہوگی۔ وہ ہوائی جہاز سے آ رہے ہیں اور سیدھے الہ آباد پہنچیں گے۔

آپ کا مخلص

جواہر لال نہرو

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابار ہل بمبئی

4 دسمبر 1939ء

مکرمی پنڈت جواہر لال نہرو!

آپ کے یکم دسمبر کے خط کا شکریہ، میں آئندہ دو تین ہفتے بمبئی ہی میں ٹھہروں گا۔ اگر آپ کو ان دنوں یہاں آنے کی سہولت ہو تو جو تاریخ آپ کو منظور ہوگی میں اس روز آپ سے ملنے بخوشی تیار ہوں۔ مہربانی فرما کر مجھے اطلاع دیجیے گا کہ کس تاریخ کو اور کتنے بجے آپ تشریف لا سکیں گے۔

مجھے بھی سر سٹیفورڈ کرپس کا خط موصول ہوا تھا، اور میں نے ان کی ہدایت کے مطابق آپ کی معرفت انہیں جواب بھیج دیا ہے، جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے میں آئندہ دو تین ہفتے بمبئی ہی میں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

سر سٹیفورڈ کرپس کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ وہ 8 کو الہ آباد پہنچیں گے، جب وہ بمبئی آئیں گے میں بخوشی ان سے ملاقات کے لیے حاضر ہوں، جونہی ان کا جواب آیا میں ان کی سہولت کے مطابق ملاقات کی صحیح تاریخ اور وقت کا تعین کر سکوں گا۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

آنندن بھون

الہ آباد

9 دسمبر 1939ء

مکرمی مسٹر جناح!

دو روز ہوئے میں نے آپ کو لکھا تھا کہ میں بمبئی آ رہا ہوں اور وہاں آپ سے ملاقات ہوگی کل صبح میں نے اخباروں میں آپ کا بیان پڑھا ہے جس میں آپ نے اعلان کیا ہے کہ 22 دسمبر کو اس خوشی میں یومِ نجات اور یومِ تشکر منایا جائے گا کہ آخر کار ہندوستان کے ان صوبوں میں جہاں کانگریس کی حکومت تھی۔ کانگریس راج کا خاتمہ ہوا ہے۔ میں نے یہ بیان

بار بار پڑھا ہے، اور پورے چوبیس گھنٹے اس پر غور کرتا رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اپنے اس خط میں آپ کے بیان کے جملہ پہلوؤں پر کسی بحث کا دروازہ کھولوں۔ آپ میرے خیالات و عقائد سے واقف ہیں کہ میں کس طرح ہمیشہ صداقت کی تلاش میں رہتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میرا اندازہ غلط ہولیکن میں نے مزید روشنی کے حصول میں اپنی کوششوں میں کوئی کوتاہی نہیں کی، ہر چند کہ وہ روشنی مجھے حاصل نہیں ہوئی۔

جس چیز نے کل سے مجھے سخت پریشان کر رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے درمیان اقدار کی قیمت اور زندگی کی غرض و غایت کا باہمی اختلاف کس حد تک بڑھ چکا ہے۔ میرے اور آپ کے درمیان جو گفتگو گزشتہ ملاقاتوں میں ہوئی تھی۔ میں نے اس کے بعد یہ محسوس کیا تھا کہ ہمارا اختلاف کچھ زیادہ شدید نہیں، لیکن اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس خلیج کا پاٹ پہلے سے کہیں زیادہ وسیع ہو گیا ہے۔ اندریں حالات میں حیران ہوں کہ اگر ہم دوبارہ ملے بھی اور ان امور پر جو اس وقت درپیش ہیں تبادلہ خیالات کیا بھی تو حاصل کیا ہوگا۔ جب دو افراد کسی مسئلہ پر غور وفکر کرنے کے لیے ایک جگہ بیٹھتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ بحث کا کوئی مشترکہ موضوع ہو اور ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس بحث سے نتائج حاصل کرنے کے لیے کوئی مشترکہ مقصد سامنے ہو۔ میرا فرض ہے کہ یہ مشکل اپنے سامنے بھی رکھوں اور آپ کی خدمت میں بھی پیش کروں۔

آپ نے دہلی میں ایک خط مجھے دکھایا تھا جو آپ کو بجنور سے موصول ہوا تھا۔ میں نے اس معاملہ کی تحقیقات کی ہیں، اور میری تحقیق کے مطابق جو واقعات اس خط میں درج ہیں وہ درست نہیں اگر آپ اصل حقیقت دریافت کرنا چاہیں تو میں آپ کی تشفی کے لیے بجنور سے پوری تفصیل منگوا سکتا ہوں لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اس خط کی جو آپ نے مجھے دہلی میں دکھایا تھا۔ ایک نقل عنایت کریں۔

آپ کا مخلص

جواہر لال نہرو

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالا بارہل

بمبئی 13 دسمبر 1939ء

ڈیئر جواہر لال!

آپ کا 9 دسمبر کا خط ملا۔ اخباروں سے معلوم ہوا ہے کہ آپ دورہ کر رہے ہیں اس لیے میں حیران ہوں کہ آپ کو کس پتے پر جواب بھیجوں۔ تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ آپ 14 دسمبر کو بمبئی پہنچ رہے ہیں، لہٰذا یہ عریضہ بمبئی کے پتے سے ارسال کر رہا ہوں۔ مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ ''یہ ضروری ہے کہ بحث کا کوئی مشترکہ موضوع ہو اور ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس بحث سے نتائج حاصل کرنے کے لیے کوئی مشترکہ مقصد سامنے ہو۔'' یہی وجہ ہے کہ جب گزشتہ اکتوبر میں مجھے آپ سے اور مسٹر گاندھی سے دہلی میں ملنے کا اتفاق ہوا تھا تو میں نے یہ کہا تھا کہ جب تک کانگریس مسلم لیگ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی تنہا نمائندہ جماعت تسلیم نہیں کرتی اس وقت تک ہندو مسلم تصفیے کی گفتگو کا جاری رکھنا ناممکن ہے کیونکہ آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے یہ بنیادی شرط طے کر رکھی ہے دوسری بات یہ ہے کہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے اپنے ریزولیوشن میں جس قسم کے اعلان کا مطالبہ کیا ہے، اور جس کی تائید آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اپنے 10 اکتوبر 1939ء کے ریزولیوشن میں کی تھی ہم ہرگز اس کی حمایت نہیں کر سکتے۔ قطع نظر اس سے کہ کانگریس کا یہ ریزولیوشن الجھا ہوا اور ناقابلِ عمل ہے یہ ضروری ہے کہ پہلے ہم اقلیتوں کے بارے میں کوئی باہمی سمجھوتہ کریں، مسلم لیگ وائسرائے کے بیان سے بھی مطمئن نہیں۔

اگر ہم خوش قسمتی سے ہندو مسلم مسئلے کا کوئی حل تلاش کر لیں

تو پھر متحد ہوکر برطانوی حکومت سے ایسے اعلان کا مطالبہ کیا جا سکے گا جو ہمیں مطمئن کر سکے۔ مسٹر گاندھی اور آپ نے میری یہ دونوں تجویزیں قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، تاہم آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ آپ مجھ سے دوبارہ بھی ملنا پسند فرمائیں گے میں نے جواب میں عرض کیا تھا کہ جب آپ چاہیں میں ملاقات کرنے کو حاضر ہوں۔ آپ نے اپنے یکم دسمبر کے خط میں بھی مجھ سے بمبئی میں ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا تو میں نے اطلاع دی تھی کہ دسمبر کے تیسرے ہفتے تک میں بمبئی ہی میں قیام کروں گا، اور اس دوران میں آپ جب چاہیں تشریف لا کر مل سکتے ہیں۔

میں مکرر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ اس مسئلہ پر مزید گفت وشنید کرنے پر آمادہ ہیں تو میں حاضر ہوں۔

بجنور والے واقعہ کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے میں اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے لیے لازم ہے کہ کسی خاص نتیجے پر پہنچنے سے پہلے مکمل عدالتی تحقیقات کرائی جائے۔ مزید برآں تنہا ایک واقعہ لے کر اس کی چھان پھٹک کرنا بے معنی سی بات ہے۔ میرے نزدیک ضروری یہ ہے کہ ایک رائل کمیشن مقرر ہونا چاہیے، جو اس بات کی نہایت جامع و مانع تحقیقات کرے کہ کانسٹی ٹیوشن کو جس طرح معرضِ عمل میں لایا گیا ہے وہ کہاں تک قابلِ اعتراض ہے، اور ہمیں کانگریسی حکومتوں کے خلاف کیا کیا شکایتیں ہیں۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

سکینہ مینشن

کارمیکائیل روڈ بمبئی

14 دسمبر 1939ء

مائی ڈیئر جناح!

13 دسمبر کے خط کا شکریہ قبول کیجیے جو مجھے آج دوپہر یہاں پہنچنے پر دیا گیا میں نے پچھلا خط الہ آباد سے آپ کا وہ بیان پڑھ کر لکھا تھا جس میں آپ نے مسلمانوں سے درخواست کی تھی کہ کانگریسی حکومتوں کے ختم ہونے پر ''یومِ نجات وتشکر'' منائیں۔ مجھے یہ بیان پڑھ کر سخت تکلیف ہوئی تھی کہ اب سیاسی مسائل کے بارے میں ہمارے باہمی اختلاف کی خلیج کس حد تک وسیع ہو چکی ہے۔ اسی بنیادی اختلاف کے پیش نظر میں نے محسوس کیا تھا کہ ہمارے مذاکرات کے لیے کوئی مشترکہ زمین باقی نہیں رہی۔ چنانچہ یہی مشکل میں نے آپ سے بیان کی تھی اور وہ مشکل بدستور موجود ہے۔

آپ نے اپنے خط میں دو اور شرطیں پیش کی ہیں۔ جنہیں قبول کیے بغیر باہمی گفت وشنید کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ اول یہ کہ کانگریس مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کرے۔ گزارش یہ ہے کہ کانگریس نے ہمیشہ لیگ کو مسلمانوں کی ایک اہم اور ذمہ دار جماعت تسلیم کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم شدت سے خواہش مند ہیں کہ اپنے باہمی اختلافات رفع کیے جائیں۔ نظر بظاہر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس سے بھی آگے جا کر یہ کریں کہ ان مسلمانوں سے قطع تعلق کر لیں جو مسلم لیگ کے تو ممبر نہیں لیکن ہمارے نہایت دیرینہ اور مخلص رفقائے کار ہیں۔ لیگ کے علاوہ مسلمانوں کی اور بھی بہت سی جماعتیں موجود ہیں۔ مثلاً جمعیت علماء آل انڈیا شیعہ کانفرنس، مجلس احرار، آل انڈیا مومن کانفرنس وغیرہ۔ ٹریڈ یونین اور کسان سبھا جیسے اداروں میں بہت سے مسلمان شامل ہیں۔ عملی طور پر ان میں سے اکثر جماعتوں اور افراد نے وہی پروگرام اختیار کیا ہے جو کانگریس کا ہے ہم کیونکر ان جماعتوں کے وجود سے انکار کر سکتے ہیں۔ یا ان سے اپنا تعلق منقطع کرنے پر تیار ہو سکتے ہیں۔

آپ نے اکثر موقعوں پر یہ کہا ہے اور بجا کہا ہے کہ

کانگریس ہندوستان کے ہر شخص کی نمائندگی نہیں کرتی کانگریس واقعی ان لوگوں کی نمائندگی نہیں کرتی، جو اس کے پروگرام سے متفق نہیں، خواہ ان میں ہندو ہوں یا مسلمان۔ بالآخر یہی کہنا پڑے گا کہ کانگریس صرف اپنے ممبروں اور ہمدردوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ جیسے مسلم لیگ یا کسی اور جماعت کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ وہ صرف اپنے ممبروں اور ہوا خواہوں کی نمائندگی کرتی ہے، لیکن کانگریس اور لیگ میں اہم ترین فرق یہ ہے کہ درآں حالیکہ کانگریس کی رکنیت کا دروازہ ہر اس شخص کے لیے کھلا ہے جو کانگریس کے اغراض و مقاصد اور طریق کار سے اتفاق کرتا ہے۔ لیگ کی رکنیت صرف مسلمانوں تک محدود ہے۔ پس آئینی لحاظ سے کانگریس کی بنیاد پرستی (نیشنلزم) ہے، جسے اگر کانگریس ترک کردے تو اس کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ بہت سے ہندو ایسے ہیں جو ہندو مہاسبھا کے ممبر ہیں اور نہیں چاہتے کہ کانگریس ہندوؤں کی نمائندگی کا دعویٰ کرے، اسی طرح سکھ ہیں اور بھی بہت سے لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ فرقہ وارانہ مسائل پر ان کی رائے تسلیم کی جائے۔

اندریں حالات مجھے افسوس ہے کہ ہم آپ کا یہ مطالبہ قبول نہیں کر سکتے کہ تمام دیگر جماعتوں کو پسِ پشت ڈال کر صرف مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر لیں یہی کیفیت کانگریس کی بھی ہے کہ اپنے وسیع نظام کے باوجود ہم اس کے لیے اس قسم کا دعویٰ ہرگز نہیں کر سکتے۔ باایں ہمہ میں آپ سے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب دو جماعتوں میں مشترک دلچسپی رکھنے والے امور پر گفت و شنید ہوتی ہے تو اس قسم کے سوال رخنہ انداز نہیں ہونے چاہئیں۔

دوسرا نکتہ آپ نے یہ اٹھایا ہے کہ کانگریس نے برطانوی حکومت سے جس اعلان کا مطالبہ کیا ہے، مسلم لیگ اس کی حمایت نہیں کر سکتی۔ یہ امر واقعی افسوس ناک ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فرقہ وارانہ مسائل کے باہمی اختلاف کے علاوہ سیاسی مسائل میں بھی ہم آپس میں متفق ہیں۔ کانگریس نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ برطانوی حکومت سے صرف یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ بتائے کہ اس جنگ میں شامل ہونے سے اس کا مدعا و مقصود کیا ہے۔ دوم یہ کہ ہندوستان کی آزادی کا اعلان کرے اور سوم یہ کہ اس بات کا اعلان کرے کہ ہندوستان کے باشندوں کو یہ حق حاصل ہے کہ بغیر کسی خارجی دخل اندازی کے خود اپنا کانسٹی ٹیوشن وضع کر سکیں۔ اگر مسلم لیگ کو ان باتوں سے اتفاق نہیں تو اس کا مطلب یہ کہ ہمارا سیاسی نصب العین قطعی ایک دوسرے سے مختلف ہے کانگریس کا یہ کوئی نیا مطالبہ نہیں بلکہ کانگریس کے آئین کی شق اول میں درج ہے، اور گزشتہ کئی سال سے ہم جس پالیسی پر عمل پیرا ہیں وہ بھی اسی پر قائم ہے۔ میں حیران ہوں کہ کانگریس کیونکر اس سے دست بردار ہو سکتی یا بحد آخر اسے تبدیل کر سکتی ہے اگر آپ میری ذاتی رائے پوچھیں تو میں ہرگز اس میں تبدیلی کا روادار نہیں۔ یہ کسی شخص کا ذاتی سوال نہیں بلکہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا باقاعدہ ایک ریزولیوشن ہے، جس کی تائید ہندوستان کے گوشے گوشے میں کی جا چکی ہے میں اس بارے میں بالکل بے بس ہوں۔

ظاہر ہے کہ سیاسی نقطہ نگاہ سے ہمارے درمیان کوئی قدر مشترک باقی نہیں، اور ہمارے نصب العین بھی الگ الگ ہیں۔ لہٰذا اب کسی قسم کا بحث مباحثہ بالکل بے سود ہے پچھلا خط جو میں نے آپ کی خدمت میں لکھا تھا وہ آپ کے اس اخباری بیان سے متعلق تھا جس میں آپ نے مسلمانوں کو تاکید کی تھی کہ کانگریسی حکومتیں ختم ہونے پر یومِ نجات منائیں۔ آپ کے اس بیان سے بہت سے اہم اور دور رس نتائج پیدا ہونے کا احتمال ہے جن کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں لیکن جن سے ہم سب متاثر ہوں گے۔ ایک طرف یومِ نجات منانا اور دوسری طرف فرقہ وارانہ مسائل حل کرنے کی سعی کرنا۔ یہ

دونوں چیزیں ایک دوسرے پر کیونکر منطبق کی جاسکتی ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان حالات اور اس پس منظر میں ہماری ملاقات کوئی معقول نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی، تاہم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم فرقہ وارانہ مسائل کے تصفیے کی خاطر آپ سے ملنے اور کھلے دل سے تبادلہ خیال کرنے کو ہر وقت تیار ہیں۔

بجنور والے واقعہ کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے، میں اسے پڑھ کر سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ یک طرفہ الزام عائد کیے جاتے ہیں جن کی نہ تحقیق وتفتیش ہوتی ہے اور نہ تصفیہ کیا جاتا ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ شکوے شکایتوں کا دفتر کھولنا تو آسان ہے لیکن بغیر تحقیق وتفتیش کے ان پر انحصار کر لینا خطرے سے خالی نہیں۔

آپ کا مخلص

جواہر لال نہرو

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابار ہل، بمبئی

15 دسمبر 1939ء

ڈیئر جواہر لال!

آپ کا خط محررہ 14 دسمبر 1939ء ملا۔ افسوس ہے کہ آپ نے دوسرے نکتے کے متعلق میری پوزیشن کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ کانگریس نے برطانوی حکومت سے جس اعلان کا مطالبہ کیا ہے۔ مسلم لیگ اس کی حمایت نہیں کر سکتی۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ ہم کانگریس کے اس مطالبے کی حمایت نہیں کر سکتے جو ورکنگ کمیٹی کے ریزولیشن میں درج ہے، اور جس کی تائید آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے 10 اکتوبر 1939ء کو کی تھی اس کی وجہ میں اپنے خط میں لکھ چکا ہوں۔

اگر کانگریس کے اس ریزولیشن میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ خود آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ آپ کسی نوع کی تبدیلی گوارا نہیں کر سکتے اور جب کہ یہ بھی آپ واضح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ آپ مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی مستند اور نمائندہ جماعت تسلیم کرنے کو تیار نہیں تو پھر بتایئے کہ ان حالات میں آپ مجھ سے کیا توقع رکھتے ہیں کہ میں کیا کروں اور مجھے کیا کرنا چاہیے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

بمبئی

16 دسمبر 1939ء

ڈیئر جناح!

آپ کے 15 دسمبر کے خط کا شکریہ۔ جس اختلاف کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ میں اسے سمجھتا ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ مسلم لیگ اعلان کے مطالبے کی مخالفت نہیں کر سکتی کانگریس کا مطالبہ یہ ہے کہ جنگ کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کی جائے، ہندوستان کی آزادی تسلیم کی جائے، اور یہاں کے باشندوں کا یہ حق مانا جائے کہ وہ اپنا دستور وضع کرنے کے مختار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وضع دستور کا یہ حق دراصل آزادی کا جزو لاینفک ہے۔ یہ بنیادی اصول ہیں جو ہمارے مطمع نظر یعنی حصولِ آزادی سے خودبخود پیدا ہوتے ہیں، چونکہ مسلم لیگ کا مطمح نظر بھی یہی ہے اس لیے نظر بظاہر دونوں جماعتوں میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہونا چاہیے یہ صحیح ہے کہ جب ان اصولوں کو معرضِ عمل میں لانے کا وقت آئے گا تو بہت سے اہم امور بھی زیرغور آئیں گے، لیکن جہاں تک بنیادی مطالبات کا تعلق ہے۔ یہ اصول ہندوستانی نیشنلزم کا لب لباب ہیں جنہیں ترک کرنے یا جن میں بہت کچھ ردوبدل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم گویا اپنے ہاتھوں سے اپنی آزادی کو فنا کر دیں گے۔

جنگ کے بارے میں بھی کانگریس گزشتہ گیارہ سال میں بار بار اپنی پالیسی کی وضاحت کر چکی ہے، ہمارا موجودہ اعلان اسی پالیسی کا منطقی نتیجہ ہے۔ اس پالیسی کی تشکیل میں ذاتی طور

پر میرا بھی حصہ ہے، چنانچہ میں اس کو بہت کچھ اہمیت دیتا ہوں۔ آپ محسوس کریں گے کہ پسند یا ناپسند کے سوال سے قطع نظر ایسی پرانی اور محکم پالیسی کو بدلنا بے حد مشکل ہے۔ یہ پالیسی حقیقتاً سیاسی ہے اور میں یہ کہنے کی جرأت کروں گا کہ ہندوستان کے مطالبہ آزادی سے صرف یہی ایک پالیسی پیدا ہو سکتی ہے۔ جزئیات و تفصیلات پر غور و فکر اور بحث ہو سکتی ہے اور باہمی مشورے سے ان پر بھی عمل درآمد ہوگا۔ اس کے علاوہ اقلیت اور دوسرے گروہوں کے مفاد کی نگہداشت بھی کی جائے گی، لیکن اس اعلان کی بنیاد ہی سے انکار کر دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہماری پالیسی اور سیاسی نقطہ نگاہ میں سخت اختلاف ہے۔ بحیثیت موجودہ اس کا ہندو مسلم مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم دونوں کے سیاسی مدعا و مقصود میں کوئی چیز بھی مشترک نہیں۔

میں ایک بار پھر یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت کا کوئی شخص مسلم لیگ کی اہمیت طاقت اور اثر و رسوخ سے انکار نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لیگ سے گفت و شنید کرنے اور ان مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے بے تاب ہیں جن کا ہمیں اس وقت سامنا ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ مختلف شرائط کی صورت میں اس قسم کی مشکلات سد راہ بن جاتی ہیں کہ ہم ان مسائل کی بحث کا آغاز بھی نہیں کر پاتے۔ یہ شرائط جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، نہایت دور رس اہمیت کی حامل ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ شرطیں کیوں ہمارا راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ میرے نزدیک یہ چنداں مشکل نہیں کہ ان شرطوں کو راستے سے ہٹا کر ہم براہِ راست اصل معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کریں، لیکن دقت یہ ہے کہ یہ مشکلات اپنی جگہ سے ہٹنے کا نام نہیں لیتیں اور ان میں مزید اضافہ بھی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ میں تو یہ خیال کرنے پر مجبور ہوں کہ اصل رکاوٹ ہمارے سیاسی نقطہ نگاہ اور مطمع نظر کا اختلاف ہے۔

آپ نے اب جو یہ اعلان کر دیا ہے کہ 22 دسمبر کو ہندوستان بھر میں جلسے کیے جائیں، اس سے ایک نفسیاتی الجھن پیدا ہوگئی ہے۔ جس کی موجودگی میں کوئی باہم افہام و تفہیم ممکن نہیں، مجھے اس صورت حال سے سخت رنج ہو رہا ہے۔ کاش آپ اس الجھن کو جس سے سوائے کدورت اور بدمزگی کے اور کچھ پیدا نہیں ہوگا۔ رفع کر سکیں۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں فرقہ وارانہ مصالحت کے لیے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کروں گا لیکن مجھے اس سلسلہ میں یہ کبھی گوارا نہیں کہ اپنی عزت نفس قربان کر دوں یا آپ سے اس قسم کی قربانی کرنے کو کہوں میرے سیاسی عقائد نہایت پختہ ہیں، اور ان عقائد کی خاطر میں نے ہر قسم کی تنگی ترشی برداشت کی ہے میں کبھی ان سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں چہ جائیکہ آج جب کہ پوری دنیا گویا آتش فشاں پہاڑ کے دہانے پر کھڑی ہے۔

آپ کا مخلص

جواہر لال نہرو

نہرو رپورٹ

نہرو رپورٹ کے اہم نکات درج ذیل تھے:

1. ہندوستان کو مکمل نو آبادیاتی درجہ دیا جائے اور اس کی مرکزی اور صوبائی سطحوں پر ذمہ دار اور نمائندہ حکومت قائم کی جائے۔ امورِ خارجہ امورِ دفاع کے محکمے مستقلاً انگریز وزراء کو دیے جائیں۔
2. مسلمانوں کے جداگانہ طریق انتخاب کو ختم کر دیا جائے کیونکہ یہ قومی جذبے کے فروغ کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے اس کی بجائے مخلوط طریق انتخاب رائج کیا جائے۔
3. مرکز میں وفاقی پارلیمانی طرزِ حکومت قائم کی جائے، اور

قائداعظم محمد علی جناحؒ اور جنرل محمد ایوب خاں ۔ 1948ء

جو شعبہ جات مرکزی اور صوبائی فہرست میں نہیں آئے وہ مرکز کو سونپ دیے جائیں۔

❹ صوبوں کی لسانی بنیادوں پر از سرِ نو تشکیل کی جائے۔

❺ پنجاب اور بنگال کے سوا باقی تمام صوبوں میں اقلیتوں کا کوٹا مقرر کیا جائے پنجاب اور بنگال میں مسلم نشستیں مخصوص نہیں کی جا سکتیں کیونکہ یہ ذمہ دار اور نمائندہ حکومت کے بنیادی اصولوں کے منافی ہے۔

❻ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک الگ صوبہ بنایا جائے۔ شمال مغربی سرحدی صوبے اور بلوچستان میں بھی دوسرے صوبوں کی طرح دستوری اصلاحات نافذ کی جائیں۔

❼ مرکز میں مسلمانوں کو ایک چوتھائی نمائندگی دی جائے، اور اکثریتی پارٹی حکومت بنائے۔

❽ دستور میں ایک اعلان حقوق کا اضافہ کیا جائے۔

نہرو رپورٹ اور پیسہ اخبار

قائداعظم محمد علی جناح نے مرکزی اسمبلی میں ایک بحث کے دوران کہا تھا:

''مسلمان نہرو رپورٹ کو ہرگز ہرگز منظور نہیں کر سکتے، کیونکہ اس میں مسلمانوں کے حقوق کا کوئی تحفظ نہیں کیا گیا۔''

اس پر ہفت روزہ پیسہ اخبار نے اپنی اشاعت 21 مارچ 1929ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر کے بارے میں درج ذیل اداریہ لکھا:

''اسمبلی میں مسٹر جناح، مولوی محمد شفیع داؤدی وغیرہ نے اچھی طرح یہ بات پنڈت موتی لال نہرو کے ذہن نشین کرا دی کہ مسلمانوں کو من حیث القوم نہرو رپورٹ بالکل نامنظور ہے۔ مسلمان تو صرف اس رپورٹ کو منظور کر سکتے ہیں کہ جس میں ان کے حقوق اور فوائد قانوناً محفوظ کر دیے جائیں۔ مسٹر جناح اور تمام دیگر سربرآوردہ مسلمانوں کی یہ رائے بالکل ٹھیک ہے۔''

واضح رہے کہ پیسہ اخبار شفیع لیگ کا زبردست حامی اور جناح لیگ کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔ ہفت وار پیسہ اخبار لکھتا ہے:

''نہایت افسوس کی بات ہے کہ سر میاں محمد شفیع اور مسٹر جناح کے درمیان جو سمجھوتہ مسلم لیگ کی دونوں شاخوں کو ملا دینے اور عالم سیاسیات میں مسلمانانِ ہند کے اتحاد کا اعتبار قائم کرنے کے لیے کیا گیا تھا، اور اس کو باضابطہ شکل دینے کے لیے آخر مارچ میں دہلی میں دونوں فریقوں کو جمع کیا گیا تھا، آخر کار اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ سر محمد شفیع بوجہ علالت دہلی جانے سے روک دیے گئے۔ گو انہوں نے اپنے برقی پیام میں مسٹر جناح کو اتفاق کی برکات یاد دلا دی تھیں، لیکن مسٹر جناح کی لیگ کے فریق میں چند ایسے ضدی لوگ موجود تھے کہ انہوں نے نہرو رپورٹ کی تائید ضروری سمجھی، ہرچند کہ تمام ہندوستان کے مسلمان چلا رہے ہیں کہ نہرو رپورٹ کی تجاویز مسلمانوں کے حق میں صفر ہیں، اور دہلی کی آل پارٹیز کانفرنس اس کی تصدیق کر چکی ہے، اور خود مسٹر جناح اپنے ذاتی تجربہ سے مسلمانوں کے درمیان نہرو رپورٹ کی مخالفت کے قائل ہو گئے ہیں، لیکن پنجاب اور صوبہ جات متحدہ کے چند مسلمان کہ جن میں سے کئی ایک کی نسبت بار بار اخبارات میں جواب دیا جا چکا ہے کہ نہرو رپورٹ کی تائید کے لیے تنخواہیں پا رہے ہیں، وہ دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنے پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ ممبران لیگ بکثرت نہرو رپورٹ کے مؤید ہیں۔''

درج ذیل میں ہفت وار پیسہ اخبار کا ایک اور اداریہ نقل کیا جا رہا ہے، یہ اداریہ بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے، جس میں غازی عبدالرحمٰن نے مسلم لیگ کے اجلاس میں نہرو رپورٹ کی تائید میں ایک قرارداد پیش کرنا چاہی تھی۔

ہفتہ وار پیسہ اخبار اپنی اشاعت 4 اپریل 1929ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:

''جو سمجھوتہ سر محمد شفیع اور مسٹر جناح کے درمیان ہوا تھا، اس کا اگر کوئی مطلب ہو سکتا ہے تو یہ تھا کہ دونوں لیگوں کے ممبروں کو یکساں لیگ میں شامل ہونے کا موقع دیا جائے لیکن مسٹر جناح نے شفیع لیگ کے ممبروں کو اپنی لیگ میں شامل ہونے کے خلاف فیصلہ کیا، اس کے علاوہ پنجاب سے جو لوگ جناح لیگ میں لنگر لنگوٹے کس کر اس لیے شامل ہوئے تھے کہ شفیع لیگ والوں کو شامل کر کے خود ان کی ہستی محو ہو جائے گی۔ انہوں نے مسلمانوں میں اتحاد ہو جانے کی سخت مخالفت کی، اور ہر طرح کے داؤ پیچ کھیلنے پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ ان کا ایک حربہ چل گیا۔ لیگ کے کھلے اجلاس میں جو مستقل صدر مسٹر جناح کی صدارت میں 31 مارچ کو ساڑھے چار بجے سہ پہر کو منعقد ہونے والا تھا، جب کہ ان لوگوں نے سمجھا کہ کھلے اجلاس میں یہ شکست کھا لیں گے۔ پیشتر اس کے کہ مسٹر جناح اجلاس میں شریک ہوں۔ ان میں سے ایک شخص نے تجویز کر دی کہ ڈاکٹر محمد عالم اس اجلاس کے صدر ہوں، اور دوسرے نے اس کی تائید کر دی۔ ایک ایسے شخص کی صدارت پر کہ جس پر دوسرے فریق کو مطلق اعتماد نہ تھا۔ حاضرین نے مخالفت کا شور بلند کر دیا، اور علی برادران اور بہت سے معقول پسند ممبر اجلاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ اس وقت ڈاکٹر عالم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، جھٹ کرسی صدارت پر بیٹھتے ہی اپنے غازی عبدالرحمٰن سے کہا کہ رزولیوشن پیش کر دو تو رزولیوشن پڑھا گیا، اور کہا جاتا ہے کہ دو آدمیوں نے اس کی تائید کر دی۔ شیخ محمد صادق نے اس میں ترمیم پیش کرنی چاہی مگر صدر نے کہا کہ ذرا شور بند کرا دیجیے تو میں بولوں۔ صدر مجلس ڈاکٹر محمد عالم نے اپنی بے بسی تسلیم کی کہ مجھ سے شور بند نہیں کرایا جا سکتا، اور خود ہی فیصلہ کر دیا کہ رزولیوشن منظور ہو گیا، اور جلسہ کو بند کر دیا۔ اس عرصہ میں مسٹر جناح جلسہ میں آ گئے، اور شور کی وجہ دریافت کی تو ڈاکٹر کچلو نے قریب قریب ایسا ہی بیان دیا کہ کس طرح آپ کی غیر حاضری میں یہ عجیب کھیل کھیلا گیا، اور رزولیوشن پاس کر کے جلسہ ملتوی کر دیا گیا۔ مسٹر جناح نے فیصلہ کیا کہ یہ محض کھیل تھا۔ اس لیے کوئی رزولیوشن پاس نہیں ہوا، اور نہ جلسہ بند ہوا، چنانچہ انہوں نے اس جلسہ کو خود ملتوی کیا، اور رات کو پھر ایک مرتبہ جلسہ کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر کچلو سیکرٹری نے چونکہ ممبروں کو اطلاع نہیں دی تھی اس لیے ٹیکنیکل بناء پر جلسہ کسی کام کے بغیر آئندہ پر ملتوی ہو گیا۔''

(ہفتہ وار پیسہ اخبار، اشاعت 21 مارچ 1929ء)

نہرو، موتی لال

پنڈت موتی لال نہرو نے جب نہرو رپورٹ پیش کی تو قائد اعظم محمد علی جناح نے اسے مکمل طور پر مسترد کر دیا اور چودہ نکات پیش کیے۔

موتی لال نہرو 6 مئی 1861ء میں پیدا ہوئے انہوں نے قانون کی تعلیم حاصل کی اور سیاست کے میدان میں قدم رکھا۔ 1919ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر مقرر ہوئے۔

مرکزی اسمبلی میں سوراجسٹ پارٹی کی قیادت کی۔ وہ اپنے عہد کے ممتاز سیاست دان تھے۔

1961ء میں بھارت میں ان کا صد سالہ جشن منایا گیا۔

انہوں نے 1931ء میں وفات پائی۔

نیاز فتح پوری، علامہ

انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے انتقال پر جن الفاظ میں انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔

''قائداعظم محمد علی جناح کی عظمت کا راز ان کی سیاست کی بلندی، قوت فیصلہ کی مضبوطی اور قوت ارادی کی پختگی اور عملِ پیہم اور انسان دوستی میں مضمر ہے ان کا یقین تھا۔

یقینِ محکم، عملِ پیہم محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

وہ بانی پاکستان ہونے کی حیثیت سے دنیا کے عظیم انسان تھے۔ انہوں نے صرف ایک نئے ملک کی تعمیر ہی نہیں کی بلکہ ایک نئی تاریخ، نئے جغرافیہ اور ایک نئی تحریک کی بنا ڈالی اس قدر قلیل مدت میں تاریخ کا رخ بدل دینا قائداعظم کا وہ کارنامہ ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں کم نظر آتی ہے۔''

نیاز فتح پوری 1884ء میں فتح پور میں پیدا ہوئے تعلیم کے بعد اردو کا مشہور و ادبی رسالہ نگار نکالا۔ یہ رسالہ پہلے بھوپال، پھر لکھنؤ اور کراچی سے جاری رہا۔ نیاز فتح پوری کی شہرت کئی باتوں سے ہے وہ اچھے رومانوی افسانہ نگار اور ناولسٹ ہیں۔ تاریخ، تنقید اور مذہبی عمرانی موضوعات پر عالمانہ لیکن شگفتہ شاعرانہ انداز میں بہت سے مضامین لکھے۔ شہاب کی سرگزشت، نگارستان، جذبات بھاشا اور گہوارہ تمدن اہم تصانیف ہیں۔ نیاز فتح پوری کا انتقال 1966ء میں کراچی میں ہوا۔

نیازی

وہ ماہر حیوانیات تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے 1938ء میں نئی دہلی میں چمگادڑوں کی بولیاں اس طرح بولیں کہ قائداعظم محمد علی جناح نے گھبرا کر اپنی شیروانی کے بٹن کھول دیے۔ قائداعظم کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے ان کے سامنے اپنے فن کا مزید مظاہرہ مناسب نہ سمجھا۔

وہ ضلع ہوشیار پور کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے گاؤں کے قریب ہی پہاڑوں میں مختلف قسم کے جانور پائے جاتے تھے، پانچ چھ سال کی عمر ہی سے انہوں نے جانوروں کی بولیاں سیکھنی شروع کر دی تھیں۔

انہوں نے اپنے فن کا مظاہرہ وزیراعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین، شاہ ایران، حتیٰ کہ امریکہ میں بھی کیا۔

نیرنگ، غلام بھیک

وہ ممتاز صحافی، شاعر اور تحریک پاکستان کے بے مثال رہنما تھے، غلام بھیک نیرنگ 1876ء میں انبالہ میں پیدا ہوئے۔ لاہور سے قانون کا امتحان پاس کرنے کے بعد انبالہ میں وکالت کا آغاز کیا۔ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ کی کامیابی کے بعد جب پارٹی نے قائداعظم محمد علی جناح کو مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کا لیڈر منتخب کیا تو انہیں ڈپٹی لیڈر کے فرائض سونپے گئے۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سرگرم رکن تھے۔ انبالہ میں مسلم ہائی سکول قائم کیا۔ وکالت چھوڑ کر تحریک خلافت کے سرکردہ رہنما بن گئے۔ انہوں نے جمعیت تبلیغ اسلام انبالہ بھی قائم کی جس کے تحت مبلغین کے ساتھ مل کر سندھی تحریک کو دبانے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے انبالہ میں مسلم لیگ کی بنیاد بھی رکھی۔ پندرہ برس تک

مرکزی اسمبلی کے بلا مقابلہ رکن رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد جھنگ میں رہائش اختیار کی، اور قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے کئی بار صوبائی اور مرکزی وزارتوں کی پیش کش کی گئی لیکن انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ وہ مولانا الطاف حسین حالی سے متاثر رہے۔ تصانیف میں کلام نیرنگ اور غبار افق شامل ہیں۔ انہوں نے 16 اکتوبر 1952ء کو انتقال کیا۔

نیڈوز ہوٹل

لاہور کا ایک مشہور ہوٹل جہاں 8 جون 1936ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں آل انڈیا مسلم کونسل اور مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس منعقد ہوئے۔ اجلاس میں نواب زادہ لیاقت علی خاں، ملک برکت علی، راجہ نیلم پور، راجا صاحب محمود آباد، مولانا شوکت علی، مولانا محمد سعید، مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، چوہدری خلیق الزمان، نواب اسماعیل خاں، احمد یار خاں دولتانہ، عبدالمتین چوہدری، راجا غضنفر علی نے شرکت کی۔ علامہ اقبال کے خط 9 جون کو غلام رسول نے قائداعظم محمد علی جناح کو اسی ہوٹل میں پیش کیا۔

آج کل یہاں واپڈا ہاؤس کی شاندار عمارت قائم ہے۔

نیشنل ایگریکلچرل پارٹی

قائداعظم محمد علی جناح نے مارچ 1937ء میں یوپی میں اسمبلی کے ان مسلمان اراکین سے مفصل بات چیت کی جو نیشنل ایگریکلچرل پارٹی کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی کوشش تھی کہ تمام مسلمان اراکین مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ اس ضمن میں مسلم لیگ پارٹی کا ایک اجتماع مسلم پور ہاؤس میں ہوا تھا۔ آخر قائداعظم محمد علی جناح وہاں سے اٹھ کر نواب سر محمد یوسف کے مکان پر گئے، جہاں انہوں نے ان کے سامنے وہ شرائط رکھیں جو مسلم لیگ نے مرتب کی تھیں۔ آخر کار اس بات پر سمجھوتہ ہو گیا کہ غیر لیگی رکن اپنی اپنی جماعتوں سے مستعفی ہو کر اور مسلم لیگ کے حلف نامے پر دستخط کر کے مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ یہ معاملہ رات کے تقریباً ایک بجے طے ہوا۔

نیشنل ڈیفنس کونسل

22 جولائی 1941ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے کونسل میں توسیع اور نیشنل ڈیفنس کونسل کے مسئلے پر بمبئی سے یہ بیان جاری فرمایا:

''وائسرائے کی کونسل میں توسیع اور نام نہاد نیشنل ڈیفنس کونسل کے متعلق سرکاری اعلان بے حد قابلِ افسوس اور مایوس کن ہے۔ اس اقدام سے مسلم ہندوستان کی صدق دلانہ، وفا مندانہ اور حقیقی امداد اگر دیانتداری سے حاصل کرنی مقصود ہے تو حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس کی صاف اور ساری وجہ یہ ہے کہ نامزد مسلمان نہ مسلمانوں کے حقیقی نمائندے ہیں، اور نہ ہی انہیں مسلمان عوام کا اعتماد حاصل ہے۔ وائسرائے کا تدبر ان سے یکے بعد دیگرے غلطیاں کروا رہا ہے۔ یہ بات افسوس ناک اور تکلیف دہ ہے کہ وائسرائے نے مسلم لیگ کے رہنما اور ایگزیکٹو سے بالا بالا مسلم لیگ کے عہدیداروں کو ترغیب دی، اور یہ اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہے کہ مسلم لیگ کے بعض ارکان اس ترغیب وتحریص کا شکار ہو گئے، جب پچھلے اگست میں حکومت نے پیشکش کی تو وہ مسلم لیگ کو منظور نہ تھی۔ اس کی معقول وجہ یہ ہے کہ اس سے مسلم لیگ کے نمائندہ کو اختیار حکومت میں حقیقی اور جائز حصہ نہیں ملتا۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ موجودہ رجعت پسندانہ فیصلہ اسلامی ہند کی منظوری اور تعاون

حاصل کر سکتا ہے۔ میں وائسرائے کو مسلم لیگ کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے مسلم وزراء اعظم اور لیگ کے بعض ارکان کی لیگ کے لیڈر اور ایگزیکٹو کے مشورہ اور علم کے بغیر اس اسکیم کے لیے خدمات حاصل کر کے یہ پھوٹ پیدا کی ہے۔ بہر حال یہ چیز مسلم لیگ کو اس کی صراطِ مستقیم سے متزلزل نہیں کر سکتی۔ اس چال سے حکومت کو بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا بلکہ بد قسمتی سے اس سے تلخی پیدا ہوگی، جو اس وقت موجود نہیں باوجود یکہ اس اعلان سے پہلے بھی حکومت کا رویہ پسندیدہ نہ تھا ان مسلمان وزراء اعظم اور مسلم لیگی ارکان کے رویہ پر جنہوں نے لیگ کے لیڈر اور ایگزیکٹو کے حکم اور علم کے بغیر اپنے آپ کو اس توسیع اور نیشنل ڈیفنس کونسل سے وابستہ کیا ہے مناسب غور ہوگا اور مناسب کارروائی کی جائے گی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ان حضرات کو نیشنل ڈیفنس کونسل سے مستعفی ہونے کو کہا جو مسلم لیگ کی مجلس عاملہ سے منظوری کے بغیر ہی اس میں شامل ہو گئے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے مرکزی اسمبلی میں بھی اس کے خلاف احتجاج کیا۔ اپنی تقریر کے بعد وہ اسمبلی سے واک آؤٹ کر گئے اور ان کے پیچھے پیچھے مسلم لیگ کے تمام ارکان اسمبلی بھی ایوان سے باہر چلے گئے۔ ان کی سیاسی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے اسمبلی سے واک آؤٹ کیا۔

جولائی 1941ء میں وائسرائے ہند نے یہ کونسل قائم کی اور دوسرے نامزد ارکان کے ساتھ ساتھ پنجاب سے سر سکندر حیات، بنگال سے مسٹر فضل الحق اور آسام سے سر محمد سعد اللہ خاں کو لیا گیا تھا۔

مولانا عبدالستار خاں نیازی نے مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن قائم کی تو اس فیڈریشن نے رہنماؤں کی غداری کے خلاف تحریک چلائی، اور اس کے نتیجے میں سر سکندر حیات کو قائداعظم محمد علی جناح کے قدموں میں جھکنا پڑا اس نے نہ صرف قائداعظم محمد علی جناح سے معافی مانگی بلکہ ڈیفنس کونسل سے بھی استعفیٰ دے دیا۔

قائداعظم کی طبع ناسازی کی طرف مائل تھی، مسلسل کام اور جدوجہد نے ان کے ناتواں جسم پر شدید اثر ڈالا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح اپنے مدقوق پھیپھڑوں کو زیادہ بلندی کی خالص تر ہوا بہم پہنچانے کے لیے نندی ہلز (ریاست میسور) اور اوٹا کمنڈ گئے، تاکہ مدراس میں صرف شدہ توانائی بحال ہو سکے، وہاں ان کی تکلیف میں عارضی طور پر افاقہ ہوا، کیونکہ اندرونی مرض جوان کی توانائی کو زائل کر رہا تھا، اب ناقابلِ تسخیر شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس مرحلے پر وہ سگریٹ نوشی نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ ان ساری گرمیوں میں ان کی صحت خطرناک رہی۔ جولائی میں وہ اتنے کمزور تھے کہ گورنر بمبئی کی دعوت پر پونا تک نہ جا سکے۔ گورنر انہیں ملک میں آئینی تبدیلیوں سے متعلق وائسرائے کے منصوبوں سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے 20 جولائی کو خفیہ طور پر قائداعظم محمد علی جناح کو خط لکھا:

''وہ (وائسرائے) ہز میجسٹی کی حکومت کی اجازت سے ایک قومی ڈیفنس کونسل قائم کریں گے۔ یہ کونسل قریباً 30 ممبران پر مشتمل ہوگی، جن میں سے 9 ریاستوں سے لیے جائیں گے، لنلتھگو اس بات کو لازمی سمجھتے ہیں کہ کونسل میں عظیم مسلمان اقلیت کو نمائندگی دی جائے، اور اعلیٰ ترین صلاحیت نیز شہرت کے حامل مسلمانوں کو شامل کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے آسام، بنگال، پنجاب اور سندھ کے وزرائے اعظم کو اس میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ وہ اس بارے میں غور کر رہے ہیں آیا آپ کو مدعو کیا جائے تاکہ اگر آپ ضروری سمجھیں تو کونسل میں شمولیت کے لائق اشخاص

کے بارے میں تجاویز پیش کر سکیں، تاہم آپ کے عام رویہ سے آگاہی رکھتے ہوئے انہوں نے طے کیا کہ یہ بات قابلِ ترجیح ہوگی کہ آپ کو تجاویز کے بارے میں بلاکر پریشان نہ کیا جائے۔''

فضل الحق اور سعد اللہ کی گوشمالی

اس خط کو پڑھ کر قائداعظم محمد علی جناح پریشان ہونے کے بجائے آگ بگولا ہو گئے۔ انہوں نے سرسکندر حیات، فضل الحق اور آسام کے وزیراعظم سر محمد سعد اللہ خاں کے نام وائسرائے کے دعوت نامہ کو اپنی اتھارٹی، قوت اور صدر مسلم لیگ کے لیے چیلنج سمجھا۔ دراصل سکندر حیات نے وائسرائے سے کونسل میں پنجاب کو نمائندگی دینے کی بابت ذاتی طور پر اپیل کی تھی، اور وائسرائے لنلتھگو محسوس کر رہے تھے کہ جناح کے مقابلہ میں ان کے ساتھ معاملہ کرنا کہیں آسان ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے شملہ کی طرف سے دیے گئے چیلنج سے نمٹنے کے لیے فوری طور پر بمبئی میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلایا۔ فضل الحق، سکندر حیات اور سعد اللہ خان نے یہ بیکار دلیل پیش کرنا چاہی:

''ہم ڈیفنس کونسل میں صوبائی وزراء کی حیثیت سے شامل ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر نہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ان کا عذر مسترد کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں کہا:

''یا تو کونسل چھوڑ دیں یا مسلم لیگ سے نکل جائیں۔''

سرسکندر حیات نے بعد میں ان کے ساتھ ایک طویل نجی ملاقات کی، اور کمیٹی کے فیصلہ کی تعمیل پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ انہوں نے بلاتاخیر کونسل سے استعفیٰ دے دیا۔ سر سعد اللہ خان نے بھی ان کی پیروی کی، البتہ فضل الحق نے قدرے تذبذب سے کام لیا۔ انہوں نے کونسل سے مستعفی ہونے کا وعدہ تو کر لیا، مگر ایفا کرنے میں لیت و لعل کرنے لگے۔ زیادہ دباؤ ڈالا گیا تو کونسل کے ساتھ ساتھ صدر مسلم لیگ کے آمرانہ اختیارات کے خلاف احتجاج اور قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت کے خلاف سخت ترین آواز اٹھاتے ہوئے مستقبل کے بنگلہ دیش پر مغربی پاکستان کی بالادستی سے بغاوت کرتے ہوئے مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی سے بھی مستعفی ہو گئے۔

ان کا استدلال یہ تھا:

''حالیہ واقعات نے مجھے یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ میں جمہوریت اور خودمختاری کے اصولوں کو فردِ واحد کی من مانی خواہشات کے تابع کر دیا گیا ہے، جو ہمہ مقتدر کی حیثیت سے صوبہ بنگال کے تین کروڑ تیس لاکھ مسلمانوں پر اپنا آمرانہ حکم چلانا چاہتا ہے، جبکہ اس صوبہ کو مسلم ہند کی سیاست میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔''

بیگم شاہنواز کا اخراج

سرسکندر حیات، فضل الحق اور سر سعد اللہ خاں کے برعکس بیگم شاہنواز اور سر سلطان احمد نے ڈیفنس کونسل کی رکنیت چھوڑنے سے انکار کر دیا، اس لیے انہیں 5 سال کے لیے ورکنگ کمیٹی سے نکال دیا گیا۔ بیگم شاہنواز کے لیے اس کڑوی گولی کو نگلنا آسان نہ تھا۔ پانچ سال پورے ہونے کے بعد ان کے معاملہ میں نرمی برتی گئی، اور انہیں پھر سے ورکنگ کمیٹی میں شامل کر لیا گیا۔

اکتوبر میں عیدالفطر کے موقع پر قوم کے نام پیغام میں قائداعظم محمد علی جناح نے شکوہ کیا:

''حکومت نے ہماری مخالفت کرتے ہوئے ہمارے بعض ممبروں کو اس اسکیم کے ساتھ وابستہ کر کے ہم

سے توڑنے کی کوشش کی، ان تین صوبائی وزرائے اعظم میں سے دو ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے۔آپ کو معلوم ہے آگے کیا ہوا؟ مجھے اس بات سے خوشی ہوئی، اور ہمیں اس پر فخر ہے کہ انگریزی حکومت کو ایک سبق سکھا دیا گیا ہے۔ شر میں سے خیر پیدا ہوا ہے۔ مسلم ہندوستان نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ثابت کیا کہ وہ ثابت قدمی سے مسلم لیگ کے ساتھ ہے۔ مجھے امید ہے کہ مستقبل میں ہمارے مخالفین کو یہ بات یاد رہے گی کہ ہماری صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرنا عبث ہے۔اب اس باب کو بند کر دیا گیا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے حکومت کے طرزِ عمل پر اپنے عدم اطمینان سے وائسرائے کو متاثر کرنے کے لیے مرکزی اسمبلی سے اپنے منتخب ارکان بھی واپس بلا لیے، اور مسلم لیگ کی بابت انگریزی پالیسی کا واضح اعلان کرنے پر زور دیا، انہوں نے مطالبہ کیا:

''برطانیہ کے مسلمانوں کے عالمی ''اقتدار'' اور ''آزادی'' کے بارے میں عدم مداخلت کی پالیسی پر قائم رہنا چاہیے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فضل الحق کی جگہ اصفہانی کو ورکنگ کمیٹی کا رکن مقرر کیا۔

نیشنلزم ان کنفلیکٹ ان انڈیا

اس کتاب کو مسٹر ایم آر ٹی نے لکھا اور اس کا دیباچہ قائداعظم محمد علی جناح نے تحریر کیا وہ لکھتے ہیں:

''اس کتاب سے ظاہر ہوگا کہ ہندوستان ایک قومی مملکت نہیں ہے، اور یہ کہ ہندوستان ایک ملک نہیں ہے ایک برصغیر ہے جس میں متعدد قومیں ہیں۔ ان میں دو بڑی قومیں ہندوؤں اور مسلمانوں کی ہیں جن کی ثقافت تہذیب، زبان، ادب، آرٹ، تعمیرات، نام، اقدار کے تصور، قوانین، سماجی اور اخلاقی ضابطوں، رسوم و سنین تاریخ و روایات، ذوق اور خواہشات زندگی اور اس کے متعلق نظریہ میں بنیادی فرق ہے بلکہ متعدد اعتبار سے یہ سب باتیں ایک دوسرے سے بالکل متغائر اور خلاف ہیں۔''

ایم اے جناح

24 دسمبر 1944ء

اورنگ زیب روڈ نئی دہلی''

نیشنلسٹ پارٹی

31 جنوری 1924ء کو برطانوی ہند کی نومنتخب اسمبلی کا دہلی میں اجلاس منعقد ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے وقت ضائع کیے بغیر وائسرائے کے افتتاحی خطاب کے بعد 23 کے 23 ''آزاد'' ارکان کو گفت وشنید کے لیے مدعو کر لیا، چونکہ وہ ایک عملی سیاست دان اور چابک دستی سے مذاکرات کرنے میں ماہر تھے۔ اس لیے وہ بنیادی اصلاحات کا ایک پروگرام وضع کرنے میں کامیاب ہو گئے، اس کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ پرانے ساتھی اس کی حمایت کریں گے، اور وہ اسے کامیاب بنانے کے لیے کام کریں گے۔

اب وہ اس پوزیشن میں تھے کہ موتی لال نہرو اور سی آر داس کے پاس جائیں، اور اپنے آزاد ساتھیوں پر مشتمل طاقتور بلاک کے ووٹ سوراج پارٹی کے 42 ممبران میں ضم کرنے کی پیشکش کر سکیں۔

یہ سب مل کر 36 سرکاری نامزدگان کے جتھے کو جب چاہیں شکست دے سکتے تھے۔ اس طرح راتوں رات اسمبلی کے اندر ایک نئی نیشنلسٹ پارٹی وجود میں آ گئی۔ جس پر لارڈ ریڈنگ کو

تعجب بھی ہوا اور غصہ بھی آیا۔

منتخب نمائندوں کے اس طاقتور ہندوستانی بلاک نے جلد از جلد ڈومینین اور پوری طرح خود مختار صوبائی حکومت کے قیام کی تاریخ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا، یہ اقدام اپنے اثر سے بہت اہم تھا، تاہم سرکاری حلقے انہیں کوئی اہمیت دینے کو تیار نہ تھے، اس لیے قائداعظم محمد علی جناح نے نئی دہلی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک بار پھر ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کی، جیسا کہ انہوں نے لکھنؤ میں کیا تھا۔

نیشنلسٹ مسلمان

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا:

''حضرات! آپ نے ایک لاکھ ستائیس ہزار روپے کا کیسۂ زر پیش کر کے مسلم لیگ اور پاکستان کے حقائق میں کامل اعتماد کا اظہار فرمایا ہے۔ آپ کے اس جوش کو دیکھ کر میں دلی مسرت کا اظہار کرتا ہوں۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے پچھلے دنوں آسام اور بنگال میں بہت زور شور سے تقریریں کی ہیں، حقیقت میں یہ تنگ مزاج پنڈت کوئی نئی چیز سیکھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ مرکزی اسمبلی کے انتخابات نے ان لوگوں کا دماغ درست کر دیا ہے۔ اگر صوبائی انتخابات آزاد ماحول میں ہوئے تو مسلم لیگ کو ہر صوبے میں کامیابی حاصل ہوگی۔

نیشنلسٹ مسلمان جانتے ہیں کہ انہیں صوبائی انتخابات میں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ وہ مسلم لیگ کے کارکنوں اور حامیوں کو مشتعل کرنے کی کوشش کریں گے، اور اس طرح ملک بھر میں فسادات کرائیں گے، لیکن میں مسلمانوں سے اپیل کروں گا کہ وہ صوبائی انتخابات میں بھی وہی کچھ کریں جو قومی اسمبلی کے دوران میں کیا ہے۔

مرکزی اسمبلی کے انتخابات نے جدوجہد کی پہلی منزل طے کر لی ہے۔ کانگریس نے نہایت بزدلی کا ثبوت دیا ہے۔ اُسے دیانت داری کے ساتھ کانگریس ٹکٹ پر کسی مسلمان کو کھڑا کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کانگریس نے یہ راہِ فرار کیوں اختیار کی! اُسے خوب معلوم تھا کہ اس کے لیے وہی ناکامی مقدر ہو چکی ہے، جو اس کے نام نہاد قوم پرست حلیفوں کے حصہ میں آئی ہے، وہ اب منہ کی کھا چکے ہیں۔ مسلمان ثابت کر چکے ہیں کہ وہ پاکستان اور صرف پاکستان ہی چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ آخری فیصلہ ہے۔ مسلمان دنیا پر یہ حقیقت واضح کر چکے ہیں کہ اسلامی ہند بیدار ہو چکا ہے۔

پنڈت نہرو نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ کانگریس کے انتخابی منشور میں ہندوستان کے مستقبل کا واضح خاکہ پیش کر دیا گیا ہے۔ ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ پنڈت نہرو ہندوستان میں کس قسم کا آئین نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ آج وہ آزادی کے علمبردار بنے بیٹھے ہیں۔ کیا سرزمینِ ہندوستان میں ایک متنفس بھی ایسا موجود ہے جو اس براعظم کی آزادی اور خود مختاری کا حامی نہیں، ہمارے پیش نظر اصل سوال یہ ہے کہ کانگریس حکومت کا انتظام و انصرام کسے سونپنا چاہتی ہے؟ ہم پوری طرح جانتے ہیں کہ کانگریسی قائدین اپنی تقریروں میں کہہ چکے ہیں کہ وہ یہاں ''کاسٹ ہندو'' کانگریس کی حکومت چاہتے ہیں۔

پنڈت نہرو نے ایک بیان میں کہا کہ کانگریس نے مسلم لیگ سے مصالحت کرنے کی کوشش کی لیکن ان کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کانگریس خواب و خیال کی دنیا میں ہی رہنا چاہتی ہے، اور اس طرح مسلمانوں کو فریب میں مبتلا کرنا

چاہتی ہے تو میں فخر کے ساتھ کہوں گا کہ اس کی کوششیں ناکام ہوئی ہیں تو نہایت ہی اچھا ہوا ہے۔ جب تک کانگریس خواب وخیال کی دنیا میں رہے گی۔ اُسے آزادی کی جدوجہد میں اپنا قدم آگے بڑھانے میں ناکامی ہی رہے گی۔

اگر قوم پرست مسلمان واقعی دیانتدار ہیں تو انہیں مسلم لیگ کی حریف کانگریس کی پناہ چھوڑ دینی چاہیے۔ وہ مسلمانوں کی قومی تنظیم میں شریک ہوں اور اس کی رہنمائی کریں۔ اگر انہیں مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام سے اختلاف ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ مسلم لیگ میں آئیں اوراس کی پالیسی اور پروگرام کو متشکل کریں اور وہ اپنی علیحدہ اور آزاد جماعت قائم کریں اور اپنی پالیسی اور پروگرام مسلمانوں کے سامنے رکھیں۔ یہ خودکشی کی پالیسی ترک کر دیں، اور اگر مسلمان ان کے پروگرام سے متفق ہو گئے اور انہیں یقین ہوگیا کہ مسلم لیگ کی پالیسی نقصان دہ ہے تو وہ ان کی تائید پر آمادہ ہو جائیں گے۔

مسلم لیگ صرف مسلمانوں کے طبقۂ امراء پر مشتمل نہیں ہے بلکہ مسلم لیگ کی پشت پناہی عوام الناس کر رہے ہیں۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی قومی بیداری کی وہ طوفانی لہر ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ ہم پاکستان کی طرف قدم بڑھاتے چلے جائیں گے۔''

نیک چلن کا سرٹیفکیٹ

قائداعظم محمد علی جناح کا چال چلن بہت اچھا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح جہاں بھی رہے، انہوں نے اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے نیک نامی حاصل کی۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ہے:

قائداعظم محمد علی جناح کے ذاتی نوادرات میں ایک قابل قدر دستاویز جرمنی کے ایک سینی ٹوریم کی طرف سے زیرعلاج مریض کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح کو دیا گیا نیک چلن کا سرٹیفکیٹ ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح 1923ء میں جب انگلینڈ گئے ہوئے تھے تو اس اثناء میں بیمار پڑ گئے، اور علاج کے لیے ہسپتال داخل ہوئے، اس دوران ایک مریض کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح نے معالجین کے ساتھ پورا تعاون کیا، جس پر ڈیپر سینی ٹوریم بڈکیسنگر کے ڈاکٹروں نے آپ کے اعلیٰ کردار کے اعتراف کے طور پر سرٹیفکیٹ جاری کیا تھا۔ جس میں کہا گیا:

''معالجین کے ساتھ بھرپور تعاون کرنے پر مسٹر محمد علی جناح کو پہلا انعام دیا جاتا ہے۔''

یہ سرٹیفکیٹ ایک سنہری فریم والی ڈائری میں محفوظ ہے۔

نیوٹائمز

یہ لاہور سے شائع ہونے والا ہفتہ وار اخبار یہ اخبار تھا ملک برکت علی نے اپنے فرزند ملک مراتب علی کی ادارت میں شائع کیا تھا اس اخبار نے مسلم لیگ کے کام کو آگے بڑھانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ابتداء میں ملک برکت علی نے قائداعظم کا نام اخبار کے سرپرستوں میں لکھا تھا لیکن قائداعظم محمد علی جناح کے محررہ خطوط 20 نومبر 1937ء کے متن سے یہ معلوم ہوا کہ قائداعظم محمد علی جناح اس بات کو ناپسند کرتے تھے۔

نیوز کرانیکل

لندن کا انگریزی اخبار اس اخبار کے نامہ نگار اسٹیورٹ گلیڈر نے 15 اگست 1944ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی رہائش گاہ پر ملاقات کی اور ان سے برصغیر کے حالات و واقعات پر تبادلہ خیال کیا۔

و

واڈیا، نیول

وہ قائداعظم محمد علی جناح کی اکلوتی صاحب زادی ڈینا جناح کے خاوند تھے، ڈینا جناح نے مرضی سے نیول واڈیا سے شادی کر لی تھی لہٰذا قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی صاحب زادی ڈینا جناح سے قطع تعلق کر لیا، لیکن ان کی وصیت کے مطابق نیویارک میں سالانہ دولاکھ روپے بھجوائے جاتے رہے۔

نیول واڈیا نے ڈینا سے علیحدگی اختیار کر لی ہے، ان کا ایک صاحب زادہ نصلی واڈیا بمبئی میں کاروبار کرتا رہا۔

واردھا سکیم

پٹنہ میں 1938ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا، اس اجلاس کا افتتاح قائداعظم محمد علی جناح نے کیا اس اجلاس کی صدارت راجا صاحب محمود آباد نے کی۔ یوپی، آسام اور ہندوستان کے دیگر حصوں سے مندوبین نے اس اجلاس میں شرکت کی۔ اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں ودیا مندر اسکیم اور واردھا سکیم پر زور مخالفت کی گئی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان دونوں سکیموں پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے فرمایا:

> ”واردھا کی تعلیمی اور ودیا مندر کی اسکیمیں کافی غور و فکر اور خاص مقصد سے تیار کی گئی ہیں، اور ان اسکیموں کے بانی گاندھی ہیں جنھوں نے کانگریس کے اس عظیم مقصد کو خاک میں ملا دیا جن کے لیے یہ شروع کی گئی تھی، اور کانگریس کو خالص ہندو ادارہ بنا دیا تاکہ ہندو کلچر کو زندہ اور رائج کیا جائے۔ اس وقت ہندوؤں کے دماغ میں یہ بات بسی ہوئی ہے کہ وہ حکمران قوم ہیں اس لیے جہاں تک ممکن ہوتا مسلمانوں کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سخت تدابیر اختیار کی جاتی ہیں تو مسلمانوں کے خلاف ضمانتیں طلب کی جاتی ہیں تو مسلم اخبارات سے، وہ درحقیقت ایک خالص ہندو راج قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے صوبوں میں ان کی اکثریت حاصل ہے باقی صوبوں میں ان کو اکثریت حاصل نہیں لیکن وہاں وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی انتہائی کوشش کر رہے ہیں ان کو مسلم لیگ سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔

میں ہر شخص کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ یہ ثابت کر دے کہ میں انگریزوں کے شاہی مفاد کا طرفدار ہوں۔ میں نے اپنی عمر میں مجلس واضعان قانون کے اندر یا باہر کسی بھی شہنشاہیت کی طرف داری نہیں کی۔ مسلم لیگ سوائے مسلم قوم کے کسی کی طرفدار نہیں ہوسکتی کانگریس مرکز میں اپنی سرگرمیوں سے ان چار صوبوں کو جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں معمولی باجگزار ریاستوں میں تبدیل کر سکے گی اگر مسلم لیگ کا معیار بلند کرنا ہے تو مسلمانوں کو اپنی تنظیم جاری رکھنی چاہیے۔ واردھا سکیم کا مطلب مسلمان طلباء طالبات کو ان کے دین سے ہٹا کر غلط راستے پر ڈالنا تھا۔ یہ سکیم مسٹر گاندھی نے تیار کی تھی اس کے اہم نکات یہ

قائداعظم محمد علی جناحؒ گورنر جنرل بننے کے بعد

تھے:
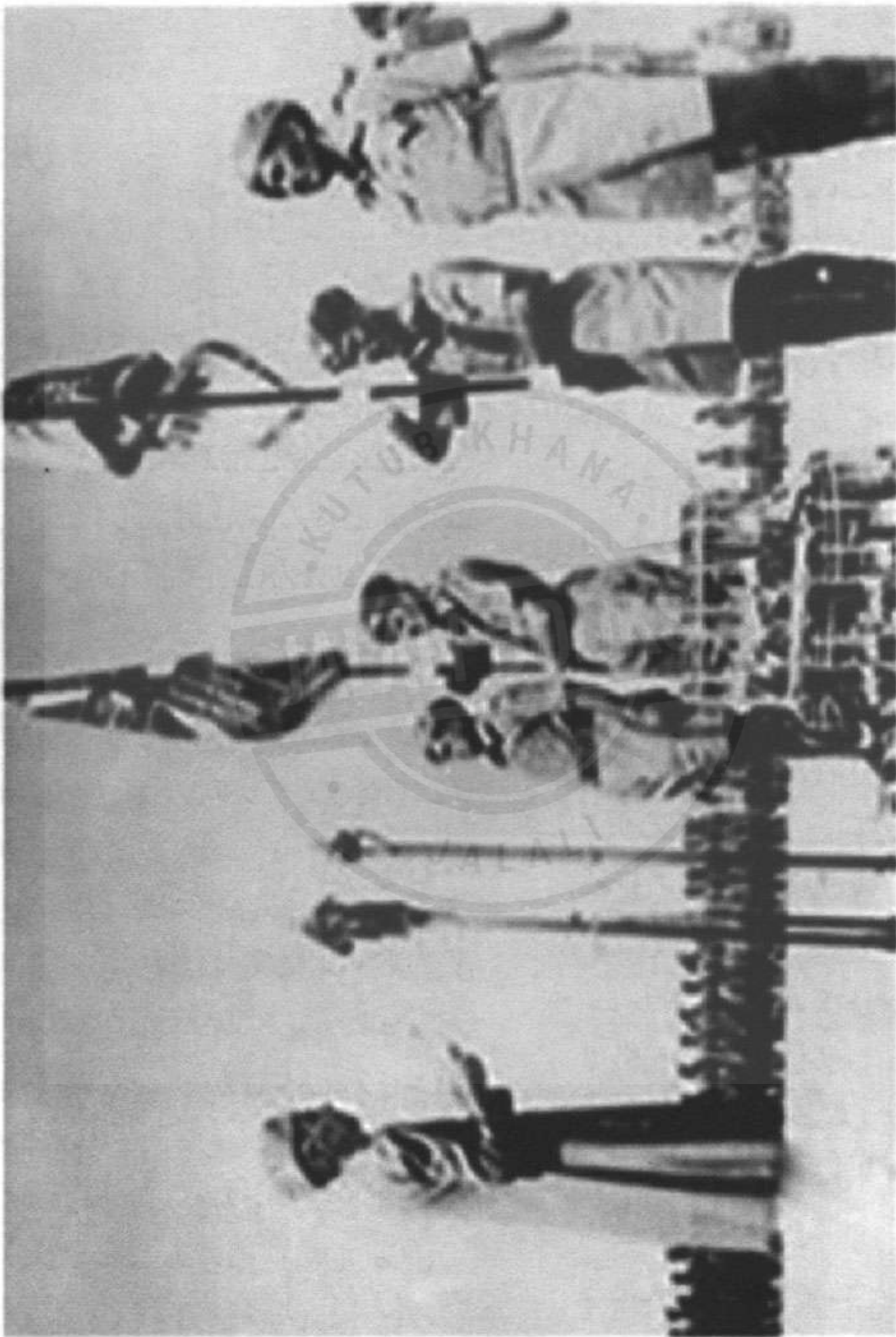
1. درسگاہوں میں موسیقی کو لازمی قرار دیا گیا۔
2. لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے مخلوط تعلیم کا طریقہ تجویز کیا۔
3. دنیا کے سارے مذاہب کی مشترکہ صداقت کو اس سکیم کا ایک جزو قرار دیا گیا۔

رفیق غوری اپنی کتاب: ''جب پاکستان بن رہا تھا'' میں یوں رقمطراز ہیں:

'ظاہر ہے کہ اس اسکیم کا ہر حصہ مسلمانوں کے لیے ناقابل قبول تھا، اور اس کا مقصد ان کی قومی روایات کو مسخ کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا کیونکہ موسیقی اور وہ بھی درس گاہ میں جہاں جوان لڑکے اور جوان لڑکیاں موجود ہوں، اور وہ سب مل کر گائیں بجائیں اسلام کی تعلیم کی رو سے نہ صرف معیوب بلکہ مسلم سوسائٹی کے اخلاق کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح سے اسلام لڑکیوں اور لڑکوں کے آزادانہ اختلاط کو ناجائز قرار دیتا ہے خصوصاً عمر کے اس دور میں جب جنسی جذبات میں سخت ہیجان ہوتا ہے مخلوط تعلیم نوجوان عورتوں اور مردوں کے اخلاق کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس طرح تمام مذاہب کی مشترکہ صداقت کا تصور نہایت گمراہ کن تھا، اور اس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ مسلمان طلباء اپنی اسلامی انفرادیت کو فراموش کر دیں کیونکہ جب یہ مان لیا جائے کہ ہر مذہب میں ایک جیسی صداقتیں موجود ہیں تو مسلمانوں کے مسلمان رہنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی گویا واردھا اسکیم میں مذاہب کی مشترکہ صداقت کا جزو شامل کر کے مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے کی ایک منظم سازش کی گئی تھی۔

اسی طرح ودیا مندر اسکیم مسلمان بچوں کے لیے نہایت غیر موزوں ہے مندر کا لفظ ایک خاص مذہبی فرقے اور اس کے مذہب پر رجحانات کی عکاسی کرتا ہے۔''

چونکہ تعلیمی اداروں میں تمام مذاہب کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں اس لیے سب پر اس کا اطلاق نہ ہوتا تھا چنانچہ مسلمان سر پر کفن باندھ کر میدان میں نکل آئے جب صورت حال بگڑنے لگی تو نواب زادہ لیاقت علی خاں کی کوششوں سے یہ جھگڑا ختم ہوا اور مسلمانوں کے لیے کانگریس نے اس سکیم کا نام مدینۃ العلم رکھنے کی اجازت دے دی۔

وار کونسل

جنگ عظیم اول کے دوران برطانوی حکومت کی یہ کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طرح سے ہندوستانی باشندوں کو بھی جنگ میں دھکیل دیا جائے اس سلسلے میں وائسرائے لارڈ چیمسفورڈ نے ایک وار کونسل مرکز میں قائم کی، جبکہ صوبوں میں گورنروں کے تحت صوبائی وار کونسلیں بنائی گئیں۔ 30 اپریل 1918ء کو دہلی میں وائسرائے ہند کی صدارت میں وار کونسل کا اجلاس منعقد ہوا اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے بھی نہ صرف شرکت کی بلکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''اگر برطانوی حکومت ہندوستانی عوام کی حمایت و تائید اور اسے شریک جنگ کرنا چاہتی ہے تو ملک میں دستوری اصلاحات کا نفاذ عمل میں لایا جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس شرط پر حکومت کو عوام کی جانب سے امداد کا یقین دلایا تاکہ ہندوستانیوں کی بجائے انگریز ہی اپنی فتح باب کا ڈھنڈورا نہ پیٹ سکیں۔ اس تجویز پر وائسرائے نے پس و پیش کا اظہار کیا، لیکن جب قائداعظم محمد

علی جناح نے دلائل دینا شروع کیے تو وائسرائے نے قائداعظم محمد علی جناح کو دلائل دینے سے روک دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے کی سخت الفاظ میں مذمت کی، حالانکہ کانگریسی لیڈروں نے تو غیر مشروط پیش کش بھی کر دی تھی۔

10 جون 1918ء کو بمبئی کے ٹاؤن ہال میں صوبائی وار کونسل کے اجلاس کی صدارت بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن نے کی تھی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں ہوم رول لیگ اور بغیر نام لیے قائداعظم محمد علی جناح کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس ضمن میں جو قرارداد پیش کی گئی لارڈ ولنگڈن نے صوبائی کونسل سے اسے منظور کرنے کی امید ظاہر کی لارڈ ولنگڈن تقریر کر بیٹھے تو ہوم رول لیگ کے رہنما مسٹر گنگا دھر تلک نے سرکاری قرارداد میں ترمیم کی تجویز پیش کی لیکن لارڈ ولنگڈن نے اسے بے ضابطہ قرار دے دیا۔ اس کارروائی پر مسٹر گنگا دھر تلک اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس اجلاس میں بھی شرکت کی، اور انہوں نے واک آؤٹ کی بجائے اپنی تقریر میں لارڈ ولنگڈن کے اس طرزِ عمل کی مذمت کی، جو انہوں نے ہوم لیگ کے ارکان خصوصاً مسٹر گنگا دھر تلک سے روا رکھا۔ انہوں نے کہا:

''ایک طرف تو حکومت ہندوستانیوں کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتی اور دوسری طرف وہ سپاہیوں کو بھرتی کرنا چاہتی ہے جبکہ ہم قومی فوج کے قیام کے خواہاں ہیں۔''

لارڈ ولنگڈن نے کہا:

''اگر مقرر کو حکومت پر اعتراض ہے تو وہ اس کی شکایت دہلی یا شملہ جا کر کرے کیونکہ میں اس ضمن میں بے اختیار ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''اگر صوبہ کی حکومت عوام کا تعاون حاصل کرنے کی خواہش مند ہے تو وہ عوام کے نمائندوں پر بھروسہ کرے ہم اس طرزِ عمل سے اتفاق نہیں کرتے جو حکومت نے عوامی نمائندوں سے روا رکھا ہے۔''

لارڈ ولنگڈن نے ایک مرتبہ پھر کہا:

''مقرر صدر کی رولنگ پر بحث نہیں کر سکتے۔''

لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں کہا:

''ہم سرکاری تجویز کی حمایت نہیں کر سکتے۔''

اپنی تقریر مکمل کرنے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے بھی اجلاس سے واک آؤٹ کر دیا۔

پورے ملک کے عوام نے قائداعظم محمد علی جناح کے اس اقدام کو سراہا۔

والجی پونجا اینڈ کمپنی

قائداعظم محمد علی جناح کے والد اور تایا نے 1864ء میں کراچی آ کر بولٹن مارکیٹ کے قریب والجی پونجا اینڈ کمپنی کے نام سے کاروبار کا آغاز کیا۔ یہ کمپنی مچھلی، گوند اور چمڑے کا کاروبار کرتی تھی۔ کمپنی نے ماہی گیری کا کام بھی شروع کیا تھا۔ اس سلسلے میں اس کے پاس چھوٹی بڑی کشتیاں بھی تھیں۔

فتح اور گیلانی کے نام سے کمپنی کے پاس دو لانچیں تھیں۔

اشیائے تجارت کی ادھر اُدھر منتقلی کے سلسلے میں گدھا گاڑیاں اور اونٹ گاڑیاں بھی کمپنی کے پاس تھیں۔

اس کمپنی پر والکٹ برادرز نے مقدمہ بھی دائر کیا تھا اور کمپنی کی جائیداد قرق کر لی گئی تھی۔

والچند

مطلوب الحسن سید نے اپنی کتاب ''محمد علی جناح ایک ہی سیاسی مطالعہ'' میں لکھا ہے:

''قائداعظم کو ایک وکیل نے اپنے یہاں اسسٹنٹ کی

حیثیت سے کام کرنے کی پیشکش کی تھی اس کا نام مسٹر والچند تھا۔
والچند قائداعظم محمد علی جناح کے اسکول کا ساتھی تھا اور دو سال عمر میں ان سے بڑا تھا اس کی پریکٹس اچھی تھی۔ اس پیش کش پر محمد علی جناح نے جواب دیا تھا:
''میں آپ کا بہت ممنون ہوں لیکن پہلے میں اپنی صلاحیتوں کی آزمائش خود کیوں نہ کرلوں ہاں اگر اپنی آزمائش کے میدان میں پسپا ہوگیا تو پھر آپ کی خدمت میں ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔''
مسٹر والچند اس حوصلہ مندانہ جواب سے بہت متاثر ہوئے اور کہا:
''اچھا میری یہ پیش کش برابر قائم رہے گی۔''
بقول رضوان احمد:
''اول تو اسکول کا وہ ساتھی جس کی عمر ہی دو سال ان کی عمر سے زیادہ تھی 1894ء میں ایسی عمر میں نہیں ہو سکتا جس کی پریکٹس اچھی ہو۔ 1894ء میں صرف چند ہفتوں کے لیے ان کے کراچی آنے کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ 1894ء کے بعد پھر وہ کراچی نہیں آئے۔ 1896ء میں بیرسٹر ہو کر بمبئی پہنچے اور وہیں بیرسٹری شروع کی۔''
اسی طرح ''قائداعظم کے 72 سال'' کے مرتب خواجہ رضی حیدر صفحہ نمبر 30 پر رقمطراز ہیں:
''محمد علی جناح نے افسردہ دل اور پژمردہ طبیعت کے ساتھ کراچی کی عدالت کا جائزہ لیا، اور چند ہی روز میں یہ اندازہ کرلیا کہ ایک نووارد وکیل کے لیے اس شہر میں زیادہ مواقع موجود نہیں ہیں۔
چنانچہ انہوں نے بمبئی جانے کا فیصلہ کرلیا (حالانکہ وہ کراچی گئے ہی نہیں تھے) محمد علی جناح کے اس فیصلے سے جہاں ان کے افراد خانہ کو اختلاف تھا وہاں ان کے چند دوست بھی اسے پسند نہ کرتے تھے چنانچہ ان کے ایک تاجر دوست والچند نے محمد علی جناح کو بمبئی جانے سے باز رکھنے کے لیے اپنے کاروبار میں شرکت کی پیشکش بھی کی لیکن محمد علی جناح کے فیصلے اٹل ہوتے تھے، انہوں نے اس پیشکش کو یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ اگر بمبئی میں بھی وکالت نہ چلی تو واپس آکر اس پیشکش کو قبول کرلوں گا۔''

والدین

قائداعظم محمد علی جناح کے والد جناح پونجا نے جو تین بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے، اپنی ہی برادری کی ایک خوبصورت دوشیزہ ''مٹھی بھائی'' کے ساتھ شادی کی تھی۔ وہ نوجوانی کے ایام میں سندھ کی تیزی سے پھیلتی ہوئی بندرگاہ کراچی میں منتقل ہوگئے۔ 1869ء میں نہر سویز کی تکمیل کے بعد کراچی نے برطانیہ سے ہندوستان کی قریب ترین جدید بندرگاہ کے طور پر خوب ترقی پائی۔
ساؤتھمپٹن میں اس کا فاصلہ صرف 5918 بحری کوس تھا، جو بمبئی سے نسبتاً دو سو میل کم بنتا تھا۔ ان دنوں اس کی آبادی پچاس ہزار نفوس پر مشتمل تھی، جو آج کی اس نوے لاکھ کے مقابلے میں بہت ہی قلیل تھی۔
بہر حال جناح پونجا بھائی اور مٹھی بائی جیسے من چلے نوجوان اس شہر کے تجارتی مرکز میں جولیاری کے دونوں اطراف دور تک پھیلا ہوا تھا، گردہ در گردہ آکر بسنے لگے۔ جناح بھائی نے تین منزلہ وزیر منشن (جسے دوبارہ تعمیر کر کے قومی یادگار اور عجائب گھر کی حیثیت دے دی گئی ہے) کی دوسری منزل پر ایک کرہ کرائے پر لیا۔ یہ منشن نیونیھم روڈ کی کاٹن مارکیٹ میں واقع ہے، جہاں اب بھی کپاس کی گانٹھوں سے لدے ہوئے

اونٹوں کے شور میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔

وائسرائے اور جناح ملاقات

وائسرائے سے مسٹر جناح کی ملاقات کا ریکارڈ۔
حکومت برطانیہ کے خفیہ ریکارڈ میں سے دستاویز نمبر 229
وائسرائے کی ملاقات نمبر 100
انتہائی خفیہ
26 اپریل 1947ء بوقت پانچ بجے تا چھ بج کر بیس منٹ شام۔

''میں نے مسٹر جناح سے کہا کہ میں نے نواب ممدوٹ کے گورنر کے نام خط میں گفتگو کے لیے آپ کو بلایا ہے جس میں اس نے پنجاب میں وزارت سازی کی پیشکش کی ہے۔

مسٹر جناح نے بتایا کہ اب 175 کے ایوان میں ممدوٹ کو 93 اراکین کی حمایت حاصل ہوگئی ہے کیونکہ بعض چھوٹی اقلیتوں کے نمائندوں نے اسے حمایت کا یقین دلایا ہے۔ اس لیے اب وہ مستحکم حکومت قائم کر سکتا ہے اور مسٹر جناح نے مجھے کہا کہ گورنر راج ختم کرنے کی خواہش کا اظہار کرتا رہا ہوں۔ اس لیے اب حکومت کی تشکیل کی اجازت دے دوں۔

میں نے اسے ماسٹر تارا سنگھ اور گیانی کرتار سنگھ سے اپنی گفتگو کے بارے میں بتایا جس کے بعد میں اس بات کا قائل ہو گیا ہوں کہ اگر کسی ایک فرقے کی حکومت سکھوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا فوری ردعمل مسلم بغاوت کی صورت میں ہوگا، میں نے بتایا کہ سکھ مسلمانوں کے بارے میں اس قدر غضب ناک ہیں کہ وہ انتقام کے لیے بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس لیے انتقالِ اقتدار کے مذاکرات کے زمانے میں ان کا موقع فراہم کرنا حمایت ہوگی۔ میں نے کہا یہ مذاکرات کیا رخ اختیار کر رہے ہیں، اس کے بارے میں ہم دونوں بخوبی جانتے ہیں، جس میں اغلب امکان ہے کہ پنجاب کی تقسیم کے ساتھ پاکستان کا قیام عمل میں آجائے گا۔ اس کی روشنی میں مختصر سے عرصے میں پنجاب کی حکومت بنانے سے کیا حاصل ہوگا، جو صرف خون ریزی کا سبب بنے، نیز حد بندی کے بارے میں سمجھوتے کی راہ میں مشکلات کا باعث ہو۔ میں نے مسٹر جناح کو بتایا کہ کوئی چیز میرا ارادہ تبدیل نہیں کر سکتی، اور میں اس کے مطابق گورنر کو ہدایات بھیج رہا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ آیا میں گورنر کو یہ لکھ دوں کہ آپ متفق ہیں؟ جواب میں انہوں نے کہا کہ ''ہرگز نہیں'' میں قطعی طور پر متفق نہیں۔

اس پر انہوں نے میں نے کہا کہ آپ میرا نقطہ نظر سمجھ رہے ہیں، اور وجوہات کو دیکھ رہے ہیں۔

اس پر جواب دیا کہ میں آپ کی بات مکمل طور پر سمجھ رہا ہوں، اور آپ کے خلوص کا احترام کرتا ہوں۔ اگرچہ مجھے آپ کے فیصلے سے اتفاق نہیں، میں نے جواب دیا کہ ایک دن آئے گا، جب آپ میرے شکر گزار ہوں گے کہ آپ کو اس گڑبڑ اور فساد میں ہاتھ ڈالنے سے بچایا۔ میں یہ سب مسلم لیگ کے مفاد میں کر رہا ہوں، اور مجھے افسوس ہے کہ آپ اس سے متفق نہیں۔

میں نے کہا کہ میں بدھ وار کو گورنر سے ملوں گا، اور اس مسئلہ پر تفصیل سے بات کروں گا، نیز اپنے فیصلے کی توثیق کروں گا، پہلے میں بذریعہ ٹیلی گرام جس سے مطلع کر چکا ہوں۔

مسٹر جناح نے کہا کہ اس صورت میں گورنر کو مسٹر ممدوٹ سے آپ کے بعد ملنا چاہیے۔ میں نے کہا کہ ''مجھے اس سے اتفاق ہے، بشرطیکہ اس تاخیر کی ذمہ داری آپ قبول کر لیں۔

''جس پر انہوں نے ممدوٹ کو ٹیلی فون کے ذریعے یہ ہدایت دینے کی پیشکش کی کہ وہ گورنر سے بدھ یا جمعرات سے پہلے ملاقات نہ کریں۔ میں نے بھی گورنر کو اس کے مطابق ٹیلی گرام بھیجنے کا وعدہ کیا۔

اس نے مجھے بتایا کہ سکھوں سے میری گفتگو کا یقیناً اچھا اثر ہوا ہوگا، کیونکہ انہیں کرتار سنگھ کی طرف سے پیغام ملا ہے جس میں اس نے تجویز کیا ہے کہ "تقسیم پنجاب کے بعد پاکستان سے ملحق سکھ مملکت کے قیام کے بارے میں مذاکرات ہونے چاہئیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے کرتار سنگھ کی پیشکش قبول کر لی ہے کہ وہ دہلی میں مجھ سے ملاقات کے لیے آئیں۔ مسٹر جناح اس تجویز پر بہت خوش تھے، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ سکھ ذاتی طور پر انہیں پسند کرتے ہیں اور ان پر بھروسہ کرتے ہیں، اور انہوں نے سرِ عام کہا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے سکھوں سے زیادتی کی تو وہ سکھوں کی حمایت کریں گے۔

اس کے بعد انہوں نے پوچھا کہ وہ کب تک انہیں دہلی میں روکنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا 2 مئی سے پہلے وہ دہلی نہ جائیں، اور 15 مئی کو پھر واپس دہلی آجائیں۔ نیز اپنی مجلس عاملہ کو آگاہ کر دیں۔ 15 مئی کے فوراً بعد میٹنگ کے لیے تیار ہیں۔ میں نے کہا کہ اس صورت میں کہ 15 مئی کو ان اور مجلس عاملہ کے اجلاس کی ضرورت نہ ہوئی تو میں انہیں نئی تاریخ کے بارے میں اطلاع بھیج دوں گا، مگر میرے خیال میں یہ 20 مئی سے مؤخر نہیں ہوسکتی۔

اس کے بعد میں نے مسٹر سہروردی سے ملاقات کے بارے میں بتایا اور کہا کہ میں نے مسٹر سہروردی سے کہہ دیا ہے کہ میں ہر قسم کی تقسیم کے خلاف ہوں، خواہ یہ ہندوستان کی تقسیم ہو یا صوبوں کی اور سہروردی نے جواب میں کہا کہ جہاں تک بنگال کا تعلق ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسے متحد رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے، بشرطیکہ یہ نہ تو پاکستان میں شامل ہو اور نہ ہی ہندوستان میں۔ میں نے مسٹر جناح سے پوچھا کہ اس صورت میں کیا پاکستان میں عدم شمولیت کی قیمت پر وہ بنگال کو متحد رکھنے پر تیار ہیں؟

انہوں نے بلا تامل جواب دیا کہ "مجھے خوشی ہونی چاہیے۔ کلکتہ کے بغیر بنگال کی کیا افادیت ہے۔ بہتر ہے کہ وہ متحدہ اور آزاد رہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہمارے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔"

تب میں نے کہا کہ مسٹر سہروردی نے کہا ہے کہ متحد اور آزاد بنگال دولت مشترکہ میں رہنا چاہے گا۔ مسٹر جناح نے جواب دیا "کیوں نہیں جس طرح میں نے آپ کو بتایا ہے کہ پاکستان دولت مشترکہ میں رہے گا۔" میں نے ان کی تصحیح کرتے ہوئے کہا کہ "نہیں! کہ اگر پاکستان کی حکومت بنی تو اس کا پہلا کام یہ درخواست ہوگی کہ اسے دولت مشترکہ کی رکنیت دی جائے۔" اس نے میری بات کو درست کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اس کا نقطہ نظر غلط طور پر سمجھا ہے کیونکہ رکنیت کی درخواست کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ سوال اسے دولت مشترکہ سے باہر دھکیلنے کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسٹر چرچل نے ان سے کہا تھا کہ "تمہیں صرف ڈٹے رہنا ہے کہ دولت مشترکہ میں رہنے کے حق کا مطالبہ کرنا ہے، جسے منظور کرنے کے وہ پابند ہیں۔ برطانیہ سلطنت کے وفادار ممبروں کو باہر نکالنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

مسٹر جناح نے کہا کہ انہوں نے سر سٹیفورڈ کرپس سے پوچھا کہ انتقال اقتدار سے متعلق قانون کی شکل کیا ہوگی۔ کیا وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہندوستان یا اس کے حصوں کو دولت مشترکہ کے دوسرے اراکین کی طرح جب چاہے علیحدگی کا حق حاصل ہوگا، اور اگر وہ ایسا نہ چاہیں تو وہ خود بخود اس کے رکن شمار ہوں گے، جس پر سر کرپس نے کہا کہ وہ فی الوقت اس کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں۔ مسٹر جناح نے کہا کہ

"اس طرح ایک اچھے وکیل کی طرح انہوں نے جواب دیا لیکن یہ بات واضح ہے کہ آپ ہمیں باہر نہیں نکال سکتے کیونکہ سلطنت کے کسی حصے کو اس کی مرضی کے خلاف باہر کرنے کی کوئی مثال نہیں ہے۔"

آخر میں میں نے کیبنٹ مشن پلان کا ذکر چھیڑا، جس سے اسے چڑ ہے۔ میں نے کہا کہ آپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کو اس پلان پر بنیادی اعتراض یہ تھا کہ اکثریت کے بل بوتے پر مرکز پر کانگریس کا کنٹرول ہوگا۔ گروپ بی اور اس کے صوبے ہمہ وقت اس کے معاشی اور فوجی دباؤ میں رہیں گے۔ کیا اس اسکیم پر یہی آپ کا اعتراض ہے؟ اس نے بڑے زور سے سر ہلایا۔ میں نے اس پر کہا کہ ''میں اس پر غور کرتا ہوں، اور کیبنٹ مشن پلان میں اس گنجائش میں بھی شک نہیں کہ دستور ساز اسمبلی میں کسی اہم فرقہ وارانہ معاملے پر ابواب میں موجود اراکین کے لیے دونوں بڑے فریقوں کی اکثریت کی رائے کی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر کوئی قانون پاس نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہے۔ میں نے کہا: ''تو پھر یقیناً اسے اس قدر تحفظات حاصل ہیں۔ جس قدر اسے مرکزی دفاعی کونسل کے تحت قائم ہونے والے پاکستان میں حاصل ہوں گے۔ اس نے کہا: ''نہیں، یہ واضح طور پر درج ہے کہ کسی اہم فرقہ وارانہ مسئلے پر اختلاف کی صورت میں فیصلہ فیڈرل کونسل کرے گی۔ یہ بات صاف ہے کہ دستور ساز اسمبلی کا صدر تو اس کی ورکنگ کا پابند نہیں۔ میں نے چیف جسٹس سے پوچھا کہ اس کا فیصلہ نہ مانا جائے تو کیا کرے گا تو اس نے جواب دیا کہ وفاقی عدالت آئندہ کسی ایسے مسئلے پر رائے دینے سے انکار کر دے گی۔ اس کے بعد کانگریس اپنی اکثریت کے بل بوتے پر اپنی مرضی مسلط کرنے میں آزاد ہوگی۔

''اصل میں کانگریس کے لیڈر اس قدر بد دیانت، کجرو ہیں اور مسلم لیگ کو کچلنے کا بھوت ان کے سر پر اس قدر سوار ہے کہ وہ اس میں ہر حد پھلانگ سکتے ہیں، اور پاکستان کے قائم رہنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ یہ ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے دولت مشترکہ کا رکن ہو۔ اس کی اپنی فوج اور اسی بنا پر کسی مرکزی کونسل میں اپنا بھی کیس کر سکے۔

میں اسے اس کے اس فیصلے سے ادھر ادھر نہ کر سکا، اور اس نے درخواست کی کہ اسے کیبنٹ مشن پلان کے بارے میں نظرثانی کے لیے نہ کہا جائے۔

(وی پی مینن، ٹرانسفر آف پاور آف انڈیا)

وائسرائے بنام مسٹر جناح

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 262 کا متن۔

وائسرائے بنام مسٹر جناح

سری نگر۔ 19 جون 1947ء

ڈیئر مسٹر جناح!

بحوالہ میٹنگ بتاریخ 13 جون جس میں باؤنڈری کمیشن کی تشکیل و ترتیب پر بات ہوئی۔ آپ یہ جاننا چاہیں گے کہ مجھے وزیر ہند کی طرف سے ٹیلی گرام موصول ہوئی ہے جو میری ٹیلی گرام کے جواب میں ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ اولین اہمیت یو این او سے ممبران فراہم کرنے کو دی جائے۔ جو حد بندی کا کام انجام دیں۔

2. وزیر ہند نے ہمارے نقطہ نظر کی تصدیق کر دی ہے جس کا اظہار میٹنگ میں کیا گیا تھا کہ وقت کی قلت کے پیش نظر یہ قابل عمل نہیں۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ اقوام متحدہ ایسے کمیشن کی تشکیل صرف سالانہ اجلاس کے دوران کر سکتی ہے یا خصوصی اجلاس کے ذریعے جو اس مقصد کے لیے بلایا جائے، سیکرٹری جنرل کو اپنی طرف سے ایسا کمیشن مقرر کرنے کا آئینی اختیار نہیں۔

3. وزیر ہند نے عالمی عدالت انصاف کے سربراہ سے ممبروں کے انتخاب کے امکان کا اظہار کیا۔

4. آپ کو یاد ہوگا کہ مذکورہ میٹنگ میں ہم نے فیصلہ کیا تھا

کہ کمیشن کے چیئرمین کا انتخاب ممبران از خود کریں گے، اور اگر وہ متفق نہ ہوسکیں تو اس صورت میں اس کا انتخاب پارٹی لیڈروں کی میٹنگ میں کیا جائے۔

❺ مجھے امید ہے ان طریق کار کے بارے میں اتفاق رائے ہو جائے گا، لیکن اگر کسی وجہ سے کمیشنوں کے سربراہوں کے بارے میں اتفاق نہ ہو سکے تو پھر ہمیں وزیر ہند کی تجویز کے مطابق عالمی عدالت انصاف سے کہنا پڑے گا کہ وہ ان کے سربراہوں کا انتخاب کر دیں۔

❻ ذیل میں حد بندی کمیشنوں میں پنڈت نہرو کی طرف سے بھجوائے جانے والے نام درج ہیں۔

پنجاب حد بندی کمیشن کے لیے

مسٹر جسٹس مہر چند مہاجن

مسٹر جسٹس تیجا سنگھ

بنگال کے لیے

مسٹر جسٹس سی سی بسواس

مسٹر جسٹس بجن کمار مکرجی

❼ میں شکر گزار ہوں گا اگر آپ بھی اس معاملے میں اپنی تجویزوں سے مجھے آگاہ کر دیں، جب آپ کو اس پر غور کرنے کا وقت ملے۔

آپ کا مخلص

ماؤنٹ بیٹن آف برما

(وی پی مینن، ٹرانسفر آف پاور آف انڈیا)

وائسرائے بنام مسٹر جناح

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 398 کا متن۔

وائسرائے بنام مسٹر جناح

29 جون 1947ء

ڈیئر مسٹر جناح!

لارڈ اسمے نے مجھے حد بندی کمیشن کی شرائط عمل کے بارے میں آپ سے گفتگو سے آگاہ کیا، جو گزشتہ رات آپ دونوں کے مابین ہوگی۔ دریں اثناء مجھے لیاقت علی خاں کا بھیجا ہوا مسودہ بھی موصول ہوگیا ہے جس میں اس نے اس مسودے میں چند ترامیم کی ہیں، جو بٹوارہ کمیٹی کے 13 جون کے اجلاس میں زیر بحث آیا تھا اور اگلے روز اسے بھجوا دیا گیا تھا۔

❷ میرے خیال میں اس معاملے میں مکمل غلط فہمی دکھائی دے رہی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ 23 جون کو گفتگو کے دوران میں نے آپ کے سامنے سوال اٹھایا اور میں نے اور سر میویل دونوں نے یہ تاثر لیا کہ آپ کلی طور پر اسے قبول کرتے ہیں۔ ہماری گفتگو کا ریکارڈ جو اگلی صبح سر میویل نے تیار کر کے میرے دستخط کے لیے پیش کیا، اس میں متعلقہ پیرا یوں ہے:

حد بندی کمشن

''مسٹر جناح نے کہا کہ کانگریس کی طرف سے پیش کردہ شرائط عمل انہیں منظور ہیں، اور وہ دونوں حد بندی کمیشنوں میں اپنے اراکین کے نام ایک دو دن میں پیش کر دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ انہیں احساس ہے کہ دونوں کمیشنوں کے سربراہوں فریقین کا متفق ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے ان کی تجویز ہے کہ برطانوی بار کے کسی ممتاز رکن کو دونوں کا مشترکہ چیئرمین نامزد کر دیا جائے، جس کا فیصلہ دونوں فریقوں کے لیے آخری ہو۔''

اور پھر آپ کو یاد ہوگا کہ 27 جون کے اجلاس میں جب میں نے سردار بلدیو سنگھ سے پوچھا کہ آیا وہ حد بندی کمیشن کی

شرائط عمل سے متفق ہے تو اس نے کہا کہ اگر چہ مطمئن تو نہیں مگر وہ اسے قبول کرتا ہے، نہ ہی آپ نے اور نہ ہی لیاقت علی خاں نے کسی قسم کا اشارہ دیا کہ آپ کس بات پر معترض ہیں یا مسئلہ ابھی زیر غور ہے۔

لہٰذا میرے یا میرے کسی سٹاف ممبر کے ذہن میں اس امر کے بارے میں کہ مسلم لیگ کلی طور پر متفق ہے رتی بھر شبہ نہیں گزرا۔ آپ خود کام کی رفتار کے بارے میں بہت زور دیتے رہے ہیں، لہٰذا میں امکانی حد تک تیز رفتاری سے کام نپٹا تا رہا ہوں، میں نے پہلے ہی وزیر ہند کو مطلع کر دیا ہے اور شرائط عمل کے بارے میں کل لندن اور دہلی سے بیک وقت نوٹس جاری ہو رہا ہے۔ میں نے متعلقہ گورنروں کو بھی آگاہ کر دیا ہے کہ وہ اپنے اپنے حد بندی کمیشن کے اراکین کو طلب کر کے فوری طور پر کام پر لگا دیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس سے اتفاق کریں گے کہ ہمیں طے شدہ مسئلے دوبارہ اٹھانے سے جو تا خیر ہوگی اس سے اجتناب کرنا چاہیے، خصوصاً جبکہ آپ نے خود لارڈ اسمے کے سامنے اعتراف کیا ہے کہ آپ کی پیش کردہ ترامیم کا تعلق مواد سے زیادہ اس کی ہیئت سے ہے۔

ماؤنٹ بیٹن آف برما

(وی پی مینن، ٹرانسفر آف پاور آف انڈیا)

وائسرائے بنام مسٹر جناح

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 498 کا متن۔

وائسرائے بنام مسٹر جناح

نمبر 592/63

مورخہ 4 جولائی 1947

ڈیئر مسٹر جناح!

وقتاً فوقتاً سکھ ممبران سے جو میری بات ہوتی رہی ہے اس کے نکات آپ کے سامنا لانا چاہتا ہوں۔

❷ وہ قدرتی طور پر پنجاب میں اپنی حیثیت کے بارے میں بہت فکر مند ہیں جہاں اگر حد بندی لائن میں اہم تبدیلیاں نہ کی گئیں تو سکھ فرقہ دو تقریباً برابر حصوں میں بٹ کے رہ جاتا ہے۔

❸ انہوں نے مشرقی پنجاب اور یونین آف انڈیا میں خصوصی مراعات کا مطالبہ کیا ہے، مگر اس کے ساتھ وہ تبادلہ آبادی پر بھی زور دے رہے ہیں اور مجھے امید ہے کہ مناسب وقت پر آپ بھی اس پر غور کریں گے۔ حد بندی کمیشن کے فیصلے کے نتیجے میں یا دوسری وجوہات کی بنا پر اس پر توجہ ہوگی۔ انہیں امید ہے کہ پاکستان کی مرکزی پارلیمنٹ میں خصوصی رعایت حاصل ہو گی۔ نیز پاکستان کی کابینہ میں ایک وزارت ان کے لیے مخصوص کرا دی جائے گی۔

❹ مجھے سکھوں سے ہمدردی ہے، اور میرے خیال میں آپ کو بھی ہے اور مجھے امید ہے کہ ان کے خدشات دور کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

آپ کا مخلص

ماؤنٹ بیٹن آف برما

(وی پی مینن، ٹرانسفر آف پاور آف انڈیا)

وائسرائے بنام وزیر ہند I

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 412 کا متن۔

وائسرائے بنام وزیر ھند ارل آف لسٹوول ٹیلی گرام

فوری/خفیہ

نئی دہلی مورخہ 28 جون 1947ء

نمبر 1655۔ ایس

اس کے فوری بعد جو میرا ٹیلی گرام آپ کو ملے گا وہ مسٹر جناح کے میمورنڈم پر مشتمل ہے۔ جس میں اس نے بٹوارہ کونسل کے گزشتہ اجلاس میں عبوری حکومت کی تشکیل نو کے بارے میں میری تجاویز کی قانونی اور آئینی حیثیت کو چیلنج کیا ہے۔ مجھے قانونی مشیروں نے بتایا ہے کہ مجوزہ انتظامات آئینی ہیں۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے نمائندوں سے بطور رکن کابینہ حلف لیا جائے گا۔ کانگریس ممبروں کے پاس تو محکمے کا اصل چارج ہوگا، جبکہ مسلم لیگی ممبر کی حیثیت اس محکمے میں چوکیدار کی ہوگی، اگرچہ اس کے پاس محکمہ تو نہیں ہوگا، مگر کام کی تقسیم اس طرح کر لی جائے گی کہ اس کی حیثیت کابینہ کمیٹی برائے پاکستان کی بن جائے گی۔ یہ تجویز انہی خطوط پر استوار کی گئی ہے جو تجویز میرے لندن سے آنے سے پہلے کابینہ کمیٹی کو پیش کی گئی تھی، لیگ نے یہی تجاویز قبول کر لی ہیں۔

◆ گزشتہ شب جناح نے اسمے کو بتایا کہ آئینی اعتراض اٹھا کر وہ دراصل مجھے عبوری حکومت کی تشکیل نو کے کانگریس دباؤ سے رہا ہونے کا موقع فراہم کرنا چاہتے ہیں اگر میں ایسا چاہوں تو۔ اگرچہ میں معاملات کو جوں کا توں رکھنے کو ترجیح دیتا ہوں، تاہم میں چاہوں گا کہ اگر تجاویز غیر آئینی نہ ہوں تو آگے بڑھوں، کیونکہ نہرو خصوصی طور پر بہت معتبر ہے۔ جلد ہدایت بھجوانے کے لیے مشکور ہوں گا۔

(وی پی مینن، ٹرانسفر آف پاور آف انڈیا)

وائسرائے بنام وزیرِ ہند II

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 86 کا متن۔

(ٹیلی گرام)

وائسرائے بنام وزیر ھند

اہم
نمبر 1926 ایس
نئی دہلی 12 جولائی 1947ء

میں آپ کو آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مسٹر جناح نے انتقالِ اقتدار کے احکامات تیار کرنے والوں سے کہا ہے کہ وہ پاکستان کے لیے شیڈول نمبر 9 کے تحت احکامات پسند کریں گے۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء پارٹ II کے تحت نہیں۔

◆ اس کا نتیجہ تو آپ پر ظاہر ہوگا۔ شیڈول نمبر 9 کے تحت احکامات سے گورنر جنرل کو دوسرے اختیارات کے علاوہ مندرجہ ذیل اختیارات بھی حاصل ہو جائیں گے۔

(i) کابینہ کے اراکین کی تقرری۔
(ii) تعداد کا تعین یعنی کابینہ کتنے اراکین پر مشتمل ہوگی۔
(iii) نائب صدر کا تقرر
(iv) کابینہ کے اکثریتی فیصلے کو رد کرنے کا اختیار
(v) کاروبار حکومت چلانے کے لیے ضابطے اور قواعد بنانے کا اختیار۔

◆ یہ حکم حسبِ معمول اس مفروضے پر مبنی ہوگا کہ گورنر جنرل کابینہ کے اجلاس کی صدارت کیا کرے گا۔

◆ اس طرح گورنر جنرل اپنا وزیراعظم بھی خود ہی ہوگا، مگر خصوصی اختیارات کے ساتھ اس سے مسٹر جناح کو آمرانہ اختیارات حاصل ہو جائیں گے۔

◆ دو متبادل مسودے تیار کر لیے گئے ہیں۔ ایک شیڈول نمبر 9 پر مبنی ہے، مگر اکثریتی فیصلے کو رد کرنے کے اختیار کے بغیر اور دوسرا انڈیا ایکٹ پارٹ II کے مطابق۔

❻ ممنون ہوں گا اگر آپ مشورہ عنایت فرمائیں کہ اگر مسٹر جناح اصرار کرے کہ احکام شیڈول نمبر 9 کے تحت اکثریتی فیصلے رد کرنے کے اختیار کے ساتھ یا اس کے بغیر ہو۔

❼ 15 اگست سے پہلے اس قسم کے حکم کی کابینہ میں منظوری مشکوک ہے، مگر کسی نہ کسی طرح کے حکم کا ہونا ضروری بھی ہے، اور متبادل حکم مسلم لیگ کی تائید کے بغیر جاری کیا جانا مناسب بھی ہے جو یقیناً مسٹر جناح کی تائید کرے گی۔

❽ مجھے خدشہ ہے کہ پارلیمنٹ میں اس قسم کے آرڈر سے خفت اٹھانی پڑے، اور آپ اسے کابینہ کے سامنے بھی لانا چاہیں گے، میں جلد جواب کے لیے مشکور ہوں گا کیونکہ وقت بہت کم ہے۔ (وی پی مینن، ٹرانسفر آف پاور آف انڈیا)

وائسرائے بنام وزیر ہند III

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 121 کا متن۔

(ٹیلی گرام)

فوری/خفیہ
نمبر 1979۔ایس
نئی دہلی 15 جولائی 1947ء

جناح اور لیاقت صبح میرے پاس آئے اور انہوں نے سٹیٹ مین میں شائع ہونے والے ایک بیان پر احتجاج کیا جو رپورٹ کے مطابق ہنڈرسن نے مباحثے کے دوران حد بندی کمیشن کی شرائط عمل کی وضاحت کی ہے۔ ان کا احتجاج ''دوسرے عوامل'' کی توضیح کے بارے میں تھا، جو انہوں نے پیش کی ہے جو یوں ہے:

''یہ خصوصی عوامل جو مدنظر رکھے جا رہے ہیں۔ سکھوں کے بارے میں جن کا مقصد پنجاب میں سکھوں کے مذہبی مقامات ان کے حوالے کرنے کے امکانات کو پیش نظر رکھا جائے۔''

ان کے خیالات میں انڈر سیکرٹری آف اسٹیٹ کی طرف سے اس قسم کا بیان ایسے وقت جبکہ حد بندی کمیشن اپنی رپورٹ کی تیاریوں میں ہے، سکھوں کو موقع فراہم کرے گا کہ ''دوسرے عوامل'' کا ایسا مفہوم نکالیں، جس سے بٹوارہ کونسل نے ہمیشہ اجتناب کیا ہے۔''

میں نے جناح سے کہا کہ میں ان کے احتجاج کی کاپی ریڈکلف کو بھیج دوں گا تاکہ اسے پتہ چل جائے کہ وہ ہنڈرسن کے نقطہ نظر سے متفق نہیں۔ اس لیے میں اس ٹیلی گرام کی کاپی ریڈکلف کو اور ایک جناح کو بھیج رہا ہوں۔

(وی پی مینن، ٹرانسفر آف پاور آف انڈیا)

وائسرائے جناح خط و کتابت

وائسرائے ہند لارڈ ویول نے شملہ کانفرنس منعقد کرنے سے پہلے قائداعظم محمد علی جناح کو حسب ذیل تار بھیجا:

''مجھے امید ہے کہ آپ میری تجویز کردہ کانفرنس میں شرکت کریں گے۔ میں نے اس کے جلسہ کے لیے 25 جون کو صبح 11 بجے کا وقت اور شملہ کا ایوان وائسرائے مقرر کیا ہے۔ اگر آپ میری دعوت کو قبول کریں تو میں آپ سے کانفرنس کے انعقاد سے پہلے گفتگو کرنے کو بھی خوش آمدید کہوں گا، اور اگر آپ کے لیے مناسب ہو تو میں اس ملاقات کے لیے 24 جون 5 بجے شام کا وقت اور ایوانِ وائسرائے تجویز کرتا ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 15 جون کو حسب ذیل جواب دیا:

قائداعظم محمد علی جناحؒ

’’آپ کا 14 جون کا دعوتی تار ملا۔ 24 جون کو بات چیت کے لیے آپ سے مل کر مجھے خوشی ہوگی، مگر آپ کی تجویزوں خصوصاً کانفرنس کا معاملہ صفائی چاہتا ہے۔ جو مجھے امید ہے کہ 24 جون کی ملاقات میں ہو جائے گی۔ اس طرح مجھے یہ موقع مل جائے گا کہ آپ سے ملنے کے بعد حاصل شدہ توضیحات کی روشنی میں اپنی مجلس عاملہ سے مشورہ کرسکوں۔ میری التجا ہے کہ آپ کانفرنس کی تاریخ کو 15 دن کے قریب بڑھا دیں، کیونکہ مقررہ وقت تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے مجلس عاملہ کے جمع ہونے کے لیے بہت مختصر ہے۔

آپ نے تعاون اور خیر سگالی کی جو اپیل کی ہے، اس سے مجھے اتفاق ہے اور مجھے امید ہے کہ مسلم لیگ منصفانہ اور معقول عارضی سمجھوتہ میں امکانی مدد کرے گی۔‘‘ (وی، پی، مینن، ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا)

وائسرائے جناح مذاکرات

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 116 کا متن۔

وائسرائے انٹرویو نمبر 46

انتہائی خفیہ

مورخہ 18 اپریل 1947ء

مسٹر جناح چار بجے پہنچے، مگر میں نے پونے پانچ بجے تک لارڈ اسمے کے حوالے کیے رکھا۔ خود اس عرصہ میں ان نکات کا مطالعہ کرتا رہا، جو اس نے آخری ملاقات کے بارے میں لکھے تھے۔ پونے پانچ سے ساڑھے چھ بجے تک میں گفتگو میں شریک رہا۔ مسٹر جناح شاید اس سے زیادہ وضاحت سے کیبنٹ مشن پلان کے بارے میں اپنی عدم دلچسپی کا اعلان نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے ہم اس کی تقسیم کی خواہش کے منطقی جائزے میں لگ گئے۔ اس نے کہا کہ وہ سرجیکل آپریشن چاہتے ہیں۔ جس کے ذریعے وہ گروپ بی اور سی میں شامل صوبوں کو کاٹ کر پاکستان بنا دیں، اور باقی ماندہ چھ صوبوں کو ہندوستان میں رہنے دیں۔ انہوں نے کہا کہ وقت کی قلت مزید مذاکرات یا تفصیلات میں جانے کی اجازت نہیں دیتی، اور اس پر زور دیا کہ میں ایک عمومی فیصلہ جتنی جلدی ممکن ہو دے دوں، اور تفصیلات بعد میں طے کر دی جائیں۔

میں اور لارڈ اسمے بڑی مشکل سے یہ سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ جب تک ہمیں یہ پتہ نہ ہو کہ فیصلے پر عملدرآمد کا طریق کار کیا ہوگا، اس وقت تک ہمارے لیے اس فیصلے کے بارے میں غور ممکن نہیں۔

ازاں بعد میں نے یہ وضاحت کی کہ اگر میں ابھی اپنے ذہن کو کھلا رکھ رہا ہوں، اس کے مشورے کو سمجھنے کا میرے لیے واحد طریقہ یہ ہے کہ اسے منطقی نتائج کی آخری حد تک پہنچایا جائے میں نے کہا جہاں تک ہندوستان کو متحد رکھنے کا تعلق ہے۔

’’آپ ایک بڑی اقلیت کے اس استحقاق کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اسے تقسیم کا حق ہے۔ اگر میں آپ کا یہ دعویٰ مان لوں تو پھر میں کانگریس کا یہ دعویٰ کیسے رد کر دوں کہ پنجاب اور بنگال کی ہندو اقلیت کو بھی تقسیم کا حق ہے۔‘‘

ہم ان نکات پر دلائل کا الٹ پھیر کرتے رہے۔ مسٹر جناح اس نکتے پر زور دیتے تھے کہ میں ان کے پاکستان کو ’’قابلِ عمل‘‘ بناؤں۔ میں نے پولینڈ کی تقسیم کا حوالہ دیا۔ جہاں اس کی بنیادی سروں کی بنیاد یا عوام کی مرضی کے اصولوں کے مطابق نہیں کی گئی تھی۔

میں نے اسے صاف کہہ دیا کہ میں اس بنیاد پر آگے

بڑھنے کو تیار نہیں ہوں، اور یہ کہ مجھے ایسا راستہ اختیار کرنا چاہیے جو عمومی طور پر قابل قبول ہو، اور جہاں تک کہ میکانکی طور پر اس بارے میں عوام کی مرضی و منشا کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے میں صوبوں کو یہ حق تفویض کرنے والا ہوں کہ وہ فیصلہ کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ کس گروپ میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ میں فرض کرتا ہوں کہ سندھ، سرحد اور پنجاب کا ایک ایک گروپ بنے گا۔ اس طرح بنگال کا ایک حصہ دوسرا گروپ، جو مل کر پاکستان کی شکل اختیار کریں گے۔ باقی ماندہ صوبے، میں سمجھتا ہوں ہندوستان میں شامل ہونا چاہیں گے۔

میں نے کہا کہ پاکستان اور ہندوستان الگ الگ دستور ساز اسمبلیاں قائم کریں گے، اور ریاستوں کو موقع دیا جائے گا کہ وہ دونوں میں سے جس اسمبلی میں شامل ہونا چاہیں، اس کا فیصلہ خود کریں یا الگ سے معاملات طے کریں۔ یہ کیسے کہا جائے اس پر ابھی مزید غور کی ضرورت ہے۔

مسٹر جناح اس گفتگو کے دوران زیادہ سے زیادہ پریشان ہوتے گئے، اور گفتگو جو رخ اختیار کرتی جا رہی تھی، اس کے ناخوشگوار اثرات ان پر ظاہر ہوتے جا رہے تھے یہ کہ کانگریس ان کے رستے میں کانٹے بچھا رہی ہے، اور دھمکی دی ہے کہ آسام کی تقسیم کا مطالبہ کر دیں گے۔ میں نے جواب دیا کہ میں یقیناً انہیں وہی حق دیتا ہوں جو کانگریس کے ہیں، اور اگر وہ آسام کے مسلم اکثریتی علاقے کو بنگال کے ساتھ ملانا چاہتے ہیں تو اس کے بارے میں اپنی تجاویز مجھے بھجوائے۔

میں اس نقطہ پر زور دیتا رہا کہ یہ اسکیم ابھی سوچ بچار کے مراحل میں ہے۔ جب تک اس پر عملدرآمد کے طریق کار کی تفصیلات سامنے نہ آئیں، اس وقت تک یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قابل عمل ہے یا نہیں، اور یہ کہ اس پر عملدرآمد میں کس قدر وقت صرف ہوگا۔

چونکہ اس نے کھل کر بتایا کہ میری بیان کردہ سکیم کسی طرح بھی اس کی خواہش کے مطابق نہیں ہے۔ اس لیے اس نے اس پر عملدرآمد کے بارے میں کچھ کہنے سے صاف انکار کر دیا۔ لارڈ اسمے نے یہ ذمہ داری لی کہ وہ اس کی تفصیلات تیار کر کے مسٹر جناح کو ان کی رائے کے لیے بھجوا دیں گے۔

میں نے کہا کہ اگر یہ بات سامنے آئی کہ سکیم پر جون 1948ء تک مکمل عملدرآمد نہ ہو سکے گا تو پھر ہم ایک ایسی تجویز شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔ جس کے مطابق ہمارے جانے کے بعد اسکیم پر عملدرآمد کے لیے ہندوستانی آپس میں مذاکرات جاری رکھ سکیں گے۔ اس کے بعد ہم نے میری تیار کردہ حکومت برطانیہ کو پیش کی جانے والی تجاویز کی متابعت پر گفتگو کی۔ جناح نے اس بات پر زور دیا کہ مجھے کسی کو خط نہیں لکھنے چاہئیں، اور ہم اس پر متفق ہو گئے کہ میں یہ تجاویز وزیراعظم کو بھجوا دوں، اور اس کے بعد میں مجوزہ فیصلے سے ہندوستانی لیڈروں کو آگاہ کروں۔

مسٹر جناح نے کہا کہ پہلے ان کا خیال اپنی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلانے کا تھا، مگر اب فی الحال انہوں نے یہ ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔ اس نے بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے بارے میں کانگریس کی تجاویز دیکھنے کی خواہش کی تا کہ وہ ان کے مطالبے کے بعد جوابی تجاویز پیش کر سکے۔

میں نے فیصلہ کیا کہ میں پنڈت نہرو سے ملاقات کرنے بنگال اور پنجاب کی تقسیم کی تفصیلات کے بارے میں ان سے مذاکرات کروں گا۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ میں پنڈت نہرو کو مشورہ دوں گا کہ وہ دستور ساز اسمبلی کا 28 اپریل کو اجلاس نہ بلائے، بلکہ اسے فیصلے کے اعلان کے بعد تک ملتوی کر دے۔

لارڈ اسمے نے فرقہ وارانہ کشیدگی کم کرنے اور فسادات روکنے کے لیے مشترکہ اعلان کا مسودہ پیش کیا۔ مسٹر جناح اس کی عبارت پر مزید غور کرنے کے لیے ساتھ لے گئے۔ یہ طے

پایا کہ سرمیویل مسودے کو آخری شکل دینے کے لیے ان سے ملے اور پھر یہ مسودہ پنڈت نہرو کو پیش کیا جائے۔

آخر میں یہ بات ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ گفتگو کے دوران مسٹر جناح کی تلخ شکایات پر میں پنجاب اور بنگال کی تقسیم سے اور کلکتے کو علیحدہ کر کے اقتصادی طور پر پاکستان کے لیے ایک پاؤں پر کھڑا رہنا ناممکن نہیں تو محال ضرور بنا رہا ہوں۔ میں نے موقع پا کر اسے کیبنٹ مشن پلان پر واپس لانا چاہا۔ میں نے کہا کہ میں اس سے متفق ہوں کہ جو لولا لنگڑا پاکستان اسے پیش کرنے پر مجبور ہوں، وہ تقریباً ناقابلِ عمل ہے اور میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ وہ کیبنٹ مشن پلان کیوں قبول نہیں کر لیتا، جس سے اسے پورا پنجاب، پورا بنگال، بشمول کلکتہ، پورا سندھ ملے گا۔ مکمل خودمختاری کے ساتھ جو درحقیقت ایک قابل عمل اور قابلِ قدر پاکستان ہوگا۔ میں نے اسے بتایا کہ میرے خیال میں میری پیش کردہ سکیم اور جو پاکستان وہ کیبنٹ مشن پلان کے تحت حاصل کرے گا، اس میں صرف یہی فرق ہے کہ اس صورت میں اسے کمزور سا مرکز قبول کرنا پڑے گا، جو دفاع، مواصلات اور امورِ خارجہ کو کنٹرول کرے گا۔ میں نے مزید کہا کہ یہ تینوں شعبے عمومی دفاع کی ذیل میں آتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کی شکل میں اسے عمومی دفاع کے ضمن میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرنا پڑے گا۔ میں نے درحقیقت یہ پیش گوئی کی کہ وہ ایک زندہ چیز کو پھینک کر سائے کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ اسے ایک ادھورا اور نامکمل پاکستان مل رہا ہے، جسے عمومی دفاع کے اہتمام کے لیے مرکز میں کسی طرح کی تنظیم میں شامل ہونا پڑے گا، جبکہ اگر وہ کیبنٹ مشن پلان کو دوبارہ قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے تو اسے وہ تمام مل جاتا ہے۔ جس کی وہ خواہش رکھتا ہے اور مرکز کا کوئی اہم اختیار بھی نہیں ہوگا۔ اس سے زیادہ جو اسے ادھوری سکیم کی صورت میں قبول کرنا پڑے گا۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ انڈیا کی ایک بڑی طاقت بننے کا امکان تباہ کر رہا ہے اور اسے ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے درجے کی طاقت بنا رہنا پڑے گا۔''

(وی، پی، مینن، ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا)

وائسرائے سے گفت وشنید

جب کانگریس اور حکومت کے درمیان اختلاف اس درجے تک پہنچتا تھا کہ گفت وشنید منقطع ہو جاتی تو ہندوؤں ہی میں سے ثالث پیدا ہو جاتے تھے، الٰہ آباد میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کے بعد یہی صورت ہوئی۔ اس اجلاس میں کانگریس نے جو ریزولیوشن منظور کیا تھا اس کا خلاصہ یہ تھا:

''اقلیتوں اور والیان ملک کے دعوے کانگریس کے مطالبہ قومی استقلال کی راہ میں حائل نہیں ہیں، اور حکومت برطانیہ غیر متعلق مسائل کی آڑ میں اپنا استعماری تسلط قائم رکھنے کی کوشش کر رہی ہے۔''

اس ریزولیوشن میں کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کے مطالبے کو سب پر مقدم رکھا گیا، اور اسی کو ہندوستان کے لیے دستور وضع کرنے کا جمہوری ذریعہ اور فرقہ وارانہ مسائل کے حل کا موزوں طریقہ قرار دیا گیا۔ گویا اب ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان گفت وشنید کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ اس موقع پر سیٹھ برلا نے وائسرائے کے پاس دوڑنا شروع کر دیا، مگر وائسرائے نے ان کی معروضات کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔

سر اسٹیفورڈ کرپس دسمبر 1939ء میں چین جا رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے ہندوستان پر بھی قیام کیا اور الٰہ آباد میں پنڈت جواہر لال نہرو کے مہمان ہوئے۔ قائداعظم سے ملنے کا بھی ان کو اشتیاق تھا۔ انہوں نے اخبارات کو ایک بیان دیا جس میں یہ خیال ظاہر کیا کہ جنگ کے بعد کس قسم کی کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی منعقد ہونی چاہئے اور کانگریس کو یہ امید افزا اطلاع دی کہ انگلستان میں اس تصور کے بہت موید ہیں کہ

جب دوسرے اقدام کی نوبت آئے تو ہندوستان کا دستور بڑی حد تک ہندوستانی خود ہی وضع کریں۔ کانگریس کے حلقوں میں اس پر اطمینان اور مسرت کا اظہار کیا گیا۔ سر اسٹیفورڈ کرپس ہندوؤں میں بہت مقبول ہو گئے۔

اس کے بعد ہی وائسرائے نے ناگپور اور بمبئی کا دورہ کیا۔ اوریینٹ کلب بمبئی میں 10 جنوری 1940ء کو انہوں نے تقریر فرمائی جس میں ہندوستان کی (ملکی) اتحاد پر زور دیا، اور آئندہ دستوری اسکیم میں والیان ملک کی شرکت پر اصرار کیا۔ بے شک اقلیتیں بھی ان کی توجہ سے محروم نہ رہیں اور اس موقع پر انہوں نے یہ فرمایا:

''ملک معظم کی گورنمنٹ کو اس کی بڑی فکر ہے کہ پست اقوام کے ساتھ بھی انصاف ہو۔''

ہندوستان کے نصب العین کے متعلق انہوں نے یہ اعلان کیا:

''حکومت برطانیہ کے پیش نظر ویسٹ منسٹر کے آئین کے مطابق ڈومینین اسٹیٹس ہے اور وہ اس قدر جلد کہ موجودہ حالت اور اس کے حصول کے درمیان جتنا کم وقفہ ہو بہتر ہے۔''

اس تقریر میں انہوں نے پھر ہندوستانی لیڈروں سے اپیل کی کہ جلد سے جلد مجتمع ہو کر باہم تصفیہ کریں۔

واپسی سے قبل وائسرائے بمبئی میں قائداعظم سے ملے۔ قائداعظم نے ان سے وہ شرائط بیان کیں جو انہوں نے 1939ء میں کانگریس کے لیڈروں کو پیش کی تھیں، اور جن کا مقصد یہ تھا کہ جنگ ختم ہونے تک کے لیے سمجھوتہ ہو جائے۔ یہ کل پانچ تجویزیں تھیں۔

1. صوبوں میں مخلوط وزارتیں
2. کوئی ایسا قانون جس سے مسلمان متاثر ہوں اور ایوان ادنیٰ کے مسلمان ارکان کی مجموعی تعداد کا دو تہائی عنصر اس کی مخالفت کرے وہ نافذ نہ کیا جائے۔
3. کانگریس کا جھنڈا (پبلک) سرکاری اداروں پر نصب نہ کیا جائے۔
4. بندے ماترم کے ترانے کے متعلق کوئی سمجھوتہ ہو۔
5. کانگریس مسلم لیگ کے خلاف تباہ کن کارروائیاں ترک کرے۔

قائداعظم نے وائسرائے کو بتایا کہ انہوں نے کانگریس کے لیڈروں کو بہت سمجھایا کہ صوبوں میں سمجھوتے کی شرط کے ساتھ وہ وائسرائے کی پیش کش توسیع مجلس عاملہ (ایگزیکٹو کونسل) قبول کر لیں، لیکن انہوں نے اس تجویز کی طرف دیکھنا تک گوارہ نہ کیا۔ قائداعظم اس سے مایوسی کا اظہار کرتے رہے کہ ہندوستان میں مغربی اور خصوصاً برطانوی طرز کے جمہوری اور پارلیمنٹری ادارے کبھی کامیاب ہو سکیں گے۔ انہوں نے اس پر اصرار کیا کہ وزارت میں اجتماعی ذمہ داری کا طریقہ ترک کیا جائے۔

وائسرائے بمبئی میں بھولا بھائی ڈیسائی سے بھی ملے جو اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے لیڈر تھے، مگر انہوں نے کانگریس کی طرف سے گفتگو نہیں کی۔ وہ صرف ذاتی خیالات ظاہر کرتے رہے۔ ان کے خیال میں سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ کسی طرح صوبوں میں کانگریس کی وزارتیں قائم ہو جائیں۔

مسٹر گاندھی کو اس پر بڑی تشویش تھی کہ وائسرائے کانگریس کی طرف سے لاپرواہ ہو گئے۔ وہ حکومت سے قطعی ٹوٹ پھوٹ ہرگز نہیں چاہتے تھے۔ وائسرائے کا بیان انہوں نے پڑھا۔ اس میں سمجھوتے کے جراثیم ان کو نظر آئے اور انہوں نے وائسرائے کو خط لکھا:

''میں نے آپ کی بمبئی کی تقریر پڑھی اور مکرر پڑھی۔ مجھ کو وہ پسند ہے، مگر یہ خط میں آپ کو اس لیے لکھ رہا

ہوں کہ اپنی دشواریاں آپ کے سامنے پیش کردوں۔ ڈومینین سٹیٹس ویسٹ منسٹر کے آئین کی شرائط کے مطابق اور انڈیپنڈنس مترادف اصطلاحات سمجھی جاتی ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر آپ وہی اصطلاح کیوں نہ اختیار کریں جو ہندوستان کے لیے موزوں ہے؟ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جس طریقے پر آپ اقلیتوں کے مسئلے میں عمل کرتے ہیں اس کی آپ کے پاس معقول وجوہ ہوں گی، لیکن اس مسئلے کے مضمرات کے متعلق، جن کا آپ ذکر فرماتے ہیں، مجھ کو اہم شبہات ہیں۔ پست اقوام کا جو آپ نے ذکر فرمایا، یہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا۔ اگر آپ میری ان مشکلات کے متعلق گفتگو کے لیے مجھ سے ملنا چاہیں تو آپ بس تار دے دیں یا خط لکھ دیں۔''

مسٹر گاندھی سے پہلے وائسرائے نے سرسکندر حیات خان وزیر اعلیٰ پنجاب اور مولوی فضل الحق وزیر اعلیٰ بنگال سے ملاقات کی۔ وائسرائے نے قائداعظم اور بھولا بھائی ڈیسائی کے خیالات سے ان دونوں کو آگاہ کیا۔ انہوں نے ہندو مسلم مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر اپنی ذاتی رائے ظاہر کی۔ ایک ملاقات ایسی بھی ہوئی جس میں سرسکندر حیات اور فضل الحق صاحب ایک ساتھ شریک تھے۔

(پاکستان ناگزیر تھا، از سید ریاض حسن، مطبوعہ کراچی یونیورسٹی)

وائسرائے کانفرنس پیپرز

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 316 کا متن۔

وائسرائے کے کانفرنس پیپرز وی، سی، پی نمبر 92

خفیہ

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

24 جون 1947ء

پنجاب میں غیر جانبدار خطے کا قیام

منسلکہ نوٹ کانفرنس میں زیر غور آئے گا۔

وی ایف کردم

کانفرنس سیکرٹری

❶ ''درج ذیل گورنر پنجاب کی ٹیلی گرام سے اقتباس ہے، جو اس کے مسودہ بل پر تبصرے پر مشتمل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حد بندی کا تعین مقررہ دن سے پہلے یا بعد ہو، لہٰذا جب تک حد بندی متعین نہیں ہوتی، موجودہ حدوں کا نفاذ رہے گا۔ جب تک نئی حد بندی نہیں ہوتی مسئلہ یقینی طور پر اور ہندو اغلباً خصوصی کمیشن کی نگرانی میں غیر جانبدار علاقے کے قیام کا مطالبہ کریں گے، جو عارضی طور پر کسی مملکت کا حصہ نہ ہو۔ اس قسم کے غیر جانبدار زون کے قیام سے بہت سی پیچیدگیاں تو پیدا ہوں گی مگر مطالبہ بہت سخت ہوگا، اور جب تک حکومت برطانیہ اس کی مخالفت میں سخت مؤقف اختیار کرنے پر تیار نہ ہو، اس وقت تک بل میں اس قسم کی گنجائش رکھی جانی چاہیے بلا شک اس نقطے پر پہلے ہی غور کیا جا چکا ہے۔''

❷ پرنسپل سیکرٹری کو وائسرائے کی طرف سے مندرجہ بالا اقتباس کے سامنے یہ ریمارکس درج کیے گئے:

''میری رائے میں غیر جانبدار زون قابلِ عمل نہیں۔ مسلمان اسے قبول نہیں کریں گے اور اسے کنٹرول کرنے کے لیے غیر جانبدار اتھارٹی نہیں ہوگی۔''

❸ مسٹر سندرم نے لکھا:

''راؤ بہادر مینن اس سے متفق ہے کہ غیر جانبدار خطے کے قیام کی تجویز قابل عمل نہیں، تاہم وہ محسوس کرتے ہیں کہ تجویز کو رد کرنے سے پہلے سٹاف میٹنگ میں زیر بحث کرنی چاہیے۔''

نوٹ: یہ تجویز 20 جون کی سٹاف میٹنگ میں زیر بحث آئی،

جس پر وائسرائے نے کہا کہ بٹوارہ کونسل کی میٹنگ میں اس سوال کو پیش کیا جائے گا جو اگلے روز ہونے والی تھی۔ اس کے بعد اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔

(وی، پی، مینن، ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا)

وائسرائے کانفرنس پیپرز 49

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 463 کا متن۔

وائسرائے کانفرنس پیپرز، 49

(اقتباس) مسودہ اعلان پر مسلم لیگ کا تبصرہ

انتہائی خفیہ

17 مئی 1947ء

نوٹ: منسلکہ ہٰذا مسودہ اعلان پر جناح کا تبصرہ ہے جو 17 مئی 1947ء کو علی الصبح موصول ہوا۔

وی ایف او سکائن کروم

کانفرنس سیکرٹری

''آپ نے جو مسودہ اعلان کی کاپی مجھے بھجوائی تھی، اچھی طرح دیکھ لی ہے، جیسا کہ آپ جلدی کے لیے کہہ رہے ہیں اور اتوار کی صبح لندن روانہ ہو رہے ہیں۔ اس لیے انتہائی عجلت میں مجھے اس کا جائزہ لینا پڑا، اور اس دباؤ کے تحت میں نے اپنی تجاویز مرتب کی ہیں۔''

I- تعارف

❶ پیراگراف نمبر 1 کے بارے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ مسلم لیگ کا قطعی فیصلہ ہے کہ اسے کیبنٹ مشن پلان منظور نہیں۔

❷ پیراگراف نمبر 2 کے مندرجات جہاں تک مجھے یقین ہے درست ہیں، مگر پیراگراف نمبر 1 کے بارے میں ہماری رائے کی بنا پر یہ غیر متعلق ہے۔

❸ پیراگراف نمبر 3 جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ ایسا کوئی سمجھوتہ نہیں اور حکومت برطانیہ بطور اپنے نمائندے آپ کے ذریعے 20 جنوری 1947ء کے وائٹ پیپر کی روشنی میں انتقال اقتدار کی کارروائی کر رہی ہے۔ جہاں تک اس بیان ''بیان میں کوئی ایسی بات نہیں جو مختلف فرقوں کو متحدہ ہندوستان کے قیام کے لیے مذاکرات میں حائل ہو'' کا تعلق ہے تو مسلم لیگ پہلے ہی فیصلہ کر چکی ہے کہ ہندوستان کی تقسیم لازمی طور پر ہونی چاہیے اور پاکستان قائم کیا جائے۔

II- فیصلہ طلب امور

❹ میں اس بات سے متفق نہیں ہو سکتا کہ موجودہ دستور ساز اسمبلی کو قائم رکھا جائے کیونکہ میری رائے میں تو یہ اپنی حیثیت کھو چکی ہے، مگر اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ دو الگ الگ دستور ساز اسمبلیاں قائم کی جائیں۔ ایک پاکستان کے لیے اور دوسری ہندوستان کے لیے، اور تمام اختیارات پاکستانی اور ہندوستانی دستور ساز اسمبلیوں کو منتقل کر دیے جائیں۔

III- بنگال اور پنجاب

❺ مسلم لیگ بنگال اور پنجاب کی تقسیم پر راضی نہیں ہو سکتی۔ تاریخی، اقتصادی، جغرافیائی یا اخلاقی طور پر اس کا کوئی جواز نہیں، لگ بھگ ایک صدی میں صوبوں نے اپنی انتظامی، اقتصادی اور سیاسی زندگی کا ڈھانچہ تشکیل دیا ہے، اور بٹوارے کے لیے صرف یہ بنیاد فراہم کی جا رہی ہے کہ وہ علاقے جہاں ہندو اور سکھ اکثریت میں ہیں، انہیں ان صوبوں کے باقی حصوں سے الگ کر دیا جائے کیونکہ اعلیٰ ذات کے ہندو اور سکھ ایسی حکومت کے تحت نہیں رہنا چاہتے، جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہو۔

مسلمان اور دوسرے بھی اس دلیل کو آگے بڑھا سکتے ہیں کہ وہ بھی ایسی حکومت کے تحت نہیں رہ سکتے جس میں اعلیٰ ذات کے ہندو اکثریت میں ہوں، اور اس لیے ان صوبوں کی تقسیم کردی جائے۔ یہ امر غور طلب ہے کہ تقریباً اڑھائی کروڑ مسلمانوں اور لاکھوں دوسرے فرقوں مثلاً شودروں، عیسائیوں، آدی باسیوں اور قبائلیوں کو ہندوستان میں ہندو حکومت کے تحت زندگی گزارنا پڑے گی۔ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کی بنیاد کلی طور پر مختلف ہے، اور میں اپنے 30 اپریل کے بیان کی کاپی پہلے ہی آپ کو اور وزیراعظم برطانیہ کو بھیج چکا ہوں، اس لیے مسلم لیگ بنگال اور پنجاب کی تقسیم پر رضامندی کا اظہار نہیں کرسکتی اور میں امید کرتا ہوں کہ حکومت برطانیہ جب اس مطالبے کا بغور جائزہ لے گی تو اسے قبول نہیں کرے گی، اور یہ کہ آپ اور حکومت برطانیہ دونوں انصاف اور غیر جانبداری کے اصولوں کے پیش نظر اس غوغا آرائی کے سامنے نہیں جھکیں گے، کیونکہ ایسا کرنا آئندہ کے لیے تباہ کن، مصیبتوں کا بیج بونے کے مترادف ہوگا، جس کے نتائج ان دونوں صوبوں اور اس میں بسنے والوں کی زندگی کے لیے المناک اور تباہ کن ہوں گے۔

اس ضمن میں آپ کی پوری توجہ اس امر کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں، اور آپ پر زور دیتا ہوں کہ تقسیم کا فیصلہ کرتے وقت کلکتہ مشرقی بنگال سے الگ نہ کیا جائے۔ یہ بنگال کا دل ہے، اور بنگال کی ساری معاشی ترقی اس کی ساری نشوونما اس کے گرد ہوتی ہے، اور سالوں تک یہ شہر دلی سے پہلے ہندوستان کا دارالحکومت رہ چکا ہے۔ صرف اعلیٰ ذات کے ہنوؤں کا گروہ بنگال کی تقسیم کے لیے شور مچا رہا ہے کیونکہ مغربی بنگال میں مسلمان 34 فیصد ہیں، اور باقی 66 فیصد میں سے 63 فیصد شودر یا نچلی ذات کے ہندو ہیں، اور اعلیٰ ذات کے ہندو جو تقسیم کا شور مچا رہے ہیں، محض اس کا 37 فیصد ہیں، جو پوری آبادی کا 1/3 حصہ بھی نہیں بنتا۔ میرے لیے یقین کرنے کی ہر وجہ موجود ہے، جو نچلی ذات کے ہندو تقسیم نہیں چاہتے کیونکہ وہ بجا طور پر کہتے ہیں کہ اس طرح وہ دو حصوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک حصہ مغربی بنگال میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے رحم و کرم پر ہوگا، اور دوسرا مشرقی بنگال میں مسلمانوں کے۔ وہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے تسلط سے خوف زدہ ہیں اور یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ ہندوؤں کے ہاتھوں جس اقتصادی اور جبر کا شکار رہے ہیں دنیا میں اس کی مثال نہیں، لیکن اگر بدقسمتی سے تقسیم کا فیصلہ کرلیا جاتا ہے، اور مشرقی بنگال سے محروم کردیا جاتا ہے جس کی موجودہ پوزیشن اس کی مرہون منت ہے تو کسی حالت میں بھی اسے مغربی بنگال کو نہیں دیا جانا چاہیے کیونکہ اس صورت میں مغربی بنگال ہندوستان کو ملے گا، اور اس کے ساتھ میں حکومت برطانیہ ایک بڑی بندرگاہ کا تحفہ بھی ہندوستان کو پیش کررہی ہوگی۔ کسی بھی حال میں بلکہ بد سے بدترین حالات میں بھی کلکتہ کو آزاد بندرگاہ بنایا جائے۔

(پیرا 7,6 اور 8) یہ پیرے اس طریق کار سے متعلق ہیں کہ بٹوارے کا فیصلہ ہوجاتا ہے، اور ان صوبوں کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے، جو طریق کار واضح کیا گیا ہے، میں اسے اطمینان بخش قرار نہیں دے سکتا۔ آپ نے ایک رہنما اصول جو تسلیم کیا ہے وہ یہ ہے کہ جو حصہ الگ ہونا چاہتا ہے، اس میں بسنے والوں کی مرضی کے بارے میں یقین حاصل کیا جائے، اور انہیں اپنا فیصلہ دینے کا پورا موقع فراہم کیا جائے، تاکہ وہ آزادانہ اور منصفانہ طریقے سے رائے کا اظہار کرسکیں، اور یہ اطمینان بخش طریقے سے استصواب یا ریفرنڈم کی صورت میں ہوسکتا ہے۔ جو بلاشبہ 1941ء کی مردم شماری کی بنیاد پر کرایا جائے گا۔ میں یہ جذبات سامنے لانا چاہتا ہوں کہ کمیونل ایوارڈ میں المناک حالات میں طے پانے والے پونا پیکٹ کے تحت جس میں ترمیم کی گئی۔ شودروں کو انتخابی ادارے میں مکمل طور

پر اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ اس کے باوجود یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ شودر سماجی اور اقتصادی طور پر اس قدر کمزور ہیں کہ موجودہ انتخابی ادارے میں بھی ان کی تعداد ان کی آبادی کی اصل مقدار کو ظاہر نہیں کرتی۔ مفلسی اور جہالت کے بوجھ تلے دبے یہ لوگ رائے دہندگی کے موجودہ ضوابط کے تحت انتخابی فہرستوں میں جگہ نہیں پا سکتے۔ اس لیے شودروں اور نچلی ذات کے ہندوؤں کی واضح رائے لیے بغیر مغربی بنگال کی مشرقی بنگال سے علیٰحدگی کا فیصلہ بہت دوررس خطرات کا حامل ہوگا۔

⑨ پیراگراف نمبر 9 کے معاملے میں اور پیراگراف نمبر 5 کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے، پنجاب اور بنگال کے صوبے ضمیمے میں درج انتخابی اضلاع کے مطابق تقسیم کیے جائیں گے اور پیراگراف نمبر 9 بتاتا ہے۔ ''تقسیم کا مسئلہ طے کرنے کے لیے بنگال اور پنجاب کی تقسیم انتظامی اضلاع کے مطابق ہوگی جیسا کہ وہ منسلکہ ضمیمے میں درج ہے۔'' مسودہ اعلان کے ساتھ یہ ضمیمے فراہم نہیں کیے گئے۔ یہ صورت اطمینان بخش نہیں، اس سے لوگوں میں غلط تاثر پھیلے گا، تاہم آگے چل کر پیراگراف نمبر 9 بتاتا ہے۔ ان صوبوں کی قطعی حد بندی کے لیے زیادہ تفصیلی تحقیق و تفتیش کی ضرورت ہوگی، اور جونہی ان کی تقسیم کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ ایک باؤنڈری کمیشن ہر صوبے کے لیے قائم کیا جائے گا، جس کی رکنیت اور شرائط عمل کے بارے میں متعلقہ فریقوں سے مشورہ طے کیا جائے گا۔ جب تک باؤنڈری کمیشن کی رپورٹ مؤثر نہیں ہو جاتی، ضمیمے میں ظاہر کی جانے والی عارضی حد بندی سے کام چلایا جائے گا۔''

میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں نے مذکورہ ضمیمہ نہیں دیکھا، لیکن اگر مقصد مسلم اکثریتی اور غیر مسلم اکثریتی ملحقہ علاقوں کا تعین ہے، تو میں اس بات کے اندراج پر زور دوں گا کہ باؤنڈری کمیشن کو ہدایت کی جائے وہ پنجاب کے دونوں حصوں کی حد بندی میں مسلم اکثریتی اور غیر مسلم ملحقہ علاقوں کا تعین حلقہ گرداوری کو مدنظر رکھتے ہوئے کرے، اور یہی انتظامات بنگال کے معاملے میں بھی کیے جائیں۔

V- صوبہ سرحد

پیراگراف نمبر 11 کے متعلق یہ ہے کہ میں اس سے متفق نہیں ہو سکتا کہ صوبائی حکومت سے کسی قسم کا مشورہ کیا جانا چاہیے۔ علاوہ ازیں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ ریفرنڈم کے نتیجے میں صوبائی حکومت اور صوبے کی موجودہ وزارت کی کیا پوزیشن ہوگی، اگر ریفرنڈم کا نتیجہ یہ ہو کہ صوبہ سرحد پاکستان دستور ساز اسمبلی میں شامل ہو کیونکہ اس فیصلے کے بعد موجودہ وزارت کو حکومت چلانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

(وی، پی، مینن، ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا)

وائسرائے کی سٹاف میٹنگ

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 456 کا متن۔

وائسرائے کی 37 ویں سٹاف میٹنگ کی روداد

(اقتباس)

انتہائی خفیہ

مورخہ 16 مئی 1947ء

بوقت: 10 بجے صبح

مقام: وائسرائے ہاؤس نئی دہلی۔

شرکاء: وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن۔ سر ایرک میویل، کیپٹن بروکمین، مسٹر آئی ڈی سکاٹ راؤ بہادر وی پی مینن، مسٹر کیمبل جانسن، کیبنٹ کرنل ارسکائن کروم۔

سمجھوتے کے عنوانات

کارروائی کے ساتھ منسلک پیپر سمجھوتے کے عنوانات کا مسودہ ہے جو مسٹر راؤ بہادر وی پی مینن نے تیار کیا ہے، اور جس پر تمام سیاسی رہنماؤں کے دستخط کیے جاتے ہیں۔

وائسرائے نے بتایا کہ گزشتہ روز کی ملاقات میں مسٹر جناح اور مسٹر لیاقت علی خان نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ منصوبے کی تائید کرنے پر تیار ہیں، مگر تحریری طور پر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ پنڈت نہرو نے ان کی توجہ اس حقیقت کی طرف دلائی ہے کہ مسٹر جناح کی کامیابی کا راز ہی ''میں نہ مانوں'' میں ہے۔

کانگریسی رہنماؤں نے کہا ہے کہ وہ آخری فیصلے تک پہنچنے کے لیے ڈھیر ساری رعایتیں دے رہے ہیں۔ وائسرائے نے کہا کہ مسئلے کا نچوڑ یہ ہے کہ مسٹر جناح جو خط لکھ رہے ہیں وہ کیسا ہو۔ اس کے بعد انہوں نے خط کا ڈرافٹ لکھ دیا جیسا کہ مسٹر جناح کو بھیجنا چاہیے۔

راؤ بہادر مینن نے بتایا کہ وہ اس صبح پنڈت نہرو اور سردار پٹیل سے ملے تھے، اور مہاراجہ پٹیالہ سردار پٹیل کے ساتھ دوپہر کے کھانے پر آنے والے تھے، پنڈت نہرو اور سردار پٹیل نے سمجھوتے کے عنوانات کی پوزیشن قبول کر لی ہے، لیکن انہوں نے کہہ دیا ہے کہ اگر مسلم لیگ نے پلان رد کر دیا یا اسے عبوری طور پر منظور کیا تو سخت شکل پیش آئے گی، انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ یہ مسلم لیگ کا آخری علاقائی مطالبہ ہونا چاہیے اگر مسٹر جناح اسے منظور کر لیں اور اس کے نفاذ میں تعاون کریں تو یہ کانگریس کے اطمینان کے لیے کافی ہوگا۔ وائسرائے نے کہا کہ انہوں نے پہلے ہی مسٹر جناح کو محتاط انداز سے دھمکی دی ہے کہ وہ ان کی ضروری کارروائیاں مکمل کرنے تک اقتدار عبوری حکومت کو منتقل کر دیا جائے، اور یہ انتقالِ اقتدار ڈومینین سٹیٹس کی بنیاد پر ہوگا۔ مسٹر جناح اس پر پرسکون رہے اور انہوں نے کہا کہ وہ ایسے اقدام کو نہیں روک سکیں گے۔ وائسرائے نے کہا کہ مسٹر جناح کا یہ خلافِ عادت ردِعمل جو جناح کی خصوصیت ہے، بڑا پریشان کن ہے۔ اگر مسٹر جناح یہ دیکھیں کہ ان کے ساتھ بدعہدی کی گئی ہے تو وہ تاریخ میں ایسے شہید کے طور پر جگہ بنانا پسند کریں گے جسے انگریزوں نے کانگریس کی قربان گاہ پر بلی چڑھا دیا، وائسرائے نے کہا کہ وہ مسٹر جناح سے آخری فیصلہ سننے کی کوشش ہندوستانی لیڈروں سے مذاکرات کے پہلے دن کے بعد میں کریں گے۔

(دیکھئے: خط کا ڈرافٹ)

وزیر ہند بنام وائسرائے:

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 144 کا متن۔

وزیر ہند ارل آف لسٹوول بنام وائسرائے لارڈ

مائونٹ بیٹن

(ٹیلی گرام)

اہم
نمبر 9156۔ بحوالہ آپ کی ٹیلی گرام نمبر 1979 ایس
بتاریخ 5 جولائی 1947ء
انڈیا آفس
16 جولائی 1947ء

ذیل میں مسٹر ہنڈرسن کی تقریر کا متعلقہ حصہ بھیج رہا ہوں، جو اس سے بعض اہم پہلوؤں سے مختلف ہے، جو جناح اور لیاقت نے پیش کیا۔ دوسرے عوامل کی گنجائش اس لیے فراہم کی گئی ہے تاکہ کمشن پنجاب میں سکھ فرقے کی خصوصی پوزیشن اور حالات کو سامنے رکھ سکے۔ جس میں ان کے مقدس مقامات

کے محل و وقوع کو ممکنہ حد تک مدِ نظر رکھا جا سکے، تاہم میں کمیٹی کے سامنے اس امر پر زور دوں گا کہ ''دوسرے عوامل'' کی تشریح و تاویل کا انحصار کمشن پر ہے کہ وہ کسے کتنی اہمیت دینے پر تیار ہوتا ہے۔''

(دیکھئے: وائسرائے بنام وزیر ہند II)

وائسرائے، وزیر ہند اور ملت اسلامیہ

یہ جون 1946ء کا زمانہ تھا، کابینہ وفد واپس چلا گیا تھا، کانگریس نے اس کی سفارشات کو قبول بھی کیا اور مسترد بھی کر دیا، مسلم لیگ نے بادل نخواستہ محض اتحاد اور آشتی کی خاطر یہ تجاویز مان لی تھیں، اور اب تو وہ اپنے مسلک پر قائم تھی۔

حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا کہ ملک کی جو پارٹیاں ان تجاویز کو مان لیں گی، انہیں تشکیل حکومت کا موقع دیا جائے گا۔ اگر کانگریس نہ شریک ہوئی تو بھی، لیکن ہوا یہ کہ ایٹلی کی ہدایت کے مطابق لارڈ ویول وائسرائے ہند نے کانگریس کے ترک تعاون سے خوف زدہ ہو کر مسلم لیگ کو بھی جو کانگریس کے بعد سب سے بڑی پارٹی تھی۔ تشکیل وزارت کا موقع نہیں دیا۔

یہ حالات تھے جب قیصر باغ میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا اور قائداعظم محمد علی جناح نے 27 جون 1946ء کو اپنے خطاب میں فرمایا:

''تین ماہ کی گفت و شنید اور برطانوی مشن کے ہندوستان سے جانے کے بعد جو کچھ ہوا اس کی بناء پر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلم لیگ کے لیے طاقت پر بھروسہ رکھنے، اور اپنے نصب العین پاکستان پر جمے رہنے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ برطانیہ کے وعدوں پر کبھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ دس دن کے اندر ہی حکومت برطانیہ کے نمائندے اپنے وعدے سے منحرف ہو گئے۔ وزارتی مشن نے کانگریس دیوی کو منانے کے لیے بہت کوشش کی، اور اُنہوں نے عارضی حکومت کی تشکیل ملتوی کر دی۔ مشن نے اعلان کر دیا ہے کہ کانگریس نے طویل مدت کی تجویزیں منظور کر لی ہیں، لیکن درحقیقت اُسے صحیح معنوں میں منظوری نہیں کہا جا سکتا۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ اب مسلم لیگ کے لیے وہ وقت آ گیا ہے۔ جب کہ ہمارا نعرۂ تنظیم اتحاد اور اپنی قوم پر اعتماد ہونا چاہیے۔ اگر ہماری قوم میں کافی طاقت نہیں ہے تو ہمیں طاقت پیدا کرنی ہو گی۔

مسلم لیگ نے ایماندارانہ اور منصفانہ کارروائی کے لیے جتنی کوششیں کیں وہ سب بیکار ثابت ہوئیں، اور ہندوستان کی آزادی کے لیے جتنی بھی سعیٔ مفاہمت کی وہ سب بے اثر رہی۔

مسلم لیگ نے التجائیں اور استدعائیں کیں، مگر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وزارتی مشن کانگریس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا رہا ہے۔ وہ اپنا ہی کھیل کھیلتا رہا ہے۔

میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ کانگریس نے ہندوستان کے باشندوں کو جن میں اونچی ذات کے ہندو بہت بڑی اکثریت میں ہیں، حالیہ آئینی گفت و شنید کے دوران میں اپنی خفیف الحرکات اور کوتاہ اندیشانہ رویہ کی بدولت انتہائی زبردست نقصان پہنچایا کانگریس مسلمانوں کی مخالفت کے جذبات سے مغلوب ہو چکی ہے۔

کانگریس نے دہلی میں نوکر شاہی حکومت اور شخصی راج قائم کرا کر ملک کو چالیس برس پیچھے دھکیل دیا ہے۔

کانگریس کا یہ خیال ہے کہ وہ عارضی حکومت میں شامل ہو جائے گی، اور مسلم لیگ کو ایک طرف چھوڑ

دے گی۔ کانگریس بخوشی مرکزی حکومت میں جائے۔ ہم اس سے خائف نہیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ جب کانگریسی دستور ساز اسمبلی کو آزاد اور خود ساز اسمبلی کو جسے وائسرائے طلب کر رہے ہیں، اور جس کا تقرر حکومت برطانیہ نے کیا ہے، کیا پنڈت جواہر لال نہرو کے طفلانہ بیانات اور دلیرانہ الفاظ کے ذریعہ آزاد اور خودمختار جماعت میں نہیں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

وزارتی مشن کے بیان میں انیسواں پیراگراف جو صوبوں کی گروپ بندی اور دستور ساز اسمبلی کے طریقۂ کار کے متعلق اسلامی زاویہ نظر سے پوری اسکیم کا بہت ہی اہم ضروری حصہ ہے۔ اس رُو سے کسی صوبہ کو اس وقت تک اپنے مقررہ گروپ سے علیٰحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا، جب تک صوبوں اور ان کے گروپوں کے دساتیر مرتب اور نئے صوبائی دستور کے ماتحت عام انتخابات نہ ہو جائیں، لیکن پنڈت جواہر لال نہرو اپنے بیان کے مطابق اسکیم کے اس ضروری جزو کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صوبوں کو ابتدائی موقع ہی پر مقررہ گروپوں سے علیٰحدہ ہو جانے کا حق حاصل ہے۔ کانگریس کی اس پر غرور ہٹ دھرمی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اسے دستور ساز اسمبلی میں بہیمانہ غلبہ حاصل ہے، اور اسی بل بوتے پر اُسے اُمید ہے کہ وہ وزارتی مشن کی تجاویز کے ہر جزو جس طرح چاہے گی توڑ موڑ کر یا نظر انداز و مسترد کر کے اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کر سکے گی۔ کانگریسی لیڈروں کی موجودہ پالیسی کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم تجاویز کی کسی شرط کے پابند نہیں۔ ہم دستور ساز اسمبلی میں صرف اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے شریک ہو رہے ہیں، اور اپنی من مانی تاویلات کے مطابق جن سے ہم دُنیا کو روشناس کر چکے ہیں جو چاہیں گے کریں گے۔ یہی وہ صورت حال ہے جس کی بناء پر آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس طلب کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

وزیر ہند نے کہا ہے کہ ہندوستانی پارٹیوں کو منظور کردہ تجاویز کے دائرہ سے قدم بڑھانا چاہیے کیونکہ اس طرح دوسری جماعتوں کے ساتھ بے انصافی ہوگی، لیکن اس مخلصانہ مشورہ کے علاوہ وزیر ہند نے یہ نہیں بتایا ہے کہ اگر کانگریس نے اپنے بہیمانہ غلبہ کے بل پر شرائط کی خلاف ورزی کی، اور فیصلے کیے جو اسمبلی مذکور کے دائرہ عمل سے باہر ہیں تو حکومت اس کی روک تھام کے لیے کیا مؤثر تدابیر اختیار کرے گی۔ وزارتی مشن کے ارکان اچھی طرح جانتے ہیں کہ کانگریس وزارتی مشن کی تجاویز محض نام کے لیے اپنی من مانی تاویلات کی بنا پر منظور کی ہیں۔ میں نے اور نواب زادہ لیاقت علی خان نے اپنے بیانات میں اس حق کو بے نقاب کر دیا۔ پارلیمنٹ میں مباحثہ شروع ہونے سے پیشتر تمام تفصیلات حکومت کے علم میں تھیں، لیکن اس کے باوجود وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس اس مخلصانہ مشورہ کی حد سے آگے اپنے قدم نہیں بڑھاتے کہ ہندوستانی پارٹیاں تجاویز مشن کی منظور کردہ حد سے آگے قدم نہ بڑھائیں، کیا اس طرح صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ وزارتی مشن کے ارکان ہندوستان میں ساڑھے تین ماہ گزارنے کے بعد معاملہ فہمی کے اعتبار سے کورے رہے، نہ تو اب تک ان پر حقیقت منکشف ہوئی اور نہ اُنہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔

پنڈت جواہر لال نے 23 جولائی کو دہلی کے جلسہ عام میں کہا ہے کہ ہم دستور ساز اسمبلی سے اپنی مرضی کے مطابق کام نہ کر سکے تو اُسے ختم کر دیں گے، اور جب اخبارات نے یہ خیال ظاہر کیا کہ پنڈت جواہر لال نے بمبئی کے اجلاس میں ہنگامی جذبات سے مغلوب ہو کر دستور ساز اسمبلی اور وزارتی مشن کی تجاویز کے متعلق اس قسم کے خیالات ظاہر کر دیے ہیں تو پنڈت نہرو نے اس نقطۂ نظر کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے عمداً کہا ہے، اور میں اپنی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو اعادہ کر کے پھر کہتا ہوں کہ کانگریس اس پالیسی پر عمل کرے گی اور ضرورت ہوئی تو وہ دستور ساز اسمبلی کو موت کے گھاٹ اتار دے گی۔ وزیر ہند پیتھک لارنس اس عالم آب وگل میں نہیں بلکہ خوابوں کی دنیا میں بستے ہیں، اور کانگریس کے ان صاف وصریح عزائم کے باوجود سنہرا خواب دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان کی سیاسی پارٹیاں کسی فیصلہ کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔

ہم بحث وتمحیص کرتے وقت تھک گئے تھے۔ کسی سے اعانت کرنا بے سود ہے۔ دُنیا میں کوئی ایسی عدالت نہیں جس سے ہم استعانت کر سکیں، ہماری آخری عدالت ملت اسلامیہ ہے اور ہم اسی کے فیصلے کی پابندی کریں گے۔ (نعرہ ہائے تحسین)

مسلمانوں کا منہ دھونے کے لیے لارڈ پیتھک لارنس یا سر اسٹیفورڈ کرپس کا یہ زبان سے کہہ دینا کہ مسلم لیگ نے مذاکرات کے دوران میں فراخ حوصلگی و رواداری کا ثبوت پیش کیا، اور کانگریس اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہٹی۔ ہمارے لیے باعثِ طمانیت نہیں ہو سکتا۔ اگر وزارتی مشن کے طرزِ عمل میں جُرأت و تدبر کا شائبہ بھی ہوتا تو میں خندہ پیشانی سے اعتراف کرتا، لیکن اُنہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ اخلاق اور جرأت اور فہم و تدبر کے اعتبار سے دیوالیہ ہیں، اور کانگریس کی جانب سے بھی نہ تو نیک نیتی اور مفاہمت کا کوئی اشارہ ہے، اور نہ خواہش اشتراک کا۔

میں وزارتی مشن پر صاف الفاظ میں الزام لگاتا ہوں کہ اُس نے کانگریس کے ساتھ سازش کی اور وائسرائے کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر ان میں ہمت ہے تو اس واقعہ کی تردید کریں کہ 24 جون کو رات کے اجلاس میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے مشن کی طویل مدت والی تجاویز بھی مسترد کر دی، اور عارضی حکومت کی اسکیم بھی، کانگریس کے اس فیصلہ پر وزارتی مشن کے ارکان گھبرا گئے۔ 25 جون کو سر اسٹیفورڈ کرپس علی الصباح بھنگی کالونی میں پہنچے۔ مسٹر گاندھی کو سوتے سے جگایا اور انہیں بہت دیر تک سمجھاتے بجھاتے رہے کہ کانگریس مشن کی تجاویز کو مسترد نہ کر دے، لیکن مسٹر گاندھی کسی طرح رضامند نہ ہوئے اور واپس چلے گئے اور وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس کانگریس کے روئین تن لیڈر سردار پٹیل کی تلاش میں نکلے، اور انہیں گھیر گھار کر اپنی قیام گاہ پر لے آئے اور وہاں دونوں کے مابین یہ سازش ہوئی کہ کانگریس اپنا سابقہ فیصلہ واپس لے کر وزارتی مشن کی طویل مدت والی تجاویز کی منظوری کا اعلان کر دے، اور وزارتی مشن اس کے معاوضہ میں عارضی حکومت کی اسکیم کو ختم کر دے گا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ وزارتی مشن کے ارکان لندن واپس جا کر کہہ سکیں کہ دہلی میں ساڑھے

تین ماہ تک بھاڑ نہیں جھونکتے رہے بلکہ ہندوستان کی دونوں پارٹیوں سے اپنی تجاویز منظور کرالائے۔
میں اپنی ذمہ داریوں کو خوب اچھی طرح محسوس کرتے ہوئے پھر ایک مرتبہ کہتا ہوں کہ میں نے جس سازش کا انکشاف کیا ہے وہ واقعہ ہے۔ عین حقیقت ہے میں وائسرائے کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اس واقعہ کی تردید کریں اور اس کی تردید ان پر فرض ہے کیونکہ ایسا الزام نہیں ہے جسے نظر انداز کیا جائے بلکہ اس سے وزارتی مشن کے ارکان اور وائسرائے کی عزت پر حرف آتا ہے۔
ان تمام باتوں سے بلا شک و شبہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مسئلہ کا واحد حل پاکستان ہے، جب تک کانگریس اور مسٹر گاندھی ''اکھنڈ بھارت'' کی ترجمانی و نمائندگی کا خواب دیکھتے رہیں گے۔ جب تک کانگریس مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے کے لیے اپنے روپیہ سے چند بے غیرتوں اور بے شرموں کے ایمان خریدتی رہے گی۔ جب تک کانگریس اس حقیقت سے انکار کرتی رہے گی کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے، اس وقت تک آزادی کے سوال پر کسی تصفیہ یا مفاہمت کا امکان نہیں۔
کانگریس کا یہ دعویٰ کہ وہ پورے ہندوستان کی نمائندہ جماعت ہے بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ دستور ساز اسمبلی کی 79 مسلم نشستوں میں وہ صرف تین نشستیں حاصل کر سکی۔ کانگریس نے صوبہ جات متحدہ سے جو اپنا اُمیدوار منتخب کیا ہے اسلامی حلقوں میں اس کی عزت کا یہ حال ہے کہ پراونشل اسمبلی کے انتخابات میں وہ تین مسلم نشستوں سے بطور امیدوار کھڑا ہوا۔
مسٹر گاندھی کو اب ساری دُنیا کا مشیر بننے کا شوق چرایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کانگریس تمام ہندوستان کی نمائندہ اور اس کے چالیس کروڑ باشندوں کی امین ہے۔ تم دہلی میں بیٹھ کر یہ کہتے ہو کہ ہم تجاویز کے کسی جزو کے خلاف نہیں ہیں۔
میں بلا خوف تردید اعلان کرتا ہوں کہ مذاکرات کے دوران میں مسلم لیگ نے قدم قدم پر اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ ایک شریف اور معزز جماعت ہے، ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں نہیں الجھتے، بلکہ اعلیٰ مقاصد کو سامنے رکھا۔ ہم نے حیرت انگیز رواداری سے اس لیے کام نہیں لیا اور ہم نے دوسروں کو رعایت پہ رعایت اس لیے نہیں دی کہ ہم کسی سے ڈرتے تھے بلکہ صرف اس لیے کہ مسلمانوں کے دلوں میں آزادی کامل کی تڑپ ہے۔ ہم چاہتے تھے کہ متنازعہ مسائل حُسن وخوبی کے ساتھ طے ہو جائیں۔ برعظیم کی ترقی میں جو رکاوٹیں ہیں وہ دور ہوں، اور نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو اور تمام دوسری قومیں برطانوی شکنجۂ استعمار سے نجات پا کر آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہو جائیں۔ ہمارے مقابلہ میں کانگریس کا طرزِ عمل افسوسناک تھا۔ اس نے قدم قدم پر رکاوٹیں ڈالیں، اور ثابت کر دیا کہ اس کے سامنے سوائے اس کے اور کوئی نصب العین نہیں کہ وہ مسلم لیگ کو نیچا دکھائے۔
مذاکرات میں تین پارٹیاں شریک تھیں۔ مسلم لیگ، کانگریس اور حکومت ان میں صرف مسلم لیگ ہی وہ جماعت ہے جس نے شریفانہ طریقہ پر ایمان داری سے کام لیا۔ وزارتی عارضی حکومت کے سلسلہ میں مشن اپنے وعدہ سے منحرف ہو گیا اور کانگریس نے ایسی ذلیل حرکتیں کی ہیں کہ ان کے ارتکاب پر ایک معمولی انسان بھی شرم محسوس کرے گا، میں

کانگریسیوں سے پوچھتا ہوں کہ تم میں دیانت و شرافت کا خفیف ترین شائبہ بھی ہے کیا تم میں اخلاقی جرأت بھی ہے، جو تم صاف الفاظ میں کہہ دیتے کہ واضح وزارتی مشن کی تجاویز چونکہ ہمارے بنیادی اصول و مقاصد کے خلاف ہیں۔ اس لیے ہم انہیں منظور نہیں کر سکتے۔ سو برس سے ایک ''امین'' کی امانت و دیانت کا تلخ ذائقہ چکھ رہے ہیں، اور اب ہمیں کسی بھی دوسرے امین کی ضرورت نہیں۔ اب ہم بچے نہیں بالغ ہو چکے ہیں۔ (قہقہہ) ملت اسلامیہ اپنی امین آپ ہے۔

مسٹر گاندھی کچھ عرصہ سے اچھوتوں کے خود ساختہ امین بنے ہوئے ہیں۔ مسٹر گاندھی سے میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ ایمانداری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انہیں اچھوتوں کا اعتماد حاصل ہے، اچھوتوں کا وجود کسی بھی مہذب قوم کی پیشانی پر مکروہ ترین داغ ہے۔ چھ کروڑ انسان صدیوں سے ذات والے ہندوؤں کے اقتصادی اور سماجی شکنجۂ عذاب میں جکڑے ہوئے ہیں، اور جن کی حالت نہایت دردناک ہے۔ میں اچھوتوں کے ان خود ساختہ امین مسٹر گاندھی سے پوچھتا ہوں کہ انہوں نے مظلوم اچھوتوں کے حقوق و مفاد کی حفاظت کے لیے اب تک کیا کیا ہے۔ مظلوم اور بے کس اچھوت ستیہ گرہ کر کے جیل جا رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی جماعت یہ حربہ اس وقت تک استعمال نہیں کرتی جب تک کہ مصائب ناقابلِ برداشت حد تک نہ پہنچ جائیں، اور مظلوموں کے ضبط و صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے۔ وزارتی مشن نے بھی کانگریس کی دیوی کو خوش کرنے کے لیے مظلوم اچھوتوں کے مفاد سے غداری کی ہے۔

عارضی حکومت کے سلسلہ میں یہ بات بالکل غلط ہے کہ میں نے مسلم لیگ کی طرف سے کوئی فہرست پیش کی تھی واقعہ یہ ہے کہ میں نے وائسرائے سے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ میں اپنی فہرست اس وقت تک پیش نہیں کروں گا، جب تک آپس میں سمجھوتہ نہ ہو جائے یا سمجھوتہ ہونے کی صورت میں اس بات کا یقین نہ دلایا جائے کہ کسی بڑی پارٹی نے اسکیم کو مسترد کر دیا اور وائسرائے دوسری پارٹی کی مدد سے عارضی حکومت قائم کریں گے۔ ایسی صورت میں جب کہ میں نے یہ بات بالکل واضح کر دی تھی۔ وائسرائے کو اپنی فہرست میں میرا نام شامل کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ وائسرائے نے مجھے شیشہ میں اُتارنے کی کوشش کی، لیکن میں اس بات پر قائم رہا کہ جب تک میں آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر ہوں کوئی عہدہ قبول نہیں کروں گا۔

کانگریس نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا اور اس کے بعد مسلم لیگ نے بھی۔ اب ہم سے کہا جا رہا ہے کہ آٹھویں پیراگراف کے معنی وہ ہیں جو درحقیقت نہیں ہیں۔ میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ جب دارالعوام میں سر اسٹیفورڈ کرپس سے سوالات کیے گئے تو وہ جواب شافی نہ دے سکے، اور اُنہوں نے الفاظ کے گورکھ دھندے سے ہاؤس کو گمراہ کرنا چاہا۔ مجھے افسوس ہے کہ سر اسٹیفورڈ کرپس نے اپنی قانونی صلاحیتوں کا احترام مدنظر رکھا، اور آٹھویں پیراگراف کی وہ تشریح کھلی ہوئی بددیانتی پر مبنی ہے۔

25 جون کو رات میں وزارتی مشن سے میری جو ملاقات ہوئی تھی اسے بہت اہمیت دی جا رہی ہے۔

وائسرائے کے پاس کانگریس کا جواب 25 جون کو 11-12 بجے پہنچ گیا تھا ہمیں بالکل نہیں بتایا گیا کہ عارضی حکومت کے لیے وزارتی مشن کی پیش کش واپس لے لے گی، اور ظاہر ہے کہ یہ پیش کش صرف اسی وقت واپس لی جا سکتی تھی، جب دونوں پارٹیاں اُسے مسترد کر دیتیں اور ان ملاقاتوں میں الفاظ سے مشہور کھیلنے والے سر اسٹیفورڈ کرپس نے آٹھویں پیراگراف کی غلط تاویلات شروع کیں صرف مسٹر الیگزینڈر نے گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ ابھی وزارتی مشن نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے وہ مسٹر جناح کے خیالات معلوم کرنا چاہتی ہے۔

لارڈ پیتھک لارنس نے دار الامراء میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ مسٹر جناح مسلمانوں کی نامزدگی کے اجارہ دار نہیں ہیں، سوداگر نہیں ہیں، میں کسی ملک سے پٹرول کی اجارہ داری نہیں مانگ رہا ہوں، میں کسی بنئے کی طرح مول تول نہیں کر رہا ہوں۔ اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا وزیر ہند کے شایان نہیں۔ کیا ملت اسلامیہ بھی مالِ تجارت ہے، جس کا کوئی اجارہ دار ہو، علاوہ بریں میرا مطالبہ شروع سے یہ ہے کہ عارضی حکومت میں کسی ''کوئز لنگ'' کو شامل نہیں کیا جا سکتا۔ خود وائسرائے نے 22 جون کو صدر کانگریس کو لکھا تھا کہ وہ عارضی حکومت میں کسی غیر مسلم لیگی کو شامل نہیں کریں گے۔ میں لارڈ پیتھک لارنس سے پوچھتا ہوں کہ اگر مسٹر جناح کو پہلے مسلم نامزدگیوں کی اجارہ داری حاصل تھی تو وہ دو دن بعد کیوں ختم ہو گئی؟ کیا صرف اس لیے کہ کانگریس کو اس پر اعتراض تھا؟ برطانوی حکومت شدید وعدہ خلافی کی مرتکب ہوئی، اور اس نے کانگریس کو خوش کرنے کے لیے عارضی حکومت کی تشکیل ملتوی کر دی، وزارتی مشن نے جو افسوسناک رویہ اختیار کیا ہے اُسے سامنے رکھتے ہوئے مشن کے ارکان ایمانداری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ برطانوی حکومت جس نے تجاویز کی تصدیق کی تھی اسلامی ہند کے کسی اعتماد کی مستحق نہیں رہی ہے۔ جب ملک معظم کی حکومت کے ارکان صرف دس دن کے اندر زبان پلٹ کر اپنی ذات اپنی حکومت اور اپنی قوم کو رسوا کر سکتے ہیں تو ہم ان لوگوں پر کیا بھروسہ کر سکتے ہیں؟''

وائسرائے کی غلطی

مدراس وہ صوبہ تھا جس میں مسلمانوں کی صرف سات فیصد آبادی تھی، اور جو جنوب میں سمندر کے کنارے واقع تھا۔ کسی طرح مجوزہ پاکستان کے ساتھ اس کا لگاؤ نہیں اور اس کا تصور بھی نہیں کہ یہ پاکستان میں شامل ہوگا، مگر مسلم لیگ کے اجلاس کے لیے جو اہتمام یہاں تھا، وہ اس سے پہلے نہیں دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ اس کے باوجود کہ اس کا ہر اجلاس شاندار ہوا اور ایک سے دوسرا ہر طرح بہتر۔ مدراس کا پنڈال بڑا پرتکلف اور بہت وسیع تھا۔ مدراس کا ہجوم و اژدھام عظیم، مدراس کا انتظام نفیس۔ ہندوؤں میں غصہ اس قدر بڑھا ہوا تھا اور ان کے دلوں میں اس قدر سوزش تھی کہ انہوں نے اس وسیع پنڈال کو جو مغلیہ عمارتوں کی وضع پر بنایا گیا تھا، دو مرتبہ آگ لگانے کی کوشش کی، مگر رضا کاروں نے ایسی چستی اور ہوشمندی سے نگرانی کی کہ یہ ہو نہ سکا۔

اس اجلاس کا اہتمام ہر پہلو سے عوامی تھا۔ لوگ دور دراز سے پیدل یا برہنہ سفر کر کے آئے تھے اور ٹکٹ خرید تے تھے۔ مجلس استقبالیہ کا جس کی قیمت پچاس روپے، سو روپے اور اس سے بھی زیادہ تھی۔ مدراس کی صوبہ لیگ حقیقی معنی میں عام

مسلمانوں کے جوش اور ولولہ سے پیدا ہوئی تھی۔ قائداعظم نے اپنے خطبہ صدارت میں اپنے ذاتی علم کی بنا پر مدراس کی صوبہ لیگ کا اس طرح ذکر کیا:

''اس جدوجہد کے ذکر میں اس کی تعریف بھی میں نہیں بھولنا چاہتا، جو جنوبی ہند نے کیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو ترقی میں بڑی دشواریاں حائل تھیں۔ آپ کے ہر بڑے شہر سے میرا رابطہ رہا، ذاتی طور پر نہیں، بلکہ خطوط اور تاروں کے ذریعے سے۔ جس طرح جنوبی ہند نے مسلم لیگ کی تنظیم کی میں نے اس کو فخر اور مسرت کے ساتھ دیکھا۔ آپ کا نمو حقیقی نمو ہے، اوپر سے نیچے کی طرف نہیں بلکہ نیچے سے اوپر کی طرف۔ صرف ایک ہی سال ہوا کہ آپ نے (پرانی) بالائی منزل کو بھک سے اڑا دیا اور پورے صوبے میں مسلم لیگ کو یکساں اور ہموار قائم کیا۔ اس کے لیے بہت سے لوگوں کو سخت کام کرنا پڑا۔ میرے پاس پورے ہندوستان نے ان وسیع احاطہ میں مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جس طرح اپنی تنظیم کی ہے ایسی کسی دوسرے صوبے نے نہیں کی۔''

اس اجلاس میں یہ بے لطفی ہوئی کہ دوران سفر میں قائداعظم بیمار ہو گئے۔ اپریل کا مہینہ اور جنوبی ہند میں سفر۔ گرمی ناگوار تھی۔ بمبئی سے روانگی کے وقت ہی قائداعظم کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ راستے میں اور زیادہ خراب ہوگئی اور غشی آگئی۔ مدراس میں مسلم لیگ کے استقبال کے لیے بڑا اہتمام تھا مگر ان کی علالت کی وجہ سے استقبال ترک کرنا پڑا۔

خلاف معمول پہلے اجلاس میں (10 اپریل کو) قائداعظم نے اپنا خطبہ صدارت نہیں دیا۔ وہ اس میں شریک بھی نہیں ہوئے۔ 14 اپریل کو شب میں انہوں نے برجستہ تقریر کی۔ خطبہ صدارت لکھنے کی ان کو فرصت ہی کہاں تھی، مگر کیا تقریر تھی، ہر اعتبار سے شاہکار! وہ چھپی ہوئی موجود ہے۔ لوگ پڑھیں، مگر جس طرح کی، یہ وہی لوگ جانتے ہیں جنہوں نے وہ سنی۔ کوئی تندرست جوان ہی اس طرح بول سکتا ہے۔ آواز میں وہی کڑک، لہجے میں وہی زور اور پھر دو گھنٹے سے زیادہ بولتے رہے۔ قدرت جن لوگوں سے کام لینا چاہتی ہے ان کو غیر معمولی طاقتیں بھی عطا کر دیتی ہے۔

ابتدا میں قائداعظم نے مسلم لیگ کی پنج سالہ سرگرمیوں کا ذکر کیا، اس کو پنج سالہ پروگرام کہا اور پھر یہ فرمایا:

''اس میں ہم ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک مسلم ہندوستان کی تنظیم کرنے میں اس طرح کامیاب ہوئے ہیں کہ وہ غیر معمولی ہے۔ میرے خیال میں یہ صحیح ہے کہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد مسلمان ایسی خوبی کے ساتھ منظم، ایسے زندہ، اور سیاسی اعتبار سے ایسے بیدار کبھی نہ تھے جیسے آج ہیں۔ ہم نے مسلم ہندوستان کے لیے خود اپنا جھنڈا بنا لیا۔ ہم نے وہ پلیٹ فارم بنا لیا جو قابل توجہ ہے، اور مسلم ہندوستان کے کامل اتحاد کا مظہر ہے۔ ہم نے صاف الفاظ میں اپنا نصب العین بیان کر دیا جسے مسلم ہندوستان اندھیرے میں ٹٹول رہا تھا، اور وہ نصب العین پاکستان ہے۔ اب مجھے بیان کرنے دیجیے کہ مسلم لیگ کا نصب العین کیا ہے۔ خوب صاف صاف اور ایسا واضح جتنا کہ مجھ سے ممکن ہے۔ ہم ہندوستان کے شمالی ومغربی اور مشرقی منطقوں میں بالکل خودمختار ریاستیں قائم کرنا چاہتے ہیں جن کے اعتبار میں پورے طور پر یہ شعبے ہوں۔ دفاع، امور خارجہ، مواصلات، کروڑ گیری، سکہ، زرمبادلہ وغیرہ، اور ہم موجودہ حالت میں وہ دستور نہیں چاہتے جو پورے

ہندوستان کے لیے مرکز میں ایک گورنمنٹ کے ساتھ ہو۔ ہم ہرگز اس پر رضا مند نہیں ہوں گے۔ اگر آپ ایک مرتبہ اس پر رضا مند ہو جائیں تو میں بتائے دیتا ہوں کہ مسلم ہندوستان کا وجود مٹا دیا جائے گا۔ جہاں تک کہ شمالی و مغربی اور مشرقی منطقوں کے آزاد قومی وطنوں کا تعلق ہے ہم ہرگز ان پر کسی مرکزی حکومت کے اختیار کی تصدیق کے لیے دستخط نہیں کریں گے۔

حکومت برطانیہ کی پالیسی اور ڈپلومیسی ہندو ہندوستان کی قیادت کو احمق بنا رہی ہے۔ اس کو چکمہ دے رہی ہے، اور متحدہ ہندوستان اور جمہوریت کا دلفریب لالچ دے رہی ہے۔ گویا یہ دو گاجریں ہیں جو وہ گدھوں کے سامنے نچا رہی ہے۔ میں ہندو قیادت سے کہتا ہوں کہ تم ابھی نہیں سمجھے ہو، مگر حکومت برطانیہ واقعی جانتی ہے کہ تدبیر ورائے کا آخری شائبہ تک تم سے جا چکا ہے۔ حکومت برطانیہ جانتی ہے کہ مسلم ہندوستان پورے ہندوستان کے لیے ایسا دستور ہرگز منظور نہیں کرے گا جس میں ایک مرکزی گورنمنٹ ہو، اور برطانوی مدبرین جانتے ہیں کہ اس ملک میں جمہوریت اور پارلیمنٹری طرز حکومت اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک مضحکہ خیز تماشا ہے۔

جمہوریت کی ابتدا ہی اکثریت کی حکومت کے تصور سے ہوئی ہے۔ ایک معاشرے میں اکثریت کی حکومت قابل فہم ہے۔ اگرچہ وہ وہاں بھی ناکام رہی۔ نیابی حکومت ایک قوم میں جو متحد اور ایک جزو ہو قابل فہم ہے، مگر آپ چند منٹ سوچیے کیا ایسا طرز حکومت اس صورت میں چل سکتا ہے۔ یا کامیاب ہو سکتا ہے کہ آپ کے ہاں مختلف قومیں ہیں، قوموں سے بھی زیادہ اس برصغیر میں دو مختلف معاشرے ہیں۔ مسلم معاشرہ اور ہندو معاشرہ اور خصوصیت سے اس سرزمین میں ایک اور قوم ہے اور وہ دراوڑ ہیں۔''

اور دراوڑوں سے قائداعظم نے کہا:

''اپنی تاریخ کے مطابق آگے بڑھو۔ مجھے آپ کے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ میں کروں گا، اور آپ دراوڑستان قائم کر سکتے ہیں۔ سات فیصدی مسلمان دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے اور آپ کے ساتھ سلامتی، انصاف اور خوش معاملگی کی بنیاد پر رہیں گے۔''

اقلیت کے متعلق قائداعظم نے مسلم لیگ کا خیال اس طرح ظاہر فرمایا:

''جہاں کہیں اقلیت ہو اس کے لیے تحفظات ہونے چاہئیں۔ کوئی گورنمنٹ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر اس کی پالیسی اور پروگرام اقلیتوں کے لیے غیر منصفانہ اور بد معاملگی پر مبنی ہو۔''

پھر انہوں نے مسلم لیگ کی آئیڈیالوجی ان الفاظ میں بیان کی:

''مسلم لیگ کی آئیڈیالوجی اس بنیادی اصول پر مبنی ہے، مسلمانان ہند ایک الگ قوم ہیں اور جو کوشش اس کے لیے کی جائے گی کہ ان کے قومی اور سیاسی تشخص و وحدت کو مٹا کر ان کو ہندو قومیت میں ضم کر لیا جائے۔ یہی نہیں کہ اس کی ہم مخالفت کریں گے، بلکہ جو لوگ یہ کریں گے ان کے لیے یہ کوشش فضول ثابت ہوگی۔''

اس کے بعد قائداعظم نے اس سیاسی اور آئینی گفت وشنید کا ذکر کیا جو وائسرائے اور مسلم لیگ کے درمیان ہو رہی تھیں، اور جس سے بالآخر واقعی پاکستان پیدا ہوا۔ آخر میں قائداعظم نے حکومت برطانیہ کو یہ تنبیہ کی کہ وہ بے عملی کی پالیسی ترک کر

کے عمل میں پالیسی اختیار کرے اور پھر مسلمانوں سے کہا:

"یہ بڑے مسائل جو انسانوں کی موت اور زیست پر اثر انداز ہیں ان کو ہم صرف تقریریں کر کے اور اپنے دشمنوں کی شرارتیں ظاہر کر کے حل نہیں کر سکتے۔ وہ ہتھیار جو آپ کو ڈھالنا ہے، جتنی جلد وہ آپ ڈھال لیں بہتر ہے، اور وہ ہتھیار یہ ہے کہ آپ خود اپنی طاقت پیدا کریں اور اپنی ایسی کامل تنظیم کہ کوئی خطرہ، کوئی طاقت اور کوئی دشمن تنہا یا اپنے معاونوں کے ساتھ آپ کے سامنے آئے، آپ اس کا مقابلہ کریں۔"

اجلاس مدراس کی اہم قراردادیں

مدراس کے اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ نے یہ اہم اقدام کیا کہ اپنے اغراض و مقاصد میں ترمیم کر کے بجائے دستور کی دفعہ 2 (الف) کے لاہور کے اس ریزولیوشن کو جو پاکستان ریزولیوشن یا قرارداد پاکستان کے نام سے مشہور ہے اپنی غرض، اپنا مقصد اور اپنا عقیدہ دے دیا۔

ریزولیوشن 4 میں، مسلم لیگ نے حکومت برطانیہ کو متنبہ کیا کہ اگر مسلم لیگ کی منظوری اور رضا مندی کے بغیر کسی قسم کی مستقل یا عارضی آئینی تبدیلی کی گئی تو وہ اس کی طرف سے بدترین اعتماد شکنی اور ان کا قیام مواعید و اعلانات کی خلاف ورزی ہوگی جو 8 اگست کے اعلان سے لے کر وزیر ہند کی تقریر تک۔ اس کی طرف سے کیے گئے ہیں، اور مسلم لیگ اس پر مجبور ہوگی کہ اس کی مخالفت کے لیے ہر وہ طریقہ اور تدابیر اختیار کرے جو اس کی طاقت اور استطاعت میں ہے۔

ریزولیوشن 5 میں مسلم لیگ نے حکومت برطانیہ پر سخت اصرار کیا کہ صوبائی مجالس واضعان قانون کے آئندہ انتخابات ملتوی نہ کرے، خصوصیت سے ان صوبوں کے ہرگز نہیں جن میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کا عمل و نفاذ جاری ہے، اور ان میں بھی صوبہ سرحد شمالی و مغربی کا، جس کے متعلق مسلم لیگ کو اعتماد تھا کہ وہاں مسلم لیگ کی مستحکم گورنمنٹ بن سکتی تھی۔

وائسرائے کی گھبراہٹ

جون، جولائی اور اگست 1941ء میں جرمنی اور اس کے حلیفوں کا غلبہ بہت بڑھ گیا۔ برطانیہ اور اس کے حلیفوں کو ہر محاذ پر شکستیں ہوئیں۔ یوگوسلاویہ، یونان اور بحیرہ ایجین کے جزائر پر محوری طاقتوں کی افواج قابض ہوگئیں۔ روس میں جرمنی کی افواج بے روک ٹوک گھسی چلی جا رہی تھیں۔ شمالی افریقہ میں جنرل رومیل نے آفت بپا کر رکھی تھی، اور وہ نہر سویز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ فلسطین اور عراق، جو برطانیہ کے مظالم کے شکار تھے۔ ان کو جرمنی نے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اور اس کے آثار ظاہر ہوئے کہ جرمنی کی تائید میں یہاں بغاوت ہو جائے گی۔

اب وائسرائے کو گھبراہٹ شروع ہوئی۔ جس تعطل کی پالیسی کے خلاف ان کو مسلم لیگ نے متواتر متنبہ کیا تھا خود ان کو اس کے ترک کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، مگر پھر غلط روش پر۔ 21 جولائی کو انہوں نے ایک سرکاری بیان صادر فرمایا جس میں گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کی توسیع کا اعلان تھا۔ بجائے 7 کے ایگزیکٹو کونسل کے ارکان کی تعداد 12 کی گئی اور ان میں ہندوستانیوں کا حصہ 3 سے 8 تک رکھا گیا، مگر ساتھ ہی یہ بھی طے کیا گیا کہ یہ ارکان نہ مسلم لیگ سے لیے جائیں گے اور نہ ہی کانگریس سے۔ یہ اعلان بھی ہوا کہ ہندوستان کی غیر سرکاری رائے کو اہتمام جنگ میں شریک کرنے کے لیے ایک نیشنل ڈیفنس کونسل قائم کی جائے گی۔ اس کے ارکان کی تعداد تیس معین کی گئی، اور اس میں دیسی ریاستوں کے نمائندوں کے لیے بھی گنجائش رکھی۔

اس پر صدر مسلم لیگ نے اپنے بیان میں یہ صاف صاف اعلان کیا کہ اس صورت میں مسلم ہندوستان کوئی تائید نہیں کرے گا۔ مسٹر گاندھی نے کہا کہ اس سے کانگریس کے مطالبات پورے نہیں ہوئے جو کانگریس جو موقف اختیار کر چکی ہے اس پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہندو مہاسبھا نے اس اعلان کو پسند کیا۔

وائسرائے نے یہ زیادتی کی کہ بغیر صدر مسلم لیگ سے مشورہ کیے اور بغیر ان کے علم میں لائے ہوئے، آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کے ارکان کو نیشنل ڈیفنس کونسل کا رکن بنا لیا، اور سر سلطان احمد کو ایگزیکٹو کونسل کا۔ وائسرائے اور وزیر ہند کے بیانات و اعلانات پر اور اس تمام صورت حال پر غور کرنے کے لیے، جو اس سے پیدا ہوئی تھی، بمبئی میں مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا جلسہ منعقد ہوا، اور 14 اگست سے 26 اگست تک جاری رہا۔ مسلم لیگ کے جن لوگوں نے ڈیفنس کونسل کی رکنیت منظور کی تھی ان کو نوٹس دیا گیا کہ دس روز کے اندر اس سے مستعفی ہو جائیں، ورنہ ان کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی۔ سر سکندر حیات خان اور سر سعد اللہ نے فوراً اپنے مستعفی ہونے کے فیصلے سے ورکنگ کمیٹی کو مطلع کیا، اور اس کے بعد اکثر نے۔ فضل الحق صاحب نے استعفیٰ نہیں دیا، اور ان کے خلاف تادیبی کارروائی کی نوبت آئی۔ اسی طرح سر سلطان احمد اور بعض وہ دوسرے بھی مسلم لیگ سے نکالے گئے جنہوں نے مسلم لیگ کے فیصلے کی خلاف ورزی کی تھی۔

ورکنگ کمیٹی نے اپنے آٹھویں اور نویں ریزولیشن میں اس پر اظہار افسوس کیا کہ وائسرائے نے مسلم لیگ کے لیڈر کی لاعلمی میں مسلم لیگ کے ارکان کو یہ ترغیب دی کہ وہ ایگزیکٹو کونسل اور نیشنل ڈیفنس کونسل میں شریک ہوں۔ اسی سلسلے میں مسٹر ایمری نے یکم اگست کو پارلیمنٹ میں جو تقریر کی تھی اس کی ورکنگ کمیٹی نے مذمت کی۔ نئی اسکیم کے تحت وائسرائے کی ایگزیکٹو کمیٹی میں توسیع اور نیشنل وار کونسل کے قیام کو ہندوؤں کے حق میں رعایت، مسلمانوں کی خواہشات سے لاپرواہی اور ان وعدوں کی خلاف ورزی قرار دیا جو حکومت برطانیہ نے بوساطت وائسرائے اور وزیر ہند مسلمانوں سے کیے تھے۔

اس جنگ کی شدت میں یہ بھی ہوا کہ شام پر فرانس نے اور عراق پر برطانیہ نے قبضہ کر لیا اور ایران پر برطانیہ اور روس نے مشترکہ طور پر۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو اس پر سخت پریشانی اور وحشت ہوئی۔ ورکنگ کمیٹی نے اس پر سخت ریزولیشن منظور کیے اور ان حکومتوں سے مطالبہ کیا کہ وہ ان مسلم ملکوں کی آزادی اور خود مختاری میں مخل نہ ہوں۔

اس کے بعد ورکنگ کمیٹی اور کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسے 26 اور 27 اکتوبر کو دہلی میں منعقد ہوئے، پھر ورکنگ کمیٹی کا ایک جلسہ 16 نومبر کو دہلی میں ہوا۔ اس کے بعد 26، 27 دسمبر کو ناگپور میں 22 فروری 1942ء کو کونسل کا ایک اور اجلاس دہلی میں ہوا۔ ان سب میں مسلم لیگ کے مذکورہ بالا مطالبات پر اصرار کیا گیا۔ (پاکستان ناگزیر تھا، از سید حسن ریاض)

وائسرائے کی متفرق میٹنگ

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 175 کا متن۔

وائسرائے کی متفرق میٹنگ نمبر 18 کی روداد

(اقتباس)

یہ میٹنگ مورخہ 13 جون 1947ء کو منعقد ہوئی، جس میں پنڈت نہرو، سردار پٹیل، مسٹر کرپلان، مسٹر جناح، مسٹر لیاقت علی خاں، مسٹر نشتر، سردار بلدیو سنگھ، لارڈ اسمے، سر میویل، سر کورفیلڈ، لیفٹیننٹ کرنل سر ارسکائن کروم نے شرکت کی۔

آئٹم نمبر 1 ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں تھا۔

آئٹم نمبر 2

باؤنڈری کمشن

ترکیب: باؤنڈری کمشن کی ترکیب کے لیے دو متبادل تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ جو یہ ہیں:

(الف) یہ کہ ہر کمشن کا چیئرمین آزاد ہو، جبکہ کانگریس اور مسلم لیگ دو دو نمائندے نامزد کریں۔ پنڈت نہرو نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا کہ پہلی تجویز کی شکل میں غیر ضروری تاخیر کا سامان کرنا پڑے گا کیونکہ اقوام متحدہ ہیڈ کوارٹر تمام ممبر ملکوں سے مراسلت کرنے میں کافی وقت صرف کرے گا اور نمائندے منتخب کرتے کرتے کافی وقت گزر جائے گا۔ مزید براں اس بات کا امکان بھی ہے کہ جب یو این او آخری فیصلے پر پہنچے تو وہ ہر طرح سے مناسب نہ ہو۔ تجویز ''ب'' کے بارے میں کہا کہ اس میں دونوں فریق جو نمائندے نامزد کریں وہ اعلیٰ عدالتی تجربے کے حامل ہوں۔

مسٹر جناح نے کہا کہ وہ تجویز نمبر الف کو ترجیح دیں گے، تاہم تجویزیں کوئی بھی قبول کرنے پر تیار ہیں، اگر ممکن ہو تو وہ اسکیموں کی نامزدگی سے احتراز چاہتے ہیں، کیونکہ جب دو یا اس سے زیادہ وکیل جمع ہو جائیں تو اس سے مشکل ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔

وائسرائے نے کہا کہ اقوام متحدہ کے ذریعے ایسے شخص کی خدمات حاصل کر کے جسے حد بندی کے تعین کا تجربہ ہو، ہر باؤنڈری کمشن کے ساتھ بطور مشیر مقرر کیا جا سکتا ہے۔

اس پر اتفاق ہوا کہ

1. ہر باؤنڈری کمشن کا آزاد اور غیر جانبدار چیئرمین ہو، اور دو دو ارکان کانگریس اور مسلم لیگ مقرر کریں۔
2. ہو سکے تو یہ سارے اراکین اعلیٰ عدالتی تجربہ رکھتے ہوں۔
3. پنجاب حد بندی کمشن میں کانگریس اپنے دو ارکان میں سے ایک سکھ کو نامزد کرے۔
4. یہ کہ پنڈت نہرو اور جناح ہر حد بندی کمشن کے لیے اپنے اپنے نمائندوں کے نام جتنی جلدی ممکن ہو وائسرائے کو پیش کر دیں۔
5. یہ کہ ہر باؤنڈری کمشن کے نامزد اراکین اپنی نامزدگی کے بعد میٹنگ کریں گے، تاکہ ایک آزاد، غیر جانبدار چیئرمین کا انتخاب کر سکیں۔ اگر وہ کسی فیصلے پر متفق نہ ہو سکیں تو پھر یہ معاملہ سیاسی لیڈروں کی مشترکہ ملاقات میں طے کیا جائے گا۔
6. یہ کہ ہر حد بندی کمشن کے لیے منسلکہ شرائط عمل پر سیاسی رہنما مزید غور کریں، اور وائسرائے کو اپنی اپنی آراء سے آگاہ کریں۔

وائسرائے ہاؤس (شملہ)

قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے ہاؤس شملہ میں کابینہ مشن کے ارکان سے ملاقات کی۔ وفد نے قائداعظم سے کل ہند یونین تجویز سے اتفاق کرنے پر زور دیا، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے اسے قبول کرنے سے معذوری کا اظہار کیا۔ 5 مئی کو پھر وائسرائے ہاؤس میں سہ فریقی اجلاس ہوا، لیکن یہ اجلاس بھی 12 مئی کو بغیر کسی نتیجے کے ختم ہو گیا۔

وائسرائے ہند

1905ء میں قائداعظم محمد علی جناح سیاست میں آئے، ان کی سیاسی زندگی 42 برسوں یعنی 1905ء سے 1947ء پر محیط رہی۔ اس دوران قائداعظم محمد علی جناح سے جن نو وائسرائے کا رابطہ پڑا ان کے نام یہ ہیں:

1. لارڈ منٹو 1905ء-1910ء
2. لارڈ ہارڈنگ 1910ء-1916ء
3. لارڈ چیمسفورڈ 1916ء-1921ء

نواب وقارالملک

1917 - 1841
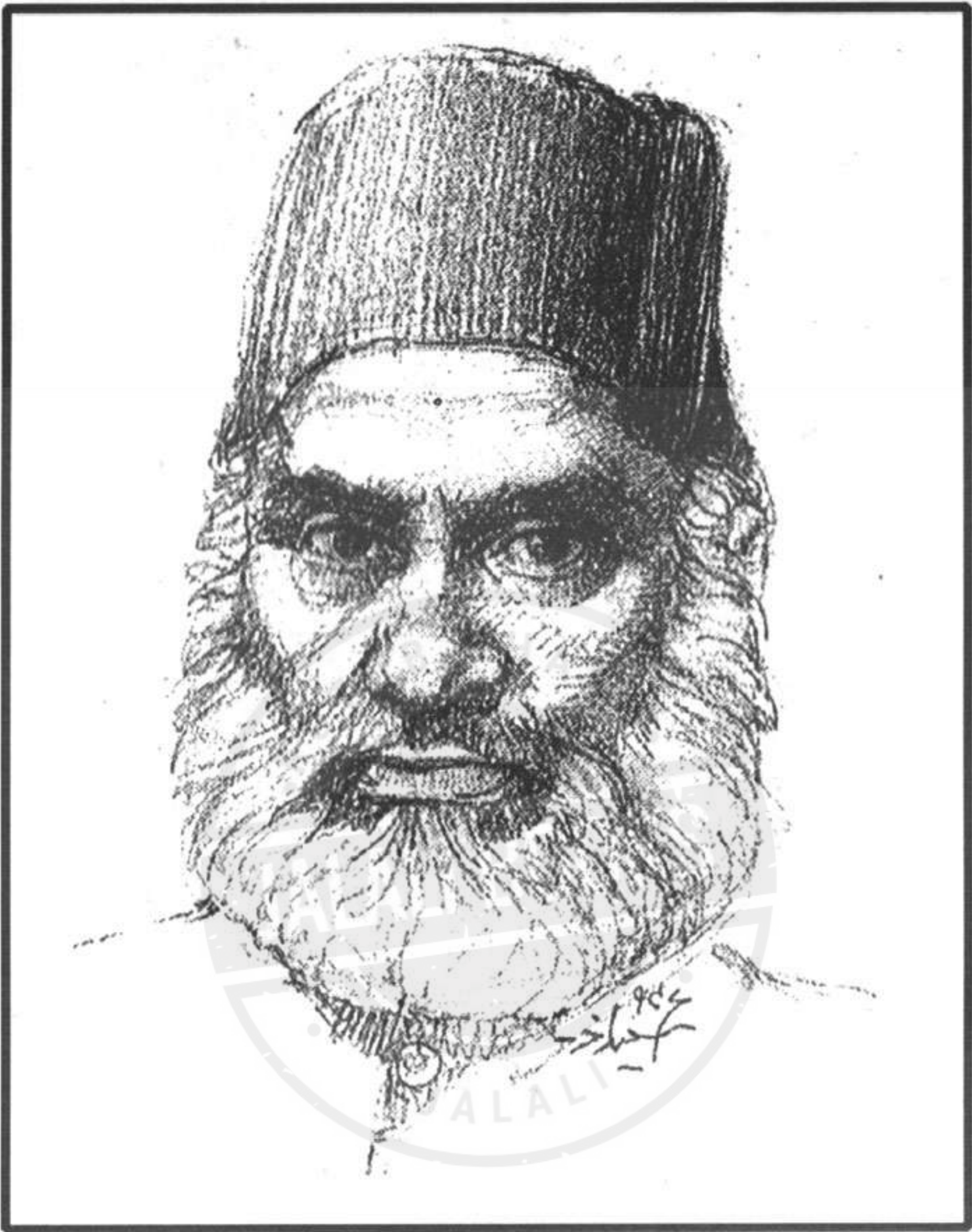
آپ ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ مراد آباد میں قحط زدگان کیلئے امدادی سرگرمیوں میں اتنا سرگرم کردار ادا کیا کہ سرسید احمد خان نے انہیں اپنا ریڈر مقرر کر لیا۔ مسلمانانِ ہند کی ایک علیحدہ سیاسی تنظیم قائم کرنے کیلئے 1901ء میں لکھنؤ میں اجلاس منعقد کیا۔ 1903ء میں سہارنپور میں ''محمڈن پولیٹیکل ایسوسی ایشن'' قائم کی جس نے تین سال بعد آل انڈیا مسلم لیگ کی صورت اختیار کر لی۔ آپ کی کوششوں سے 1906ء میں شملہ وفد تشکیل پایا آپ اس وفد میں شامل تھے۔ دسمبر 1906ء میں مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس میں شرکت کی اور اس نئی جماعت کے پہلے جائنٹ سیکرٹری مقرر ہوئے اور پورے ہندوستان کا دورہ کر کے مختلف شہروں میں اس کی شاخیں قائم کیں۔ 1907ء میں آپ کی خدمات کی بنا پر آپ کو علی گڑھ کالج کا سیکرٹری چنا گیا۔ آپ تمام قومی معاملات پر بیباکی سے اظہارِ خیال کرتے رہے۔ رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' میں آپ کے علمی و فکری مقالات شائع ہوتے رہے۔

④ لارڈ ریڈنگ	1921ء-1926ء
⑤ لارڈ ارون	1926ء-1931ء
⑥ لارڈ ولنگڈن	1931ء-1936ء
⑦ لارڈ لنلتھگو	1936ء-1943ء
⑧ فیلڈ مارشل لارڈ ویول	1943ء-1947ء
⑨ لارڈ ماؤنٹ بیٹن	22 مارچ 1947ء تا 14 اگست 1947ء

وائی ایم سی اے

11 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیے گئے تو راستے میں وائی ایم سی اے کی عمارت کو دیکھ کر فرمایا:

''وائی ایم سی اے کی تنظیم کی ایک بڑی اچھی مثال ہے، تھوڑے سے آدمیوں نے دنیا کے کونے کونے میں اس کی شاخیں قائم کرلی ہیں۔''

وائکنگ طیارہ

یہ قائداعظم محمد علی جناح کے زیر استعمال طیارہ تھا، یہ طیارہ مئی 1948ء میں خریدا گیا، اور 18 جون 1948ء کو کراچی پہنچا اور اسے آر پی اے ایف کے سکویڈرن میں شامل کر لیا گیا اسے ویکرس آرمسٹرانگ نے بنایا، اور یہ دوسو پینتالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کرسکتا تھا۔ 4 جولائی 1948ء کو گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح اس طیارے کے ذریعے کوئٹہ گئے۔ اکتوبر 1948ء میں کی جانے والی پروازوں کی تفصیلات یہ ہیں:

یکم اکتوبر 1948ء	وزیراعظم کے ساتھ کوئٹہ سے واپسی
7-9 اکتوبر 1948ء	مشرقی بنگال کے وزیراعظم کے ساتھ ڈھاکہ روانگی اور گورنر جنرل کے اہل خانہ کے ساتھ واپسی
13 اکتوبر 1948ء	بمبئی روانگی اور وہاں سے واپسی
16-17 اکتوبر 1948ء	پشاور روانگی اور وہاں سے واپسی
19 اکتوبر 1948ء	پشاور روانگی اور وہاں سے واپسی
25 اکتوبر 1948ء	ڈھاکہ روانگی
29 اکتوبر 1948ء	میل جول کے مشن پر برطانیہ روانگی
30-31 اکتوبر 1948ء	پشاور روانگی اور وہاں سے واپسی

یہ طیارہ 1948ء سے 1961ء تک زیر استعمال رہا۔ اس وقت یہ طیارہ پشاور میں واقع پاک فضائیہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔

وائیٹ پیپر اور جناح

برطانوی حکومت نے گول میز کانفرنسوں کے بعد ایک وائیٹ پیپر جاری کیا۔ روزنامہ انقلاب نے اپنی 28 فروری 1934ء کی اشاعت میں درج ذیل اداریہ قائداعظم محمد علی جناح کے وائیٹ پیپر کے متعلق ایک بیان پر لکھا:

''مسٹر جناح نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ وائیٹ پیپر میں جس فیڈریشن کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ وہ حقیقی فیڈریشن نہیں، جس کا مطالبہ ہندوستان کر رہا ہے، بلکہ اس فیڈریشن میں دیسی ریاستوں اور برطانوی ہند کے تعلقات میں تلخی پیدا ہو جائے گی۔ اس لیے کہ دیسی ریاستیں ملک کے ترقی خواہ قومی عناصر کے خلاف منظم رہیں گی اور یہ معلوم ہے کہ آئندہ مجالس وضع قوانین میں دیسی ریاستوں کے نمائندوں کی حیثیت وہی ہوگی، جو اس وقت حکومت کے نامزد کردہ ممبروں کی حیثیت ہے۔''

نظام حکومت کے اصلی اور حقیقی تین شعبے ہیں۔

① مالیات

❷ فوج
❸ امور خارجہ

وہ فیڈرل مجلس وضع قوانین کے ممبر نہیں ہوں گے، اور انہیں مجلس کے روبرو جوابدہ نہیں سمجھا جائے گا۔ اس طرح مالیات کا مشیر بھی مرکزی مجلس وضع قوانین کے روبرو نہیں بلکہ گورنر جنرل کے روبرو جواب دہ ہوگا، جب ان تین اہم ترین شعبوں کے نظم ونسق کے تمام اختیارات ایسے اشخاص کے ہاتھ میں ہوں گے، جن پر مرکزی مجلس کا کوئی دباؤ نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ آئندہ نظام حکومت ذمہ دارانہ نظام حکومت نہیں کہلائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مسٹر جناح نے وائیٹ پیپر کے مجوزہ نظام کو غیر اطمینان بخش اور رجعت انگیز قرار دیا ہے۔

آخر میں مسٹر جناح نے اپیل کی کہ ہندوستان کے رہنماؤں کو اس صورت حال پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے اور اس کی تلافی کی تدابیر عمل میں لانی چاہئیں۔ یہ کام قومی اتحاد کے بغیر اہتمام نہیں پا سکتا، یعنی جب تک ملک کے تمام عناصر، تمام قومیں، تمام ملتیں اور تمام جماعتیں فی الجملہ اتحاد و اتفاق کے ساتھ جدوجہد نہ کریں مجوزہ نظام میں کسی آئندہ ترمیم کی توقع محال ہے، لیکن ہندوؤں کی ذہنیت آج بھی ویسی میں ہے جیسی کہ پہلے تھی۔ وہ آج بھی اتحاد کے حقیقی مقتضیات سے اتنے ہی گریزاں ہیں جتنے کہ پہلے گریزاں تھے، بلکہ کلکتہ کے اخبار ''فارورڈ'' نے تو مولانا شوکت علی کی خواہشات اتحاد پر تبصرہ کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ اتحاد کی گفتگوؤں نے ہمارے افتراق کو بڑھا دیا ہے، لہٰذا اب اتحاد کی بات بھی نہیں کرنی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں ہندوستان کے لیے بظاہر کامیابی کا کوئی راستہ نہیں، اور وائیٹ پیپر میں غیر ضروری تغیرات و ترمیمات کرانی اتحاد اور یک آہنگی کے بغیر غیر ممکن دکھائی دیتا ہے۔'' (روزنامہ انقلاب، اشاعت، 28 فروری 1934ء)

وحدتِ ملی

قائداعظم محمد علی جناح کے دل میں اسلام کا درد موجود تھا۔ وہ مسلم قوم کے ایک فرد تھے، وہ اسلامی فرقہ پرستی اور طبقاتی امتیاز کے سخت مخالف تھے۔ ان کی رائے تھی:

بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

22 جنوری 1945ء کو حبیب فیملی (آف حبیب بنک لمٹیڈ) کی طرف سے خوجہ بچوں کے لیے ایک یتیم خانہ کے سلسلہ میں اسلامی جشن ہوا، عام چندہ نہیں طلب کیا گیا تھا، یتیم خانہ کی تعمیر وتوسیع کے لیے 23 اصحاب نے 25, 25 ہزار روپے عطا کیے تھے۔ طے یہ ہوا کہ قائداعظم محمد علی جناح تشریف لائیں، اوران مخیّر ہمدردانِ قوم کی حوصلہ افزائی کریں، اوراس جذبہ ملی پر انہیں مبارکباد دیں۔

قائداعظم محمد علی جناح تشریف لائے، خوجہ جماعت کے تقریباً تمام اکابر اس تقریب میں شریک تھے، یہ جشن صبح دس بجے سے دوپہر کے ڈیڑھ بجے تک جاری رہا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے خوجہ بچیوں کے سینے پرونے، کھانا پکانے اور دیگر گھریلو صنعتوں کے نمونے دیکھے، پھر وہ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''یہاں لڑکیوں نے ابھی جو کھانا پکانے کا مظاہرہ کیا، اس کی قدر عورتوں سے زیادہ مردوں کو ہوگی، کیونکہ مردوں کو اچھی خوراک کی ضرورت ہے۔ یہ ایک ہنر ہے، اور ظاہر ہے کہ ہر شخص ماہر باورچی نہیں رکھ سکتا۔

آج برادران اسلام کا خیال بدلا ہوا ہے۔ بے کس یتیموں کو خیرات دینے سے زیادہ اورکوئی سخاوت نہیں، ہم سب کو دولت پیاری ہوتی ہے۔ ہر شخص جتنا دولت جمع کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے اتنا دینے کا نہیں ہوتا، تمہارے پاس دولت ہے تم کیا کرو گے؟ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، پھر کس دن کے لیے دولت جمع کررکھی ہے۔ اس دولت کو اپنی زندگی ہی میں نیک کاموں میں لگاؤ، تاکہ عوام اور برادری کی تعمیر و ترقی ہو، ہمیں اسلام پر صحیح معنوں میں عامل ہونا چاہیے، اور اگر ہم مذہب اسلام کو ہردلعزیز بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ دیرینہ جھگڑے اور مناقشات ترک کر دیں، اور بے جا جذبات کو پاس نہ پھٹکنے دیں۔ ہمیں خوجہ، بوہرہ وغیرہ فرقہ وارانہ نام چھوڑ کر ایک قوم ''مسلمان'' بن جانا چاہیے۔

حالانکہ یتیم خانہ خوجہ لڑکیوں کا ہے، لیکن ایک بوہرہ بزرگ بھی ہیں، جنہوں نے اس فنڈ میں 25 ہزار روپے عطا کیے ہیں۔ اس چیز کو میں نہایت ضروری اور اہم سمجھتا ہوں، وہ وقت آنے والا ہے کہ خوجہ، بوہرہ اور میمن یتیم خانوں کے بجائے صرف اسلامی یتیم خانے ہوں گے، اور فرقہ وارانہ جماعتوں کا وجود بھی نہ ہو گا، ہمیں اپنی طبیعتوں، ذہنوں اور خیال میں انقلاب پیدا کرنا چاہیے۔ اس یتیم خانہ میں ایک اصلاح بھی نظر آتی ہے کہ اس سے شیعہ، خوجہ، اثنا عشری خوجے اور سنی خوجے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس طرح ہر فرقہ کو دوسرے فرقہ میں مدغم ہونے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ اسلامی وحدت ناقابلِ شکست ہو جائے، اپنی قوم کے چندوں میں جی بھر کر عطیات دو، تم دوسروں کے لیے مثال ہو گے۔''

کیا یہ اشاعت اسلام کی حقیقی تعلیم کے گہرے مطالعہ کا نتیجہ نہیں؟

ودیا رتن

وہ علم الدین شہید کے مقدمے کے سلسلے میں راج پال کا گواہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ودیا رتن نے ہی علم الدین شہید کو گرفتار کیا تھا قائداعظم محمد علی جناح نے اس کے بارے میں کہا:

''دوسرے گواہوں کی طرح ودیا رتن کا بیان بھی دوسرے گواہوں سے مختلف ہے۔''

اس پر مسٹر جسٹس براڈوے نے کہا:

''گواہ نے پہلے ہی یہ کہہ دیا ہے کہ میں ملزم کے صحیح الفاظ بیان نہیں کر سکتا مگر اس کے بیان کی تلخیص کر سکتا ہوں۔''

ودیا مندرا سکیم

(دیکھئے: واردھا سکیم)

ورڈکٹ آف انڈیا

یہ ممتاز انگریز مصنف بیور لے نکلس کی کتاب ہے، وہ بیورے نکلس 1946ء میں ہندوستان آئے اور انہوں نے تمام بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کے انٹرویو لیے۔ اسی کتاب میں ایک باب ہے ''ایک دیوقامت شخصیت کے ساتھ انٹرویو۔''

یہ انٹرویو قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ تھا۔ مصنف نے لکھا ہے:

''مسٹر جناح برطانوی راج کا سخت ترین مخالف ہے، مگر ان کا استدلال اس قدر کھلا، مدلل اور پر اثر ہے کہ ان کے اظہار کی چبھن اور تلخی کے باوجود ان سے

اتفاق نہ کرنا بڑا مشکل ہے، اتنا صاف ذہن رکھنے والا شخص برصغیر ہند میں ڈھونڈے سے نہیں ملے گا۔''

آخر میں مصنف نے لکھا:

''صاف نظر آرہا ہے کہ جلد ہی مملکت پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک دھماکے کے ساتھ ابھرے گی۔''

ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ

اس کمیٹی نے قرارداد لاہور کا مسودہ تیار کیا جسے مارچ 1940ء میں سر سکندر حیات نے پیش کرنا تھا، لیکن ان کی بجائے مولوی اے کے فضل الحق نے قرارداد لاہور (قراردادِ پاکستان) کا مسودہ پیش کیا۔

یہ ورکنگ کمیٹی خواجہ ناظم الدین، چوہدری خلیق الزمان، سر سکندر حیات (پنجاب) عبدالرؤف (سی پی) اور عبدالرحمٰن (صدیقی) پر مشتمل تھی۔

وزارتِ سرحد

صوبہ سرحد میں قیامِ پاکستان کے وقت کانگریس کی حکومت قائم تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر صوبہ سرحد میں بھی پاکستان کا پرچم لہرایا گیا، اور یومِ آزادی منایا گیا لیکن ڈاکٹر خاں صاحب کی حکومت نے آزادی کی تقریب میں حصہ نہ لیا۔ چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے گورنر سر جارج کنگھم کو ہدایت کی:

''وزارت توڑ دیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر 22 اگست 1947ء کو صوبہ سرحد میں کانگریسی وزارت ختم کر دی اور خان عبدالقیوم خاں کو ہدایت کی:

''آپ وزارت تشکیل دیں۔''

چنانچہ خان عبدالقیوم خان نے مسلم لیگی احباب کو اپنی کابینہ میں شامل کیا۔

وزارتی مشن

(دیکھئے: آزاد پاکستان)

وزیر چند، دیوان

علم الدین شہید کے مقدمہ میں پیش ہونے والے گواہ کیدار ناتھ نے جو بیان دیا اس میں گواہ بھگت رام اور گواہ وزیر چند کا نام نہیں آیا تھا۔ اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''یہ سب کہانی غلط ہے گواہ نے نہ صرف بھگت رام کا نام ہی ترک کر دیا ہے بلکہ وزیر چند کا نام بھی چھوڑ دیا حالانکہ وزیر چند نے ملزم کا تعاقب کیا تھا۔''

جرح پر گواہ نے کہا:

''میں وزیر چند کے نام سے کسی شخص کو نہیں جانتا میں اس شہادت پر صرف یہی کہوں گا کہ اگر گواہ سچ بولتا تو وہ بھگت رام کا نام ضرور لیتا، اس کے علاوہ وہ پولیس کے سامنے بھی وہ الفاظ بتلاتا جو اس نے بعد میں ملزم کی طرف منسوب کیے، لیکن ایسا نہیں کیا گیا اس لیے یہ کہانی فرضی ہے۔''

دیوان وزیر چند کی شہادت پڑھ کر سناتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''آیا فاضل جج صاحبان اس بات پر یقین کر سکتے ہیں کیدار ناتھ وزیر چند کو نہیں جانتا تھا اگر اسے نام نہیں آتا تھا تو وہ کہہ سکتا تھا کہ کوئی آدمی وہاں موجود تھا۔''

وزیر حسن، سید

وہ برصغیر کے ممتاز سیاسی رہنما تھے۔ 1913ء میں انہوں

نے مولانا محمد علی جوہر کے ہمراہ لندن میں قائداعظم محمد علی جناح سے رابطہ قائم کیا اور قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی تحریک وترغیب سے مسلم لیگ کی باقاعدہ رکنیت قبول کرلی۔

30 دسمبر 1915ء تا یکم جنوری 1916ء آل انڈیا مسلم لیگ کا جو اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا اس میں قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ وزیر حسن نے بھی شرکت کی۔ اجلاس کی صدارت بیرسٹر مظہر الحق نے کی۔ 8 جولائی 1917ء کو مسلم لیگ اور کانگریس کا ایک مشترکہ اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا جس میں قائداعظم محمد علی جناح، سرتیج بہادر سپرو، سرسری نواس شاستری اور سروزیر حسن پر مشتمل ایک وفد انگلستان بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس وفد کے فرائض میں یہ بات بھی شامل تھی:

"کانگریس اور مسلم لیگ کے متحدہ مطالبات کے حق میں جن کی 19 ممبروں کی قرارداد کے ذریعے مکمل تائید کی گئی تھی برطانوی سیاست دانوں اور رائے عامہ کی حمایت حاصل کی جائے تاکہ ان مطالبات اور سیاسی اصلاحات کے منصوبے کو حکومت برطانیہ سے منظور کرایا جاسکے۔"

یہ وفد ستمبر میں انگلستان گیا تھا۔

10 نومبر 1917ء کو وزیر ہند سر مانٹیگو ہندوستان آئے تو کانگریس اور مسلم لیگ کے سرکردہ رہنماؤں سے گفت وشنید کی جن رہنماؤں نے وزیر ہند سے ملاقات کی، اور انہیں قومی معاملات سے آگاہ کیا۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح، سر محمد شفیع، سر فضل حسین، سروزیر حسن، سید حسن امام، مظہر الحق، راجا صاحب محمود آباد، ڈاکٹر انصاری اور مولوی فضل حق شامل تھے۔ کانگریسی رہنماؤں میں گاندھی، موتی لال نہرو، پنڈت مدن موہن مالویہ اور مسز اینی بیسنٹ شامل تھے۔

1931ء میں راجا صاحب محمود آباد کا انتقال ہوگیا انہوں نے اپنی وفات سے قبل راجا امیر احمد خاں (بڑے بیٹے) کی مشاورت کے لیے ایک ٹرسٹ قائم کردیا تھا جس کے ٹرسٹیوں میں قائداعظم محمد علی جناح، شیخ حبیب اللہ، راجا محمد مہدی، سید وزیر حسن اور چودھری خلیق الزمان شامل تھے۔

سید وزیر حسن 1874ء میں پیدا ہوئے انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی اور الٰہ آباد میں تعلیم حاصل کی قانون کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وکالت کرنے لگے، پھر اودھ چیف کورٹ، لکھنؤ کے جج بنے اور چیف جج کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ 1906ء میں جب مسلم لیگ کا ڈھاکہ میں قیام عمل میں آیا تو وہ اس کے بانی ارکان میں شامل تھے۔ ابتداء میں وہ اس کے اسسٹنٹ سیکرٹری اور پھر سیکرٹری رہے۔ 1936ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا جو اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا، وہ ان کی صدارت میں ہوا۔ وہ قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھیوں میں تھے۔ ان کا انتقال 1947ء میں ہوا۔

وزیر مینشن (کراچی)

یہ وہ عمارت ہے جہاں قائداعظم محمد علی جناح 25 دسمبر 1876ء کو پیدا ہوئے۔ اس عمارت کو قائداعظم محمد علی جناح کے انتقال کے صرف اڑھائی ماہ بعد ایک شخص مسمّی وزیر علی احمد دین نے خرید کر اس کا نام وزیر مینشن رکھا، جب کہ اس نام سے قائداعظم محمد علی جناح یا ان کے خان وادے کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ یہ مکان 1953ء میں قومی ملکیت میں لیا گیا، اور اسے ایک یادگار کی حیثیت دی گئی۔

یہاں قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی سے متعلق متعدد نوادرات اور دیگر اشیائے استعمال کا احسن طریقہ سے محیط اور نمائش کا اہتمام کیا گیا ہے۔

پاکستان کے قیام سے قبل یہ گوردھن داس نوتن داس کی ملکیت تھا۔ قیام پاکستان کے بعد 29 اکتوبر 1947ء کو اسے پونا کے رنگ وروغن کے تاجر وزیر علی نے مبلغ پچیس ہزار روپے

میں خرید لیا اور اس کا نام وزیر مینشن پڑا، نچلی منزل میں کپڑے کے آڑھتیوں کی دکانیں جب کہ دو بالائی منزلوں پر وزیر علی اور ان کے رشتہ دار مقیم تھے۔

وزیر مینشن اسٹیشن

یہ سٹیشن قائداعظم محمد علی جناح کے مقام ولادت وزیر مینشن کے بالکل قریب واقع ہے۔ اس کا نام 1976ء میں رکھا گیا۔

وسعتِ نظر

قائداعظم محمد علی جناح نے 12 اپریل 1948ء کو طلبائے پشاور سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''آپ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اپنے صوبے سے محبت کرنے اور اپنے ملک سے محبت کرنے کے معنی اور ان دونوں کے تقاضے الگ الگ ہیں۔ ہمارے فرائض جو ہم پر پوری مملکت کی طرف سے عائد ہوتے ہیں، وہ ہمیں صوبائیت سے الگ لے جاتے ہیں۔ ان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی نظر اپنے خیالات اور وطن پرستی کے تصور میں وسعت پیدا کریں۔ ملک کی خدمت کا اکثر یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی ذاتی اور صوبائی اغراض کو وسیع تر مقاصد میں ضم کر دیں، جس میں سب کی بھلائی اور فائدہ ہے۔ سب سے پہلے ہم پر اپنے ملک کی خدمت فرض ہے، اس کے بعد اپنے صوبے، اپنے ضلع، اپنے قصبے یا گاؤں کی اور آخر میں خود اپنی۔ یہ نہ بھولیے کہ ہم ایک ایسی مملکت کی تعمیر کر رہے ہیں، جسے پوری دنیائے اسلام کی قسمت کے بنانے میں پورا پورا حصہ لینا ہے، لہٰذا ہماری نظر وسیع ہونی چاہیے۔ ایسی وسیع کہ وہ صوبائی حد بندی، محدود قوم پرستی اور نسلی تعصبات سے بالاتر ہو۔ ہمیں اس وطن دوستی کو فروغ دینا چاہیے، جو ہمیں ایک متحد اور طاقتور قوم کے سانچے میں ڈھال سکے۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے، جس سے ہم اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ مقصد جس کے لیے لاکھوں مسلمانوں نے اپنا سب کچھ کھویا اور جانیں قربان کیں۔''

وسمی ساوی

یہ بمبئ سے شائع ہونے والا گجراتی ماہنامہ تھا۔ اس نے مئی 1916ء کی اشاعت میں قائداعظم محمد علی جناح کو بھیجے گئے ان آٹھ سوالات کے جوابات شائع کیے جن کی تفصیل یہ ہے:

سوالات	جوابات
❶ کسی فرد کا قابلِ قدر وصف کیا ہے؟	جذبۂ آزادی
❷ کسی عورت میں قابلِ قدر وصف کیا ہے؟	وفاداری
❸ زندگی میں کامیابی کے حصول کے لیے	عوام کی محبت کا
❹ آپ کی پسندیدہ تفریح کیا ہے؟	گھڑ سواری
❺ آپ کی پسندیدہ کتاب؟	مانٹی کرسٹو
❻ آپ کا نصب العین (ماٹو) کیا ہے؟	کبھی مایوس نہ ہو
❼ آپ کا پسندیدہ پھول؟	لِلّی
❽ آپ کا پسندیدہ مصنف؟	شیکسپیئر

جواب کے آخر میں قائداعظم محمد علی جناح نے گجراتی میں دستخط ثبت کیے ہیں۔

(مضمون سید خالد جامعی، ماخوذ روزنامہ جنگ کراچی، اشاعت: 12 اگست 1982ء)

وصیت نامہ

30 مئی 1939ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی جائیداد کی تقسیم کے سلسلے میں یہ وصیت نامہ مرتب کیا، اور اس میں لکھا:

''میرے اس آخری وصیت نامے نے تمام سابقہ وصیت ناے منسوخ کر دیے۔''

اس کے مطابق قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی بہن فاطمہ جناح، مسٹر محمد علی چائے والا، وکیل بمبئی اور نواب زادہ لیاقت علی خان سکنہ دہلی کو عاملین وصیت مقرر کیا۔ وصیت کی رو سے وہ تمام حصص، تمسکات اور حسابات جو محترمہ فاطمہ جناح کے نام تھے انہی کے نام کر دیے۔ اس کے علاوہ مالابار ہل بمبئی میں اپنا مکان اس کی تمام زمین ملحقہ عمارتوں میں تمام فرنیچر، چاندی کے ظروف اور موٹر کار سمیت اپنی بہن فاطمہ جناح کے نام کیے، اور عاملین وصیت کو یہ ہدایت کی:

''گزارے اور دیگر ضروریات کے لیے انہیں دو ہزار روپے ماہانہ ادا کیے جایا کریں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی بہن مریم دوسری بہن شیریں اور اپنے بھائی احمد کے لیے بھی ایک ایک سو روپیہ ماہانہ تاحیات مقرر کیا، اپنی بیٹی کے لیے دو لاکھ روپے کی رقم مختص کی اور اس کی آمدنی سے ایک ہزار روپے مہینہ تاحیات مقرر کر دیے جانے اور اس کی موت کے بعد تمام اس کی اولاد میں تقسیم کرنے کی ہدایت کی ایسی صورت میں کہ اس کی اولاد نہ ہو فرمایا:

''اس رقم کو باقی جائیداد کا حصہ قرار دیا جائے۔''

تعلیمی اداروں میں سے قائداعظم محمد علی جناح نے پچیس ہزار روپیہ انجمن اسلام اسکول بمبئی، پچاس ہزار روپیہ بمبئی یونیورسٹی اور پچیس ہزار روپیہ اینگلو عربک کالج دہلی کے لیے دیا۔

ان خصوصی رقوم کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کا جو بھی ترکہ یا جائیداد اس وقت موجود تھی یا آئندہ بنے اس کے متعلق ہدایت کی:

''تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی، ایک حصہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ایک حصہ اسلامیہ کالج پشاور کو دیا جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد جب ان کی جائیداد کی قیمت لگائی گئی تو وہ تقریباً نوے لاکھ روپے کی تھی، چنانچہ ہر ادارے کے حصے میں تقریباً تیس لاکھ روپیہ آیا۔

وضع

ممتاز صحافی بیورلے نکلس کے بقول:

''ایشیا کا اہم ترین انسان (قائداعظم) 67 سال کی عمر (بوقت ملاقات 1943ء) میں ہے۔ دراز قد، چھریرا بدن، وضع دار سلک سوٹ زیب تن کیے ہوئے اور یک چشمی عینک چہرہ پر لگی ہوئی۔ ایک سخت سفید کالر گلے میں جسے وہ شدید گرمیوں میں بھی استعمال کرنے کا عادی ہے وہ شرفائے ہسپانیہ کی طرح معلوم ہوتے تھے سیاسی مسلک میں کہنہ مشرب مدبر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی باعظمت آدمی سینٹ جیمس کلب میں بیٹھا ہوا لطیف مشروب نوش جان کر رہا ہو اور جریدہ للی پٹس کے مطالعہ میں مصروف ہو۔''

وطن مراجعت

ہیکٹر بولائتھو اپنی کتاب Jinnah Creator of Pakistan میں رقمطراز ہے:

''جس عظیم مقصد کی خاطر جناح انگلستان میں اپنی پُرسکون زندگی ترک کر کے وطن لوٹ آئے تھے، اس کے لیے انہوں نے آتے ہی جدوجہد شروع نہ کی۔ لیاقت علی خاں نے ضرور یہ رائے قائم کر لی تھی کہ کام کے لیے زمین ہموار اور فضا سازگار ہے، لیکن جناح کے دل و دماغ میں ابھی کشمکش باقی تھی۔ انہیں معلوم

تھا کہ سیاسی جدوجہد کا راستہ کٹھن اور پر خار ہے، اور اُس میں انہیں بڑی قوتوں اور شخصیتوں سے ٹکر لینا پڑے گی، لہٰذا اپنی زبردست قوتِ فیصلہ کے باوجود انہوں نے اپنی نئی مہم شروع کرنے میں جلدی نہ کی۔
وہ اپریل 1934ء میں انگلستان سے وطن لوٹے تھے۔ یہ مراجعت گویا اس بات کا اعتراف تھی کہ ہندوستان کا سیاسی اُفق ابھی بالکل تاریک نہیں، اور قوم کو متحد کرنے کا کچھ امکان باقی ہے۔ اُسی مہینے میں مسلم لیگ کونسل کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:
''میرے لیے اس سے بڑھ کر کوئی خوشی نہیں ہوسکتی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں سچی دوستی ہو اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ دل سے تعاون کریں۔''
پھر وہ لندن واپس گئے اور چند مہینے وہاں قیام کیا۔ ان کی ذہنی کشمکش ابھی ختم نہ ہوئی تھی۔ ایک طرف وہ ہندو مسلم اتحاد کی دیرینہ آرزو ترک کرنے پر تیار نہ تھے، دوسری طرف عقل یہ کہتی تھی کہ وہ آرزو محض ایک خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ عقل و دل کی یہ کشاکش ابھی جاری تھی کہ اکتوبر میں بمبئی کے مسلمانوں نے انہیں مرکزی اسمبلی میں اپنی نمائندگی کے لیے منتخب کرلیا۔ جناح اُس وقت انگلستان میں تھے، اور اُن کے معتقدوں نے اُن سے اجازت لیے بغیر انہیں منتخب کرادیا تھا۔ اس غیر معمولی کامیابی کی خبر انہیں لندن کے اُس ہوٹل میں ملی جہاں وہ اُن دنوں مقیم تھے، اور اس سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ ان کی قوم کو اُن کی ضرورت ہے، اور اُن پر پورا بھروسا ہے۔ جنوری 1935ء میں وہ نئی اسمبلی کے پہلے اجلاس میں شرکت کے لیے ہندوستان آئے، مگر اپریل میں پھر انگلستان واپس چلے گئے اور اکتوبر تک وہیں رہے۔
ابھی جناح لندن میں تھے کہ شاہ انگلستان نے ہندوستان کے لیے آئین، یعنی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی توثیق کردی۔ یہ آئین دو سال بعد 1937ء میں نافذ ہوا اور اس کے بعد دس برس تک بلا کسی بنیادی تبدیلی کے جاری رہا۔ 1947ء میں جب برصغیر کو آزادی نصیب ہوئی اور موجودہ ہندوستان اور پاکستان معرضِ وجود میں آئے، وہی آئین چل رہا تھا۔ اُس آئین کی خوبیوں اور فوائد کی آسٹریلیا کے مشہور مدبر آر۔ جی۔ کیسی (R. G Casey) نے یوں وضاحت کی ہے:
''گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی رُو سے ہندوستان کو جو اختیارات حاصل ہوئے وہ اُن سے کہیں زیادہ تھے جو سائمن کمیشن نے تجویز کیے تھے۔ یہ آئین ملک کی خودمختاری کی طرف ایک بہت بڑا قدم تھا۔ صوبوں کو تقریباً وہ تمام اختیارات سونپ دیے گئے جو بالعموم کسی آزاد وفاقی مملکت کے اجزا (Constituent Units) کو حاصل ہوتے ہیں۔
اب صوبائی گورنر تقریباً تمام معاملات میں اپنے وزراء کے مشورے کا پابند ہوگیا۔ معدودے چند امور اس پابندی سے مستثنیٰ تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جن میں گورنر اپنے وزیروں کے مشورے کو نظرانداز کرسکتا تھا اور بہت ہی کم ایسے تھے جن میں وہ وزیروں سے مشورہ کیے بغیر فیصلہ کرنے کا مجاز تھا۔ ان مستثنیات کی مجموعی تعداد بہت محدود تھی، اور ان کے متعلق گورنروں کو یہ ہدایت تھی کہ وہ ان کو صرف غیر معمولی حالات میں بروئے کار لائیں، اور وزراء کو یہ نہ محسوس

ہونے دیں کہ ان کے آئینی اختیارات اس بہانے اُن سے چھینے جارہے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ نئے آئین کے نفاذ کے بعد گورنر کے خصوصی اختیارات شاذ و نادر ہی استعمال ہوئے۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کا دوسرا حصہ مرکزی معاملات سے متعلق تھا۔ مقصد اُس کا یہ تھا کہ ایک کُل ہند وفاق کی تشکیل کی جائے، اور مرکز میں بھی ایسی حکومت قائم کی جائے جو عوام کے نمائندوں کے سامنے جواب دہ ہو، لیکن آئین کا یہ حصہ کبھی نافذ نہ ہو سکا، کیونکہ دیسی ریاستوں کے فرماں رواؤں نے وفاق میں شریک ہونے سے انکار کر دیا، لہٰذا مرکزی حکومت کا ڈھانچا وہی رہا جو پہلے تھا۔''

نئے آئین کی رُو سے صوبوں کی مجموعی تعداد گیارہ ہو گئی، اور ان سب کو تقریباً مکمل داخلی خودمختاری مل گئی، جو اختیارات آئین میں صوبوں کے لیے مخصوص کر دیے گئے، اُن میں مرکزی مداخلت کا اب کوئی امکان نہ رہا۔ ہر صوبے کے لیے ایک علیٰحدہ قانون ساز اسمبلی رکھی گئی، اور صوبائی وزارت اس اسمبلی کے سامنے جواب دہ تھی۔ وزیروں کے تقرر کا اختیار گورنر کو تھا، مگر شرط یہ تھی کہ تمام وزیر اسمبلی کے ممبر ہوں۔ اس کے علاوہ عملاً گورنر پر یہ لازم تھا کہ وہ صرف ایسے لوگوں کو وزیر بنائے جن کو اسمبلی کے ممبروں کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہو۔ بہ الفاظ دیگر، وہ مجبور تھا کہ ایسے شخص کو وزیر اعلیٰ بنائے جس کو اسمبلی کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہو، اور پھر اُسی کے مشورے سے دوسرے وزیروں کا انتخاب کرے۔ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے مفاد کا تحفظ اس طرح کیا گیا کہ ہر صوبائی اسمبلی میں اُن کے لیے جداگانہ نشستیں محفوظ کر دی گئیں، اور ہر اقلیتی فرقے کو جداگانہ انتخاب کا حق دیا گیا۔ نئے آئین میں کوئی شق ایسی نہ تھی جس کی رُو سے اکثریت اس بات پر مجبور ہو کہ اقلیتوں کے نمائندے وزارت میں شامل کرے، تاہم جن اصولوں پر آئین وضع کیا گیا تھا اُن کا یہ تقاضا ضرور تھا کہ ہر صوبے کی وزارت میں اقلیتوں کے چند نمائندے شامل ہوں۔

گول میز کانفرنسوں میں ہندوستانی لیڈروں میں فرقہ وارانہ نمائندگی کے متعلق کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا تھا، اور بالآخر حکومتِ برطانیہ نے اس اُلجھے ہوئے مسئلے کو طے کرنے کے لیے نمائندگی کے اصول خود متعین کیے۔ یہ فیصلہ 'فرقہ وارانہ تقسیم' (Communal Award) کے نام سے مشہور ہوا اور ہندوستان کے نئے آئین میں شامل کر لیا گیا۔ اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ اقلیتوں اور خصوصاً مسلمانوں کے سیاسی مفاد و حقوق کا تحفظ کیا جائے اور انہیں مطمئن کیا جائے۔

محمد علی جناح اس فیصلے سے مطمئن نہ تھے، تاہم فروری 1935ء میں اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''وہ اسے قبول کرنے پر تیار ہیں، کیونکہ مصالحت کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں اور آئینی ترقی کی کوئی اور صورت نظر نہیں آتی۔''

1936ء کے آغاز میں جناح نے ایک خطرناک فرقہ وارانہ جھگڑا طے کرانے میں بڑا نمایاں کام کیا۔ شہر لاہور میں ایک مسجد ہے جو کسی زمانے میں مسلمانوں کی ملکیت تھی۔ بعد میں اسے سکھوں نے غصب کر لیا اور اس بات پر مسلمانوں اور سکھوں میں ٹھن گئی۔ یہ جھگڑا عرصے تک چلتا رہا اور بالآخر دونوں فرقوں میں

زبردست ٹکر ہوئی۔ فساد اور خوں ریزی ہوئی اور دونوں فرقوں کے بہت سے لیڈر قید کر لیے گئے۔ اس نازک وقت پر محمد علی جناح امن اور مصالحت کا پیغام لے کر لاہور پہنچے اور فریقین کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی، پھر اُن کے اصرار پر دونوں فرقوں کے لیڈر مل بیٹھے اور جناح نے اپنی زبردست قوتِ استدلال سے انہیں مصالحت کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے ''آئینی طریقِ کار'' پر زور دیا اور اپنی دلیل فریقین سے یوں منوا لی جیسے کوئی ڈنڈے کے زور سے اپنے حکم کی تعمیل کروا لے۔ دونوں فریق بالآخر اس بات پر تیار ہو گئے کہ یہ قضیہ ایک ثالث کے سپرد کیا جائے، اور دونوں فرقے اُس کے فیصلے کے پابند ہوں۔ یہ جناح کی بہت بڑی کامیابی تھی اور اس سے انہوں نے ثابت کر دیا کہ فرقہ وارانہ اتحاد کا امکان ابھی باقی ہے۔

مصالحت کے بعد پنجاب کے گورنر نے سرکاری طور پر محمد علی جناح کا شکریہ ادا کیا، انہوں نے لکھا:

''مسٹر جناح نے اس ضمن میں جو کوشش کی ہے اُس کے لیے میں اُن کا تہ دل سے ممنون ہوں۔ انہوں نے جو کام کیا ہے اور کر رہے ہیں وہ قابل ستائش ہے اور میں دل کھول کر ان کو داد دیتا ہوں۔ اُن کی پہلی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کے احتجاج کو پابند قانون و آئین کیا جائے۔ اس میں وہ کامیاب ہو چکے ہیں، اور حکومت جو قدم اس سلسلے میں اٹھانا چاہتی تھی اُس کے لیے اب رستہ ہموار ہو گیا ہے۔''

یہ واقعہ اس لیے زیادہ اہم تھا کہ اس طرح جناح کو یہ موقع ملا کہ وہ میدانِ عمل میں اپنے نظریات کا امتحان لیں علاوہ ازیں اُس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ لیاقت علی خاں کا اپنے رہ نما پر کتنا اثر ہے۔ اس سے پہلے کبھی جناح اپنی اونچی کرسی سے اتر کر عوام کی مصیبتوں میں اُن کے شریک نہ ہوئے تھے۔ بالعموم وہ عوام سے الگ تھلگ رہتے، اور دور ہی سے انہیں سیاست کا درس دیتے رہتے لیکن اب جناح ان عوام کے قریب آنے کی کوشش کر رہے تھے جنہیں آگے چل کر ہندوستان کی سیاسی قسمت اور خود جناح کے مستقبل کا فیصلہ کرنا تھا۔

نئے آئین کے مطابق پہلے انتخابات میں اب صرف سال بھر باقی تھا۔ کانگریس نے تو اپنی تیاریاں 1934ء ہی میں شروع کر دی تھیں۔ اس نے اپنا ایک انتخابی بورڈ (Parliamentary Board) قائم کیا تھا، اور یہ بورڈ اسی باقاعدگی سے اور اُسی پیمانے پر کام کر رہا تھا جیسے انگلستان کی بڑی بڑی سیاسی جماعتیں کرتی ہیں۔ وہ کانگریس کی انتخابی پالیسی وضع کر رہا تھا اور اپنے امیدواروں کو ضروری ہدایتیں دے رہا تھا۔ اس کے برعکس کانگریس کی مخالف جماعتیں بہت دیر میں بیدار ہوئی تھیں، اور انہوں نے اُس کے دو برس بعد انتخابات کے سلسلے میں کام شروع کیا۔

1936ء کے شروع میں مسلم لیگ کا اجلاس بمبئی میں ہوا تھا اور وہاں اس نے جناح کی صدارت میں اپنا مرکزی انتخابی بورڈ (Central Election Board) الگ قائم کیا تھا۔ اس کے بعد مسلم لیگ کا تعطل جلد ختم ہو گیا، اور وہ ایک سرگرم اور مستعد جماعت بن گئی۔ جناح کے احکام و ہدایات کی توضیح و تشریح کے لیے اب لیاقت علی خاں موجود تھے۔ اسی سال مارچ کے مہینے میں دلی میں لیگ کے چند ممبروں سے گفتگو کے دوران میں جناح نے کہا:

''ہمیں چاہیے کہ ہم مسلمانوں کے مفاد کلی کو پیشِ نظر رکھیں۔ اگر آپ اُن کی بھلائی اور ترقی کے لیے دل و جان سے کوشش نہ کریں گے تو ہرگز کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ کوئی شخص آپ کا احترام نہیں کرے گا، نہ کوئی آپ سے مشورہ لینے کی زحمت کرے گا لہٰذا آپ کو چاہیے کہ آپ عوام کو منظم کریں اور انہیں اس قابل بنائیں کہ وہ اپنی حیثیت و اہمیت کے مطابق ملک کی سیاست میں حصہ لے سکیں۔

میری رائے ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو الگ الگ منظم کرنا چاہیے۔ اس طرح دونوں فرقے زیادہ بہتر طور پر ایک دوسرے کو سمجھ سکیں گے، اور باہمی مفاہمت کے لیے ہمیں برسوں انتظار نہ کرنا پڑے گا، میں آٹھ کروڑ مسلمانوں کو منظم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، اور اگر وہ اچھی طرح منظم ہو گئے تو قومی آزادی کی تحریک میں وہ بڑا کام کرسکیں گے۔''

ہندوؤں اور مسلمانوں کی باہمی رقابتوں اور جھگڑوں کے باوجود اُن کے اختلافات بہت واضح نہ تھے۔ یہ خیال بہت غلط ہے کہ دونوں فرقے میدانِ جنگ میں مخالف فوجوں کی طرح ایک دوسرے کے مقابل ڈٹے ہوئے تھے، اور ایک کے ہاتھ میں کانگریس کا جھنڈا اور دوسرے کے آگے مسلم لیگ کا علم تھا۔ یہ غلط فہمی ان لوگوں کو اکثر ہو جاتی ہے جنہیں صرف مغرب کی سیاسی زندگی کا علم اور تجربہ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین خطِ امتیاز و افتراق اُسی قدر واضح تھا جتنا انگلستان میں ٹوریوں (Tories) اور لیبر پارٹی کے درمیان، یا امریکہ میں ڈیموکریٹ (Democrat) اور ری پبلکن (Republican) پارٹیوں کے درمیان۔ حقیقت یہ ہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے جھنڈوں کے تلے جو لوگ مجتمع اور منظم ہو رہے تھے ان کی تقسیم بھی عجیب و غریب تھی۔ تمام ہندو کانگریس کے ساتھ نہ تھے، نیز اُن میں آزاد خیال لوگ (Liberals) بھی تھے جو کسی باقاعدہ سیاسی جماعت سے وابستہ نہ تھے اور ''مہاتما'' اور ان کے چیلوں کے انقلابی طریقِ کار سے سخت بے زار تھے۔ اسی طرح سارے مسلمان لیگ کے ساتھ نہ تھے۔ خصوصاً پنجاب میں لیگ کسی شمار قطار میں نہ تھی۔ وہ مسلم اکثریت کا صوبہ تھا اور وہاں مسلمانوں کو ہندوؤں سے مغلوب ہونے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ وہاں ان کی کئی جماعتیں ایسی تھیں جو عوام میں خاصی مقبول تھیں۔ جناح نے جب لیگ کی ازسر نو تنظیم شروع کی اُس سے بہت پہلے یہ جماعتیں اُس صوبے میں قائم تھیں۔ مسلم لیگ وہاں نسبتاً نئی جماعت تھی اور ابھی بہت کمزور تھی، لہٰذا یہ اُمید نہ تھی کہ دوسری جماعتوں کے رہنما اور پیرو اُن سے نکل کر مسلم لیگ میں شریک ہو جائیں گے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کے بعض گروہ کانگریس کے حامی تھے۔ صوبۂ سرحد میں مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت تھی (90 فیصد) مگر وہ صوبہ کانگریس کا گڑھ تھا۔ جیسوٹ پٹھانوں کے اس وطن میں ایک مسلم لیگی نمائندہ بھی مرکزی یا صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں کامیاب نہ ہوسکا تھا۔ صوبۂ سندھ میں بھی مسلمانوں کی اکثریت تھی، لیکن وہاں بھی مسلمانوں نے مسلم لیگ کو رد کر دیا تھا۔ ان کی ایک بڑی تعداد کانگریس کے ساتھ ہوگئی اور اس نے تقسیم ہند کی تجویزوں کی سخت مخالفت کی۔ ہندوستان کے مسلمان اس وسیع ملک کے مختلف علاقوں میں بکھرے ہوئے تھے، اور

ایک صوبے کے مسلمان دوسرے صوبے کے مسلمانوں سے اچھی طرح واقف بھی نہ تھے۔ جناح نے اس منتشر گروہ کو متحد اور منظم کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا، اور یہ بڑا کٹھن کام تھا۔

جناح کی چار سالہ جلاوطنی کے دوران میں ہندوستان کے سیاسی اسٹیج پر کئی شخصیتیں نمایاں ہو چکی تھیں۔ گاندھی جی، جن کی قیادت میں بائیکاٹ اور سول نافرمانی نے ایک زبردست اور خوفناک تحریک کی شکل اختیار کر لی تھی، اب پینسٹھ کے لگ بھگ تھے۔ انہوں نے تصوف اور روحانیت کا لبادہ اوڑھ لیا تھا، اور پیروں کا سا پُراسرار انداز گفتگو اختیار کر لیا تھا۔ کانگریس کی تنظیم و توسیع کا مشکل کام انہوں نے جواہر لال نہرو کے سپرد کر دیا تھا، جو ابھی نسبتاً جوان تھے (ان کی عمر اس وقت سینتالیس سال کی تھی)۔ نہرو بھی گاندھی کے دوسرے مریدوں کی طرح ان کو ''باپو'' کہا کرتے، لیکن عدم تشدد اور بعض دوسرے مسائل میں وہ اپنے گرو سے متفق نہ تھے۔ آٹھ برس قبل، گول میز کانفرنس کی مخالفت کرتے ہوئے، نہرو نے کہا تھا:

''ہمارے پاس وہ وسائل نہیں کہ ہم ملک کی آزادی کے لیے تلوار سے جہاد کر سکیں، نہ ہم اس قسم کی جنگ کے لیے تربیت حاصل کر سکتے ہیں۔ انفرادی دہشت پسندی کا میں اس وجہ سے مخالف ہوں کہ اس قسم کی لاحاصل حرکتیں آدمی اسی وقت کرتا ہے، جب وہ بالکل مایوس ہو کر ہمت ہار بیٹھے۔ ہندوستان کے عوام تشدد اور عدم تشدد کے معاملے کو کوئی اخلاقی مسئلہ نہیں سمجھتے۔ ان کو صرف اس کے عملی پہلو سے دل چسپی ہے۔ وہ تشدد کے خلاف اس لیے ہیں کہ انہیں یقین ہے کہ اس طرح کامیابی کا کوئی امکان نہیں، لیکن آگے چل کر اگر حالات بدل جائیں اور کانگریس کو یا قوم کو یہ یقین ہو جائے کہ ملک کو بہ زورِ شمشیر آزاد کرایا جا سکتا ہے، تو مجھے اس میں ذرا شک نہیں کہ قوم یہی راستہ اختیار کرے گی۔ تشدد یقیناً بری چیز ہے، لیکن ایک پوری قوم کی غلامی اس سے کہیں زیادہ مذموم ہے۔''

1937ء کی انتخابی مہم کے سلسلے میں نہرو نے جو تقریریں کیں یا بیانات دیے ان میں ان کا لہجہ نسبتاً نرم تھا۔ تشدد کا ذکر ان میں کہیں نہ تھا۔ اس کے برعکس نہرو نے آئینی جدوجہد کے فوائد پر زیادہ زور دیا۔ کچھ عرصے بعد جناح نے جواہر لال نہرو پر تنقید کرتے ہوئے کہا:

''وہ تو ''پیٹر پین'' (Peter Pan) ہیں۔ نہ وہ نئے تجربات اور واقعات سے سبق حاصل کر سکتے ہیں، نہ اپنے ان تصورات اور خیالات کو ترک کر سکتے ہیں، جو باطل اور ناقابلِ عمل ثابت ہو چکے ہیں۔''

نہرو کی قیادت میں کانگریس نے انتخابات میں زبردست کامیابی حاصل کی۔ اس وقت ہندوستان کے تیس کروڑ باشندوں میں سے قریباً تین کروڑ کو ووٹ دینے کا حق حاصل تھا، اور ان ووٹروں میں سے تیس فیصد مسلمان تھے۔ مسلمانوں نے جو ووٹ ڈالے ان میں سے بہ مشکل پانچ فیصد مسلم لیگ کے امیدواروں کو ملے۔ کانگریس کی اس شاندار کامیابی سے نہرو کا دل بڑھ گیا، اور نتیجوں کے اعلان کے چند ہی دن بعد مارچ 37ء میں نہرو نے دعویٰ کیا:

''ہندوستان کی بساطِ سیاست پر اب صرف دو فریق ہیں، ایک کانگریس اور دوسرا حکومتِ برطانیہ۔''

جناح یہ دعویٰ سن کر چپ نہ رہے۔ انہوں نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا:

''ایک تیسرا فریق بھی ہے، یعنی مسلمان۔''

پھر انہوں نے مسلم لیگ کے نقطۂ نظر کی یوں وضاحت کی:

''ہمیں کسی دوسرے کے اشاروں پر چلنا ہرگز گوارا نہیں، ہم ہر ایسی جماعت یا گروہ کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہیں جو آزاد اور ترقی پسند ہو، اور جس کے اصول اور پروگرام ہمارے لیے قابلِ قبول ہوں، لیکن کسی جماعت کی حاشیہ برداری ہمیں منظور نہیں۔ ملک کی بھلائی اور ترقی کے لیے ہم ہر جماعت کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنے کو تیار ہیں، لیکن اسی صورت میں جب ہمیں برابری کا درجہ ملے۔''

کانگریس اور پنڈت نہرو پر ان باتوں کا کچھ اثر نہ ہوا اور مساویانہ اشتراکِ عمل کی جو پیش کش جناح نے کی تھی اُسے انہوں نے حقارت سے نظر انداز کر دیا۔ سر پرسول گرفتھز (Percival Griffiths) نے جو ایک زمانے میں مرکزی مقنّنہ میں یورپین پارٹی کے لیڈر تھے، کانگریس کی اس ''فاش اور سنگین غلطی'' پر یوں تبصرہ کیا ہے:

''کانگریس کے ارباب حل و عقد مسلم لیگ کو حکومت میں اپنے ساتھ شریک کرنے پر تیار نہ ہوئے، اور نتیجہ یہ ہوا کہ جن صوبوں میں ہندوؤں کی اکثریت تھی وہاں کانگریس نے بلا شرکت غیرے اقتدار حاصل کر لیا۔ صوبۂ متحدہ (حال اُتر پردیش) میں مسلم لیگ کے لیڈروں کو وزارت میں شرکت کی دعوت دی گئی، لیکن اس شرط پر کہ وہ کانگریس کی رکنیت قبول کر لیں، اور مسلم لیگ کا وجود ہی ختم کر دیں۔ دوسرے صوبوں میں بھی اسی قسم کی شرطیں لگائی گئیں، اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایک کو چھوڑ کر مسلم لیگ کے کسی ممبر کو وزارت میں شامل نہ کیا گیا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ آئین اور قانون کی رُو سے کانگریس کو یہ حق پہنچتا تھا کہ جہاں اس کی اکثریت ہو وہاں وہ کسی اور جماعت کو شریکِ اقتدار نہ کرے، اور پارلیمانی طرزِ حکومت کا عام رواج بھی یہی ہے، تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عملی نقطۂ نظر سے یہ بڑی زبردست غلطی تھی۔ سماجی اور معاشی مسائل میں کانگریس اور لیگ کے درمیان کوئی ایسے بنیادی اختلافات نہ تھے جن کے باعث حکومت میں ان کا اشتراک نامناسب یا ناممکن ہوتا۔ بہر حال مسلمانوں نے یہی سمجھا کہ انہیں اقتدار میں اس لیے شریک نہیں کیا گیا کہ کانگریس دراصل ہندوؤں کی جماعت ہے۔''

نئے سیاسی دور کے اس پہلے مقابلے میں جناح مات کھا گئے اور دل برداشتہ ہو کر پھر ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر اپنی پُر سکون کوٹھی میں لوٹ گئے لیکن وہ ہمت نہ ہارے اور میدان سے نہ بھاگے۔ انہوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ اُن دنوں وہ اپنے دفتر کا سارا کام خود ہی کرتے۔ ان کے پاس مدد کے لیے کوئی ذاتی عملہ نہ تھا، نہ کوئی سیکریٹری ہی تھا جو ان کے خطوط کی نقلیں کرتا اور ان کے کاغذات کو قاعدے سے رکھتا۔ ہاں، ان کی ایک میز کے دراز میں چند خط تھے جنہیں پڑھ کر ان کی ڈھارس بندھتی۔ یہ وہ خط تھے جو سر محمد اقبال نے 1932ء میں انگلستان کی ملاقاتوں کے بعد انہیں لکھے تھے۔ ان میں 28 مئی 1930ء کا لکھا ہوا ایک خط تھا جس میں اقبال نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ مسلمانانِ ہند کے سیاسی مسائل اسی طرح سلجھ

سکتے ہیں کہ ملک میں ''صوبوں کی تشکیل از سرنو کی جائے اور ایک یا ایک سے زیادہ مملکتیں ایسی قائم کی جائیں جہاں مسلمانوں کی قطعی اکثریت ہو۔''
اسی خط میں اقبال نے جناح سے سوال کیا:
''کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ مسلمانانِ ہند باقاعدہ یہ مطالبہ پیش کریں؟''
جناح نے اس خط کا جواب ضرور دیا ہوگا، لیکن اب نہ وہ خط باقی ہے نہ اس کی کوئی نقل۔ 21 جون کو پھر اقبال نے جناح کو خط لکھا اور اس میں بار بار انہیں زحمت دینے پر ان سے معذرت بھی کی:
''میں جانتا ہوں کہ آپ بہت مصروف ہیں، لیکن مجھے یقین ہے کہ میرا بار بار خط لکھنا آپ کو ناگوار نہ ہوگا۔ آج صرف آپ ہی سے ہندوستان کے مسلمان یہ توقع کر سکتے ہیں کہ ملک میں جو سیاسی طوفان آنے والا ہے اُس میں آپ اُن کی صحیح رہ نمائی کریں گے، اور اُن کا بیڑا پار لگا دیں گے۔''
معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کا جناح پر خاصا اثر ہوا۔ 15 اکتوبر کو لکھنؤ میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا:
''اکثریت کے رویے سے یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ وہ ہندوستان کو ہندوؤں کی جاگیر سمجھتے ہیں۔''
پھر انہوں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا:
''کانگریس کی موجودہ پالیسی سے فرقہ وارانہ کشیدگی اور نفرت بڑھ جائے گی، اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں جنگ چھڑ جائے گی۔''
مہاتما گاندھی نے جناح کی تقریر کا ایک ایک لفظ بہ غور پڑھا اور پھر انہیں لکھا:
''آپ کی تقریر پڑھ کر میں تو یہی سمجھا ہوں کہ آپ نے جنگ کا اعلان کر دیا ہے، میرے دل کو سخت صدمہ ہوا ہے، اور میں انتہائی نیک نیتی سے آپ سے اپنے رنج کا اظہار کر رہا ہوں۔''
(Jinnah Creator of Pakistan، ترجمہ زُہیر صدیقی، مطبوعہ اردو سائنس بورڈ لاہور)

وطن، ہفت روزہ

تحریکِ پاکستان کے ایام میں مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی کرنے اور ہند کی آزادی کے لیے مسلمانوں کی رائے عامہ کی صحیح عکاسی کرنے والے قومی اخبار کی اشد ضرورت تھی۔ چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی سے ہفت روزہ وطن کے نام سے ایک اخبار جاری کیا، وہی اس کے سرپرست تھے بعد ازاں یہ روزنامہ بن گیا آج کل کراچی سے اشاعت پذیر ہے۔

وفات

13 ستمبر 1979ء کو پاکستان کے سابق اٹارنی جنرل اور اسلامی ممالک کی تنظیم کے سیکرٹری جنرل سید شریف الدین پیرزادہ نے انکشاف کیا:
''قائداعظم اپنی طبعی موت نہیں مرے بلکہ انہیں ایک سازش کے تحت مروایا گیا ہے۔''
اس بات کا انکشاف انہوں نے اسلام آباد سے شائع ہونے والے ایک ہفت روزہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کیا۔
انہوں نے بتایا:
''قائداعظم ایسے افراد سے بخوبی آگاہ تھے جو انہیں مار ڈالنا چاہتے تھے لیکن اگر ایسے لوگوں کے ساتھ الجھ جاتے تو پاکستان کا قیام دشوار ہو جاتا۔''
اس لیے انہوں نے اپنی ساری توجہ قیام پاکستان پر صرف کردی:

''شریف الدین پیرزادہ جنہیں قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا بتایا:

''قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل لیاقت علی خاں نے بھارت کے سابق وزیراعظم مرارجی ڈیسائی سے کچھ امور پر باتیں کی تھیں۔ مسٹر ڈیسائی نے لیاقت علی خاں سے کہا کہ تم تو مان رہے ہو، لیکن قائداعظم کو کون منائے گا تو لیاقت علی خاں نے کہا کہ قائداعظم ڈیڑھ برس سے زیادہ زندہ نہیں رہیں گے۔''

سید شریف الدین پیرزادہ نے انکشاف کیا:

''میرے کے پاس اس سلسلہ میں کافی دستاویزی ثبوت موجود ہیں جنہیں میں مناسب وقت پر منظرِ عام پر ضرور لاؤں گا۔''

(روزنامہ نوائے وقت، اشاعت:14 ستمبر 1979ء)

وفات اور تدفین

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات حسرت آیات تدفین کے ضمن میں ملک حبیب اللہ رقمطراز ہیں:

''روحانی دنیا کے مطابق عارف کی تدفین ابدال کے ذمہ ہوتی ہے۔ جس وقت آپ کی وفات کی خبر روحانی مربی یعنی غازی مراد کو (محمدی) جہاز میں ملی، اس وقت وہ قائداعظم محمد علی جناح ہی کے ایک مشن پر سوئے حجاز روانہ ہونے کے لیے جہاز پر سوار ہو چکے تھے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کی خبر ملتے ہی غازی صاحب جہاز سے اتر کر بندرگاہ سے باہر آئے تو شہر میں مکمل ہڑتال تھی، اور سواری ملنے کی کوئی صورت نظر نہ آ رہی تھی کہ اتنے میں ایک ملٹری کا ٹرک وہاں سے گزرا۔ انہوں نے اسے روکا، اور جنازہ گاہ تک چلنے کی استدعا کی، جس نے انہیں جنازہ گاہ تک پہنچا دیا۔ اب لاکھوں کا مجمع راستہ ملنا ہی دشوار تھا، مگر بفضلِ تعالیٰ راستہ خود بخود بنتا گیا اور وہ ملٹری کے حلقہ تک پہنچ گئے، جس نے انہیں حلقہ کے اندر جانے سے روکا، مگر خواجہ ناظم الدین اور سردار عبدالرب نشتر کی موجودگی میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے آپ کو دیکھ کر اندر بلا لیا، اور ان سے فرمایا:

''لو بھائی! اب اپنے دوست کو خود سنبھالو۔''

چنانچہ انہوں نے خود ہی ''تن تنہا'' آپ کو دونوں بازوؤں پر اٹھا کر قبر میں اتارا، اور (راقم الحروف یعنی ملک حبیب اللہ کو) 17 ستمبر 1948ء کو مندرجہ ذیل تفصیل لکھ کر بھیجی:

''12 ستمبر 1948ء کی صبح تو جہاز کی روانگی تھی کہ حضرت قائداعظم محمد علی جناح کا انتقال ہو گیا۔ یہ ایسا اچانک صدمہ تھا کہ طبیعت قابو میں نہ رہی، سامان کو جہاز میں چھوڑ کر خود نماز جنازہ کے لیے واپس شہر میں آیا۔ خدا کا شکر ہے کہ کندھا دیا، اور میں نے اپنے ہاتھ سے حضرت قائداعظم محمد علی جناح کو قبر میں اتارا، ان کا وزن بمشکل 20,15 سیر ہو گا۔ جب میں نے سر کی طرف سے بند کھولا، اور پیشانی پر آخری بوسہ دیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی نہایت گہری نیند سو رہا ہے۔ سکرات موت کے کوئی آثار نہ تھے۔ قوم کا غم آخر اس بوڑھے جنرل کو قبر میں لے گیا۔ اب ہم سب کو مل کر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہئے۔ پاکستان دشمنوں میں گھر چکا ہے۔ حیدر آباد پر جو ہو چکا ہے (اللہ پاکستان کی حفاظت فرمائے) آج صبح نو بجے جدہ شریف پہنچ گئے۔ سلطان ابن مسعود کی طرف سے استقبال ہو، آرام ایسا ہے جیسے گھر میں ہوتا ہے۔

۱۱ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو جب قائداعظمؒ لاکھوں سوگواروں کی موجودگی میں "سفرِ آخرت" پر روانہ ہوتے تو پوری قوم اشکبار تھی ـــــ تصویر میں میّت کی گاڑی نمایاں ہے جسے پاکستان نیوی کے افسران کھینچ رہے ہیں۔

یہ سب بہ طفیل نبی کریم ﷺ ہے۔ زبان میں شکریہ کی طاقت نہیں۔ (آپ کا بھائی۔ غازی)''

واقعی اس مرد مجاہد کی تکفین و تدفین کی مذکور الصدور تفصیل اخبارات میں شائع نہ ہوئی تھی۔ قائداعظم کو آخری نیند سونے کی دیر تھی کہ فضائے آسمانی ختم ہائے قرآن پاک سے گونج اٹھی۔ پاکستان کے گوشے گوشے سے بالخصوص اور دنیا کے کونے کونے سے بالعموم، بلا کسی ترغیب و ترہیب والہانہ طور پر لاتعداد ختم قرآن قائداعظم کے حضور آخری خراج وعقیدت کے طور پر پہنچنے شروع ہو گئے، اگر کوئی بادشاہ، وزیر یا امیر اجرتاً بھی اتنے ختم قرآن اس طرح حاصل کرنا چاہتا تو ہرگز نہ کر سکتا، اور نہ کسی عوامی لیڈر نے ابتدائے آفرینش سے آج تک مرنے کے بعد اس قدر ختم قرآن حاصل کیے۔ قائداعظم نے مر کر بھی دنیا کی تاریخ میں ایسا مقام حاصل کیا جو آج تک کسی اور ہندو کو نصیب نہیں ہوا۔ ''جیسا'' تو شہنشاہوں کے لیے وقار سے دفن و وفات درد میثاقِ خدا مست نے تکفین و تدفین کی اور نماز جنازہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے اللہ کے پیارے نے پڑھائی۔''

بزرگ فرمایا کرتے ہیں:

''بعض ہستیاں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کی نماز جنازہ پڑھنے والے لوگ بھی بخش دیے جاتے ہیں کہ میت کسی اللہ کے پیارے کی ہوتی ہے اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھانے والا اللہ کا ولی ہوتا ہے اور ''آسمان سے فرشتوں کی قطاریں'' بھی شمولیت کے لیے پہنچتی ہیں۔''

اس کی تصدیق یوں بھی ہوتی ہے کہ نماز جنازہ کے وقت ظفر اللہ قادیانی ایک طرف ہٹ کر دور چلا گیا اور زمین پر بیٹھ گیا، جبکہ حالت اضطرار میں پادری اور عیسائی تک نماز جنازہ میں لاکھوں مسلمانوں کے ساتھ صف میں کھڑے ہو گئے۔ یہ ایسا نظارہ تھا جسے چشم فلک نے کم ہی دیکھا ہوگا۔

اس کے علاوہ ایک حیرت انگیز بات ہے جب حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے جنازہ کا جلوس آخری آرام گاہ کی طرف رواں تھا، تو ان لاکھوں انسانوں کے سمندر میں ہر شخص نے محسوس کیا کہ مغرب کی طرف سے وقفے وقفے سے عطر بیز ہوا اس طرح چل رہی ہے کہ گویا کہ جلوس میں شامل ہو، ہوا میں تازہ گلاب کی پتیوں کی سی خوشبو تھی، اور یہ خوشبو آخری وقت تک قائم رہی، حالانکہ جب لوگ دفن و دعا کے بعد آزردہ خاطر گھروں کو روانہ ہوئے، خوشبو جنازہ میں شامل ہر شخص نے بار بار محسوس کی اور لوگوں میں مدتوں اس خوشبو کا چرچا رہا۔'' (قائداعظم کی شخصیت کا روحانی پہلو صفحہ 54-55)

وفات قائداعظم (سرکاری اعلان)

11 ستمبر 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے انتقال کیا ان کے انتقال پر جو سرکاری اعلان جاری کیا گیا اس کا متن یہ ہے:

''کابینہ پاکستان کی طرف سے اعلان کیا گیا ہے کہ حکومت پاکستان انتہائی رنج و ملال اور غم واندوہ سے اس خبر کا اعلان کرتی ہے کہ موت نے ہمارے محبوب رہنما بابائے پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح کو ہم سے چھین لیا ہے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون.

حکومت پاکستان ہر ایک مسلمان سے اپیل کرتی ہے

کہ وہ اس جانکاہ صدمے پر صبر و تحمل، بردباری اور نظم و نسق سے کام لے۔ اس پر آشوب دور میں جب کہ ہمیں قائداعظم کی رہنمائی کی اشد ضرورت تھی۔ قائداعظم ہمیں داغ مفارقت دے کر جنت الفردوس کو چل دیے۔ کابینہ پاکستان اس حادثہ جانکاہ پر محترمہ مس فاطمہ جناح اور قائداعظم کے دیگر رشتہ داروں اور ساری قوم سے گہری ہمدردی کا اظہار کرتی ہے۔''

وفد پارٹی (مصر کی قومی جماعت)

دسمبر 1946ء میں قائداعظم محمد علی جناح لندن سے واپس ہندوستان آئے تو انہوں نے قاہرہ میں قیام کیا اور وفد پارٹی کے رہنما نحاس پاشا سے مختلف امور پر تبادلہ خیالات کیا۔

یہ جماعت دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر سعد زاغلول پاشا کی کوششوں سے قائم کی گئی تھی۔ یہ جماعت ملک کو برطانوی تسلط سے آزاد کرانا چاہتی تھی۔ مصری عوام نے اس جماعت سے بھرپور تعاون کیا، اور ملک کو مکمل طور پر آزاد کرانے کے لیے سامراجیت کے خلاف کمربستہ ہوگئے جس کے نتیجے میں ملک میں امن و امان کی صورت حال انتہائی حد تک خطرناک ہوگئی، چنانچہ برطانوی حکومت نے دسمبر 1919ء میں وزیر نوآبادیات لارڈ ملنر (Milner) کی صدارت میں ایک کمیشن قائم کیا تاکہ کمیشن تمام تصفیہ طلب اور ہر مصری رہنماؤں کے ساتھ تبادلہ خیالات کر کے ملک کی آزادی کے راہ متعین کر سکے، چنانچہ 1922ء میں اس جماعت کی کوششوں سے برطانوی حکومت نے مصر کو آزادی دے دی۔

1924ء کے عام انتخابات میں جماعت نے نوے فیصد نشستیں جیت لیں اور سعد زاغلول پاشا وزیراعظم بنے۔ 1935ء اور 1950ء میں پھر یہ جماعت برسر اقتدار آئی۔ 1952ء میں انقلاب مصر کی بنا پر اس جماعت کو ختم کر دیا گیا۔

وفد لندن

اپریل 1914ء میں قائداعظم محمد علی جناح ایک وفد لے کر لندن گئے۔ آپ اس وفد کے قائد تھے۔ اس وفد میں کانگریس کے منتخب بنگالی رہنما سر بندر ناتھ باسو اور لالہ لاجپت رائے شامل تھے۔ لارڈ کریو نے وفد کے ساتھ اس کی آمد کے فوراً بعد ملاقات کی، اور قائداعظم محمد علی جناح کو اس گروپ کا بہترین مقرر قرار دیا۔

کانگریس نے 1914ء میں جو وفد انگلستان بھیجا، اس کا مقصد یہ تھا کہ آنے والے اصلاحات کے سلسلہ میں ممبران پارلیمنٹ سے تبادلہ خیال کرے، انگلستان کی ملکہ کے سامنے ہندوستان کا صحیح نقطہ نظر پیش کرے۔ اپنے سفید نام آقاؤں کو بتائے کہ ہندوستان غلام ہے، لیکن اپنی غلامی پر قانع نہیں ہے، وہ آزاد ہونا چاہتا ہے۔ عزت کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے، اپنی قسمت کا خود مالک بننا چاہتا ہے۔

لندن پہنچنے کے بعد وفد کے قائد محمد علی جناح نے ٹائمز (لندن) کو ایک طویل انٹرویو دیا۔ اس بیان میں انہوں نے پوری صفائی کے ساتھ کہا:

''برٹش ایمپائر کا ہندوستان وہ تنہا ممبر ہے، جو حکومت کے نظام میں نمائندگی سے محروم ہے، اور دنیا میں ہندوستان وہ تنہا مہذب ملک ہے، جہاں نمائندہ اور ذمہ دار حکومت کا وجود ہی نہیں ہے۔''

وقار الملک، نواب

وہ برصغیر کے ممتاز سیاسی رہنما تھے 1911ء میں جب الٰہ آباد میں اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی تو اس میں قائداعظم محمد علی

جناح کے ساتھ نواب وقار الملک نے بھی شرکت کی۔ 1912ء میں کلکتہ میں مسلم رہنماؤں کی ایک کانفرنس میں انہوں نے شرکت کی جس میں تقسیمِ بنگال کی منسوخی پر برہمی کا اظہار کیا گیا۔ اس سال دسمبر 1912ء میں بانکی پور میں مسلم لیگ کی کونسل کے اجلاس میں مسلم رہنماؤں کی دعوت پر شریک ہوئے۔ اس میں سیلف گورنمنٹ کے قیام کے بارے میں ایک قرارداد ہوئی۔ بحث کے دوران جب نواب وقار الملک نے کہا:

”ابھی خودمختاری کے مطالبہ کا وقت نہیں آیا۔“

اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے اس مطالبہ پر حمایت کرتے ہوئے کہا:

”ٹھیک ہے ابھی اس مطالبہ کا وقت نہیں آیا، اور ہم یہ کہہ بھی نہیں رہے ہیں کہ ہمیں کل صبح ہی خودمختاری مل جائے اس ترمیم کی صورت تو ایک آئیڈیل کی ہے جو قوم کے سامنے رہنا چاہیے اور ہو سکتا ہے کہ ایک صدی میں یہ خودمختاری حاصل ہو جائے۔“

نواب وقار الملک 24 مارچ 1841ء کو سرواہ ضلع میرٹھ میں فضل حسین کے ہاں پیدا ہوئے۔ امروہہ میں عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انجینئرنگ کالج رڑکی میں داخلہ لیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد استاد کی حیثیت سے کام کیا۔ سرسید احمد خاں کی ہدایت پر حیدرآباد دکن میں ناظم دیوانی کا عہدہ سنبھالا اور ترقی کرتے کرتے مدار المہام کے عہدے پر جا پہنچے۔ انہوں نے اعلیٰ عہدوں پر کمال دیانت و قابلیت سے کام لیا۔ ریاستی سازشوں کی بنا پر انہیں پنشن دے کر الگ کر دیا گیا وطن آ کر قومی اصلاح خصوصاً علی گڑھ کالج کے کاموں میں نمایاں حصہ لینے لگے۔ مسلم لیگ کے پہلے سیکرٹری اور محسن الملک کے بعد علی گڑھ کالج کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔

نہایت متقی اور مخلص انسان تھے۔ کالج میں بھی دینی تعلیم اور صوم وصلوٰۃ کی پابندی پر زور دیتے تھے، پرمغز خطبات کے علاوہ علمی مقالات تہذیب الاخلاق میں شائع ہوتے رہے۔

وقار انبالوی

قائداعظم محمد علی جناح سے انہوں نے دو مرتبہ ملاقات کی ان کی پہلی ملاقات مارچ 1940ء میں لاہور میں اور دوسری مئی 1947ء میں دہلی میں ہوئی۔ موخر الذکر ملاقات اس وقت ہوئی جب قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم نیوز پیپرز ایڈیٹرز کانفرنس سے خطاب کیا۔ اس موقع پر انہوں نے کہا:

”دوستو اب ہم پاکستان کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔“

وقار انبالوی بھی قائداعظم محمد علی جناح کے گرویدہ تھے انہوں نے اپنی ایک نظم میں قائداعظم محمد علی جناح کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

بزمِ ملت میں ابھی اہلِ حیا بیٹھے ہیں
کچھ منافق ہیں کہ تجھ سے وہ خفا بیٹھے ہیں
میرے احسان میں شامل تھی خدا کی حکمت
اس کو احسان فراموش بھلا بیٹھے ہیں
ہم ترے نام ترے کام کی عظمت کے امیں
تیرے ترکے سے بہت کچھ تو گنوا بیٹھے ہیں
اپنے محسن کو بھلاتی نہیں زندہ قومیں
ہم یہ منظر بھی زمانے کو دکھا بیٹھے ہیں
ہم مسائل سے مصائب سے نہیں گھبراتے
حل مشکل کے لیے پاؤں جما بیٹھے ہیں
رو بہ منزل ہوئے بھٹکے ہوئے آہو تیرے
تاک میں آج بھی گو اہلِ جفا بیٹھے ہیں
ہو جو احساسِ زیاں اس کی تلافی آساں
یہی احساس لیے نامِ خدا بیٹھے ہیں
ہم نے جانبازی و ایثار پہ باندھی ہے کمر

اب تو مرمٹنے کی سوگند بھی کھا بیٹھے ہیں

وقار عظیم، سید

وہ ممتاز ادیب اور معلم تھے، 12 ستمبر 1948ء کو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے جنازے کا ریڈیو پاکستان کراچی سے آنکھوں دیکھا حال بیان کیا۔

وقار عظیم دسمبر 1909ء میں الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ 1932ء میں لکھنؤ سے بی اے 1934ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے ایم اے اردو، اور 1937ء میں علی گڑھ سے بی ٹی کے امتحانات پاس کیے۔ پاکستان کے قیام کے بعد 1950ء تا 1971ء شعبہ اردو (پنجاب یونیورسٹی) کے استاد اور 1965ء تا 1966ء صدر شعبہ اردو رہے 1965ء میں انہیں اورینٹل کالج لاہور کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ 1969ء تا 1971ء غالب پروفیسر اور 1964ء تا 1971ء نگران ادارہ تالیف و ترجمہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ 17 نومبر 1976ء کو لاہور میں ان کا انتقال ہوا۔

وقف علی اولاد بل

قانون محمدی ﷺ کا از سرِ نو احیاء

قائداعظم محمد علی جناح ایک وطن پرست، ایک نیشنلسٹ اور وسیع المشرب مدبر اور سیاست دان کی حیثیت سے سیاست کی پرخارداری میں داخل ہوئے۔ ان دنوں آپ کا نکتہ نظر تمام ''ہندوستانیوں'' کی بہتری اور بھلائی تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ ہندو اور مسلمان مل کر اور متحد ہو کر آزادی کے لیے جدوجہد کریں، اور چونکہ آپ برطانوی حکومت کی ظالمانہ پالیسی کے سخت دشمنی تھے۔ اس لیے چاہتے تھے کہ غلامی کا طوق اتار پھینکیں۔

1910ء کے بعد ہی سے آپ مسلم لیگ کا ساتھ دینے لگے تھے، لیکن اس کے باوجود ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے، آپ نے 1910ء میں کانگریس کے الہٰ آباد کنونشن میں پوری پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق ملنے سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو کشیدگی پیدا ہوئی ہے۔ اسے دور کیا جائے، لیکن یہ کنونشن اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ اس وقت آپ مسلم لیگ کے باقاعدہ رکن نہیں تھے۔ اس کے باوجود مسلم لیگ کے اہم امور میں آپ سے صلاح مشورہ لیا جاتا تھا۔

1910ء اور 1911ء میں مسلم لیگ کونسل کے جو اجلاس ہوئے، آپ نے ان میں شرکت کی، اور آپ کے تعاون نے مسلم لیگ کو ایک مؤثر جماعت بنا دیا۔

1909ء میں آپ سپریم امپیریل کونسل کے بلا مقابلہ رکن منتخب ہو گئے تھے۔ مسلم لیگ سے آپ کے الگ رہنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے مقاصد قطعاً فرقہ وارانہ تھے۔ 1912ء میں آپ مسلم لیگ کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ آپ نے نہ صرف تقریر کی بلکہ مناسب سمجھا کہ آئین میں مجوزہ تبدیلیوں کی حمایت کریں، کیونکہ اس طرح کانگریس اور مسلم لیگ کے مقاصد میں ہم آہنگی ہو سکتی تھی، بظاہر کانگریس کا مقصد ساری قوم کی بھلائی اور ترقی تھا، اور یوں محمد علی جناح اس مقصد سے پوری طرح متفق تھے۔

مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کے باوجود محمد علی جناح کی مصروفیات کانگریس اور امپیریل کونسل تک محدود رہیں، کونسل کی رکنیت کے پہلے تین سالوں میں محمد علی جناح کے کام سے وائسرائے ہند خاصا متاثر ہوا، اور 1913ء کے اوائل میں اس نے دوبارہ انہیں کونسل کا رکن نامزد کر دیا۔ اس بار بھی آپ نے جلد ہی کونسل میں ممتاز اور نمایاں حیثیت حاصل کر لی۔

1911ء میں آپ نے ''مسلم اوقاف'' (وقف بل) کو قانونی حیثیت دینے کے لیے کونسل میں ایک بل پیش کیا تھا۔

1913ء میں انہوں نے اپنی قانونی قابلیت اور زبردست قوتِ استدلال کی مدد سے یہ بل منظور کرالیا، اور وائسرائے ہند نے 7 مارچ 1913ء کو اس کی توثیق کر دی۔ یہ قانون مسلمانوں کے لیے بڑی اہمیت رکھتا تھا، اور بل کے منظور ہونے سے 42 سال پہلے 1871ء میں ولیم ہنٹر نے مسلمانوں کے متعلق ایک رپورٹ تیار کی تھی۔ جس کا عنوان تھا:

''کیا ہمارے ہندی مسلمان ملکہ کے خلاف بغاوت کرنا اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں؟''

اس رپورٹ میں اس نے لکھا تھا:

''برطانوی عہد میں مسلمان برابر یہ محسوس کرتے رہے ہیں کہ ان پر سخت ظلم ہوا ہے۔''

اگرچہ قائداعظم محمد علی جناح کو اسلامی قانون اور آئینی (دستوری) تاریخ اور فقہ میں دسترس حاصل تھی، جس کا انہوں نے بذاتِ خود برملا اظہار کیا ہے:

"I was a bit of an 'Authority on Constitutional Law, Legal History and Jurisprudence."

(Tributes to Quaid e Azam by M Haneef Shahid. P 77)

لیکن اس کے باوجود انہوں نے ''وقف بل''، شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی جیسے محقق، مورخ، ادیب اور عالمِ دین کے صلاح مشورہ سے تیار کیا، اور اسے کونسل میں پیش کیا۔

1873ء میں ''قانون محمدی'' کے خلاف بمبئی ہائی کورٹ نے فیصلہ صادر کیا، اور اس کے بعد 1883ء اور 1884ء میں دیگر فیصلے ہوئے۔ جنہوں نے ایک طرح سے پچھلے فیصلوں کو کالعدم قرار دے دیا۔ 1894ء میں پریوی کونسل نے جو فیصلہ صادر کیا وہ سراسر اسلامی قانون کے خلاف تھا۔

محمد علی جناح نے ''وقف بل'' کو امپیریل کونسل میں پیش کیا، اور پھر وائسرائے ہند نے اس کی توثیق کر دی اور وہ باقاعدہ ایک قانون بن گیا تو پورے برصغیر میں ان کی قانونی مہارت اور قابلیت کو سراہا گیا، اور نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوؤں نے بھی انہیں مبارکباد دی، اور ان کی قانونی قابلیت کا لوہا مان لیا، بلکہ وہ کٹر مسلمان اور جماعتیں جو ان کے خلاف دبی زبان سے یا کھلے بندوں زہر اگلتے تھے، نہ صرف قائل ہو گئے بلکہ اسلامی معاملات میں صلاح ومشورہ کرنے لگے۔ مثال کے طور پر اکبر بھائی پیر بھائی بارایٹ لاء نے ''وقف بل'' کے حوالے سے انہیں مندرجہ ذیل الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

"In the autumn of 1910, He made his debut in practical inoian politics when he was elected by the mussalmans of Bombay presidency as their representative to the supreme legisilative council, in this role he earned the gratitude of progressive india in supporting liberal measures involving the larger national welfare. Piloting the intricate and controversial, wake vali dating bill successfully through the council was one of the outstanding performances that stands to his credit."

(Tributes to Quaid-e-Azam by M.Haneef Shahid P-14)

مسٹر ول، این، آئر۔ ایم اے رکن لیجسلیٹو کونسل جو ایک فراخ دل مگر غیر متعصب ہندو تھے اور محمد علی جناح کی قانونی سیاست اور دیگر خوبیوں کے قائل تھے، انہوں نے ''وقف بل'' کے ضمن میں انہیں اس طرح خراج تحسین پیش کیا:

"His only original work, however, during the period was in

connection with the wake validating bill, to introduce which he was specially nominated for an extra term in 1913 Lord Harding, then Viceroy. His admirable skill and act in piloting through such an intricate and controversial measure...... The first of a bill passing into legislation on the motion of a private member......
Won him not only the appreciation of his colleagues but also his first meed of general recognition from his co-religionists all over india: Who while still regarding hima little outside the orthodoy pale of Islam, where so soon to seek his advice and guidance in their political affairs."

(Tributes to Quaid e Azam by M. Haneef Shahid. P 30)

مسٹر سروجنی نائیڈو کو تقریباً سب اہل علم اور علم دوست جانتے ہیں کہ وہ بھی ایک فراخ دل اور غیر متعصب ہندو تھیں۔ ادیبہ اور شاعرہ ہونے کے علاوہ ایک منجھی ہوئی سیاست دان اور مدبرہ تھیں۔ انہوں نے ہی قائداعظم محمد علی جناح کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ''ہندو مسلم اتحاد کا سفیر'' کے عنوان سے ایک کتاب تحریر کی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی قانون دانی اور خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"As a lawyer Mr. Jinnah is considered a very able and powerful advocate of facts and respected as an authority on guestions of Law."

(Tributes to Quaid e Azam byM. Haneef Shahid P. 45)

جب سیکرٹری حکومت نے ''وقف بل'' کو اصولی طور پر منظور کر لیا تو مسلمانوں کے نامور ''روزنامہ پیسہ اخبار'' نے قائداعظم محمد علی جناح اور مولانا شبلی نعمانی کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے اپنے خصوصی اداریہ میں لکھا:

''روزنامہ پیسہ اخبار کے خاص نامہ نگار شملہ کی برقی تار سے یہ معلوم کر کے اطمینان ہوتا ہے کہ مسٹر محمد علی جناح کے مسودہ ''وقف علی الاولاد'' کا جو ڈرافٹ وزیر ہند کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا۔ اس کا جواب موصول ہو گیا ہے اور سیکرٹری نے اس کے عام اصول کو تسلیم کر لیا ہے جس کے بعد حکومت ہند اس کی تفصیلات کو طے کرنے کی مجاز ہو گی، اور امید ہے کہ امپیریل کونسل کے سیشن منعقدہ شملہ میں وسائل کو ایک منزل آگے بڑھایا جائے گا۔ آنریبل مسٹر محمد علی جناح اس محنت کی کامیابی پر مبارکباد کے مستحق ہیں اور ندوۃ العلماء اور مولانا شبلی نعمانی بھی اپنی مساعی جمیلہ کا کسی قدر عمدہ نتیجہ نکلنے کی خبر پا کر خوش ہوں گے۔''

''مسٹر محمد علی جناح کے مسودہ وقف علی الاولاد کے متعلق جو مراسلہ گذشتہ سال حکومت ہند کی جانب سے وزیر ہند کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا، اس کا جواب موصول ہو گیا ہے اور مسلمانانِ ہند یہ سن کر خوش ہوں گے کہ جناب صاحب ممدوح نے اس کے عام اصول کو منظور کر کے گویا عملی طور پر اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ پریوی کونسل کا فیصلہ اس بارے میں بالکل ''خلاف شرع اسلام'' اور اس لیے مسلمانوں کے حق میں نہایت مہلک ہے، اور آنریبل مسٹر محمد علی جناح کی لگاتار اور مسلسل کوشش فی الواقع نہایت

قابل قدر ہے۔ مسلمانوں کو خوش ہونا چاہئے کہ ''شرع اسلام'' کا ایک ضروری مسئلہ جس کو پریوی کونسل نے محض غلط فہمی سے ناجائز قرار دے رکھا تھا، اور جس کی بدولت ہزارہا شریف خاندان خانماں برباد ہو گئے اور ہوتے چلے جا رہے تھے۔ آخرکار کامیابی کے ابتدائی منازل طے کر رہا ہے۔''

(روزنامہ پیسہ اخبار، قائداعظم اور ان کا عہد صفحہ 122)

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر اور قابل توجہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے جو سب سے پہلا شاندار اور تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا وہ ''وقف بل'' کا دوبارہ اجراء ہے۔ جسے حکومت ہند نے منسوخ کر دیا تھا اور جسے واگزار کروانے میں سرسید احمد خان، جسٹس سید محمود اور جسٹس سید امیر علی کی مساعی رائیگاں گئیں۔ اب ہم قائداعظم محمد علی جناح کی تقاریر کے اقتباسات پیش کرتے ہیں، جو انہوں نے امپیریل کونسل میں ''وقف بل'' کے حوالے سے کیں۔

''جناب والا! میں ملک معظم کی مسلم رعایا کے ''وقف'' کی شکل میں اپنے کنبوں اور وارثوں کے حق میں اپنی املاک کے تصفیہ کے ضمن میں حقوق کی صراحت کے لیے مسودہ قانون پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ اس سے قبل کہ میں اس مسودہ قانون کے حق و قبح پر گفتگو کروں۔ میں جناب وائسرائے لارڈ ہارڈنگ کے لیے ممنونیت سے پُرتشکر کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ نہ صرف اپنی جانب سے بلکہ مسلمانوں کی جانب سے بھی کہ انہوں نے منظوری عطا کی جو مشیران حکومت کے نزدیک کونسل کے قانون مجریہ 1861ء کی دفعہ 19 کے تحت لازمی تھی۔

حکومت کی طرف سے یہ جواب آنے کے بعد میں نے اس ملک کے سربرآوردہ مسلمانوں سے صلاح مشورہ کیا اور بہت غور وفکر کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس مسئلہ کو جو مسلمانوں کے لیے حد درجہ اہمیت کا حامل ہے۔ حل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ایک مسودہ قانون اس کونسل میں پیش کر دیا جائے، حال ہی میں مسلم لیگ نے جو اس ملک میں مسلمانوں کی بڑی رائے عامہ کی نیابت کرتی ہے۔ اپنے گذشتہ اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی، جس میں کہا گیا کہ حکومت کو اس نوع کا قانون بنانا چاہئے۔

اب اس کونسل کے سامنے مسئلہ یہ ہے کہ وہ کون سا سوال ہے، جو مسلمان فرقے کو اس درجہ مضطرب کر رہا ہے؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ ہے پریوی کونسل کا 1894ء کا فیصلہ جس نے ہمارے خیال کے مطابق ایک مسلمان، اس کے کنبے، اس کے بچوں اور اس کے وارثوں کے لیے اپنی املاک کا وقف، اس کے خلاف تصفیہ کر کے ''مسلم قانون'' کو مفلوج کر دیا تھا۔ اس مسئلہ کی قانونی تاریخ نصف صدی یا اس سے بھی زیادہ مدت پر محیط ہے۔ پہلا فیصلہ جس کا مجھے علم ہے 1838ء میں سنایا گیا تھا۔ اس فیصلے کے جلو میں دیگر متعدد فیصلے آئے۔ 1873ء میں بمبئی ہائی کورٹ نے اس نکتے پر فیصلہ دیا، جس سے قطعی طور پر مخالفانہ فیصلوں کی ایک لہر کے دور کا آغاز ہو گیا، تا آنکہ 1894ء میں پریوی کونسل نے جو سلطنت کی اعلیٰ ترین عدالت ہے، قانون وقف علی الاولاد پر شدید ترین ضرب لگا دی۔ میں آپ کو بتا دوں کہ موضوع یہ ہے۔ اسلامی قانون دو چیزوں سے آشنا ہے۔ ایک ہبہ ہے اور دوسرا وقف۔ دو ادارے۔ دوسرے لفظوں میں ہبہ کا مطلب ہے کلیتاً ہدیہ کر دینا۔ اسلامی قانون ایک مسلمان کو اس امر کا اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنی

املاک کو کلیتاً ہدیہ کر دے، یعنی وہ اپنی املاک منتقل کر دیتا ہے اور اس کے لیے معاملہ ختم شد کے مصداق ہو گا۔ پھر اسلامی قانون کی دوسری شاخ آتی ہے جو ''وقف'' کے نام سے معروف ہے۔ وقف جیسا کہ میں سمجھتا ہوں مشابہ ہے کسی حد سے قانون انگلشیہ کے ''ٹرسٹ'' کے قانون سے اور جو آگے چل کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یہ نجی ٹرسٹ ہو سکتے ہیں، جو بالآخر خیراتی ادارے میں تبدیل ہو جائیں یا سیدھے سادے خیراتی ٹرسٹ یا مذہبی ٹرسٹ بن جائیں۔ اب اس مسودہ قانون میں ہمارا جس مسئلہ سے تعلق ہے وہ نجی ٹرسٹ ہے کیونکہ آج بھی اسلامی قانون کے مطابق اور دنیا کے دیگر جملہ ممالک کے قوانین کے مطابق جن کا ماہرین فلسفہ قانون کو بخوبی علم ہے۔ آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی املاک خیراتی مقاصد کے لیے مختص کر سکتے ہیں اور ان پر ان قواعد کا اطلاق نہیں ہوتا جو ہمیشگی کے قوانین کی راہ میں مزاحم ہوتے ہیں۔

بمبئی ہائی کورٹ نے 1873ء میں قانون محمدی (ﷺ) کے خلاف فیصلہ صادر کیا۔ اس کے بعد 1882ء اور 1884ء میں دیگر فیصلے ہوئے۔ جنہوں نے ایک طرح کے پچھلے فیصلوں کو کالعدم قرار دے دیا، اور اس طرح کے متضاد فیصلے اور اعلانات ہند کی مختلف ہائی کورٹوں میں کیے گئے، حتیٰ کہ 1894ء میں ہمارے سامنے پریوی کونسل کا فیصلہ آیا، جس کا ماحصل حسبِ ذیل ہے:

''یہ کہتا ہے کہ اس نوع کا وقف یعنی وقف علی الاولاد قانون محمدیؐ کے تحت آتا ہے لہٰذا بلاشبہ ہم اس قانون کی حدود کے باہر نہیں جا سکتے، لیکن وہ کہتا ہے کہ کافی حصہ خیرات کے لیے مخصوص ہونا چاہیے۔ خیرات کی مد میں کافی کتنا ہو گا یا اس کی کسی طرح بھی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ خیرات کے لیے کافی تخصیص میں کسی نہ کسی معینہ مدت کے اندر ہونی چاہیے۔ قیاس یہ کیا جاتا ہے کہ یہ مدت بہت طویل نہیں ہونی چاہئے۔ وہ وقت یا مدت کی کسی حد تک تعین نہیں کرتے۔ لہٰذا اس نے ہمارے قانون میں عظیم ترین بے یقینی کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ ایک مسلمان جو اس نوع کا وقف یعنی وقف علی الاولاد بنانا چاہتا ہے، جو نہیں جانتا کہ دستاویز کے تحت خیرات کی مد کا اطلاق کتنی مدت میں ہو گا۔ اسے یہ ہی علم نہیں کہ کسی عدالت کی نظر میں خیرات کی مد ایک نسل کے بعد شروع ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں وقت کی کسی نہ کسی مد کا ذکر کیا گیا ہے۔ کوئی عدالت یہ کہہ سکتی ہے کہ خیرات کا معاملہ دو نسلوں کے بعد آ سکتا ہے ایک عدالت فیصلہ کر سکتی ہے کہ چھٹا حصہ کافی ہو گا۔ دوسری عدالت کہہ سکتی ہے کہ کم سے کم نصف ہونا چاہئے، لہٰذا پریوی کونسل نے ہر دو مسئلے اٹھا کر ہمارے قانون میں عظیم ترین بے یقینی کو راہ دی ہے لیکن اہم نکتہ جس سے ہمارا تعلق ہے، یہ ہے کہ پریوی کونسل کا یہ کہنا ہے کہ جب تک کافی حصہ خیراتی مد کے لیے مختص نہ کیا جائے۔ وقف باطل ہے لہٰذا ناقص ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ پریوی کونسل کے امراء کے لیے یہ فیصلہ ''اسلامی قانون'' کے مطابق نہیں ہے، اور ہمارے قانون کے بارے میں ان کی صراحت اسلامی فقہ کے بنیادی اصولوں کے منافی ہے۔ رائٹ آنریبل مسٹر امیر علی جو بہت معروف ہیں، ان کی کتاب میں جو قانونِ محمدیؐ پر نصاب کی کتاب ہے۔

فاتحہ خوانی ہو رہی ہے شہید ملت لیاقت علی خان نمایاں ہیں

تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ سر رالینڈ ولسند کی رائے بھی جو قانون محمدی کے ایک اور ممتاز وکیل ہیں یہی ہے۔ پس وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ پریوی کونسل کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق نہیں ہے۔ واضح طور پر املاک کے اسلامی بندوبست پر قانون محمدیؐ کا ہی اطلاق ہونا چاہیے۔ اب تک ہمارا مؤقف صحیح ہے کہ پریوی کونسل نے ہمارے قانون کی جو صراحت کی ہے وہ درست نہیں ہے۔'' (17 مارچ 1911ء)

قائداعظم نے وقف علی الاولاد کے سلسلے میں مزید فرمایا:
''جناب والا! میں تجویز کرتا ہوں کہ اس مسودۂ قانون کے بارے میں مجلس منتخبہ کی رپورٹ پر غور کیا جائے، جس کا مقصد مسلمانوں کے ان حقوق کا اعلان کرنا ہے جن کے تحت وہ اپنی املاک کا وقف کی شکل میں اپنے کنبوں، بچوں اور وارثوں کے لیے بندوبست کر سکیں۔

مجھے صرف چند نکات کو نمٹانا ہے، اور جو کچھ مجھے کہنا ہے وہ ان اعتراضات کے بارے میں کہنا ہے جو مختلف صوبوں بالخصوص ہائی کورٹ کے ججوں، ڈسٹرکٹ ججوں اور غیر مسلم رائے عامہ کی جانب سے کیے گئے ہیں۔ ایک اعتراض جو اس مسودۂ قانون کے خلاف کیا گیا ہے وہ عوام الناس کا سوال ہے، اس کا جواب بہت آسان ہے اور جیسا کہ میں نے اس مسودۂ قانون کو پیش کرتے ہوئے اپنی تقریر میں وضاحت کی تھی کہ ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ قانون محمدیؐ کا مسلمانوں پر اطلاق کر دیا جائے اور اس لیے عوامی حکمت عملی جو اسلامی فقہ کے لیے اجنبی ہے کا سوال اٹھانا میری دانست میں خارج از بحث سوال ہے، اور جہاں تک اسلامی فقہ کا تعلق ہے۔ عوامی حکمت عملی نام کی جو چیز نہیں ہوئی۔

بلاشبہ ایک مسلمان زبانی بھی وقف قائم کر سکتا ہے اور کسی حد تک قرض خواہوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ قانون محمدیؐ ہے اور آپ قانون محمدیؐ پر تجاوز نہیں کر سکتے۔ اگر وہ مسلمان کو مجبور کریں کسی طور پر وقف قائم کرے اور کسی اور طریقے سے نہیں کر سکتا تو آپ اس حد تک قانون محمدیؐ سے تجاوز کر رہے ہوں گے۔ اس لیے میں ذاتی طور پر اس امر کے لیے ہرگز تیار نہیں کہ میں کسی ایسی دفعہ کو قبول کر لوں، جو کسی طور پر بھی مسلمانوں کے شخصی قانون کو مسترد کرے یا اسے متاثر کرنے کا امکان رکھتی ہو۔

میرے ہندو دوست مجھے علم ہے، میرے ساتھ ہمدردی کریں گے کہ میرے قانون نے میرے ہاتھ اس حد تک باندھ رکھے ہیں کہ میں کسی طور بھی اسے تبدیل کرنے سے قاصر ہوں۔ میں صرف ایک بات اور کہوں گا، اور وہ یہ ہے کہ میں اپنی اور مسلمانانِ ہند کی جانب سے ہزایکسی لینسی وائسرائے اور ان کی حکومت کا مخلصانہ شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے اس احسن طریقہ سے اس مسودۂ قانون کو اس کونسل میں قبول کیا اور اسے نمٹایا۔''

(اپریل 1913ء)

قائداعظم محمد علی جناح نے 17 مارچ 1911ء کو امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں یہ بل اس لیے پیش کیا تھا کہ اسلامی قانون کے بارے میں 1894ء کے پریوی کونسل کے فیصلے کو کالعدم قرار دیا جا سکے۔ یہ بل منظور ہو جانے کے بعد مسلمانوں کی جائیداد پر اسلامی فقہ کا اطلاق ہوا اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جو جائیداد مسلمان غریبوں کی بہبود، مذہبی امور یا خیراتی مقاصد کے لیے مخصوص کرنا چاہتے تھے۔ اس پر اطلاق قائداعظم محمد علی

جناح کی طرف سے پیش کردہ قانون کا ہوتا تھا۔ اس قانون کا منظور ہونا قائداعظم محمد علی جناح کی بطور پارلیمنٹری غیر معمولی صلاحیت و قابلیت کا اعتراف تھا۔ قائداعظم نے اس بل کے ضمن میں بڑی مدلل تقریر کی اور اپنی تقریر میں یہ ثابت کیا کہ یہ بل مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں۔

ان کی یہ تقریر 4789 پر مشتمل تھی۔

وکالت

1897ء کے آغاز میں محمد علی جناح وکالت کی تعلیم سے فراغت کے بعد وطن واپس آئے۔ ان کے دوستوں نے انہیں مشورہ دیا:

''آپ کراچی میں وکالت شروع کریں۔''

مگر کافی سوچ بچار کے بعد محمد علی جناح نے بمبئی میں وکالت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ شروع کے چند سالوں میں اس نوعمر وکیل کو کافی مشکلات پیش آئیں مگر انہوں نے دیانتداری، بے باکی اور حق گوئی کے سنہری اصولوں پر ساری زندگی کبھی سمجھوتہ نہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ ہندوستان کی عدالتوں اور لوگوں میں مشہور ہو گئے۔ تاجر عبدالکریم کا مقدمہ اس کی چھوٹی سی مثال ہے۔ اس نے سارے مقدمے کے پانچ ہزار روپے محمد علی جناح کو دیے۔ ان دنوں آپ کی فیس پندرہ سو روپے روزانہ تھی۔ آپ نے مقدمہ تین دنوں میں جیت لیا اور اپنی فیس رکھ کر زائد رقم واپس کر دی۔

وکالت کا میدان

بمبئی کے بیرسٹر محمد علی جناح ایسے افکار و خیالات سے بھی اس طرح الگ تھلگ اور کوسوں دور رہے، جس طرح وہ ایسے استدلال کے قائل نہیں تھے، کیونکہ 1893ء تک جب سرسید احمد خان نے پہلی بار ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو الگ الگ اقوام قرار دیا، وہ لندن میں قیام پذیر تھے۔ ان دنوں وہ قانون کو پڑھنے، سمجھنے اور اس کی تعبیر و تشریح کرنے میں منہمک تھے۔ قانون ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اگرچہ ایک وکیل کے طور پر ان کی منفرد کامیابی میں اداکارانہ صلاحیتوں کا کوئی تعلق نہ تھا، حقیقت میں محمد علی جناح وہی کچھ تھے، جو کچھ قدرت نے انہیں بنایا تھا۔

بمبئی ہائی کورٹ میں پریکٹس کرنے والے ان کے ایک ساتھی کا کہنا ہے:

''وہ ایک عظیم قانون دان تھے، قدرت نے انہیں چھٹی حس بخشی تھی، وہ اپنے گرد و پیش کا مشاہدہ کر سکتے تھے۔ یہیں ان کی صلاحیتیں پوری طرح اجاگر ہوئیں۔ وہ انتہائی صاف ستھرے خیالات رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے دلائل کا رخ وطن کی آزادی کی طرف پھیر دیا۔ ایسے دلائل جن کا انتخاب انہوں نے سوچ بچار کے بعد کیا تھا۔ وہ انہیں بہت آہستہ آہستہ لفظ لفظ کر کے ادا کرتے تھے۔''

ایک اور ہم عصر رقمطراز ہے:

''وہ جب عدالت میں کھڑے ہوئے، دھیرے دھیرے جج کی طرف دیکھتے جاتے، اپنی ایک چشمی عینک لگاتے، وقت کا اتنا خیال رکھتے جیسے آپ کسی اداکار سے اس کی توقع کر سکتے ہیں، وہ سب سے طاقتور بن گئے۔ ہاں، ہاں، ان کے بارے میں یہی لفظ موزوں ہے۔ سب سے طاقتور۔''

جواشم ایلوا کا کہنا ہے:

''وہ کمرۂ عدالت پر جادو کر دیتے تھے، سر بالکل سیدھا رکھتے، جو بدترین حالات میں بھی پرسکون رہتا۔ وہ ہم میں سے بے باک وکیل تھے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے سب سے زیادہ مشہور قانونی

شاگرد ایم، سی چھاگلہ نے ہندوستان کے پہلے مسلمان جو بمبئی ہائی کورٹ کے چیف جج بنے بتایا:

''ان کا مقدمہ پیش کرنے کا انداز اداکاروں سے کسی طرح کم نہیں ہوتا تھا۔''

وکالت کی سند

11 مئی 1896ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے لنکنز ان کی مجلس انتظامیہ سے وکالت کا سرٹیفکیٹ جاری کرنے کی استدعا کی تاکہ اس ''تعویذ'' کو دکھا کر وہ برطانوی ہند کی کسی بھی عدالت میں بطورِ وکیل پیش ہوسکیں۔ اب وہ وطن لوٹنے کی تیاریاں کر رہے تھے، تاہم کراچی جانے پر آمادہ نہیں تھے۔ کراچی میں اب ان کے لیے کوئی کشش باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ لندن سے روانگی سے قبل 15 جولائی 1896ء کو انہوں نے اپنے کھاتہ کی باقی ماندہ رقم نیشنل بنک آف انڈیا لمٹیڈ بمبئی میں اپنے نام سے کھولے گئے نئے کھاتہ میں منتقل کرادی۔

اگلے روز وہ پی اینڈ او لائنز کے ذریعے براستہ کراچی بمبئی کو روانہ ہوگئے، جہاں مستقل طور پر رہنا چاہتے تھے۔

ولندیزی

سرتیج بہادر سپرو نے نان پارٹی لیڈرز کی ایک کانفرنس بلائی۔ یہ ایک ایسی کانفرنس تھی، جس میں شرکت کرنے والے لیڈروں کا دعویٰ تھا کہ وہ کسی جماعت سے وابستہ نہیں ہیں، قائداعظم محمد علی جناح نے اس کانفرنس کو ولندیزی فوج قرار دیا، جس کا ہر رکن جرنیل تھا، سپاہی کوئی بھی نہیں تھا۔

ولندیزی کہاوت

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

''ہمیں اس ولندیزی کہاوت کو اپنا دستورالعمل بنا لینا چاہیے کہ اگر دولت ضائع ہو جائے تو کوئی نقصان کی بات نہیں۔ جرأت ختم ہو جائے تو یہ کافی نقصان کی بات ہے۔ عزت گئی تو سمجھئے سب سے زیادہ زیاں ہوا۔ روح گئی تو سمجھئے سب کچھ جاتا رہا۔''

ولنگڈن کلب

یہ بمبئی کا مشہور کلب ہے۔ 1934ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی کے ولنگڈن کلب میں اپنے دوست دیوان چمن لال سے کہا:

''سیاست سے میری توبہ۔''

مگر پھر فوراً ہی یہ بھی کہا:

''لیکن اگر تم جیسے چھ آدمی میری حمایت پر تیار ہوں تو میں میدانِ سیاست میں لوٹ آؤں گا۔''

دیوان چمن لال نے ملک کے چھ بڑے سیاسی رہنماؤں سے جو اپنی دیانت و امانت داری کے لیے مشہور تھے تار دے کر پوچھا:

''اگر جناح سیاست میں واپس آجائیں تو کیا وہ ان کا ساتھ دیں گے؟''

سب نے اثبات میں جواب دیا، چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح انگلستان واپس گئے تاکہ وہاں کی سکونت ترک کرنے کے سلسلے میں ضروری انتظام کرسکیں۔

ولنگڈن، لارڈ

بمبئی میں 1918ء میں صوبائی وار کونسل کا اجلاس منعقد ہوا تو بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن نے ہوم رول لیگ کے ارکان پر کڑی نکتہ چینی کی۔ قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ لارڈ ولنگڈن کے مکالمے بھی ہوئے۔ اسی سال لارڈ ولنگڈن کے عہدہ کی مدت ختم ہوگئی تو انہیں الوداعی پارٹی دینے کا اہتمام

کیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اہالیانِ صوبہ بمبئی کی جانب سے ایک خط جس پر 29 اکابرین کے دستخط ثبت تھے۔ ٹائمز آف انڈیا کے ایڈیٹر سر اسٹینلے ریڈ کو لکھا، اس خط میں تحریر تھا:

''ہم مخالفین بھی اس جلسے میں شریک ہونا چاہتے ہیں تاکہ آئینی طریق کار کے مطابق گورنر کو سپاسنامہ پیش کیا جاسکے جس میں ان کی خدمات کا اعتراف ہو، اور ان کی یادگار قائم کرنے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرسکیں۔''

10 ستمبر 1918ء کو جلسے کا دن مقرر ہوا حکومت کو اہالیانِ بمبئی کے اس منصوبے کا علم ہوگیا، چنانچہ پولیس کی بھاری تعداد کو ٹاؤن ہال کے باہر متعین کر دیا گیا۔ 11 ستمبر 1918ء کو ہال کھلنے سے قبل قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے ساتھی مسٹر جمنا داس، بی جی ہارنیمن، دوارکا داس، عمر سوبانی، ایل آر ٹری سی پی کے تیلنگ، سعید حسین اور پوتھن جوزف وہاں جمع ہو گئے۔

شام ساڑھے پانچ بمبئی کا شیرف پولیس کی بھاری تعداد کے ساتھ ہال میں داخل ہوا اور جلسے کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ شیرف جونہی خطاب کے لیے کھڑا ہوا ہر طرف سے شیم شیم کے نعرے بلند ہونے لگے۔

ایک پارسی سر جمشید جی کو جلسے کا صدر منتخب کیا گیا، لیکن مظاہرین نے اس قدر شور مچایا کہ یہ رسمی کارروائی بھی بے مقصد بنا دی گئی۔ اس طرح بغیر کسی کارروائی کے جلسہ ختم ہوگیا۔

اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''آج تمہاری کامیابی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ایک آمر مطلق اور اس کی حکومت کے کارندے سب مل کر بھی تمہیں ڈرانے میں کامیاب نہیں ہو سکے، 11 ستمبر کا دن بڑا باسعادت ہے کہ اس دن کو جمہوریت کے پروانوں کو کامیابی ہوئی جاؤ اور خوشیاں مناؤ۔''

لارڈ ولنگڈن مدراس اور بمبئی کے گورنر رہے۔ انہوں نے 1931ء تا 1936ء وائسرائے ہند کی حیثیت سے خدمات انجام دیں دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس انہی کے عہد میں ہوئی 1932ء میں حکومت برطانیہ نے فرقہ وارانہ فیصلہ شائع کیا۔ حکومتِ ہند نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ انہی کے عہد میں نافذ کیا۔

ولنگڈن پویلین

25 دسمبر 1942ء کو پورے برصغیر میں قائداعظم محمد علی جناح کی 66ویں سالگرہ بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ اس ضمن میں دہلی میں ولنگڈن پویلین میں شہریون کی جانب سے قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی گئی۔ اس تقریب میں متعدد شعراء نے قائداعظم محمد علی جناح کو منظوم خراجِ تحسین پیش کیا مختلف تنظیموں نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سپاسنامے پیش کیے قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خطاب میں حاضرین سے فرمایا:

''آج مسلمان جسد واحد کی طرح متحد ہو گئے ہیں، اور وہ حصولِ پاکستان کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کی اور اسلام کی اسی طرح سے خدمت کرتا رہوں گا۔''

ولی اللہ

(دیکھیے: محمد نعیم الدین مولانا اور قائداعظم)

ولی شاہ سردار

وہ پاکستان میں افغانستان کے پہلے سفیر تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنی اسناد سفارش پیش کیں۔ وہ

1885ء میں پیدا ہوئے۔ 1929ء میں اپنے بھائی نادر شاہ کے ساتھ افغانستان کی جنگ آزادی میں انہوں نے حصہ لیا تھا اور اپنے وطن کو آزاد کرایا تھا۔

1929ء میں انہیں انگلستان سفیر بنا کر بھیجا گیا، اور 1931ء میں فرانس تبدیل کر دیا گیا۔ 1936ء میں سردار ہاشم خاں کی غیر موجودگی میں وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا۔ سفارت سے پہلے افغانستان میں وزیر کے عہدے پر فائز تھے۔

8 مئی 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے سفیر ولی شاہ سردار کے پاکستان میں بطور سفیر تقرر پر فرمایا:

''پاکستان دنیا کے لیے خیر سگالی کا شدید جذبہ رکھتا ہے۔ اس کے عوام نے اپنی نئی نئی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے دل و جان سے کام کرنے کا عزم کر رکھا ہے، اس عظیم کام کی تکمیل کے دوران یہاں کے لوگ دنیا کی دوسری مملکتوں کے پرخلوص تعاون وامداد کا خاص طور پر خیال رکھیں گے۔''

ولیکا ٹیکسٹائل ملز

یہ قیامِ پاکستان کے بعد قائم ہونے والا پہلا کارخانہ تھا۔ اس کارخانہ کا سنگِ بنیاد 26 ستمبر 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے کراچی میں رکھا۔ اس موقع پر انہوں نے فرمایا:

''مجھے آج یہاں آ کر اور ولیکا ٹیکسٹائل ملز کی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھ کر بڑی مسرت ہوئی ہے۔ پاکستان موجودہ دور میں ایک زرعی ملک ہے، اور مصنوعات کی تیاری کے لیے اس کا تمام تر انحصار بیرونی دنیا پر ہے۔

اگر پاکستان کو دنیا میں اپنے حصے کا مناسب کردار ادا کرنا ہے، جو اس کے رقبے، آبادی اور وسائل کے شایانِ شان ہو تو اسے زراعت کے ساتھ ساتھ صنعت کو بھی ترقی دینا ہوگی، اور اپنی معیشت کی بنیاد صنعت پر رکھنی ہوگی۔ اپنی مملکت کو صنعتی بنانے سے ضروریات زندگی کے لیے دوسرے ملکوں کی محتاجی کم ہو جائے گی ہم اپنے عوام کو روزگار کے زیادہ مواقع فراہم کریں گے، اور مملکت کے وسائل کو بھی بڑھائیں گے۔

صنعت کے لیے قدرت نے ہمیں بہت اقسام کا خام مواد فراہم کر رکھا ہے، اور اب یہ فرض ہم پر عائد ہوتا ہے کہ ان ذخائر اور وسائل کو مملکت اور عوام کی بہبود کے لیے زیادہ سے زیادہ استعمال میں لائیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ کی یہ جستجو اس قسم کی مہموں کو سر کرنے کے لیے آئندہ نسلوں کے لیے خوش حالی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

مجھے امید ہے کہ آپ اپنے کارخانے کی منصوبہ بندی میں کارخانوں کے لیے مناسب رہائش اور دیگر ضروری سہولتوں کا خیال رکھیں گے، کیونکہ مطمئن مزدوروں کے بغیر کوئی صنعت پھل پھول نہیں سکتی۔

مجھے یہاں بلوانے اور ٹیکسٹائل ملز کا سنگ بنیاد رکھ کر دلی تسلی ہوئی ہے۔ مجھے سندھ کے ایک نہایت شریف شہری جس کا تجربہ بہت زیادہ ہے نے بتایا کہ اگر سندھ کو مکمل مواقع فراہم کیے گئے تو وہ زراعت اور صنعت میں مصر سے تین گنا زیادہ ترقی یافتہ ہو جائے گا اور سندھ کے لیے یہ بڑی خوش قسمتی ہوگی۔ سندھ خوراک کے معاملے میں زائد پیداوار دیتا رہا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے سندھیوں پر زور دیا:

''آپ کو سائنس، تجارت اور صنعت کے دوسرے شعبوں میں ترقی کرنا ہوگی۔''

اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''آپ کو یہ خیال ہونا چاہیے کہ ملک کی اصل طاقت

اور قوت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی جسامت میں رہتے ہوئے پیداوار کرے۔''

آخر میں قائداعظم محمد علی جناح نے ادارے کے روح رواں کے لیے دعا کی اور کہا:

''یہ نہ صرف پہلی اور آخری مل ہوگی بلکہ اس کے بعد بھی بہت سی ملیں لگیں گی۔''

ولیم برینی، کرنل

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے انگریز ملٹری سیکرٹری تھے۔ انہوں نے یہ عہدہ قیام پاکستان پر سنبھالا۔

ولیم فنسٹن، سر

(دیکھئے: آزادروی اور جرأت)

ولیم ویڈر برن، سر

1914ء میں کراچی میں کانگریس کے اجلاس کے تقریباً آٹھ ماہ بعد جنگ عظیم اول کا آغاز ہوا۔ اس بار قائداعظم محمد علی جناح ایک بار پھر انگلستان سے ہو آئے تھے۔ اس بار وہ ایک وفد کے قائد کی حیثیت سے گئے تھے، جس کا مقصد یہ بھی تھا کہ کونسل آف انڈیا بل کے متعلق کانگریس کے خیالات وزیر برائے امور ہند کی خدمت میں پیش کرے۔ اس بل کی پہلی خواندگی 25 مئی کو دارالامراء (ہاؤس آف لارڈز) میں ہونے والی تھی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے روانگی سے قبل بل کے متعلق ایک تجویز تیار کر لی تھی، اور کانگریس نے کراچی کے اجلاس میں اسے منظور بھی کر لیا تھا۔ لندن میں سر ولیم ویڈر برن (Willim Wedder Burn) نے ویسٹ منسٹر پیلس ہوٹل میں ہندوستانی وفد کو ناشتہ میں مدعو کیا، اور وہاں قائداعظم محمد علی جناح نے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے ممبروں کے سامنے کانگریس کی تجویز کی وضاحت کی۔

سر ولیم ویڈر برن کا خطبۂ استقبالیہ بہت امید افزا تھا، انہوں نے اپنے مہمانوں کو یقین دلایا:

''ہندوستان میں جو کچھ بے چینی ہے، وہ غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔''

سر ولیم ویڈر برن نے دعویٰ کیا:

''برطانوی حکومت کی یہ خواہش ہے کہ آریائی نسل کی ان دونوں اقوام (انگریزوں اور ہندوستانیوں) میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور برادرانہ سلوک کا جذبہ پیدا ہو۔''

لیکن قائداعظم محمد علی جناح، بقول خود بڑے غیر جذباتی اور منطقی مزاج کے آدمی تھے، لہٰذا انہوں نے سر ولیم ویڈر برن کی تقریر کے جذباتی اشاروں کی طرف کوئی توجہ نہ کی، اور بڑے حقیقت پسندانہ انداز میں اس کا جواب دیا۔ دورانِ تقریر وہ اپنی تجویز کے مختلف نکات ایک ایک کر کے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں پر گنتے رہے۔

ان کا پہلا مطالبہ یہ تھا:

''وزیر امور ہند کی تنخواہ ہندوستان کے بجائے برطانیہ کے خزانے سے ادا کی جائے۔''

اس سے کچھ ہی عرصہ پہلے قائداعظم محمد علی جناح نے کراچی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

''انڈیا کونسل کے موجودہ آئین کی رو سے وزیر امور ہند ایک مطلق العنان حکمران کی حیثیت رکھتا ہے، اور ان مغل شہنشاہوں سے بھی زیادہ با اختیار معلوم ہوتا ہے جو کسی زمانے میں ہندوستان پر حکومت کرتے تھے، وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں، اور جو چاہے کر سکتا ہے۔''

اب لندن میں بھی قائداعظم محمد علی جناح نے اس انداز میں وزیر ہند کے لامحدود اختیارات پر تنقید کی اور کہا:

''اس صورت حال کی اصلاح صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ وزیر ہند کی تنخواہ، برطانیہ خود اپنے خزانے سے ادا کرے تاکہ برطانوی پارلیمنٹ کو یہ اختیار ہو کہ وہ وزیر ہند سے باز پرس کر سکے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کا ایک اور اہم مطالبہ یہ تھا:

''انڈیا کونسل کی تشکیل میں رد و بدل کیا جائے۔''

چند برس پہلے 1907ء میں جان مارلے نے کونسل میں ایک ہندو اور ایک مسلمان رکن شامل کیا تھا، لیکن یہ رسمی سی بات تھی۔ کونسل کے ہندوستانی ممبر وزیر امور ہند کے نامزد کردہ تھے۔ اس کا اثر کونسل کے معاملات میں برائے نام تھا، اور ہندوستان کے لوگوں کی حمایت ان کو حاصل نہ تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح اس صورت حال سے مطمئن نہ تھے، لہٰذا انہوں نے یہ تجویز پیش کی:

''کونسل کے کم از کم 9 ممبر ہوں، جن میں سے 3 ہندوستانی ہوں، ہندوستان کی مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز کے ملکی ممبر مل کر انڈیا کونسل کے ہندوستانی ارکان کا انتخاب کریں۔ کونسل کے باقی انگریز ممبر ایسے لائق لوگوں میں سے چنے جائیں، جن کا ہندوستان کے نظم و نسق سے کوئی واسطہ نہ رہا ہو، اس طرح کونسل میں 3 منتخب ہندوستانی، 3 نامزد انگریز جن کا پہلے امور ہند سے کوئی تعلق نہ رہا ہو اور 3 ایسے نامزد انگریز جو ہندوستانی نظم و نسق سے متعلق رہ چکے ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے یہ امید ظاہر کی:

''دوسرے زمرے کے ارکان پہلے اور آخری عناصر کے درمیان توازن قائم کرنے میں معاون ثابت ہوں گے، اور کونسل اس آزاد رائے اور بے لاگ تنقید سے مستفید ہو سکے گی، جو برطانیہ کا طرۂ امتیاز ہے۔''

ولیم بیسنٹ، سر

وہ ہوم ممبر تھے۔ انہوں نے 6 فروری 1919ء کو رولٹ کمیٹی کی سفارشات پر مبنی ایک بل گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے نام سے امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں پیش کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس بل کی شدت سے مخالفت کرتے ہوئے کہا:

''کوئی بھی شخص جو قانون اور انصاف سے واقف ہے، اسے اس بل سے شدید صدمہ پہنچے گا، کیونکہ یہ بل شہری آزادیوں پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ میں اس بل کی مخالفت کرتا ہوں، اور ایک صحت مند معاشرے کے قیام کی سفارش پیش کرتا ہوں۔''

7 فروری 1919ء کو یہ بل سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کیا گیا۔ 12 مارچ کو کمیٹی کی رپورٹ کونسل کے سامنے پیش ہونے سے قبل کونسل کے صدر نے کمیٹی کی جانب سے تجویز کی جانے والی تمام ترامیم مسترد کر دیں، جس پر مسٹر سریندر ناتھ بنیر جی نے ایک ترمیم پیش کی جس میں کہا گیا تھا:

''سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ۔ بل کا مسودہ اور تمام کاغذات و اختلافی نوٹ ہائی کورٹوں، لوکل گورنمنٹ اور پبلک باڈیز کو اظہارِ رائے کے لیے حوالے کر دیے جائیں۔''

اس ترمیم پر کونسل میں بحث کے دوران مسٹر ڈبلیو اے آئرن سائیڈ نے یہ فقرہ چست کیا:

''اس قدر فصاحت کا مظاہرہ کرنے کے باوجود کوئی بھی اس امر پر تیار نہیں کہ وہ مسٹر بنیر جی کی ترمیم کی حمایت کرے۔''

اس مرحلہ پر قائداعظم محمد علی جناح کی روایتی اصول پسندی

نے جوش مارا اور وہ فوراً کھڑے ہوئے۔ انہوں نے آئرن سائیڈ کی طنزیہ تقریر کی دھجیاں بکھیر دیں اور کہا:

''اس تحریک پر بحث میں حصہ لینے کا میرا قطعی ارادہ نہیں تھا، کیونکہ میں یہ بات اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ حکومت اپنے طور پر یہ طے کر چکی ہے کہ وہ کسی صورت میں بھی کوئی تجویز قبول نہیں کرے گی، لیکن میں صرف اس امید پر تقریر کر رہا ہوں کہ شاید میں مسٹر آئرن سائڈ کے اعتراضات کا جواب دے سکوں، مگر میں جانتا ہوں کہ اس کے باوجود ان کی رائے میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی، کیونکہ وہ حکومت کے اشارے پر چلنے پر مجبور ہیں۔''

دورانِ بحث 13 مارچ کو راؤ بہادر این شرما نے وضاحت طلب کی۔

''بل کی شق نمبر 2 میں انقلابی تحریک کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس کے کیا معنی ہیں۔''

اس پر سر جارج لاڈ نڈیس نے کہا:

''انقلابی اور انارکسٹ کے لفظ بل میں لغوی معنی میں استعمال کیے گئے ہیں، اور اسی وجہ سے ان الفاظ کی تشریح بل کے ساتھ منسلک نہیں کی گئی ہے۔''

راؤ بہادر شرما کی ترمیم کی حمایت کرتے ہوئے محمد علی جناح نے کہا:

''کونسل کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ تمام ایسی خامیوں کی نشاندہی کرے جن کو سلیکٹ کمیٹی نے نظر انداز کر دیا ہے۔''

ون ہینڈرڈ گریٹ لائیوز

یہ ٹائمز آف انڈیا بمبئی کی لائبریری کے زیر اہتمام 1938ء میں شائع شدہ کتاب ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اشتعال انگیز مواد تھا۔ اس ضمن میں مسعود شاہ نے جن کی عمر اس وقت 22 برس تھی قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔ اس ملاقات پر قائداعظم محمد علی جناح بڑے برافروختہ ہوئے، کیونکہ یہ غیر متوقع اور نامناسب تھی۔ جب قائداعظم محمد علی جناح کی توجہ اس کتاب کے بارے میں مبذول کرائی گئی تو فرمایا:

''بمبئی میں کیا میں ہی واحد مسلمان ہوں۔''

جناب مسعود شاہ نے جواباً کہا:

''جناب آپ یقیناً ہندوستان کے اہم ترین مسلمان ہیں۔''

اس پر انہوں نے کہا:

''تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

انہوں نے عرض کیا:

''ہم آپ کے سپاہی ہیں اور آپ ہمارے جنرل، جنرلوں کا کام کمان کرنا ہے۔ سپاہی حکم نہیں چلایا کرتے۔''

قائداعظم محمد علی جناح اس جواب پر ذرا مسکرائے اور جناب مسعود شاہ سے اخبارات کے تراشے لے کر مطالعہ کے لیے سیکرٹری کو دے دیے۔ اگلے روز ٹائمز آف انڈیا نے معافی نامہ جلی حروف میں شائع کیا اور کلب کے ممبروں سے شائع شدہ کتاب واپس منگوائی اور اس پر چیپیاں لگوا دیں۔

ونڈسر پیلس (دہلی)

نئی دہلی میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا مکان جہاں 30 مارچ 1943ء کو انہوں نے سید غلام بھیک نیرنگ کی جانب سے ایک عشائیہ کا اہتمام کیا۔ عشائیہ میں جہاں بڑی تعداد میں مسلم لیگی رہنماؤں نے شرکت کی وہاں قائداعظم محمد علی جناح بھی شریک ہوئے۔

ونیکا تاپتی راجوبلی

وہ مرکزی اسمبلی کے رکن تھے۔ انہوں نے 18 فروری 1925ء کو ایوان میں بحث کے لیے جو قرارداد پیش کی تھی اس میں ایوان سے یہ گزارش کی گئی تھی:

''وہ گورنر جنرل سے اس بات کی سفارش کرے کہ ہندوستانی فوج میں انگریزوں کی بجائے کمیشن کے عہدوں کے لیے ہندوستانیوں کی تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ اس ضمن میں سنڈھرسٹ کی طرز پر ایک کالج بھی قائم کیا جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس قرارداد کی حمایت کی اور حکومت ہند کے رویے کی مخالفت کی۔

ووٹ

قائداعظم محمد علی جناح بڑے بااصول انسان تھے، آپ نے 17 اپریل 1948ء کو ڈیرہ اسماعیل خان میں فرمایا:

''آپ کا ووٹ قوم کی امانت ہے، اسے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر استعمال نہ کیجیے۔''

ووڈرودیت

یہ انگریز مصنف تھا، جو کرپس مشن کے ہمراہ ہندوستان آیا تھا اس نے اپنی سوانح عمری میں ہندوستان کے بارے میں اپنے مشاہدات قلم بند کیے ہیں۔ اس باب میں اس نے قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں:

''قائداعظم محمد علی جناح انتہائی متوازن مزاج اور صاف ذہن کے مالک تھے۔ نیز ہندوستان کے لیڈروں میں صرف مسٹر جناح کو آزادی سے دلچسپی تھی باقی لوگ ذہنی خلفشار کا شکار تھے۔''

وہابی

علی گڑھ یونیورسٹی کے ارکان نے قائداعظم محمد علی جناح سے ایک گروپ فوٹو میں شرکت کی درخواست کی، جسے آپ نے منظور کر لیا، جب لڑکے فوٹو کے لیے کھڑے ہو گئے تو قائداعظم محمد علی جناح نے لاہور کے ایک نامور طالب علم رہنما حمید نظامی کو ایک کرسی پر بیٹھنے کا حکم دیا، انہوں نے معذرت کرتے ہوئے ازراہِ مزاح کہہ دیا:

''سر میں وہابی ہوں، میں فوٹو نہیں اتروا سکتا۔''

خیر فوٹو ہو چکا تو قائداعظم محمد علی جناح نے علیحدگی میں ان سے پوچھا:

''نظامی! کیا تم واقعی اس قدر متشدد وہابی ہو؟''

انہوں نے عرض کیا:

''جناب ایسا نہیں، وہ بات تو میں نے مذاق میں کہی تھی۔''

قائداعظم محمد علی جناح فرمانے لگے:

''تو پھر فوٹو میں کیوں نہیں بیٹھے؟''

حمید نظامی نے جواب دیا:

''سر فوٹو علی گڑھ والوں کا تھا، میرا اس میں بیٹھنا مناسب نہ تھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ہنستے ہوئے فرمایا:

''یہ لڑکا تو کبھی لیڈر بن سکتا۔''

کسی طالب علم نے پوچھا:

''وہ کیوں جناب؟''

قائداعظم محمد علی جناح مسکراتے ہوئے فرمانے لگے:

''لیڈر تو دھکے مار کر بھی فوٹو کھنچواتے وقت آگے آ جاتے ہیں۔''

وہ عظیم قائد

محترمہ صفیہ جمیل اپنے مضمون ''وہ عظیم قائد...... جن کی مثال دنیا دیتی ہے۔'' میں رقمطراز ہیں:

''قائداعظم محمد علی جناح نے مغرب میں تعلیم حاصل کی، اس لیے وہ ایک سیکولر مزاج کے حامل شخص تھے، اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان کا واسطہ بھی دیانتدار سیکولر مزاج سیاستدانوں سے پڑا، جن میں سریندر ناتھ بینرجی، بدرالدین طیب اور دادا بھائی نورو جی قابل ذکر ہیں یہ سب نوجوان جناح کو ان کی قابلیت کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ قائداعظم نے اپنے سیکولر مزاج کی وجہ سے ہی کانگریس میں شمولیت اختیار کی تھی۔ جیسے ہی وہ سیاسی میدان میں آئے تو کامیابیاں ان کے پیچھے آنا شروع ہوگئیں۔ انہیں 1909ء میں وائسرائے کی کونسل کا رکن منتخب کر لیا گیا۔ جہاں انہوں نے ایک پارلیمنٹرین کی حیثیت سے ایک اسلامی بل پاس کروا کے اس وقت اپنا نام پیدا کیا، جب سیاست کے میدان کے بڑے بڑے لوگ گنگ رہ جاتے تھے۔

آل انڈیا مسلم لیگ میں قائداعظم کی شمولیت نے برصغیر کے مسلمانوں میں امید کی ایک نئی روح پھونک دی، اور انہیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ اب اقبال کے خواب کو حقیقت بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

قائداعظم محمد علی جناح کا شمار دنیا کی ایسی ہستیوں میں ہوتا ہے، جو لوگوں کے لیے قابلِ تقلید ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی محنت اور جدوجہد سے خود کو ہمیشہ کے لیے امر کر دیتے ہیں۔ قائداعظم نے وکالت شروع کی تو دور دور تک ان کی ذہانت کے چرچے ہونے لگے۔ سیاست میں کوئی ان کے مقابلے کا نہ تھا، وہ ایماندار اور باوقار شخصیت کے مالک تھے، یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے مسلم لیگ میں شمولیت عید کے تہوار اور یقین کامل جیسی تھی۔ قائداعظم نے بھی اس یقین کو کبھی ٹوٹنے نہیں دیا، اور مسلمانوں کی آزادی کی جنگ کی قیادت بھرپور طریقے سے کی۔ انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا۔ انہیں غلامی سے نجات دلائی، اور ان کے لیے آزاد ریاست کے قیام کو ممکن بنایا۔ اس جنگ میں قائداعظم کے ساتھ صرف سیاستدان نہیں تھے، بلکہ طالب علم بھی شمع کے پروانوں کی طرح کھنچے چلے آرہے تھے۔

قائداعظم نے طالب علموں کی تربیت اس انداز سے کی کہ وہ پورے ملک میں پھیل گئے، اور دور دراز گلی محلوں تک قائداعظم کے پیغام کو پہنچایا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ طالب علموں نے مسلم لیگ کو پورے برصغیر میں متعارف کرایا، اور اس تحریک میں شامل کیا۔ طالب علموں نے یہ عظیم کارنامہ قائداعظم کی رہنمائی میں ہی انجام دیا۔ قائداعظم ایک ایسی سحر انگیز شخصیت کے مالک تھے، جس میں صرف ان کے چاہنے والے ہی نہیں بلکہ مخالفین بھی ان سے متاثر تھے جس کا اندازہ پنڈت جواہر لال نہرو کی اس دلیل سے لگایا جا سکتا ہے:

''اگر مسلم لیگ کے پاس سو گاندھی اور دو سو مولانا ابو الکلام ہوتے اور کانگریس کے پاس صرف ایک لیڈر محمد علی جناح ہوتے تو ہندوستان کبھی تقسیم نہ ہوتا۔''

سکھ رہنما ماسٹر تارا سنگھ نے ''قائداعظم'' کی تعریف میں یوں لب کھولے:

’’قائداعظم نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی غلامی سے نجات دلائی۔ اگر یہ شخص سکھوں میں پیدا ہوتا تو اس کی پوجا کی جاتی۔‘‘
قائداعظم کی شخصیت سے مرعوب ہونے والے ’’جناح ان پاکستان‘‘ کے مصنف پروفیسر اسٹینلے والپرٹ، یونیورسٹی آف کیلیفورنیا امریکہ اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:
’’بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو تاریخ کا دھارا بدل دیتے ہیں، اور ایسے لوگ تو بہت ہی کم ہوتے ہیں، جو دنیا کا نقشہ تبدیل کر دیتے ہیں، اور ایسا تو کوئی کوئی ہوتا ہے جو ایک نئی مملکت قائم کر دے۔ محمد علی جناح ایک ایسی شخصیت ہیں، جنہوں نے بیک وقت تینوں کارنامے کر دکھائے۔‘‘
قائداعظم نے کبھی بھی کسی مقصد کے لیے جھوٹ کا سہارا نہیں لیا، اور نہ ہی ان کی شخصیت میں کوئی تضاد تھا، وہ جیسے اپنے رشتے داروں اور دوستوں کے ساتھ ہوتے ویسے ہی عوام الناس کے سامنے بھی ہوتے۔ ان کے اس وصف نے انہیں مقبولیت کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔
برطانوی وزیراعظم سر ونسٹن چرچل نے قائداعظم کی تعریف ان الفاظ میں کی:
’’مسٹر جناح اپنے ارادوں اور اپنی رائے پر بے حد سخت تھے۔ ان کے رویے میں کوئی لوچ نہیں پایا جاتا۔ وہ مسلم قوم کے مخلص رہنما ہی نہیں سچے وکیل بھی تھے۔‘‘
اللہ تعالیٰ جس بندے کے ہاتھوں عظیم کارنامہ انجام دلواتا ہے اس کو ممتاز صلاحیتوں سے ہی نوازتا ہے۔ قائداعظم کے اندر بھی بہت سے اوصاف تھے، جس نے پوری دنیا کو حیران کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی میں ہی یورپ نے ان کی شخصیت پر تحقیق شروع کر دی۔ برطانوی مفکر ’’برٹرینڈ رسل‘‘ یوں گویا ہوا:
’’ہندوستان کی پوری تاریخ میں کوئی بڑے سے بڑا شخص ایسا نہیں گزرا جسے مسلمانوں میں ایسی محبوبیت نصیب ہوئی ہو۔‘‘
وزیراعظم برطانیہ ’’کلیمنٹ ایٹلی‘‘ قائداعظم کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:
’’نصب العین پاکستان پر کبھی ان کا عقیدہ متزلزل نہیں ہوا، اور اس مقصد کے لیے انہوں نے جو انتھک محنت کی، وہ ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔‘‘
دیگر مفکرین اور رہنما بھی جا بجا قائداعظم کی قابلیت کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:
’’قائداعظم محمد علی جناح ہر مسئلے کا ٹھنڈے دماغ سے جائزہ لیتے تھے اور یہی ان کی کامیابی کا راز ہے۔‘‘
بھارت کے سابق صدر فخر الدین علی احمد نے ان کے لیے کہا:
’’میں قائداعظم کو برطانوی حکومت کے خلاف لڑنے والی جنگ کا عظیم مجاہد سمجھتا ہوں۔‘‘
بلبل ہند مسٹر سروجنی نائیڈو کا کہنا تھا:
’’ایک قوم پرست انسان کی حیثیت سے قائداعظم کی شخصیت قابل رشک ہے۔ انہوں نے ذاتی اغراض کے پیش نظر کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچایا۔ وہ اپنی بے لوث خدمت کے باعث ہی ہندوستان کے مسلمانوں کے لیڈر تھے۔‘‘
مسلمانوں کے اس عظیم رہنما نے مسلمانوں کو ان کی

پنڈت جواہر لال نہرو مزار قائد پر پھولوں کی چادر چڑھا رہے ہیں

شناخت اور ان کا گھر دینے کے ایک سال بعد دنیا سے منہ موڑ لیا۔ وہ پاکستان کو ایک خوشحال اور طاقتور ملک بنانا چاہتے تھے۔ اس لیے پاکستان حاصل کرنے کے بعد دوسری تحریک یعنی پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کی تحریک کا آغاز کیا، لیکن اس تحریک کی رہنمائی نہ کر سکے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم قائداعظم کی اس تحریک کو آگے بڑھائیں، جو انہوں نے نصف صدی سے بھی زائد عرصہ پہلے شروع کی۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم پاکستان کو صحیح معنوں میں قائداعظم کا پاکستان بنائیں۔''

(روزنامہ جہانِ پاکستان اشاعت 11 ستمبر 2013ء)

وہ نہیں ہارے

محترمہ فرحین اسرار اپنے مضمون بعنوان ''وہ نہیں ہارے میں''، رقمطراز ہیں:

''آزاد رہنا اور خواہش کے مطابق زندگی گزارنا ہر انسان کی تمنا ہوتی ہے۔ فضا میں اڑتے ہوئے کچھ آزاد پرندوں کو اگر پنجروں میں قید کر کے گھروں کی زینت بنا دیا جائے تو وہ کوشش کے بعد بھی خود کو آزاد نہیں کر پاتے، اور چند خوش نصیب پرندے اس قید سے بہ آسانی رہائی پا لیتے ہیں، لیکن زیادہ پنجروں میں ہی قید رہ کر موت کی آخری ہچکی لے لیتے ہیں اور وہ خواہش کے باوجود بھی پنجروں کی حدود سے باہر نہیں نکل پاتے۔ یہی حال انسانوں کا بھی ہے۔ وہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق بغیر کسی روک ٹوک اور حکم کے اپنی زندگی جینا چاہتے ہیں۔ کوئی بھی انسان قید میں رہ کر جی نہیں سکتا۔ انسان کی سرشت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ بے جا حکم اور پابندیوں سے باغی ہو جاتا ہے، اور آزادی کے لیے پر تولتا ہے۔ غلامی چاہے کسی بھی صورت میں ہو، انسان اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہمہ وقت جدوجہد کرتا رہتا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے بھی مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے نجات دلانے ایک آزاد اور خودمختار مملکت بنانے کے لیے سخت محنت اور جدوجہد کی۔ ان کا خواب تھا کہ وہ مسلمانوں کو ایک ایسی ریاست قائم کر کے دیں، جہاں کھل کر سانس لینے کی آزادی ہو، جہاں مسلمان ہونا گالی اور طعنہ نہ ہو، جہاں جان و مال کی حفاظت کے ساتھ عزتوں کی بھی رکھوالی کی جائے، جہاں وہ اسلامی عقائد اور تعلیمات پر عمل کر سکیں۔

انہی باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قائداعظم نے اس خواب کو تعبیر دینے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جو علامہ اقبال نے مسلمانوں کے لیے دیکھا تھا۔ اس خواب کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے انہوں نے ملت اسلامیہ کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا، اور پھر سب نے مل کر پاکستان کے حصول کی جنگ شروع کی، جس کی قیادت قائداعظم نے کی۔

کہتے ہیں شدید خواہشیں کبھی پوری نہیں ہوتیں، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان بنانے کی شدید خواہش کو پورا کر کے اس مقولے کو غلط قرار دے دیا۔ گو کہ اس ساری جدوجہد میں انہیں بہت کچھ کھونا پڑا، لیکن پاکستان بننے کی خوشی نے ان کی تمام اذیتوں کا ازالہ کر دیا۔ انہوں نے جو کچھ کھویا شاید بہت زیادہ تھا، لیکن اس آزاد ملک کو تعمیر کرنے اور مسلمانوں کو انگریزوں کے ظلم و ستم سے رہائی دلانے کی خوشی اس

سے کہیں زیادہ تھی۔ مسلسل محنت رنگ لائی، اور بالآخر 14 اگست 1947ء کو پاکستان نے جنم لیا۔ مسلمانوں کی بے رونق اور بکھری ہوئی زندگیوں میں بہار نے اپنا پہلا قدم رکھا، اور انہیں اس نئی سرزمین پر کھلے دل سے خوش آمدید کہا۔ نئی زمین پر پیر پڑے تو سر خود بخود سجدے میں جھک گئے۔ نہ جانے مسلمانوں نے اس ایک منزل کو پانے کے لیے کیا کچھ کھویا تھا۔ کتنی خواہشات تھیں جو پوری ہونے سے پہلے ہی بکھیر دی گئی تھیں۔ کتنے خواب تھے جو تعبیر کی سرحد پار کیے بنا ہی دم توڑ گئے تھے۔ پتہ نہیں کتنی عصمتوں کو پیروں تلے روندا گیا تھا، لیکن پھر بھی محمد علی جناح نے ہمت نہ ہاری نہ مسلمانوں کو تھکنے دیا، ان کے جوش و جذبے اور سچی لگن نے ان کے دل سے سارے خوف نکال دیے تھے۔ ان کے ذہن میں اگر کچھ تھا تو یہ کہ ہر حال میں اس غلامی سے نجات حاصل کرنی ہے، چاہے اس کی سزا موت کی صورت میں ہی کیوں نہ ملے ہمیں رکنا نہیں۔ بس آنکھوں میں آزادی اور جیت کی کرن لیے چلتے جانا ہے۔ اس مشکل گھڑی میں قائداعظم نے مسلمانوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ انہیں کبھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ اکیلے ہیں۔ ہر مشکل وقت میں ان کے ساتھ رہے۔ انہیں تھکنے نہیں دیا۔ جہاں کہیں انہیں یہ لگتا کہ مسلمان مایوسی کا شکار ہو رہے ہیں، ان کے قدم ڈگمگانے لگے ہیں تو وہ اپنی تقریروں کے ذریعے ان میں نیا ولولہ اور جنون بھر دیتے۔

دن رات کی مسلسل جدوجہد کے بعد مسلمانوں کو پاکستان ملا۔ اس خطے کو پانے کی کوشش میں مسٹر جناح نے خود کو بیمار کر لیا، مگر مسلمانوں کو رسوا نہیں ہونے دیا۔ ان سے کیا ہوا وعدہ نبھایا، لیکن بدقسمتی سے مملکت کو پنپنے نہ دیکھ سکے۔ 11 ستمبر 1948ء کو یعنی پاکستان بننے کے ایک سال بعد ہی وہ خالق حقیقی سے جا ملے، مگر انہیں یقین تھا کہ ان کے بعد بھی اس مملکت کا ایسے ہی خیال رکھا جائے گا۔ جیسے انہوں نے سوچا تھا۔ انہیں پاکستان سے جس قدر عشق تھا، وہ اس کے لیے اتنا عشق مسلمانوں کے دلوں میں دیکھنا چاہتے تھے، لیکن ایسا نہ ہو سکا، محمد علی جناح کے جانے کے بعد آہستہ آہستہ لوگ تقسیم ہونا شروع ہو گئے، جو پہلے صرف مسلمان اور پاکستانی تھے۔ وہ اب پنجابی، مہاجر، سندھی اور پٹھانوں میں بٹ گئے۔ پہلے زبانیں الگ الگ ہوئیں، پھر رنگ و نسل میں فرق کیا جانے لگا۔ ذہنوں کے ساتھ ساتھ دلوں میں فاصلے بڑھتے گئے۔ دشمنی کی جڑیں مضبوط ہوتی چلی گئیں، اور آج ہم جس پاکستان میں رہتے ہیں وہ کہیں سے بھی وہ پاکستان نہیں، جس کا خواب قائداعظم نے دیکھا تھا، اور جس کی خاطر انہوں نے اپنا سب کچھ تیاگ دیا۔ یہ وہ پاکستان نہیں جہاں سب بھائی بھائی تھے۔ جہاں سب خود کو مسلمان اور پاکستانی کہلواتے تھے۔ ہمارے بزرگوں نے جو قربانیاں دیں، انہیں بھول چکے ہیں۔ قائداعظم کی ساری کاوشیں ان کی تمام ریاضتیں بھلا چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آہستہ آہستہ تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔''

(روزنامہ جہانِ پاکستان، اشاعت 11 ستمبر 2013ء)

وہی مسٹر جناح

2 فروری 1938ء کو گاندھی نے قائداعظم محمد علی جناح کو لکھا:

''آپ کی تقریروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے ایک قدیم قوم پرست کو کھو دیا۔ جب میں افریقہ کی خود ساختہ جلاوطنی سے واپس آیا تھا تو ایک سرگرم قوم پرست کی حیثیت سے آپ کا نام زبان زد خاص و عام تھا، اور ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو آپ کی ذات سے بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ کیا آپ اب بھی وہی مسٹر جناح ہیں؟''

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالبؔ

وی (V)

قائداعظم محمد علی جناح جب حبیبہ ہال اسلامیہ کالج لاہور میں تشریف لائے تو انہوں نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''جانتے ہو اتحادیوں کا کیا نشان ہے۔''

اور پھر خود ہی قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے وی کا نشان بناتے ہوئے اور انگلیوں کو فضا میں لہراتے ہوئے کہا:

''ان کا نشان V یعنی Victory ہے جس کے معنی فتح کے ہیں۔''

پھر قائداعظم محمد علی جناح سوالیہ انداز میں گویا ہوئے:

''ہمارا کیا نشان ہے؟''

اور پھر قائداعظم محمد علی جناح نے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو سیدھا کھڑا کیا اور چاروں طرف گھماتے ہوئے فرمایا:

بقول غالب ؎

''ہمارا یہ نشان ہے۔ اتحاد، اتحاد، اتحاد۔''

تیرے بے ہنر کہنے سے وہ تجھ پر مہربان کیوں ہو۔

ویٹو

6 اگست 1945ء کو قیصر باغ (بمبئی) میں ایک عظیم الشان اجتماع مسلمانانِ بمبئی کا ہوا۔ اسی میں مسلم ٹمبر مرچنٹس ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک لاکھ روپے کی رقم ''انتخابی فنڈ'' کے سلسلہ میں قائداعظم محمد علی جناح کو پیش کی گئی اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے ایک طویل تقریر فرمائی، جس کے اہم ترین حصے درج ذیل ہیں:

''آج مجھے صرف ایک فکر ہے، الیکشن...... اس مقصد کے لیے میں نے چندہ کی اپیل کی ہے، آج صرف ایک انجمن کی کوشش سے ایک لاکھ کی رقم جمع ہو گئی ہے۔ ایک انجمن اور چند دن کے اندر ایک لاکھ جیسی رقم، اس کا مطلب کیا ہے؟ کہ مسلمان اب حقیقت کو سمجھ چکا ہے۔ ہندوستان کے ہر حصے سے غریب مسلمان مجھے منی آرڈر اور پوسٹل آرڈر سے روپیہ بھیج رہے ہیں۔ یہ کیا ہے؟ صرف اتنا کہ اس ملک کا ہر مسلمان بچہ اور عورت بھی یہی سمجھ چکا ہے کہ ہم کس چیز کے لیے لڑ رہے ہیں؟ پاکستان کے لیے، وہ جان چکے ہیں کہ یہ ان کی موت اور زندگی کا سوال ہے۔

اگر اس وقت ہم کانگریس یا حکومت کے کسی جال میں پھنس گئے تو اس برصغیر سے مسلمان اور اسلام کا نام و نشان مٹ جائے گا۔

مسٹر گاندھی ہندوؤں کے مسلمہ قائد ہیں، اور میں مسلمانوں کا مسلمہ رہنما۔ اس ملک کے اندر بعض دوسری جمعیتیں بھی ہیں، پست اقوام، سکھ، عیسائی اور پارسی بھائی، لیکن یہ صرف ہندوستان کے اندر اپنے لیے تحفظات چاہتے ہیں۔ اس لیے لڑائی صرف ہندوؤں اور مسلمانوں میں ہے۔

ہم ہندو بھائیوں سے کیا کہتے ہیں؟ صرف اتنا کہ آپ آزاد ہوں، اور آپ کا جو حصہ ہے اس پر حکومت کیجئے۔ خدا آپ کو آزادی مبارک کرے۔ ہم بھی

مبارکباد عرض کرتے ہیں، لیکن جن علاقوں میں ہماری اکثریت ہے اور جو ہمارا وطن ہے، ہمیں بھی آزاد ہونے دیجئے۔

میں نے شملہ میں خود پیش قدمی کی، مسٹر پنتھ سے بات چیت کی، لیکن میں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ان کے پاس لیگ کے لیے گندے ذلیل الزامات کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ وہ وائسرائے کے سامنے ناک کٹوا سکتے ہیں، مگر مسلمانوں سے سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔

وہ ویول سے خفا ہیں کہ اس نے جناح کو ''ویٹو'' (حق استرداد) کا حق کیوں دیا۔ شاید یہ لوگ ویٹو کے معنی بھی نہیں جانتے، دستور تو بنا نہیں، ویٹو کہاں سے آ گیا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ ملک کی ترقی کے لیے ان کا طرزعمل ''ویٹو'' ہے۔

شملہ کانفرنس ختم کر دی گئی ہے یہ اچھا ہی ہوا، کیونکہ گاندھی کی جدوجہد کامیاب ہو جاتی تو میں آپ سے روپیہ نہیں کوئی اور چیز طلب کرتا (تالیاں مسلسل نعرے) انہوں نے وہاں نہایت گندی سیاست کھیلی۔ تمام مردہ پارٹیاں زندہ کرنے کی جدوجہد کی۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ جو روپیہ لیگ فنڈ میں دیں گے اس کا غلط مصرف نہیں ہوگا، سب حساب رکھا جا رہا ہے اور اسے دیکھا بھی جا سکتا ہے۔ مجھے روزانہ تین چار سو منی آڈرز اور پوسٹ کارڈ ملتے رہتے ہیں، غریب مسلمان آٹھ آٹھ آنے تک بھیج رہے ہیں۔

''میری اپیل یہی ہے کہ اس انتخاب کو جو ہماری قسمت کا فیصلہ ہو سکتا ہے سارے ہندوستان میں لڑو۔''

وی بی کالج، ڈیرہ اسماعیل خان

28 اکتوبر 1946ء کو اس کالج کے مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر محمد عمر خان نے نہایت دلسوزی کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناح کو لکھا:

''وی بی کالج کے مسلم طلباء ہندو پروفیسروں کے ہاتھوں سخت پریشان ہیں۔''

انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے شکایت کی:

''ہندو پروفیسر ہمارے لیڈروں کو گالیاں دیتے ہیں اور اب انہوں نے ہمارے مذہب پر بھی حملے شروع کر دیے ہیں۔ نہرو کے دورہ سرحد کے بعد سے ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ نے اذان پر پابندی لگا دی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح سے خط میں درخواست کی گئی:

''عبوری حکومت کے مسلمان ممبروں کو ہدایت کی جائے کہ وہ اس معاملے میں ضروری کارروائی کریں۔''

ویڈربرن، ولیم

(دیکھئے: ویسٹ منسٹر پیلس ہوٹل)

ویراول

یہ گجرات کاٹھیاواڑ کی ایک چھوٹی سی بندرگاہ ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح کو جب ان کی والدہ عقیقہ کی غرض سے گینوڈ نامی گاؤں جو پانیلی سے دس میل دور تھا اور وہاں حسن پیر کی درگاہ تھی، اور وہ انہیں حسن میر کی درگاہ پر تھی لے گئیں تو قائداعظم محمد علی جناح کے والد او ر والدہ بادبانی کشتی کے ذریعے کراچی سے ویراول پہنچے۔ یہاں سے وہ گینوڈ گئے اور

انہوں نے حسن پیر کی درگاہ پر حاضری دی۔

ویسٹرن ہوٹل، دہلی

20 مارچ 1927ء کو میثاق لکھنؤ میں ترمیم و تنسیخ کرنے کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوستان کے تیس سرکردہ رہنماؤں کا ایک اجلاس ویسٹرن ہوٹل دہلی میں بلایا تھا۔ اجلاس میں راجا صاحب محمود آباد، صاحب زادہ عبدالقیوم، سر محمد شفیع، ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی جوہر، سر محمد یعقوب، نواب اسماعیل خان، مولوی شفیع داؤدی، میاں شاہنواز، سر عبدالرحیم، عبدالمتین چوہدری، سردار محمد نواز خان، سر عبدالعزیز، نواب سر ذوالفقار علی خان، مولوی سید مرتضیٰ، ڈاکٹر ایل کے حیدری، امام صاحب جامعہ مسجد دہلی، ڈاکٹر سر عبداللہ المامون سہروردی، سید آل نبی اور شاہ محمد زبیر نے شرکت کی۔ اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے ایک قرارداد پیش کی۔ اس اجلاس میں مسلمانوں کے مطالبات کو پورا کرنے پر زور دیا گیا تھا یہی قرارداد بعد ازاں تجاویز دہلی کی صورت اختیار کر گئی۔

اس قرارداد میں سندھ کی بمبئی سے علیحدگی اور نئے صوبے کے قیام اور صوبہ سرحد اور بلوچستان میں دیگر صوبوں کی طرح اصلاحات نافذ کرنے، مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کو نمائندگی دینے، پنجاب اور بنگال کی مجالس قانون ساز میں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی دینے کے مطالبات بھی کیے گئے تھے۔

ویسٹ منسٹر پیلس ہوٹل

یہ لندن کا معروف ہوٹل ہے، اس ہوٹل میں اس ہندوستانی وفد کے اعزاز میں استقبالیہ دیا گیا جو سر ولیم ویڈر برن نے دیا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے اراکین کے سامنے کانگریس کی تجاویز کی وضاحت کی۔

ویسٹ پنتھ ہاؤس، لندن

یہ سیمپ اسٹیڈ لندن کے علاقے میں لیتھ روڈ پر واقع ایک مکان ہے۔ یہاں پر قائداعظم محمد علی جناح دوسری گول میز کانفرنس سے قبل منتقل ہوئے تھے۔ یہ مکان قائداعظم محمد علی جناح نے لیڈی گریہم وڈ سے خریدا تھا۔

ویول، جناح تصادم

لارڈ ویول نے بطور وائسرائے اپنی پہلی تقریر میں ہندوستان کے جغرافیائی اتحاد کو مابعد جنگ دستور کا مرکزی نکتہ قرار دیا۔ جسے سن کر قائداعظم محمد علی جناح بہت برہم ہوئے، انہوں نے اسے کرپس کے پاکستان کے متعلق صاف وعدہ کو جھٹلانے کی ایک ناکام کوشش سمجھا۔ انہوں نے اسمبلی میں حکومتی بجٹ پر تازہ حملہ کیا تاکہ ویول کو یاد دلا سکیں کہ مسلم لیگ حکومت کو مرکزی اسمبلی میں اکثریت جمع کرنے سے باز رکھ سکتی ہے۔

چند دن بعد علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباء کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے کے خطاب کو اشتعال انگیز اور مسلمانوں کی پوزیشن سے بے خبری پر مبنی قرار دیا۔ انہوں نے کہا:

> ''لارڈ ویول نے اپنے پیشرو کی طرح کانگریس کے تالاب میں مچھلیاں پکڑنی شروع کردی ہیں، لارڈ لنلتھگو ناامیدی کے ساتھ ناکام ہوا، لیکن فوجی وائسرائے سمجھتا ہے کہ وہ ایک بڑی یا بہت سی چھوٹی مچھلیاں پکڑنے میں کامیاب ہو جائے گا، جہاں اس کا پیشرو فیل ہو گیا تھا۔ اس چیز نے پورے مسلم ہندوستان میں ناراضگی کی لہر دوڑا دی ہے۔''

لارڈ ویول نے اپنے گورنروں سے مشورہ مانگا۔
''بہترین راہِ عمل کیا ہے؟''
سی پی کے گورنر نے وائسرائے کو خبردار کیا:
''جناح کو دشمن بنانے سے اجتناب کیا جائے، میں جانتا ہوں کہ جناح کے متعلق بہت سی سخت باتیں کہی جاتی ہیں، تاہم میں اکثر یہ سوچ کر حیران ہوتا ہوں کہ اگر جناح کی دوراندیشی نے ہمیں یہ نہ بتایا ہوتا کہ کانگریس کی حمایت کرنا مسلم مفادات کے لیے تباہ کن ہوگا، تو خدا جانے ہم کہاں ہوتے؟''
بہار کے قائم مقام گورنر فرانسس موڈی نے چوہدری خلیق الزمان کی یہ رائے نقل کی:
''جناح جس چیز کے لیے تگ و دو کر رہے ہیں، وہ پاکستان کے حصول کے سوا کچھ نہیں، جس کے بدلے میں ہندوؤں کو کچھ بھی نہ دینا پڑے گا، حکومت کو چاہیے کہ وہ پاکستان کی غیر مشروط منظوری کا دوٹوک اعلان کرے۔ جناح کا استدلال یہ ہے کہ رائے شماری محض وقت کا ضیاع ہوگا، اور اس کے نتیجہ میں پنجاب اور بنگال میں فسادات پھوٹ پڑیں گے۔''
قائداعظم محمد علی جناح کی وجہ سے ویول سوچ میں پڑ گیا، اور ان کے پیچیدہ کردار یا قوتِ ارادی یا تاریخ کے وسیع مطالعہ کو صحیح طور سے نہیں سمجھ سکا۔ اس نے محض ظاہری صلح کن شکل دیکھی۔ اس نے قائداعظم محمد علی جناح کی خود پسندی کے متعلق صرف لِنلتھگو کی یکطرفہ اور بے حقیقت نکتہ چینی کو یاد رکھا۔
وائسرائے نے مارچ کے اواخر میں اپنی جورنل ڈائری میں نوٹ کیا۔
''میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جناح مجھے مسلم لیگ کا دشمن سمجھتے ہیں، اور انہوں نے تہیہ کرلیا ہے کہ میرے لیے اس قدر زیادہ وبالِ جان بنیں جتنا کہ وہ بن سکتے ہیں۔ وہ حقیقی معنوں میں مسلمانوں کو مضبوط و مدلل رائے کی، تاہم وہ رائے عامہ کو جدھر چاہیں ادھر موڑ سکتے ہیں، اور کسی میں اتنی جرأت دکھائی نہیں دیتی کہ ان کی مخالفت کر سکے۔''
وائسرائے یقیناً ایسے شخص کو پاکستان دینے پر آمادہ نہیں تھا، خصوصاً جبکہ ہندوستان کے مشرقی محاذ پر جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے، اور بنگال کو تباہ کن قحط نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

ویول منصوبہ

14 جون 1945ء کو ویول منصوبے کا اعلان وائسرائے ہند لارڈ ویول نے کیا۔
یہ آئینی تصفیہ حاصل کرنے یا اسے مسلط کرنے کی کوشش نہیں تھی۔ اس میں تجویز کیا گیا تھا:
''وائسرائے ایک نئی مجوزہ ایگزیکٹو کونسل بنانے کے لیے ہندوستانی مشیروں کے ساتھ صلاح مشورہ کرے گا۔''
وائسرائے ہند لارڈ ویول نے کہا:
''مجوزہ نئی ایگزیکٹو کونسل میں بڑی بڑی قومیتوں کو نمائندگی دی جائے گی، اور اونچی ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو برابر نمائندگی دی جائے گی۔''
لارڈ ویول نے یہ بھی کہا:
''وزارت امورِ خارجہ کا قلمدان جواب تک وائسرائے کے اپنے ہاتھ میں تھا کونسل کے کسی ہندوستانی رکن کو سونپا جائے گا۔ عبوری حکومت کا قیام کسی طرح سے بھی حتمی، آئینی تصفیہ پر اثرانداز نہیں ہوگا۔ نئی ایگزیکٹو کونسل کے مندرجہ ذیل تین فرائض ہوں گے۔
1. جاپان کے خلاف اس وقت تک پوری تندہی

کے ساتھ جنگ جاری رکھنا جب تک جاپان کو شکست فاش نہ ہو۔

۲ جنگ کے بعد ترقیات کے مختلف الاقسام کاموں سمیت برطانوی ہند کے حکومت کے تمام فرائض اس وقت تک سرانجام دینا جب تک ایک مستقل آئین پر راضی نامہ نہ ہو جائے اور اسے نافذ نہ کیا جائے۔

۳ حکومت میں شامل افراد جب ممکن سمجھیں ان طریقوں پر غور کریں گے۔ جن کے ذریعے اس قسم کا راضی نامہ ہوسکتا۔"

ویول 1883ء میں پیدا ہوئے انہوں نے سندھرسٹ میں تعلیم حاصل کی۔ 1941ء تا 1943ء ہندوستانی افواج کے کمانڈر انچیف تھے۔ اس سے قبل وہ شرق اوسط میں بھی 1939ء تا 1941ء تک فرائض انجام دیتے رہے۔ وائسرائے ہند کی حیثیت سے انہوں نے مختلف طبقوں میں منافرت کو دور کرنے کی سعی کی۔ کابینہ مشن کی آمد اور سعی مفاہمت ہوئی تو انتخابات کا انعقاد عمل میں آیا، اور عبوری حکومت بنائی۔ وہ برطانیہ کی لیبر حکومت سے اختلاف کی بنا پر مستعفی ہو گئے۔

ویول منصوبہ اور پریس کانفرنس

14 جولائی 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ویول منصوبہ کے ناکامی کے بعد کہا:

"منصوبہ ویول کی جانچ پڑتال اور اس کے قطعی و آخری تجزیہ پر ہمیں علم ہوا کہ یہ ایک دام تزویر ہے کل ہندو قومیت کے علمبردار آزادی مسٹر گاندھی اور کانگریس جغرافیائی وحدت ہند کے قائل لارڈ ویول اسلامیانِ پنجاب میں نسبت وتفرقہ اندازی پر آمادہ، گلینسی خضر میں ایک اتحاد اور اشتراک موجود ہے۔ لارڈ ویول کی تجاویز کو اگر ہم قبول کر لیتے تو گویا کہ اپنے ہی قتل نامہ پر دستخط کرنے کے مترادف ہوتے۔ ہر ذی فہم جانتا ہے کہ اگر ہم نے اس انتظام کو قبول کر لیا ہوتا تو مسئلہ پاکستان نذرِ طاق ہو جاتا، اور بلاتعین مدت ایک سرد خانے میں دھرا رہتا، پھر کانگریس کی تمنائیں پوری ہوتیں اور اس کو ہندوؤں کی قومی آزادی کے لیے ایک صاف اور سیدھا راستہ مل جاتا اس لیے کہ ایک متحدہ حکومت کی طرح یہ مطالبہ حکومت ایک غیر معین عرصہ تک برقرار رہے گی۔ برطانیہ کی وہ شہرہ آفاق حکمت عملی اور لارڈ ویول کا یہ نظریہ وحدت ہند ہمارے لیے موجب تباہی و ہلاکت تھا۔"

ہ

ہاتھ

مشہور منجم جناب ایم اے ملک کو قائداعظم محمد علی جناح کا ہاتھ دیکھنے کا موقع ملا۔ اس ضمن میں وہ رقمطراز ہیں:

''خبر ملی کہ تحریک پاکستان کے عظیم رہنما قائداعظم محمد علی جناح سیر وسیاحت کی غرض سے جموں کے راستے سری نگر (کشمیر) تشریف لے جارہے ہیں۔ اس تاریخی موقع پر مسلمانوں نے کن احساسات و جذبات کا اظہار کیا، اس کا اندازہ اس عظیم الشان استقبال سے کیا جاسکتا ہے جس کی نظیر جموں اور کشمیر کی تاریخ میں نہیں ہے۔ یہ موقع بہت ہی اہمیت کا حامل تھا۔ بات یہ ہے کہ بڑے بڑے آدمیوں کے ہاتھوں کا مطالعہ میرا سب سے بڑا شوق ہے۔ یہ خبط مجھے اس وقت سے ہے، جب میں پرنس آف ویلز کالج جموں میں ابھی فسٹ ایئر کا طالب علم تھا۔ قائداعظم کی آمد کی خبر سن کر دل میں شدت کی خواہش پیدا ہوئی کہ کسی نہ کسی طرح ان کے ہاتھ کی ایک جھلک دیکھ لی جائے، مگر اس بے مثل ہاتھ جس سے دس کروڑ مسلمانوں کی قسمت وابستہ تھی۔ اس کی ایک ادنیٰ سی جھلک دیکھ لینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ لاکھوں تماشائیوں اور عقیدت مندوں کے متلاطم سمندر میں قائداعظم تک پہنچنا اور وہ بھی اتنا قریب کہ ہاتھ کی لکیروں کو دیکھا جا سکے۔ بالکل ناممکن نظر آتا تھا۔ ادھر اپنی علمی کم مائیگی کا بھی احساس تھا کہ کہاں کے یکتائے زمانہ ٹھہرے کہ قائداعظم جیسی عظیم المرتبت شخصیت تک رسائی ہو سکے۔ ان ناممکنات کے گرداب میں ہوتے ہوئے ذرا جنون فتنہ ساماں کی بے تابیاں دیکھئے کہ پیہم دماغ سوزی اور ذہنی کاوش کے بعد ایک راستہ سوچ ہی لیا۔ وہ یہ کہ قائداعظم کے قریب تر ہونے کے لیے اپنا نام ان رضا کاروں کی فہرست میں درج کرایا جائے جو ان کی سواری کے ہمراہ گارڈ کی حیثیت سے متعین ہوں، پھر کسی موزوں زاویے سے ایسی شست باندھی جائے کہ ان کے دونوں ہاتھوں کے تمام گوشے پوری طرح عیاں ہو جائیں۔ اس ترکیب کو عملی جامہ پہنانا خاصا دشوار تھا، مگر طبیعت اس پر جم گئی، چنانچہ ایک روز والنٹیئر کور کے انچارج کے ہاں انٹرویو کے لیے جا دھمکا۔

انچارج: ''کیسے آنا ہوا؟''

عرض کیا: ''جناب مجھے رضا کاروں میں شامل کرلیا جائے۔''

''آخر کیوں؟'' انچارج نے میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس لیے کہ میں ایک جانثار والنٹیئر ہوں۔''

''مگر آپ کا قد وقامت اور جسم ابھی اس قابل نہیں۔''

''جناب جذبے کو دیکھئے جسم تو صرف خارجی حیثیت رکھتا ہے۔''

''کیا آپ تربیت یافتہ ہیں؟''

میں نے دل کی بات صاف صاف بتا دینے کا فیصلہ کر

لیا عرض کیا۔

’’جناب والا! بات یہ ہے کہ خاکسار کو پامسٹری سے شغف ہے، اور اکثر بڑے آدمیوں کے ہاتھ دیکھنے کے لیے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ جانے کی بھی عادت ہے۔حسن اتفاق سے قائداعظم تشریف لا رہے ہیں۔ میری یہ معصوم آرزو ہے کہ ان کے ہاتھ کی ایک جھلک دیکھ سکوں۔ اگر آپ نے میرا نام والنٹیئر ز کی فہرست میں شامل نہ کیا تو......‘‘

’’تو کیا‘‘ انچارج نے گرج کر کہا۔

’’کچھ نہیں جناب! بس اتنی بات ہے کہ مجھے اور ذرائع اختیار کرنے پڑیں گے، کیونکہ میں نے قائداعظم کا ہاتھ دیکھنے کا عزم کر رکھا ہے، میں ان کا ہاتھ دیکھ کر رہوں گا۔‘‘

انچارج میری اس جسارت اور صاف گوئی پر مسکرا دیے زندہ دل تو تھے ہی۔ جھٹ سے اپنے دونوں ہاتھ میرے سامنے پھیلاتے ہوئے بولے:

’’اچھا پامسٹ ہیں...... لیجیے بطور ٹیسٹ کیس۔‘‘

انچارج صاحب کا ہاتھ دل اور دماغ کی تمام صلاحیتوں کو صرف کر کے دیکھا گیا (بڑے آدمیوں تک پہنچنے کے لیے رشوت تو ہر جگہ دینی پڑتی ہے) بہت سی باتوں کے علاوہ میں نے یہ بھی بتایا کہ وہ موجودہ جگہ سے ترقی کرتے کرتے کسی جلیل القدر عہدے پر فائز ہوں گے۔ بہر حال ہاتھ دیکھنے کا یہ انداز بے حد کارگر ثابت ہوا، اور لیجیے صاحب ہم قائداعظم ڈیفنس کور میں شامل کر لیے گئے۔ بھلا اس سے زیادہ اور کیا خوش نصیبی ہو سکتی تھی۔

ایک پرشکوہ جلوس کے عین وسط میں ایک کھلی کار کی پچھلی نشست پر قائداعظم تشریف فرما تھے۔ والنٹیئر ز کا ایک مضبوط دستہ کار کو حلقے میں لیے ہوئے تھا۔ کار آہستہ آہستہ جلوس کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ ایک تربیت یافتہ شکاری پرندے کی طرح میری نگاہیں جلوس کی مرکزی شخصیت کے دونوں ہاتھوں پر جمی ہوئی اپنا کام مستعدی سے کر رہی تھی۔ میرے جذب و انہاک کا یہ عالم تھا کہ جلوس کے بالکل درمیان ہوتے ہوئے ہنگامہ آرائیوں کی بالکل خبر نہ تھی۔ تمام تر توجہ سمٹ سمٹا کر ان دو ہاتھوں پر مرتکز ہو کر رہ گئی تھی جو مجھ سے فقط دو ہاتھ کے فاصلے پر تھے۔

جلوس ڈیڑھ میل کا چکر کاٹ کر تقریباً دو تین گھنٹے کے بعد ڈاک بنگلے پر ختم ہوا۔ اس طویل عرصے میں مَیں نے قائداعظم کے دونوں ہاتھوں کو مختلف گوشوں اور زاویوں سے پوری دلجمعی سے دیکھا۔ سچی بات یہ ہے کہ جتنا طویل وقت مجھے والنٹیئر بن کر قائداعظم کے ہاتھ کا مشاہدہ کرنے کے لیے ملا اتنا مجھے کسی اور طریقے سے نہیں مل سکتا تھا۔ میرے اور قائداعظم کے درمیان کوئی زیادہ فاصلہ بھی نہیں تھا بس یہی دو تین فٹ اور بعض دفعہ تو ہجوم کے دباؤ سے یہ فاصلہ اور بھی کم رہ جاتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار تو دباؤ اس قدر بڑھا کہ ہم تقریباً کار ہی سے چپک گئے تھے۔ اس موقع پر قائداعظم نے نہایت مشفقانہ انداز میں ہمیں ہاتھ سے عوام کو پیچھے دھکیلنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا:

Push back Gentelmen Push back.

ایک بار تو مجھے کچھ خوف سا بھی محسوس ہوا۔ ہاتھ کے مطالعہ کے شوق میں مَیں نے ڈائری پر چند نکات نوٹ کرنا چاہے۔ قائداعظم نے مجھے بڑی معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور میں لکھتے لکھتے رہ گیا۔ پھر مجھے

ایسا کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ قائداعظم کی عقابی نگاہ کی تاب بھلا کیسے لائی جاسکتی تھی؟

اسے حسنِ اتفاق سمجھئے کہ قائداعظم کا ہاتھ ایک کھلے ہوئے ورق کی طرح کافی عرصے تک میری نگاہوں کے سامنے رہا، اور میں نے جی بھر کر اس کا مطالعہ کیا۔ حسرت اگر کچھ رہی تو فقط یہ کہ میں ان کے ہاتھ کا فوٹو یا پرنٹ نہ لے سکا۔ فن مصوری سے بالکل بیگانگی تھی، ورنہ دنیا کے ایک عظیم المرتبت انسان کے ہاتھ کو نقشِ جاوداں بنانے کا فخر آج مجھے حاصل ہوتا۔

مجھے ہمیشہ یہ تجسس رہا کہ قائداعظم کے ہاتھوں کے نقوش یا ان کی کوئی ایسی تصویر مل جائے جس پر ہاتھوں کے خد و خال واضح ہوں۔ اس تجسس میں ہندوستان اور دوسرے ممالک کے چند بین الاقوامی شہرت کے دست شناسوں سے رجوع کیا گیا، لیکن خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی تعجب ہے کہ دنیا کے اور مشاہیر مثلاً نپولین، سٹالن، ہٹلر، مسولینی، چرچل، روز ویلٹ، گاندھی، نہرو اور آئن سٹائن کے نقوش دست میں نے دیکھے اور میرے پاس موجود بھی ہیں۔ قائداعظم کے نقوش دست انتہائی کوشش کے باوجود دستیاب نہ ہو سکے۔ حال ہی میں ایک خوشگوار اتفاق پیش آیا۔ ایک صاحب کے ہاں جانا ہوا۔ اچانک میری نگاہ ان کے ڈرائنگ روم میں آویزاں قائداعظم کی ایک دلآویز تصویر پر پڑی یہ تصویر جسے ان صاحب نے شیشے کے فریم میں لگا رکھا تھا۔ ریڈیو پاکستان کے رسالہ ''آہنگ'' کے سرورق پر شائع ہوئی تھی۔ یہاں قائداعظم 14 اگست 1947ء کی شام کو تخلیق پاکستان کی مبارک تقریب پر قوم سے ایک نشری تقریر میں خطاب کر رہے ہیں۔ میرے نقطہ نگاہ سے اس میں عمدگی کی بات یہ ہے کہ فوٹو گرافر نے یہ تصویر ایک ایسے وقت میں لی ہے جب قائداعظم نے اپنے دونوں ہاتھ جوش خطابت میں پھیلائے ہوئے ہیں اور ان پر منقش علامات اور خدوخال بہت صاف نظر آ رہے ہیں۔ اس تصویر کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی کیونکہ آج سے سترہ اٹھارہ برس پہلے جن نقوش اور علامات کو میں نے اپنے ذہن میں محفوظ رکھا، اور پھر ان کی بناء پر قیافہ آرائی کی وہ من وعن وہی ہیں جو ان کے نقش دست میں موجود ہیں۔

اس تمہید کے بعد اب قائداعظم کے ہاتھ کی نمایاں خصوصیات کا ذکر کروں گا۔ جو چیز قائداعظم کے ہاتھ میں سب سے نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ ان کا غیر معمولی قسم کا انگوٹھا ہے۔ جس کی بالائی پور کافی لمبی ہے۔ انگوٹھے کی یہ ساخت زبردست قوت فیصلہ اور قوت ارادی کی مظہر ہے، اور ایک ایسی شخصیت کی آئینہ دار ہے جو انتہائی نازک حالات میں بھی اپنے اصولوں پر ثابت قدمی اور مضبوطی سے ڈٹ جانے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ ایسے لوگ مخالف قوتوں کے شدید دباؤ کے سامنے اپنے مسلمہ اصولوں سے کبھی دست کش نہیں ہوتے۔ ہتھیار نہیں ڈالتے، ٹوٹ تو سکتے ہیں، جھک نہیں سکتے۔ اصولوں کی یہ پختگی اور اپنے مشن کی صحت وصداقت کا یہ یقین محکم بالآخر ان کی کامیابی اور فتح پر منتج ہوتا ہے۔ انگوٹھے کی ان صفات کو سامنے رکھیے اور قائداعظم کے کریکٹر سے موازنہ کیجیے دونوں میں کس قدر مماثلت ہے۔

انگوٹھے کے ساتھ پوری پوری مناسبت رکھتی ہوئی دوسری نمایاں خصوصیات ان کی انڈی پینڈنٹ دماغی لکیر ہے۔ یہ لکیر زندگی کی لکیر سے ہٹ کر منزل کے

ابھار کے زیریں حصے سے شروع ہو کر ہاتھ کی ہتھیلی کو پھلانگتی، سیدھی ماری (مریخ) کے ابھار پر ختم ہوتی ہے۔ دماغی لکیر کا یہ مخرج، محل وقوع اور مقام اختتام پامسٹری کی نظر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس طرح کی دماغی لکیر بالخصوص ایسی لکیر جس کا ایک سرا اپنے مخرج سے زندگی کی لکیر سے بھی منسلک ہو وہ انسانیت کے ان چند محسنین کے ہاتھوں میں پائی جاتی ہے جو بے پناہ دماغی قوت اور قابلیت کے مالک ہوتے ہیں اور جن میں قیادت، رہنمائی، آزادی فکر و عمل، جدت طبع اور پٹ پٹائی راہوں سے ہٹ کر نئی شاہراہوں کی دریافت کا فطری اور پیدائشی ملکہ ہوتا ہے، مگر ان کی یہ دریافت اور تحقیق ان علوم وافکار میں ہوتی ہے جن میں استدلال اور منطق زیادہ اور جذبات کم ہوں۔

مشہور سائنس دانوں، علم ریاضی کے ماہروں، ڈاکٹروں، قانون دانوں، صنعت کاروں، ناقدوں اور منطقیوں کے ہاتھوں پر یہ لکیر اکثر پائی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم کے ہاتھ پر دماغی لکیر کا اس کیفیت میں پایا جانا قطعی طور پر ضروری تھا کیونکہ خیالی دنیا میں رہنے والے مسلمانوں کو کسی ایسی شخصیت کی رہنمائی کی ہی ضرورت تھی جو انہیں واقعات اور حالات کا نہایت بے لاگ اور سائنٹیفک انداز میں تجربہ کر کے ٹھوس حقائق سے آشنا کر سکتی تھی۔

قائداعظم کی حقیقت پسند شخصیت کا اظہار ان کی مخصوص دل کی لکیر سے ہوتا ہے، جو پہلی اور دوسری انگلی کے درمیان سے شروع ہو کر نہایت صحت وصفائی کے ساتھ دماغ کی لکیر سے مناسب فاصلہ لیتی ہوئی گزرتی ہے۔ اس سے نہایت کم شاخوں کا پھوٹ پھوٹ کر دماغی لکیر پر گرنا ایک معتدل متوازن اور سلجھی ہوئی طبیعت اور مزاج کا مظہر ہے، اور ایک ایسی شخصیت کی آئینہ دار ہے جس کے بارے میں یہ باوثوق پیش گوئی کی جاسکتی ہے کہ اس سے جذبات کی رو میں بہ کر غیر موزوں اور غیر آئینی حرکات کا سرزد ہونا بعید از قیاس ہے۔

متذکرہ بالا مطالعہ قائداعظم کے ہاتھ کے بارے میں زیادہ تر سیرت و کردار کے پہلو سے ہے۔ درحقیقت یہی ایک پہلو ہے جو پامسٹری کو سائنٹیفک بنیادوں پر استوار کرتا ہے، اور اس میں افادیت اور مقصدیت پیدا کرتا، اور انسان کو اپنے اندر عمدہ صفات پیدا کرنے کے لیے ابھارتا ہے۔ اگر سیرت کا دوسرا نام تقدیر ہے، کی حقیقت کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ قائداعظم کی عظمت کا راز ان کے بلند کریکٹر میں مضمر ہے، اور ان کے بلند کریکٹر کا راز ان کے ہاتھ میں پنہاں ہے۔

سیرت و کردار کے اس مطالعہ کے بعد قائداعظم کے ہاتھ پر جو نشانات قابلِ غور ہیں وہ ذرا اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہیں۔

1. مشتری کے ابھار (یعنی وہ ابھار جو انگشت شہادت کے نیچے واقع ہے) اس پر ستارہ نما نشان ہے، جو اپنے مقصد حیات میں عظیم کامیابی اور دوسری ممتاز علامات کی موجودگی میں بین الاقوامی شہرت کی بین علامت ہے۔ یہ ستارہ نما نشان بعینہٖ اسی مقام پر چرچل، آئزن ہاور، گاندھی، نہرو اور سٹالن کے ہاتھوں پر بھی موجود ہے۔

2. مشتری اور عطارد کی نمایاں بلندی۔ مشتری بلند عزائم لیڈرشپ، مذہبی رجحانات اور مناظر فطرت سے

گہری دلچسپی کا مظہر ہے۔ عطارد بزنس، قانون دانی، فن خطابت اور ٹیکنیکل مسائل کی غیر معمولی صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے۔

❸ عطارد کے ابھار (جو چھوٹی انگلی کے نیچے واقع ہے) اس پر تین چار عمومی لکیریں ہیں، جو مشہور طبی ماہروں اور ڈاکٹروں کے ہاتھوں پر پائی جاتی ہیں۔ ان لکیروں کو پامسٹری کی اصطلاحی زبان میں Medical Stigmata کہا جاتا ہے۔ کیا قائداعظم کو میڈیکل سے شغف تھا؟ مجھے اس کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ استعارۃً ان کے معالج قوم ہونے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

❹ کامیابی کی درخشاں لکیر جس کا مخرج دماغی لکیر ہے۔ یہ لکیر قسمت کی لکیر کے عین متوازی جاتے ہوئے شمسی ابھار پر ختم ہوتی ہے۔ یہ زندگی کے مقصد یا مقصد عظیم میں یقینی کامیابی کی واضح علامت ہے۔ عظیم فاتحوں، سلطنتوں کے بانیوں اور تاریخی شخصیات کے ہاتھوں پر اکثر دیکھنے میں آئی ہے، بشرطیکہ اس کے ساتھ خط تقدیر بھی ایسا ہی نمایاں ہو، اور ہاتھ کی دوسری علامتیں اس کی تائید کرتی ہیں۔

❺ کامیابی کی لکیر کو انگوٹھے کی طرف سے ایک مخالف لکیر کا کاٹتے ہوئے گزرنا یہ آپ کی زندگی پر اس حملے کا مظہر ہے جو قائداعظم پر غالباً بمبئی میں ایک سر پھرے خاکسار نے کیا تھا چونکہ کامیابی اور عمر کی لکیریں شکست وریخت کے بغیر منزل کی طرف بڑھتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس لیے ان پر کوئی مخالف اثر نہیں پڑا۔

❻ انگلیوں کے بالائی پوروں کا نچلے پوروں کے مقابلے میں زیادہ لمبا ہونا غیر معمولی ذہانت، فہم اور بصیرت کی علامت ہے۔

❼ بائیں ہاتھ کی نسبت دائیں ہاتھ کی لکیروں کا گہرا اور عمدہ ہونا طبی استعداد اور آبائی ماحول کے مقابلے میں ذاتی کاوش اور محنت سے ارتقاء کی منزلیں طے کرنا تصور کیا جاتا ہے۔

❽ قسمت کی لکیر قمری ابھار سے نمودار ہو کر مشتری کے ابھار پر ختم ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسے عوامی رہنما کی معروف علامت ہے جس کی قوت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں۔ وہ غیر ملکی امداد یا فوجی انقلاب سے قوت حاصل نہیں کرتے۔ یہی علامت گاندھی، چرچل آئزن ہاور کے ہاتھوں پر موجود ہے۔

❾ سلیمانی انگوٹھی یہ حکمران، سلطنت کے بانیوں، عظیم المرتبت ججوں، لوگوں کی موت و حیات کے مسائل پر فیصلہ صادر کرنے والوں اور ان تمام لوگوں کی معروف علامت ہے۔ جس کی شخصیت میں کوئی غیر معمولی کشش ہو۔ حال ہی میں مَیں نے یہ علامت پاکستان ہائی کورٹ کے ایک فضل جج جناب جسٹس سجاد احمد جان صاحب کے ہاتھ میں پائی ہے۔

❿ انگلیوں کی وسطی پور کی گانٹھ بڑی نمایاں ہے۔ یہ علامت بات کی تہ تک پہنچنے اور قانون کی باریکیوں کو سمجھنے کی صلاحیت کو ظاہر کرتی ہے۔ گانٹھ دار انگلیاں عظیم منطقیوں کی بھی نشانی ہے۔ نہرو اور گاندھی کی انگلیاں بھی اسی ساخت کی تھیں۔

⓫ عمر کی لکیر سے ایک نمایاں شاخ مشتری کے ابھار تک جاتی ہے۔ یہ لیڈر شپ کی فطری صلاحیت، عزائم کی بلندی، مزاج میں خودداری اور کسی حد تک تکبر کی علامت ہے۔

⓬ عمر کی لکیر کے اندر ایک نمایاں مدافعتی لکیر ہے

جسے عمر کی دوسری لکیر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ زمانے کے ساتھ چل نکلنے والوں کے بجائے اس کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی علامت ہے۔ اس کے ساتھ کامیابی کی لکیر اگر نمایاں ہو (جیسا کہ قائداعظم کے ہاتھ پر ہے) تو کامیابی و کامرانی بالآخر ان کے قدم چومتی ہے۔ یہ علامت بالعموم فنونِ حرب کے ماہرین کے ہاتھوں پر پائی جاتی ہے۔ جو جنگی اسرار و مصالح کے ماہر ہوتے ہیں، اور جن میں جارحیت اور مدافعت دونوں صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہوتی ہیں۔ آئزن ہاور کے ہاتھ پر بھی یہی علامت ہے۔

۱۳ چھوٹی انگلی کی بالائی پور مخروطی اور دوسری پوروں کے مقابلے میں لمبی ہے۔ یہ عوامی مقرر اور خطیب کی علامت ہے۔

۱۴ عمر کی لکیر پر اختتام کے قریب جزیرہ اور شکست و ریخت کی علامت ہے، یہ زندگی کا اختتام ظاہر کرتی ہے، اور اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ ایسا شخص مرنے کے وقت گھر سے دور ہوتا ہے۔

مشاہیر عالم میں جس ہاتھ کے ساتھ قائداعظم کے ہاتھ کی کچھ تھوڑی بہت مماثلت ہے وہ مسٹر چرچل کا ہاتھ ہے دونوں کے انگوٹھے اور قسمت کی لکیریں ایک جیسی ہیں، البتہ چرچل کی دماغی لکیر کئی ایک شاخوں میں بٹ جانے کی وجہ سے بڑی وسعت اور ہمہ گیریت کی مظہر ہے۔ مشاہیر عالم میں جس ہاتھ کے ساتھ قائداعظم کے ہاتھ کی بہت کم مماثلت ہے، وہ مہاتما گاندھی کا ہاتھ ہے۔

13 کا ہندسہ مغربی اقوام میں منحوس سمجھا جاتا ہے، لیکن پرندوں کی اڑان کی تحقیقات کرنے کے لیے جس کبوتر سے کام لیا جا رہا ہے اس کا نمبر 13 ہے۔ پرواز کے وقت پرندے پروں کی حرکت کی وجہ سے بہت زیادہ جسمانی حرارت پیدا کرتے ہیں۔ اس کا جائزہ لینے کے لیے ڈاکٹر ہارٹ نے ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر بنایا ہے جو اس کبوتر کے جسم پر باندھ دیا جاتا ہے، جونہی کبوتر اڑتا ہے یہ ٹرانسمیٹر دل کی حرکت پر دل کے ہلنے کی تعداد اور سانس کی رفتار کو ریکارڈ کر لیتا ہے۔ اس تجربے سے معلوم ہوا کہ جب کبوتر زمین پر بیٹھتا ہے اس وقت اس کے سانس کی رفتار 25، 30 بار فی منٹ ہوتی ہے، لیکن پرواز کے دوران یہ رفتار 500 بار فی منٹ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح آرام کے وقت اس کے دل کی حرکت 150 بار فی منٹ ہے، لیکن پرواز کے وقت یہ حرکت 600 بار فی منٹ ہو جاتی ہے۔

ہاتھی اور گدھے

1946ء میں تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان میں عبوری حکومت قائم ہوئی تو کانگریس اور مسلم لیگ کو بھی اس میں شریک کیا گیا، تمام وزارتوں کے سربراہ براہِ راست انگریز وائسرائے کے ماتحت تھے، اور ان کی حیثیت وائسرائے معاونین کی تھی، لیکن پنڈت جواہر لال نہرو نے اکثر خود کو کابینہ کا سربراہ ظاہر کیا، اور اصرار کیا کہ اسے وزیراعظم کہا جائے اور سمجھا جائے۔

مسلم لیگ کے اراکین کو یہ صورتِ حال تسلیم نہ تھی، چنانچہ ایک صحافی نے قائداعظم محمد علی جناح سے نہرو کے اس دعویٰ کے بارے میں سوال کیا تو قائداعظم محمد علی جناح شگفتہ مزاجی سے مسکراتے ہوئے بولے:

''اگر گدھے اس بات پر اصرار کریں کہ انہیں ہاتھی کہا جائے تو انہیں ایسا کرنے دو، ہاتھی ہاتھی ہیں اور

گدھے جو ہیں وہی رہیں گے۔''

ہاتھی دانت

قائداعظم محمد علی جناح کا قیام کشمیر میں تھا کہ انہیں گاندھی کا ایک خط موصول ہوا۔ چودھری غلام عباس اور اے آر ساغر قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ تھے۔ خط اردو میں تھا۔ اس لیے چودھری غلام عباس کو خط پڑھنے کا حکم ہوا۔ گاندھی نے قائداعظم کو ''جناح بھائی'' کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ خط دراصل ایک چھوٹا سا رقعہ تھا۔ اس کا مضمون یہ تھا:

''آؤ مل کر کام کریں۔''

خط سن کر قائداعظم محمد علی جناح لمحہ بھر سوچتے رہے، پھر فرمایا:

''ابھی اس خط کا کہیں ذکر نہ کرنا۔''

چودھری غلام عباس نے کہا:

''گاندھی کے دل میں کچھ، اور زبان پر کوئی اور بات ہوتی ہے۔''

پھر بمبئی کی اردو میں بے ساختہ ایک محاورہ یوں استعمال کیا:

''ہنسی کے سامان ہو گئے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کہنے لگے:

''ہاتھی کا ایک دانت کھانے کا ایک دکھانے کا۔''

مطلب یہ تھا کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔

ہاج، ایچ بی

حکومت نے جولائی 1916ء میں ہندوستان کے انتہا پسند لیڈر بال گنگا دھر تلک پر بغاوت کا خلاف مقدمہ دائر کیا تو انہیں ایک سال تک نیک چلن رہنے کے متعلق 20 ہزار روپے کا مچلکہ اور دس دس ہزار روپے کی ضمانت داخل کرانے کو کہا گیا تھا۔ 7 اگست 1916ء کو یہ مقدمہ ایچ بی ہاج لی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پونہ کی عدالت میں پیش ہوا۔ حکومت کی طرف سے ڈی بی بننگ اور بال گنگا دھر تلک کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح، جوزف، بپٹسٹا، کھانزیکا اور آسکر پیش ہوئے۔ مقدمہ کی کارروائی شروع ہونے پر بال گنگا دھر تلک کے خلاف اننت کرشن ٹھاکر ملازم اختر اور منٹیل مترجم پیش ہوا اور اس نے گنگا دھر تلک کی مرہٹی تقریر کے انگریزی میں صحیح ترجمہ کی تصدیق کی جو اورینٹل مترجم کے دفتر میں کیا گیا تھا۔ اس گواہ نے بتلایا کہ میں نے ترجمہ نہیں کیا بلکہ اصل تقریر کا ترجمہ سے مقابلہ کیا تھا۔

''مسٹر بننگ نے انگریزی ترجمہ بطور دستاویز پیش کیا اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے اعتراض کیا: اصل مترجم پیش کیے جائیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح کا یہ اعتراض نوٹ کر لیا گیا۔

اس موقع پر وکیل سرکار مسٹر بننگ نے گنگا دھر تلک کی سزا یابیوں کی ایک فہرست پیش کی قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں یہ فہرست دیکھ کر حیران ہوا ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے دریافت کیا:

''یہ فہرست اس موقع پر کس دفعہ کے تحت پیش کی جا رہی ہے۔ یہ فہرست مقدمے کے ثابت ہو جانے کے بعد سزا بڑھانے کے متعلق پیش کی جا سکتی ہے۔ استغاثہ کو پہلے تلک کو زیر دفعہ 108 مجرم ثابت کرنا چاہیے پھر یہ فہرست پیش کرنی چاہیے۔''

مجسٹریٹ نے کہا:

''مسٹر تلک کی سزا یابیاں سب کو معلوم ہیں مسٹر جناح نے کہا:

''میرا مطلب یہ نہیں کہ اس سے مجسٹریٹ کے دل میں تعصب پیدا ہوگا بلکہ اگر فہرست کو داخل کر لیا گیا تو

یہ مثل کا حصہ بن جائے گی، اور مجسٹریٹ کو لازمی طور پر اس کا خیال رکھنا ہوگا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ملزم کے حق میں بہتر نہ ہوگا۔''

چند دلائل کے بعد مجسٹریٹ نے یہ فیصلہ دیا:

''فہرست داخل کی جائے۔''

''اس کے بعد فہرست پڑھ کر سنائی گئی اس میں ایک سال اٹھارہ ماہ قید اور دوسری چھ سال قید اور ایک ہزار روپے کی سزایابی درج تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے باضابطہ طور پر ان سزایابیوں کو تسلیم کیا لیکن بتلایا:

''گورنمنٹ نے جرمانہ معاف کر دیا تھا۔''

بعدازاں وکیل سرکار نے کہا:

''میں اس مقدمہ کے متعلق کوئی تقریر نہیں کرنا چاہتا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں طریق مقدمہ پر بڑا حیران ہوں۔ اول تو استغاثہ نے ہمیں یہ نہیں بتلایا کہ وہ مسٹر تلک کی تین تقریروں کے کن حصوں پر معترض ہیں مسٹر بننگ نے صرف مبہم الزامات لگائے ہیں لیکن یہ کافی نہیں مسٹر بننگ نے پہلے کہا تھا کہ وہ تمام تقریر پر اعتراض کرتے ہیں لیکن بعد میں تین تقریروں کے خاص فقرات پیش کیے جو عدالت کے سامنے مطبوعہ صورت میں پیش ہیں لیکن آپ نے انہیں پڑھ کر نہیں سنایا اور صرف فقرات اور صفحات کا حوالہ دیا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں اپنا مقدمہ ان فقرات کے اندر محدود نہیں کروں گا، بلکہ تمام تقریروں کو ملحوظ رکھوں گا۔''

استغاثہ کی طرف سے اس طرح مقدمہ ختم کرنے پر قائداعظم محمد علی جناح کو گواہوں پر جرح کرنے اور اپنا جواب دعویٰ پیش کرنے کے لیے کہا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے شارٹ ہینڈ میں لکھے ہوئے نوٹوں کا جو پہلے گواہوں کے لیے تھے جرح کرنے سے قبل ملاحظہ کرنے کے لیے مہلت طلب کی چنانچہ مقدمہ کی سماعت 18 اگست 1916ء پر ملتوی کر دی گئی۔

مقدمہ کی دوبارہ سماعت ہوئی تو قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''سوراج کا لفظ کوئی برا نہیں اور نہ اس سے گورنمنٹ کی مخالفت مقصود ہے سوراج کے معنی جیسا کہ بارہا بیان کیے گئے ہیں۔ یہ ہیں کہ ہندوستانی معاملات کو ہندوستانیوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہندوستان کی حکومت کو چھوڑ کر گورنمنٹ ہندوستان سے چلی جائے۔''

تقریر کے خاتمے پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میرے موکل پر کوئی جرم ثابت نہیں ہوا جس کی وجہ سے ضمانت لی جائے۔''

چنانچہ گنگادھر تلک کے خلاف مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

ہارڈنگ، لارڈ

یہ قائداعظم محمد علی جناح کے نوجوانی کے ایام تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی عمر اس وقت 34 برس تھی، جب لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند بن کر آئے۔ وہ 1916ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔

ان کے عہد میں 1911ء میں دہلی میں جارج پنجم کا دربار تاج پوشی منعقد ہوا۔ تقسیم بنگال کی تنسیخ عمل میں آئی۔ کلکتہ کی بجائے دہلی کو دارالحکومت کا درجہ ملا۔ ستمبر 1912ء میں وائسرائے دہلی میں داخل ہوئے تو ان پر بم پھینکا گیا جس سے وہ زخمی ہوئے۔ پھر بھی ان کا رویہ اہل ہند کے ساتھ متشددانہ نہ ہوا۔ 1912ء کی عالمی جنگ میں ہندوستان اور کشمیر سے فوج اور ساز وسامان کا انتظام برطانیہ کی امداد کے لیے کیا۔

ہارون، محمود اے

وہ قائداعظم کے اے ڈی سی تھے محمود اے ہارون 9 ستمبر 1920ء کو کراچی میں سر عبداللہ ہارون کے ہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے کراچی کے گرائمر سکول اور ڈی جے سندھ کالج اور ایس سی شاہانی لاء کالج سے تعلیم حاصل کی۔ 1936ء میں نیشنل گارڈ کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح کے اے ڈی سی مقرر ہوئے۔ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے منتخب رکن بھی رہے۔ انہوں نے آل پاکستان مسلم لیگ کونسل میں بھی شمولیت اختیار کی۔ 1940ء تا 1945ء کے دوران کراچی ہار بر لیبر یونین کے صدر منتخب ہوئے۔ 1943ء تا 1951ء کے دوران کراچی فشر میں وہ یونین کے صدر بھی رہے۔ 1965ء میں انہیں مغربی پاکستان کا وزیر برائے لیبر وکواپشن بنا دیا گیا۔ 1968ء میں بحیثیت ہائی کمشنر برطانیہ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ 1969ء سے 1971ء تک بطور وزیر خوراک و زراعت ذمہ داریاں تفویض ہوئیں۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے عہد میں وزیر داخلہ کے عہدے پر فائز ہوئے، لیکن نومبر 1984ء میں مستعفی ہو گئے۔

ہارون، یوسف اے

(دیکھیے: یوسف اے ہارون)

ہاشم رضا

قائداعظم محمد علی جناح کی خواہش پر جولائی 1948ء میں کراچی کے پہلے ایڈمنسٹریٹر بنے، 1907ء میں پیدا ہوئے ان کا تعلق مذہبی گھرانے سے تھا۔ انہوں نے مولوی احمد حسین صاحب سے دینی تعلیم حاصل کی، والد جسٹس محمد رضا اور والدہ آل فاطمہ دونوں مذہبی امور کے پابند تھے۔ ہاشم رضا نے لکھنؤ یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ 1932ء میں مقابلے کے امتحان میں شریک ہوئے اور کامیاب ہوئے۔ انڈین سول سروس میں شمولیت اختیار کی۔ پھر ایم اے پولیٹیکل سائنس بھی کیا۔ 1932ء میں قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی پہلی ملاقات لکھنؤ میں ہوئی۔

1964ء میں انہیں ستارہ پاکستان اور 1985ء میں ستارہ قائداعظم کے ایوارڈ سے نوازا گیا۔

ہاشم گزدر، الحاج محمد

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے معتمد ساتھی تھے۔ ہاشم گزدر نے صوبہ سندھ کے بمبئی سے علیحدگی کے سلسلے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کا تعلق راجپور قبیلے سیسوڈیا کی ادھے پور شاخ سے تھا۔ ہاشم گزدر یکم فروری 1893ء کو جیسلمیر میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1903ء میں سندھ مدرسۃ الاسلام میں داخلہ لیا۔ 1910ء میں میٹرک اور چھ سال بعد سول انجینئرنگ کالج کر کی (پونا) سے کیا۔ 1916ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ وہ انسٹی ٹیوٹ اور انجینئرز انڈیا کے رکن تھے۔ پیشے میں صوبہ سندھ، ریاست حیدرآباد دکن، ریاست بہاولپور اور بمبئی میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ بہاولپور میں راوی ستلج کے منصوبہ آبپاشی کے تحت صحرائے چولستان کا سروے کیا، اور دکن میں عثمان ساگر اور حمایت ساگر کی تعمیر میں اہم کام کیا۔ سکھر اور سندھ بیراج سے نکلنے والی نہروں کی تعمیر میں بھی حصہ لیا۔ 1934ء سے 1956ء تک مسلسل بلدیہ کراچی کے رکن اور 1942ء- 1941ء میں میئر منتخب ہوئے، اور تین سال تک مالیات اسٹینڈنگ کمیٹی کے چیئرمین رہے۔ سندھ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے قیام پر اس کے صدر رہے، اور وفات تک اس کے اعزازی سیکرٹری رہے۔ آٹھ سال تک نارتھ ویسٹرن (اب پاکستان ریلوے) ریلوے کی مشاورتی کمیٹی کے رکن

رہے۔ 19 سال تک کراچی پورٹ ٹرسٹ کے ٹرسٹی اور وائس چیئر مین نیز پورٹ حج کمیٹی کے چیئر مین بھی رہے۔ 1934ء سے 1936ء تک بمبئی قانون ساز اسمبلی کے رکن اور 1936ء میں گورنر کی کونسل کے رکن رہے اور 1937ء سے 1951ء تک سندھ قانون ساز اسمبلی کے رکن رہے اور پھر مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن رہے۔ ہاشم گزد 1946ء میں متحدہ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے رکن اور قیام پاکستان کے بعد اس کے رکن اور بعدازاں ڈپٹی اسپیکر رہے۔ 1938ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے، اور 1938ء سے 1943ء تک کراچی میں سٹی مسلم لیگ کے صدر اور سندھ اسمبلی مسلم لیگ کے پارلیمانی پارٹی کے جنرل سیکرٹری رہے۔ 1942ء سے 1945ء تک صوبہ سندھ میں مسلم لیگ کابینہ میں وزیر داخلہ اور 1942ء سے آخری وقت تک سیسوڈیا جماعت کے صدر رہے۔ 1948ء میں بین الاقوامی پارلیمانی کانفرنس پر برطانیہ میں شرکت کی۔ مارچ 1940ء میں لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔

تحریکِ پاکستان میں قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ پرخلوص جدوجہد اور آزادی کے بعد پاکستان کے استحکام اور یک جہتی کے سلسلے میں کام کیا۔

ہالینڈ

انڈونیشیا کے مسلمانوں نے جب ہالینڈ کے خلاف آزادی کی جدوجہد کا آغاز کیا تو 1946ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے دہلی میں مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں ہالینڈ کی سامراجیت کی شدید مذمت کی، اور انڈونیشیا کی جدوجہد آزادی میں شرکت کے لیے چھ سو فوجی نوجوان وہاں بھیجے۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے برطانیہ کے رویے پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے فرمایا:

''اس سلسلہ میں برطانیہ نے کوئی آبرومندانہ حل پیش نہیں کیا۔''

جب ہالینڈ کی فوجوں نے انڈونیشین فوجوں کے خلاف کارروائی کی تو قائداعظم محمد علی جناح نے ایک اخباری بیان میں کہا:

''حکومت ہالینڈ کا یہ فعل مسلم انڈیا اور پاکستان کے نزدیک ایک غیر دوستانہ امر ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان سے ہالینڈ کی ایئر لائن کے ایل ایم کے طیاروں پر بھی پابندی عائد کر دی تھی۔

ہائی کورٹ بمبئی

قائداعظم محمد علی جناح 1896ء میں جب لنکنز ان لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے بمبئی آئے تو انہوں نے بمبئی ہائی کورٹ میں اپنا نام بطور وکیل درج کرایا۔ 1903ء میں قائداعظم محمد علی جناح ایک ماہر وکیل کی حیثیت سے مقبول عوام ہوگئے، چنانچہ انہیں بمبئی کی عدالت کا لارڈ سائمن کہا جانے لگا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 1912ء میں امپریل لیجسلیٹو کونسل کے اجلاس میں اقبال جرم کے قانون سے متعلق بمبئی اور مدراس کے ہائی کورٹ میں زیر بحث دو مقدمات کا حوالہ دیا۔

ہائی کورٹ، لاہور

قائداعظم محمد علی جناح 1929ء میں لاہور ہائی کورٹ میں علم الدین شہید کے مقدمہ کی پیروی کرنے کے لیے لاہور تشریف لائے تھے۔ قیامِ پاکستان کے موقع پر لاہور کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر عبدالرشید نے قائداعظم محمد علی جناح سے حلف لیا تھا۔

ہائی کورٹ مدراس

(دیکھئے: ہائی کورٹ بمبئی)

ہتک

قائداعظم محمد علی جناح نے اس بات پر زور دیا:

''قوم کی زندگی اور ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ہم بلالحاظ مرتبہ و حیثیت خود کو قوم کے نگہبان و محافظ سمجھیں، اور اگر کسی کو ایسی حرکت کا مرتکب پائیں، جس سے قوم یا ملک کو نقصان پہنچ سکتا ہو تو اپنے آرام اور سہولت کو نظرانداز کر کے مرتکب کی گردن پکڑیں۔''

اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنا ایک واقعہ بھی سنایا:

''مدتوں پہلے کی بات ہے کہ میں ایک مرتبہ ریل گاڑی میں سفر کر رہا تھا، ان دنوں بہت کم لوگ مجھے جانتے تھے، میں نے اول درجہ کا ٹکٹ خریدا مگر سہواً ملازم کے پاس رہ گیا۔ جب منزل مقصود پر گاڑی سے اترا، اور مجھے ٹکٹ نوکر کے پاس چھوڑ آنے کا احساس ہوا تو میں ٹکٹ کلکٹر کے پاس پہنچا اور اس سے کہا:

''میں اس طرح اپنا ٹکٹ بھول آیا ہوں، تم مجھ سے کرایہ وصول کر لو، میں خریدے ہوئے ٹکٹ کے داموں کی واپسی کا مطالبہ کرلوں گا۔''

ٹکٹ کلکٹر نے کہا:

''تم مجھے دو روپے دو اور چلے جاؤ۔''

اس کا یہ کہنا تھا کہ میں وہیں ڈٹ کر کھڑا ہو گیا، اور کہا:

''تم نے میری ہتک کی ہے، اپنا نام اور پتہ بتاؤ۔''

لوگ جمع ہو گئے، ان میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، کئی ایک نے مجھ پر فقرے بھی چست کیے، مگر میں وہاں سے نہ ٹلا، نتیجہ یہ کہ مسافروں کو لوٹنے والا بابو برخاست ہو گیا۔''

ہٹلر آڈولف

وہ جرمنی کا آمر مطلق تھا، نازی پارٹی کا بانی اور رہنمائے اعظم، 11 جنوری 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے یومِ فتح کے موقع پر دہلی میں پچاس ہزار سے زائد مسلمانوں پر مشتمل جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''ہٹلر نے ریفرنڈم میں سو فیصدی رائے حاصل کی تھی، لیکن وہ ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس تھا۔ ہم نے الیکشن میں سو فیصدی کامیابی حاصل کی ہے، ہمارے پاس نہ فوج ہے نہ ایئر فورس اور نہ نیوی اور نہ پولیس، لیکن مسلم لیگ کو یہ فتح آپ کی مدد سے حاصل ہوئی ہے۔''

ہٹلر نے میونخ میں تعلیم مکمل کی۔ پھر وی آنا چلے گئے لیکن وہاں انہیں فنون کی اکیڈیمی میں داخلہ ملا، اور انہوں نے انتہائی غریبی کے ایام گزارے۔ 1913ء میں میونخ چلے گئے پہلی عالمی جنگ میں بویریا کی فوج میں بھرتی ہوئے۔ کارپول بنے۔ انہوں نے شجاعت کا تمغہ حاصل کیا ایک گیس سے بھی متاثر ہوئے۔ جنگ کے بعد چند شورش پسندوں کے ساتھ مل کر میونخ میں نازی مزدور پارٹی بنائی یہ پارٹی ابھی مختصر تھی۔ اس پارٹی کو لوڈن ڈورف کی پشت پناہی حاصل تھی۔ متشددانہ انقلاب کے ذریعے جو بلوہ بیئر ہال (8-9 نومبر 1923ء) کہلاتا ہے بویریا پر قبضہ کرنا چاہتی تھی اسی فوج نے جس پر ہٹلر کو بھروسہ تھا اس سازش کا خاتمہ کر دیا چودہ نازی مارے گئے، ہٹلر کو قلعہ لینڈز برگ میں پانچ سال کی قید کاٹنے کا حکم ملا لیکن وہ 13 ماہ کے بعد رہا کر دیے گئے اسی قلعہ میں مائین کامیف (میری جدوجہد) نامی کتاب لکھی جو نازیت کی مقدس کتاب بن گئی۔

1929ء کے بعد کا اقتصادی بحران نازی پارٹی کی عظیم الشان ترقی میں معاون ثابت ہوا۔ ہٹلر اور ان کے ناظم اعلیٰ گوبلز، یہودی سرمایہ داری، اشتمالیت، صلح نامہ و رسائی اور سماجی جمہوریت پسندوں کو تمام خرابیوں کی جڑ سمجھتے تھے۔ 1932ء کے انتخابات میں ہٹلر ہنڈن برگ کے مقابلے میں ناکام رہے تاہم ان کی جماعت ریشتاغ میں سب سے بڑی جماعت تھی۔

مارچ 1933ء میں ریشتاغ (پارلیمنٹ) نے انہیں امر مطلق کے اختیارات سونپ دیے۔

جس کے نتیجے میں وہاں مطلق العنانی قائم ہوگئی۔

1941ء کے آخر میں ہٹلر نے روس کے محاذ پر جنگ کی خود کمان کی جس کا نتیجہ تباہی خیز ثابت ہوا۔ جرمنی کو مکمل شکست سے بچانے کے لیے فوج اور سول کے اعلیٰ عہدے داروں کے ایک گروہ نے ہٹلر کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، اور بم ان کی کرسی کے نیچے رکھ دیا مگر وہ مرے نہیں اور اس سازش کو پولیس کے اعلیٰ افسروں نے ناکام بنا دیا۔ 30 اپریل 1945ء کو اتحادی افواج چاروں طرف سے بڑھتی چلی آرہی تھیں، انہوں نے ایوا براؤں کے ساتھ چند گھنٹے پہلے شادی کر لی پھر برلن میں خودکشی کر لی۔

ہجرت

7 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے دہلی کو الوداع کہا، اور پاکستان کے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالنے کے لیے کراچی روانہ ہوگئے۔

کانگریس نے نئے ہند کی گورنر جنرلی کے لیے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو نامزد کیا تھا، اور وائسرائے کے عملے کے کئی ارکان کو یہ توقع تھی کہ مسلم لیگ بھی پاکستان کی گورنر جنرل انہی کو پیش کرے گی لیکن لیگ کی طرف سے ایسی کوئی تحریک نہ ہوئی۔

لارڈ اسمے نے لیاقت علی خاں سے اصرار کیا:

''مسلم لیگ کو بھی اب اس ضمن میں کوئی فیصلہ کر لینا چاہیے۔''

انہیں جواب ملا:

''ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔''

چند دن بعد قائداعظم محمد علی جناح نے اعلان کیا:

''مسلم لیگ کا اصرار ہے کہ وہ خود پاکستان کے پہلے گورنر جنرل ہوں۔''

لیگ کے اس فیصلے کا تذکرہ ان دنوں وائسرائے کی ایک پریس کانفرنس میں ہوا۔

کانفرنس میں 'اسٹیٹمین' کے ایڈیٹر مسٹر اِیمن اسٹیفنز بھی شریک تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب Horned Moon میں لکھا ہے:

''اس موقع پر ماؤنٹ بیٹن کے رویے کے بعض پہلو تشویش انگیز تھے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن بہت خود پسند ہیں، انہیں جب جناح کے فیصلے کی خبر ملی تو غالباً ان کے جذبۂ خود پسندی کو ٹھیس لگی لیکن ہم میں سے اکثر کی رائے یہ تھی کہ وائسرائے کا یہ ردِعمل بے جا ہے، کیونکہ اُن حالات میں لائق سے لائق شخص بھی کامیابی سے دونوں ملکوں کی سربراہی کے فرائض بہ یک وقت انجام نہ دے سکتا۔''

(صفحہ 112-113)

ماؤنٹ بیٹن کے عملے کا خیال کچھ اور تھا۔ انہوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ جناح خود وزیراعظم بننا زیادہ پسند کریں گے کیونکہ اقتدار دراصل وزیراعظم کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اور گورنر جنرل عملاً اس کے مشورے کا پابند ہوتا ہے، لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ جناح کی صحت بہت گر چکی ہے اور ایک مہلک مرض کا اثر بہت تیزی سے ان کے ناتواں جسم میں پھیل رہا ہے۔ جناح نے غالباً اسی لیے گورنر جنرل بننا پسند کیا کہ وہ اب

قائداعظم محمد علی جناحؒ قبائلی رہنما کے ہمراہ

حکومت کی انتظامی ذمہ داریوں کا بار اُٹھانے کے قابل نہ تھے۔ اس محنت طلب کام کے لیے انہوں نے اپنے نائب اور دستِ راست لیاقت علی خاں کا انتخاب کیا، جو تندرست تھے اور جناح کی بہ نسبت جوان تھے۔

دہلی سے کراچی کا سفر قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے کے روپہلے ڈیکوٹا (Dakota) ہوائی جہاز میں کیا۔ ان کے ہمراہ ان کی ہمشیرہ کے علاوہ اُن کے بحری اے، ڈی، سی، سید محمد احسن، اور فضائی اے، ڈی، سی، فلائٹ لیفٹیننٹ عطا ربانی بھی تھے۔ اس سے چند دن پہلے ربانی ریل میں دہلی کی طرف جا رہے تھے کہ اخبار میں اُنہوں نے جناح کے سفر کراچی کی تیاریوں کا حال پڑھا۔ اُسے پڑھتے پڑھتے اُن کے دل میں خیال آیا کہ اگر اس تاریخی سفر میں وہ اپنے قومی رہنما کی خدمت میں ہوں تو یہ ان کی بڑی خوش نصیبی ہو گی۔ دہلی پہنچتے ہی اُن کی دلی مراد بر آئی۔ لیاقت علی خاں نے خود اُنہیں بلوا کر پوچھا:

''کیا آپ قائداعظم کے اے، ڈی، سی کا عہدہ قبول کریں گے؟''

ربانی نے جواب دیا:

''اس سے بڑھ کر میرے لیے اور کیا خوشی ہو سکتی ہے۔''

لیاقت علی خاں نے کہا:

''آپ جا کر قائداعظم سے مل لیجئے، وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

ملاقات کے بعد جناح نے کہا:

''بہت خوب۔ اب آپ جا کر لیاقت سے کہہ دیجئے کہ اُنہوں نے انتخاب ٹھیک کیا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے اعلیٰ درجے کے انگریزی کپڑے بند کروا دیے تھے، اور دہلی سے روانگی کے وقت انہوں نے ایک نئی سفید شیروانی زیب تن کی۔ جب وہ موٹر سے اُتر کر طیارے تک گئے تو اُن کے ساتھ ان کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح اور ان کے اے، ڈی، سی ربانی تھے۔ ربانی کے ہاتھ میں ایک بید کی ٹوکری تھی جو کاغذات سے بھری ہوئی تھی۔ ایک ملازم کے پاس اخباروں کا ایک بنڈل تھا جو قائداعظم راستے میں پڑھنے کے لیے ساتھ لے جا رہے تھے۔ ہوائی جہاز میں قدم رکھتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے مُڑ کر اُس شہر پر آخری نظر ڈالی جہاں اُنہوں نے پاکستان کی آزادی کی لڑائی لڑی اور جیتی تھی، پھر کہا:

''میرا خیال ہے کہ میرے لیے یہ دہلی کا آخری دیدار ہے۔''

اور جب ہوائی جہاز کے پہیے ہوائی اڈے کے میدان پر سے اُٹھنے لگے تو قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''آج سارا قصہ ختم ہو گیا۔''

دوپہر کا کھانا قائداعظم محمد علی جناح نے ہوائی جہاز میں کھایا، اور پھر اخبار پڑھنے لگے۔ ان کے دونوں اے، ڈی، سی اُن کی باضابطہ اخبار بینی کی عادت سے واقف نہ تھے۔ آج پہلی دفعہ اُنہوں نے دیکھا کہ قائداعظم نے سلیقے سے ایک ایک اخبار اُس انبار سے اُٹھایا جو اُن کے بائیں ہاتھ پر رکھا تھا، پڑھنے کے بعد اُسے پھر دوہرا کیا، اور داہنے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اس طرح بائیں طرف کا انبار رفتہ رفتہ داہنی طرف منتقل ہو گیا۔ ان کے دونوں اے، ڈی، سی آپس میں اُن کے اس سلیقے اور باضابطگی پر رائے زنی کرتے رہے۔ اُس دن کے اخبار قائداعظم محمد علی جناح کی کارکردگی اور کامیابی کے تذکرے سے پُر تھے۔ انہیں پڑھ کر قائداعظم محمد علی جناح کے دل میں جو جذبات پیدا ہوئے ہوں گے اُن کا ہمیں کچھ علم نہیں۔ دورانِ سفر میں جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کا کہنا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کے جذبات کا کوئی اثر ان کے بشرے پر ظاہر نہ ہوا۔ چار گھنٹے کے اس سفر میں اُنہوں نے صرف ایک مرتبہ لب کشائی

کی۔ چند اخبار اُٹھا کر اُنہوں نے ربانی کی طرف بڑھائے اور کہا:

''آپ یہ اخبار پڑھیں گے؟''

اس کے بعد ختم سفر تک وہ بالکل خاموش رہے۔

جہاز جب کراچی کے قریب پہنچا تو قائداعظم محمد علی جناح نے نیچے نظر ڈالی اور دیکھا کہ ہزاروں آدمی اُن کے استقبال کو تیار کھڑے ہیں۔ یہ اُس قوم کے فرد تھے جنہیں ابھی ابھی قائداعظم محمد علی جناح نے سیاسی غلامی اور معاشی زیردستی سے نجات دلائی تھی۔ اس مجمع میں اکثر افراد سفید کپڑے پہنے تھے اور ہوائی جہاز میں سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ نیچے ایک وسیع برفیلا میدان ہے۔ ان دنوں کراچی کی ہر سڑک پر مہاجروں اور پناہ گزینوں کے قافلے دکھائی دیتے تھے۔ جو تھوڑا بہت اثاثہ وہ ہندوستان سے بچا کر ساتھ لاسکے تھے وہ چھوٹی چھوٹی گاڑیوں پر لدا ہوتا۔ قائداعظم محمد علی جناح کا خیر مقدم کرنے والوں میں بھی بہت بڑی تعداد ان مہاجروں کی تھی۔ اُس دن اُنہیں جہاں کہیں کوئی حوض یا تالاب نظر آیا اُس میں اُنہوں نے اپنے کپڑے دھو ڈالے۔ پھر دھوپ میں اُنہیں سکھایا اور پہن کر ہوائی اڈے کا رخ کیا۔ قائداعظم محمد علی قائداعظم محمد علی جناح کے ایک اے، ڈی، سی کا کہنا ہے:

''جب قائداعظم نے نیچے نظر ڈالی اور مشتاقانِ دیدار کا ہجوم دیکھا تو یکا یک اُن کا چہرہ خوشی سے دمک اُٹھا اور یوں معلوم ہوا کہ وہ دوبارہ جوان ہو گئے ہیں۔''

ہوائی جہاز ٹھہرا تو سب سے پہلے قائداعظم محمد علی جناح اُس میں سے اُترے۔ اُن کی ہمشیرہ اُن کے پیچھے تھیں۔ لوگوں نے قائداعظم زندہ باد کے نعرے بلند کیے، اور دیوانہ وار آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگے تاکہ وہ اپنے رہنما اور مسیحا کو جی بھر کر دیکھ سکیں۔

قائداعظم محمد علی جناح کے چہرے پر اُس وقت بھی اُن کی مخصوص مستقل مزاجی اور تنہائی جھلک رہی تھی۔ اُنہوں نے کاغذوں کا ایک صندوق اپنے بحری اے، ڈی، سی کے سپرد کرتے ہوئے تاکید کی:

''اسے بہت احتیاط سے رکھیں۔''

پھر انہوں نے مسلم لیگ کے لیڈروں سے مصافحہ کیا جو اُن کے قریب کھڑے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح جب ان کے سامنے سے گزرے تو اُن میں سے کئی ایک رو پڑے۔

ہوائی اڈے سے اندرونِ شہر تک لوگوں کا ہجوم سمندر کی طرح پھیلا ہوا تھا، اور اس بھیڑ کو چیر کر قائداعظم محمد علی جناح کی سواری کے لیے راستہ صاف کیا گیا۔ قدم قدم پر لوگوں نے ''پاکستان زندہ باد'' کے نعرے بلند کیے۔ ہاں راستے میں ایک مقام البتہ ایسا آیا جہاں نہ نعرے سنائی دیے نہ جوش و خروش کا کوئی مظاہرہ دکھائی دیا۔ یہاں بھی لوگ اپنے اپنے گھروں سے باہر کھڑے ہو کر قائداعظم محمد علی جناح کی سواری دیکھ رہے تھے، لیکن وہ خاموش تھے اور مغموم و متفکر معلوم ہوتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جب اس کی وجہ پوچھی تو انہیں بتایا گیا:

''یہ ہندوؤں کا علاقہ ہے۔''

پاکستان کے ان شہریوں کے لیے یہ خوشی کا دن نہ تھا۔

جس ہجوم نے کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح کا استقبال کیا اُس میں بوڑھی فاطمہ بائی بھی تھیں، جو قائداعظم محمد علی جناح کے لڑکپن کے زمانے میں انہیں رات میں زیادہ دیر تک پڑھنے پر ڈانٹا کرتی تھیں۔ اسی ہجوم میں نانجی جعفر بھی تھے، جن کے ساتھ کبھی قائداعظم محمد علی جناح گلیوں میں گولیاں کھیلا کرتے تھے، اور جنہیں اُنہوں نے کرکٹ کھیلنا سکھایا تھا۔

لڑکپن کے ایام میں قائداعظم محمد علی جناح نے نانجی جعفر کو یہ نصیحت کی تھی کہ وہ گولیوں کی بجائے کرکٹ کھیلا کریں تاکہ اُن کے ہاتھ اور کپڑے گندے نہ ہوں۔ اس نصیحت پر

قائداعظم محمد علی جناح نے خود ساری عمر عمل کیا۔ انہوں نے ہمیشہ گرد اور گندگی سے پرہیز کیا، اور نجی اور سیاسی زندگی میں ان کا دامن بالکل بے داغ رہا۔ فاطمہ بائی اور نانجی جعفر آج اُسی قوم کے دو فرد تھے جسے محمد علی جناح نے آزاد کرایا تھا، لیکن وہ غیر معروف اور گمنام تھے، اور کون جانتا تھا کہ قوم کے رہبرِ اعظم سے ان کا کتنا قریبی تعلق رہ چکا تھا۔ پُر جوش عوام کے اس بحرِ مواج میں وہ دو قطروں کی طرح کھو گئے، اور دور ہی سے اپنے عزیز اور قوم کے مسیحا کا دیدار کر سکے۔

گورنمنٹ ہاؤس پہنچ کر جب قائداعظم اس کی سیڑھیوں پر چڑھنے لگے تو انہوں نے اپنے بحری اے، ڈی، سی احسن سے کہا:

''شاید تمہیں یہ معلوم نہ ہو کہ مجھے کبھی یہ امید نہ تھی کہ پاکستان میری زندگی میں قائم ہو جائے گا۔ ہم نے جو کچھ حاصل کر لیا ہے اس پر ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔''

استقبال کے بعد ہزاروں مسلمانوں نے بجائے گھر واپس جانے کے گورنمنٹ ہاؤس کا رخ کیا، اور اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ان میں سے بہت سے لوگ رات گئے تک وہاں رہے لیکن گورنمنٹ ہاؤس کے اندر قائداعظم محمد علی جناح عوام کے اس جذبۂ عقیدت مندی سے بے نیاز معلوم ہوتے تھے۔ شاید وہ ان جذبات کی شدت کو اچھی طرح محسوس بھی نہ کر سکتے تھے جو ان کے ورود نے ان کے عقیدت مندوں کے دلوں میں بیدار کیے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی نئی قیام گاہ میں پہنچ کر ایک اے، ڈی، سی کو ساتھ لیا اور پھر سارے گھر کا معائنہ کیا۔ چند دن پہلے تک اس گورنمنٹ ہاؤس میں صوبۂ سندھ کا گورنر رہا کرتا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مکان کا ایک ایک کمرہ دیکھا اور اے، ڈی، سی کو بتاتے رہے کہ گھر کا کون سا حصہ کس مصرف کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ ایک حصے کے متعلق انہوں نے کہا:

''یہ حصہ صرف میرے اور مس جناح کے لیے مخصوص ہوگا۔''

پھر چند اور کمروں کو دیکھ کر کہا:

''یہ دو کمرے بہت بڑے بڑے مہمانوں کے لیے مخصوص ہوں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ صوبوں کے گورنر یا وزرا یہاں ٹھہریں۔ ان کمروں میں صرف دنیا کی اہم ترین ہستیاں قیام کیا کریں گی، مثلاً شاہِ ایران یا شاہِ برطانیہ۔''

جب دن ڈھلنے لگا تو قائداعظم محمد علی جناح مستقبل کے منصوبے چھوڑ کر حال کے کاموں کی طرف متوجہ ہوئے، اور اپنے عملے کے ایک رکن کو حکم دیا کہ ایک ریڈیو سیٹ فوراً وہاں لگوا دے تاکہ وہ شام کی خبریں سن سکیں۔ یہ افسر نیا تھا اور ابھی اپنے آقا کے مزاج و عادات سے اچھی طرح واقف نہ تھا۔ اس نے کہا:

''جنابِ عالی، اب آپ تھک گئے ہیں، اور اگر اجازت ہو تو یہ کام صبح تک ملتوی رکھا جائے۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے فوراً جواب دیا:

''یہ ٹال مٹول میرے ساتھ ہرگز نہ چلے گی۔''

قیامِ پاکستان کے شروع کے دنوں میں نئی حکومت کے عہدے داروں، افسروں اور اہل کاروں کو سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ سرکاری دفتروں میں میز کرسیاں اور کاغذ پنسلیں بھی برائے نام تھیں۔ ان حالات میں ایک نئی مرکزی حکومت کا قیام اور نظم و نسق کے تمام ضروری ساز و سامان اور لوازمات کی فراہمی بڑا کٹھن اور ہمت شکن کام تھا، لیکن جن لوگوں کے کندھوں پر اس زبردست ذمہ داری کا بار تھا وہ بھی غضب کے کام کرنے والے تھے، اور ان کا جوش جنوں کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے دفتروں کو ضروری ساز و سامان سے آراستہ کیا، اور ان میں ٹیلیفون کا سلسلہ نصب کیا،

پھر ان دفتروں میں بلا تاخیر کام شروع ہو گیا، اور ٹائپ رائٹروں کی کھٹا کھٹ ہر وقت ان میں سنائی دینے لگی۔ اس طرح چند ہی دنوں میں پاکستانیوں نے اپنا ایک چھوٹا سا ''وائٹ ہال'' تعمیر کر لیا۔ ظاہر ہے کہ ان سے بہت سی غلطیاں اور حماقتیں بھی سرزد ہوئیں، لیکن جو کچھ انہوں نے کر دکھایا وہ واقعی ایک غیر معمولی کارنامہ تھا۔ جو تھوڑے بہت یوروپین ملک میں رہ گئے تھے، اور ہندوستانیوں کے عادات و اطوار سے اچھی طرح واقف تھے، انہیں یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ ان لوگوں نے اتنی جلدی ابتری اور افراتفری پر قابو پا لیا، اور ایک نئی حکومت کا ڈھانچا بنا کر کھڑا کر دیا۔ ان دنوں کراچی سے دو میل دور ایک ریل کا انجن اندھیرے میں پٹری بدلتے ہوئے نیچے اُتر گیا۔ آدھے گھنٹے کے اندر بریک ڈاؤن ٹرین (breakdown train) موقعے پر پہنچ گئی اور مزدوروں نے فوراً اپنا کام شروع کر دیا۔ کام کے دوران میں وہ برابر، پاکستان زندہ باد، کی صدا لگاتے رہے، اور تھوڑی دیر میں انجن کو پٹری پر چڑھانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس وقت اتفاق سے ایک اسکاٹ تاجر لائن کے قریب موجود تھا اور اس نے یہ کارنامہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اُس کا کہنا ہے:

''میں اکیس برس اس برعظیم میں رہا ہوں لیکن میں نے لگن اور جوش کی ایسی کوئی مثال نہیں دیکھی۔ اسی دن مجھے پاکستان کی کامیابی پر یقین ہو گیا۔''

محمد علی جناح اس نئی قوم کی توجہ کا مرکز تھے، اور قوم کا یہ تعمیری جذبہ بہت کچھ خود ان کی لگن اور جہدِ مسلسل کا مرہون منت تھا۔ تاہم اپنے مزاج کے باعث وہ اب بھی اپنی قوم سے گھل مل نہ سکے، اور ان کے اور ان کے عقیدت مندوں کے درمیان مغائرت کا پردہ ہمیشہ حائل رہا۔ وہ زیادہ تر گورنمنٹ ہاؤس کے اندر ہی رہتے تھے۔ برسوں کی مسلسل محنت کے بعد اب وہ تھک چکے تھے اور ان کی صحت جواب دے رہی تھی، لیکن ان میں حوصلہ اب بھی باقی تھا۔ جن دنوں ان کے ماتحت عہدے دار اور اہل کار دنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت کی حکومت کا ڈھانچا تیار کر رہے تھے، محمد علی جناح اپنی نئی قیام گاہ کی ایک ایک چیز کا تفصیل سے معائنہ کر رہے تھے۔ ایک دن وہ اس کے کتب خانے میں گئے تو دیکھا کہ الماریاں خالی پڑی ہیں۔ انہوں نے پوچھا:

''کتابیں کہاں گئیں؟''

جواب ملا:

''سندھ کے گورنر صاحب یہ کوٹھی خالی کرتے وقت کتابیں اپنے ساتھ اُٹھوا لے گئے۔''

یہ سن کر قائداعظم نے حکم دیا:

''وہ کتابیں یہیں رہنا چاہئیں۔ جاؤ اور انہیں واپس لا کر یہاں رکھو۔''

اس کے بعد انہوں نے کوٹھی کے سامان کی فہرست کا معائنہ کیا تو دیکھا کہ کروکے (croquet) کے کھیل کے سامان کا ایک سیٹ غائب ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کی آہنی محرابیں اور لکڑی کی ہتھوڑیاں پنجاب کے گورنر کے ملٹری سیکریٹری لاہور لے گئے تھے۔ جناح کو یہ بات یاد رہی، اور چند ہفتے بعد جب وہ لاہور گئے تو انہوں نے حکم دیا کہ وہ سب سامان واپس کراچی بھیج دیا جائے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے جن دنوں اپنے آپ کو ان چھوٹے چھوٹے معاملات میں اُلجھا رکھا تھا انہی دنوں میں وہ اپنی زندگی کا سب سے اہم سیاسی خطبہ بھی تیار کر رہے تھے۔ گورنمنٹ ہاؤس کے کمروں اور اُن کے ساز و سامان کا معائنہ کر کے وہ اپنے دفتر میں چلے جاتے اور اُس خطبے کی تیاری میں مصروف ہو جاتے۔ یہ خطبہ وہ تھا جو 11 اگست کو انہوں نے مجلس آئین ساز کے صدر کی حیثیت سے پڑھا۔ اُس کی تیاری پر انہوں نے کئی گھنٹے صرف کیے۔ اس خطبے کے ذریعے انہوں

نے یہ اعلان کیا:

''پاکستان کے سب شہریوں کو برابر کے حقوق حاصل ہوں گے اور اس معاملے میں مذہب و ملت کا کوئی امتیاز روا نہ رکھا جائے گا۔''

انہوں نے کہا:

''اب تم سب آزاد ہو اور پاکستان میں تمہیں اس بات کی پوری آزادی ہے کہ اپنے مندروں، مسجدوں اور دوسری عبادت گاہوں میں جا کر اپنے اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کرو۔ ہمارا یہ بنیادی اصول ہے کہ ہم سب ایک مملکت کے شہری اور مساوی حقوق کے مالک ہیں۔ یہ اصول مذہب، معتقدات اور ذات پات کے امتیاز سے بالاتر ہے۔ اگر ہم سب اس اصول کو اپنا معیار بنا لیں تو مجھے یقین ہے کہ کچھ عرصے بعد نہ ہندو، ہندو رہیں گے نہ مسلمان، مسلمان۔ اس سے میرا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ اپنے اپنے مذہب پر قائم نہ رہیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ سیاسی اعتبار سے، اور پاکستان کے شہری ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہوں گے۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے یہ ہر فرد کے ذاتی اعتقاد کا معاملہ ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے ان الفاظ کی تہ میں وہی جذبہ کارفرما تھا جس کا اظہار تیرہ سو برس پہلے پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یوں کیا تھا:

''خدا کی نظر میں سب انسان برابر ہیں اور تم میں سے ہر ایک کی جان و مال واجب احترام ہے۔ تم پر لازم ہے کہ کسی حالت میں بھی ایک دوسرے کی جان و مال پر حملہ نہ کرو۔ آج میں ذات، نسل اور قومیت کے تمام امتیاز اپنے پاؤں تلے روند کر مٹا رہا ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے رواداری کی اپیل انگریزی زبان میں کی تھی، جس سے پاکستان کی آبادی کی غالب اکثریت نا آشنا تھی، تاہم یہ تقریر ان کی رواداری اور وسعت نظر کی بیّن دلیل ہے۔ چار دن پہلے جب قائداعظم محمد علی جناح فاتحانہ شان سے کراچی کی سڑکوں پر سے گزرے تھے تو انہوں نے شہر کے ہندوؤں کو خاموش اور متفکر پایا تھا۔ آئین ساز اسمبلی کا خطبہ افتتاحیہ لکھتے وقت غالباً یہی ہندو قائداعظم محمد علی جناح کی چشمِ تصور کے سامنے ہوں گے۔

بدقسمتی سے قائداعظم محمد علی جناح کی اس اپیل کے لیے حالات سازگار نہ تھے، اور اُن کی بپھری ہوئی قوم اُسے سمجھنے سے قاصر رہی۔ ہندوؤں اور سکھوں کی طرح مسلمان پناہ گزیں بھی نفرت سے دیوانے ہو چکے تھے، اور ان کی خوف ناک باہمی آویزش برابر جاری رہی۔ وہ اب بھی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اور بڑی سفاکی اور بے دردی سے ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے۔ کشت و خون کے اس سیلاب کے آگے ہندوستان اور پاکستان دونوں کی حکومتیں بے بس تھیں۔

لارا سمے کہتے ہیں:

''دہلی میں میں نے کئی بار یہ دیکھا کہ نہرو نہتے ان ظالم فسادیوں کے ہجوم میں جا گھسے اور انہیں قابو میں لانے کی کوشش کی۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی طرح نہرو بھی اس منظم تشدد اور درندگی سے دل شکستہ اور پریشان تھے، لیکن وہ بھی اس وقت بے بس تھے، کیونکہ فرقہ وارانہ نفرت کا جنون اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ کئی مہینے بعد اس جنون کا زور ٹوٹا اور پھر نہرو کو یہ موقع ملا کہ وہ عوام کو معقولیت اور رواداری کی روش پر واپس لانے کی کوشش کریں۔

14 اگست کو وائسرائے ہند کی موجودگی میں قائداعظم محمد علی جناح نے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا، اور اس موقع پر اُنہوں نے پھر عوام سے رواداری اور تحمل و برداشت کی اپیل کی۔ جس

عمارت میں یہ رسم ادا ہوئی اس پر وہ نیا پرچم لہرا رہا تھا، جو قائداعظم اور لیاقت علی خاں نے پاکستان کے لیے منتخب کیا تھا۔ اس کا تین چوتھائی سبز حصہ ملک کی مسلمان اکثریت کا، اور باقی سفید ٹکڑا اقلیتوں کا نشان تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں یہ واضح کر دیا:

''یہ پرچم کسی سیاسی جماعت کا نہیں۔''

اس سلسلے میں اُنہوں نے وہی بات دہرائی جو تین دن قبل مجلسِ دستور ساز میں کہی تھی:

''میرے ذہن میں پاکستان کا جو تصور موجود ہے اُس میں کسی فرد یا فرقے کو کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہ ہوگی، نہ کسی کو کوئی خاص حقوق یا رعایتیں حاصل ہوں گی۔ پاکستان کے تمام شہریوں کے حقوق برابر ہوں گے، اور اُن کے فرائض اور ذمہ داریاں بھی یکساں ہوں گی۔''

15 اگست کو پاکستان کی پہلی وزارت کے ارکان نے عہدے کا حلف اُٹھایا۔ وہ سب گورنمنٹ ہاؤس میں اس رسم کے لیے جمع ہوئے، اور جب وقت ہو گیا تو فلائٹ لیفٹیننٹ ربانی قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں حاضر ہوئے، کہ جلسہ گاہ تک اُن کی پیشوائی کریں۔ اس تاریخی تقریب کا حال ربانی نے یوں بیان کیا:

''میں قائداعظم کے کمرے میں گیا تو وہ کھڑے ہوئے تھے، اور اُن کا لباس پہلے سے بھی زیادہ ستھرا اور بے داغ معلوم ہو رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اُنہوں نے پوچھا: ''اب ہمیں چلنا چاہیے؟'' پھر ہم سیڑھیوں سے اُتر کر ایک درمیانی جھروکے میں پہنچے اور وہاں سے قائداعظم نے اپنے وزیروں پر اور باہر کھڑے ہوئے ہجوم پر نظر ڈالی، مگر جھروکا یوں واقع تھا کہ جو لوگ نیچے کھڑے تھے وہ قائداعظم کو نہ دیکھ سکے۔ نیچے کا منظر دیکھ کر قائداعظم مسکرائے اور میں نے پہلی دفعہ اُن کے چہرے پر مسرت کے آثار دیکھے۔ آسمان پر بادل چھا رہے تھے، اور انہیں دیکھ کر میں نے کہا کہ شاید بارش ہونے والی ہے۔ اس پر قائداعظم بولے: 'کراچی کے بادلوں کو میں خوب جانتا ہوں، ان میں پانی نہیں ہوتا۔'

نیچے اُتر کر ہم اس میدان میں پہنچے جہاں تقریب ہونے والی تھی۔ قائداعظم نے وزیروں سے یکے بعد دیگرے حلف اُٹھوایا، لیکن اُن کے چہرے پر کسی جذبے کا اثر ظاہر نہ ہوا۔ تقریب کے بعد میں نے اُنہیں اُن کے کمرے میں واپس پہنچایا۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو قائداعظم پھر مسکرائے، لیکن جو خوشی اُنہیں ہوئی تھی وہ اُن کے دل ہی میں رہی، کسی اور پر اُنہوں نے ظاہر نہ کی۔''

ہجرت، سنت رسول ﷺ کا اتباع

جب کفار مکہ کی ایذا رسانیاں عروج تک پہنچ گئیں اور نو مسلم مکینوں پر ان کے ظلم و ستم کی انتہا نہ رہی تو رسول اللہ ﷺ نے حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی، لیکن اس سے کفار مکہ کے غصے کی آگ اور بھڑک اٹھی، اور انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان کو حبشہ سے نکلوانے کی ہر ممکن کوشش کی، بلکہ مکہ میں مقیم مسلمانوں اور خود آقائے نامدار رسول مقبول ﷺ پر بھی عرصہ حیات تنگ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ ''شعب ابی طالب'' میں محصور ہونے پر مجبور ہو گئے اور اس محصوری میں تین سال گزر گئے۔ اس ظلم و ستم کی داستان بیان کرنے کے لیے کئی دفتر درکار ہیں، اور پھر جب اللہ رب العزت نے حضور اکرم ﷺ کو ہجرت کے لیے مکہ سے مدینہ جانے کی اجازت دے دی تو آپ ﷺ حضرت ابوبکر الصدیق

♦ کے ہمراہ مدینہ تشریف لے گئے، چنانچہ مدینہ کے دارالسلام میں تمام مسلمانوں کو ہجرت کر کے آجانے کا موقع مل گیا۔

ابن ہشام اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

''عرب کے مختلف علاقوں میں جو مسلمان، کافر قبیلوں کے درمیان منتشر تھے، اور بسا اوقات جنگ کی لپیٹ میں بھی آجاتے تھے، ان کا معاملہ مسلمانوں کے لیے سخت پریشان کن تھا، ان مسلمانوں کو بھی ہجرت پر ابھارا گیا، تاکہ وہ ہر طرف سے سمٹ کر دارالسلام میں آجائیں۔''

(سیرت النبی ﷺ کامل، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 318)

حقیقت یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی پھر حکم دے دیا گیا کہ جلدی جہاں اور جس جس علاقے اور جس جس قبیلے میں اہل ایمان کفار میں دبے ہوئے ہیں اور اسلامی زندگی بسر کرنے کی آزادی نہیں رکھتے، وہ وہاں سے ہجرت کریں اور مدینہ کے دارالسلام میں آجائیں۔

(تفہیم القرآن حاشیہ سورہ النساء: 88 صفحہ 379)

اس ضمن میں مولانا مودودی مزید لکھتے ہیں:

''جب ایک جگہ خدا کے باغیوں کا غلبہ تھا، اور خدا کے قانون شرعی پر عمل کرنا ممکن نہ تھا، تو وہاں رہنا کیا ضرور تھا، کیوں نہ اس جگہ کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ سرزمین کی طرف منتقل ہو گئے (ہو جائیں) جہاں قانون الٰہی کی پیروی ممکن ہوتی۔''

(تفہیم القرآن حاشیہ سورہ النساء 88 صفحہ 379)

''جو شخص اللہ کے دین پر ایمان لایا ہو، اس کے لیے نظام کفر کے تحت زندگی بسر کرنا صرف دو صورتوں میں جائز ہے۔ ایک یہ کہ وہ اسلام کو اس سرزمین پر غالب کرنے والا اور نظام کفر کو نظام اسلام میں تبدیل کرنے کی جدوجہد کرتا رہے۔ دوسرے یہ کہ وہ درحقیقت وہاں سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پاتا ہو، اور سخت نفرت و بیزاری کے ساتھ وہاں مجبوراً قیام رکھتا ہو۔ ان دونوں صورتوں کے سوا ہر صورت میں دارالکفر کا قیام ایک مستقل معصیت ہے اور اس معصیت کے لیے یہ عذر کوئی بہت وزنی نہیں ہے کہ ہم دنیا میں کوئی ایسا دارالسلام پاتے ہی نہیں ہیں، جہاں ہم ہجرت کر کے جائیں۔'' (تفہیم القرآن حاشیہ سورہ النساء: 88 صفحہ 388)

قائداعظم محمد علی جناح نے یقیناً ان ارشادات کی روشنی ہی میں ''عرب'' ہجرت کرنے کے لیے مسلمانوں کو دعوت دی۔ انہوں نے کسی دوسرے ملک کا نام تجویز نہیں کیا۔

بلوچستان مسلم لیگ کے زیر اہتمام جلسہ عام سے خطاب کے دوران 6 اکتوبر 1945ء کو کوئٹہ میں قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''درحقیقت وہ ''بھارت ماتا'' کو تقسیم کرنے یا اس کے ٹکڑے کرنے سے ڈرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو ''ہندو راج'' کے اندر دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان کا وہی حشر کر سکیں جو جرمنی میں یہودیوں کا ہوا، لیکن میں جانتا ہوں کہ مسلمان کبھی بھی ''ہندو راج'' میں نہیں رہ سکتے۔ اگر آپ، مسلمان اس رویے اور صورت حال کو پسند نہیں کرتے تو آپ سعودی عرب ''ہجرت'' کر سکتے ہیں۔''

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ اگر ان کی جان، مال اور مذہب خطرے میں ہے، تو وہ اس صورت میں سعودی عرب ہجرت کر سکتے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح سعودی عرب کو محفوظ ترین ملک گردانتے تھے۔ جہاں حرمین شریفین مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ واقع ہے۔

قرآن مجید فرقان حمید میں سورہ النحل کی آیت نمبر 41 میں ہجرت کرنے والوں کے لیے اللہ رب العزت نے اجر کا اس طرح وعدہ فرمایا ہے:

''جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کر گئے ہیں، ان کو ہم دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔'' (سورہ النحل: 41)

(قائداعظم تقاریر و بیانات جلد 3 صفحہ 71, 74 ایسٹرن ٹائمز 11 اکتوبر 1945ء رحمۃ اللعالمینؐ قائداعظم کی نظر میں، از محمد حنیف شاہد)

ہجوم مخالفت

(دیکھئے: تجویز پاکستان)

ہدایت اللہ، حاجی

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے غسال تھے جن کا انتقال 12 مئی 1985ء کو 90 برس کی عمر میں ہوا۔

ہدایت اللہ، سر غلام حسین

قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں 9 اگست 1947ء کو سر غلام حسین ہدایت اللہ نے کراچی کلب میں ایک عشائیہ دیا۔ جی الانا نے قائداعظم محمد علی جناح کے چہرے پر تھکن کے آثار دیکھے قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے میزبان کے خطبہ استقبالیہ کے جواب میں اپنی گزشتہ زندگی کے کچھ اہم وقعات بیان کیے۔

ہڈسن، ایچ ای

وہ The Greet Davied کے مصنف تھے، وہ اس کتاب کے صفحہ نمبر 37 پر قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''ہندوستان کے از سر نو آزاد ہونے کے عظیم ڈرامے کے آخر مرحلے میں جن شخصیات نے حصہ لیا، ان میں محمد علی جناح بیک وقت سب سے زیادہ پراسرار اور سب سے زیادہ اہم ہیں۔ یہ تو تصور کیا جا سکتا ہے کہ ڈرامے کے دوسرے اہم کرداروں میں فلاں شخصیت کا بدل کوئی اور بھی ہو سکتا تھا یا فلاں مفاد یا طبقہ کی ترجمانی فلاں کی بجائے فلاں صاحب بھی کر سکتے تھے حتیٰ کہ آخری وائسرائے کا کردار بھی کوئی اور بخوبی ادا کر سکتا تھا، لیکن اس ڈرامے کا انجام بہر حال مختلف نہ ہوتا۔

اور یہ تصور (ہرگز) نہیں کیا جا سکتا کہ محمد علی جناح کی شخصیت اور قیادت کے بغیر واقعات یہ رخ اختیار کریں گے اور (حصولِ آزادی کے لیے) آخری پنجہ آزمائی دو برابر کے حریفوں کی بجائے تین فریقوں میں ہوگی، اور پاکستان کی نئی قوم اور ریاست معرضِ وجود میں آئے گی۔''

ہریجن

یہ دہلی کا ہندو اخبار تھا۔ گاندھی نے 16 جنوری 1940ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو ایک خط لکھا تھا جس میں پہلی مرتبہ انہوں نے محمد علی جناح کو قائداعظم کہہ کر مخاطب کیا۔ گاندھی نے اپنے خط میں لکھا:

''اس خط کا مقصد آپ کی خدمت میں اس غیر مطبوعہ مضمون کی ترسیل ہے جسے میں نے ہریجن میں اشاعت کی غرض سے روانہ کیا ہے۔ اس مقصد کے پیش رفت میں یہ مضمون لکھا گیا ہے جسے میں نے آپ کے حالیہ پیامات سے اخذ کیا ہے۔''

گاندھی نے اس خط کے ہمراہ گلبرگ حیدر آباد دکن کے مسلمانوں کی جانب سے موصول ہونے والے ٹیلی گرام کی نقل

بھی منسلک کر دی جو انہوں نے گاندھی کو یومِ نجات کی کامیابی پر ارسال کیا تھا۔

قراردادِ لاہور کی منظوری کے خلاف گاندھی نے ہریجن میں ایک مضمون قلم بند کیا، جس میں انہوں نے مسلمانوں سے کہا:

''وہ ایک قوم کی طرح ہندوستان میں زندگی گزاریں۔''

گاندھی کے اس مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے 12 اپریل 1940ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے کہا:

''گاندھی اپنے دن کا آغاز بھگوت گیتا کی دہرائی سے کرتے ہیں اور آشرم کی زندگی پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ اہنسا کے پجاری، کھدر کے شوقین، سنسکرت اور ودھیا مندر کے داعی اور بندے ماترم کے ماننے والے ہیں، اور کوئی مسلمان بھی گاندھی جی کے ان عقائد کو قبول نہیں کر سکتا۔ رام گڑھ کے سالانہ اجلاس میں کون سی چیز اسلامی تھی سوائے اجلاس کے صدر ابوالکلام آزاد کے جن کو ورکنگ کمیٹی کے چار ارکان نے نامزد کیا تھا۔''

ہزاروں میں ایک

26 دسمبر 1946ء میں روزنامہ پائنیر لکھنؤ اپنی اشاعت میں لکھتا ہے:

''قدرت نے مسٹر جناح کو قیادت کے لیے پیدا کیا ہے، آپ دنیا کی ان عظیم الشان شخصیتوں میں شامل ہیں۔ جنہیں قدرت بڑے کاموں کے لیے پیدا کرتی ہے، انہیں صرف خیالی آدمی سمجھ کر نظرانداز کر دینا بہت بڑی غلطی ہوگی۔ لوگ کسی طرح ان کے عملی کاموں سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے، ان میں وہ صفات ہیں جو عظیم لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ قدرت نے صلاحیتیں آپ کو دل کھول کر عطا کی ہیں وہ اپنے خلوص اور صحیح جذبہ خدمت کی وجہ سے آج شہرت کے آسمان پر اس ستارے کی طرح چمک رہے ہیں جس سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔''

(مزید دیکھئے: خراج عقیدت)

ہسٹری آف دی انڈین کانگریس

قائداعظم محمد علی جناح اور راجندر پرشاد کے درمیان 1935ء میں آئینی بحران کو حل کرنے کے لیے جو مذاکرات ہوئے اس کی روداد ڈاکٹر پٹا بھی سیتارمیہ نے اپنی کتاب ہسٹری آف دی انڈین کانگریس میں کیا وہ لکھتے ہیں:

''اس سے ملک کو بڑی مایوسی ہوئی۔''

ہفتہ

11 ستمبر 1948ء بمطابق 6 ذی قعد 1367ھ بروز ہفتہ کو قائداعظم محمد علی جناح نے کراچی میں انتقال کیا۔

ہلاکت خیز طوفان

5 ستمبر کو ہندوستان کے محکمہ داخلہ نے ایک رپورٹ میں بتایا:

''11 اگست سے اب تک پولیس فائرنگ کے نتیجہ میں بہار کو چھوڑ کر کم از کم 340 ہندوستانی ہلاک اور 630 زخمی ہو چکے ہیں، جبکہ صحیح تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوگی، پولیس کے 28 اہل کار مارے گئے، فوجی دستے کم و بیش 60 مقامات پر طلب کیے گئے۔ ان میں سے زیادہ تر مقامات پر اب بھی تعینات ہیں۔ اہلِ ہند کے خلاف دوسری جنگ عظیم کے دوران قریباً 57 بٹالین فوج، جو تعداد میں ریگولر برٹش آرمی کے

سپاہیوں کے برابر ہوگی، اس خون ریز اور المناک تصادم کے دوران استعمال کی گئی۔ بہار میں ہلاک شدگان اور زخمیوں کی تعداد صحیح طور سے معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں، کیونکہ انگریزی طیاروں نے سول آبادی پر بار ہا سٹین گنوں سے فائرنگ کی تھی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 13 ستمبر کو اپنی رہائش گاہ پر غیر ملکی اخباری رپورٹروں کو بتایا:

''مجھے ہمیشہ یہ خدشہ رہا کہ برطانوی حکومت اور کانگریس کے مابین ذلت آمیز سمجھوتہ نہ ہو جائے۔''

سوال کیا گیا:

''آیا آپ کی پارٹی نے پاکستان کا جو مطالبہ کیا ہے، اس میں کچھ ردو بدل ہوسکتا ہے؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''اگر پورے سولہ آنے (ایک روپیہ) مانگنا شروع کریں تو اس میں سودا بازی کی گنجائش ہوتی ہے۔ مسلم لیگ نے ایسا کوئی مطالبہ ہرگز نہیں کیا، جسے کوئی معقول آدمی غیر معقول قرار دے سکے۔ مسلم لیگ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی آزادی چاہتی ہے۔ ہندو انڈیا نے ملک کا تین چوتھائی اپنی جیب میں ڈال لیا ہے، اور یہ ہندو انڈیا ہے جو بقیہ ایک چوتھائی کو بھی ہڑپ کرنے کے لیے سودا بازی کرنا چاہتا ہے۔''

ہلال احمد، سید

وہ تحریک پاکستان کے رہنما تھے۔ ہلال احمد سید نے جن سنگھیوں کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح کو ہلاک کرنے کی سازش کو بروقت بے نقاب کیا تھا۔

ہلال احمد سید لدھیانہ میں پیدا ہوئے انہوں نے وہیں تعلیم حاصل کی تحریک پاکستان کے دوران لدھیانہ مجلس احرار کا مضبوط گڑھ تھا، انہوں نے 1933ء میں ابتداء میں اسی جماعت میں شمولیت اختیار کی، لیکن پھر بعد میں جب ان پر یہ انکشاف ہوا کہ مجلس احرار مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کے قیام پر رضامند نہیں تو انہوں نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ وہ 1938ء میں ضلعی مسلم لیگ کے معتمد مالیات مقرر ہوئے۔ 1940ء میں کشمیر ایجی ٹیشن کے سلسلے میں لدھیانہ سے 25 رضا کاروں کا ایک وفد لے کر کشمیر گئے۔ وہ 1944ء میں بلا مقابلہ مسلم لیگ کے ضلعی صدر منتخب ہوئے، اور 1947ء تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لینے کی پاداش میں ہندوؤں نے ان کے سر کی قیمت دس ہزار روپے مقرر کی تھی، تاہم جب ہندوؤں کو اس منصوبے میں کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے ان کی جائیداد کو نذر آتش کر دیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ لاہور میں مقیم ہوئے، اور مہاجرین کی بحالی کے لیے اہم خدمات انجام دیں۔

ہلال قائداعظم

14 جنوری 1958ء کو یہ اعزاز صدر پاکستان میجر جنرل محمد اسکندر مرزا نے امتیازی خدمات انجام دینے والوں کے لیے جاری کیا۔

ہمارا قائد، پیارا قائد

اس کتاب کو 1988ء میں ضیاء ساجد نے علیم پبلشرز، لاہور کے لیے مرتب کیا، یہ کتاب 80 صفحات پر مشتمل ہے، مرتب نے کتاب میں ان شعراء کی نظموں کو شامل کیا ہے جنہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کرنے کا ایک نیا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ مرتب نے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو کر اہلِ دانش کے لیے اپنی فنکارانہ مہارت کا ثبوت فراہم کیا ہے جس کے لیے وہ اور

قائداعظم محمد علی جناحؒ برطانوی آرمی آفیسر کے ہمراہ

پبلشر دونوں مبارکباد کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

کتاب کی ابتداء 11 ستمبر کے عنوان سے طاہر لاہوری کی نظم سے کی گئی ہے، اور اختتام اظہر جاوید کی نظم ''قائداعظم'' سے کیا گیا ہے۔ ان نظموں کے مطالعہ سے قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کا ہر پہلو نکھر کر سامنے آجاتا ہے، جو یقیناً نئی نسل کی رہنمائی کے لیے کسی خزینے سے کم نہیں۔ قومی موضوع پر یہ کتاب نہ صرف افادی پہلو لیے ہوئے ہے بلکہ اس سے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ عقیدت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

ہمارا مطالبہ

قائداعظم محمد علی جناح نے نومبر 1940ء میں دہلی میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے پہلے اجتماع میں ایک ولولہ انگیز تقریر کرتے ہوئے کہا:

''حضرات! ہم محسوس کرتے ہیں کہ صرف برطانیہ ہی نہیں بلکہ ہندوستان بھی خطرے میں ہے، ہمیں موجودہ حالات میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر برطانیہ عظمیٰ کو شکست ہوگئی، اور حکومت ہند کا نظام ٹوٹ گیا تو فی الحقیقت ہم سب کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ چند ایسی ہی وجوہ کی بنا پر ہم نہیں چاہتے کہ اس جنگ میں یا بانسیوں کی فتح ہو۔ ہماری خواہش ہے کہ برطانیہ کو اس جنگ میں کامیابی ہو۔ آقاؤں کی تبدیلی کا کوئی سوال نہیں ہے۔ ہم برطانیہ عظمیٰ سے اپنی آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ابتدا ہی سے برطانیہ کے راستہ میں رکاوٹیں نہیں ڈالیں، مثلاً باوجود اس کے کہ پاکستان ہی ہماری کشتی کا لنگر ہے، ہم نے حکومت برطانیہ کی حمایت کے لیے پاکستان کو شرط اول قرار نہیں دیا ہم نے کیا تو صرف یہ یقین کہ حکومت برطانیہ کانگریس سے کوئی قطعی یا عارضی سمجھوتہ کر کے ہمارا ساتھ نہ چھوڑ دے۔

یہ دورانِ جنگ کا ایک اقرار تھا، جس سے فریقین کی موجودہ یا آئندہ حیثیتیں متاثر نہ ہوتی تھیں۔ ہم آدمی، روپیہ اور سامان کی بڑی مقدار دینے کا اقرار کرتے ہیں۔ نو کروڑ مسلمانوں کی پوری امداد! میں یہ سب مشترک سرمائے میں لگا دینے پر تیار ہوں، لیکن یہ ضروری ہے کہ اختیارات میں میرا بھی مساوی اور موثر حصہ ہو۔ عالمگیر تغیرات کو قبول نہ کرنے والی اس دقیانوسی حکومت کے عذر خواہ اس کو مسٹر جناح کی غیر مصالحانہ تجاویز کہتے ہیں۔ وہ محض اس اقرار پر ہماری حمایت اور امداد کے خواہاں ہیں کہ جنگ کے بعد ہمیں زیادہ سے زیادہ وفادار ملازموں کی طرح یاد رکھا جائے گا، بلکہ کچھ بخشش دی جائے گی۔''

کانگریس کا حوالہ دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''ہر دیانت دار مسلمان کو یقین ہو گیا ہے کہ کانگریس ایک ''ہندو ادارہ'' ہے اور کانگریس ہائی کمان کا واحد مقصد ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا، اور مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں پر اقتدار حاصل کرنا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ڈاکٹر مونجے اور مسٹر ساورکر کے بیانوں کی طرف توجہ دلائی، جس میں انہوں نے کہا تھا:

''مسلمان جرمنی کے یہودیوں کی طرح ہیں، اور ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہونا چاہیے۔''

اور یہ کہ کانگریس کی قومیت ایک گمراہ قومیت ہے اگر وہ اپنی نام نہاد قومیت کے ادعا سے دست کش ہو جائے تو دوسرے فرقوں کے بہت سارے ''مداری کے چھوکروں'' کے لیے اس کے اندر کوئی گنجائش نہ رہے گی۔''

کانگریس آزادی چاہتی ہے، اور اس کے لیے حکومت

برطانیہ سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس کا اعلان کر دے۔ کیا تاریخ میں کسی ایسے ملک یا قوم کی مثال ہے، جس کو آزادی وخود مختاری ایک غیر معمولی حکومت کے اعلان سے ملی ہو؟ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنے ہی سے خود مختاری مل سکتی ہے۔ اسے زور لگا کر لینا اور اس پر قبضہ کرنا پڑتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کانگریس برطانوی سنگینوں کے سائے میں ہندوستان پر اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہے۔ وہ دوسرے فرقوں پر جبر و استبداد کرنے کے لیے قوت وتوانائی کی آرزومند ہے۔

آج وہ برطانیہ پر اس لیے زور ڈال رہی ہے کہ وہ دب کر صلح کرلے۔ یہ پرکاری اور فریب مذموم کا ایک نمونہ ہے۔ حکومت اس سے آگاہ ہے، اور ہم واقفیت رکھتے ہیں لیکن حکومت مسلمانوں کو کانگریسیوں یا ہندوؤں کے رحم وکرم پر چھوڑنے کی جسارت نہیں کر رہی ہے، اور اگر کبھی وہ ایسی جرأت کرے تو حکومت کو پشیمانی ہوگی۔

مسلمان کیا چاہتے ہیں؟ گزشتہ پچیس سالوں میں اُنہوں نے باعزت سمجھوتوں کی متعدد کوششیں کیں، اور باوجود کانگریس اور ہندوؤں کی مبینہ خواہش کے تاحال کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا، ہر چند کہ ہندو مسلم اتحاد کانگریس کے تعمیری لائحہ عمل کا اہم ترین جزو ہے، لیکن بجائے اتفاق واتحاد کے دونوں ایک دوسرے سے دور ہوتے جاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ کانگریس اور ہندو ایک ایسا سمجھوتہ چاہتے ہیں کہ جس کی بنا پر سارے ہندوستان کا اقتدار انہیں مل جائے۔ دوسری طرف مسلمان یہ چاہتے کہ انہیں آزادی اور ہندوستان کی آئندہ حکومت میں مساوی حصہ ملے ہندو مسلم نقطۂ نظر میں بھی بنیادی فرق ہے، اور یہ ہی وجہ ہے کہ ہم برطانیہ سے ایک ذمہ دار مشترکہ حکومت کے حصول میں ناکام رہے۔

ہم ہندو بھائیوں کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں آیئے دیانت دار، عملی مدبرین کی طرح گزشتہ 25 سال کے تجربہ سے فائدہ اٹھائیں مصالحت. کے نقاط پر غور کریں۔ ہندوؤں کو چاہیے کہ وہ ہندو راج کے خواب دیکھنا چھوڑ دیں اور ہندوستان کو مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان میں تقسیم کرنے پر راضی ہو جائیں۔''

ہمارا منشور پاکستان

2 نومبر 1940ء کو مسلم یونیورسٹی یونین کے ایک اجتماع میں قائداعظم محمد علی جناح نے ارشاد فرمایا:

''حضرات! میں مسلمانانِ علی گڑھ اور طلبائے جامعہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے انتہائی خلوص ومحبت سے میرا خیر مقدم کیا، اس سے میری حوصلہ افزائی ہوئی، کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ آپ نہ صرف میری شخصی طور پر عزت افزائی فرما رہے ہیں بلکہ کل ہند مسلم لیگ کی حکمت عملی اور لائحہ عمل کی توثیق بھی کر رہے ہیں (نعرے) مجھے توقع ہے کہ یہ دیکھ کر دنیا کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ لیگ کی پشت پر کتنی بڑی طاقت موجود ہے۔

مسلمانوں کے حقیقی احساسات کے اظہار کی ہم مقدور بھر کوشش کر رہے ہیں تاکہ ساری دنیا پر روشن ہو جائے کہ ہمارا مُدعا کیا ہے! اس کے دوران میں دوسری مرتبہ علی گڑھ آیا ہوں اس درمیانی وقفہ کے واقعات ممکنہ اختصار کے ساتھ پیش کروں نگاہیں بے سرو پا اور

پامال فقرے نہیں دہراؤں گا کہ ''آج کے نوجوان کل کے قائد ہیں۔'' وغیرہ بلکہ میں کہتا ہوں کہ عملی آدمیوں کی طرح تم پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ مستقبل قریب ہی میں نوجوانوں کو اس جدوجہد کا بوجھ اُٹھانا پڑے گا۔

اولین اور اہم ترین اور تنقیح طلب امر یہ ہے کہ دستوری تغیرات کے سلسلہ میں ہمارا موقف کیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ میرے اور وائسرائے کے درمیان ایک دراز عرصہ تک ملاقاتوں اور گفت وشنید کا سلسلہ جاری رہا۔ اس سلسلہ میں مسلم لیگ کی عاملہ اس کی کونسل اوراس کے جلسۂ عام میں کئی قراردادیں منظور ہوئیں۔ مختصر الفاظ میں ہمارا موقف یہ تھا کہ جیسے ہی حالات اجازت دیں یا جنگ کے فوراً بعد سارے دستور کی از سرنو تنقیح کی جائے۔ 8 اگست 1940ء کے اعلان کی بنا پر دستور کا سارا باب تنقیح مکرر کے لیے کھل گیا ہے۔ وزیر ہند کی تشریح و اعلان سے یہ امر واضح ہو گیا ہے کہ حکومت برطانیہ اس دستور کو ہندوستان میں نافذ نہیں کرے گی، اور تاوقتیکہ اس ملک کی بڑی جماعتوں میں اتفاق نہ ہو کسی دستور کی تدوین نہیں ہوگی۔

اس کے یہ معنی ہیں کہ کوئی دستور اس وقت تک ہم پر عائد نہ کیا جائے گا۔ جب تک ہم اس پر رضامند نہ ہوں۔ اس حد تک ہمارا مطالبہ منظور کر لیا گیا۔ دوسرا امر یہ ہے کہ جنگ کے بارے میں ہمارے رجحانات کیا ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم بھی ایک حقیقی خطرے میں ہیں، عملی آدمیوں کی طرح مسلم لیگ کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان کے مفادات کے لیے سعی جنگ کو تیز تر کر دینا چاہیے، اور ملک کے دفاع میں ہمیں بھی حصہ ملنا چاہیے۔

اگست 1940ء کے اعلان کے مطابق بڑی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کو اس تجویز میں شامل کیا جائے گا، اور انہیں حکومت میں اقتدار و اختیار بھی حاصل رہے گا، لیکن جب اس کے اصول کا انضمام ہو رہا تھا اس کا اصل مقصد فوت ہو گیا۔ وائسرائے نے گفت وشنید کے دوران میں کہا تھا:

''میں نہیں کہہ سکتا کہ میری کابینہ کی تعداد کتنی ہوگی۔ میں یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ اس میں اور کتنے ارکان کا اضافہ ہوگا۔ حکومت کے کون سے قلمدان کن اراکین کے سپرد کیے جائیں گے، کون سی دوسری جماعتیں کابینہ میں آرہی ہیں۔ درحقیقت میں آپ کو کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔ بس اتنا سُن لیجئے کہ آپ کو دو نشستیں دوں گا۔''

ہر وہ شخص جس میں ذرہ برابر بھی عقل ہو سمجھ سکتا ہے ہمارے تعاون عمل کی پیشکش کی کوئی قدر نہیں کی گئی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کوئی خود دار جماعت حکومت کی تجویز کو قبول نہیں کرسکتی تھی۔ فرض کیجئے کہ کانگریس بھی (کابینہ میں) شمولیت اختیار کرتی تو پھر مسلم لیگ اوراس کے نمائندوں کی کیا حیثیت ہوتی؟ وائسرائے نے اس کا بھی یہی جواب دیا کہ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔''

''کیا ہم صرف تختۂ مشق بننے کے لیے ہیں؟ کیا ہمارا کام محض خانہ پُری ہے؟ یاد رہے کہ تا حال کانگریس نے ستیہ گرہ کی ابتدا نہیں کی ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا کر بیٹھیں گے اگر حکومت اور کانگریس کے درمیان بعض شرائط طے ہو گئیں تو صورت حال کیا ہوگی؟ اگر کانگریس کابینہ میں شریک نہ ہوئی تو خارجی دفاع اور

داخلی بندوبست کا بار زیادہ تر مسلمانوں پر پڑے گا تو پھر کیا میرا یہ کہنا غلط ہے کہ ان حالات کے تحت مکرر تشکیل پائی ہوئی کابینہ میں مجھے اکثریت ملنی چاہیے؟ میں اپنی اس خواہش کا علانیہ اظہار کرتا ہوں کہ ہندو کانگریس بھی کابینہ میں آجائے اور اپنے گھروں اور بال بچوں کی حفاظت کے لیے ہم سے اشتراک عمل کرے۔ اگر مسلمان کانگریس کے ساتھ مل کر کسی خطرے کی مدافعت میں برابر کے شریک ہیں، اور اپنی جان و مال قربان کرنے کا اقرار کر رہے ہیں تو پھر ہندو اور مسلم ارکان کی تعداد مساوی ہونی چاہیے۔ یہ محض تعداد کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اس ملک کے دفاع اور جنگ کو کامیابی سے چلانے کے لیے موجودہ دستور کے اندر مرکزی اور صوبجاتی ذمہ داریوں میں اشتراک کا مسئلہ ہے۔

خواتین و حضرات! حکومت برطانیہ ایک سال تک سوتی رہی، اس کے بعد وہ دفعتاً جاگ پڑی ہے۔ 22 جولائی 1941ء کو حکومت نے وزراء کی توسیع اور نام نہاد مجلس دفاع کی تشکیل کے فیصلہ کا اعلان کیا۔ حکومت نے ہماری مخالفت کے باوجود اس تجویز کو ہم پر نافذ کر دیا۔ اُنہوں نے جوڑ توڑ کرنے کی کوشش کی، اور ہمارے بعض ارکان کو اس تجویز میں شامل کر کے ہم سے منقطع کر دینے کی تدبیریں نکالیں۔ ان میں صوبجاتی وزیر اعظم بھی شامل تھے جن میں دو مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔

آپ سب جانتے ہیں کہ اس کا کیا انجام ہوا۔ مجھے اس سے مسرت ہوئی اور ہمیں فخر ہے کہ حکومت برطانیہ کو ایک اچھا سبق مل گیا۔ کبھی شر سے خیر بھی پیدا ہوتا ہے، مسلم ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک مظاہرے کیے گئے اور ثابت کیا گیا کہ مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ مستقبل میں ہمارے مخالفین کو معلوم ہو جائے گا کہ ہماری صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرنا لا حاصل ہے۔ لیجئے اس باب کا یوں اختتام ہوا۔

دوسرا امر مجلس قانون ساز میں ہمارا طریق عمل ہے۔ مسلم لیگ کے موقف کی کوئی پروا کیے بغیر مرکزی حکومت کی دوبارہ تشکیل کو مسلم ہندوستان پر جبراً عائد کیا گیا۔ جس کی بناء پر مسلم لیگ کی جماعت بطور احتجاج مرکزی مقننہ سے باہر نکل آئی۔ کسی مخالف جماعت کے لیے یہ طریق عمل قطعی آئینی اور جائز ہے۔

اب آپ دریافت کریں گے کہ اس کے بعد کیا ہوا؟ آیئے اس ملک کے دیگر نزاعی امور پر غور کریں۔ ممالک اسلامیہ سے متعلق برطانوی حکمتِ عملی سے نازک حالات پیدا ہو گئے ہیں اور بیم و اندیشیوں کی نشو و نما ہو رہی ہے کل ہند مسلم لیگ کونسل کے گزشتہ اجلاس کی روئیداد آپ نے پڑھی ہوگی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ اگر حکومت برطانیہ نے اسلامی حکومت کے بارے میں اپنے ارادوں کی وضاحت نہ کی، اور اس کی بھی صراحت نہ کر دی کہ اُن کی فرمانروائی اور خودمختاری کے خلاف انہوں نے کوئی منصوبے نہیں گانٹھے ہیں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ مسلم ہندوستان کو قابو میں رکھنا سخت مشکل ہو جائے گا۔

پاکستان کے مخالف حکومت برطانیہ سے کہتے ہیں کہ اگر پاکستان وجود میں آیا تو آسام میں ایک خفیف سی سرگوشی انقرہ اور استنبول میں گونج پیدا کر دے گی، اور یہ کہ پاکستان ہندوؤں سے زیادہ برطانیوں کے لیے

خطرناک ہے چنانچہ وہ حکومت کو مشورہ دیتے ہیں:
''شدید ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی ممالک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں اگر تم نے انہیں کاٹ کر رکھ دیا تو پھر پاکستان گہری قبر میں دفن ہو جائے گا پھر تم اور ہم ہندوستان پر حکومت کریں گے۔
یہ ایک نہایت احمقانہ مشورہ ہے، کیا وہ نہیں سمجھ سکتے کہ اسلامی حکومتوں کے بربادی کے معنی ہمیشہ کے لیے سارے باشندگانِ ہند کی غلامی کے ہیں؟
ہمیں بتایا گیا ہے کہ اگست 1940ء کے اعلان کی رو سے مسلم لیگ کو اختیار تنسیخ ملا ہے، وہ اسے طوطے کی طرح دہرایا کرتے ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر نو کروڑ مسلمانوں نے مخالفت کی تو کوئی دستور روبہ عمل لایا جا سکتا ہے؟ سب سے پہلے تو یہ کہ اگر حکومت برطانیہ نے صرف ہندوؤں کے مشورہ سے کوئی دستور مرتب کر کے ہمارے سر تھوپ دیا تو وہ بہت ہی احمق ہو گی، پھر دستور کا نفاذ کون کرے گا؟ اس کو کس کی منظوری حاصل کرنی ہو گی؟ اور اسے کس طرح چلایا جائے گا؟ بے شک اقتدار کی ایک مقدار منتقل ہو جائے گی۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ برطانوی اقتدار اُٹھ جائے گا، پھر یہاں کون ہو گا؟ اقتدار خود بخود ہندوؤں کے ہاتھ میں چلا جائے گا؟ بہر حال برطانوی حکومت نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مسلم ہندوستان اس ملک کا ایک دستوری عنصر ہے اور ہندوستان کی قومی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے۔
سیاسی صورت حال کے متعلق مسٹر گاندھی نے کہا تھا کہ ''اس منزل پر فرقہ وارانہ اتحاد کے بغیر کوئی عام کارروائی کرنا خانہ جنگی کو دعوت دینا ہے۔ اگر خانہ جنگی ہمارے مقدر ہی میں ہے تو وہ ہو گی، لیکن اگر میں کانگریس سے پوری واقفیت رکھتا ہوں تو کہوں گا کہ یہ (خانہ جنگی) کانگریس کی خواہش یا دعوت پر نہ ہو گی۔''
میرا خیال ہے کہ مسٹر گاندھی کے اس یقین دلانے سے مسلم ہندوستان کو بڑا اطمینان ہو رہا ہو گا (قہقہہ) لیکن خانہ جنگی کا ذکر ہی کیوں کیا جائے؟ تم عملی آدمیوں کی طرح دماغ سے کیوں کام نہیں لیتے؟
بات یہ ہے کہ کانگریسی ہندوستان کی مفروضہ وحدت کے لیے ایک دستور حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں، جس میں مسلمانوں کے ساتھ محض ایک اقلیت کا برتاؤ کیا جا سکے گا جس کو مسلمان کبھی قبول نہیں کر سکتے۔ ہم اپنی مدافعت کر رہے ہیں، کسی پر حملہ نہیں کرتے ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ ہم اس ملک کی حکومت کو ایک ایسے نظام کے تحت لانا چاہتے ہیں۔ جسے ہم دونوں چلا سکیں۔ آخر ایسے نظام سے کیوں چمٹے رہیں جو ایک ربع صدی سے ناکام ثابت ہو رہا ہے؟
ہماری ناکامیوں کی وجہ ہمارے اصولوں کا بنیادی اختلاف ہے، جب دو بھائی آپس میں مل کر نہیں رہ سکتے تو کیا ہوتا ہے؟ وہ علیٰحدگی اختیار کر لیتے ہیں اور چین سے رہتے ہیں۔ تجویز پاکستان کے تحت ہم بھی یہی کرنا چاہتے ہیں۔
خواتین و حضرات! ہندو زعماء کیا کہہ رہے ہیں؟ ایک ممتاز سابق کانگریسی اور ایک سابق وزیر داخلہ مسٹر مفتی کی تقریر کا ایک فقرہ سناتا ہوں اُنہوں نے کہا:
''تجویز پاکستان کے تحت جو ریاست ہو گی وہ ایسی ملکی حکومت نہ ہو گی جو سارے فرقوں پر مشتمل ایک مجلس قانون ساز کو جواب دہ ہو، اور بلکہ ایک ایسی مذہبی ریاست ہو گی جس نے اپنی مذہبی تعلیمات کے

مطابق حکومت کرنے کا حلف اُٹھایا ہو۔
اس طرح اس کا ضمنی پہلو یہ ہے کہ دوسرے اشخاص کو جو اس مذہب کی پیروی نہیں کرتے حکومت میں شرکت سے خارج رکھا جائے۔ مسلمانوں کی اس مذہبی ریاست کی حفاظت میں ایک کروڑ تیرہ لاکھ سکھ اور ہندوؤں کی ایک اقلیت چلی جائے گی۔ ہندو اور سکھ پنجاب میں مجبور و لاچار ہو جائیں اور ہندوستان کے اندر رہ کر بھی غیر ملکی ہوں گے۔''
مسٹر منشی سے مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ چھوت چھات صرف انہی کے مذہب اور فلسفہ میں جائز ہے۔ ہمارے ہاں ایسی کوئی بات نہیں۔ اسلام، انصاف، مساوات، معقولیت اور رواداری کا حامل ہے، بلکہ جو غیر مسلم ہماری حفاظت میں آجائیں۔ اُن کے ساتھ فیاضی کو بھی روا رکھتا ہے۔ یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں اور اس ریاست میں وہ شہریوں کی طرح رہیں گے۔ (نعرۂ تحسین)
جہاں تک مسلم ہندوستان کا تعلق ہے ہم نے خود ہی ایک منشور ترتیب دے لیا ہے، اور وہ پاکستان ہے (نعرہ ہائے تحسین) اپنے اس منشور کے بارے میں یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ ہمارے مخالفین اپنے دل و دماغ سے یہ خیال نکال دیں کہ یہ کوئی بازاری لین دین ہے یا کوئی چلتا ہوا فقرہ ہے۔
1939ء میں مسٹر گاندھی نے کہا تھا کہ مسلم لیگ زیادہ بولی لگانے والے کے ہاتھ بک جائے گی۔ یہ ایک قابل نفرین جھوٹ ہے۔ ہم نے جو موقف حاصل کیا ہے، اس سے ایک انچ بھی ہلنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ہمیں اپنے مقصد کے حصول سے کوئی شے منحرف نہیں کر سکتی۔ ہم نے اپنے مفادات کی نگرانی اور حفاظت کا تہیہ کر لیا ہے، اور ہم دوسروں سے علیحدہ رہ کر بطور خود اس کی پوری اہلیت رکھتے ہیں۔''
(بلند اور طویل نعرے)

ہمارے قائد

اس کتاب کو منظور حسین عباسی نے مرتب کیا ہے، اور اس میں قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے ایک سو ایک اہم واقعات شامل کیے گئے ہیں، اسے 1401ھ بمطابق 1980ء میں ہجرہ مطبوعات کمیٹی یونیورسٹی گرانٹس کمیشن بلڈنگ اسلام آباد نے شائع کیا مرتب نے پیش لفظ میں لکھا ہے:
''حصولِ بصیرت کی خاطر ان واقعات کو بار بار پڑھا جانا چاہیے۔''

ہمارے قائداعظم

◆ 1976ء میں سال قائداعظم کے حوالے سے اس کتاب کو سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا۔ اس کے مرتب اعجاز احمد ہیں۔ یہ کتاب 206 صفحات پر مشتمل ہے۔
اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی پیدائش، ان کا خاندانی پس منظر اور گھریلو حالات، ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم، سیرت، خیالات اور عمل، پیشہ ورانہ سیاسی زندگی، تحریک آزادی سے وابستگی، سرکاری مصروفیات اور سیاسی اور انتظامی صلاحیت حتیٰ کہ وفات تک کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب ہر عمر اور ہر ذہنی استعداد کے طالب علم کے لیے مفید ہے۔

ہمارے قائداعظم

◆ یہ کتاب خورشید احمد انور کی انگریزی تصنیف Life Story of Quaid-e-Azam کا اردو ترجمہ ہے اسے

ینگ پیپل پبلشنگ بیورو لاہور، راولپنڈی نے شائع کیا۔مصنف نے کتاب کے جو عنواوین باندھے ہیں ان کے مطالعہ سے عام قاری بھی مستفید ہو سکتے ہیں کتاب کا پہلا عنوان رحمت اور آخری الوداع ہے یہ کتاب 128 صفحات پر مشتمل ہے۔

ہمایوں کبیر

آکسفورڈ کی انڈین مجلس کے نمائندے تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں 1932ء میں کیمبرج میں دی جانے والی دعوت میں آکسفورڈ کی نمائندگی کی۔

1938ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح کلکتہ تشریف لے گئے تو ہوڑہ ریلوے اسٹیشن پر کانگریس کے ایک گروہ نے ہمایوں کبیر کی قیادت میں ہنگامہ کرنے کی کوشش کی تھی، یہ ہمایوں کبیر بعد میں ہندوستان کی کابینہ میں وزیر بنائے گئے تھے۔

ہمدرد

ہمدرد کی اشاعت میں مولانا محمد علی جوہر نے 15 جنوری 1929ء کو مسلم لیگ میں پیدا ہونے والے اختلافات کی تفصیل رقم کی ہے۔اس میں وہ قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> ''سر محمد شفیع اور ان کے رفقا کار نے 1929ء میں لاہور میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد کرانا چاہا۔ مسلم لیگ کے دیگر ارکان نے سر آغا خان کو صدر بنانا چاہا اور گو مسٹر جناح نے پسند نہ کیا کہ مسلم لیگ کا اجلاس مدراس میں منعقد ہو جہاں ہندو مسلم تنازعات کا فیصلہ باہمی مفاہمت سے ہو جاتا تاہم انہوں نے کلکتہ کی دعوت کو قبول کر لیا۔

مولانا محمد علی جوہر اور قائداعظم محمد علی جناح کی ملاقات 7 مارچ 1929ء میں ہوئی اس کا مکمل احوال مولانا محمد علی جوہر نے روزنامہ ہمدرد میں 5 مارچ کی اشاعت میں لکھا۔

مولانا محمد علی جوہر نے 1912ء میں اسے کلکتہ سے جاری کیا۔ستمبر 1912ء میں مولانا محمد علی جوہر اسے دہلی لے آئے پھر یہ اخبار 23 فروری 1913ء کو مولانا محمد علی جوہر نے روزنامہ کے طور پر دہلی سے جاری کیا اس کا نام نقیب ہمدرد تھا بعد میں یہی اخبار صرف ہمدرد کے نام سے اردو کا اہم اخبار بن گیا۔ یہ پہلا روزنامہ تھا جو ٹائپ میں شائع ہوتا تھا۔ قارئین کو اخبار کی یہ ادا پسند نہ آئی چنانچہ بعد کے شمارے کتابت اور لیتھو طباعت سے شائع ہوئے۔ ہمدرد زمیندار کے بعد سب سے کثیرالاشاعت اخبار تھا اور اس کا معیار بھی بڑا بلند تھا مگر انتظامی حالت ابتر تھی جس نے اس کے چراغِ زندگی کو زیادہ دنوں روشن نہ رہنے دیا۔

ہمدرد کی حیات ثانی کا آغاز 9 نومبر 1944ء کو ہوا مولانا محمد علی جوہر لکھتے ہیں:

> ''آج سے پہلے جب کبھی دین اقدس کی حمایت و پاسبانی اور ملک وملت کی خدمت آزادی کے لیے میں نے قدم اٹھایا تو میری توفیق (اللہ کی توفیق) فرمائی کے بھروسے اور تیرے ہی لطف وکرم گستری کے سہارے پر اٹھاتا تھا اور آج بھی تیری اور صرف تیری ذات مقدس کا سہارا ہے۔''

مولانا محمد علی جوہر نے 12 اپریل 1929ء کو اپنا یہ روزنامہ بند کر دیا۔

ہمدم

قائداعظم محمد علی جناح نے 1917ء میں جب یوپی کا دورہ کیا تو وہاں کے ایک مقامی اخبار اودھ نے قائداعظم محمد علی جناح کی انگریزی ٹوپی پر اعتراض کیا اس پر روزنامہ ہمدم نے

تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''آنریبل مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ کے استقبال کی جو کارروائی مقامی ہم عصر اخبار اودھ اخبار نے درج کی ہے، اس میں بعض واقعات غلط تحریر کیے گئے، مثلاً آپ کے انگریزی لباس پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ہم عصر مذکور لکھتا ہے کہ صدر نشین کے لیے ایک نہایت عالی شان گاڑی قبل سے انتظار کر رہی تھی، جس میں جناح صاحب اور مسٹر منظور الحسن صاحب کپتان رضا کاران مسلم لیگ رونق افروز ہوئے، چونکہ استقبال کا انتظام ہندو مسلم دونوں نے کیا اور نہایت خوشی کے ساتھ کیا تھا، لہٰذا عوام نے مسٹر منظور الحسن کو جو ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھے صدر نشین خیال کیا، اور جس وقت معلوم ہوا کہ صدر نشین وہ شخص ہے جو ہیٹ لگائے ہے مسلمان اور پھر ہندوؤں نے اظہار افسوس کیا تعجب ہے کہ ہمارے ہم عصر کے قائم مقام کو مسٹر نبی اللہ کی بجائے مسٹر منظور الحسن دکھائی دیے حالانکہ کپتان منظور الحسن صدر نشین کی گاڑی کے آگے اپنے والنٹیئر وں کی کمان کر رہے تھے مسٹر جناح کے لباس پر ہمارے ہم عصر نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ہمیں ایک حد تک ضرور اتفاق ہے واقعی مسلم لیگ کے صدر نشین کو بجائے ہیٹ کے اپنی قومی ٹوپی پہننی چاہیے تھی۔''

ہم مضبوط ہیں

26 دسمبر 1938ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اجلاس مسلم لیگ منعقدہ پٹنہ کے خطبہ صدارت میں فرمایا:

''خواتین وحضرات!

مسلمانانِ پٹنہ و بہار نے جو شرف مجھے بخشا ہے، اس کے لیے شکر گزار ہوں۔ میرے واسطے یہ امر کمال مسرت کا موجب ہے کہ بہار اور ہندوستان کے دوسرے حصوں سے مسلمان اتنی کثیر تعداد میں شرکت اجلاس کی غرض سے آئے ہیں۔ اس سفر میں جو زحمت انہوں نے گوارا کی ہے میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں اُن لوگوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے یہ عجیب پنڈال بنایا ہے، اور اجلاس کی کامیابی کے لیے شاندار انتظامات کیے ہیں۔

اس سے پہلے کہ میں مسائل حاضرہ پر روشنی ڈالوں اپنی اور سب کی طرف سے مولانا شوکت علی کی وفات پر اظہارِ غم والم کرتا ہوں۔ مولانا شوکت علی مرحوم جلیل القدر انسان تھے، اور اپنے نصب العین کے واسطے بڑی سے بڑی قربانی کے لیے تیار رہتے تھے۔ وہ میرے رفیق کار اور ذاتی دوست تھے۔ جو راستہ مرحوم نے اختیار کیا تھا۔ آخر تک اُسی پر گامزن رہ کر کامل سرگرمی اور جوش سے مسلم لیگ کے مقاصد کی حمایت کرتے رہے۔ مولانا کا سانحہ ارتحال میرا ذاتی نہیں بلکہ مسلم قوم کا نقصان ہے، اور ہندوستان بھر میں ان کا ماتم ہو رہا ہے۔ دوسرے عظیم المرتبت انسان کمال اتاترک تھے جن کی وفات سے عالمِ اسلام کو بڑا صدمہ پہنچا۔

خواتین وحضرات!

اب میں مسلم لیگ کی حکمت عملی پر روشنی ڈالتا ہوں۔ آج سے تین سال بیشتر ہم نے بمبئی میں مسلم لیگ کی حکمت عملی معین کی اور ایک لائحہ عمل بنایا۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ سیاسی زندگی میں پیش پیش رہنے والے اکثر مسلمان جاہ ومنصب کے طلب گار تھے جو اپنی سہولت اور آسائش کے خیال سے دفتری اقتدار

کے کیمپ یا دوسرے کیمپ میں جو کانگریس کیمپ کہلاتا ہے شریک ہو جاتے تھے۔ جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہم دفتری اقتدار کے کیمپ میں شریک ہو کر اپنی حالت بہتر بنا سکتے ہیں وہ اس کیمپ میں شریک ہو جاتے تھے۔ ان کا مقصود اپنی معاشی حالت کو بہتر بنانا تھا۔ بعض یہ سمجھتے تھے کہ ہم کانگریس میں شامل ہو کر وقار اور اقتدار حاصل کر سکتے ہیں یہ لوگ کانگریس میں شامل ہو جاتے تھے عوام اور میرے دوست مسلم نوجوان کانگریس کے ڈھونگ سے مسحور تھے۔ نوجوان لوگ نعروں اور مقرر کیے ہوئے خاص نقطوں پر یقین رکھتے ہیں۔ کانگریس نے ان کے واسطے جو دام بچھایا تھا، یہ اس میں پھنس گئے، اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ کانگریس آزادی ملک کے واسطے جنگ کر رہی ہے۔ وہ خود اخلاص مند تھے۔ اس لیے یہ خیال نہیں کر سکتے کہ لوگ منافق بھی ہو سکتے ہیں۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ اصل سوال اقتصادی ہے دور جنگ دال بھات اور مزدور اور کسان کے واسطے کی جا رہی ہے۔ ان کے صاف اور غیر تربیت یافتہ دماغ آسانی سے کانگریس کے شکار بن گئے۔ جب ہم نے جو کانگریسی لیڈروں کے پوشیدہ منصوبوں کو سمجھتے تھے انہیں بتایا کہ آپ کو گمراہ کیا جا رہا ہے تو ہمیں رجعت پسند اور فرقہ پرست ٹھہرایا گیا۔

1936ء میں صورت حال یہ تھی۔ میں خوش ہوں کہ اب حالات بدل گئے ہیں۔ ایک حقیقت آشکار ہو گئی، وہ یہ کہ کانگریس ہائی کمان یہ چاہتی تھی مسلمانان اس کے لیڈروں کے خدمتگاروں کی حیثیت سے رہیں اور جب مقصد پورا ہو جائے تو اُن کی گردن پر کانگریس کی اطاعت کا جُوا رکھ دیا جائے، اور وہ اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتی رہے۔ کانگریسی لیڈر چاہتے تھے کہ مسلمان غیر مشروط طور سے ہندو راج کو تسلیم کر لیں۔ اب اس ڈھونگ کی حقیقت کھل چکی ہے، اور ہمیں اس کا ثبوت مل گیا ہے۔

جیسا کہ میں پیشتر بھی کہہ چکا ہوں اس ملک میں چار طاقتیں کارفرما ہیں، اول برطانوی حکومت دوسرے والیانِ ریاست اور ان کی رعایا، تیسرے ہندو اور چوتھے مسلمان۔ کانگریس پریس جس قدر چاہے شور مچائے۔ کانگریس اخبار، صبح، دوپہر، شام اور رات کے ایڈیشن شائع کریں۔ کانگریس لیڈر خواہ کتنا ہی شور مچا کر لکھیں کہ کانگریس قومی انجمن ہے، لیکن میں کہوں گا کہ یہ غلط ہے۔ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے یہ حقیقت ہے اور کانگریسی لیڈر اس سے واقف ہیں۔ ایسے چند مسلمانوں کی موجودگی جن کو گمراہ کیا گیا ہے یا ان مٹھی بھر مسلمانوں کی شرکت جو کانگریس میں ذاتی اغراض کی بنا پر شامل ہیں کانگریس کی قومی جماعت نہیں بنا سکتی۔ کوئی شخص اس حقیقت سے انکار کرنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ کانگریس ہندو انجمن نہیں ہے؟ میں پوچھتا ہوں کیا کانگریس مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے؟ (آوازیں۔ نہیں نہیں) میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا کانگریس عیسائیوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ (آوازیں۔ نہیں نہیں) میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا کانگریس پسماندہ اقوام کی ترجمان ہے؟ (آوازیں: نہیں نہیں) میں کہتا ہوں کہ آیا کانگریس غیر برہمنوں کی نمائندہ ہے؟ (آوازیں: نہیں نہیں)

درحقیقت کانگریس تمام ہندوؤں کی بھی نمائندہ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ملک میں سب سے بڑی

پارٹی ہے، لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ وہ جو خطاب چاہے اپنے سے وابستہ کرے۔ کانگریس ہائی کمان شرابیوں کی طرح نشہ اقتدار میں مست ہو کر جو دعویٰ چاہے کرے، لیکن ان دعوؤں سے اس کی حقیقت نہیں بدل سکتی۔ وہ بدستور ہندو جماعت ہی رہے گی۔

ایسے دعوے چند اشخاص کو تھوڑی دیر کے لیے مبتلائے فریب کر سکتے ہیں، لیکن ہمیشہ سب لوگوں کو دھوکے میں نہیں رکھ سکتے، اور مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونکی جا سکتی مجھے یقین ہے اور غالباً آپ کو بھی یقین ہے کہ کانگریس قومی جماعت نہیں، جو لوگ اب غلط فہمی میں مبتلا ہیں، ان کی آنکھیں بھی جلد کھل جائیں گی (ان لوگوں کی نہیں جو بد دیانتی سے کانگریس کو قومی جماعت سمجھتے ہیں) یہ ملک کی بدقسمتی ہے کہ کانگریس ہائی کمان ہندوستان میں تمام جماعتوں اور ثقافتوں کو کچل کر ہندو راج قائم کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ نام تو قومی حکومت کا لیتے ہیں لیکن اس سے مراد ہندو حکومت ہوتی ہے۔

واردھا کی تعلیمی اسکیم پر نظر ڈالیے کیا اس کی ترتیب کے وقت مسلمانوں سے مشورہ کیا گیا؟ یہ تمام اسکیم مسلمانوں کی عدم موجودگی میں وضع و مرتب کی گئی۔ اس کا بانی کون ہے؟ اس کے پیچھے کس کا دماغ کارفرما ہے؟ جناب گاندھی۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ جس مقصد اور نصب العین کے پیش نظر کانگریس قائم کی گئی تھی جناب گاندھی اس کو تباہ کر رہے ہیں۔ وہ کانگریس سے ہندو ازم کی تجدید کا کام لینا چاہتے ہیں۔ مقصود ہندو مذہب کو تازہ اور ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا ہے اور جناب گاندھی کانگریس سے اس مقصد کا کام لے رہے ہیں۔

مسلمانوں میں واردھا سکیم کا ردعمل یہی ہو سکتا تھا جو ہوا آپ نے پیرپور رپورٹ پڑھی ہو گی، اس پر اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صورتِ حال کو ایک جملہ میں بیان کیا جا سکتا ہے ہندو ذہنیت اور ہندو نظریہ کی ترویج کی جا رہی ہے، اور مسلمانوں کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کے قبول کرنے کے لیے مجبور کیا جا رہا ہے۔ کیا مسلمانوں نے بھی کسی جگہ ایسی حرکت کی ہے۔ کیا اُنہوں نے کہیں ہندوؤں کو اسلامی ثقافت پڑھنے کی جدوجہد کی ہے، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے جہاں خفیف سی آواز اٹھائی کہ ہندو ثقافت کیوں ہمارے سر منڈھی جا رہی ہے تو انہیں فرقہ پرست اور شورش انگیز ٹھہرایا گیا اور کانگریس کی جابرانہ قوت ان کے خلاف حرکت میں آ گئی۔ بہار کے واقعات کو ہی دیکھ لیجئے۔ کانگریسی حکومتوں میں کس کی ثقافت کو دبایا گیا؟ مسلمانوں کی ثقافت کو، کس کے خلاف جابرانہ احکام جاری ہوئے کس کے خلاف امتناعی تدابیر اختیار کی گئیں، کن لوگوں کو گرفتار کیا گیا؟ مسلمانوں کو۔ مجھے ایک ایسا واقعہ بتایا جائے کہ گزشتہ ڈیڑھ سال میں مسلمانوں نے کسی جگہ ہندوؤں پر اپنی تہذیب عائد کرنے کی کوشش کی ہو؟ (آوازیں کسی جگہ نہیں)

میں اس موضوع پر مزید روشنی ڈالنا نہیں چاہتا۔ کانگریس کے متعلق مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا ہوں۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے آل انڈیا مسلم لیگ تبریک و تہنیت کی مستحق ہے کہ اُس نے مسلمانوں میں قومی احساس پیدا کر دیا۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ مسلمان اس قوم کی مانند تھے جو اپنا اخلاقی ثقافتی اور سیاسی شعور کھو چکی ہو، ہنوز آپ نے اخلاقی

سگار کا مزا لیتے ہوئے۔ فاطمہ جناح بھی ہمراہ ہیں

ثقافتی اور سیاسی شعور کا وہ درجہ حاصل نہیں کیا ہے۔
ابھی تو آپ بیدار ہوئے ہیں اور آپ کے سیاسی شعور میں حرکت پیدا ہوئی ہے۔ کانگریس کا دعویٰ غلط ہو یا صحیح اس سے قطع نظر کرتے ہوئے آپ دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں نے اخلاقی، ثقافتی اور سیاسی شعور کے ضروری اوصاف پیدا کر لیے ہیں، اور ان اوصاف نے ہندوؤں کے قومی احساس کی صورت اختیار کر لی ہے یہی طاقت ان کے پس پشت کارفرما ہے۔ میں چاہتا ہوں مسلمان بھی یہ طاقت پیدا کر لیں گے جس چیز کے حصول کا ارادہ کریں گے وہ حاصل ہو جائے گی، سروں کا گننا (رائے شماری) اچھی بات سہی لیکن گنتی قوموں کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کر سکتی ابھی آپ کو قومیت اور قومی انفرادیت پیدا کرنی ہے۔ یہ بڑا کام ہے اور ابھی آپ نے اُسے شروع ہی کیا ہے تاہم مجھے کامیابی کی قوی اُمید ہے۔ جو ترقی ہو چکی ہے وہ اعجاز سے کم نہیں۔ مجھے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ ہم ایسا حیرت انگیز مظاہرہ کر سکیں گے جو آج پیش نظر ہے لیکن اس کے باوجود ہنوز کام کا آغاز ہے۔
دوسرا اہم مسئلہ جو سبجیکٹس کمیٹی میں پیش ہوگا وہ فلسطین کا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس مسئلہ نے مسلمانوں میں کس قدر اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ضرورت ہوئی تو مسلمان اعراب فلسطین کی مدد کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے، جو قومی آزادی کے لیے جنگ کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ عربوں کے ساتھ بے شرمانہ سلوک کیا گیا ہے۔ اپنی آزادی کے واسطے لڑنے والوں کو ڈاکو بتایا اور ہر قسم کی سخت گیری کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اپنے وطن کی حفاظت کے جرم پر انہیں بہ نوک سنگین مارشل لاء جاری کر کے دبایا جا رہا ہے، لیکن دُنیا کی کوئی قوم جو زندہ رہنے کی مستحق ہے کوئی بڑا کام ان قربانیوں کے بغیر نہیں کر سکتی، جو اعراب فلسطین کر رہے ہیں۔
ہماری تمام ہمدردیاں ان بہادر غازیوں کے ساتھ ہیں جو غاصبوں سے حریت کی خاطر جنگ کر رہے ہیں۔
جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ہمیں ریاستی باشندوں کے مقاصد سے پوری ہمدردی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ ریاستی باشندوں کی تائید و حمایت سے کانگریس کا وہ مقصود نہیں جو ظاہر کیا جاتا ہے؟ میں صرف ایک سوال کروں گا۔ ریاستوں میں یہ شورش کیوں ہے؟'' حیدر آباد میں آریہ سماجیوں اور ہندو مہاسبھائیوں کی تمام طاقتیں کیوں جمع کی جا رہی ہیں۔ میں کانگریس سے پوچھتا ہوں کہ وہ کشمیر میں کیا کر رہی ہے۔ آریہ سماجی ہندو مہاسبھائی کانگریسی قوم پرست اور کانگریسی اخبار یہ سب کشمیر کے معاملہ میں کیوں چُپ سادھ رہے ہیں۔ کیا اس وجہ سے کہ کشمیر ہندو ریاست ہے؟ کیا اس وجہ سے کہ کشمیر کی آبادی میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔
دوسرا مسئلہ فیڈریشن کا ہے جس پر غور کیا جائے گا۔ کانگریس کو کہنے دیجئے کہ فیڈریشن قبول نہیں کیا جائے گا۔ میں کانگریس کے اعلانات پر یقین نہیں رکھتا۔ کانگریس فیڈریشن کو بھی اسی طرح قبول کرے گی جس طرح اُس نے آئین کے صوبائی حصہ کو منظور کر لیا تھا۔ سبھاش چندر بوس نے نہایت بلند آہنگی سے کل ہی یہ اعلان کیا ہے کہ انفرادی طور پر کانگریسی لوگ خواہ کچھ کہیں۔ کانگریس کلیتاً فیڈریشن کو مسترد کر دے گی۔ میں ایسے اعلانات پر اعتماد نہیں کرتا مجھے معلوم ہے کہ ایک کانگریسی لیڈر نے یہ بھی کہا کہ ہم

نظر ثانی اور ترمیم سے مطمئن ہو جائیں گے اگر انتخابی اصول تسلیم کر لیا گیا تو کانگریس اس سے خوش ہو جائے گی۔ایک اور کانگریسی لیڈر نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر فیڈریشن کی سکیم میں اس طرح ترمیم کر دی جائے کہ اس سے جو ہر آزادی حاصل ہو سکے تو کانگریس اس کو قبول کر لے گی اور اس طرح ناخوشگوار اور ناممکن العمل سکیم خوشگوار اور قابل عمل بن جائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ کانگریسی لیڈر پھر ایک بار مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، لیکن میں اعلان کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ مسلمان وہ نہیں جو آج سے تین سال پیشتر تھے۔ کانگریس کا مقصود اس ناقص اور قابل اعتراض آئین میں ٹھوس اکثریت حاصل کرنا ہے۔ اگر اکثریت حاصل ہو جائے تو وہ بڑی خوشی سے اس کو منظور کر لے گی، اور اس کے بعد اسلامی تہذیب اور تنظیم کو تباہ کرنے کے لیے اپنی سکیم پر عمل پیرا ہو گی، اور کانگریس فسطائی نوعیت کی واحد جماعت بنانے کی کوشش کرے گی۔ اس طرح ہندوستان میں ہندو راج قائم کیا جائے گا۔ کانگریسی لیڈر اپنے مقاصد کو جانتے ہیں۔ سات صوبوں میں ان کی اکثریت اور حکومتیں قائم ہیں۔ صرف چار صوبے رہ گئے ہیں۔ اب وہ اُن پر بھی للچائی ہوئی نظریں ڈال رہے ہیں۔ گاہ گاہ یہ شور مچاتے ہیں کہ ان چار صوبوں کی حکومتیں ٹوٹنے والی ہیں اور اکثریت کے باوجود قائم نہیں رہ سکتیں۔ کانگریسی لیڈر جانتے ہیں کہ ان چاروں صوبوں میں وزارتیں بہت مستحکم ہیں۔ پھر بھی وہ چاہتے ہیں کہ ان میں سے کسی صوبے کے اندر کانگریسی حکومت قائم ہو جائے لیکن کانگریس کے منصوبوں کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں مجھے صوبہ سرحد کے دوستوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ سیدھے سادے پٹھانوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ کانگریس عوام کی بہبودی اور فلاح چاہتی ہے، اور مسلم لیگ ملوکیت کی حامی اور حلیف ہے۔ اس سے بڑا جھوٹ نہیں ہو سکے گا۔ ''مجلس وضع آئین، کے اندر یا باہر میں نے کبھی کسی موقع پر بھی ملوکیت کی حمایت کی ہے؟ چہ جائیکہ مجھے ملوکیت کا حلیف ثابت کیا جائے۔ (آوازیں نہیں نہیں)

شاید پیشتر کچھ ایسے مسلمان تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ برطانوی ملوکیت سے مل کر اپنے مقاصد حاصل کیے جا سکتے ہیں، لیکن اب یہ غلط فہمی دور ہو چکی ہے میں کہتا ہوں کہ مسلم لیگ کسی کی حلیف نہیں بنے گی، مسلمانوں کے مفاد کے لیے ضروری ہوا تو شیطان سے بھی اتحاد کر لے گی۔''

(اس وقت اجلاس میں کامل سکوت طاری ہو گیا)

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد قائداعظم نے فرمایا:

''ہمیں ملوکیت سے محبت نہیں لیکن سیاسیات میں اسی طرح چالیں چلنی پڑتی ہیں، جس طرح شطرنج کی بساط پر، مسلمانوں اور مسلم لیگ کا اتحادی مسلم قوم کے سوا کوئی نہیں۔ وہ خدائے واحد ہے جس کی طرف اعانت کے لیے مسلمانوں کی نظریں اُٹھتی ہیں۔ (نعرہ ہائے تحسین)

فیڈریشن کے متعلق کانگریس کا کھیل صاف ہے۔ اگر حکومت پر کانگریس کا قابو ہو گیا تو وہ ان بالواسطہ یا بلا واسطہ اختیارات سے جو فیڈرل حکومت کو حاصل ہوں گے۔ آنریبل فضل الحق صاحب کی حکومت کو بنگال اور آنریبل سکندر حیات خان کی حکومت کو پنجاب میں نہ ہونے کے برابر کر دے گی۔ اس طرح کانگریس

کے سات صوبوں میں خداداد تحفہ کے طور پر عظیم اکثریت حاصل ہو جائے گی، اور باقی چار صوبے کانگریس ہائی کمان کے باج گزار بن جائیں گے۔
آج صبح چند نوجوان میرے پاس آئے اور کہا کہ فلاں فلاں اشخاص لیگ میں نہیں ہونے چاہئیں۔ میں ان نوجوانوں اور دوسرے لوگوں سے کہتا ہوں کہ لیگ ابھی وہ نہیں جو اس کو ہونا چاہیے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایسے لوگ لیگ میں شامل ہیں جو سچے لیڈر نہیں، لیکن مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی جماعت ہے۔ میں اپنے نوجوان دوستوں سے کہتا ہوں کہ اگر لیگ کو بلند ترین مقام پر پہنچنا ہے تو باہر رہ کر اعتراض نہ کیجیے اس میں شامل ہو جائیے اور اس کی اصلاح کیجیے۔ (نعرہ ہائے تحسین)
میں ہر ایک مسلمان سے درخواست کرتا ہوں کہ مسلم لیگ میں شامل ہو جاؤ۔ یہ آپ کی جماعت ہے یہ کسی کی جائیداد یا ملکیت نہیں آپ اس کو جیسا چاہیں بنائیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اُردو میں تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں کو اپنے اختلافات دور کرنے کی نصیحت کی اور کہا:

''جب کانگریس نے مسلمانوں سے رابطہ پیدا کرنے کی تحریک شروع کی تھی تو اس وقت عام مسلمان اس کے ساتھ تھے۔ لیکن یو، پی اور ہزاری باغ کے ضمنی انتخابات نے کانگریس کے چیلنج کا موزوں جواب دے دیا اور اب یہ حال ہے کہ مولانا شوکت علی مرحوم کی وفات سے مرکزی اسمبلی میں جو نشست خالی ہوئی تھی کانگرس نے اس کے لیے اپنا امیدوار کھڑا نہیں کیا۔ اب کانگریس کی مسلم رابطۂ عالم کمیٹی کہاں ہے؟ اب کانگریس کو یہ ربط چھوڑ دینا چاہیے۔

ہنٹر کمیٹی

15 جون 1920ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا ہوم رول لیگ کی بمبئی شاخ کی صدر کی حیثیت سے یہ تار دیا تھا:

''ہماری لیگ ہنٹر کمیٹی کی کثرت رائے کی رپورٹ کو بالکل خلاف انصاف سمجھتی ہے۔
سر مائیکل اڈوائر اور وائسرائے کی جو بے موقع و بے محل تعریف کی گئی ہے اس کو بھی یہ کونسل خلاف انصاف خیال کرتی ہے۔
جنرل ڈائر کے ظالمانہ جرائم پر محض اظہارِ ملامت کر دینا کافی نہیں یہ کونسل ملک معظم کی گورنمنٹ کو تنبیہ کرتی ہے کہ جن افسروں کا جرم کسی قسم کے شک وشبہ کے بغیر ثابت ہو چکا ہے، ان کے خلاف نیم دلی کے ساتھ کارروائی نہ کرے۔ جو مظالم اس سے پیشتر ہو چکے ہیں جب تک ان پر سختی سے نوٹس نہ لیا جائے گا اس وقت تک آئندہ کے لیے عمدہ حکومت کی ضمانت نہیں ہوسکتی۔''

1919ء میں پنجاب میں مارشل لاء کے مظالم کی تحقیقات کے برطانوی پارلیمنٹ کے مشورے سے حکومت ہند نے ایک کمیٹی قائم کی جس کے صدر لارڈ ہنٹر تھے اس سبب یہ کمیٹی ہنٹر کمیٹی کہلائی۔

ہند آنے کی دعوت

آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے 12 مارچ 1933ء کو ایک قرارداد منظور کی۔ یہ قرارداد جناب عبدالمتین چوہدری نے پیش کی تھی، اس قرارداد میں قائداعظم محمد علی جناح سے انگلستان سے ہندوستان واپس آنے کی درخواست کی گئی تھی۔ اس

قرارداد کا متن قائداعظم محمد علی جناح کو تار کے ذریعے بھیجا گیا۔اس کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

''میں مسلم لیگ کا ممنون ہوں کہ اس نے مجھے یاد رکھا۔''

دسمبر 1933ء میں قائداعظم محمد علی جناح بمبئی تشریف لے آئے۔

انہیں ہندوستان واپس لانے کی ضرورت اس لیے شدت سے محسوس کی گئی تھی کہ برطانوی حکومت نے ہندوستان کے دستوری ڈھانچے کے بارے میں ایک قرطاسِ ابیض شائع کیا تھا، اور مسلمانوں کو کوئی ایسا شخص دکھائی نہ دیتا تھا جو ان کی راہنمائی کرتا کیونکہ حکیم اجمل خاں، مولانا محمد علی جوہر، راجا صاحب محمود آباد اور سر محمد شفیع جیسے پائے کے رہنما انتقال کر چکے تھے، اور اب سب کی نظر قائداعظم محمد علی جناح پر تھی۔

ہند چینی

دہلی میں مرکزی اسمبلی کا اجلاس 21 جنوری 1946ء کو منعقد ہوا تو مسلم لیگ کے تمام ارکان اسمبلی سیاہ جناح کیپ پہن کر اس اجلاس میں آئے، اجلاس میں انڈونیشیا اور ہند چینی میں ہندوستان کی فوجوں کے استعمال پر تحریک التواء پیش ہوئی تو قائداعظم محمد علی جناح نے بحث میں مکمل طور پر حصہ لیا اور اس اقدام کی مذمت کی۔

1884ء سے 1955ء تک جنوب مشرقی ایشیا کے وہ ممالک جو فرانس کے قبضے میں رہے ہند چینی ممالک کہلاتے تھے، ان میں کمبوڈیا، لاؤس اور ویت نام شامل تھے۔ ویت نام 1954ء کمبوڈیا 1955ء اور لاؤس 1954ء میں آزاد ہوئے۔ ان ممالک کی آزادی کے بعد یہ نام متروک ہو چکا ہے۔

ہندو اخبار نویس اور جناح

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 26 اپریل 1942ء میں لکھتا ہے:

''ہندوستان ٹائمز'' اور آل انڈیا مسلم لیگ کے جھگڑے کے متعلق تمام امور خوانندگان کرام کے سامنے آ چکے ہیں۔ واقعات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1. ''ہندوستان ٹائمز'' نے لیگ کی مجلس عاملہ کے ایک اجلاس بہ صیغہ راز کی کارروائی کے متعلق غلط رپورٹ چھاپی۔
2. لیگ کے سیکرٹری نے اس کی تردید میں ایک خط بھیجا جسے ''ہندوستان ٹائمز'' نے شائع نہ کیا، اور اب یہ عذر پیش کیا گیا کہ اس خط میں چونکہ تعین کے ساتھ نہیں بتایا گیا تھا کہ شائع شدہ رپورٹ کا کون سا حصہ غلط ہے، لہٰذا اسے نہ چھاپا گیا، حالانکہ ادنیٰ قسم کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ بہ صیغہ راز کارروائی کے متعلق کسی غلط بیانی کی اس وقت تک تردید نہیں ہو سکتی، جب تک کہ اسے چھاپا نہ جائے، لیکن جب تک وہ بہ صیغۂ راز رہے گی، اس کی مجمل تردید کے سوا چارہ نہیں۔

''ہندوستان ٹائمز'' کا کمال ملاحظہ ہو کہ جھوٹ اس نے بدیہی غرض پھیلایا کہ تردید کے ضمن میں تفصیلات کی بحث آئے گی تو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ جس فیصلے کو صیغہ راز میں رکھا گیا ہے اس کے اجزاء کیا ہیں؟

ان حالات سے ظاہر ہے کہ ''ہندوستان ٹائمز'' کی روش ابتداء ہی سے غیر مناسب تھی۔ اس نے عقل کی تلافی سے بالاہتمام انکار کیا اور اپنی بے اصولی نیز

اپنے نمائندے کی غلط بیانی پر اصرار جاری رکھا۔ اس بارے میں ایک اور سوال اٹھایا گیا ہے، وہ یہ کہ لیگ کے سیکرٹری نے ضروری خط میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ ''ہندوستان ٹائمز'' کے نمائندے کو آئندہ لیگ کی کارروائی لینے کا موقع نہ دیا جائے گا۔

اس تادیب کے متعلق اختلاف رائے ہوسکتا ہے، لیکن آپ خود سوچیں کہ جو نمائندہ ذمہ داری کے تمام اصول کو بالائے طاق رکھ کر ایک جماعت کے اجلاس کی بہ صیغہ راز کارروائی کے متعلق غلط اور خیالی رپورٹ شائع کرنے میں تامل نہیں کرتا تو وہ جماعت یا کوئی ذمہ دار جماعت اس کے ساتھ تعاون کو کس بناء پر مناسب قررا دے سکتی ہے۔ ہندوستان ٹائمز کو چاہیے تھا کہ سیکرٹری کی بھیجی ہوئی تردید چھاپ دیتا اور لکھ دیتا کہ آئندہ کے لیے نمائندے کو انتہائی احتیاط کی تاکید کر دی گئی ہے، لہٰذا لیگ کی کارروائیوں میں اجازت کی شرکت نہ دینے کا فیصلہ واپس لیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس طرح جھگڑا قطعاً ختم ہو جاتا، لیکن ''ہندوستان ٹائمز'' نے ایک چالاک مجرم کی طرح غلط بیانی اور بے اصولی پر اصرار جاری رکھا۔

اس کے بعد ایک اور واقعہ پیش آیا۔ یعنی بعض نمائندگانِ جرائد نے مسٹر جناح سے بات چیت کا موقع پیدا کرنے کے لیے انہیں ایک پارٹی دینی چاہی۔ ممدوح نے فرمایا:

''پریس کانفرنس کے لیے پارٹی مناسب نہ ہوگی، البتہ کانفرنس منعقد کی جاسکتی ہے۔''

وقت اور مقام کا فیصلہ ہوگیا، اور ان اخبار نویسوں نے خود تمام نمائندوں کو دعوت نامے بھیج دیے، مسٹر جناح کی طرف سے دوسرا دعوت نامہ جاری نہ ہوا، کانفرنس کے آغاز پر مسٹر جناح کو مجلسِ عاملہ لیگ کے فیصلے کے متعلق ''ہندوستان ٹائمز'' کے نمائندہ سے کہنا پڑا کہ وہ تشریف لے جائیں۔ مسٹر جناح نے اس اقدام پر بھی افسوس کا اظہار کیا، اور ان کی طرح ہر شخص کو افسوس ہونا چاہیے، لیکن ظاہر ہے کہ اس کی ساری ذمہ داری ''ہندوستان ٹائمز'' پر تھی، جو غلط رپورٹ کی اشاعت پر اصرار کے بجائے صحیح راستہ اختیار کر لیتا تو ایسے ناگوار اقدامات کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

اب انڈین جرنلسٹ ایسوسی ایشن نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک مسٹر جناح اخبار نویسوں سے معافی نہ مانگیں گے، ان کا کوئی بیان شائع نہ کیا جائے گا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس ایسوسی ایشن میں کون کون سے اخبار شامل ہیں، لیکن اس فیصلے کے ذمہ داروں سے ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ یہ قدم انہوں نے کس بناء پر اٹھایا۔ مثلاً:

❶ کیا ان کے نزدیک اخبار نویس کے لیے صحیح مسلک یہی ہے کہ ایک ذمہ دار جماعت کے اجلاس بہ صیغہ راز کارروائی کے متعلق غلط، بے بنیاد اور خیالی رپورٹیں شائع کرے، اور ذمہ دار اصحاب کی طرف سے تردید موصول ہو تو اسے شائع نہ کیا جائے۔

❷ کیا پریس کانفرنس کے لیے دعوت نامہ مسٹر جناح نے بھیجا تھا کہ ان کو ذمہ دار قرار دیا جا رہا ہے، یہ صورتِ حالات بے حد افسوسناک ہی نہیں بلکہ شرمناک بھی ہے، اور حد درجہ رنج اس بات پر ہے کہ انڈین جرنلسٹس ایسوسی ایشن نے جو یقیناً ہندوؤں کی جماعت معلوم ہوتی ہے، معاملات کو انصاف کی بناء پر سلجھانے کے بجائے زیادہ خراب کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور اخبار نویسی کے اصول و مقاصد کی آبرو مٹانے کے لیے قدم اٹھایا ہے۔''

(روز نامہ انقلاب، اشاعت:26 اپریل 1942ء)

ہندوٹکسال

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بار کانگریس کے ہندو کردار کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا:

''نام نہاد انڈین نیشنل کانگریس نہ انڈین ہے نہ نیشنل، بلکہ ایک ہندوسبھائی ٹولہ ہے۔''

اس طرح ہندواور مہا سبھائیت کی ملی بھگت پر آپ نے دلچسپ تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''ہندوٹکسال ہے، یہاں وہی سکہ ڈھلتا ہے، جس کا چہرہ کانگریس شاہی ہو، مگر پشت پر مہا سبھائی مہر لگی ہو۔''

ہندوذہنیت

قائداعظم محمد علی جناح نے دسمبر 1941ء میں آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب میں کہا:

''ساورکر (صدر مہا سبھا) کی سکیم یہ ہے کہ جب (انگریز کے چلے جانے کے بعد) میدانی، بحری اور فضائی فوج اور نظم ونسق میں ہندوؤں کو 75 فیصدی حصہ مل جائے گا تو پھر ہندوراج قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی، ان مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا جو شمال مغربی اور شمال مشرق میں بستے ہیں۔ سنیئے وہ (مسٹر ساورکر) کہتے ہیں کہ سرحدوں پر ہندوفوج اس طرح بٹھا دی جائے گی، جس طرح اب برطانوی فوج متعین ہے، اور یہ فوج ان کا خیال رکھے گی کہ مسلمان سرنہ اٹھاسکیں گے۔''

ہندوغلبہ

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''ہندو بت پرستی کے قائل ہیں۔ ہم نہیں ہیں، ہم مساوات، حریت اور بھائی چارے کے قائل ہیں۔ ان پر ذات پات چھائی ہوئی ہے، اور ذات پات کے بندھن میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے لیے یہ کس طرح ممکن ہے کہ صرف بیلٹ بکس میں ہم ایک ہو جائیں؟ بیلٹ بکس ہمارا مسئلہ حل نہیں کر سکتا۔ ہندو بخوبی جانتے ہیں وہ بخوبی سمجھتے ہیں، مگر کبھی کبھی ان کے دل میں ہماری محبت پھوٹ پڑتی ہے، اور بعض اوقات وہ ہمیں بھائی بھی کہہ دیتے ہیں، لیکن یہ سب کچھ ہمیں اقلیت کی حیثیت عطا کرنے کے لیے ہوتا ہے تاکہ اس طرح بیلٹ بکسوں کے ذریعے سے ہم پر اپنا غلبہ قائم کر سکیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔ وہ خود کو بھی نقصان پہنچا رہے ہیں اور مسلمانوں کو بھی، اس کے باوجود وہ غلبے کے وہم میں گرفتار ہیں۔ بدقسمتی سے یہ ان کے لڑکپن کا خواب ہے اور ان کی جوانی کی خواہش۔ ہر کوشش کی جاتی ہے، جائز یا ناجائز اور زیادہ تر ناجائز، تاکہ مسلم لیگ کو کچلا جا سکے اور مسلمانوں میں افتراق اور انتشار پھیلایا جا سکے، جس کی ہم مذمت کر رہے ہیں اور مجھے بھروسہ ہے۔ اتنا ہی بھروسہ جتنا کہ اس بات میں ہے کہ اس وقت میں یہاں کھڑا ہوں کہ وہ ناکام ہوں گے اور بری طرح ناکام۔''

ہندوستان کی اکثریت

روزنامہ انقلاب 10 فروری 1935ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

''7 فروری کو اسمبلی کے اجلاس میں مسٹر جناح کی قرارداد منظور ہوگئی۔ قرارداد کے تین حصے تھے، لیکن اس پر ووٹنگ دو حصوں میں ہوئی۔ پہلا حصہ فرقہ

وارانہ فیصلے سے تعلق رکھتا تھا۔ دوسرے حصے میں صوبہ جاتی نظام اور فیڈریشن کا ذکر تھا۔ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کے قرارداد کے دونوں حصے مسترد ہو گئے۔ رپورٹ کے استرداد کے متعلق 61 ووٹ مسٹر ڈیسائی کو ملے اور 72 ووٹ اس کے خلاف تھے۔ اس قرارداد کے دوسرے حصے کا مواد یہ تھا کہ اسمبلی فرقہ وار فیصلے کے متعلق غیر جانبدار رہے۔ اس ضمن میں 44 ووٹ مسٹر ڈیسائی کو ملے، اور 84 ووٹ اس کے خلاف تھے۔ گویا ہر مرحلے پر کانگریس کو شکست ہوئی۔ مسٹر جناح کی قرارداد کا پہلا حصہ جس کا مواد یہ تھا کہ فرقہ وار فیصلہ جیسا بھی ہے کسی دوسری مفاہمت تک قائم رہے، منظور ہو گیا۔ 15 ووٹ اس کے خلاف اور 68 ووٹ اس کے حق میں آئے۔ کانگریس کے ممبر اس سلسلے میں غیر جانبدار رہے، لیکن اگر اس کے ممبر بھی فرقہ وار فیصلے کے خلاف ووٹ دیتے تو مخالفین کی تعداد زیادہ سے زیادہ 60 تک پہنچ سکتی تھی۔ مسٹر جناح کی قرارداد کے بقیہ دو حصوں کے حق میں 74 ووٹ آئے، اور 58 ووٹ اس کے خلاف تھے، گویا اسمبلی میں مسٹر جناح ہی کی پوزیشن صحیح اور معقول ثابت ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے:

1. فرقہ وار فیصلہ کسی دوسری مفاہمت تک قائم رہے۔
2. صوبہ جاتی نظام کے بعض حد درجہ قابل اعتراض پہلو نکال دیے جائیں تو یہ قابل قبول ہو سکتا ہے۔
3. آل انڈیا فیڈریشن کی اسکیم کو چھوڑ کر صرف برٹش انڈیا فیڈریشن اسکیم سوچی جائے، جس سے مرکز میں کامل ذمہ دار حکومت قائم ہو سکے۔

بھولا بھائی ڈیسائی نے اپنی تقریر میں فرقہ وار اختلاف کے متعلق بعض نہایت مہمل اور مغالطہ انگیز باتیں کہی تھیں۔ مثلاً یہ کہ پہلے کچھ لے لو اس کے بعد تقسیم کا سوال اٹھانا۔ ہم گزشتہ آٹھ برس کی مدت میں سینکڑوں مرتبہ اس غلط، بے معنی اور فضول ہندوانہ اعتراض کی حیثیت واضح کر چکے ہیں، یہ بالکل غلط ہے کہ ہندوستان کو پہلے کچھ ملے گا، اس کے بعد تقسیم کا سوال پیدا ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ ملے گا، وہ خود بخود تقسیم ہو کر آئے گا، اس لیے تقسیم کے اصول کا پہلے طے کر لینا ضروری ہے۔ تقسیم ملنے والے اختیارات کا لاینفک جزو ہوگی، بلکہ اختیارات تقسیم ہو کر ہمارے پاس آئیں گے، لیکن مسٹر ڈیسائی نے اس حقیقت کا احساس نہ کیا۔ اس طرح مسٹر ڈیسائی نے یہ فضول بات کہی تھی کہ مذہب، زبان اور نسل کو سیاسیات کے دائرے میں داخل نہیں کرنا چاہئے، اور اس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ مسلمان اپنے مطالبات پیش نہ کریں، مسٹر جناح نے ان تمام چیزوں کا نہایت عمدہ جواب دیا۔ آپ نے کہا: ''میں مسٹر ڈیسائی سے اتفاق کرتا ہوں کہ مذہب، نسل اور زبان کو سیاسیات کے دائرے میں داخل نہیں کرنا چاہئے کہ اقلیتوں کا مسئلہ ایک سیاسی مسئلہ ہے، اور دوسرے ملکوں نے اسے سیاسی مسئلہ ہی سمجھ کر حل کیا ہے۔ میں ایک سیاسی اقلیت کی حفاظت کا طلب گار ہوں۔ مسٹر ڈیسائی کہتے ہیں کہ پہلے حاصل کرو پھر تقسیم کراؤ، لیکن سوال یہ ہے کہ بھائی گاندھی نے کیوں پران تیاگ برت رکھا تھا، اور کیوں میثاق پونا مرتب کیا تھا؟ میں مہاتما کو اور ہندوؤں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے میثاق پونا کے ذریعے سے اپنے اچھوت بھائیوں کو راضی کر لیا، لیکن کیا اس باب میں ہندوؤں نے تقسیم سے قبل حصول کے اصول پر عمل کیا۔ اس اسپرٹ میں میرے

ساتھ اتفاق کرو۔ ہم حاضر ہیں۔

مسٹر ڈیسائی یا کوئی دوسرا کانگریسی یا غیر کانگریسی ہندو مسٹر جناح کے اس ارشاد کا کیا جواب دے سکتا ہے؟ آخر یہ کیا بات ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ مفاہمت کا سوال پیدا ہو تو اعتراض کھڑا کر دیا جائے کہ ابھی کچھ حاصل ہی نہیں ہوا تو تقسیم کیا کریں، لیکن جب اقلیتوں کو راضی کرنے کا سوال تھا تو پران تیاگ برت رکھے جا رہے تھے۔ اس وقت اتنے اختیارات حاصل نہیں ہوئے تھے، جتنے کہ اب حاصل ہو چکے ہیں، لیکن کسی کانگریسی یا غیر کانگریسی ہندو نے اچھوتوں کے ساتھ سمجھوتے کو حصول اختیارات کے انتظار پر موقوف نہ رکھا۔

بہر حال ہندوستان کی صحیح پوزیشن یا بہ الفاظ صحیح تر اکثریت کی پوزیشن وہی معلوم ہوتی ہے، جو مسٹر جناح نے اختیار کی ہے، یعنی فرقہ وار فیصلے کا قیام۔ صوبہ جاتی نظام کے قابل اعتراض پہلوؤں کا حذف، اور آل انڈیا فیڈریشن کی بجائے صحیح ذمہ داری کے اصول پر برٹش انڈیا فیڈریشن کی تنظیم، ہندوستان میں امن و سکون پیدا کرنے کا راستہ یہی ہے، کاش حکومت اسے اختیار کرے۔ اسمبلی میں فرقہ وار ووٹنگ کے ضمن میں ایک عجیب انکشاف یہ ہوا کہ سر این این سرکار نے نہ مسٹر ڈیسائی کی قرارداد کے وقت اس کے حق میں یا اس کے خلاف ووٹ دیا نہ مسٹر جناح کی قرارداد کے حق میں یا اس کے خلاف ووٹ دیا، حالانکہ وہ حکومت کے رکن تھے۔ اس کا مطلب صاف الفاظ میں یہ ہے کہ سر این این سرکار حکومت کے رکن ہونے کے باوجود اپنی اس انتہائی فرقہ وار حیثیت کو فراموش نہیں کر سکے جو رکنیت پر فائز ہونے سے قبل ان کی محبوب چیز تھی اور غالباً اسی جوش میں انہوں نے مسٹر جناح کی قرارداد پر بعض تعجب انگیز تعریفات کی تھیں اور اسے نا قابلِ فہم بتایا تھا۔ مسٹر جناح نے ان تعریفات کا بھی نہایت عمدہ جواب دیا۔ آپ نے کہا:

''ہمیں عدالتوں کا تجربہ ہے کہ جب کسی فریق مقدمہ کا پہلو کمزور ہوتا ہے تو وہ ذاتی تعریض کا شیوہ اختیار کر لیتا ہے لاء ممبر (سر این این سرکار) کہتے ہیں کہ میں گھر کی بنیاد ڈھا رہا ہوں، اور اوپر کی منزل قائم رکھتا ہوں، لیکن گزارش یہ ہے کہ اوپر کی منزل ہے کہاں؟ اوپر کی منزل صرف لاء ممبر کا گھڑا ہوا قصہ ہے۔ جائیے اور یہ قصے بچوں کو سنائیے۔''

حکومت کے لیے صحیح راستہ وہی ہے، جس کی طرف مسٹر جناح نے رہنمائی کی ہے، اس کا فرض ہے کہ اس راستے کو اختیار کرے۔ کانگریس اور مالویہ پارٹی پر بھی یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ ان کے راستے غلط ہیں۔ فرقہ وار فیصلے کی مخالفت کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو کچھ نہ ملے، اور اس سلسلے میں کوئی سمجھوتہ کیے بغیر غیر جانبداری کے معنی بھی یہی ہیں کہ مسلمان اور دوسری اقلیتیں اپنے جائز حقوق سے محروم رہیں، جو کچھ ملے صرف ہندو اس پر قابض ہوں۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 10 فروری 1935ء)

ہندوستان کی تقسیم

28 دسمبر 1940ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن احمد آباد کے اجتماع میں فرمایا:

''حضرات! ہندوستان کو تقسیم کر دینا چاہیے تا کہ ہندو اور مسلمان اچھے پڑوسیوں کی طرح رہ سکیں، اور بقدر

شعور وصلاحیت ترقی کرسکیں۔ اگر ہندوؤں نے سارا ہندوستان لینے کی کوششیں کیں تو وہ سارے کا سارا کھودیں گے، لیکن اگرانہوں نے ایک تہائی مسلمانوں کو دے دینے پر رضامندی ظاہر کی تو انہیں دوتہائی مل جائیں گے۔

ہندوصوبوں کی مسلم اقلیتیں اپنی تقدیر پر شاکر رہیں، لیکن وہ مسلم اکثریتی صوبوں کی آزادی میں کبھی مزاحم نہ ہوں گی۔ قیام پاکستان کے بعد میں ہندو اکثریتی صوبوں کی مسلم اقلیتوں کو ہجرت عام کی رائے نہیں دوں گا۔ میں جو کچھ چاہتا ہوں وہ صرف یہ کہ مسلم اکثریتی صوبوں میں جہاں اس وقت بھی پاکستان موجود ہے مرکزی حکومت کا اقتدار ہندو اکثریت کے ساتھ نہ ہونے پائے، ایک متحدہ مرکزی حکومت کے تخیل کا خاتمہ ہو چکا ہے، لیکن اگر اس کی تجدید کی کوشش کی گئی تو مسلمان اس کی مدافعت کریں گے، کیونکہ مسلم صوبوں میں ہندو اقلیتیں، مرکزی ہندو اکثریت کی پشت پناہی اور اعانت سے کاروبار حکومت کو ناممکن بنا دیں گی۔

فی الحقیقت ہر حیثیت سے مسلم اکثریت، مرکزی حکومت کی جاگیر ہو جائے گی۔ ہندو مہا سبھا نہایت بے تکے پن سے علی الاعلان سارے اقلیم ہند پر ہندو راج کی فکر کر رہی ہے۔ کانگریس کی زبان پر جمہوریت، مشترکہ انتخاب اور ایک ایسی قومی حکومت ہے جو مجلس قانون ساز کے منتخب اراکین کو جواب دہ ہو، لیکن جمہوریت معنوی اعتبار سے دنیا کے کسی حصہ میں موجود نہیں ہے، حتیٰ کہ انگلستان میں بھی اونچا طبقہ حکومت کرتا ہے، لیکن ہندوستان میں تو ایسی جمہوریت کا بھی امکان نہیں ہے۔ مذہب کا تو کیا ذکر، ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین تہذیبی یا معاشرتی کوئی چیز بھی مشترک نہیں ہے۔ یہاں قوم کی اصل اوراس کے عناصر ترکیبی کہاں ہیں کہ جس کی بناء پر ہم ہندوستان میں انگلستان جیسی نام نہاد اور کمزور سی جمہوریت ہی اختیار کرلیں۔

ایک قومی حکومت جومجلس آئین ساز کے منتخب ارکان کو جواب دہ ہوصرف ایک ہندو اکثریت کے تابع فرمان ہوکر ہی تشکیل پاسکتی ہے۔ اس میں مسلمان اور دوسری اقلیتیں قطعی ہندوراج کے رحم وکرم پر ہوں گی۔

اکثر اوقات ایک مشترک خاندان میں دو بھائیوں کے لیے مل کر رہنا ناممکن ہو جاتا ہے، اور ان کی علیٰحدگی ہی سے ان کے مابین امن وسکون اور بہتر روابط قائم ہوتے ہیں، پھر ہندوستان کی تقسیم سے کیوں انکار کیا جائے، جب کہ وہ جانتے ہیں اور انہیں کامل یقین ہے کہ تہذیب، مذہب اور معاشرتی زندگی کے مہلک اختلافات اور چمک کے مدنظر جو ایک ہی خاندان کے دو بھائیوں سے کہیں زیادہ ہیں وہ آپس میں امن چین سے نہیں رہ سکتے!''

ہندوستانی لارڈ سائمن

(دیکھئے: اعلیٰ درجہ کا وکیل)

ہندومسلم اتحاد...... دلی تمنا

سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے مسئلے پر ہندومسلم اختلافات اور زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ لیگ بائیکاٹ کی حامی ہے، سر شفیع مخالف ہیں۔ اختلاف کی سنگینی نے لیگ کے دوٹکڑے کردیے۔ سر شفیع نے لاہور میں اجلاس کیا۔ جو ''شفیع لیگ'' کے نام سے موسوم ہوا۔ جناح صاحب نے کلکتہ میں اجلاس کیا۔ جسے

''جناح لیگ'' کے نام سے پکارا گیا۔ مسٹر جناح، علی برادران کی رفاقت و معیت میں بائیکاٹ کے اس لیے حامی ہیں کہ کانگریس بھی بائیکاٹ پر تلی ہوئی ہے، اور وہ کانگریس کے ساتھ مل کر متحدہ دستور ہند بنانے کے متمنی ہیں۔

یہ کانگریس سے اشتراک و تعاون کا دور تھا، 31 دسمبر 1927ء کا زمانہ تھا۔

لیگ کی روداد بتاتی ہے:

''صدر (مسٹر جناح) کی التجا پر پنڈت مدن موہن مالویہ نے اپنی تقریر میں اتفاق و اتحاد قائم کرنے کی درخواست کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ صرف دو مسئلوں پر ہم لوگوں کے اندر تفرقہ پیدا ہو گیا ہے، اول کا تعلق گاؤکشی کے ساتھ ہے، اور دوئم مسجد کے سامنے باجہ بجانے کے متعلق ہے، کیا یہ ایسا مسئلہ ہے جسے ہم لوگ حل نہیں کر سکتے ہیں؟ آخر میں آپ نے یہ فرمایا کہ ہم لوگ اگر آج سے اپنے کو پہلے ہندوستانی اس کے بعد ہندو مسلمان سمجھیں تو چٹکی کے اشارے پر سوراج حاصل کر لیں گے۔''

جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''پنڈت جی نے جو آج دعوت دی ہے اس سے میری خوشی کی حد نہیں ہے، میری یہ دلی خواہش ہے کہ ہندو مسلم اپنے اپنے اختلافات کو فراموش کر کے آپس میں مل جائیں۔''

ہندو مسلم اتحاد کا سفیر

قائداعظم محمد علی جناح برصغیر کی آزادی کے لیے دو بڑی قوموں کا اتحاد ضروری سمجھتے تھے، اس لیے کہ آپ نے انڈین نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم سے پورے ہندوستان کی آزادی کے لیے آواز اٹھائی، آپ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو قریب لانے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ مسلمان لیڈروں سے ملاقاتیں کیں۔ مولانا محمد علی جوہر سے اور سید وزیر حسن سے ایسی ہی ایک ملاقات کے بعد آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کی تھی۔ یوں آپ بہ یک وقت دو جماعتوں کی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے۔ گوکھلے کھلا اور متوازن اور اعتدال پسند ہندو لیڈر تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی فراست، وسیع القلبی اور وطن دوستی کے جذبات سے متاثر ہو کر اس نے قائداعظم محمد علی جناح کو ''ہندو مسلم اتحاد کا سفیر'' کا نام دیا۔

مسز سروجنی نائیڈو کہتی ہیں:

''کانگریس کے مقبول ترین قائدین مثلاً نورو جی اور گوکھلے ان سے محبت کرتے تھے، اور ان سے ہندوستان کے روشن مستقبل کے باب میں نیک توقعات وابستہ کیے ہوئے تھے، گوکھلے تو انہیں مستقبل کے ہندو مسلم اتحاد کا سفیر قرار دیتے تھے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کانگریس اور مسلم لیگ کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوششیں شروع کر دیں، اور یہ کام فقط قائداعظم ہی کر سکتے تھے، اس لیے دونوں جماعتوں کا ایسا معتمد دوسرا کوئی نہ تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 1913ء میں ہندو مسلم اتحاد کا مشن شروع کیا، دونوں اقوام اور ان کی نمائندہ جماعتوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوششیں جاری رکھیں۔ آپ کی کاوشیں رنگ لانے لگیں، جب 1915ء میں بمبئی میں دونوں جماعتوں کے سالانہ اجلاس بلائے گئے۔

لیڈروں میں رسمی اور غیر رسمی مذاکرات نے حالات کو سازگار بنایا تو 1916ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس لکھنؤ میں طلب کر لیے، ان کا خیال تھا کہ ایک ہی مقام پر مسلم لیگ اور کانگریس کے ساتھ ساتھ اجلاسوں سے دونوں

چوہدری محمد علی

1980 - 1905

آپ جالندھر میں پیدا ہوئے۔ 1928ء میں انڈین آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس سروس کی ملازمت میں شامل ہوئے۔ جب 1946ء کو لیاقت علی خان عبوری حکومت میں وزیر خزانہ بنے تو آپ کو ان کا مشیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ اس حیثیت میں وہ بجٹ آپ نے تیار کر کے وزیر خزانہ کو دیا جس پر کانگریس کے بہت سے ہم نوا تاجر چیخ اٹھے۔ اخبارات نے اسے غریبوں کا بجٹ قرار دیا قیام پاکستان کے وقت آپ پارٹیشن کونسل کے رکن تھے حکومت پاکستان کے پہلے سیکرٹری جنرل بنے بعد ازاں 1951ء میں وفاقی وزیر خزانہ کے منصب پر فائز ہوئے۔ 1955ء میں دستور ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 12 اگست 1955ء کو پاکستان کے چوتھے وزیر اعظم بنے اس حیثیت میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ 1956ء کا دستور وضع کروانا ہے۔ وزارتِ عظمیٰ سے علیحدگی کے بعد آپ قومی سیاست میں متحرک ہوگئے۔ 1965ء میں مادرِ ملتؒ کے صدارتی انتخاب کی مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ 1969ء میں آپ سیاست سے ریٹائر ہوگئے آپ نے تحریک پاکستان کے آخری تین برسوں کے واقعات پر مشتمل کتاب ''ظہور پاکستان'' ان کی مشہور تصنیف کی ہے۔

سیاسی جماعتوں کے لیڈروں میں قریبی ربط و تعلق پیدا کرنے میں مدد ملے گی، چنانچہ ان کی یہ کوشش کامیاب ہوئی، اور اپریل 1916ء میں ان کی انتھک کوششوں کے نتیجے میں کانگریس اور مسلم لیگ نے اس مقصد کے لیے ایک مشترکہ کمیٹی قائم کر دی کہ معاشرتی اور سیاسی شعبوں میں اہلِ ہند کی حالت بہتر بنانے کے لیے حکومت سے کیا مطالبات کیے جائیں۔

قائداعظم محمد علی جناح کا دونوں جماعتوں کو ایک ہی پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کے سلسلے میں یہ ایک اہم قدم تھا۔ اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کی مساعی سے کانگریس اور مسلم لیگ دسمبر 1916ء میں ایک ساتھ اپنے سالانہ اجلاس منعقد کرنے پر آمادہ ہوگئیں، مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی، اور اپنے خطاب میں فرمایا:

''ہم کوئی انعام و رعایت نہیں چاہتے، اور نہ کسی امتیازی سلوک کے آرزومند ہیں۔''

کانگریس اور مسلم لیگ کے ایک ساتھ اجلاسوں کی وجہ سے دونوں جماعتوں میں ایک تاریخی معاہدہ ہوا، جو میثاق لکھنؤ کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ کے معمارِ اعلیٰ قائداعظم محمد علی جناح جنہوں نے اپنی انتھک اور مخلصانہ مساعی سے دونوں جماعتوں کو اپنی سرگرمیوں میں باہمی اشتراک سے کام لینے پر آمادہ کیا تھا، اس کے علاوہ اس وقت کانگریس کا رویہ بھی فراخدلانہ تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح کے بقول:

"If I can achieve this unity, half the battle of country's freedom is won."

(Aspects of the Pakistan movement Page 37)

اس دوران قائداعظم محمد علی جناح کے سیاسی تدبر نے ایک اور کارنامہ سرانجام دیا وہ یہ:

"In october 1916 niheteen elected member of the imperial legislative council address a memorandum to the viceroy on the subject of reforms.

(The struggle for Pakistan page: 44)

اس یادداشت کے ساتھ ہی مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان مفاہمت پیدا کرنے کی ضرورت کا احساس ہوا، اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح کی کوششوں سے مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان اتحاد اور باہمی مصالحت کا ایک معاہدہ مرتب کیا گیا، اگلے سال اجلاس منعقدہ کلکتہ میں اس معاہدے کی توثیق کر دی گئی۔

ہندو مسلم اختلاف

قائداعظم محمد علی جناح نے 10 مارچ 1941ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلباء سے خطاب میں کہا:

''حال ہی میں بمبئی میں ساحلِ سمندر پر ایک پیرا کی کے تالاب کا افتتاح ہوا، جو صرف ہندوؤں کے لیے مخصوص ہے، وہ مسلمانوں کے ساتھ سمندر میں بھی تیرنے کو تیار نہیں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ہندوؤں کے جذبات کا مضحکہ اڑاؤں، میں ہر شخص کے مذہبی جذبات کا احترام کرتا ہوں، اس واقعہ کا حوالہ صرف اس لیے دیا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کس قدر اختلاف موجود ہے۔''

(یہ واقعہ مسلمانانِ ہند کے لیے ایک سبق تھا، جس سے ہندوؤں کے دل کی کدورت عیاں ہوتی ہے، اور ان کے دل میں پلتے نفرت کے جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔)

ہندو مسلم مفاہمت

روزنامہ انقلاب نے اپنی اشاعت یکم مئی 1936ء کی

اشاعت میں مسلمانوں کی یک آہنگی اور ہندو مسلم مفاہمت، مسٹر جناح کا تازہ بیان کے عنوان سے درج ذیل اداریہ لکھا:

''مسٹر جناح نے میڈینز ہوٹل والی تقریر کے ضمن میں جو بیان شائع کیا ہے۔ اس کا حقیقی مدعا ہم نہیں سمجھ سکے، مثلاً ممدوح نے فرمایا کہ کانگریس اور ہندو اس لیے مسلمانوں کے معاملات پر ٹھیک توجہ نہیں کرتے کہ ''ہم مسلمان اس وقت تک اپنے آپ کو اتحاد کے اہل ثابت نہیں کر سکتے، جب تک ہم اپنے اعمال اور اپنی پالیسی سے یہ ثابت نہیں کر دیں گے کہ ہم ملک کی قومی زندگی میں اپنی مناسب جگہ لینے کے لیے تیار ہیں۔ اس وقت تک دلی اور حقیقی تصفیہ کا راستہ صاف نہیں ہوگا۔ میں نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ انہیں پہلے اپنے آپ کو منظم کر کے اہلیت پیدا کرنی چاہیے، اس کے بعد کوئی مطالبہ پیش کرنا چاہیے۔''

مسلمانوں کی داخلی تنظیم بے حد ضروری ہے، ان کے جماعتی نقائص، عیوب کا ازالہ ضروری ہے لیکن کیا مسٹر جناح کی رائے یہ ہے کہ جب تک یہ مقاصد پورے نہ ہو جائیں اس وقت تک ہندو اور کانگریس باہمی تصفیہ سے گریز اور بے اعتنائی میں حق بجانب سمجھے جائیں گے؟ پھر مسٹر جناح نے یہ نہیں بتلایا کہ باہمی تنظیم سے ان کا مدعا کیا ہے؟ وہ کس کس چیز کو کس کس حد تک مسلمانوں میں پیدا کر دینے کو ان کی داخلی تنظیم کی تکمیل یا مطالبات پیش کرنے کی اہلیت سمجھتے ہیں؟ اس باب میں غیر معین تلقینات بالکل بے سود ہیں، اصل شے یہ ہے کہ وضاحت اور تعین کے ساتھ مسلمانوں کو بتایا جائے کہ تم فلاں فلاں کام فلاں فلاں حد تک انجام دے لو، اور اس کے بعد کوئی مطالبہ اپنی زبان پر لاؤ، لیکن افسوس کہ ہمیں مسٹر جناح کے بیان میں کوئی معین تلقین اور مقرر اشارہ نظر نہیں آیا۔ صاحب موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ ''میں ہمیشہ یہ محسوس کرتا رہا ہوں کہ اگر مسلمان یک آہنگ اور ایک آواز ہوتے تو ان کے اور ہندوؤں کے درمیان تصفیہ بہت جلد ہو جاتا۔'' مسٹر جناح کا یہ ارشاد بھی وضاحت طلب ہے۔ یک آہنگی سے مقصود اگر یہ ہے کہ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت ایک رائے ظاہر کرتی تو یہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے، لیکن کانگریس نے اور ہندوؤں نے اس بہت بڑی اکثریت کی آواز کو کبھی مسلمانوں کی آواز تسلیم نہیں کیا۔ مثلاً نہرو رپورٹ کے وقت میں مسلمانوں کی قریباً تمام جماعتیں اس رپورٹ کے بالکل خلاف تھیں۔ خود مسٹر جناح کی لیگ بھی خلاف تھی۔ مولانا کفایت اللہ کی جمعیۃ العلماء ہند بھی خلاف تھی، جو بعد ازاں مسلسل و متواتر کانگریس کے ساتھ رہی، البتہ متفرق مسلم افراد کانگریس کے ہم نوا تھے، لیکن کیا کانگریس نے یا ہندوؤں نے مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت کی اس آواز پر توجہ کی؟ کیا یہ واقعہ نہیں کہ وہ ہندو افراد کی آواز کو تمام جماعتوں کی آواز کے خلاف مسلمانوں کی حقیقی آواز قرار دینے کی کوشش کرتے رہے؟ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اسی بناء پر کانگریس نے اور ہندوؤں نے 1929ء میں نہرو رپورٹ کو ہندوستان کا متفقہ دستور قرار دے کر اس کے لیے حکومت کو ایک سال کا الٹی میٹم دے دیا تھا؟ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اسی مقصد کو مدنظر رکھ کر انہوں نے اکتوبر 1929ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے چند شرطیں پیش کی تھیں؟ وہ اس مسلک پر گامزن تھے، جس پر انگریز ہندوستان کے

تعلق میں گامزن رہے۔ لارڈ برکن ہیڈ نے یہ کہا کہ ہندوستانی متحدہ طور پر جو دستور پیش کر دیں گے، کانگریس انہیں منظور کر لے گی، حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ وحدت اور یک آہنگی کا یہ تصور دنیا کے کسی حصے میں بھی پورا نہیں ہوسکتا کہ چند آوازیں بھی خلاف نہ اٹھیں اور کانگریس کی حالت یہ رہی ہے جب مولانا کفایت اللہ کی جمعیۃ العلماء ہند نہرو رپورٹ کے خلاف تھی تو اس سے بے پرواہی برتی جارہی تھی، اور اس وقت احرار کانگریس کے محبوب اور اس کی نظروں میں مسلمانوں کے صحیح نمائندے تھے۔ بمبئی والی اسکیم کے بعد احرار نے جداگانہ انتخاب کا اعلان کر دیا تو ان کی نمائندگی، مسلمین نا قابل اعتنا بن گئی، آخر یہ کہاں کا انصاف اور کہاں کی دیانت ہے؟

آج بھی مسلمانوں کی تمام گرم اور نرم جماعتیں اعلان کررہی ہیں کہ فرقہ وار فیصلہ صرف نئے سمجھوتے ہی کے ذریعے سے بدلا جا سکتا ہے، یعنی جن مسلم جماعتوں اور مسلم گروہوں کو فرقہ وار فیصلہ کے تمام پہلوؤں سے اتفاق نہیں، وہ بھی اسے بغیر کسی نئے سمجھوتے کے ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہیں، لیکن کیا ہندوؤں نے مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ کی اس وحدت اور اس یکسانی کو قبول کیا ہے۔

مسٹر جناح کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ مسلمانوں کو حکومت یا کانگریس کی طرف جھکنے کی ضرورت نہیں ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ انہیں اپنی تنظیم کے ساتھ ساتھ قومی معاملات میں بھی پوری مستعدی سے سرگرم عمل ہونا چاہیے اور یہ ثابت کرنا چاہیے کہ ان کی حب الوطنی کا دامن بے داغ ہے۔ وہ ہندوستان کے لیے اور اس کی ترقی کے لیے انتہائی تڑپ رکھتے ہیں، لیکن ہماری گزارش صرف یہ ہے کہ اس تڑپ کے اظہار کا طریقہ کیا ہو۔ کانگریس اور ہندو ہمیشہ سے یہ سمجھتے آئے ہیں کہ قوم پرستی اور حب وطن صرف وہ ہے جو ہندوؤں کے لیے مفید ہو۔ تمام ہندو اور تمام کانگریسی مخلوط انتخاب کو حب وطن قرار دے دیے ہیں، مسلمان اگر اپنے بچاؤ اور تحفظ کے لیے اس کی مخالفت کریں تو انہیں حب وطن سے محروم قرار دیا جاتا ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ ملک کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانا حب وطن ہے۔ پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت نے کسانوں اور کاشت کاروں کو اقتصادی مصائب سے نجات دلانے کے لیے جو قدم اٹھائے تمام سرمایہ دار اور سرمایہ پرست ہندو ان کی مخالفت کرتے رہے ہیں، لیکن ایک بھی کانگریسی ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا، جس نے پنجاب کے سرمایہ پرست ہندوؤں کی اس غلط روش کی مذمت کی ہو، اس کے باوجود ہندو محب وطن ہیں، اور مسلمانوں پر طعنوں کے تیر برساتے جارہے ہیں کہ انہیں حب وطن سے کوئی علاقہ نہیں۔ کیا مسٹر جناح ان حقائق کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کے لیے کوئی صحیح اور مناسب ردعمل تجویز فرما سکتے ہیں؟''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت یکم مئی 1936ء)

ہندو ہوسٹل

اس واقعہ کو پروفیسر احمد الدین مارہروی رقم کرتے ہیں:

''1928ء کا ابتدائی دور تھا، مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اختلاف و افتراق کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی جارہی تھی، قائداعظم محمد علی جناح اس زمانے تک مسلمانوں کے مسلمہ لیڈر نہیں بنے تھے، بلکہ

1916ء سے برابر اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ مسلم لیگ اور کانگریس برصغیر کی آزادی کے لیے مشترکہ لائحہ عمل تجویز کر کے عملدرآمد شروع کر دیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کی کوششیں اس حد تک بارآور ہوگئی تھیں کہ پنڈت جواہر لعل نہرو کے والد پنڈت موتی لعل نہرو کی سرکردگی میں مختلف گروہوں کی ایک کمیٹی بن گئی تھی، جس کا کام یہ تھا کہ اس پروگرام پر عمل کر کے آئندہ اصلاحات کے واسطے ایک جامع سکیم مرتب کرے، لیکن جب آئینی امور پر بحث شروع ہوئی تو ہندوؤں کی دلی کدورت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی، اختلاف کی خلیج مسلسل وسیع ہو رہی تھی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قائداعظم محمد علی جناح اپنے رویے اور اصولوں کو بدلنے کے لیے مجبور ہوگئے۔

اس کمیٹی کے سلسلے میں مختلف لیڈر الہ آباد آئے ہوئے تھے، اور ان میں سے اکثر کا قیام موتی لعل نہرو کی محل نما کوٹھی ''آنند بھون'' میں تھا، یہ کوٹھی یونیورسٹی سے ملحق ہی تھی۔ میں اس زمانے میں ایم اے کا طالب علم تھا، اور سرسید کے ایک پرانے ساتھی مولوی سمیع کے مسلم ہوسٹل میں قیام پذیر، چونکہ ابھی تک مسلم تعلقات میں سطحی طور پر اتحاد رکھنے کی کوششیں جاری تھیں، اس لیے یہ طے ہوا کہ کسی زہریلے قسم کے ہندو کو مسلم یونیورسٹی میں مدعو کر کے اس کی تقریر سنی جائے، چنانچہ ہندو یونیورسٹی بنارس کے بانی اور انتہائی متعصب لیڈر پنڈت مدن موہن مالویہ کو اس تقریر کے لیے چنا گیا، وہ آیا تقریر کی، اور اپنی دانست میں مسلمانوں کو ذلیل کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا، نصف سے زائد ہال ہندو طالب علموں سے بھرا ہوا تھا، اور ان کے نعرے ہائے تحسین سے ہمارے دل اور بھی زخمی ہو رہے تھے، لیکن ہم چونکہ میزبان تھے، اس لیے اسلامی روایات کے مطابق دم بخود صبر کی سل سینے پر رکھے بیٹھے رہے، اور جلسہ کسی ہنگامے یا شور وشغب کے بغیر ختم ہوگیا۔

اس کے جواب میں مدمقابل ہندو ہوسٹل کے طلبہ نے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنے ہاں تقریر کرنے کی دعوت دی۔ اس وقت وہ قائداعظم نہیں بنے تھے، بلکہ مسٹر محمد علی جناح کے نام سے مشہور تھے۔ یونیورسٹی سے ملحقہ کئی بورڈنگ ہاؤس تھے، لیکن ہندو ہوسٹل کے طالب علم انتہائی کٹر مہا سبھائی تھے۔ وہ قائداعظم محمد علی جناح کو بطور تمسخر ''جینا'' کہا کرتے تھے، اور ہم میں سے جب کوئی ان کے پاس سے گزرتا تو چھیڑنے کے لیے ایک دوسرے سے کہتا:

''جینا کیا چاہتا ہے؟''

دوسرا جواب دیتا:

''جینا چاہتا ہے۔''

پھر تیسرا جواباً بولتا:

''مگر ہم اسے جینے نہیں دیں گے۔''

اس ایک بات سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ جن لوگوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو تقریر کرنے کے لیے مدعو کیا، ان کی ذہنیت کیا تھی اور نیت میں فتور تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ میری ملاقات اپنے ایک پرانے دوست رگھو دوبے سے ہوگئی، یہ پہلے سینٹ جانسن کالج آگرہ میں میرا کلاس فیلو تھا، پھر الہ آباد یونیورسٹی میں ہم نشست رہا۔ اچھا خاصا بھلا مانس تھا، اور کسی دوسرے ہوسٹل میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے ہندو ہوسٹل میں مقیم تھا۔ اس نے بتایا:

''ہندو لڑکوں نے ایک منظم سازش تیار کی ہے، اور وہ

یہ کہ مسٹر جناح کو تقریر نہ کرنے دیں، اور درمیان میں ایسے ٹیڑھے اور بے ہودہ سوال کریں جس کا جواب جناح کو اس انداز میں دینا پڑے، جو ہندوؤں کے خلاف جاتا ہو، اور اس پر ہنگامہ کر کے جلسہ ختم کر دیا جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح ہر چند طلباء میں اتنے ہردلعزیز نہ تھے جتنے بعد میں ہو گئے، لیکن بہرحال مسلمانوں کے قومی رہنما تھے، اور ہماری خاطر ہندوؤں سے جنگ کر رہے تھے۔ اس لیے ہمیں یہ بات سخت ناگوار گزری، اور ہم بھی نبرد آزمائی کے لیے تیار ہو گئے۔ طے یہ کیا گیا کہ ہر لڑکا شیروانی پہن کر جائے، اور شیروانی کے نیچے ہاکی سٹک پوشیدہ ہو گی جس سے معترض کا سر کچل دیا جائے گا، خواہ بعد میں جیل کی سیر کرنی پڑے۔

جلسے کے صدر ہندوستان کے مشہور وکیل سر تیج بہادر سپرو تھے، ہندو لڑکوں نے یہ بھی طے کر رکھا تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح کی تعظیم کے لیے کوئی بھی کھڑا نہیں ہو گا، لیکن خوش بختی ملاحظہ ہو کہ قائداعظم محمد علی جناح اور سر تیج بہادر سپرو دونوں ہال میں اس طرح داخل ہوئے کہ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیے ہوئے تھے۔ چنانچہ ہندو طلباء کو تعظیماً اٹھنا ہی پڑا۔ وسیع ہال ہندو مسلم طلباء سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بہت سے لڑکوں کو بیٹھنے کے لیے جگہ نہ مل سکی، اور وہ دیوار کے ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ تیج بہادر سپرو نے مختصر الفاظ میں تعارف کرایا اور کہا:

''جناح صاحب اپنا سیاسی نقطہ نظر بیان کریں گے، آپ لوگ غور سے سنیں، جس سے آپ کی معلومات میں اضافہ ہو گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی پروقار شخصیت کا اس وقت ہم لوگوں کو اندازہ ہوا۔ تقریر شروع ہونے کے پندرہ منٹ تک ایسی خاموشی رہی کہ مخالف لڑکوں کے دل کی دھڑکن بخوبی سنی جا سکتی تھی۔ آخر ایک ہندو لڑکے نے کئی منٹ ہچکچاہٹ کے بعد کھڑے ہونے کی جسارت کی، اور ایک نامعقول سوال کیا، جس کا جواب معمولی قابلیت کا آدمی بھی دے سکتا تھا صدر نے اس کو سوال کرنے اور لیکچر کے درمیان رخنہ اندازی سے روکا بھی، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''روکیے مت سوال کرنے دیجیے۔''

یہ سن کر ہندوؤں کا حوصلہ بڑھا اور پھر تو کئی لڑکوں نے اٹھ کر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ کوئی اور ہوتا تو گھبرا جاتا، ان سوالوں پر جزبز ہوتا، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے نہایت متانت اور خندہ پیشانی سے کہا:

''پہلے مجھے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی اجازت دیجیے، اس کے بعد جتنے سوال آپ لوگوں کی سمجھ میں آئیں، کر لیجیے۔ حتی الامکان ہر ایک سوال کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔''

اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ قائداعظم محمد علی جناح نے یکا یک اپنی تقریر کا رخ پلٹ دیا، یا تو وہ مسلمانوں کا نقطۂ نظر بیان کر رہے تھے، یا انہوں نے ان اعتراضات کا جو ہندو پریس ان پر کر رہا تھا، نہایت مدلل اور تفصیل سے جواب دینا شروع کیا۔ اس سلسلے میں چند ایک ایسے اعتراضات بھی سامنے آئے جو پہلے کبھی نہ سنے گئے تھے، اور نہ ہی کبھی ان کا وہم و گمان ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس طرح بیخ کنی کر کے دو گھنٹے میں تقریر ختم کر دی، اور مسکرا کر کہنے لگے:

''ہاں، اب مجھ سے سوال کیجیے۔ میں ہر ایک کا جواب

مسلم اتحاد کی تمام کوششیں کیوں ناکام ہو گئی ہیں۔
میں خود اس حد تک بے وقار ہو گیا ہوں کہ بعض مسلم
اخبارات مجھے ہندوستان میں اسلام کا سب سے بڑا
دشمن کہتے ہیں۔ اس لیے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ
آزادی سے پہلے اتحاد نہیں بلکہ آزادی کے بعد اتحاد
ہی صحیح راستہ ہے، کیونکہ تیسری طاقت (یعنی حکومت)
یہ پسند نہیں کرتی کہ ہندو مسلم اتحاد ہو۔''

اس انٹرویو کے آخری حصے پر غور کیجیے۔ 1942ء تک گاندھی آزادی سے پہلے ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لگا رہے تھے کیونکہ اس کے بغیر حکومت پر قبضہ ہونا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ اب جنگ عظیم میں برطانیہ کی گرتی ہوئی ساکھ کو دیکھ کر ان کو اندازہ تھا کہ مسلمانوں سے اتحاد کیے بغیر بھی ہندوستان پر قابض ہو سکتے ہیں۔ اس لیے گاندھی نے اپنا پرانا لبادہ اتار پھینکا اور یہ نعرہ بلند کیا کہ پہلے آزادی حاصل کی جائے، ہندو مسلم اتحاد بعد میں ہو جائے گا۔

ادھر پنجاب کے وزیر اعلیٰ سر سکندر حیات خاں نے پنجاب کے گورنر گلینسی سے اس خدشے کا اظہار کیا:

''جنگ کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر گاندھی
پاکستان کا مطالبہ تسلیم کر کے جناح سے سمجھوتہ کر لیں
گے اور حکومت کے خلاف ایک متحدہ محاذ کھول دیں
گے۔''

سکندر حیات کی یہ غلط فہمی گاندھی کے مزاج سے ناآشنائی کی وجہ سے تھی۔ گاندھی تو یہ سوچ رہے تھے:

''وقت آ گیا ہے کہ مسلمانوں سے اتحاد کیے بغیر ہی
انگریزوں سے حکومت چھین لی جائے۔''

چنانچہ وہ مطالبہ پاکستان کو تسلیم کرنے کی طرف آئے ہی نہیں کیونکہ اس وقت تک وہ یہ سمجھتے تھے کہ کانگریس پورے ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنے کی پوزیشن میں ہے۔

جنگ ہندوستان کے دروازوں پر دستک دے رہی تھی۔ مصر میں جرمن جرنیل رومیل (Rommel) کی فوجیں قاہرہ اور نہر سویز کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ روس اور چین میں صورت حال بے حد خراب تھی۔ ادھر اتحادی فوجیں برما سے پسپا ہو چکی تھیں۔ گاندھی کا خیال تھا کہ یہ وقت انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے کا کہنے اور ان کے نہ ماننے کی صورت میں سول نافرمانی کی تحریک کے لیے بہت موزوں ہے۔ جیسے ہی تحریک شروع ہوئی حکومت کانگریس سے سمجھوتہ کر لے گی، اور اگر ایسا نہ بھی ہوا تو کم از کم انگریز کوئی سخت قدم نہیں اٹھائیں گے۔ اس طرح انہیں ایک موثر تحریک چلانے کا موقع مل جائے گا۔

کانگریس ورکنگ کمیٹی میں ابوالکلام آزاد اور ایک حد تک نہرو نے بھی ان کی شدید مخالفت کی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان حالات میں حکومت کسی قسم کی تحریک کو برداشت نہیں کرے گی، اور اسے پوری طاقت سے کچل دے گی۔ ان دونوں کی مخالفت کا زور توڑنے کے لیے گاندھی نے آزاد کو ایک خط لکھا:

''ہمارے خیالات اتنے مختلف ہیں کہ ہم اکٹھے کام
نہیں کر سکتے۔ اس لیے اگر کانگریس کی تحریک مجھے
چلانی ہے تو آپ کانگریس کی صدارت اور کانگریس
ورکنگ کمیٹی سے مستعفی ہو جائیں، اور آپ کے ساتھ
نہرو بھی ورکنگ کمیٹی سے استعفیٰ دے دیں۔''

پٹیل کو جب نہرو اور آزاد سے یہ پتہ چلا تو انہوں نے گاندھی سے کہا:

''ان حضرات کے مستعفی ہونے کے تباہ کن اثرات
ہوں گے، اور اس سے نہ صرف عوام میں انتشار پھیلے گا
بلکہ کانگریس کی بنیادیں بھی ہل جائیں گی۔''

چنانچہ گاندھی نے ابوالکلام آزاد کو بلا کر ان سے کہہ دیا:

''میں نے وہ خط جلدی میں لکھ دیا تھا اور میں اسے
واپس لیتا ہوں۔''

دینے کے لیے تیار ہوں۔''

یہ ایک چیلنج تھا، جسے قبول کرنے کے لیے کوئی آمادہ نظر نہ آتا تھا، تقریر کے دوران میں جیسی پرسکون خاموشی رہی تھی، اسی طرح اس وقت بھی طاری تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اب دوسرا حربہ اختیار کیا اور طلبہ کی ہمت بندھانی شروع کی:

''اٹھیے اور سوال کیجیے۔''

وہاں تو جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا، لڑکے گم صم بیٹھے تھے، گویا کسی نے سحر کر دیا ہو، قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں آپ کی طرف سے سوالوں کا منتظر ہوں۔''

لیکن اب بھی کسی نے لب کشائی نہ کی۔ جونپور کا ایک مسلمان اور نہایت ظریف طبع لڑکا جلال یکا یک اپنی جگہ سے اٹھا اور للکار کر ہندو طلبہ سے کہا:

''دھوتی پرشادو! کچھ تو بولو۔''

مگر اس کی للکار بھی صدا بصحرا ثابت ہوئی، جلسہ نہایت خوش اسلوبی سے اختتام کو پہنچا، اور ہم خوشی خوشی واپس آ گئے۔''

ہندوستان چھوڑ دو تحریک

❶ کانگریس نے برطانوی حکومت سے یہ مطالبہ کر رکھا تھا:

''وہ پورا اقتدار اس کے حوالے کر دے۔''

برطانیہ نے کانگریس کے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو کانگریس نے ہندوستان چھوڑ دو تحریک کا آغاز کر دیا۔ 8 اگست 1942ء کو گاندھی نے اس تحریک کا آغاز کیا اور اپنے لوگوں کو کہا:

''آپ اس مقصد کے حصول کے لیے مرنے مارنے کے لیے تیار ہو جائیں۔''

اس تحریک کو ہندوستان میں برطانوی حکومت کے خلاف کھلم کھلا بغاوت قرار دے دیا گیا اس تحریک کے نتیجے میں چار ماہ کی مدت میں 940 افراد ہلاک ہوئے اور ایک کروڑ 35 لاکھ روپے کی سرکاری املاک تباہ و برباد ہوئیں۔

''ہندوستان چھوڑ دو'' کے کانگریسی مطالبہ کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح کی مسلم لیگ نے مطالبہ کیا:

''تقسیم کر کے ملک سے چلے جاؤ۔''

مسلم لیگ تحریک سے علیحدہ رہی کیونکہ یہ تحریک مسلمانوں کے خلاف بھی اتنی تھی جتنی کہ انگریزوں کے خلاف۔

❷ کرپس کے ہندوستان آنے پر کانگریس کو امید تھی کہ جنگی صورت حال کے پیش نظر حکومت برطانیہ عملی طور پر ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈور اس کے سپرد کر دے گی، اور اس طرح کانگریس کو ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنے کا موقع مل جائے گا لیکن......

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

کانگریس کی پریشانی کا اندازہ نہرو کی اس پریس کانفرنس سے ہو سکتا ہے، جو انہوں نے کرپس کے واپس جانے کے بعد 16 اپریل 1942ء کو بلائی۔ اس نے کہا:

''ہم پسند کریں یا نہ کریں، ہمارے مقدر میں خون اور آنسو ہی ہیں۔ ہمارا خون بہے گا اور آنسو بھی۔ ہندوستان کی سوکھی مٹی میں آزادی کا خوبصورت پھول کھلنے کے لیے شاید ان ہی کی ضرورت ہے۔''

کرپس مشن کی ناکامی کے بعد، جنگ میں برطانیہ کی شکست و ریخت کو دیکھتے ہوئے گاندھی نے آزادی کے نام پر ہندو راج قائم کرنے کے لیے نئی جدوجہد کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا، چنانچہ اس سلسلے میں پہلے قدم کے طور پر انہوں نے 11 جون 1942ء کو دو امریکی اخبار نویسوں کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

''میں اپنے آپ سے یہ سوال کرتا رہا ہوں کہ ہندو،

سہ پہر کو جب ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ ہوئی تو گاندھی نے کہا:

''نادم گنہگار مولانا کے پاس آ گیا ہے۔''

دراصل، یہ بھی گاندھی کی ایک تکنیک تھی۔ اس طرح انہوں نے آزاد اور نہرو پر دباؤ رکھ دیا، چنانچہ اس واقعہ کے بعد آزاد اور نہرو اپنے موقف پر اصرار نہ کر سکے اور 14 جولائی 1942ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی نے گاندھی کے نقطہ نظر سے اتفاق کر کے ''ہندوستان چھوڑ دو'' (Quit India) کی قرارداد منظور کر لی۔ 8 اگست 1942ء کی شام کانگریس کمیٹی نے اس کی تصدیق کر دی، اور ہندوستانیوں سے اپیل کی:

''وہ خود مختاری حاصل کرنے کے لیے عوامی تحریک شروع کریں۔''

اس موقع پر گاندھی نے اپنے رفقاء سے کہا:

''اب آپ میں سے ہر ایک اپنے آپ کو آزاد ہندوستانی سمجھے اور آپ کے عمل سے ظاہر ہو کہ اب آپ اس سامراج کے پاؤں تلے نہیں ہیں۔ آپ میں سے ہر ایک کے دل پر یہ لکھا ہو ''کریں گے یا مریں گے، ہم ہندوستان آزاد کرائیں گے یا اس کوشش میں جان دے دیں گے۔''

گاندھی نے اس تحریک کے لیے مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہیں کی۔ ڈاکٹر امبید کرنے ٹھیک کہا تھا:

''اگر دانستہ طور پر نہ بھی ہو عملی طور پر یہ تحریک مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو نظر انداز کر کے آزادی حاصل کرنے کی ایک کوشش تھی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کانگریس کی نیت کو فوراً بھانپ لیا۔ انہوں نے 31 جولائی 1942ء کو بمبئی سے غیر ملکی پریس کے نام ایک بیان میں بتایا:

''کانگریس ورکنگ کمیٹی کا 14 جولائی کا یہ ریزولیشن کہ برطانیہ کے ہندوستان نہ چھوڑنے پر ایک عوامی تحریک چلائی جائے گی مسٹر گاندھی اور ہندو کانگریس کی انگریزوں کو بلیک میل کرنے کی پالیسی اور پروگرام کی انتہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انگریزوں کو نظام حکومت اور اقتدار ایک ایسی حکومت کو دینے پر مجبور کر دیا جائے جو برطانوی سنگینوں کے سائے میں فورطور پر ہندو راج قائم کر دے، اور اس طرح وہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے مفادات کو کانگریس راج کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔''

حکومت نے گاندھی کی توقع کے خلاف فوری قدم اٹھایا۔ 9 اگست 1942ء کو گاندھی، نہرو، ابوالکلام اور دوسرے کانگریسی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ کانگریسی رہنماؤں کو نظر بندی کے لیے بمبئی سے ایک کوریڈور ریل گاڑی میں پونا اور احمد نگر لے جایا گیا۔ گاندھی اور ان کے انتہائی معتمد پیروکار جن میں مسز سروجنی نائیڈو بھی شامل تھیں ایک کمپارٹمنٹ میں تھے جبکہ باقی کانگریسی رہنما دوسرے کمپارٹمنٹ میں۔ ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''مسز سروجنی نائیڈو ہمارے کمپارٹمنٹ میں آئیں اور ہمیں بتایا کہ گاندھی جی آپ لوگوں سے ملنا چاہتے ہیں، چنانچہ ان سے ملنے کے لیے ہم ان کے کمپارٹمنٹ میں گئے۔ گاندھی جی بہت آشفتہ خاطر نظر آ رہے تھے۔ میں نے انہیں کبھی اتنا اداس نہیں دیکھا۔ اس طرح یک بیک گرفتار ہو جانا ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ ان کو یقین تھا کہ حکومت کوئی سخت اقدام نہیں کرے گی، لیکن ان کے اندازے غلط ثابت ہوئے اور اب وہ اس پریشانی میں تھے کہ کیا کریں۔''

کانگریس کے صف اول کے لیڈروں کی گرفتاری کے بعد مسلم لیگ کے اکثر رہنماؤں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو آزادی کی

محمود علی

2006-1919

جناب محمود علی سلہٹ (مشرقی بنگال) کے ایک معروف علمی اور سیاسی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ محمود علی زمانہ طالبعلمی ہی سے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان سے وابستہ ہو گئے۔ آپ صوبہ آسام مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ 1946ء میں آپ آسام صوبائی مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر صرف 27 برس تھی۔ سلہٹ کو پاکستان میں شامل کرانے کے لیے آپ نے جدوجہد کی۔ اس کا نتیجہ 8 جولائی 1947ء کے ریفرنڈم میں سامنے آیا۔ جب لوگوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ قیام پاکستان کے بعد آپ 1955ء میں دوسری دستور ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے 57-1956 میں مشرقی پاکستان میں صوبائی وزیر رہے اس حیثیت میں آپ نے زرعی اصلاحات نافذ کیں اور اپنی ذات سے اس کا نفاذ کیا آپ تمام جمہوری تحریکوں میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔ 1964ء میں مادر ملتؒ کے صدارتی انتخاب کی مہم میں آپ نے بھرپور حصہ لیا آپ نے صدر ایوب خان کی 1969ء میں بلائی گئی گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔ 1971 میں محمود علی نے نہ صرف عالمی دورہ کیا بلکہ نیویارک میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 26ویں اجلاس میں پاکستانی وفد کی قیادت کی۔ 1971ء میں جنگی جارحیت کے ذریعے مشرقی پاکستان کی زبردستی علیحدگی کو آپ نے قبول نہیں کیا اور اپنے ہی وطن میں ہجرت کر کے اسلام آباد میں رہائش اختیار کی۔ 1971ء سے 2006 تک آپ تاحیات وفاقی وزیر کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ متحدہ پاکستان کے داعی تھے اور ساری زندگی قرارداد (1940) کی تکمیل کے لئے سرگرم رہے آپ نے 1985 میں تحریک تکمیل پاکستان کی بنیاد رکھی۔ 17 نومبر 2006ء کو آپ کا لاہور میں انتقال ہوا۔

خاطر کانگریس کی حمایت میں انگریزوں کے خلاف تحریک میں بھرپور حصہ لینا چاہیے، کیونکہ جیل سے باہر رہ جانے والے کانگریسی رہنما اور بڑے بڑے ہندو بیوپاری یہ پروپیگنڈہ کر رہے تھے کہ اب کانگریس مسلمانوں کے لیے اسی نوعیت کی آزادی کی خواہاں ہے جس کا مسلم لیگ مطالبہ کر رہی تھی۔ اس موقع پر مسلم لیگ کا لائحہ عمل طے کرنے کے لیے 16 اگست 1942ء کو بمبئی میں مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ بعض ممتاز ارکان کی سوچ یہی تھی کہ اس تحریک میں کانگریس کی مدد کرنا چاہیے۔ قائداعظم محمد علی جناح کو اس نقطہ نظر سے اتفاق نہیں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان قوم کے مفادات یہ تقاضا کرتے ہیں کہ برطانیہ اور کانگریس دونوں میں سے کسی سے بھی میل ملاپ نہ رکھا جائے، اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مسلم لیگ کی تنظیم کو مضبوط کیا جائے۔ تھوڑی دیر میں چار کے سوا سب ارکان قائداعظم محمد علی جناح کے ہم نوا ہو گئے۔ ان میں سے تین، حسن اصفہانی، نواب اسماعیل خان اور راجہ صاحب محمود آباد، نے وعدہ کیا کہ وہ اس کی مخالفت سے اجتناب کریں گے، لیکن اگر تین مہینے کے اندر واقعات صدر کی پیش گوئی کے مطابق رونما نہ ہوئے تو وہ مجلس عاملہ سے مستعفی ہو جائیں گے۔ صرف سندھ کے جی ایم سید اپنی رائے پر ڈٹے رہے، اور رائے شماری کے وقت انہوں نے قرارداد کے خلاف اپنا ووٹ دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کی یہ میٹنگ چار روز تک جاری رہی۔ اس کمیٹی نے اس پر شدید رنج کا اظہار کیا کہ کانگریس ہندوستان میں ہندو راج کے قیام کے لیے کھلی بغاوت کا آغاز کر رہی ہے۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ پرامن رہیں اور اس تحریک کے دوران کانگریس کے خلاف سرگرمیوں میں بھی شامل نہ ہوں۔ یعنی اس تحریک میں بالکل غیر جانبدار رہیں۔

یہاں ہم اصفہانی کی زبانی ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''قیام پاکستان کے بعد مجھے جی ایم سید سے ملنے کا اتفاق ہوا جنہوں نے مجھے ایک ایسی بات بتائی جس کا مجھے علم نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ جب میں اپنا مخالفت کا ووٹ ڈال چکا تو میرے دو ساتھیوں (آسام کے) عبدالمتین چودھری اور (سرحد کے) اورنگ زیب خاں نے ترغیب دی کہ میں قائداعظم کے پاس جا کر اپنا ووٹ واپس لے لوں۔ چنانچہ میں نے قائداعظم سے کہا کہ جناب والا، میرا خیال تو اب بھی وہی ہے لیکن اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میرے فعل سے مجلس عاملہ کے ارکان کے خوشگوار باہمی تعلقات کے بارے میں عوام کو غلط فہمی ہو گی تو میں آپ کو یہ اختیار دیتا ہوں کہ آپ قرارداد کے بلا مخالفت منظور ہونے کا اعلان کر دیں۔ قائداعظم نے شکریے کے ساتھ ان کے ووٹ کی واپسی منظور کر لی اور کہا کہ تین مہینے کے اندر آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا خیال صحیح ہے۔''

مجلس عاملہ کا اجلاس ختم ہونے کے بعد، اصفہانی اور راجہ صاحب محمود آباد مزید دو دن تک بمبئی ٹھہرے رہے۔ قائداعظم نے ان سے کہا:

''اگر تین ماہ کے اندر میری بات صحیح ثابت نہ ہوئی تو میں خود مسلم لیگ کی صدارت سے مستعفی ہو جاؤں گا۔''

تین مہینے تو دور کی بات ہے، چند ہی روز بعد اصفہانی اور راجہ صاحب پر حقیقت واضح ہو گئی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں گاندھی اور نہرو کے مضامین میں جو 22 اگست 1942ء کے ''ہریجن'' اور 23 اگست کے ''بمبئی کرانیکل'' میں شائع ہوئے تھے پڑھنے کے لیے دیے۔ یہ دونوں آرٹیکل کانگریس کی مجلس عاملہ کے ارکان کی گرفتاری سے چند روز پہلے لکھے گئے

تھے۔ ان سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ مسلمانوں کے بارے میں کانگریس کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ یہ مضامین پڑھ کر اصفہانی اور راجہ صاحب، قائداعظم محمد علی جناح کے ہم خیال ہو گئے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اگر قائداعظم محمد علی جناح کے مشورے کی روشنی میں مسلم لیگ یہ فیصلہ نہ کرتی تو ہندوستان میں مسلمانوں کا مقدر طویل مدت کے لیے ظلمتوں کے زیر اثر آجاتا۔ مسلمان حکومت سے ٹکرا جاتے، اور آخر کار زمام حکومت ہندو کانگریس کے ہاتھ میں ہوتی۔ کانگریس شروع ہی سے ایسی جمہوری حکومت کے قیام کی خواہش مند تھی، جس میں ہر تین غیر مسلموں کے مقابلے میں مسلمانوں کا ایک ووٹ ہو! ایسی حکومت ہندو راج ہی کا دوسرا نام ہوتا۔

اس کے بعد کے تین برسوں میں مسلم لیگ نے اپنے آپ کو اچھی طرح منظم کیا، اور اپنا اثر و رسوخ خوب بڑھایا۔ چنانچہ 1942ء اور 1945ء کے درمیان، لیگ نے سندھ، بنگال اور سرحد حتیٰ کہ آسام کے غیر مسلم اکثریت کے صوبے میں بھی اپنی حکومت قائم کر لی۔ صرف پنجاب میں مسلم لیگ کی حکومت قائم نہ ہو سکی۔

حقیقت یہ ہے کہ گاندھی کی ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک سے قائداعظم محمد علی جناح نے پورا پورا فائدہ اٹھایا، اور پاکستان کے قیام کے لیے راہ ہموار کی۔

ہندوستان کا سیاسی مستقبل

9 مارچ 1940ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے بارے میں مشہور انگریزی ہفتہ وار اخبار ٹائم اینڈ ٹائیڈ میں واضح طور پر لکھا تھا:

''ہندوستان کا سیاسی مستقبل کیا ہے؟
جہاں تک حکومت برطانیہ کا تعلق ہے وہ اپنے اس مقصد کا اعلان کر چکی ہے کہ جلد از جلد (Status of west Minister) کے مطابق دولت مشترکہ کے دوسرے ارکان کے برابر آزادی دی جائے گی، اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ ہندوستان میں اسی قسم کا جمہوری آئین نافذ کرنا چاہتی ہے۔ جس کا اسے خود تجربہ ہے، اور جسے وہ سب سے بہتر سمجھتی ہے۔ اس طرز کے آئین کا بنیادی اصول یہ ہے کہ جو سیاسی جماعت انتخابات میں کامیاب ہو اسی کے ہاتھ میں عنانِ حکومت ہو۔
یہ ارادہ بہ ظاہر صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن ہندوستان کے مخصوص اور غیر معمولی حالات کو دیکھتے ہوئے نہایت غیر مناسب ہے۔''

اپریل 1933ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے عیدالاضحیٰ کے موقع پر مسجد احمدیہ لنڈن میں ایک تقریب میں شرکت کی۔ یہ تقریب سر سٹیوارٹ سنڈیمن ایم اے کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس تقریب سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''اب ہندوستان بہت جلد ترقی کرے گا نیز یہ قرطاس ابیض کی تجاویز ہندوستان کو مطمئن نہیں کر سکتیں، انہیں کامل خود مختاری ملنی چاہیے۔''

صدر جلسہ نے ان کے خیالات سے اختلاف کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریر کا آغاز ان الفاظ سے کیا:

"The Eloquent Persuation of the Imam left meno Iscape."

ترجمہ: ''امام صاحب کی فصیح و بلیغ ترغیب نے میرے لیے کوئی راہ بچنے کی نہیں چھوڑی۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی یہ تقریر برطانوی اور ہندوستانی پریس کی خاص توجہ کا مرکز بنی، اور دی ایوننگ سٹینڈرڈ (لندن)، ہندو مدراس، دی سٹیٹمین کلکتہ، مدراس میل (مدراس)،

پائنیر الہ آباد ویسٹ افریقہ افریقہ، اجپشین گزٹ اسکندریہ جیسے مقتدر اخبارات نے اس کی خبر شائع کی ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''ہندوستان سماجی، اقتصادی اور سیاسی طور پر ترقی کر رہا ہے، اور ملک میں ایک نئی سیاسی زندگی ابھر رہی ہے لیکن تاوقتیکہ ایک معقول حد تک سیلف گورنمنٹ نہ دی جائے اطمینان یا امن کی امید رکھنا عبث ہے حالات یہ صورت اختیار کر گئے ہیں کہ انگریزی راج یا سلطنت برطانیہ کے اندر رہتے ہوئے ہندوستانی راج میں سے ایک کو اختیار کرنے کا مسئلہ پیدا ہو چکا ہے۔''

اس تقریر نے انگلستان اور ہندوستان دونوں ممالک میں زبردست تہلکہ مچا دیا تھا جس کے بعد نواب زادہ لیاقت علی خاں اور ان کی بیگم قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں جولائی 1933ء میں حاضر ہوئے اور ہندوستان واپس آنے کی درخواست کی جسے قائداعظم محمد علی جناح نے منظور کر لیا اور وہ ہندتشریف لے آئے۔

ہندوستان کا مستقبل

31 دسمبر 1916ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خطبہ میثاق لکھنؤ میں فرمایا:

''ہندوستان کے مستقبل، ہندوستان کے اتحاد، آئین کی آزادی کی جدوجہد کا دار و مدار بڑی حد تک اپنے فیصلوں پر ہوگا، فیصلے کا وقت آن پہنچا ہے، راہیں صاف طور پر کھلی ہیں، اور انتخابات ہمارے ہاتھ میں ہیں۔''

ہندوستان کے آئینی مسائل

روزنامہ نوائے وقت مورخہ 10 جنوری 1970ء میں چوہدری محمد انور بیرسٹر ایڈووکیٹ لاہور ہائی کورٹ نے یہ انکشاف کیا:

''قائداعظم نے قراردادِ پاکستان کی روشنی میں ہندوستان کے آئینی مسائل کے نام سے آئین سازی کے مختلف ماہرین کے مضامین کا مجموعہ ترتیب دیا تھا یہ مضامین قائداعظم نے خود فرمائش کر کے لکھوائے تھے، اور اس مجموعہ کو بمبئی سے مطلوب الحسن سید نے 1940ء میں شائع کرایا اس کتاب پر ایڈیٹر کی حیثیت سے بابائے ملت حضرت قائداعظم کا نام درج تھا۔ اس کتاب کی ایک جلد پنجاب پبلک لائبریری میں 1940ء میں آئی تھی۔ جسے 1942ء میں ہیلی کالج آف کامرس لاہور کے ایک طالب مسٹر ذوالفقار نے لائبریری سے حاصل کیا، اور کچھ عرصہ بعد کتاب واپس نہ کرنے کی پاداش میں اس کی قیمت ادا کر دی۔''

ہندوستان کی جنگِ آزادی

اس کتاب کو خان جی دیوداس نے لکھا۔ یہ کتاب 1926ء میں کلکتہ سے حیات قائداعظم میں ہی لکھی گئی۔ مصنف نے اس کتاب میں اہم سرمایہ کاروں کا تذکرہ کیا تھا جس میں سے دس بڑے سرمایہ کاروں کا نام آیا اس میں قائداعظم محمد علی جناح بھی شامل تھے، اور ان کی وفات تک سرفہرست دس افراد میں ان کا نام شامل رہا۔

یہ بات کراچی میں 5 دسمبر 1984ء کو وزیر قانون و پارلیمانی امور سید شریف الدین پیرزادہ نے کمپنی لاء 1984ء کے موضوع پر ایک سیمینار منعقدہ کراچی سے خطاب کرتے ہوئے بتائی۔ بقول ان کے قائداعظم محمد علی جناح چاہتے تھے:

''کمپنیاں اپنے شیئرز ہولڈرز (حصہ داروں) کو نہ صرف زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کریں بلکہ انہیں منظم بھی کریں۔''

اور وہ خود بھی بڑے پیمانے پر حصص کی خریداری پر سرمایہ

کاری کرتے تھے۔

ہندوستانی مجلس کیمبرج

(دیکھیے: کیمبرج مسلم ایسوسی ایشن)

ہنس راج پراچی تھکسیری

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے ہوم رول لیگ کے ساتھی تھے۔ جب قائداعظم محمد علی جناح نے گاندھی کے رویے کے خلاف اور ہوم رول لیگ کے سوراج میں تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے احتجاجاً استعفیٰ دے دیا، اس کے ساتھ ان کے جو 19 ساتھی بھی مستعفی ہوئے ان میں ہنس راج پراچی تھکسیری بھی شامل تھے۔

ہوڑہ ریلوے اسٹیشن

یہ کلکتہ کا ریلوے اسٹیشن ہے۔ 16 اپریل 1938ء کو صوبائی مسلم لیگ کے ایک خصوصی اجلاس میں شرکت کے لیے قائداعظم محمد علی جناح تشریف لائے تھے ان کی آمد پر قائداعظم محمد علی جناح کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا، اور ہوڑہ ریلوے اسٹیشن سے قائداعظم محمد علی جناح کو جلوس کی شکل میں جلسہ گاہ لے جایا گیا۔

ہوم رول لیگ

❶ قائداعظم محمد علی جناح اس وقت ہوم رول لیگ کے صدر بنے جب مسز اینی بیسنٹ کو نظر بند کر دیا گیا۔ اس وقت انہوں نے کہا:

''مسلمانوں کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ وہ اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ شامل ہو جائیں، اور ہندوؤں کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ وہ اپنے پس ماندہ بھائیوں کو اوپر اٹھائیں، اور اس طرح ہوم رول لیگ کو مضبوط کریں اور خوف و ہراس کو دل سے نکال دیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی ایسوسی ایشن کے ایک جلسہ منعقدہ 1917ء میں مسز اینی بیسنٹ صدر ہوم رول لیگ کی نظر بندی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کہا:

''حکومت ہوم رول لیگ کو نظر بند نہیں کرنا چاہتی بلکہ وہ حکومت خود اختیاری کی اس سکیم کو بھی ختم کرنا چاہتی ہے، جس کو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے منظور کیا ہے، ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم تہہ دل سے اس سکیم کے حق میں ہیں، اور جنگ کے بعد ہم اس سکیم پر اپنی بساط کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔''

ایک موقع ایسا بھی آیا کہ قائداعظم محمد علی جناح نے گاندھی کو اس کی صدارت پیش کی۔

ہوم رول لیگ کا قیام 1916ء میں مسز اینی بیسنٹ کی کوششوں سے عمل میں آیا۔

❷ 25 اکتوبر 1920ء کو قائداعظم محمد علی جناح ہوم رول لیگ سے مستعفی ہو گئے۔ لیگ کی بانی مسز اینی بسنٹ اس سے قبل ہی اسے چھوڑ چکی تھیں۔ مسز اینی بسنٹ کے لیگ کو چھوڑ جانے کے بعد گاندھی اس کے صدر منتخب ہوئے۔ جب مسز اینی بیسنٹ لیگ کی صدر تھیں، اور قائداعظم محمد علی جناح اس میں شریک تھے، اس وقت لیگ کا منصوبہ تھا:

''برطانیہ سے مکمل آزادی حاصل کی جائے۔''

ان واقعات پر قائداعظم محمد علی جناح کا ردِ عمل وہی ہوا، جس کی ان کے سے مزاج رکھنے والے شخص سے توقع تھی۔ ان کا ذہن بالکل صاف تھا، اور ان کے قانونی انداز فکر نے انہیں مجبور کیا کہ وہ ایک بار پھر واضح کر دیں کہ وہ ایسی حکومت کے قیام کے خواہاں ہیں، جو لوگوں کے سامنے جواب دہ ہو، اور یہ ہی چاہتے ہیں کہ ایسی حکومت آئینی جدوجہد کے ذریعے حاصل کی جائے۔

ہوم رول لیگ کے اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اعتراف کیا:

''یہ اجلاس آئین میں ترمیم کرنے کا مجاز نہیں۔''
صدر مجلس نے اس کا جواب یہ دیا:
''جس ممبر کو نیا آئین قبول نہ ہو، وہ خوشی سے لیگ سے الگ ہو جائے۔''
اس پر قائداعظم محمد علی جناح کے ہمراہ 19 دیگر ممبران نے ہوم رول لیگ کو خیر باد کہا۔
اس اقدام سے قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی آزاد خیالی پوری طرح ثابت کر دی، اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ غیر آئینی سیاسی جدوجہد کے سخت مخالف ہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ وہ گاندھی کے انداز فکر اور طور طریقوں کو دل سے ناپسند کرتے ہیں۔
گاندھی نے ان دنوں محمد علی جناح کو جو اس وقت قائداعظم نہیں تھے، صرف محمد علی جناح تھے، ایک خط لکھا، اور ان سے استدعا کی:
''آپ ہوم رول لیگ میں واپس آ جائیں، اور ملک کی نئی سیاسی زندگی میں پوری طرح شریک ہوں۔''
محمد علی جناح نے صاف انکار کر دیا، اور اپنے جوابی خط میں اپنے خیالات اچھی طرح واضح کر دیے۔ آپ نے اپنے خط میں لکھا:
''آپ نے مجھے ملک کی نئی سیاسی زندگی میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں، لیکن اگر اس ''نئی زندگی'' سے آپ کا مطلب وہ پروگرام ہے، جس کا آپ نے اعلان کیا ہے، اور وہ طریق کار جو آپ نے تجویز کیا ہے، تو مجھے افسوس ہے کہ میں اس نئی زندگی میں حصہ لینے کو تیار نہیں، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ آپ نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ ملک کو تباہی کی طرف لے جائے گا۔ اب تک آپ نے جس سیاسی انجمن یا تحریک میں قدم رکھا، اس میں آپ کے عجیب و غریب طریق کار کے باعث پھوٹ پڑ گئی، آج ملک بھر میں بڑی بے چینی ہے، اور عوام کی مایوسی خطرناک صورت حال اختیار کر چکی ہے۔ آپ کی تحریک میں بڑا غلو اور شدت ہے اور فی الحال اس نے ناپختہ نوجوانوں کو اور ان پڑھ عوام کے ذہنوں کو مسحور کر لیا ہے۔ اگر آپ نے یہ تحریک اسی طرح جاری رکھی تو مجھے اندیشہ ہے کہ بہت جلد ملک میں بدامنی اور گڑبڑ پھیل جائے گی، اور پھر اس کا انجام تباہ کن ہو گا، میں تو اس کے خیال سے ہی کانپ اٹھتا ہوں۔''

ہوم رول تحریک

قائداعظم محمد علی جناح نے 1917ء میں ہوم رول تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ کانگریس کمیٹی اور مسلم لیگ کونسل نے مشترکہ اجلاس میں آپ کو مع دیگر رہنمایانِ قوم برطانیہ بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ ذمہ دارانِ حکومت برطانیہ کو ہندوستان کے تمام سیاسی حالات سے باخبر کیا جائے۔ آپ سے ایک بیان تیار کروا کر وزیر ہند کو بھیجا گیا۔ جس میں وزیراعظم کے لیے حکومتِ خود اختیاری کا مطالبہ کیا۔ آپ کو اس وفد کا رکن بنا دیا گیا۔

ہوم رول لیگ بمبئی

(دیکھئے: کامرار جی گوکل داس ہال)

ہومیو پیتھی

قائداعظم محمد علی جناح ہومیو پیتھی طریق علاج سے بڑے متاثر تھے قائداعظم محمد علی جناح کو یہ احساس تھا:
''یہ طریق علاج نہ صرف انتہائی کامیاب ہے بلکہ کم خرچ بھی ہے۔''
قیامِ پاکستان سے قبل بارہ بنکی کے ایک پبلشر کے نام قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ایک پیغام میں فرمایا:

''مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے کہ ہومیو پیتھک طریق علاج امریکہ اور یورپ کے علاوہ اب اس برعظیم میں بھی ہر طبقہ کے لوگوں میں مقبول ہوتا جا رہا ہے، چنانچہ یہ ضروری ہے کہ جو لوگ کفایت بخش اور موثر طریق علاج سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں وہ اس میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیں۔''

ہیتھ روڈ

(دیکھئے: ویسٹ ہیتھ ہاؤس)

ہیرا سنگھ کیپٹن

16 ستمبر 1924ء کو ڈاکٹر ایس ایچ غور نے امپیریل لیجسلیٹو اسمبلی میں ایک تحریک پاکستان پیش کی:

''ایوان انڈین کریمینل لاء امینڈمنٹ ایکٹ 1908ء کی بعض دفعات پر غور کرے سر الیگزنڈر مڈی مین، ایچ ای ہوم، اے سی چٹر جی کے ساتھ کیپٹن ہیرا سنگھ نے اس تحریک کی مخالفت کی جب کہ قائداعظم محمد علی جناح نے اس تحریک کے حق میں تقریر کی اور حکومت پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا:

''جنگ کے خاتمے پر ہماری خدمات وخلوص کا صلہ ہم کو رولٹ ایکٹ کی صورت میں دیا گیا تھا، اور اب ایک مرتبہ پھر ہم پر کالے قوانین مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔''

اے سی چٹر جی نے انہیں مشورہ دیا:

''آپ مستعفی ہو جائیں۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''اب ایسا نہیں ہوگا اور من مانی کارروائی کرنے کی مہلت نہیں دی جائے گی۔ اب عوام کو ان کا جائز حق مل کر رہے گا۔''

ایوان میں جب یہ بل دوبارہ پیش ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح نے پھر اس کی مذمت کی۔

ہیکٹر بولائیتھو

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے سوانح نگار تھے، انہیں قائداعظم محمد علی جناح کی سوانح حیات لکھنے پر حکومت پاکستان نے 2 لاکھ 84 ہزار روپے ادا کیے تھے۔ وہ 9 جنوری 1952ء کو کراچی پہنچے اور قائداعظم محمد علی جناح کی سرکاری سوانح لکھنے کا اعزاز حاصل کیا۔

(حالات کے لیے دیکھئے: بولائیتھو ہیکٹر)

ہیسٹنگز روڈ

نئی دہلی میں واقع قائداعظم محمد علی جناح کا وہ مکان جو ہیسٹنگز روڈ پر واقع تھا۔ 3 اپریل کو اس مکان میں انہوں نے ارکان اسمبلی اور اپنے دیگر رفقاء کار کو ایک عصرانہ دیا۔

ہیمپ اسٹیڈ

لندن کا ایک علاقہ ہے، جہاں قائداعظم محمد علی جناح نے جون 1931ء میں ویسٹ ہیتھ روڈ پر ایک عالی شان مکان دیکھا۔ یہ ویسٹ ہیتھ ہاؤس تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح مکان کے سامنے ٹھہر گئے، اور وہ انہیں وہ مکان پسند آ گیا اس سہ منزلہ کوٹھی میں بہت سے کمرے اور چھپر تھے اور ایک اونچا سا مینار بھی، جس سے گرد و نواح کے علاقے کا منظر خوب نظر آتا تھا، مکان کے ساتھ ایک دربان خانہ گاڑیوں کے لیے ایک سڑک اور آٹھ ایکڑ کا باغ اور چراگاہ بھی تھی۔ یہ مکان انیسویں صدی کے آخری عشرے کا بنا ہوا تھا۔

ے

یادگار اشیاء (سفری نمائش)

یکم اکتوبر 1976ء کو وفاقی وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ نے کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح کی یادگار اشیاء کی نمائش کا افتتاح کیا۔ مزار قائداعظم پر خطاب کرتے انہوں نے کہا:

''سفری نمائش کے انعقاد کا مقصد یہ ہے کہ پاکستانیوں کی موجودہ اور آئندہ نسلوں کو برصغیر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو اس تاریخی جدوجہد سے آگاہ کیا جائے، جو انہوں نے آزاد قوم اور ملک کے حصول کے لیے کی۔

قائداعظم محمد علی جناح کی زیر قیادت اس جدوجہد کا نتیجہ بالآخر پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔''

اس سفری نمائش کا اہتمام آثار قدیمہ اور عجائب گھروں کی نظامت نے کیا اور یہ نمائش ملک کے 11 بڑے شہروں کراچی، حیدرآباد، لاڑکانہ، کوئٹہ، بہاول پور، ملتان، ڈیرہ اسماعیل خان، پشاور، لاہور، لائل پور (فیصل آباد) اور اسلام آباد میں دکھائی گئی۔ اس نمائش میں قائداعظم محمد علی جناح کی سینکڑوں اشیاء رکھی گئی تھیں۔ جن میں دو ذاتی کاریں، قانون کی کتب، کپڑے، جوتے، عینکیں، پاسپورٹ، برتن، تلواریں، رائفلیں اور فرنیچر شامل ہے۔ نمائش میں وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے 1945ء اور 1948ء کے قائداعظم محمد علی جناح کے نام دو خطوط بھی شامل تھے۔

یادگار اشیاء کا تحقیقاتی کمیشن

7 جنوری 1970ء بروز بدھ بمطابق 28 شوال 1389ھ کو حکومت پاکستان نے قائداعظم محمد علی جناح کی نادر اشیاء اور دستاویزات میں سے قومی اہمیت کی حامل اشیاء اور دستاویزات کے تعین اور ان کی چھان بین کرنے کے لیے ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کیا، اور مسٹر ایم ایچ اصفہانی اس کے سربراہ مقرر ہوئے۔ راجا صاحب محمود آباد اور ڈائریکٹر محکمہ آثار قدیمہ ایس ایم خاں کو بھی اس میں شامل کرلیا گیا۔ کمیشن کا دائرہ کار یہ تھا۔

1. قائداعظم محمد علی جناح کی ورثہ میں چھوڑی ہوئی ہر قسم کی املاک
2. یہ اشیاء کس جگہ اور کس کی تحویل میں ہیں
3. مندرجہ بالا املاک میں سے کن کو قومی اہمیت کی یادگاروں کے طور پر محفوظ کیا جاسکتا ہے۔

حکومت کے کمیشن کو ہدایت کی:

''وہ تمام تحقیقات مکمل کر کے اپنی رپورٹ چھ ماہ کے اندر اندر پیش کرے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی یادگار اشیاء اور دستاویزات کی دیکھ بھال کے سلسلے میں حکومت نے ٹھوس اقدامات کیے۔ مثلاً قائداعظم محمد علی جناح کی مشہور بگھی کو محکمہ آثار قدیمہ کی تحویل میں دے دیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی جو دستاویزات اور وزارت تعلیم اور قومی امور کے بورڈ آف ریسرچ اینڈ ریفرنس کے پاس تھیں۔ انہیں ایجوکیشن ڈویژن کے حوالے کیا گیا۔ دریں اثنا سرکاری افسروں اور معزز شہریوں پر مشتمل ایک کمیٹی بھی تشکیل دی گئی۔

یادگار انتخاب

نئے انتخابات کا اعلان ہوا۔ سب سے پہلے مرکزی اسمبلی کے انتخابات کی ہما ہمی اور گہما گہمی شروع ہوئی، کانگریس اعلان کر چکی تھی:

''وہ ہر ہر مسلم نشست کے لیے اپنی اتحادی (Ally) جماعتوں کے توسط سے یا بطور خود مسلم امیدوار کھڑے کرے گی۔''

مسلمان اس اعلان کو سن چکے تھے، اور غیر مسلم لیگی امیدواروں کو خوش آمدید کہنے اور ان کا پرتپاک استقبال کرنے کو تیار تھے۔ عام خیال یہ تھا:

''مسٹر جناح حسبِ معمول بلا مقابلہ منتخب ہوں گے، اور ان کے مقابلہ میں کانگریس کے شاطر کسی مہرہ کو کھڑا کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔''

یہ خیال غلط ثابت ہوا، اور بالآخر ایک عرصہ تک تامل اور تذبذب کے بعد مسٹر حسین بھائی لالجی دفعتاً انتخاب کے پردۂ سیمیں پر دلہن کے روپ میں جلوہ گر ہوئے اور 3 کروڑ شیعانِ ہند کے خود ساختہ بے تاج اور واحد نمائندہ بن کر میدانِ مقابلہ میں کود پڑے۔ یہی حسین بھائی 1923ء میں جب مسٹر جناح ''قائداعظم'' نہیں تھے، مقابلہ سے دستبردار ہو چکے تھے، لیکن 1945ء میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کا حریف بننا منظور کر لیا۔

چنانچہ 17 اکتوبر 1945ء کو لکھنؤ سے ایک بیان دیتے ہوئے موصوف نے اعلان کیا:

''مرکزی اسمبلی کے لیے مسٹر جناح کا مقابلہ کرنے میں کوئی چیز میری سدِ راہ نہیں بن سکتی، کامیابی کے مجھے مواقع حاصل ہیں۔''

31 اکتوبر 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانانِ بمبئی کے سامنے ایک اہم انتخابی تقریر کی۔ انہوں نے فرمایا:

''میرے کاغذاتِ نامزدگی مرکزی اسمبلی کے لیے داخل کر دیے گئے ہیں، کیونکہ مجھے بھی ٹکٹ مل گیا تھا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس جھنجھٹ کے علاوہ مجھے اتنے زیادہ کام کرنے پڑتے ہیں کہ یہ کام میں پسند نہیں کرتا، لہٰذا مجھے آپ کا حکم مان کر یہ کام کرنا ہی چاہیے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ اس کے لیے ایک ایڈووکیٹ کی ضرورت ہے، جو آپ کے حقوق کی نمائندگی کر سکے۔

اگر آپ مجھے اسمبلی میں بھیجنا چاہتے ہیں تو میں بھی آپ کی خدمت کروں گا۔''

26 نومبر 1945ء انتخاب کی تاریخ کی صبح ہی سے سارے شہر میں ایک عجیب وغریب چہل پہل اور گہما گہمی نظر آرہی تھی۔ مسلم لیگ کے رضا کار، قائداعظم محمد علی جناح کے عقیدت مند، مسلم قوم کے جانباز پورے جوش وخروش کے ساتھ مصروفِ عمل تھے۔

جسٹس بھائی لال جی اس حلقے سے کھڑے ہوئے تھے، جہاں شیعہ ووٹروں کی غیر معمولی کثرت ہے، وہ شیعوں کے واحد نمائندہ کی حیثیت سے کھڑے ہوئے تھے، وہ بہ نفسِ نفیس شہر میں موجود تھے اور قائداعظم محمد علی جناح بمبئی سے باہر مسلم لیگ کے لیے دورے کر رہے تھے۔ پھر بھی کیفیت یہ تھی کہ قائداعظم محمد علی جناح کے خیمے کارکنوں سے، عقیدت مندوں سے، ووٹروں سے بھرے ہوئے تھے اور حسین بھائی لال جی کے خیموں میں سوا چند ہندو کارکنوں کے کوئی نہ تھا۔ شیعہ کارکنوں کی ایک بڑی تعداد قائداعظم محمد علی جناح کے کیمپ میں موجود تھی، لیکن لال جی کے ہاں کوئی شیعہ بھی نہیں تھا۔

بائیکلہ چرچ میں جب محترمہ فاطمہ جناح اپنا ووٹ دینے آئیں تو اس وقت بہت بڑے ہجوم نے جو دروازے پر کھڑا تھا

منور علی

1951-1894
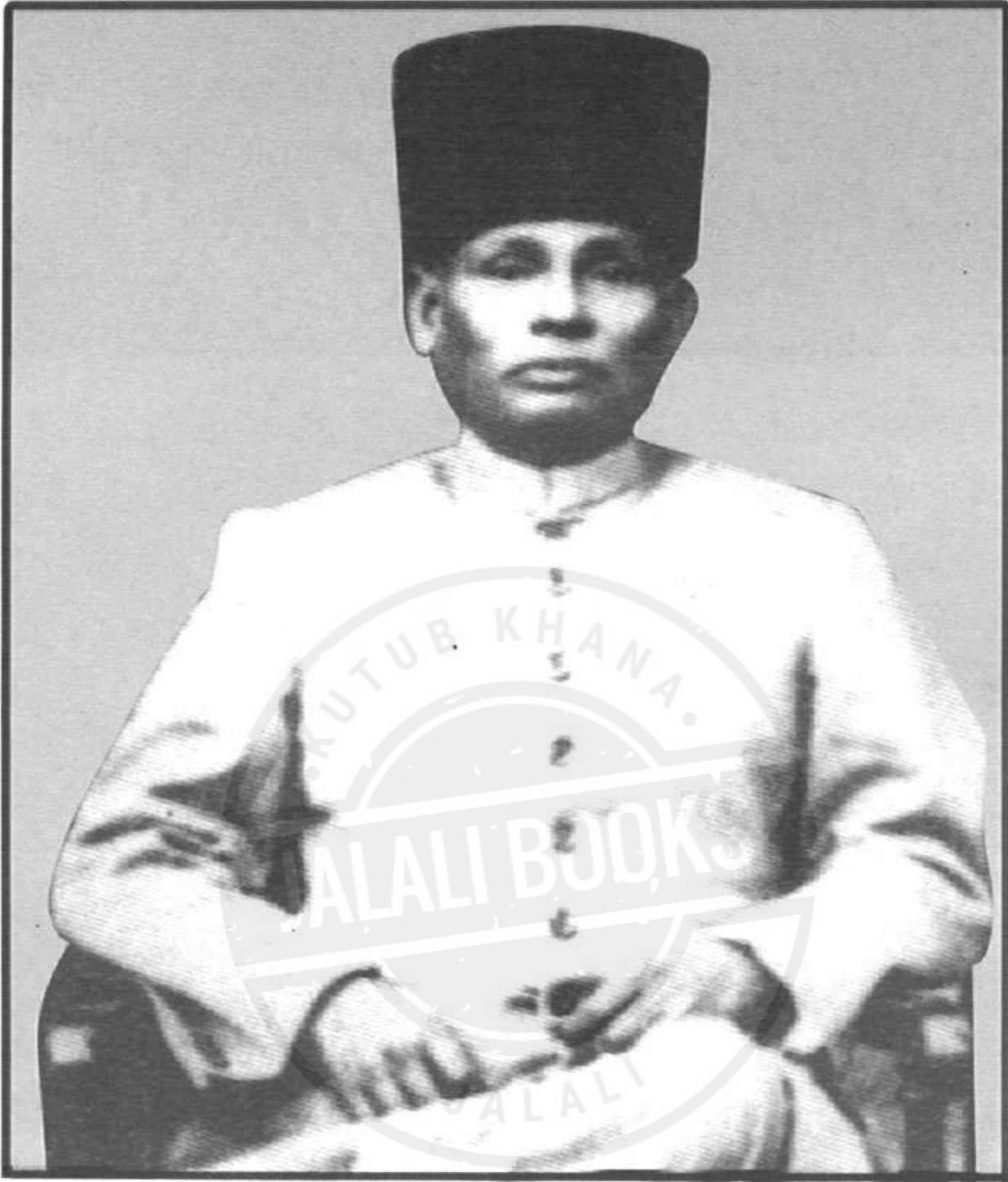
منور علی 1894ء میں سلہٹ (مشرقی بنگال) میں پیدا ہوئے۔ تحریک پاکستان کے سلسلے میں ان کی خدمات قابل ستائش ہیں۔ انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی اور آسام مسلم لیگ کے پارلیمانی بورڈ کے سیکرٹری بنائے گئے جس نے آسام میں مسلم لیگ کی تشکیل دیا۔ ان کی کوششوں سے 1946ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ کو آسام اسمبلی کی 34 میں سے 32 نشستوں پر شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ بعد میں جولائی 1947ء میں منور علی نے سلہٹ کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی تاریخی فتح میں نمایاں حصہ لیا۔ تقسیم ہند سے قبل منور علی مرحوم نے آسام میں مسلم لیگی ممبر کی حیثیت سے سید سر سعد اللہ کی مخلوط وزارت میں خدمات انجام دیں۔ تقسیم ہند کے بعد 1947ء میں مشرقی بنگال کی قانون ساز اسمبلی کے پہلے سپیکر چنے گئے۔ منور علی نے 11 ستمبر 1951ء کو مختصر سی علالت کے بعد وفات پائی۔

''اللہ اکبر'' اور ''قائداعظم زندہ باد'' کے نعروں سے ان کا خیر مقدم کیا۔

انجمن اسلام ہال سب سے بڑا پولنگ اسٹیشن تھا، یہاں انتظامات کی دیکھ بھال کے لیے مسٹر فاروقی کلکٹر بمبئی موجود تھے۔ دوپہر کو سر جان کول ویل گورنر بمبئی بھی تشریف لائے۔ حاضرین نے ''پاکستان زندہ باد'' کے نعروں سے ان کا خیر مقدم کیا۔

خواتین کے لیے ووٹ کا الگ انتظام تھا۔ یہاں خواتین رضا کار موجود تھیں، لال جی نے خوجوں اور بوہروں کو توڑنے کی بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ خوجہ اور بوہرہ ووٹروں نے بہت بڑی تعداد میں قائداعظم محمد علی جناح کو ووٹ دیے۔ خوجوں اور بوہروں کے بڑے بڑے لیڈر یہاں قائداعظم محمد علی جناح کے کارکن کی حیثیت سے موجود تھے۔ یہاں 70 اور 80 سال کے خوجے بھی تھے۔ آنکھوں سے معذور، دست و پا مرتعش، سماعت سے محروم، لیکن وہ اس جوش سے قائداعظم محمد علی جناح کو ووٹ دینے جا رہے تھے، جیسے کوئی بہت بڑی دولت لینے جا رہے ہوں۔

انتخاب سے ایک روز قبل یہ افواہ اڑائی گئی:

''سر آغا خان نے خوجوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ مسٹر جناح کو ووٹ نہ دیں، بلکہ لال جی کو دیں۔''

مشہور خوجہ لیڈر حبیب ابراہیم رحمت اللہ نے آگرہ میں ہز ہائی نس کو ٹیلی فون کیا، اور حقیقت حال دریافت کی، ہز ہائی نس نے بڑے اضطراب کے ساتھ اس کی تردید کی اور حبیب ابراہیم رحمت اللہ کو ہدایت کی:

''آپ فوراً اس افواہ کی تردید کر دیں، اور یہ اعلان کر دیں کہ میں مسلم لیگ کی کامیابی کا متمنی ہوں۔''

آخر 14 دسمبر 1945ء کو نتیجہ شائع ہو گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کو 3602 ووٹ ملے اور مسٹر لال جی کو صرف 127 ووٹ، ان کی ضمانت ضبط ہو گئی۔

یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ

یہ عبداللہ بٹ کی آخری کتاب ہے۔

اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح پر مقالہ ان الفاظ میں ختم ہوتا ہے۔

''پاکستان کا نعرہ ہندوؤں کی تنگ نظری اور تعصب ہی کا ردعمل ہے۔ مسلمان کو جب اقتصادی طور پر بے دست و پا کر دیا جائے اور سماجی طور پر اچھوت سمجھا جائے تو یقیناً اس کا ردعمل ایک انتہا پسند نعرے کی صورت میں نمودار ہوگا۔ اس نعرے کو تقویت دینے کے لیے اس پر مذہبی رنگ چڑھا دیا گیا۔ اصل میں یہ تحریک کوئی مذہبی تحریک نہیں ہے۔ مذہبی تحریکیں تو ان لوگوں کی قیادت میں چل سکتی ہیں، جو مذہب کے کماحقہ واقف ہوں، لیکن مسٹر جناح مذہبی آدمی نہیں ہیں۔ اس کے باوجود مسلمانوں کی اکثریت انہیں اپنا قائد سمجھتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے جذبات کی کامیابی سے وکالت کی ہے، اور انہیں آئینی دستور کی اصطلاحوں میں پیش کیا ہے۔

مسٹر جناح، پاکستان اور مسلم لیگ مترادف الفاظ میں مسٹر جناح کی شخصیت کے بارے میں مختلف لوگوں کے خیالات مختلف ہیں ان کے مخالف، انہیں ضدی، مغرور، متعصب اور ہندوستان کی آزادی کا دشمن سمجھتے ہیں لیکن ان کے پروانے انہیں قائداعظم کہہ کر پکارتے ہیں۔ مسٹر جناح کی سیاست وجہ اختلاف ہو سکتی ہے، لیکن ان کی دیانت اور اصول پرستی مسلمہ ہے۔ جس کے دوست اور دشمن یکساں مداح ہیں اور اسی میں جناح کی عظمت کا راز مضمر ہے۔''

یادگار قائداعظم

9 جنوری 1987ء کو آزاد کشمیر کے وزیراعظم سردار سکندر حیات خاں نے مظفر آباد میں قائداعظم محمد علی جناح کی یادگار قائم کرنے کی منظوری دی۔ اس یادگار پر 34 لاکھ روپے خرچ کا تخمینہ لگایا گیا اور اس منصوبہ کی تکمیل کی مدت ایک سال رکھی گئی۔

یادگاروں کی مستقل نمائش

حکومت پاکستان نے قائداعظم محمد علی جناح کی یادگاروں کی مستقل نمائش کے انتظامات 2 اکتوبر 1971ء تک مکمل کر لیے۔

یادگاری تمغے

قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کے موقع پر وفاقی حکومت نے یہ یادگاری تمغے جاری کیے، اور مختلف سربراہوں کو پیش کیے، ان میں شام، ابوظہبی، گھانا کے سربراہ شامل ہیں۔

شام کے صدر حافظ الاسد نے پاکستانی سفیر سیف الرحمان سے قائداعظم یادگاری تمغہ قبول کرتے ہوئے کہا:

''قائداعظم ایک اصول پسند انسان اور عظیم لیڈر تھے۔''

ابوظہبی میں پاکستانی سفیر انوار الحق نے متحدہ عرب امارات کے شیخ زید بن سلطان کو قائداعظم یادگاری تمغہ دیا۔ اس موقع پر شیخ زید نے کہا:

''قوموں کی تاریخ میں ایسے عظیم رہنما ابھرتے ہیں جو اپنے بعد اپنی عظمت کے نشانات چھوڑ جاتے ہیں۔''

26 دسمبر 1976ء کو اردن کے شاہ حسین کو قائداعظم تمغہ دیا گیا۔ 10 جنوری 1977ء کو قائداعظم یادگاری تمغہ بورو گوے کے صدر ڈاکٹر اپاریسیو فیڈیز کو دیا گیا۔

یادگاری ٹکٹ (وحدت مغربی پاکستان)

7 دسمبر 1955ء کو محکمہ ڈاک پاکستان نے وحدت مغربی پاکستان کی یادگار میں 3 عوامی ٹکٹ جاری کیے۔ مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک صوبہ مغربی پاکستان 14 اکتوبر 1955ء کو بنایا گیا تھا۔ سب ٹکٹوں پر مغربی پاکستان کا نقشہ بنایا گیا تھا۔ ان کا سائز پاکستان کے تمام سابقہ ٹکٹوں سے بڑا تھا۔ اوپر کے کونوں میں پاکستانی پرچم لہرا رہا تھا، اور نیچے قائداعظم محمد علی جناح کے سنہری ارشادات اتحاد، یقین محکم اور تنظیم کے الفاظ کندہ تھے۔ ان کی فروخت 29 فروری 1956ء تک تمام ڈاک خانوں میں بند کر دی گئی۔ 31 اگست 1956ء کو استعمال پر پابندی لگا دی گئی۔ ان ٹکٹوں کی مالیت علی الترتیب اڑھائی آنہ گہرا سبز، دو آنہ سیاسی مائل بھورا اور 12 آنہ گہرا سرخ گلابی۔

یادِ ماضی

قائداعظم محمد علی جناح نے طلبائے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے اپنے 5 فروری 1938ء کے خطاب میں فرمایا:

''نہ جانے ان دنوں میری خودداری کو کیا ہو گیا تھا کہ میں کانگریس کے سامنے ہاتھ پھیلایا کرتا تھا۔ میں نے اس مسئلہ کے حل کے لیے اتنی انتھک اور مسلسل جدوجہد کی تھی کہ ایک امید ابھارنے کو تھا کہ ''مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کی کوشش سے کبھی بیزار نہیں ہوتے۔'' لیکن گول میز کانفرنس کے اجلاسوں میں پہلی بار مجھے شدید جھٹکا لگا۔ جن اندیشوں پر رواداری کے پردے پڑے رہتے تھے، وہ کھل کر سنگین خطرے کی صورت میں سامنے آ گئے۔ پھر ہندو دل و دماغ، ہندو جذبات اور ہندو روش نے ایسی صورت اختیار کی

کہ اتحاد کی رہی سہی توقع بھی جاتی رہی۔ اس وقت میرے احساسات پر ایک قنوطیت طاری تھی۔ جذبات پر افسردگی چھا گئی تھی۔ میں ملک کے حالات سے ناامید ہوگیا تھا۔ ماحول بڑا پریشان کرنے والا تھا۔ مسلمان بالکل بے یارومددگار تھے، کبھی حکومت کے چاپلوسی اور خوشامدی ان کی قیادت کا دم بھرتے تھے، کبھی کانگریس کے خوش فہم گماشتے ان کی لیڈری کے دعویدار ہوتے۔

اگر مسلمانوں کو متحد کرنے کی سعی کی جاتی تو ایک جانب کانگریس کے حاشیہ برداران کوششوں پر پانی پھیر دیتے۔ ان دل شکن حالات میں مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ نہ میں ملک کی کوئی خدمت کرسکتا ہوں، اور نہ مسلمانوں کی حالت زار کی اصلاح ممکن ہے۔ یہ احساس اتنا بڑھا کہ میں نے لندن میں رہائش اختیار کرنا مناسب سمجھا، یہ اس لیے کہ مجھ پر ایک بے بسی کا احساس غالب تھا، لیکن اس کے باوجود میں نے ہندوستان سے اپنا رابطہ برقرار رکھا، بالآخر پورے چار سال بعد میں نے دیکھا کہ مسلمان شدید خطرے میں ہیں؟ اور لندن میں رہتے ہوئے ان کی کوئی خدمت نہیں کرسکتا، چنانچہ میں نے ہندوستان واپس آنے کا فیصلہ کرلیا۔"

یامین خاں نواب، سر

نامہ اعمال کے مصنف ہیں اور تحریک پاکستان کے رہنما بھی تھے، دسمبر 1918ء میں مسلم لیگ کا جوسالانہ اجلاس دہلی میں منعقد ہوا اس کے بارے میں انہوں نے نامہ اعمال میں لکھا:

"قائداعظم اس اجلاس میں شرکت کے لیے بمبئی سے دہلی تشریف لائے تھے۔ ان کے ہمراہ ان کی اہلیہ بھی تھیں اور یہ لوگ میڈانس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔"

نواب یامین خاں نے 6 اگست 1933ء کو متحدہ صوبہ جات کے رہنما کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح سے لندن میں ملاقات کی۔ نواب یامین خاں نے اپنی تصنیف میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

4 فروری 1938ء کو فیڈرل کورٹ کے جج سر شاہ محمد سلیمان نے اپنی رہائش گاہ البیوکرک روڈ نئی دہلی میں ایک عشائیہ کا اہتمام کیا جس میں مسلم لیگ کے ارکان اسمبلی کونسل سب ہی شریک تھے۔ نواب یامین خان نے اس تقریب کا حال بھی لکھا۔ 20 ستمبر 1938ء کو سر یامین خان نے مسلم لیگ اسمبلی پارٹی میں شمولیت اختیار کی۔ وہ قائداعظم محمد علی جناح کی دعوت پر اس میں شامل ہوئے تھے غرضیکہ نواب یامین خان نے جابجا اپنی کتاب نامہ اعمال میں قائداعظم محمد علی جناح کے حوالے دیے

نواب سر محمد یامین خاں 1886ء میں میرٹھ میں ماہرہ کے رئیس حاجی حافظ محمد سلمان خاں کے ہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے قرآن پاک اردو، فارسی اور عربی تعلیم میرٹھ میں حاصل کی، پھر علی گڑھ کالج میں پڑھا۔ 1911ء میں الہٰ آباد یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری لی۔ اسی سال وہ بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے لیے لندن گئے جہاں انہوں نے لنکنز ان میں داخلہ لیا۔ 1913ء میں بیرسٹری کی سند لی، اور اس سے اگلے سال ستمبر میں ہندوستان آئے، اور میرٹھ ہائی کورٹ میں وکالت شروع کی اور بار کے رکن بنے۔ جنگ عظیم اول اور دوم میں حصہ لیا۔ 1920ء میں مرکزی لیجسلیٹو کونسل کے رکن بنے۔ میرٹھ سے خلافت کمیٹی اور گول میز کانفرنس میں حصہ لیا۔ ابتدا میں ڈیموکریٹک پارٹی پھر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ 1946ء میں سنٹرل اسمبلی کے نائب صدر بنے۔ قیام پاکستان

کے بعد کراچی میں سکونت اختیار کی اور مختلف کتابیں لکھیں۔
ان کا انتقال 27 مارچ 1966ء کو کراچی میں ہوا۔

یتیم خانہ، فیض الاسلام (راولپنڈی)

27 جولائی 1944ء کو قائداعظم محمد علی جناح اس یتیم خانہ میں تشریف لائے جہاں انہیں 21 ضرب گولوں کی سلامی دی گئی۔ بنگال کے یتیم بچوں نے مسلم لیگ کا ترانہ گایا۔ قائداعظم محمد علی جناح کرسی صدارت پر بیٹھے تو ایک چھ سالہ بنگالی بچے نے قرآن پاک کی تلاوت کی۔ ترانہ ملی کے بعد راجا غلام قادر غبار نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس کے جواب میں فرمایا:

''آج میں کارکنان یتیم خانہ اور اکابر مسلم لیگ کو بالخصوص اور مسلمانانِ راولپنڈی کو بالعموم مستحق مبارکباد سمجھتا ہوں جنھوں نے بنگالی اور دوسرے قبائلی کی پرورش کا ذمہ لے رکھا ہے۔ مجھے مسرت ہوئی کہ مسلمانان راولپنڈی ترقی پر ہیں، اور اب نہ صرف ان میں سیاسی بیداری ہوچکی ہے، بلکہ وہ تعمیر ملت کی طرف بھی بڑھ رہے ہیں۔ جس کا پہلا ثبوت میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ ہمارا مقصد صرف سیاسی عروج ہی نہیں بلکہ سارے مسلمانوں کے ہر پہلو کی حفاظت کرنا، اور مسلم قوم کو ہر لحاظ سے مضبوط بنانا ہے۔ اگر ہم نے اپنی کمزوریوں کو دور کر کے مسلم قوم کی اجتماعی، اقتصادی، اصلاحی اور مذہبی زندگی کو مستحکم کردیا تو وہ دن دور نہیں کہ ہم اپنے عزیز ترین نصب العین پاکستان کو حاصل نہ کرلیں۔''

آخر میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی طرف سے مبلغ پانچ سو روپیہ کا گرانقدر عطیہ یتیم خانہ کو دیا۔

یتیم خانہ و مدرسہ انجمن حیات اسلام (دہلی)

12 مارچ 1939ء کو دہلی میں یتیم خانہ و مدرسہ انجمن حیات اسلام کا ساتواں سالانہ اجلاس دوجانہ ہاؤس چاوڑی بازار میں منعقد ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے یتیم خانہ کے طلباء کو انعامات تقسیم کیے۔

اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''حضرات! جس وقت میرے پاس مولانا حامد علی قریشی آئے اور انہوں نے فرمایا کہ یتیم بچوں کو تقسیم انعامات کے سلسلے میں میری ضرورت ہے تو مجھے بڑی خوشی ہوئی، اس لیے کہ قوم کی بھلائی کے لیے بنیادی کام لائبریری، یتیم خانہ، اسکول، ہسپتال وغیرہ یہی اصل چیزیں ہیں۔ جن سے مخلوق خدا کی خدمت ہوتی ہے۔ مسلم لیگ ملک کے سیاسی کام کررہی ہے، اور اگرچہ وہ بہت بھاری سوال ہے جس کے لیے ہم لڑ رہے ہیں لیکن پھر بھی مسلم لیگ کے پروگرام اور مقاصد میں یہی بنیادی چیزیں شامل ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جس وقت ہم قوم کی خرابیوں اور کمزوریوں کا علاج نہ کریں یہ بڑی بڑی تقریریں سب بے کار ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:

''آپ نے اس وقت جو مجھے عزت بخشی ہے وہ اسی سبب سے ہے کہ میں مسلم لیگ کا صدر ہوں، اور مسلم لیگ مسلمانوں کا کام کررہی ہے۔ مسلم لیگ کے پروگرام میں تعلیم (جو ہماری سب سے بڑی کمزوری ہے) ہسپتال، لائبریریاں، سکولز اور آپس میں محبت و اتحاد کے لیے کوشش ہے۔

یتیم خانوں کی اصلاح اور یتیموں کی تربیت بہت ضروری ہے، میں خوش ہوں کہ اس یتیم خانہ کی حالت اچھی ہے۔ اگر یہ

نہ ہوتے تو ہمارے بچے دہلی کی گلیوں میں بھیک مانگتے ۔ میں آپ حضرات سے اپیل کرتا ہوں کہ ایسے یتیم خانوں کو جن میں یتیم بچوں کے لیے اعلیٰ ذہنیت اور دست کاری کا اتنا عمدہ انتظام ہو اس کی مدد کریں۔ میں مولانا حامد علی قریشی سے کہنا چاہتا ہوں کہ خدا کی مہربانی سے اب مسلمانوں کو ہوش آ گیا ہے۔ اب ان میں طاقت آ گئی ہے کہ اور مجھے امید ہے کہ اس یتیم خانہ کی ترقی کے لیے آپ جو کچھ اور کرنا چاہتے ہیں۔ خدا اس کو بھی پورا کرے گا میں اپنے پیارے بچوں سے یہ سن کر خوش ہوں کہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم پر قوم کے عام بچوں کے مقابلے میں زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اور ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جب قدرت ہم کو تعلیم و تربیت سے فراغت دے گی تو ہم ملت اسلامیہ کی روایات کے پیش نظر مرحوم قوم کے زندہ نوجوان ثابت ہوں گے۔ تم نے ایڈریس میں یہ وعدہ کیا ہے کہ مجھے امید ہے کہ تم اس کو ضرور پورا کرو گے۔''

یحییٰ کمال بے تابی

وہ پاکستان میں ترکی کے پہلی سفیر تھے یحییٰ کمال بے تابی نے 4 مارچ 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح سے کراچی میں ملاقات کی، اور اپنی اسناد سفارت ان کی خدمت میں پیش کیں۔ اس موقع پر انہوں نے کہا:

''پاکستان ایک بہت قدیم تہذیب کا وارث ہے۔ قوموں کی برادری میں پاکستان کی شمولیت ایک اہم تاریخی واقعہ ہے ۔ترکوں کو امید ہے کہ امن اور تہذیب پاکستان کے وجود سے ترقی پائیں گے، اور وہ رستے جو اہل ترکی اور اہل پاکستان کے مابین پہلے سے موجود ہیں اور بھی استوار ہوں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب میں ترکی کے لیے اہل پاکستان کی محبت اور احترام کا اظہار کیا اور کہا:

''اہلِ پاکستان کے لیے آج کا دن تاریخی وجوہات سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے جیسے کہ آپ نے خود کہا آپ کے اور میرے وطن میں رہنے والوں میں بہت پرانے روحانی اور جذباتی رشتے قائم ہیں۔ علاوہ ازیں پچھلے پچاس سال میں جب کبھی حالات نے پلٹا کھایا۔ ترکی اور اہل ترکی کا خیال بھی ہمارے دل سے محو نہیں ہوا۔ آپ کی قوم کی شجاعت اور آپ کے زعما کی فراست جس کے بل پر آپ تن تنہا سارے یورپ سے اپنی آزادی کے تحفظ کے لیے کئی لڑائیاں لڑے ہم سے ہمیشہ خراج تحسین حاصل کرتے رہے۔ کئی تاریخی اور جنگی میدانوں میں آپ کے لیڈروں کے کارنامے، آپ کے قومی انقلاب کی تاریخ آپ کی سیاست دانی کا عروج، آپ کی اہمیت اور تدبر، یہ سب کچھ ہمارے سامنے ہے اور ہمیشہ ہماری نظر میں رہا ہے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان کے مسلمان آپ کے وطن کے لیے انتہائی محبت اور احترام کے جذبات دل میں رکھتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ یہ دونوں آزاد ملک پرانے رشتوں کو اور بھی استوار کریں گے اور یہ دوستی اور اتحاد دونوں ملکوں کے لیے فائدہ مند ہوگا۔''

یحییٰ مرچنٹ

یہ قائداعظم محمد علی جناح کے ڈیزائنر تھے، اور بمبئی کے رہنے والے تھے قائداعظم کے مزار کی تعمیر کے سلسلے میں انہوں نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔

یعقوب حسن سیٹھ

تحریک پاکستان کے رہنما تھے۔ بانی رکن مدراس پریذیڈنسی مسلم لیگ رکن مدراس لیجسلیٹو اسمبلی بھی تھے۔ انہوں نے 1915ء میں بمبئی کے تاج ہوٹل میں منعقدہ اجلاس مسلم لیگ میں قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ شرکت کی۔ 1919ء میں مسلم لیگ کا جو وفد انگلستان گیا۔ یعقوب حسن اس وفد میں شامل تھے۔ یعقوب حسن ان کا وطن مدراس تھا انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تعلیم مکمل کی۔ 1908ء میں مدراس پریذیڈنسی مسلم لیگ کے رکن بنے۔ 1908ء تا 1921ء اس کے سیکرٹری رہے۔ انہوں نے مدراس خلافت کمیٹی اور سنٹرل خلافت کمیٹی کے لیے اہم خدمات انجام دیں۔ ترک موالات کی تحریک کے سلسلے میں قید کی سزا کاٹی۔ اسی زمانے میں قرآن پاک کا گہرا مطالعہ کیا، اور ایک مجموعہ کتاب ''الہدیٰ'' کے نام سے مرتب کیا۔

1916ء تا 1920ء مدراس لیجسلیٹو کونسل کے رکن کی حیثیت سے اہم خدمات انجام دیں۔ ان کی وفات 1940ء میں ہوئی۔

یعقوب علی قریشی

قائداعظم محمد علی جناح کی ان کے ساتھ بھی مراسلت رہی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان کے ایک خط کے جواب میں درج ذیل مضمون کا خط لکھا:

ریڈی منی لاج

ماتھران

24 اکتوبر 1940ء

جناب عالی!

مجھے آپ کا خط مورخہ 18 اکتوبر 1940ء کو ملا، اور یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے پروگرام کی حمایت اور مسلم قوم کے کاز کے فروغ کے لیے ہفت روزہ پیام عمل شروع کر رہے ہیں، میں خوشی کے ساتھ حسب ذیل پیغام دے رہا ہوں:

''آپ نے اپنے ہفت روزہ کا نام پیام عمل رکھا ہے، چنانچہ میں تمام مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ وہ مسلم لیگ میں جمع ہو کر اپنی تنظیم کریں، جو بلاشبہ ہندوستان کے مسلمانوں کی بااختیار نمائندہ تنظیم ہے، اور سب مل کر ایک پرچم تلے ایک پلیٹ فارم سے ایک آواز میں بات کریں۔

ماضی میں کانپور کے مسلمانوں نے اپنے آپ کو منظم کرنے اور کام کرنے کی قابل قدر صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے، اور مجھے یقین ہے کہ وہ مستقبل میں بھی اس روایت کو برقرار رکھیں گے۔ ہمیں ایسے بے لوث اور مخلص کارکنوں کی ضرورت ہے جو اپنے مقاصد پر مسلم قومی مفاد کو ترجیح دیں، اور زبردست قربانیاں بھی دینی پڑیں تو ہمارے شاندار آئیڈیل کے حصول کے لیے کام کرنے کو تیار ہوں۔ میں کانپور کی طرف سے ایسے ایسے افراد فراہم کیے جانے کا منتظر ہوں، جو وہ ماضی میں بھی فراہم کر چکا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اٹھ کھڑے ہوں، اور کام کریں اور مجھے پورا بھروسہ ہے کہ آپ کا جریدہ اس سمت میں زبردست خدمات انجام دے گا۔''

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

یعقوب فریدی، ڈاکٹر

قائداعظم محمد علی جناح کے ہاتھ سے انہوں نے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے جلسہ تقسیم اسناد میں سند حاصل کی۔

یعقوب فریدی یکم مارچ 1930ء کو رسول پور (حافظ آباد) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم رسول پور میں حاصل کی۔ میٹرک شیخوپورہ سے کیا اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ سے انٹرمیڈیٹ اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج سے فراغت کے بعد ہومیو پیتھک کالج میں داخلہ لیا، اور یہاں سے سند حاصل کر کے موچی دروازہ لاہور میں فری ہومیو پیتھک کلینک قائم کیا۔ انہوں نے 1949ء میں ریلوے میں ملازمت اختیار کی۔ پریم یونین کے قیام کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے پریکٹس کے ساتھ ساتھ اسلام کی تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ سب سے پہلے لاہور کی قدیمی درس گاہ دیال سنگھ کالج میں 40 روزہ قرآن کلاس کا اجراء کیا، اور پھر اساتذہ، پولیس اور مختلف دفاتر میں چالیس روزہ قرآن کلاسز کے ذریعے لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیمات سے روشناس کراتے رہے۔ یعقوب فریدی بے پناہ خوبیوں کے مالک بڑے عالم دین، خطیب اور مقرر تھے۔ قرآن و حدیث پر مکمل عبور حاصل تھا۔

19 فروری 1988ء کو وفات لاہور میں پائی۔

یقین کی طاقت

6 جنوری 1938ء کو مومن انصار جماعت کے سپاسنامہ کے جواب میں خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

”میں سب کے لیے آزادی اور سب کے لیے مساوی عدل کے لیے لڑ رہا ہوں، میں اصول اور مساوات کے لیے لڑ رہا ہوں۔“

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:

”جب رسول مقبول ﷺ نے اپنے دین کی تبلیغ شروع کی تو دنیا بھر میں صرف ایک کی اقلیت میں تھے، لیکن قرآن مجید کی اعانت سے انہوں نے ساری کائنات کو چیلنج کیا، اور مختصر ترین مدت میں دنیا میں عظیم ترین انقلاب برپا کر دیا۔ اگر مسلمان یقین کی وہ قوت، تنظیم، نظم و ضبط اور ایثار کی وہ طاقت حاصل کر لیں تو انہیں ساری دنیا کی معاندانہ قوتوں سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنی سہل پسندی کو جھٹک دیں، شکست خوردہ ذہنیت اور مایوسی سے نجات حاصل کر لیں۔ وہ اپنا یقین دوبارہ حاصل کریں، اپنی روحوں کی دوبارہ تسخیر کریں، اور ہند میں اپنی تاریخ ایک بار پھر رقم کریں۔“

یکتا و منفرد شخصیت

روزِ آفرینش سے اب تک ان گنت شخصیات صفحہ ہستی پر ظاہر ہوئیں۔ تاریخ کے صفحات پر اپنے کارناموں کے انمٹ نقوش ثبت کیے، اور نظروں سے اوجھل ہوگئیں۔ اگر ہم زمانہ جدید کی تاریخ کا سرسری جائزہ لیں تو ہمیں ایسے اولوالعزم انسانوں کی ایک طویل فہرست ملتی ہے، جن کے عظیم الشان کارناموں سے اقوام عالم کی یہ کہانی روشن و مزین ہے، تاہم ایسے افراد کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، جنہوں نے واقعاتِ عالم کا رخ موڑ دیا، پھر ایسی ہستیاں تو بہت ہی تھوڑی ہیں، جنہوں نے اپنے عزم بالجزم سے دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ اگر ایک قدم اور آگے بڑھا کر ایسے افراد کی جستجو کریں، جنہوں نے اپنی مضبوط قوتِ ارادی اور اٹل قوتِ فیصلہ کے بل پر ایک قومی ریاست قائم کر کے دنیا سے اپنی قیادت کا لوہا منوا لیا تو ہمیں ایک اور صرف ایک نام ملتا ہے۔ یہ اعزاز فقط بانی پاکستان محمد علی جناح جنہیں دنیا قائداعظم کے نام سے جانتی

ہے۔ان کے حصے میں آیا ہے۔جنہوں نے بیک وقت یہ تینوں کارنامے انجام دے کر تاریخ عالم میں منفرد و یکتا مقام حاصل کیا۔

''قائداعظم'' کے محبوب لقب سے پکارے جانے والے اس عظیم سیاسی رہنما اور پاکستان کے اولین گورنر جنرل کو مسلمانانِ ہند کے لیے ایک جداگانہ قومی وطن قائم کرنے کی کوشش میں جو بے مثل کامیابی حاصل ہوئی۔ اس میں ان کی بے پناہ قوتِ ارادی اور ناقابلِ شکست عزم و استقلال کا بڑا دخل تھا۔اگر چہ انہوں نے اپنا سیاسی کیریئر کانگریس کے کارکن کی حیثیت سے شروع کیا، اور وہ پہلی عالمگیر جنگ کے اختتام تک ہندو مسلم اتحاد کے زبردست داعی وسفیر بنے رہے، تاہم انہوں نے محسوس کر لیا کہ ہندو سیاست دان مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق دینے پر آمادہ نہیں اور آزادی ملنے کی صورت میں وہ ہندوستان کے اقتدار پر بلاشرکت غیرے قبضہ جمانا چاہتے ہیں، تو ان کی فراست وبصیرت نے انگریز کے اخراجِ ہند کے بعد ہندو کی غلامی کا جوا پہننے سے انکار کر دیا۔

انہوں نے مسلمانوں کی سیاسی تنظیم، مسلم لیگ کے تن مردہ میں نئی روح پھونکی۔ ملک کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی قوم کو متحد ومنظم کیا، اور ایک قلیل سی مدت میں پاکستان حاصل کر کے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ دنیا کی تاریخ ہی نہیں جغرافیہ بھی بدل دیا۔

یک جماعتی حکومت

قائداعظم محمد علی جناح ایک جماعتی حکومت کے شدید مخالف تھے۔ 8 نومبر 1945ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''مجھے یقین ہے کہ پاکستان میں ایک پارٹی کی حکومت نہیں ہوگی۔ میں خود ایک پارٹی کی حکومت کی مخالفت کروں گا۔طاقت ور پارٹی کے مقابلے میں جو مختلف پارٹیاں ہوتی ہیں وہ اس کی غلطیوں کی اصلاح میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔''

ینگ انڈیا

یہ دہلی سے جاری ہونے والا اخبار تھا۔گاندھی نے 19 جنوری 1921ء کو اس اخبار میں قائداعظم محمد علی جناح کے الزامات کی خود تصدیق کی تھی۔انہوں نے لکھا تھا:

''ہم ایک روحانی جنگ میں مصروف ہیں، ہم معمولی زمانہ میں زندگی بسر نہیں کر رہے ہیں۔ معمولی سرگرمیاں ہمیشہ غیر معمولی زمانوں میں رک جاتی ہیں۔اگر ہم ایک سال میں سوراج حاصل کرنے کے درپے ہیں تو ہمیں تمام امور سے قطع نظر کر کے اپنی تمام توجہات کو اپنے نصب العین پر مرکوز رکھنا چاہیے۔اس لیے میں ہندوستان بھر کے طلباء کو جو قومی اداروں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، یہ مشورہ دینے کی جرأت کرتا ہوں کہ وہ ایک سال کے لیے اپنی تعلیم موقوف کر کے اپنا وقت ہاتھ سے کاتا ہوا سوت تیار کرنے کے لیے وقف کر دیں۔ یہ مادر وطن کی بڑی خدمت ہوگی۔''

ینگ مین کھتری ایسوسی ایشن

ینگ مین کھتری ایسوسی ایشن نے 22 اکتوبر 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں کیسہ زر پیش کیا۔ ہاشم ہارون نے اس اجلاس کی صدارت کی اور ایسوسی ایشن کی جانب سے 501 روپے اور چاندی کی ایک طشتری پیش کی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے خطبہ استقبالیہ کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''انتخابات کے لیے لیگی امیدواروں کا چناؤ پہلے

سر عبداللہ ہارون

1942 - 1872

آپ اکابرینِ تحریکِ پاکستان میں سے تھے اور ممتاز تاجر تھے۔ آپ اکابرین تحریک پاکستان میں سے تھے اور ممتاز تاجر تھے۔ آپ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ صوبہ بنانے میں پیش پیش رہے۔ 1935ء میں آپ نے سندھ یونائیٹڈ پارٹی کی بنیاد رکھی۔ 23 مارچ 1940ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں آپ نے شرکت کی جس میں قراردادِ لاہور منظور کی گئی۔ سر عبداللہ ہارون نے اس قرارداد کی سندھ کے مسلمانوں کی طرف سے تائید وحمایت کی۔ آپ نے مسلم لیگ ایگزیکٹو کونسل کے رکن کی حیثیت سے نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ قائداعظمؒ کے بڑے معتمد تھے۔ آپ نے بیرونِ ملک تحریکِ پاکستان کا نقطۂ نظر پیش کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

صوبائی پارلیمانی بورڈ کرے گی۔ جس کے فیصلے کے خلاف مرکزی بورڈ کے پاس اپیل کی جاسکتی ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید کہا:

"موجودہ انتخابات مسلمانوں کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہیں اور مسلمان ہر طرف سے دشمنوں سے گھرے ہوئے ہیں۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے لوگوں سے اپیل کی:

"آپ خود کو بلوچ، سید، پٹھان، میمن اور خوجہ سمجھنے کی بجائے ایک قوم سمجھیں۔"

یو پی اسمبلی (قرارداد تقریر)

یو پی کی لیجسلیٹو اسمبلی کے اسپیکر شری پرشوتم داس ٹنڈن نے 19 اکتوبر 1948ء کو اسمبلی میں قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں یہ تقریر کی اور کہا:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ مسٹر جناح دنیا کے بڑے آدمیوں میں سے ایک ہیں۔ مرحوم دو قوموں کا نظریہ پیش کرنے سے پہلے برسوں تک ہندوستان کی قومی تحریک میں سرگرمی سے کام کرتے رہے۔"

اس کے بعد اسمبلی کے ارکان ایک منٹ تک خاموش کھڑے رہے۔

یو پی کن

وہ پاکستان میں برما کے پہلے سفیر تھے، 21 جنوری 1948ء کو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں اپنی تقرری کے کاغذات پیش کیے۔

یو پی مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن

قائداعظم محمد علی جناح نے جب مسلم لیگ کی تنظیم نو کی تو اس کے بعد یو پی کے صدر مقام لکھنؤ میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ یو پی مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا یہ اجلاس 17 نومبر 1940ء کو فیڈریشن کانفرنس نیو ہال الہٰ آباد میں منعقد ہوا تو کانپور، علی گڑھ، لکھنؤ، جھانسی، فیض آباد، ہمبر پور اور الہٰ آباد کے ستر مندوبین نے اس میں حصہ لیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے تار کے ذریعے کانفرنس کی کامیابی کے لیے اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا۔

یورشِ اعداء

(دیکھئے: تجویز پاکستان)

یوسف اے ہارون

وہ حاجی سر عبداللہ ہارون کے فرزند تھے اور تحریک پاکستان کے ممتاز کارکن بھی تھے، 6 مارچ 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح کا انہوں نے دہلی کے ریلوے اسٹیشن پر استقبال کیا۔ اس سے قبل قائداعظم محمد علی جناح نے ان سے بنگلور میں 23 اپریل 1941ء کو مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن بنگلور کی پہلی کانفرنس میں ملاقات کی۔

یوسف اے ہارون کراچی میں 1918ء میں پیدا ہوئے۔ انہیں سیاست ورثہ میں ملی ۔ 22 سال کی عمر میں میونسپل کارپوریشن کراچی کے رکن بنائے گئے اور 1941ء میں انڈین لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ وہ آزادی کے بعد پاکستان کے پہلے سٹاک ایکسچینج کے سربراہ بنے۔

فروری 1949ء تا اگست 1950ء سندھ کے وزیراعلیٰ رہے اس کے بعد آسٹریلیا میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ 1956ء کے آئین کی تکمیل میں انتہائی مؤثر کردار ادا کیا۔ مسلم چیمبر آف کامرس کراچی کے صدر رہے۔ یوسف اے ہارون کو پاکستانی صحافت میں بھی اہم مقام حاصل ہے یوسف اے

ہارون ڈان کراچی کے چیف ایڈیٹر رہے۔صدر محمد ایوب خان کے عہد میں چھ روز تک مغربی پاکستان کے گورنر رہے۔جنوری 1973ء میں پین امریکہ ایئرویز کے نائب صدر مقرر ہوئے۔

یوسف جمال انصاری

25 دسمبر 1971ء کے مساوات لاہور میں یوسف جمال انصاری نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا:

آج کے دن دنیا میں آیا ایک ایسا انسان
جس سے کفر کی قوت ٹوٹی تازہ ہوا ایمان
آج کے دن اک مرد مجاہد خاک وطن سے اٹھا
ہاتھ میں آزادی کا پرچم سینے میں قرآن
آج کا دن منسوب ہے اس سے یہ وہ بڑا دن ہے
جس کی محبت پھولی پھلی ہے بن کر پاکستان
اس کی پراسرار کشش کے ایک اشارے پر
سب فولاد کے بکھرے ذرے مل کے ہوئے یکجان
تیشہ حق سے کاٹی اس نے باطل کی زنجیر
اس کے ہاتھوں آزادی کی بیل چڑھی پروان
اچھے اچھوں کو یاد آیا آٹے دال کا بھاؤ
کیسے کیسے گاندھی نہرو چھوڑ گئے میدان
پھر بھی وہ تنظیم واخوت اور نہ وہ ایمان
قائداعظم بھول چلے ہیں ہم تیرا فرمان

یوسف شاہ، مولوی

قائداعظم محمد علی جناح 1935ء میں قائداعظم محمد علی جناح کشمیر گئے تو لوگ ان سے ملنے کے لیے آئے۔بعض لوگوں نے جب ان سے یوسف شاہ کے متعلق رائے پوچھی تو انہوں نے انگریزی میں کہا:

''وہ ایک گندا انڈہ ہے۔''

(He is a Rotten egg)

یوسفی، اللہ بخش

صوبہ سرحد کے نامور اور ممتاز صحافی تھے۔اللہ بخش یوسفی نے قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر پشاور سے ایک اخبار ہلال پاکستان نکلا تھا۔یہ اخبار قیام پاکستان تک جاری رہا۔

اللہ بخش یوسفی 25 دسمبر 1900ء کو محلہ کریم پورہ میں پیدا ہوئے۔ان کی تعلیم و تربیت پشاور میں ہوئی۔انہوں نے 1915ء میں میٹرک کیا پھر 1917ء میں لندن چیمبر آف کامرس کا امتحان پاس کیا، اور فرنٹیئر کانسٹیبلری میں ملازم ہوگئے۔رولٹ ایکٹ کی مخالف تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں 11 مئی 1920ء کو ان کا کورٹ مارشل ہوا اور انہیں چھ ماہ کے لیے نظر بند کردیا گیا۔وہ رہائی کے بعد مستعفی ہوگئے۔انہوں نے صوبہ سرحد کی سیاسی بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔جس کا اندازہ ان کی کتاب ''جدوجہد آزادی میں صوبہ سرحد'' سے ہوگا۔ترک موالات تحریک میں بھی انہوں نے بھرپور حصہ لیا۔افغانستان ہجرت پر سیکرٹری مقرر ہوئے پہلے شب قدر میں قیام کیا پھر پشاور آگئے۔خلافت کمیٹی کے جوائنٹ سیکرٹری رہے۔انہوں نے پرنس آف ویلز کی آمد پر کامیاب ہڑتال کرائی۔مولانا شوکت علی کے انتقال پر بمبئی چلے گئے اور آل انڈیا خلافت کمیٹی کے سیکرٹری ہوئے۔

یومِ اقبال

علامہ اقبال کو قائداعظم محمد علی جناح سے والہانہ لگاؤ تھا۔9 دسمبر 1944ء کی یوم اقبال کی تقریب میں قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں گراں قدر الفاظ میں یاد کیا انہوں نے اس موقع پر کہا:

''علامہ اقبال اگر چہ ایک عظیم فلسفی اور شاعر تھے لیکن وہ عملی سیاست دان بھی کم پائے کے نہ تھے۔ وہ اسلامی اصولوں پر ایمان کامل اور یقین محکم کی بنیاد پر ان چند افراد میں سے تھے، جنہوں نے سب سے پہلے یہ تصور پیش کیا کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقوں کو ہندوستان سے الگ کر کے ایک اسلامی مملکت متشکل کی جاسکتی ہے۔''

یوم پاکستان

یہ 23 مارچ 1942ء کا زمانہ تھا۔

آج سارے ہندوستان کے طول وعرض میں پورے جوش وخروش کے ساتھ یوم پاکستان منایا گیا۔ تجویز پاکستان کو منظور ہوئے دو سال کی مدت گزر چکی تھی۔ آج اس کی دوسری سالگرہ منائی جارہی تھی۔

دہلی کے مسلمانوں نے زیادہ جوش وخروش کے ساتھ یہ دن منایا کہ ایک عظیم الشان جلوس شہر کا گشت کرتا ہوا اُردو بازار پہنچا جہاں قائداعظم محمد علی جناح نے سیاسیات حاضرہ پر اپنے افکار و تاثرات کا اظہار فرمایا:

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر تجاویز کرپس مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہوں گی تو نہ صرف ہم اُسے مسترد کر دیں گے بلکہ اپنی پوری طاقت سے اس کے مزاحم ہوں گے، اور اس کوشش میں اگر جان بھی دینی پڑے تو لڑتے ہوئے جان دے دیں گے، میں حکومت کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ مسلم لیگ کو دبانے یا اُس کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے یہ کہنا سراسر تہمت اور بہتان طرازی ہے کہ ہم برطانوی شہنشاہیت کے مرید اور معاون ہیں جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے۔

مجھے اپنی ساری زندگی میں کبھی اس کا تصور بھی نہیں ہوا کہ کسی اجنبی اقتدار کے تحت رہنا چاہیے۔

مسلمانوں کو اس کا خوف ہے کہ سر اسٹیفورڈ کرپس کانگریس کے دوست ہیں وہ آنند بھون میں پنڈت جواہر لال نہرو کی مہمان نوازی کا لطف اُٹھا چکے ہیں یہ سب صحیح ہے لیکن ہمیں محض اس وجہ سے خوفزدہ نہ ہونا چاہیے، آپ ذرا حوصلے سے کام لیں، سر اسٹیفورڈ کرپس ذاتی حیثیت سے نہیں، بلکہ برطانوی حکومت کے نمائندے کی حیثیت سے ہندوستان آئے ہیں۔ اس لیے حکومت برطانیہ کی جو تجویز یا جو منصوبہ وہ اپنے ساتھ لائے ہیں۔ جب تک ہمارے سامنے نہ آجائے ہمیں صبر سے کام لینا ہوگا۔

سر اسٹیفورڈ کرپس نے پریس کانفرنس میں اس امر پر زور دیا تھا کہ مسلمانوں اور دوسرے فرقوں کے دل میں جو گہری تشویش جاگزیں ہے اُسے رفع کرنا چاہیے۔ میں یہ واضح کر دوں کہ ہم بالکل بے خوف ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارا مقصد صداقت پر مبنی ہے، ہم انصاف اور راست بازی کے طلب گار ہیں، ہمیں اپنے ساتھی فرقوں سے کوئی ناچیز فائدہ حاصل نہیں کرنا چاہیے۔ ہم ایک آزاد اور خودمختار قوم کی طرح اس ملک میں زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔

ہم حکومت کو دق کرنا نہیں چاہتے۔ گو ہم حقیقت حال سے باخبر ہیں، لیکن ہم بیگاروں کی طرح حکومت کی کوئی مدد بھی کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ہم نے ایسی حیثیت نہ کبھی قبول کی ہے اور نہ کریں گے۔

اگر ہندو قیادت یا برطانوی قیادت، الگ الگ یا دونوں مل کر ہمارے خلاف فریب کاریوں اور سازشوں پر اتر آئیں تو ہم اس کی مدافعت کریں گے

تا آنکہ ہم سب کے سب مرجائیں گے۔''
(مزید دیکھئے: پاکستان)

یومِ تشکر

قائداعظم محمد علی جناح 23 جولائی 1943ء کو دورۂ بلوچستان سے بمبئی لوٹے، 26 جولائی بروز پیر بعد دوپہر لاہور کا رہنے والا ایک انتہائی جوشیلا خاکسار نوجوان رفیق صابر مزنگوی ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر واقع قائداعظم محمد علی جناح کی رہائش گاہ میں داخل ہوا، اوران کے سیکرٹری مطلوب الحسن سید سے درخواست کی:

''مجھے قائداعظم سے ملادیا جائے۔''

اسی لمحے قائداعظم اپنے سیکرٹری کے آفس میں پہنچے اوران سے دریافت کرنے لگے:

''رفیق صابر کون ہے اوروہ کیا چاہتا ہے۔''

بعد میں بمبئی ہائی کورٹ میں شہادت دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے بتایا:

''میں بہت زیادہ مصروف تھا، میرا ذہن مکمل طور پر مراسلت میں الجھا ہوا تھا۔ میں کمرے سے نکلنے کا ارادہ کررہا تھا، جونہی میں کمرے سے باہر نکلا، ملزم آنکھ جھپکنے میں مجھ پر جھپٹا اور میرے بائیں جبڑے پر ایک مکا رسید کیا، پھراس نے اپنی کمر سے چاقو نکالا تو میں قدرتی طور پر تھوڑا سا پیچھے کو ہٹا، اس کے ہاتھ میں کھلا ہوا چاقو تھا۔ حفاظت خود اختیاری کے داعیہ کے تحت میں نے ہاتھ جیب سے باہر نکالا اور اسے کلائی سے پکڑلیا، جس کے نتیجے میں مکے کی شدت کم ہوگئی۔اس کے باوجود چاقو میرے جبڑے کے بائیں جانب لگا، جس سے میری ٹھوڑی کے نزدیک زخم آیا اور میرا کوٹ بائیں کندھے کے پاس سے پھٹ گیا، میری بائیں انگلی پر بھی زخم آیا۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے چوکیدار نے ملزم سے چاقو چھیننے میں سیکرٹری کی مدد کی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد پولیس پہنچ گئی۔ملزم نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے عدالت کو بتایا:

''میں 1935ء سے 1939ء تک لاہور مسلم لیگ کا رکن رہا، لیکن بعد میں استعفیٰ دے دیا، کیونکہ مسلم لیگ مسلمانوں یا انسانیت کے لیے کچھ نہیں کررہی تھی، سوائے باتیں بنانے کے۔''

رفیق صابر نے اس بات پر اصرار کیا:

''میں جناح کے پاس کام اور مدد کی درخواست لے کر گیا تھا، انہیں قتل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔''

تاہم اسے اقدام قتل کے اور ضرب کا قصوروار پایا گیا اور پانچ سال قید کی سزادی گئی۔

تفتیش کا انچارج سب انسپکٹر عبدالقادر شیخ قائداعظم محمد علی جناح کا اس قدر مداح بنا کہ اس نے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ کام کرنے کے لیے 1947ء میں ہندوستان کے بجائے پاکستان کا انتخاب کیا۔

سازش کے سوال پر بہت غور کیا گیا، تاہم شرکائے جرم کے بارے میں واضح طور پر کوئی شہادت نہیں ملی۔ اگرچہ پرتشدد حملہ نے قائداعظم محمد علی جناح کو ہلا کر رکھ دیا تھا، اورخون کے بہہ جانے سے وہ بہت کمزور ہوگئے تھے، تاہم قائداعظم محمد علی جناح اس کڑی آزمائش سے جذبے یا توانائی کو کمی کے بغیر بچ نکلے۔انہوں نے اصفہانی جیسے قریبی دوستوں کو تار دیا:

''فکر نہ کریں، خدا کے فضل سے میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

بہت سے عقیدت مندوں نے شدید حملہ سے ان کے معجزانہ طور پر بچ نکلنے کو قدرت الٰہیہ کا کرشمہ قرار دیا۔ مسلمانوں نے برصغیر کی سب سے قیمتی جان کو بچالینے پر خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے ''یوم تشکر'' منایا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے

دوستوں اور پیروکاروں سے اعلانیہ اپیل کی:

''سب خاموش رہیں اور صبر وتحمل سے کام لیں۔''

مسلم لیگ نے 1943ء میں قائداعظم محمد علی جناح کے قاتلانہ حملے سے زندہ بچ جانے کی خوشی میں پورے ملک میں یوم تشکر منانے کا اعلان کیا۔ متحدہ ہندوستان کے طول وعرض میں عام جلسے ہوئے۔ مسلم لیگی زعما نے اظہار تشکر کیا اس سلسلے میں 13 ستمبر 1943ء کو جامع مسجد دہلی میں لیاقت علی خاں سیکرٹری جنرل آل انڈیا مسلم لیگ کے زیر صدارت ایک عام اجلاس ہوا جس میں دہلی سے شائع ہونے والے مشہور مسلم لیگی اخبار ''پاکستان'' کے ایڈیٹر پروفیسر عنایت اللہ نے ولولہ انگیز تقریر کرتے ہوئے برملا اعتراف کیا:

''ہمیں نہایت افسوس ہے کہ مسٹر جناح پر ایک ایسے شخص نے حملہ کیا جو ہم ہی سے ایک تھا اور مدتوں مسلم لیگ کے لیے کام کرتا رہا۔ یہ بات اور بھی افسوس ناک ہے کہ حملہ آور رفیق صابر مزنگوی میرے وطن کا رہنے والا ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ یہ وہی رفیق صابر ہے جس کو ہم اپنا قابل فخر ساتھی قرار دیتے تھے تو میری گردن مارے شرم کے جھک جاتی ہے۔''

(جریدہ بحر العمل لکھنؤ اشاعت 30 جون 1944ء)

یومِ دعا

3 نومبر 1940ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے آزاد میدان پارک بمبئی میں 20 ہزار مسلمانوں کے عظیم اجتماع سے خطاب کیا۔ یہ مسلمان نماز عید ادا کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''آپ متحد ہو جائیں۔ نو کروڑ مسلمان جو چاہیں حاصل کر سکتے ہیں، اور میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اقلیت میں نہیں ہم ہندوستان میں نام نہاد جمہوری پارلیمانی شکل میں گورنمنٹ میں یقین نہیں رکھتے ہم ایک قوم ہیں، اور اس لحاظ سے ہماری اپنی ایک قلمرو اور اپنی ایک حکومت ہونی چاہئے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ممالک اسلامیہ کے متعلق اپنی تقریر میں کہا:

''اسلامی ممالک سخت خطرے میں ہیں، اور ان میں سے کسی پر حملہ ہو سکتا ہے۔ اس یوم دعا پر میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے غیر ملکی بھائیوں کی امداد کرنے کے وسائل پر غور کریں۔''

یوم ڈائریکٹ ایکشن

مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی 6 جون کو یہ ریزولیشن منظور کر چکی تھی۔ مرکزی پارلیمنٹری بورڈ آل انڈیا مسلم لیگ، صوبائی مسلم لیگوں کے صدور اور مسلم لیگ کی پارلیمنٹری پارٹیوں کے لیڈروں کے مشورے سے کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کے لیے امیدوار چنے گا، اور صدر آل انڈیا مسلم لیگ کو یہ اختیار ہوگا کہ ان میں جو ترمیمات مناسب سمجھیں وہ کریں۔ ان کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ اس طرح کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کے لیے امیدواروں کے انتخاب کا کام شروع ہوگا، مگر وائسرائے کی بدعہدی سے مسلمانوں کے جذبات میں بڑی تلخی تھی۔

6 جولائی 1946ء کو بمبئی میں کانگریس کمیٹی کا جلسہ ہوا۔ دو ماہ قبل کانگریس کی صدارت کے لیے پنڈت جواہر لال نہرو کا انتخاب ہو چکا تھا۔ ورکنگ کمیٹی کے اس اجلاس میں انہوں نے صدارت کے عہدے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا وہ ریزولیشن جس میں اس نے وزارتی وفد کا 16 مئی کا منصوبہ منظور کیا۔ کانگریسی کمیٹی میں تصدیق وتوثیق کے لیے پیش ہوا۔ برطانیہ پر یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ کانگریس نے وزارتی وفد کا منصوبہ قبول کر کے اس پر بڑا احسان کیا ہے۔

کانگریس کے سوشلسٹ گروہ اور اعتدال پسند کانگریسیوں کے درمیان بڑی جنگ زرگری ہوئی، بالآخر ریزولیوشن منظور ہو گیا۔

لیکن پنڈت جواہر لال نہرو نے جس شان سے یہ صدارت اختیار کی اور اس کے آغاز ہی میں جو کارنمایاں انجام دیا وہ ہمیشہ دغل وفریب کا ایک قابل تاسف نمونہ سمجھا جائے گا۔ کانگریس کمیٹی کے اجلاس کی اختتامی تقریر میں انہوں نے فرمایا:

''جہاں تک میں دیکھتا ہوں یہ سوال نہیں تھا کہ کانگریس کوئی طویل المیعاد یا کثیر المیعاد منصب قبول کرے، بلکہ سوال صرف یہ تھا کہ وہ کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں داخل ہونے کے لیے راضی ہو جائے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ کانگریس اسمبلی میں صرف اس وقت تک رہے گی جب تک وہ سمجھے گی کہ اس کی شرکت ہندوستان کی بھلائی کے لیے ہے، اور جب وہ یہ دیکھے گی کہ اس سے ہندوستان کو نقصان پہنچ رہا ہے تو وہ باہر نکل آئے گی۔ ہم اس کے سوا کسی بات کے پابند نہیں ہیں کہ اس وقت ہم نے کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

یہ وہی کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی ہے جس کے لیے کانگریس برسوں سے حکومت برطانیہ کی خدمت میں التجائیں کر رہی تھی اور اب پنڈت جواہر لال نہرو یہ احسان جتا رہے تھے کہ کانگریس اس میں داخل ہونے کے لیے رضامند ہو گئی ہے۔

انہدامی پریس کانفرنس

اس کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے اخباری نمائندوں کی پریس کانفرنس میں تقریر فرمائی (10 جولائی 1946ء) اور اس سے انہوں نے وزارتی مشن کے پورے منصوبے کو مسمار کر دیا۔ انہوں نے کہا:

''پہلی بات یہ ہے کہ ہم کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں جانے کے لیے راضی ہو سکتے ہیں۔ اس کے سوا ہم کسی بات پر راضی نہیں ہوئے۔ اس میں ہم کیا کریں گے یہ طے کرنے کے لیے ہم بالکل آزاد ہیں۔ ہم نے کسی ایک معاملے میں بھی کسی سے کوئی عہد و پیماں نہیں کیا ہے۔''

جب کانگریس نے یہ کہا کہ کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی مختار مطلق مجلس ہے تو وزارتی مشن کا جواب دو شرائط کے تحت کم و بیش ''ہاں'' تھا۔ پہلی شرط یہ کہ اقلیتوں کا مناسب انتظام کیا جائے اور دوسری یہ کہ ہندوستان اور انگلستان کے درمیان معاہدہ ہو۔ اگر کوئی معاہدہ مسلط کرنے کی کوشش کی گئی تو ہم معاہدہ نہیں کریں گے۔

اقلیتوں کے متعلق یہ ہے کہ وہ ہمارا مسئلہ ہے اور بلاشبہ اس کو حل کرنے میں ہم کامیاب ہوں گے۔ ہم اس میں کوئی خارجی مداخلت قبول نہیں کرتے، اور برطانیہ کی مداخلت تو ہرگز نہیں، اور اس لیے یہ دونوں باتیں جن سے کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی کا اختیار محدود ہوتا ہے ہم نے قبول نہیں کیا۔

صوبوں کی مجموعہ بندی کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا:

''کسی پہلو سے اس مسئلے پر غور کیا جائے بہت بڑا غلبہ اس خیال کا ہے کہ کوئی مجموعہ (گروپ) بندی نہیں ہو گی۔ ظاہر ہے کہ فریق (الف) مجموعہ بندی کے خلاف فیصلہ کرے گا۔''

اور بڑے دعوے سے انہوں نے کہا:

''پانچ میں چار درجے اس کا یقین ہے کہ صوبہ سرحد مجموعہ بندی کے خلاف فیصلہ کرے گا، اور مجموعہ (ب) منہدم ہو جائے گا۔ غالباً آسام بھی بنگال کے ساتھ

ایک گروپ (مجموعے) میں شریک ہونے کے خلاف فیصلہ کرے گا۔ اگرچہ میں یہ کہنا نہیں چاہتا کہ ابتدائی فیصلہ کیا ہوسکتا ہے، کیونکہ دونوں باتوں کا امکان ہے، مگر میں ہر یقین اور اعتماد کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ بالآخر کوئی مجموعہ بندی نہیں ہوگی، کیونکہ آسام یہ کسی حالت میں گوارا نہیں کرے گا۔

سب سے آخر میں نہرو صاحب نے مجوزہ مرکزی یونین کے اختیار کے متعلق اپنے خیالات ظاہر فرمائے، اور وزارتی مشن کے منصوبے پر یہ ان کی سب سے زیادہ سخت اور مہلک ضرب تھی انہوں نے کہا:

''وزارتی مشن کی تجاویز کے مطابق اس میں تین چار شعبے ہیں، یعنی دفاع، امور خارجہ اور مواصلات اور ان کے لیے مالیہ وصول کرنے کا اختیار، مگر یہ ظاہر ہے کہ مواصلات اور دفاع سے متعلق بہت سی حرفتیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ حرفتیں مرکزی یونین کی گورنمنٹ کے تحت میں ہوں گی اور پھر ان میں ضرور اضافہ ہو گا۔ دفاع اس قدر وسیع شعبہ ہے کہ اس کا دائرہ اور سرگرمیاں ترقی کے ساتھ بڑھتی رہیں گی۔ یہ سب یونین گورنمنٹ کے تحت میں آتا ہے۔

اسی طرح یہ ناگزیر ہے کہ امور خارجہ کے تحت میں غیر ملکی تجارت کی پالیسی آئے۔ اگر آپ غیر ملکی تجارت کو اس سے خارج کر دیں تو آپ کی کوئی غیر ملکی پالیسی نہیں ہوسکتی۔ اس میں ہر قسم کی چیزیں ہیں جو وہاں نہیں رکھی گئی ہیں لیکن وہ لائی جاسکتی ہیں۔''

یونین کے لیے مالیہ وصول کرنے کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا:

وہ ٹیکس ہی کے ذریعے وصول کرنا پڑے گا۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے وہ صوبوں کے عطیات اور چندوں سے پورا کیا جائے گا تو وہ بات لغو ہے۔ کوئی مرکزی حکومت چندوں سے نہیں چل سکتی، اس لیے یہ ناگزیر ہے کہ مرکزی گورنمنٹ ٹیکس کے ذریعے سے اپنا مالیہ وصول کرے۔ میں اس وقت فہرست نہیں بتا سکتا مگر بظاہر کسٹم مع ٹیرف ان میں سے ایک ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ ٹیرف غیر ملکی تجارت کی پالیسی کے ساتھ وابستہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انکم ٹیکس دوسری مد ہو۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کے علاوہ اور کیا۔''

پھر پنڈت جواہر لال نے اس طرف اشارہ کیا:

''مرکزی گورنمنٹ کو غیر ملکی منڈیوں، قرضوں، اور ایسے ہی دوسرے شعبوں کا ذمہ دار ہونا چاہیے۔ اس کو سکہ اور کریڈٹ پر بھی کنٹرول کرنا چاہیے۔ یہ اگر مرکز نہ کرے تو اور کون کرے گا۔ آپ اس کی اجازت نہیں دے سکتے کہ ہر واحد یا صوبہ جدا جدا نوعیت کے کریڈٹ اور خارجہ پالیسی چلائے۔

فرض کیجیے کہ صوبوں یا ریاستوں میں جھگڑا ہے یا قحط کی وجہ اقتصادی تزلزل واقع ہوگیا ہے تو پھر لامحالہ مرکز درمیان میں آجاتا ہے۔ مرکز کتنا ہی محدود ہو مگر آپ اس میں مانع نہیں آسکتے کہ مرکز کے پاس وسیع اختیارات ہوں، کیونکہ گذشتہ چند سال میں یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ اگر کوئی مرکزی اختیار موجود نہ ہوتا تو ہندوستان کی حالت بدتر ہوتی، اگرچہ بعض لوگ مرکز کے اختیارات میں اس وسعت کی مخالفت کریں مگر کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کو اس مسئلے کا فیصلہ کرنا ہوگا۔''

نہرو صاحب نے اس بیان میں جو کچھ کہا وہ مسلم لیگ کے لیے بڑا وحشت ناک تھا، مگر وہ سب اس کی تشریح تھی جو گاندھی جی نے وزارتی مشن کے بیان (16 مئی) کی اشاعت کے بعد اختصار کے ساتھ کہہ دیا تھا اور جو اپنے محل پر نقل ہو چکا

ہے۔ کانگریس کی پالیسی عام طور پر یہ تھی کہ وہ کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں داخل ہو۔ ہندو ووٹوں کی اکثریت سے صوبوں کی مجموعہ بندی کو مسمار کرے۔ مرکزی یونین میں تمام بڑے اور اہم شعبے داخل کرے اور مسلمانوں کے قومی تشخص کی بقا کے لیے اسکیم میں جتنے تحفظات تھے انہیں منسوخ کرے، مگر کانگریس کا یہ دعویٰ کہ وہ کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں بلاشرائط اور پابندیوں کے داخل ہوسکتی تھی اور اس نے کسی سے کسی معاملے میں عہد و پیماں نہیں کیا تھا۔ بالکل غلط تھا۔ اس معاملے میں ابوالکلام آزاد سابق صدر کانگریس کی شہادت بڑی معتبر ہے۔ جنہوں نے کانگریس کی طرف سے وزارتی مشن کے ساتھ گفت وشنید کی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

''مجھے چاہیے کہ میں یہ درج کردوں کہ جواہر لال نہرو کا بیان غلط تھا۔ یہ کہنا صحیح نہیں تھا کہ کانگریس کو یہ آزادی حاصل تھی کہ جس طرح چاہے (وزارتی) منصوبے کو تبدیل کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم اس پر راضی ہوئے کہ مرکزی حکومت وفاقی ہوگی۔ جن شعبوں کی ایک عارضی فہرست ہوگی اور بقیہ تمام صوبائی دائرے میں رہیں گے۔ ہم نے مزید اس پر اتفاق کیا کہ تین فریق ہوں گے یعنی (الف، (ب) اور (ج) جن میں صوبوں کی مجموعہ بندی ہوگی، یہ معاملات بغیر ان پارٹیوں کی رضامندی کے جو سمجھوتے میں شریک تھیں۔ کانگریس کی طرف سے یک طرفہ طور پر تبدیل نہیں ہوسکتے تھے۔''

اس کے علاوہ کہ آزاد صاحب کے نزدیک، پنڈت جواہر لال نہرو کا یہ بیان غلط تھا کہ ''کانگریس کسی شرط کی پابند نہیں ہے۔ وہ پلان میں جس طرح چاہے ترمیم کرسکتی ہے''۔ پنڈت نہرو کے اس پورے بیان کے متعلق ان کی کیا رائے تھی، وہ فرماتے ہیں:

''اب ان بدنصیبی کے حادثات میں سے ایک وہ واقعہ ہے جس نے تاریخ کی راہ بدل دی۔ 10 جولائی کو جواہر لال نہرو نے پریس کانفرنس منعقد کی اور اس میں ایک (مذکرہ بالا) بیان دیا۔''

پھر جس طرح مسلم لیگ نے وزارتی منصوبہ منظور کیا تھا۔ اس کے متعلق آزاد صاحب کیا فرماتے ہیں؟

''مسلم لیگ نے یہ منصوبہ اس لیے قبول کیا کہ اس میں وہ زیادہ سے زیادہ تھا جو حکومت برطانیہ منظور کر سکتی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی کونسل میں صاف کہا کہ وہ اس (کونسل) سے اس کی منظوری کی سفارش اس لیے کررہے ہیں کہ اس سے بہتر اور کچھ نہیں مل سکا۔ اس طرح قائداعظم محمد علی جناح گفت وشنید کے نتائج سے خوش نہیں تھے، مگر انہوں نے اس پر قناعت اس وجہ سے کی تھی کہ اس کا کوئی بدل نہیں تھا۔ جواہر لال نہرو کا بیان ان پر بم کی طرح گرا۔ انہوں نے فوراً بیان شائع کیا جس میں یہ تھا کہ صدر کانگریس کا یہ اعلان اس کا مطالبہ کررہا ہے کہ پوری صورت حال کی نظرثانی کی جائے۔ انہوں نے لیاقت علی خان کو ہدایت کی کہ کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ طلب کریں اور یہ کہا کہ مسلم لیگ کی کونسل نے دہلی میں کیبنٹ پلان اس لیے منظور کیا تھا کہ یہ یقین دلایا گیا تھا کہ کانگریس نے بھی یہ اسکیم منظور کرلی ہے اور یہ پلان ہندوستان کے آئندہ دستور کی بنیاد ہوگا۔ اب کانگریس نے یہ اعلان کیا ہے کہ کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں وہ اکثریت سے اسکیم کو تبدیل کرسکتی ہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اقلیتوں کو اکثریت کے رحم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔''

بے شک کانگریس کی اس بدعہدی اور بدنیتی پر جو پنڈت

جواہر لال نہرو کے اس بیان سے ظاہر ہوئی۔ مسلمانوں کو سخت وحشت ہوئی۔ کس پر اعتماد کیا جاتا اور کہاں تک؟ لارڈ ویول نے انٹیرم گورنمنٹ میں مسلم لیگ اور کانگریس کی نیابت کے تناسب پر کتنی کروٹیں بدلی تھیں۔ 5 5 2:5 نہیں 3:5:5 نہیں۔ اس معاملے پر وزارتی وفد اپنا بیان شائع کرے گا۔ وزارتی وفد نے بیان بھی دیا اور وائسرائے نے مسلم لیگ کے لیڈر کو یہ یقین بھی دلایا کہ اس بیان کے مطابق عمل کیا جائے گا اور اس میں کوئی ترمیم اور تبدیلی منظور نہیں کی جائے گی، لیکن جب مسلم لیگ نے اسے منظور کیا اور کانگریس نے انکار کیا تو وائسرائے اور کیبنٹ مشن 16 جون کے منصوبے ہی کو چھوڑ کر الگ ہٹ گئے۔

اخباری نمائندوں کی کانفرنس میں پنڈت جواہر لال نہرو نے بحیثیت صدر کانگریس، جو کچھ کیا وہ اس کا صاف اعلان تھا کہ کانگریس نے 16 مئی کے منصوبے میں بھی اس کے سوا اور کچھ منظور نہیں کیا کہ وہ کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں داخل ہو جائے گی اور کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں اس کی یہ شرکت بھی اس مقصد کے لیے ہو گی کہ مئی کے پلان کو منہدم اور مسمار کرے، مگر کیبنٹ مشن کو کانگریس کی سب ادائیں پسند تھیں۔ اس نے کانگریس کی مشروط منظوری کو جو ہرگز منظوری نہ تھی، 16 مئی کے پلان کی منظوری قرار دیا۔ اس طرح یہ بالکل ثابت ہو چکا تھا کہ وزارتی مشن کا اس کے سوا اور کوئی مشن نہیں تھا کہ وہ کانگریس کی خوشنودی حاصل کرے۔

ڈائریکٹ ایکشن

یہ وہ حالات تھے جن کے تحت آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ (27 تا 29 جولائی 1946ء)۔

قائداعظم نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا:

"میں محسوس کرتا ہوں کہ مسلم لیگ کے لیے وقت آ گیا ہے، اور یہ میں برابر کہتا رہا ہوں۔ تنظیم، اتحاد اور اپنی قوم کی طاقت پر اعتماد ہمارا دستور العمل ہونا چاہئے۔ اگر کافی وقت نہیں ہے، تو وہ طاقت پیدا کرو۔ اگر ہم یہ کر لیں گے تو مشن اور حکومت برطانیہ کانگریس کی ان دھمکیوں سے کہ وہ عدم تعاون کرے گی، بچ جائیں گے، رہا ہو جائیں گے اور آزاد ہو جائیں گے۔ ہم کو بھی کہنا ہے کہ ہم یہی کریں گے۔

خوش معاملگی اور انصاف کے لیے مسلم لیگ نے جتنی کوششیں کیں وہ اور پھر جو خوشامدیں کیں وہ سب رائیگاں گئیں۔ کانگریس پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وزارتی مشن کانگریس کے ہاتھوں میں کھیلتا رہا اور پھر اس نے اپنا کھیل بھی کھیلا۔

کانگریس سوچتی ہے کہ وہ یونہی عبوری حکومت میں چلی جائے گی اور مسلم لیگ کو ایک طرف چھوڑ دے گی بہت خوب وہ جائے۔ ہم بھی اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ ہم اس سے ڈر نہیں رہے ہیں۔ ہم اس کا علاج جانتے ہیں۔"

قائداعظم نے کانگریس اور مشن کی بدعہدیوں اور ان غیر معقول حرکتوں کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد، جو دوران گفت و شنید میں ان دونوں سے سرزد ہوئی تھیں، فرمایا:

"مجھ کو اعتماد ہے کہ مسلم ہندوستان پریشان نہیں ہو گا اور نہ ہم پر مایوسی طاری ہو گی۔ میں بلا خوف تردید آپ سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس تمام گفت وشنید کے دوران میں جو تینوں پارٹیوں کے درمیان ہوئی، صرف مسلم لیگ ہی ایک ایسی تھی جس نے صاحب عزت و وقار انجمن کی طرح عمل کیا۔

ہم نے اعلیٰ اصولوں پر گفت و شنید کی، ہم نے رعایتوں پر رعایتیں کیں۔ اس لیے نہیں کہ ہم مرعوب ہو گئے تھے، ہم نے یہ خالصتاً اپنی اس پر اسرار خواہش

علامہ عبداللہ یوسف علی

1953 - 1872

آپ مفسر قرآن، معلم اور مصنف تھے۔ 1906ء میں انگلستان سے بیرسٹری پاس کی انڈین سول سروس کے امتحان میں ہندوستان بھر میں سرفہرست رہے 1910ء میں ڈپٹی کمشنر اور بعدازاں محکمہ مالیات میں انڈر سیکرٹری رہے۔ 1914ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو گئے آپ 22-1921 میں حیدر آباد دکن کے وزیر مالیات رہے۔ 1910ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشن کانفرنس کے اجلاس منعقدہ ناگ پور کی صدارت کی 1925ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور سنڈیکیٹ کے رکن منتخب ہوئے آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ مع تفسیر تحریر کرنے کا آپ کا تاابد موجود رہنے والا کارنامہ ہے۔ جس کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

میں کیا کہ صرف مسلمانوں پر ہندوؤں کو نہیں، بلکہ ان تمام فرقوں کو آزادی مل جائے جو ہندوستان میں بستے ہیں، لیکن وہاں کانگریس خچر کی طرح جم کر کھڑی ہو گئی۔ اس کو اس کے سوا اور کسی بات کا خیال نہیں ہے کہ مسلم لیگ کو کس طرح دبایا جائے۔

ہم نے پاک ہاتھوں سے کام کیا۔ صرف مسلم لیگ ہی ایک وہ پارٹی ہے جو اس گفت وشنید سے عزت کے ساتھ باہر آئی اور اس کے ہاتھ صاف ستھرے تھے۔

مشن نے عبوری گورنمنٹ کے معاملے میں عہد شکنی کی۔ مشن اس وقت مرعوب ہے اور مفلوج ہے۔ کانگریس نے وہ طریقے اختیار کیے جن پر معمولی آدمی بھی شرماتا۔

تم میں (خطاب بہ کانگریس) اتنی معقولیت بھی نہیں ہے۔ تم میں اتنا بھی احساس وقار نہیں ہے، اور تم میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ تم یہ کہہ دو کہ ہم یہ تجاویز اس وجہ سے منظور نہیں کر سکتے کہ یہ ہمارے بنیادی اصولوں کے خلاف ہیں؟''

اس کے بعد قائداعظم نے وائسرائے سے اس کے متعلق صاف جواب کا مطالبہ کیا:

''کیا 24 جون کی شب میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے طویل المیعاد اور کثیر المیعاد دونوں منصوبوں کو مسترد نہیں کر دیا تھا؟ اور کیا 25 جون کی صبح کو وہ سر اسٹیفورڈ کرپس، جو کبھی تھکتے ہی نہیں، مسٹر گاندھی کو ہموار کرنے کے لیے بھنگی کالونی میں نہیں گئے تھے؟ بظاہر وہاں ان کو زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ واپس آئے اور لارڈ پیتھک لارنس کو مسٹر ولبھ بھائی پٹیل کے پیچھے لگایا گیا، جو کانگریس کے زور آور آدمی ہیں۔ انہوں نے مسٹر پٹیل کو راستے میں پکڑا۔ اپنے گھر لے گئے اور وہاں انہوں نے ایک ترکیب نکالی۔ کانگریس کو اس پر رضامند کیا گیا کہ وہ اپنی ہی تعبیرات اور تحفظات کے مطابق بعید المیعاد تجویز منظور کر لے اور مشن عبوری حکمت کی وہ اسکیم ترک کر دے گا جو 16 جون کو شائع ہوئی ہے۔ اس کا کانگریس کو یقین دلایا گیا۔

اس سب سے یہ ثابت ہو رہا ہے، اور بلاشائبہ شک و ریب کہ ہندوستان کے مسئلے کا حل صرف پاکستان ہے۔''

مسلسل تین روز غور و بحث کے بعد کونسل آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے 28 جولائی کے مشہور ریزولیوشن میں یہ کہا:

''وزارتی وفد اور وائسرائے نے مل کر اور الگ الگ کئی دفعہ یہ بیان کیا کہ اس کے لیے بنیادی اصول معین کر دیے گئے ہیں کہ بڑی پارٹیاں کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں شریک ہو سکیں اور یہ اسکیم بغیر تعاون کی اسپرٹ کے کامیاب نہیں ہو سکتی، مگر کانگریس کے طرزِ عمل سے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ حالات موجود نہیں ہیں جو کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کی کامیابی کے لیے شرط اول ہیں، پھر اس کے ساتھ یہ ایک اور حقیقت ہے کہ حکومت برطانیہ کی یہ پالیسی ہے کہ وہ مسلمان قوم اور دوسرے کمزور فرقوں کے مفاد، جن میں پست اقوام خاص ہیں، کانگریس کی خوشنودی پر قربانی کر دے۔ مشن اور وائسرائے جس طرح اپنے ان تحریری اور زبانی وعدوں اور یقین دہانیوں کے خلاف کر رہے ہیں، جو وقتاً فوقتاً انہوں نے مسلمانوں سے کیے ہیں، ان سے اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا ہے کہ ان حالات میں مسلمانوں کے لیے کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں شریک ہونا خطرناک ہے۔''

اس ریزولیوشن کے ذریعے سے مسلم لیگ نے وزارتی وفد کے منصوبے کی منظوری واپس لے لی۔ صدر مسلم لیگ نے

6 جون 1946ء کواس واقعے سے وفد کو مطلع کر دیا۔

اسی اجلاس کے دوسرے ریزولیوشن میں مسلم لیگ نے مسلم ہندوستان کے اس عزم کا اعلان کیا کہ اب اس کو اس وقت تک قرار نہ آئے گا کہ وہ پاکستان کی خودمختار اور مطلق بااختیار دولت قائم نہ کرلے، اور وہ ہراس کوشش کی مخالفت اور اس کا مقابلہ کرے گا جو مسلم لیگ کی منظوری اور رضامندی کے بغیر دستور وضع کرنے کی غرض سے کوئی نظام قائم کرے یا کوئی دستور مسلط کرنے کے لیے کی جائے گی، خواہ وہ دستور طویل المیعاد ہو یا کثیر المیعاد ہو یا مرکز میں کوئی عبوری حکومت قائم کرنے کے لیے ہو۔

آخر میں کونسل آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے اس یقین کا اعلان کیا:

''اب وقت آ گیا ہے کہ پاکستان حاصل کرنے کے لیے، اپنے منصفانہ حقوق کا دعویٰ کرنے کے لیے، اپنی عزت برقرار رکھنے کے لیے، اور موجودہ برطانوی غلامی اور مستقبل کے اس ہندو تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لیے، جس کے منصوبے بن رہے ہیں، راست اقدام (ڈائریکٹ ایکشن) کیا جائے۔''

اور اس نے مسلم قوم سے اپیل کہ اپنی نمائندہ اور مختار انجمن، مسلم لیگ، کی پشت پر متحد ہو کہ کھڑی ہو جائے اور ہر قربانی کے لیے تیار رہے۔ حکومت برطانیہ کے طرز عمل کے خلاف علامتی احتجاج کے طور پر مسلم لیگ نے مسلمانوں سے فرمائش کی کہ وہ برطانیہ کے عطا کیے ہوئے خطابات واپس کر دیں اور اس جلسے میں خطابات واپس کیے گئے۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ کانگریس کے دوسرے لیڈر یہ سمجھے کہ پنڈت جواہر لال نہرو کے اس بیان کے کیا نتائج ہیں جو 10 جولائی کو انہوں نے اخباری نمائندوں کی کانفرنس میں دیا تھا۔ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا جلسہ طلب کیا گیا۔ جو 8 اگست کو منعقد ہوا۔ کانگریس کمیٹی اس چکر میں تھی کہ اگر یہ اعلان کیا جائے کہ صدر نے غلط بیان دیا، تو صدر اور کانگریس دونوں کے وقار کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اگر وزارتی وفد کی اسکیم سے دستبردار ہو جائے، تو جو فوائد اس سے حاصل ہونے والے ہیں ان سے محرومی ہوگی، لہٰذا ورکنگ کمیٹی نے ایک ریزولیوشن پاس کیا جس میں اس نے یہ کہہ دیا کہ کانگریس نے وزارتی وفد کی اسکیم پوری کی پوری منظور کی ہے، اور ورکنگ کمیٹی نے مسلم لیگ سے یہ اپیل کی کہ وہ تعاون کرے، مگر یہ تبدیل الفاظ ریزولیوشن میں اور سب وہی تھا جو کانگریس کمیٹی کے ریزولیوشن میں کیا گیا تھا۔

مسلم لیگ نے کانگریس کے اس ریزولیوشن کی طرف کوئی اعتنا نہیں کیا، لیکن لارڈ ویول اور وزارتی وفد کے لیے اس میں سب کچھ تھا۔ اس دوران میں کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کے لیے الیکشن ہوتے رہے۔ آخر جولائی میں وہ مکمل ہو گئے۔ مسلم لیگ نے 78 نشستوں میں سے 73 نشستیں جیتیں۔ کانگریس نے 6 کے علاوہ تمام غیر مسلم نشستوں پر قبضہ کیا۔ آسام اور بنگال سے یورپین ارکان نے اس وجہ سے کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کے انتخابات میں شرکت نہیں کی کہ کانگریس نے ان کے اس حق سے انکار کیا تھا۔ دوسرے وجوہ کی بنا پر سکھوں کی نشستیں بھی خالی رہیں اور اس پر گفتگو ہو رہی تھی کہ ریاستوں کے 13 ارکان کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں کیوں کر آئیں۔

(پاکستان ناگزیر تھا، از سید حسن ریاض مطبوعہ، کراچی یونیورسٹی)

یوم راست اقدام

وائسرائے ہند لارڈ ویول برطانوی حکومت کی حکمت عملی کے ماتحت برصغیر کی تقسیم پر مبنی کسی سکیم کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے 29 جولائی 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اعلان کیا:

''مسلم لیگ کو چاہیے کہ وہ 16 اگست 1946ء کو یوم

راست اقدام منائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے کہنے پر پورے برصغیر کے مسلمانوں نے یہ دن منایا۔ کلکتہ میں یہ دن برصغیر کے سب شہروں سے زیادہ منایا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس روز اس صوبے کے مسلمان وزیر اعلیٰ حسین شہید سہروردی نے عام تعطیل کا اعلان کیا تھا۔ اس ضمن میں کلکتہ میں فسادات بھی ہوئے، جن میں 475 افراد ہلاک اور 15 ہزار زخمی ہوئے۔ کلکتہ کے فسادات کو انگریزی اخبار سٹیٹمین نے دی گریٹ کلکتہ کلنگ کا نام دیا۔

علامہ راغب احسن نے اسی دن کو یوم نفیر جہاد پاکستان کا نام دیا۔

یوم راست اقدام کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ برطانوی حکومت اس کے فوراً بعد ہی عبوری حکومت کے قیام پر رضا مند ہوگئی۔

یوم سیاہ

2 ستمبر 1946ء کو کانگریس کی نامزد کردہ حکومت نے حلف وفاداری اٹھایا تو مسلم لیگ نے اس موقع پر پورے ملک میں یوم سیاہ منایا۔

یوم فتح

1 دسمبر 1945ء میں ہندوستان میں عام انتخابات منعقد ہوئے تو مسلم لیگ کو مخالفین کے مقابلے میں نمایاں کامیابی ہوئی۔ پاکستان مخالفین کی عبرت ناک شکست فاش کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے 11 جنوری 1946ء کو یوم فتح منانے کا اعلان کیا اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے قوم کے نام ایک پیغام میں فرمایا:

''ہمارے دشمن ہمیں فنا کرنا چاہتے ہیں، لیکن اگر آپ متحد رہے۔ اللہ کی رسی کو آپ نے مضبوطی سے پکڑے رکھا اور صدق دل کے ساتھ اپنے نیک مقصد کے حصول کے لیے کوشاں رہے تو اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی ضرور دے گا، کیونکہ وہ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں کرتا۔''

2 مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی سو فیصد کامیابی ایسی نہیں تھی جسے فراموش کر دیا جاتا۔ یہ ایک قابل فخر اور نا قابلِ فراموش کامیابی تھی۔ جو دنیا کی سیاسی تاریخ میں پہلی بار مسلم لیگ کو حاصل ہوئی تھی۔

21 دسمبر 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی سے حسبِ ذیل بیان شائع کیا:

''میں مسلمانانِ ہند کو اس شاندار اور غیر معمولی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں، جوانہوں نے پورے ہندوستان میں سو فیصد نشستیں حاصل کر کے پائی ہے۔ اس میں ایک خاص بات ہے کہ اکثر مخالف امیدواروں کی ضمانتیں ضبط ہوگئیں۔ خواہ وہ نام نہاد قوم پرور مسلمان ہوں یا وہ کانگریسی امیدواروں میں سے کوئی ہو۔ اس تعجب انگیز شکست سے ہمارے مخالفین کو یہ احساس ہو جانا چاہئے کہ وہ اب مسلمانوں میں انتشار نہ پھیلائیں۔ جسے ہندو پریس اور اس کے غیر محدود اقتصادی وسائل تقویت دے رہے ہیں۔ یہ مطالبہ پاکستان کے لیے مسلمانانِ ہند کا صاف فیصلہ ہے، اور اس بات کو ثابت کر دیتا ہے کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانانِ ہند کی ذمہ دار نمائندہ جماعت ہے، اور کانگریس سوائے اس کی ذات کے ہندوؤں کے یا مسلمانوں یا ہندوستان کے کسی فرقہ کی نمائندگی نہیں کرتی، مہاسبھا جو کانگریس کی ایک شاخ تھی، ہوا میں بھاپ بن کر اڑ گئی، اور یہ بات یقین کے ساتھ ثابت

ہو چکی ہے کہ ہندو مہاسبھا ایک ہی سکہ کا دوسرا رخ تھی جس کا مقصد نازک مواقع پر مسلم مطالبہ کے خلاف لاؤڈ اسپیکر بننا تھا۔

اس شاندار اور غیر معمولی کامیابی کی خوشی میں مَیں نے مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری کو ہدایت کی ہے کہ وہ تمام صوبہ جاتی قلعوں اور پرائمری لیگوں کو ہدایت کریں کہ جنوری 1946ء بروز جمعہ پہلے دور میں ہماری شاندار کامیابی پر یوم جشن منانے کا اعلان کر دیں۔ اس دن جلسے کیے جائیں اور ہماری اب تک کامیابی کے پیغامات ہمارے آدمیوں کے پاس پہنچائے جائیں، اور پورے منظم ادارہ کی طرح خود کو صوبہ جاتی انتخابات کے دوسرے دور میں جنگ کے لیے تیار کریں تا کہ ہم پوری طرح کامیابی حاصل کر سکیں، اور لیگی امیدواروں کی حمایت کر کے اور ان کو ووٹ دے کر ہر صوبہ میں شاندار کامیابی حاصل کریں۔''

10 جنوری 1946ء کو یوم فتح کے ایک جلسہ میں 50 ہزار مسلمانانِ دہلی کے سامنے قائداعظم محمد علی جناح نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی سو فیصد کامیابی کی مثال کسی مسلک اور قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ ہٹلر اور مسولینی جیسے ڈکٹیٹر بھی ایسی شاندار فتح حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ جیسی کہ آج ہم کو نصیب ہوئی ہے۔ انتخابات نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ مسلم عوام مسلم لیگ کے ساتھ ہیں، جو لوگ ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ مسلم لیگ خطاب یافتوں کی جماعت ہے، انہیں آنکھیں کھول کر اس عظیم الشان مجمع کو دیکھنا چاہئے، یہاں جو اتنے آدمی جمع ہیں، ان میں کتنے خان بہادر ہیں؟ خان بہادروں کی جماعت ہزار ہا آدمیوں پر حکومت اور ان سے فرمانبرداری نہیں کرا سکتی۔''

آخر 11 جنوری کا وہ مبارک و مسعود دن آیا۔ جب مسلمانانِ ہند نے ہر شہر، ہر قریہ اور ہر مقام پر پورے طرب کے ساتھ جشنِ مسرت منایا۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے اپنی بے نظیر تنظیم بے نفسی اور اخلاص ملی کا ثبوت دیا، ان کے سامنے سیم و زر کی تھیلیاں رکھی گئیں، لیکن وہ ٹھکرا دی گئیں۔ ان کے سامنے جاہ و منصب کی رشوت پیش کی گئی، وہ مسترد کر دی گئی۔ ان کی غربت و افلاس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں دہشت زدہ اور مرعوب کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن تارِ عنکبوت کی طرح کمزور اور بودی ثابت ہوئی، مردِ مومن، نہ باطل کی قوتوں سے مرعوب ہوتا ہے، نہ حق کی حمایت میں شدائد و مصائب برداشت کرنے سے گھبراتا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ علماء کے ایک معزز طبقہ کے بہکائے میں نہیں بہک سکتے، نہ ہی گمراہ ہو سکتے ہیں۔ وہ لیڈروں اور رہنماؤں کے جم غفیر کو یہاں بھی ٹھکرا سکتے ہیں، وہ خطابت لسانی کے سحر جلال میں بھی گرفتار نہیں ہو سکتے، وہ صیاد کی نظر پہچانتے ہیں، اور دام ہمرنگ زمین کو دیکھ لیتے ہیں، کوئی گمراہ نہ کر سکا، انہیں کوئی جادۂ حق سے منحرف نہ کر سکا۔ ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ پیدا کر سکا۔

''زندہ باد مسلمانانِ ہند زندہ باد پاکستان زندہ باد۔''

آج کا دن عیدِ ملی کا دن تھا۔ جشن قومی کا دن تھا، آج ہر گھر پر رونق ہو رہی تھی، آج ہر خانہ رنگ و روشن تھا، آج ہر مسلمان مسرور اور شاد کام تھا۔ آج ہر دل مسرور کامیابی سے مخمور تھا، کون سا شہر تھا جہاں مسلمانوں نے چراغاں نہ کیا ہو؟ کون سا گھر تھا جہاں دل کی روشنی چہرے پر اور چہرے کی روشنی در و دیوار پر نہ جگمگا رہی ہو۔

یوم فلسطین

قائداعظم محمد علی جناح اہل فلسطین کے لیے علیحدہ وطن کے خواہش مند تھے اس لیے انہوں نے اپنی زندگی میں ہر لمحہ فلسطینیوں کی حمایت کی۔ اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح نے فروری 1938ء کو مسلم لیگ کی جانب سے ہندوستان بھر میں یوم فلسطین منانے کا بھی اعلان کیا تھا۔

(مزید دیکھئے: ٹرومین کی یہود نوازی)

یومِ قائداعظم

روزنامہ نوائے وقت اپنی اشاعت 25 دسمبر 2013ء میں اپنے اداریہ میں بعنوان ''آج یومِ پاکستان پر قیامِ پاکستان کے مقاصد اجاگر کرنے کی ضرورت'' میں لکھتا ہے:

''قوم آج 25 دسمبر کو بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح کا 138 واں یوم ولادت عقیدت و احترام اور روایتی جوش وجذبے سے منا رہی ہے۔ اس حوالے سے آج سرکاری اور نجی سطح پر تقریبات کا اہتمام کیا گیا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا خصوصی نشریات پیش کر رہا ہے، اور پرنٹ میڈیا نے بانی پاکستان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے خصوصی ایڈیشنز کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ بانی پاکستان کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے آج دن کا آغاز کراچی میں مزار قائداعظم پر گارڈ کی تبدیلی سے ہوگا۔ اس موقع پر قائداعظم کی روح کو ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی ہوگی، اور پاک فوج کا ایک چاک و چوبند دستہ سلامی پیش کرے گا۔

یہ حقیقت ہے کہ قائداعظم نے برصغیر کے مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے مصور پاکستان علامہ اقبال کے تصور کو عملی شکل دے کر اس خطہ میں ایک آزاد اور خود مختار مملکت کا حصول یقینی بنایا، انگریز اور اس کے ٹوڈی متعصب ہندوؤں کی غلامی کی شکنجے میں جکڑے برصغیر کے مسلمانوں کے معاشی اور اقتصادی حالات سنوارنے اور انہیں اسلام کے زریں اصولوں کے مطابق آبرومندی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا چلن سکھایا، اور مملکت خداداد میں بطور قوم ان کا تشخص اجاگر کرنے کے لیے ایک واضح سمت متعین کی۔

یہ حقیقت بھی تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہو چکی ہے کہ متعصب ہندو اکثریت نے مسلم دشمنی کے باعث برصغیر کے مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ کر کے اور انہیں اپنے سے کمتر انسان کا درجہ دے کر خود دوقومی نظریے کی بنیاد رکھی تھی، جو تحریک پاکستان کی بھی بنیاد بنی اور بالآخر قیام پاکستان پر منتج ہوئی جس میں قائداعظم کی بے بدل قیادت میں ایک ایسے جدید اسلامی فلاحی جمہوری معاشرے کی تشکیل اور اس آزاد و خود مختار پاکستان کا تصور متعین ہوا جس سے مسلمانوں کو نہ صرف مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوگی بلکہ انہیں اقتصادی غلامی کے شکنجے میں جکڑنے والی ہندو بنیا ذہنیت اور انگریز کے ٹوڈی جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے استحصال سے بھی نجات ملے گی، اور اس خطہ کے مغلوب مسلمانوں کی جمہوری جدوجہد کے نتیجہ میں قائم ہونے والی اس مملکت خداداد میں خلق خدا کے راج کا تصور بھی عملی قالب میں ڈھل جائے گا۔ جہاں برصغیر کے مسلمانوں کے اقتصادی، معاشی استحصال اور ان کی بدحالی نے ان کے لیے الگ مملکت کے حصول کی سوچ کو پروان چڑھایا، وہیں

مذہبی نظریاتی تفاوت بھی حصول پاکستان پر منتج ہوئی جس میں مسلمانان برصغیر کے قائدین علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح نے نہ صرف اپنی سوچ، مشن اور منشور کے تحت مسلمانوں کو منظم و متحرک کیا بلکہ انہیں ہر مرحلے پر اپنی الگ مملکت (پاکستان) کے مقاصد سے بھی آگاہ کرتے رہے۔ علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الٰہ آباد کے ذریعے تصور پاکستان کو اجاگر کر کے اس کے منشور کے خدوخال بھی نمایاں کر دیے اور ان کی رحلت کے بعد ان کے وضع کردہ اصولوں کی روشنی میں قائداعظم نے منظم اور پرامن تحریک چلا کر سات سال کے مختصر عرصہ میں اقبال کے الگ خطہ ارضی کے خواب کو قیام پاکستان کی شکل میں شرمندہ تعبیر کر دیا۔ قیام پاکستان کے مقاصد اس کے نظریہ اور نظام کے حوالے سے قائداعظم محمد علی جناح کے ذہن میں کوئی ابہام نہیں تھا، چنانچہ وہ قیام پاکستان کی جدوجہد کے دوران ہر مرحلے پر مسلمانان برصغیر اور دنیا کو قیام پاکستان کے مقاصد سے آگاہ کرتے رہے۔

آج جو بعض دانشور حلقے نظریہ پاکستان اور قیام پاکستان کے مقاصد کے حوالے سے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت حقائق کو مسخ کر کے پیش کر رہے ہیں انہیں اسلامیہ کالج پشاور میں قائداعظم کی 13 جنوری 1948ء کی تقریر کے یہ الفاظ ذہن نشین کر لینے چاہئیں:

''ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا' بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے' جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔''

اسی طرح قائداعظم نے قیام پاکستان سے قبل 8 مارچ 1944ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں واضح طور پر باور کرادیا تھا:

''پاکستان اسی دن وجود میں آگیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔''

انہوں نے قیام پاکستان کی تحریک پیدا کرنے والے دو قومی نظریے کو اپنی متعدد تقاریر میں اجاگر کیا۔ 23 مارچ 1940ء کو منٹو پارک لاہور میں منعقدہ مسلم لیگ کے اجلاس میں، جس میں قرارداد لاہور منظور ہوئی' اپنی تقریر میں قائداعظم نے واضح طور پر باور کرایا:

''اسلام اور ہندو دھرم محض مذاہب نہیں' فی الحقیقت دو مختلف معاشرتی نظام ہیں، چنانچہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہیے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت کی تخلیق کر سکیں گے۔''

اسی طرح قائداعظم نے 26 مئی 1940ء کو بمبئی میں مسلم لیگ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں دوقومی نظریے کو واضح کیا:

''قدرت نے پہلے ہی ہندوستان کو تقسیم کر رکھا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے ہیں' ہندوستان کے نقشے پر مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان پہلے ہی موجود ہیں۔''

انہوں نے 25 اکتوبر 1947ء کو ایک غیر ملکی نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے بھی دوقومی نظریے کو ان الفاظ میں اجاگر کیا:

''جہاں تک دوقومی نظریے کا تعلق ہے' یہ کوئی نظریہ نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے اور ہندوستان کی تقسیم اسی حقیقت کی بنیاد پر ہوئی۔''

قائداعظم کے ان واضح اور دوٹوک ارشادات کے باوجود بعض ''ماڈریٹ'' عناصر یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ قیام پاکستان میں دوقومی نظریے کا کوئی کردار

نہیں یا دوقومی نظریے کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تو یہ ان کے وہم اور دماغ کے فتور سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح قائداعظم نے ملک خداداد کے نظام کے تمام خدوخال بھی واضح طور پر نمایاں کر دیے تھے جو ایک جمہوری نظام کے تابع اسلامی، جمہوری، فلاحی معاشرے پر مبنی تھا۔ اس سلسلہ میں 25 جنوری 1948ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے واضح طور پر باور کرا دیا:

''اسلام اور اس کی عالی نظری نے جمہوریت سکھائی ہے اسلام نے مساوات سکھائی ہے ہر شخص سے انصاف اور رواداری کا حکم دیا ہے کسی بھی شخص کے پاس کیا جواز ہے کہ وہ عوام الناس کے لیے انصاف اور رواداری پر اور دیانت داری کے اعلیٰ معیار پر مبنی جمہوریت، مساوات اور آزادی سے گھبرائے۔''

قائداعظم نے 14 جولائی 1947ء کو پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بھی جمہوریت کے تابع مملکت خداداد کے نظام کو اجاگر کیا۔ آج جو عناصر اسلام اور جمہوری نظام کو اپنے مقاصد کے تحت گڈمڈ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں انہیں متذکرہ پریس کانفرنس میں ادا ہونے والے قائداعظم کے یہ الفاظ بہرصورت پیش نظر رکھنے چاہئیں:

''آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال پہلے سیکھ لی تھی۔''

قیامِ پاکستان کے مقاصد اور اس کے نظام کے حوالے سے قائداعظم کی سوچ میں کسی قسم کا ابہام نہیں ہے، اور پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ کی قیادتوں کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ بانیان پاکستان قائد و اقبال کے افکار و نظریات کے ساتھ خود بھی جڑے رہتے اور ان کے وضع کردہ اصولوں کی روشنی میں ہی پاکستان کی ترقی و استحکام کے لیے اپنا کردار بروئے کار لاتے، مگر ہمارا یہ المیہ ہے کہ بانیان پاکستان کے افکار و نظریات ہی نہیں' ان کے تشکیل دیے گئے پاکستان کو بھی مسلم لیگی قیادتوں کے ہاتھوں ہی سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ قائداعظم کی رحلت کے بعد مسلم لیگ کے دو قائدین جو ہندو اور انگریز کے استحصالی نظام کے پروردہ تھے اور جنہیں قائداعظم نے کھوٹے سکے قرار دیا تھا' اسی استحصالی نظام کو پروان چڑھانے کے ایجنڈے پر اپنے اپنے مفادات کے تحت باہم متحد ہو گئے اور اسٹیبلشمنٹ سے گٹھ جوڑ کر کے نو آزاد مملکت خداداد کو آغاز ہی میں پٹڑی سے اتار دیا۔

ان کی اس مفاد پرستی نے ہی وطن عزیز میں جرنیلی آمریتوں کی راہ ہموار کی جبکہ ان آمریتوں کی چھتری تلے پروان چڑھنے والے بونے سیاست دانوں نے مسلم لیگ کو بھی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ ان مفاد پرست سیاست دانوں اور ان کے اور ان کے جانشینوں کی جانب سے آج بھی وطن عزیز کا حلیہ بگاڑنے والا یہ کھیل تماشہ جاری ہے، اور بالخصوص آج کی حکمران مسلم لیگ کی قیادتوں نے تو پاکستان کی سلامتی کے درپے بھارت کے ساتھ دوستی کے شوق میں ملک کی نظریاتی اساس کو بٹہ لگانے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی، جبکہ ہندوستان کے ساتھ تعلقات کے بارے میں بھی قائداعظم کی سوچ واضح تھی۔ انہوں نے 11 مارچ 1948ء کو سوئٹزرلینڈ کے ایک صحافی کو انٹرویو دیتے ہوئے باور کرایا تھا:

''اگر بھارت احساس برتری ختم کر دے، پاکستان کو برابر کا سمجھے اور اصل حقائق کا سامنا کرے تو پاکستان اور بھارت اپنے اختلافات اور تنازعات پر امن طور پر حل کر لیں گے۔''

اسی انٹرویو میں قائداعظم نے واضح کیا:

''پاکستان اور بھارت پہلے اپنے تنازعات اور اختلافات کو دور کریں۔ اگر ہم پہلے اپنے گھر کو مضبوط اور استوار کر لیں تو پھر ہم اس قابل ہو سکتے ہیں کہ تمام بین الاقوامی معاملات میں ثابت قدمی سے حصہ لے سکیں۔''

قائد کے ان ارشادات کی روشنی میں بھارت سے تعلقات کے لیے اس کے ساتھ تنازعات کا حل ہونا شرط اول ہے جبکہ کشمیر کا تنازعہ بھارت کا اپنا پیدا کردہ ہے جس کی موجودگی میں بھارت کی جانب دوستی اور تجارت کا ہاتھ بڑھانا ملک کی خود مختاری، اس کی دسترس میں لانے کے مترادف ہو گا۔ حکمران مسلم لیگ کے قائدین اگر خود کو قائد کا جانشین سمجھتے ہیں تو انہیں قائداعظم کے ان الفاظ کو پلے باندھ کر رکھنا چاہیے جو انہوں نے اپنی وفات سے چند روز قبل ادا کیے تھے:

''کشمیر سیاسی اور فوجی اعتبار سے پاکستان کی شہ رگ ہے' کوئی خود دار ملک اور قوم یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اپنی شہ رگ دشمن کی تلوار کے حوالے کر دے۔''

کیا بھارت پاکستان کی اسی شہ رگ کو اپنا اٹوٹ انگ بنا کر پاکستان کی سالمیت ختم کرنے کی منصوبہ بندی نہیں کیے بیٹھا؟ وزیراعظم نواز شریف اور ان کے برادر خورد وزیر اعلیٰ شہباز شریف کیا پاکستان کی شہ رگ کے عوض اس کے دشمن بھارت کے ساتھ ویزہ فری تجارت و تعلقات کا احیاء چاہتے ہیں اور اس صورت میں کیا وہ خود ہی قیام پاکستان کے مقاصد اور نظریہ پاکستان کو دفن کرنے کا اہتمام نہیں کر رہے؟

قائداعظم نے تو 17 اگست 1947ء کو جمعتہ الوداع کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے پاکستان کا معاشی نظام بھی ان الفاظ میں واضح طور پر اجاگر کر دیا تھا:

''اگر ہم اس عظیم مملکت پاکستان کو خوش اور خوشحال بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی پوری توجہ لوگوں بالخصوص غریب طبقے کی فلاح و بہبود پر مرکوز کرنا پڑے گی۔''

آج وطن عزیز میں بالخصوص پاکستان کی خالق جماعت کی حکمرانی میں ملک کے پسے، پسماندہ غریب طبقات اور عوام الناس جس طرح سنگین اقتصادی مسائل سے دو چار اور روٹی روز گار کے وسائل سے محروم کر کے راندۂ درگاہ بنائے جا رہے ہیں، اس سے قیام پاکستان کے مقاصد پر ہی زد پڑ رہی ہے' اس لیے قوم آج یوم قائد کے موقع پر اپنے حکمرانوں اور سیاسی قائدین سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہے کہ بانیان پاکستان قائد و اقبال نے جن افکار و نظریات اور مقاصد کے تحت پاکستان کا قیام حقیقت بنایا تھا۔

کیا مملکت خداداد میں ان کے ہاتھوں قیام پاکستان کے یہ مقاصد پورے ہو پائے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیا آج یوم قائداعظم پر محض رسمی تجدید عہد پر ہی اکتفا کیا جانا چاہیے یا اس مملکت خداداد کو صحیح معنوں میں قائد کا پاکستان بنانے کی عملیت پسندی کا دامن تھامنے کی ضرورت ہے۔ پاکستان مخالف قوتوں کا تو اس وطن عزیز کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا اپنا ایجنڈہ ہے' جس کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے نہیں جانے دے رہے' مگر کیا ہم خود بھی اس مملکت خداداد کے نگہبان کا
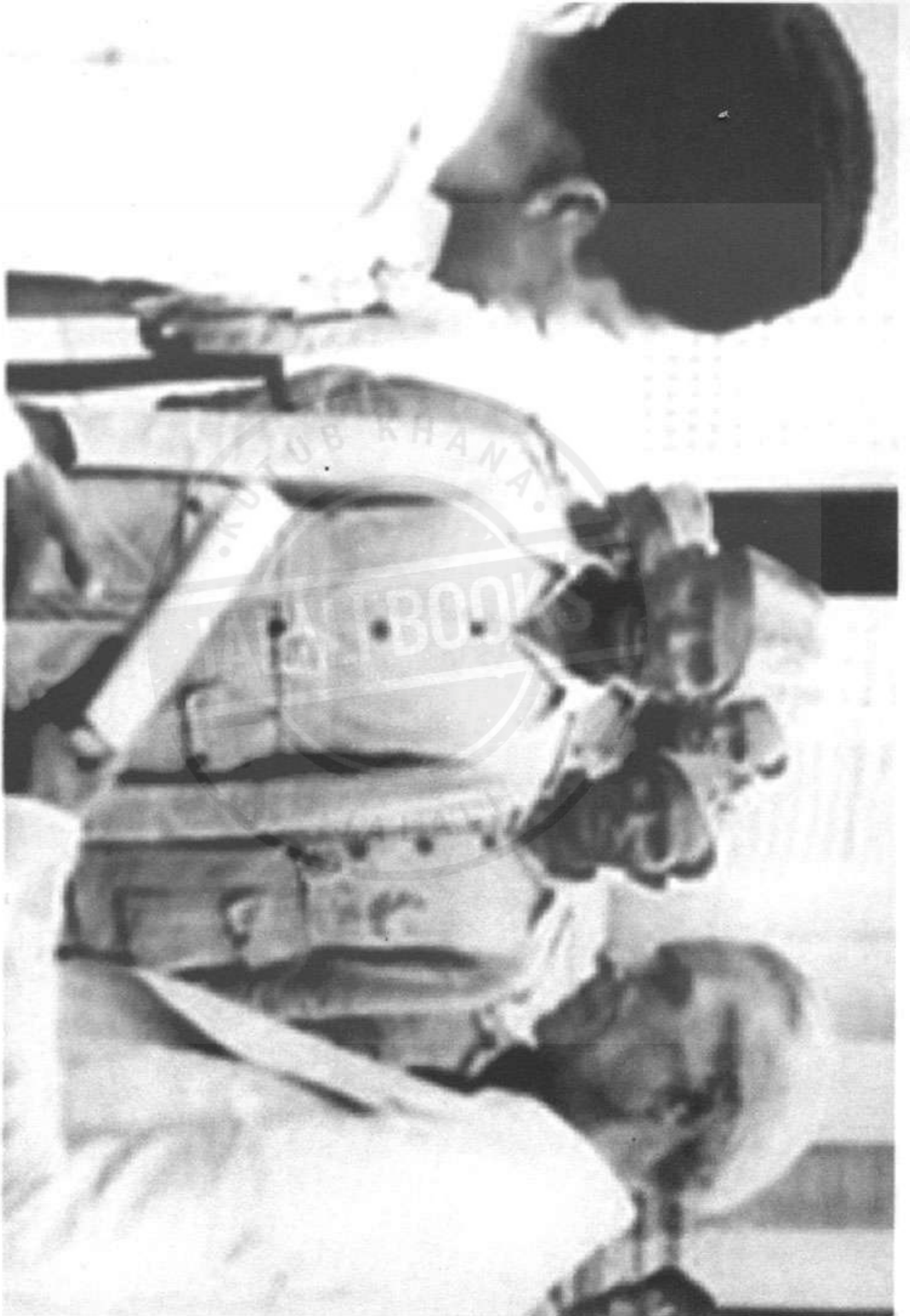
مسٹر جناح بمبئے مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے ہمراہ

کردار ادا کر پا رہے ہیں؟ من حیث القوم ہمیں اپنے اپنے گریبانوں میں جھانک کر اس سوال کا جواب تلاش کرنا چاہیے۔''

(اشاعت روزنامہ نوائے وقت، 25 دسمبر 2013ء)

(مزید دیکھئے: مجدّد)

یومِ نجات

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں کانگریسی وزارتوں کی برطرفی کے بعد 2 دسمبر 1939ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے کانگریس سے نجات پانے کے سلسلے میں ہندوستانی مسلمانوں سے اپیل کی:

''آپ 22 دسمبر 1939ء کو یوم نجات پر جوش طریقے سے منائیں۔''

مسلمانوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے پورے ہندوستان میں جلسے منعقد کیے اور ان جلسوں میں مقررین نے کانگریسی وزارتوں کے دور میں ہونے والے بے پناہ مظالم کا ذکر کیا اور ان سے نجات پانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

25 دسمبر 1939ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی 64 ویں سالگرہ کے موقع پر بمبئی میں فرمایا:

''اخباری اطلاعات، پرائیویٹ خطوط اور تاروں سے یہ معلوم کر کے مجھے بے حد مسرت ہوئی کہ یوم نجات ملک کے طول و عرض میں پوری کامیابی سے کمال تنظیم و نظم کے ساتھ منایا گیا۔ یوم نجات نے اسلامی ہند کی وحدت ملی اور اتحاد و اتفاق کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔

یومِ نجات کا ایک قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقلیتوں اور ان کے لیڈروں اور غیر کانگریسی ہندوؤں نے بھی اس دن کے منانے میں حصہ لیا، جس سے مسلم لیگ کے حق و انصاف پر ور رویہ کا بین ثبوت ملتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ تمام لوگ جو ہندوستان کی آئندہ قسمت کو سانچہ میں ڈھالنے کے ذمہ دار ہیں یوم نجات کے سلسلہ میں اس عظیم الشان مظاہرے سے سبق حاصل کریں گے۔''

مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ راضی برضا رہے۔ اگر اسے دوسروں کے ظلم و استبداد کا نشانہ بننا پڑے تو اسے برداشت کرے اور جب ظلم وستم کے بادل چھٹ جائیں تو اللہ رب العزت کا جو کائنات کا خالق ہے، شکر ادا کرے۔ بعینہٖ مسلمانانِ ہند جب کانگریسی مظالم کا شکار ہوئے اور خدائے بزرگ و برتر نے انہیں نجات دی تو قائداعظم محمد علی جناح نے جمعۃ المبارک کے روز نماز کے بعد ''یوم نجات'' منانے۔ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر شکرانے کے نفل کا اعلان کرتے ہوئے دسمبر 1939ء کو بمبئی سے فرمایا:

''مسلمانانِ ہند عموماً اور ڈسٹرکٹ اور ابتدائی لیگیں خصوصاً 22 دسمبر 1939ء کو ''یوم نجات'' منائیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ فرزندانِ اسلام 22 دسمبر 1939ء بروز جمعۃ المبارک ''یوم نجات و شکرانہ'' منائیں کہ کانگریسی حکومت کا دور ختم ہوا۔ مجھے امید ہے کہ صوبائی ڈسٹرکٹ اور پرائمری لیگیں جمعہ کے بعد عام جلسے کریں گی اور مندرجہ ذیل تجاویز مناسب تبدیلی کے ساتھ پاس کریں گی، اور مسلمان شکرانے کے نوافل ادا کریں گے کہ خدا نے کانگریسی مظالم سے نجات دی ہے۔ مجھے اعتماد ہے کہ تمام جلسے نظم اور انکسار کے ساتھ منعقد ہوں گے اور کوئی ایسی بات نہ ہو گی، جو دوسرے فرقوں کے لیے باعثِ آزار ہو، کیونکہ ان مظالم کا بانی کانگریس کا ہائی کمانڈ ہے، جو مسلمانوں اور دوسری قلیل التعداد اقوام پر کیے گئے۔''

واللہ قائد ملت اسلامیہ نے اپنے ارشاد میں کس قدر تدبر اور اسلامی شان کا اظہار فرمایا ہے، آپ نے صاف فرما دیا ہے کہ ان مظالم کے بانی وہ لوگ نہیں جو کانگریسی ہیں، بلکہ مظالم کی ذمہ دار فقط کانگریس ہائی کمانڈ ہے، جو فسطائیت کو اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہے، جو استبداد کے بل پر ہندوستان میں اقتدار چاہتی ہے جو ظلم سے مرعوب کر کے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو مرعوب کرنا چاہتی ہے، جو اکثریت کا ہوا دکھا کر ہندو راج کی بنیاد رکھنا چاہتی ہے، اس لیے مسلمانوں کے اجلاس میں صرف کانگریس ہائی کمانڈ کی ناانصافیوں اور ظلم واستبداد کا ذکر ہے، عام ہندوؤں کو ملوث نہ کیا جائے۔

''مسلمانوں کا یہ جلسہ عام (مقام کا نام) اپنی رائے کا بیباکانہ اظہار کرتا ہے کہ کانگریسی وزارتوں نے مسلمہ طور پر مسلمانوں کے مقابلے میں اپنی مخالفانہ پالیسی کا قطعی طور پر مظاہرہ کرتے ہوئے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کانگریس کا دعویٰ باطل ہے کہ وہ تمام ہندی اقوام کے مفاد کی انصاف کے ساتھ نیابت کرتی ہے، بڑے غور کے بعد اس جلسہ کی یہ رائے ہے کہ کانگریسی وزارتیں دوسری قلیل التعداد اقوام کے حقوق و مفاد کا تحفظ کرنے میں ناکام رہیں۔

لہٰذا یہ جلسہ مختلف صوبوں سے کانگریسی وزارتوں کے اختتام پر ایک نجات محسوس کرتا ہے، اور اس پر اظہار مسرت کرتا ہے کہ گذشتہ اڑھائی سال سے مسلمانوں پر جو زیادتیاں اور مظالم ہوئے تھے، ان کا خاتمہ ہو گیا اور اس پر آج ''یوم نجات'' منایا جا رہا ہے، اور خدا سے دعا کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایسی طاقت و تنظیم فرمائے کہ وہ ان وزارتوں کے دوبارہ قیام کو روک سکیں (اور مسلمانوں نے اللہ کے فضل سے روک دیا) اور ایسی وزارتیں قائم کر سکیں جو واقعی ہر دلعزیز ہوں (مسلمانوں کی یہ دعا بھی قبول ہوئی) اور تمام فرقوں کے ساتھ انصاف کریں۔ یہ جلسہ ہزایکسی لینسی گورنر (صوبہ کا نام) اور ان کے مشیروں کی کونسل سے باصرار درخواست کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی جائز شکایات اور ان مظالم کی جو سابق کانگریسی وزارتوں نے مسلمانوں پر کیے ہیں، تحقیقات کریں اور اس اعلان کے مطابق جو گورنروں نے دفعہ 93 گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی رو سے اختیار حکومت لیتے وقت لیا تھا، جلد ان شکایات کو رفع کریں، اور ان مظالم کا مداوا کریں، اور اس طرح لوگوں کو یقین دلائیں کہ نئی حکومت تمام فرقوں کے ساتھ بے لاگ انصاف کرنے والی ہے۔''

یوم نجات کے حوالے سے روزنامہ انقلاب نے اپنے اداریہ مورخہ 9 دسمبر 1939ء کو لکھا:

''مسٹر جناح نے اعلان فرمایا ہے:

''تمام مسلمان 22 دسمبر کو ''یوم نجات'' منائیں، اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کریں کہ انہیں کانگریس حکومت کے جور وستم سے نجات مل گئی۔''

اخبار اپنے اداریہ میں لکھتا ہے:

''صاحب ممدوح کی ہدایت ہے:

''ابتدائی لیگیں، اضلاع کی لیگیں اور صوبہ جاتی لیگیں اس روز اپنے اپنے مقاموں پر جلسوں کا انتظام کریں، لیکن تمام جلسے انتہائی ترتیب ونظم سے منعقد ہوں۔ کسی خاص فرقے یا گروہ کے خلاف کوئی ناگوار کلمہ کسی مسلمان کی زبان پر نہ آئے، اس لیے کہ مسلمانوں یا دوسری اقلیتوں پر جو ظلم ہوئے، ان کی

حقیقی ذمہ داری صرف کانگریس ہائی کمانڈ پر عائد ہوتی ہے۔ ہر تقریر اور ہر مظاہرۂ رنج و افسوس صرف کانگریس ہائی کمانڈ کے غلط فرقہ پرستانہ اور غیر منصفانہ طرزِ عمل تک محدود رہنا چاہیے۔''

اخبار اپنے اداریہ میں مزید لکھتا ہے:

''ہمیں اس باب میں مسلم لیگ کی ان سینکڑوں شاخوں سے اپیل کی ضرورت نہیں، جو طول و عرض ہند میں جابجا پھیلی ہوئی ہیں، ہمیں یقین ہے کہ مسٹر جناح کے محولا بالا فرمان کی ہر جگہ ٹھیک ٹھیک تعمیل ہوگی۔''

کانگریس کے خلاف فردِ جرم

اخبار اپنے اداریہ میں مزید لکھتا ہے:

''اس یوم کے لیے ایک واضح اور مفصل قرارداد تیار کر کے مختلف لیگوں کے پاس بھیج دی گئی ہے، جس کے اہم مطالب کا خلاصہ یہ ہے:

❶ کانگریسی حکومتوں نے مسلم دشمنی کی پالیسی سے کانگریس کے اس دعویٰ کو باطل ثابت کر دیا ہے کہ وہ تمام قوموں کی نمائندہ ہے۔

❷ کانگریسی حکومتیں نظم و نسق اور دفع قوانین میں مسلمانوں کی رائے سے بے پرواہ رہیں، مسلم کلچر کو تباہ کرتی رہیں، مسلمانوں کی مذہبی اور معاشرتی زندگی میں مداخلت کرتی رہیں، اور ان کے اقتصادی حقوق کو پاؤں تلے روندتی رہیں۔

❸ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جہاں کہیں اختلاف و کشمکش پیدا ہوئی، کانگریسی وزارتیں مسلسل و متواتر ہندو مقاصد کی تائید و پیشرفت کے درپے رہیں، اور مسلمانوں کے مفادات سے بالکل بے پرواہی برتتی گئی۔

❹ کانگریسی حکومتیں چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی اضلاع کے حاکموں کے عام فرائض میں مداخلت کر کے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچاتی رہیں۔ اس طرح انہوں نے ہندوؤں کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ اب ہندو راج قائم ہو گیا ہے۔ ہندو جن میں زیادہ تر کانگریسی تھے۔ اس طرزِ عمل سے حوصلہ پا کر مسلمانوں سے بدسلوکی کرتے رہے، اور ان کے ابتدائی حقوق میں معترض ہوتے رہے۔

جن لوگوں کو کانگریسی حکومتوں کے گذشتہ ڈھائی برس کے حالات سے واقفیت ہے وہ محولا بالا ''فرد جرم'' کے کسی حصے سے انکار کیوں کر سکتے ہیں؟

ہمیں دلی رنج اور افسوس ہے کہ حالات اس درجہ پر پہنچے، لیکن ان تمام مصیبتوں کی ذمہ دار کانگریسی ہائی کمانڈ ہے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو، گاندھی جی، بابو راجندر پرشاد اور سردار پٹیل جانتے ہیں کہ انہوں نے اور ان کے پٹھوؤں نے جو کچھ کیا، وہ سراسر ناواجب، سراسر خلاف انصاف اور سراسر معاندانہ تھا، مسلمانوں کے حقوق سے پے در پے اعتراض کیا گیا، انہیں جابجا تکلیفوں میں مبتلا کیا گیا، ان کے صبر و سکون اور قوت تحمل و برداشت کو جابجا شدید آزمائشوں میں ڈالا گیا۔ نتیجہ یہی ہوسکتا تھا کہ مسلمان کانگریسی حکومتوں سے مخلصی پانے کے واقعہ کو ایک تاریخی اور یادگاری واقعہ سمجھتے۔ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کی نمائندگی سے متعلق کانگریس بار بار جو دعوے پیش کر رہی ہے۔ ان کی تغلیط و تردید کی یہ بہترین اور مؤثر ترین تدبیر تھی۔

22 دسمبر کو دنیا بھر پر پھر ایک مرتبہ آشکار ہو جائے گا کہ ہندوستان میں کانگریس کی حقیقی پوزیشن کیا ہے۔ وہ ہندوؤں کے سوا کسی کی نمائندگی کا دعویٰ نہیں کر

سکتی، اور ہندوؤں سے کروڑوں اچھوت یک قلم الگ ہیں۔کیا آج بھی کانگریس کو یہ یقین نہ آئے گا کہ اس کی فرقہ پرستی نے حالات کو کس قدر بگاڑ دیا ہے۔''

آخری مہر

اخبار اپنے اداریہ میں مزید لکھتا ہے:

''گاندھی جی آج بھی اصل حقائق کی طرف سے بالکل چشم پوشی کیے بیٹھے ہیں۔ وہ مسلمانوں اور اقلیتوں کی شکایات کو اس طرح ایک معمولی واقعہ سمجھتے ہیں، جس طرح کہ مثلاً 1924ء، 1925ء میں سمجھا کرتے تھے۔ انہیں کون بتائے کہ جس راستے پر آنکھیں بند کیے وہ چل رہے ہیں، وہ ہندوستان میں پھوٹ اور تفرقہ کا راستہ تھا۔ گاندھی جی پھوٹ اور تفرقہ کے لیے حکومت برطانیہ کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ ہم برطانیہ کی وکالت کے خواہاں نہیں ہیں، اور جانتے ہیں کہ اجنبی حکومت اپنے قیام کے لیے جو کچھ ضروری اور مناسب سمجھے گی بہر حال کرے گی۔ کانگریس نے بھی تو جابجا یہی کیا، اور نہایت ہی بھونڈے اور افسوسناک انداز میں کیا، لیکن قوموں کے درمیان گہری اور عمیق تفرقہ انگیزی کے لیے جو کچھ گاندھی جی اور ان کے رفیقوں نے کیا، اس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں شاید ہی ملے۔آل انڈیا مسلم لیگ کا ''یوم نجات'' گاندھی جی کے ان افسوسناک اعمال پر تصدیق کی آخری مہر ثبت کر دے گا۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 9 دسمبر 1939ء)

پہلا اور آخری فرض

یوم نجات کے حوالے سے روزنامہ انقلاب 20 دسمبر 1931ء کی اشاعت میں اپنے اداریہ میں لکھتا ہے:

''آج دسمبر کی 18 تاریخ ہے۔ 22 دسمبر کے طلوع میں صرف چار روز باقی ہیں، معلوم ہے کہ اس روز ہندوستان کے تمام حصوں میں آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے ''یوم نجات'' منایا جائے گا۔ ہماری معلومات کے مطابق پنجاب، بنگال اور دوسرے تمام صوبوں کی لیگوں نے اپنی ماتحت مجلسوں کے نام ہدایات جاری کر دی ہیں اور صاف حکم دے دیا ہے:

''یوم نجات'' آل انڈیا مسلم لیگ کے قائداعظم کی واضح ہدایات کے مطابق منایا جائے اور ان ہدایات سے بال برابر بھی تجاوز نہ کیا جائے۔''

اخبار لکھتا ہے:

''ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں اور پھر عرض کرتے ہیں کہ ''یوم نجات'' ہندوؤں یا ہندوستان کی کسی دوسری قوم کے خلاف نہیں منایا جا رہا۔اس کا مقصد محض یہ ہے کہ کانگریسی حکومتوں اور کانگریسی ہائی کمانڈ کی غلط تفرقہ انگیز اور فرقہ پرستانہ پالیسی دنیا پر واضح کی جائے، جس کی وجہ سے ہندوؤں، مسلمانوں اور دوسری قوموں کے باہمی خوشگوار تعلقات و روابط میں خلل پیدا ہوا، اور ان کے خوشدلانہ تعاون کو نقصان پہنچا۔ یوم نجات کا مدعا اس کے سوا کچھ نہیں کہ کانگریس ہائی کمانڈ اور کانگریسی حکومتوں نے اپنے غلط طرز عمل سے ہندوستان میں صحیح اور حقیقی جمہوریت کے نشوو ارتقاء کی جڑ پر ضرب لگائی۔عوام و جمہور کی حکومتیں بننے کا دروازہ بند کیا۔اب یہ حکومتیں ختم ہو چکی ہیں، لہٰذا ہندوستان کے تمام بہی خواہوں اور اس سرزمین کی فلاح و ترقی کے تمام ہمدردوں کو اللہ تعالیٰ کی اس رحمت پر سراپا شکر و سپاس بننا چاہیے، اور جو مصیبت ختم ہوئی ہے اس پر اطمینان کا سانس لینا

چاہیے، نیز دعا کرنی چاہئے کہ ہندوستان کا ہر صوبہ آئندہ اس قسم کی مصیبتوں سے محفوظ رہے۔

تمام لیگیوں کے کارپردازوں کا اور عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس ''یوم'' کو عجز وانکساری سے منائیں، اس لیے کہ یہ شکرانہ کا دن ہے۔ کسی مسلمان کی طرف سے کوئی ایسی حرکت نہیں ہونی چاہئے جو کسی غیر مسلم کے لیے یا لیگ سے اختلاف رکھنے والے کسی مسلمان کے لیے خفیف سے آزار کا باعث ہو۔ کسی کی زبان پر کوئی ایسا لفظ جاری نہیں ہونا چاہئے جو کسی کو برا لگے۔ ہمارے نزدیک تو بہتر یہی ہے کہ نہ علیٰحدہ پبلک جلسے منعقد کیے جائیں، نہ تقریریں فرمائی جائیں، بلکہ جمعۃ المبارک کی نماز کے بعد ہر جگہ لیگ کی مقررہ قرارداد کا اعادہ کر دیا جائے۔ ہر مقام کی لیگ کارپرداز 22 دسمبر کو اپنے شہر اور قصبہ کی بڑی بڑی مسجدوں میں پہنچ کر یہ انتظام کرا سکتے ہیں۔ ضرورت ہو تو اس کے لیے پہلے سے مختلف حلقوں کے ذمہ دار مسلمانوں کے ساتھ مل کر طریقہ عمل طے کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ لیگ کی ہدایات سے سرِمو انحراف نہ کیا جائے۔

مسٹر جناح نے اپنے تازہ بیان میں پھر اس حقیقت کا اعلان کر دیا ہے:

''یوم نجات ہندو قوم یا ہندوستان کی کسی دوسری قوم کے خلاف نہیں منایا جا رہا بلکہ اس کا مدعا محض کانگریس کے غلط طرزِ عمل کی مذمت ہے۔''

قائداعظم نے فرمایا:

''کانگریس کی روش کے خلاف ہمارا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو باعزت طریق پر ایک دوسرے کے ساتھ کام کرنے سے روک رہی ہے۔ مسلم لیگ ہر قوم کی حق رسی اور ہر قوم کے ساتھ انصاف کی داعی ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا کوئی دوسری قوم۔ مجھے خوشی ہے کہ اس باب میں محض تمام اقلیتوں ہی کے نمائندوں کی طرف سے نہیں، بلکہ غیر کانگریسی ہندوؤں کی طرف سے بھی حوصلہ افزاء پیغامات ملے ہیں۔''

اخبار لکھتا ہے:

''اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر جناح کانگریس کی جس غلط پالیسی کے خلاف مصروف جہاد ہیں، وہ سب غیر کانگریسی بالخصوص سب اقلیتوں کے نزدیک مستوجب قلق ہے۔ اس آئینہ میں کانگریس اگر اپنے ادعائے نمائندگی ہند کے عکس پر بے تعصبی کی نگاہ ڈالے تو ہمیں یقین ہے کہ اسے بھی اپنے آپ سے نفرت ہو جائے گی۔

بہر حال مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ یوم نجات پر انتہائی احتیاط سے کام لیں اور اس دن کو اس طرح منائیں، جس طرح قائداعظم نے اس کے منانے کا حکم دیا ہے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 20 دسمبر 1939ء)

یوم نفیر جہاد پاکستان

(دیکھیے: یوم راست اقدام)

یومیہ آمدنی

1900ء میں اتفاق سے بمبئی میں ایک مجسٹریٹ کی آسامی خالی مل گئی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے آسامی کے حصول کے لیے درخواست پیش کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس آسامی کا حصول آسان نہ تھا۔ کچھ اثر ورسوخ کی ضرورت تھی، لیکن قائداعظم محمد
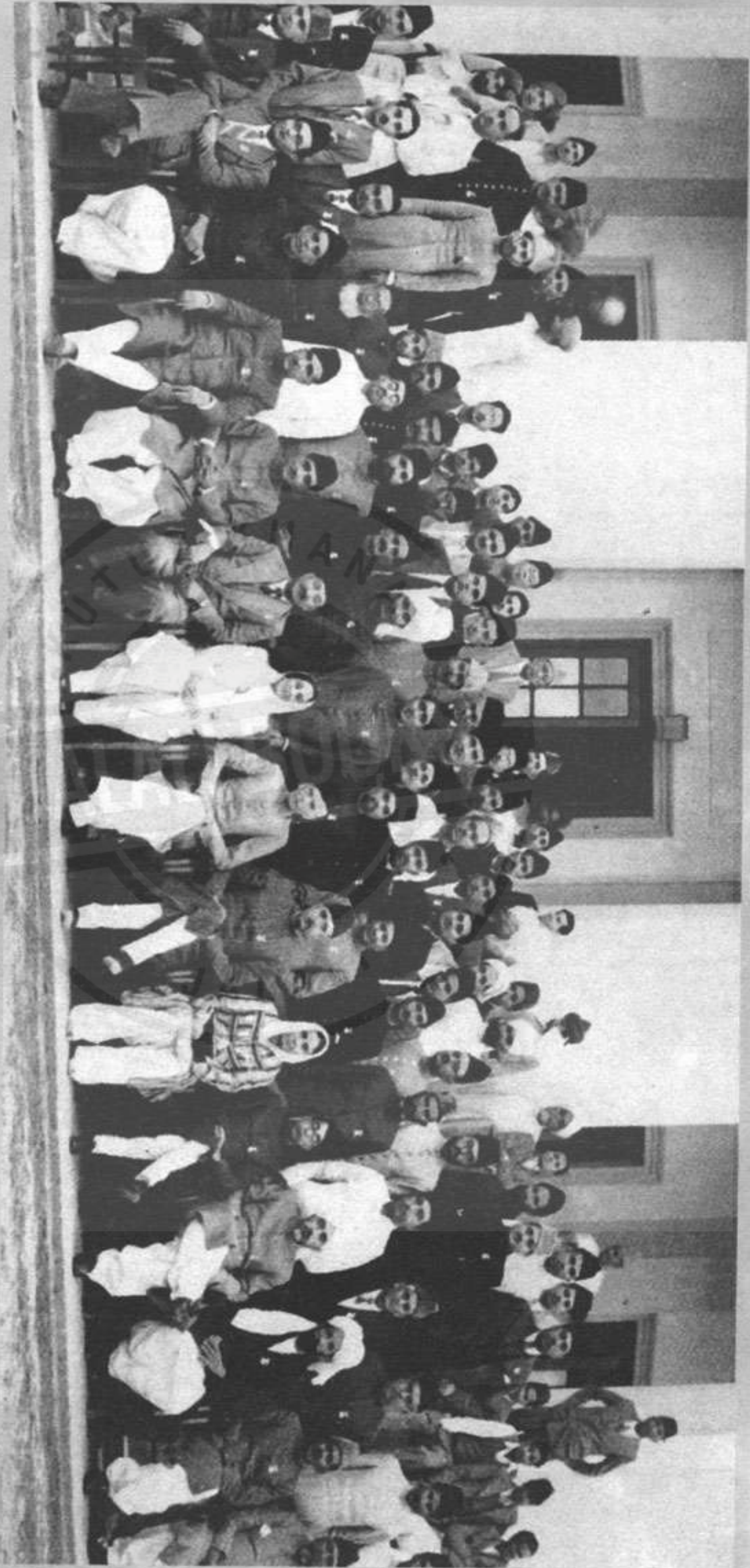
پنجاب کے مسلم لیگی ارکان کے ساتھ گروپ فوٹو

علی جناح کے پاس اپنی قابلیت کے سوا کچھ نہ تھا اس وقت سرچارلس آلیونٹ شعبہ عدل وانصاف کے ممبر تھے اور آسامی کا پر کرنا صرف انہی کے اختیار میں تھا۔ چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح ایک کرایہ کی گاڑی میں بیٹھ کر سیدھے ان کے پاس پہنچے۔ سرچارلس آلیونٹ انہیں دیکھ کر خوش ہوئے اور اس آسامی پر قائداعظم محمد علی جناح کا تقرر کیا۔ یہ آسامی تین ماہ کے لیے تھی۔ معیاد ملازمت میں مزید تین ماہ کی توسیع کردی گئی۔ اس عرصہ میں جو تنخواہ ان کو ملی اس سے کچھ تو سابقہ قرضے ادا کیے اور جو بچا اسے آئندہ کے لیے محفوظ رکھا۔ جب اس ملازمت کا زمانہ ختم ہوگیا تو دوسری ملازمت مل گئی جو پندرہ سوروپے ماہوار تھی، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر اسے رد کردیا:

''میں پندرہ سوروپیہ یومیہ کمانا چاہتا ہوں۔''

یونین جیک

پاکستان کے قیام سے چند روز قبل ہندوستان کے مستقل کے پہلے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بھارت اور پاکستان کے لیے الگ الگ پرچموں کے ڈیزائن تیار کیے۔ بھارت کے پرچم پر چرخہ تھا اور پاکستان کے پرچم پر ہلال اور ستارہ۔ دونوں پرچموں کے اوپر کے دائیں جانب کے کونوں میں چھوٹے چھوٹے یونین جیک تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ماؤنٹ بیٹن سے صاف کہہ دیا:

''کوئی مسلمان اپنے پرچم پر ہلال وستارے کے ساتھ صلیب کا نشان برداشت نہیں کرسکتا۔''

یونین ہال علی گڑھ

قائداعظم محمد علی جناح مارچ 1939ء میں جب علی گڑھ تشریف لائے تو وہاں کی خواتین نے قائداعظم محمد علی جناح کے لیے جلسہ کیا۔

یونینسٹ پارٹی کا چراغ

1937ء کا ذکر ہے قائداعظم محمد علی جناح پنجاب میں مسلم لیگ کا پارلیمانی بورڈ قائم کرنے کے لیے لاہور میں تشریف لائے۔ ملک بھر میں انتخابات کا موسم تھا۔ محترمہ فاطمہ جناح بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ قائداعظم محمد علی جناح بمبئی سے آرہے تھے۔ گاڑی رات ساڑھے آٹھ بجے لاہور پہنچی، سب سے پہلے محترمہ فاطمہ جناح برآمد ہوئیں، مگر جونہی قائداعظم محمد علی جناح نے پلیٹ فارم پر قدم رکھا، ریلوے اسٹیشن کی بجلی چلی گئی یہ کسی کی شرارت تھی یا محض اتفاق۔ اس اندھیرے میں اچانک قائداعظم محمد علی جناح کی گرجدار آواز سنائی دی:

''دیکھا لاہور میں میرے قدم رکھتے ہی یونینسٹ پارٹی کا چراغ گل ہوگیا۔''

یونیورسٹی گراؤنڈ لاہور

30 اکتوبر 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اہلیان لاہور سے خطاب فرمایا تھا۔ اس گراؤنڈ میں انہوں نے یہ تاریخی جملہ کہا تھا:

''مسلمان مصیبت میں گھبرایا نہیں کرتا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:

''ہم نے اپنی آزادی کی محبوب منزل حاصل کر لی ہے، اور دنیا کی پانچویں بڑی اور آزاد اور خودمختار مملکت قائم کرچکے ہیں، وہ آزادی جو کوئی قوم مشکلات اور قربانی کے بغیر حاصل نہیں کرسکتی۔ برصغیر پاک وہند میں رونما ہونے والے حالیہ المناک واقعات اس بات کی گواہی کے لیے کافی ہیں۔ ہم اس قسم کی مشکلات سے دوچار ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی، اور ایسے مصائب میں گھرے ہوئے ہیں، جن کا اندازہ نہیں کیا

جاسکتا۔ ہمیں خوف اور کرب کے سیاہ دن دیکھنا پڑے ہیں۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ حوصلے اور خود اعتمادی کے بل بوتے پر اور خدا کے فضل وکرم سے ہم اس مرحلے سے کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:

''کچھ لوگوں کی یہ سوچ ہوگی کہ مسلم لیگ کی طرف سے 3جون 1947ء کے منصوبے کو تسلیم کرنا ایک بہت بڑی غلطی تھی، میں آپ کو یہ بتانا پسند کرتا ہوں کہ کسی اور متبادل صورت میں جو نتائج نکلتے وہ اس سے زیادہ تباہ کن تھے اور جن کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہم نے اپنی طرف سے اس منصوبے پر صاف ضمیر اور ایماندارانہ ارادے کے ساتھ عمل درآمد کے لیے قدم بڑھایا ہے، وقت اور تاریخ اس بات کو ثابت کردے گی۔ اس کے برعکس تاریخ ان لوگوں کے بارے میں اپنی رائے ریکارڈ کرے گی۔ جن کی غداری اور سازش کی وجہ سے برصغیر پاک وہند میں امن وامان کی صورت حال خراب ہوئی، اور انتشار کی قوتوں کو کھلم کھلا آزاد چھوڑ دیا۔ جس کے باعث لاکھوں انسان قتل کردیے گئے۔ بے اندازہ املاک تباہ ہوئیں اور لاکھوں انسانوں کو گھروں سے بے گھر کر کے ان کے عزیزوں اور ہراس چیز سے جو انہیں بے حد عزیز تھی محروم کر کے شدید مشکلات سے دوچار کردیا۔ نہتے اور معصوم لوگوں کے اس منظم وحشیانہ مظالم کے سامنے سر شرم سے جھک جاتے ہیں جن کی درندگی تاریخ میں ضرب المثل ہے۔

ہم ایک ایسی اور پہلے سے سوچی سمجھی سازش کا شکار ہوئے ہیں جسے ایمانداری، جوانمردی اور شرافت کے اصول کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بروئے کار لایا گیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کا اس بات پر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ان باطل قوتوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہمت اور ایمان جیسے عناصر سے نوازا۔ اگر ہم قرآن حکیم سے رہنمائی اور وجدان حاصل کریں تو میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ آخری فتح ہماری ہوگی۔

ایک لمحہ کے لیے بھی یہ خیال دل میں نہ لائیں کہ آپ کے دشمن ہمیشہ کے لیے اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو سکتے ہیں، لیکن اس لمحہ ان مشکلات سے ہرگز مایوس نہ ہوں، بلکہ اپنے دلوں میں تلاش کریں، اور جائزہ لیں کہ آپ نے اس نوازئیدہ اور بڑی مملکت کی تعمیر کے لیے اپنے حصے کا کردار ادا کیا ہے۔

کام کی زیادتی کی وجہ سے جذباتی نہ ہوں۔ نوزائیدہ قوموں کی تاریخ میں بہت سی ایسی مثالیں ہیں جنہوں نے قوت ارادی اور کردار سے خود کو آگے بڑھایا۔ آپ خالص سونے کے بنے ہوئے ہیں اور کسی سے کم نہیں ہیں۔ دوسروں کی طرح آپ کیوں نہیں کامیاب ہو سکتے؟ جیسا کہ آپ کے آباؤ اجداد ہوئے ہیں۔ آپ کو صرف اپنے اندر مجاہدانہ خصوصیات پیدا کرنا ہوں گی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنا خطاب جاری رکھتے ہوئے کہا:

''ایک وہ قوم ہیں جس کی تاریخ بہادری، شجاعت اور بلند کرداری کی بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ ان روایات کے مطابق زندگیاں بنایئے اور اس تاریخ میں ایک اور درخشاں باب کا اضافہ کیجئے۔ میں اب تم میں سے ہر ایک سے یہ چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر کوئی جسے یہ پیغام پہنچے اپنے آپ سے

وعدہ کرے اور اگر ضرورت پڑے تو پاکستان کی تعمیر اور اسلام کی حفاظت اور دنیا کی بڑے مملکت کی حیثیت سے جو اندرون اور بیرون امن کی خواہاں ہے کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار کرے۔
آپ کا اولین فریضہ یہ ہے کہ ان لاکھوں بے خانماں اور بدقسمت بھائیوں کی آبادکاری کا کام کریں، جو اس وقت ہمارے ساتھ ہیں، اور بعد ازاں پاکستان میں آئیں گے اس دنیا میں جو پونجی ان کے پاس ہے اس کا یہی مفاد نہیں پہنچ سکتا ہے اب جتنا کچھ بھی ہم ان کے لیے کر سکتے ہیں۔
بھائیوں کی طرح ان کا استقبال کریں۔ کوئی شریف اور مہذب شخص یہ نہیں سوچ سکتا کہ ہم پر وہ ناقابل برداشت بوجھ بن سکتے ہیں۔
جس قدر زیادہ پس انداز کر سکیں وہ وحشت اور درندگی کے شکاران افراد کی بحالی کے لیے دیں۔ انہوں نے تمام مصائب اس لیے برداشت کیے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔
اس کے ساتھ ساتھ خود میں حوصلہ پیدا کریں۔ موت سے ہرگز نہ ڈریں۔ ہمارے مذہب نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ ہر وقت خود کو موت کے لیے تیار رکھنا چاہئے۔ ہمیں پاکستان اور اسلام کی عزت بچانے کی خاطر جرأت سے موت کا مقابلہ کرنا چاہئے۔
مسلمان کے لیے اس سے بہتر کوئی حل نہیں کہ وہ صحیح کام کے لیے شہادت کی موت مرے۔
اپنا فرض بجا لاتے رہو اور خدا کی ذات پر بھروسہ رکھو، دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کو ختم نہیں کر سکتی۔ پاکستان قائم رہنے کے لیے بنا ہے۔ ہمارے کام اور کارنامے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ہم سچائی پر ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دنیا کی ہمدردیاں خصوصاً اسلامی ممالک کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ اس کے جواب میں ہم بھی ہر اس قوم کے ممنون ہیں جس نے امداد و تعاون اور دوستی کا ہاتھ بڑھا کر ہماری مدد کی۔
آخر میں میں ایک بار پھر آپ سے اچھی سوچ کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے رجحانات کی ہرگز ہرگز حوصلہ افزائی نہ کریں، لیکن ایسا سلوک اور عمل کریں کہ آپ اپنی حکومت کے لیے اور اپنے رہنماؤں کے لیے مضبوط ثابت ہوں، جو ہمارے بدقسمت بھائیوں کی مشکلات کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہوں۔
اس میں شک نہیں کہ افق پر تاریکی کے بادل چھائے ہوئے ہیں، لیکن میں آپ سے اپیل کرتا ہوں اور قوم کے نام پیغام دیتا ہوں کہ اپنے میں جذبہ اور جوش وخروش پیدا کرو، اور حوصلے اور امید کے ساتھ اپنا کام کیے جاؤ۔ انشاء اللہ کامیابی ہماری ہے۔ کیا ہم مایوس ہو کر بیٹھ جائیں، ہرگز نہیں۔ اسلامی تاریخ اولوالعزمی، حوصلے اور استقلال مزاجی کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ بس مشکلوں اور رکاوٹوں اور مصیبتوں کے باوجود آگے بڑھتے جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ سات کروڑ کی ایسی متحدہ قوم جو عظیم ادارے کی مالک ہو عظیم تہذیب رکھتی ہو۔ تاریخ کی وارث ہو۔ اسے کسی قسم کا خوف نہیں ہونا چاہئے۔ اب یہ آپ پر ہے کہ کام کریں۔
کام، کام اور کام۔ کامیابی ہمارا مقصد ہے اور اپنا نعرہ کبھی نہ بھولیں۔
''اتحاد، ایمان اور نظم۔''

ماخذ

☆ قائداعظم مسلم پریس کی نظر میں، پروفیسر احمد سعید صاحب 1910ء سے 1948 تک قومی کتب خانہ لاہور 1970ء
☆ قائداعظمؒ (معاصرین کی نظر میں) مصباح الحق صدیقی اور تسنیم کوثر گیلانی (شہزاد پبلشرز لاہور) 1959ء
☆ قائداعظم محمد علی جناح (معمار پاکستان)، پروفیسر سجاد باقر رضوی سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1988ء
☆ قائداعظمؒ کی چند نادر تقریریں اور بیانات، خورشید احمد خاں یوسفی پنجاب یونیورسٹی لاہور 1988ء
☆ تفہیم القرآن (حاشیہ سورہ النساء)، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ترجمہ القرآن لاہور 1980ء
☆ قائداعظمؒ کے حضور، مرتب: مصباح الحق وتسنیم کوثر گیلانی (شہزاد پبلشرز لاہور) 1976ء
☆ قائداعظم کا تصورِ پاکستان، غلام احمد پرویز، (ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور) 1972ء
☆ قائداعظمؒ (سوچ تے سیاست) رفیق ڈوگر (پاکستان پنجابی ادبی بورڈ) ستمبر 1983ء
☆ قائداعظم محمد علی جناح ایک قوم کی سرگزشت، جی الانہ، مطبوعہ فیروزسنز لاہور 1980ء
☆ قائداعظمؒ کے آخری ایام، ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش، (قائداعظمؒ اکیڈمی کراچی) 1978ء
☆ قائداعظمؒ کے لیے عقیدت کے پھول، محمد حنیف شاہد (سنگ میل پبلی کیشنز) 1985ء
☆ قائداعظمؒ (ابتدائی تیس سال)، ممتاز محقق رضوان، جنرل نالج اکیڈمی کراچی 1977ء
☆ قائداعظمؒ کے ساتھ چھ ماہ، محمد شریف، (نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد) 1976ء
☆ قائداعظمؒ میری نظر میں، صفیہ سلطانہ انور، گوشہ ادب چوک انار کلی لاہور 1953ء
☆ قائداعظمؒ کے سیاسی پیروکار، پروفیسر محمد مظفر مرزا، مقبول اکیڈمی لاہور 1995ء
☆ قائداعظمؒ اور مسلم پریس، پروفیسر احمد سعید، ایجوکیشنل ایمپوریم لاہور 1976ء
☆ قائداعظم محمد علی جناح، علامہ عبدالستار عاصم، مقبول اکیڈمی، لاہور، 1990ء
☆ قائداعظمؒ (ارشادات واقتباسات) تحسین حسین (نذیر سنز لاہور) 1988ء
☆ قائداعظمؒ (افکار وکردار) راجہ رشید محمود (نذیر سنز پبلشرز لاہور) 1985ء
☆ میراث قائداعظمؒ، سابق چیف جسٹس جاوید اقبال، فیروزسنز لاہور 1967ء
☆ انسائیکلو پیڈیا قائداعظمؒ زاہد حسین انجم مقبول اکیڈمی 1980ء
☆ جدوجہد قیام پاکستان، پروفیسر رفیع اللہ شہاب (مقبول اکیڈمی) 1980ء
☆ قائداعظمؒ میری نظر میں ذکریا ساجد، قائداعظمؒ اکادمی کراچی 1987ء
☆ قائداعظمؒ اور ان کا عہد رئیس احمد جعفری، مقبول اکیڈمی لاہور 1990ء
☆ قائداعظمؒ کی تصویر آغا اشرف (علیم پبلشرز لاہور) فروری 1983ء
☆ قائداعظمؒ کا بچپن (کلیم نشتر)، مکتبہ عالیہ اردو بازار لاہور 1976ء

☆ قائداعظمؒ کی شخصیت کا روحانی پہلو، ملک حبیب اللہ، مکتبہ قائداعظمؒ کراچی 1970ء
☆ حیات قائداعظمؒ (چند نئے پہلو)، پروفیسر احمد سعید، مکتبہ قائداعظمؒ کراچی 1970ء
☆ تعلیمات قائداعظمؒ تحقیق گاہ تحریک پاکستان، بزم اقبال ۲ کلب روڈ لاہور، 1998ء
☆ بانیٔ پاکستان کے آخری ایام، ڈاکٹر ایم اے صوفی، نظریہ پاکستان ٹرسٹ 2002ء
☆ پاتھ وے ٹو پاکستان، چودھری خلیق الزمان، بزم اقبال ۲ کلب روڈ لاہور، 1998ء
☆ پاکستان کے پچاس سال، پروفیسر رفیع اللہ شہاب، مقبول اکیڈمی لاہور 2002ء
☆ جمہوریت، آمریت اور مادرملت، وکیل انجم، نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن 2003ء
☆ کراچی میں مدفون مشاہیر، ایم آر شاہد، قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل لاہور 2012ء
☆ قائداعظمؒ تقاریر و بیانات، اقبال احمد صدیقی، قومی کتب خانہ لاہور 1980ء
☆ رحمتہ اللعالمینؐ، سید سرور شاہ گیلانی (علیگ) مکتبہ عباسیہ بہاولپور 1986ء
☆ مسلم لیگ ایک قومی تحریک، پروفیسر مظفر مرزا، مقبول اکیڈمی لاہور 1991ء
☆ تعلیمات قائداعظمؒ تحقیق گاہ تحریک پاکستان، مکتبہ کارواں لاہور 2003ء
☆ تحریک پاکستان میں طلباء کا کردار، مختار زمن، مکتبہ سادات کراچی 2003ء
☆ پاکستان سے پاکستان تک، عشرت رحمانی، مقبول اکیڈمی لاہور، 1996ء
☆ سیرت النبی ﷺ کامل ابن ہشام جلد 1، مقبول اکیڈمی لاہور 1970ء
☆ تحریکات پاکستان، پروفیسر نذیر احمد تشنہ، مقبول اکیڈمی لاہور 2013ء
☆ خبر قبیلہ، ندیم اہل، علامہ عبدالستار عاصم، قلم فاؤنڈیشن لاہور 2005ء
☆ انسائیکلوپیڈیا قائداعظمؒ، منصور بٹ، مقبول اکیڈمی لاہور 2013ء
☆ ہمارے قائد، منظور حسین عباسی، اکادمی ادبیات اسلام آباد 1980ء
☆ خطبات قائداعظمؒ، رئیس احمد جعفری، مقبول اکیڈمی لاہور 2003ء
☆ انڈیا ونز فریڈم، مولانا ابوالکلام آزاد، مقبول اکیڈمی لاہور 1980ء
☆ بکس آن قائداعظمؒ، ایم عادل عثمانی، مکتبہ کارواں لاہور 1985ء
☆ تاجدار پاکستان، نذیر احمد لدھیانوی، مکتبہ کارواں لاہور 1980ء
☆ میرے قائد کا نظریہ، محمد آصف بھلی، مقبول اکیڈمی لاہور 2012ء
☆ تحریک پاکستان میں مسلم طلباء کا کردار، پنجاب یونیورسٹی 2002ء
☆ معلومات پاکستان، یونس ادیب، مقبول اکیڈمی لاہور 2006ء
☆ ہمارے قائداعظمؒ، آغا اشرف، مقبول اکیڈمی لاہور 1995ء
☆ بچوں کا جناح، ادارہ مقبول اکیڈمی لاہور 1998ء

☆ قائداعظمؒ نظریہ و بیانات، اقبال احمد صدیقی، بزم اقبال روڈ لاہور 1998ء
☆ قائداعظمؒ (خطوط کے آئینے میں) خواجہ رضی حیدر، نفیس اکیڈمی 1985ء
☆ نظریہ پاکستان، سید واجد جعفری، مقبول اکیڈمی لاہور 1995ء
☆ تاریخ ساز محمد علی جناحؒ، بشارت احمد نعیم، کارواں لاہور، 1980ء
☆ مادرِ ملت، ذوالفقار احمد راحت، مادرِ ملت سوسائٹی لاہور، 2005ء
☆ مطالعہ پاکستان، پروفیسر مظفر مرزا، مقبول اکیڈمی لاہور 1995ء
☆ ملت کا پاسبان، پروفیسر مظفر مرزا، مقبول اکیڈمی لاہور 1993ء
☆ دی قائدین، ادبی مجلّہ قائداعظمؒ، یونیورسٹی اسلام آباد 2014ء
☆ اسلام کا سفیر، محمد متین خالد، علم و عرفان پبلی کیشنز لاہور 2013ء
☆ عرش آزادی، پروفیسر مظفر مرزا، مقبول اکیڈمی لاہور 1992ء
☆ خون کی ہولی، رئیس احمد جعفری، مقبول اکیڈمی لاہور 1990ء
☆ دیدۂ بینائے قوم، محمد سلیم ضیاء، مکتبہ قائداعظمؒ کراچی 1975ء
☆ ظہور پاکستان، چودھری علی محمد، مکتبہ کارواں لاہور 1989ء
☆ بیاد قائداعظمؒ، خواجہ ظفر نظامی، مکتبہ کارواں لاہور 1987ء
☆ آزادی ہند، رئیس احمد جعفری، مقبول اکیڈمی لاہور 1983ء
☆ حیات قائد کے آخری پچاس دن، حکومت پاکستان 1990ء
☆ دانائے اعظمؒ، اکرم زیبائی، مکتبہ قائداعظمؒ کراچی 1975ء
☆ پاکستان زندہ باد، آغا اشرف، مقبول اکیڈمی لاہور 1990ء
☆ تحریک پاکستان، ناصر نقوی، مقبول اکیڈمی لاہور 2003ء
☆ پیارے قائد، غوثیہ رشید، مقبول اکیڈمی لاہور 1990ء
☆ مادرِ ملت، شاہد رشید، مکتبہ ندائے ملت لاہور 2012ء
☆ قائداعظم محمد اشرف خان، ملک دین محمد اینڈ سنز 1947ء
☆ جناح سے قائداعظمؒ، پروفیسر وارث میر 1980ء
☆ ٹوورڈز پاکستان، ڈاکٹر وحید الزمان 1964ء
☆ جناح اور پاکستان، حاجی لق لق 1945ء

اخبارات، رسالاجات

☆ قرارداد پاکستان کی تدوین چند حقائق (روزنامہ جنگ لاہور)، ارشاد احمد حقانی، عاشق حسین بٹالوی، 11 اکتوبر 1987ء

☆ روزنامہ جنگ، اسلام سلمانی سیکرٹری جنرل پاکستان نیشنل ہیئر ڈریسر فیڈریشن 10 ستمبر 1978ء
☆ قائداعظمؒ اور قومی زبان اردو، تحریر مظفر عباس (ماہنامہ نظریہ پاکستان قائداعظمؒ نمبر) 2013ء
☆ قائداعظمؒ اور لائل پور، تحریر ڈاکٹر سید معین الرحمٰن (سنگ میل پبلی کیشنز لاہور) نومبر 1977ء
☆ قائداعظمؒ اور صوبائی تعصبات، عزیز ظفر آزاد (روزنامہ نوائے وقت) 25 دسمبر 2013ء
☆ قائداعظمؒ محمد علی جناح، سعید بخش پرنسپل انٹر کالج کوہاٹ چھاؤنی، فیڈرل گورنمنٹ 1977ء
☆ قائداعظمؒ محمد علی جناح کا مشن، تحریر خورشید احمد، روزنامہ نوائے وقت 25 دسمبر 2013ء
☆ قائداعظمؒ کی شخصیت کا روحانی پہلو روزنامہ نوائے وقت لاہور 19 جنوری 1946ء
☆ قائداعظمؒ محمد علی جناح، تحریر سید صفدر سلیمی، روزنامہ مشرق لاہور 25 اگست 1972ء
☆ قائداعظمؒ پر قاتلانہ حملہ کس نے کیا ہفت روزہ الاصلاح لاہور 22 اکتوبر 1976ء
☆ قائداعظمؒ (تحریر: حکیم آفتاب احمد قرشی) نوائے وقت 25 دسمبر 1975ء
☆ آزادی نمبر، چیف ایڈیٹر ڈاکٹر مجید نظامی، ماہنامہ نظریہ پاکستان 2014ء
☆ روزنامہ نوائے وقت، تحریر پروفیسر مظہر عالم، 11 ستمبر 2013ء
☆ خصوصی نمبر قائداعظمؒ، ایڈیٹر شاہد رشید، نظریہ پاکستان 2013ء
☆ روزنامہ مشرق لاہور (تحریر: علی اختر رضوی) 11 ستمبر 1967ء
☆ (مضمون نیاز سواتی) روزنامہ ایکسپریس 11 ستمبر 2013ء
☆ روزنامہ نوائے وقت، تحریر ایم اے شیدا، 25 دسمبر 2013ء
☆ روزنامہ نوائے وقت، طاہر جمیل نورانی، 25 دسمبر 2013ء
☆ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ (تحریر: اشفاق احمد) اگست 2013ء
☆ روزنامہ نوائے وقت، ڈاکٹر انور سدید 25 دسمبر 2013ء
☆ روزنامہ نوائے وقت، تحریر ناصر آغا، 11 ستمبر 2013ء
☆ ماہنامہ نظریہ پاکستان، سید ضمیر جعفری، دسمبر 2013ء
☆ روزنامہ نوائے وقت، معین باری 25 دسمبر 2013ء
☆ ماہنامہ پھول، تحریر محمد شعیب مرزا، دسمبر 2012ء
☆ اردو ڈائجسٹ (تحریر ابو صارم) اگست 2013ء

☆ قائداعظمؒ (کاٹھیاواڑ سے کراچی تک) ماہنامہ نظریہ پاکستان، مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح، دسمبر 2013ء

☆ قائداعظمؒ اپنے معاصرین کی نظر میں، تحریر جمیل الدین احمد، 26 جنوری 1948ء روزنامہ ڈان

☆ قائداعظمؒ کا تصورِ ریاست (اشاعت روزنامہ نوائے وقت) محمد جمیل، 25 دسمبر 2013ء

☆ فلیٹ ہیٹ سے جناح کیپ تک، پروفیسر جمیل آذر (ماہنامہ الحمرا)، دسمبر 2013ء

☆ نوائے وقت پاکستان کا قومی پرچم، تحریر: مرزا سرفراز حسین 19 نومبر 1975ء

☆ قائداعظمؒ کا پاکستان (ماہنامہ نظریہ پاکستان لاہور) محمد جاوید، دسمبر 2013ء

☆ چند باتیں عبدالقادر قریشی ایم اے، روزنامہ مشرق لاہور 25 دسمبر 1968ء

☆ تین جون 1947ء کی تاریخی تقریر، آل انڈیا ریڈیو دہلی 3 جون 1947ء

☆ خان عبدالغفار خان غدار یا محبِ وطن، جاوید احمد صدیقی، جنوری 1988ء

☆ 7 کا عدد قائداعظمؒ کی زندگی میں، محمد مسعود اردو ڈائجسٹ، دسمبر 1970ء

☆ روزنامہ جہان پاکستان لاہور، تحریر محترمہ صفیہ جمیل، 11 ستمبر 2013ء

☆ روزنامہ جہان پاکستان لاہور، تحریر محترمہ فرحین اسرار 11 ستمبر 2013ء

☆ جدوجہد قیامِ پاکستان، پروفیسر رفیع اللہ شہاب مقبول اکیڈمی، 1990ء

☆ علالت سے وفات تک، روزنامہ نوائے وقت، 11 ستمبر 2013ء

☆ روزنامہ نوائے وقت، تحریر ڈاکٹر سید اکرم اکرام 25 دسمبر 2013ء

☆ تحریر: ارشاد احمد حقانی، روزنامہ جنگ لاہور 10 اپریل 1988ء

☆ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ، تحریر: رضی الدین سید، اگست 2013ء

☆ حکیم محمد احسن، روزنامہ جنگ راولپنڈی، 16 اگست 1989ء

☆ ماہنامہ نظریہ پاکستان، تحریر پروفیسر محمد مظفر مرزا دسمبر 2013ء

☆ ماہنامہ نظریہ پاکستان، پروفیسر سید وقار عظیم، دسمبر 2013ء

☆ حمیدہ فاطمہ، سیدہ، روزنامہ مشرق، 11 ستمبر 1984ء

☆ صحیفہ قائداعظمؒ نمبر، تحریر: ارشد میر، ستمبر-دسمبر 1976ء

☆ ہفت روزہ فیملی میگزین 8 ستمبر تا 14 ستمبر 2013ء

☆ ماہنامہ نظریہ پاکستان لاہور، دسمبر 2013ء

☆ روزنامہ نوائے وقت 30 جنوری 1946ء ☆ روزنامہ نوائے وقت 23 فروری 1946ء

☆ روزنامہ انقلاب 4 فروری 1943ء ☆ روزنامہ پائینر انقلاب 30 اکتوبر 1928ء

☆ روزنامہ پیسہ اخبار 27 اپریل 1911ء ☆ روزنامہ پیسہ اخبار 30 جون 1911ء

☆ روزنامہ پیسہ اخبار یکم مئی 1912ء ☆ روزنامہ پیسہ اخبار 22 مئی 1912ء

☆ پیسہ اخبار لاہور جنوری 1887ء ☆ روزنامہ انقلاب 18 اگست 1927ء

☆ ٹائم اینڈ ٹائیڈ 19 جنوری 1940ء ☆ ٹائم میگزین نیویارک 4 دسمبر 1939ء

☆ ٹمبرز ایسوسی ایشن بمبئی 6 اگست 1945ء ☆ روزنامہ ایکسپریس 11 ستمبر 2013ء

☆ اداریہ روزنامہ انقلاب 28 اکتوبر 1939ء ☆ روزنامہ احسان 13 ستمبر 1948ء

☆ اداریہ روزنامہ انقلاب 15 فروری 1940ء ☆ روزنامہ انقلاب 15 فروری 1940ء

☆ روزنامہ نوائے وقت 25 دسمبر 2013ء ☆ روزنامہ نوائے وقت 11 ستمبر 2013ء

☆ دی ڈان 31 دسمبر 1945ء ☆ روزنامہ زمیندار لاہور 23 مارچ 1924ء

☆ ہفت روزہ پیسہ اخبار 25 مئی 1924ء ☆ ہفت روزہ پیسہ اخبار 29 مئی 1924ء

☆ روزنامہ انقلاب 23 نومبر 1942ء ☆ ہفتہ وار پیسہ اخبار 28 اکتوبر 1937ء

☆ روزنامہ انقلاب 25 مئی 1929ء ☆ روزنامہ انقلاب 25 مئی 1929ء

☆ روزنامہ نوائے وقت 21 مارچ 1946ء ☆ روزنامہ نوائے وقت 11 ستمبر 2013ء

☆ روزنامہ نوائے وقت 25 دسمبر 2013ء ☆ روزنامہ دنیا 11 ستمبر 2013ء

☆ ہندوستان ٹائمز 9 جون 1940ء ☆ روزنامہ نوائے وقت 17 مئی 1945ء

☆ روزنامہ نوائے وقت 18 مئی 1945ء ☆ روزنامہ انقلاب 20 مئی 1945ء

☆ ہفت روزہ پاکستان 21 مئی 1945ء ☆ نہرو جناح مراسلت روزنامہ انقلاب 16 جنوری 1940ء

☆ ہفت روزہ پیسہ اخبار 15 مارچ 1934ء ☆ روزنامہ انقلاب 29 مارچ 1944ء

☆ روزنامہ انقلاب 17 نومبر 1928ء ☆ ماہنامہ نظریہ پاکستان دسمبر 2013ء

☆ روزنامہ انقلاب 21 جنوری 1940ء ☆ روزنامہ انقلاب 10 جنوری 1940ء

☆ روزنامہ انقلاب 11 جنوری 1940ء ☆ نوائے وقت (جمعہ ایڈیشن) 15 اپریل 1988ء

☆ روزنامہ ڈان 15 جنوری 1945ء
☆ ایسٹرن ٹائمز 14 اگست 1947ء
☆ روزنامہ نوائے وقت یکم جون 1946ء
☆ روزنامہ انقلاب لاہور 5 اپریل 1929ء
☆ روزنامہ انقلاب 31 جولائی 1941ء
☆ روزنامہ انقلاب 3 اپریل 1944ء
☆ ماہنامہ نظریہ پاکستان دسمبر 2013ء
☆ روزنامہ انقلاب 23 جون 1944ء
☆ روزنامہ انقلاب 5 نومبر 1939ء
☆ روزنامہ نوائے وقت 11 ستمبر 2013ء
☆ روزنامہ جنگ کراچی 15 فروری 1976ء
☆ روزنامہ انقلاب 7 اکتوبر 1943ء
☆ روزنامہ نوائے وقت 30 مئی 1946ء
☆ روزنامہ انقلاب 10 نومبر 1939ء
☆ روزنامہ انقلاب 28 دسمبر 1939ء
☆ ہفت روزہ پیسہ اخبار 18 ستمبر 1929ء
☆ ہفتہ وار پیسہ اخبار 25 جنوری 1934ء
☆ روزنامہ اسٹیٹس مین 31 مارچ 1940ء
☆ روزنامہ زمیندار 13 ستمبر 1948ء
☆ روزنامہ نوائے وقت 25 دسمبر 2013ء
☆ روزنامہ انقلاب 26 اپریل 1942ء
☆ روزنامہ انقلاب یکم مئی 1936ء
☆ روزنامہ انقلاب 9 دسمبر 1939ء

☆ روزنامہ انقلاب 4 اگست 1938ء
☆ روزنامہ انقلاب 25 مارچ 1940ء
☆ روزنامہ انقلاب 22 جولائی 1938ء
☆ روزنامہ انقلاب 28 اگست 1941ء
☆ روزنامہ انقلاب 20 نومبر 1942ء
☆ سول اینڈ ملٹری گزٹ 21 اپریل 1918ء
☆ روزنامہ انقلاب 22 اپریل 1938ء
☆ روزنامہ نوائے وقت 25 دسمبر 2013ء
☆ ہفتہ وار پیسہ اخبار یکم اگست 1929ء
☆ روزنامہ انقلاب 25 جون 1942ء
☆ روزنامہ انقلاب 2 اگست 1943ء
☆ روزنامہ انقلاب 7 نومبر 1943ء
☆ روزنامہ انقلاب 5 جون 1946ء
☆ روزنامہ انقلاب 23 دسمبر 1939ء
☆ روزنامہ انقلاب 3 اپریل 1936ء
☆ روزنامہ پیسہ اخبار 22 نومبر 1919ء
☆ روزنامہ انقلاب 3 اگست 1946ء
☆ روزنامہ انقلاب 15 نومبر 1946ء
☆ روزنامہ نوائے وقت 14 ستمبر 1979ء
☆ روزنامہ انقلاب 28 فروری 1934ء
☆ روزنامہ انقلاب 10 فروری 1935ء
☆ روزنامہ نوائے وقت 25 دسمبر 2013ء
☆ روزنامہ انقلاب 20 دسمبر 1939ء

جہانِ قائدؒ

تالیف

علامہ عبدالستار عاصم